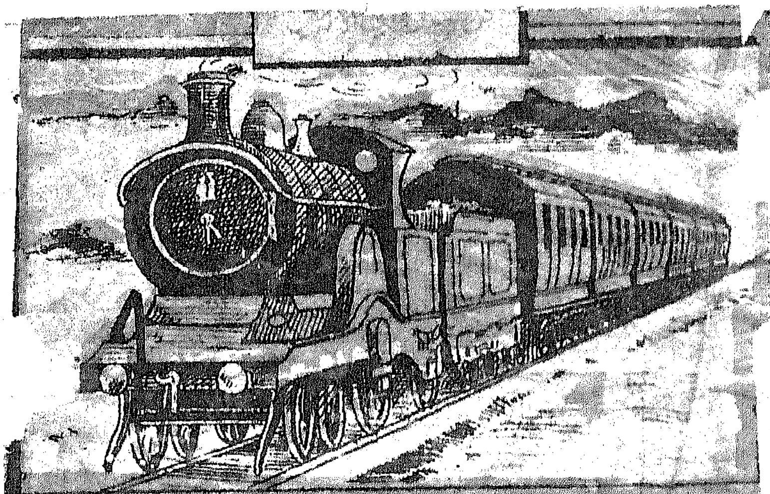
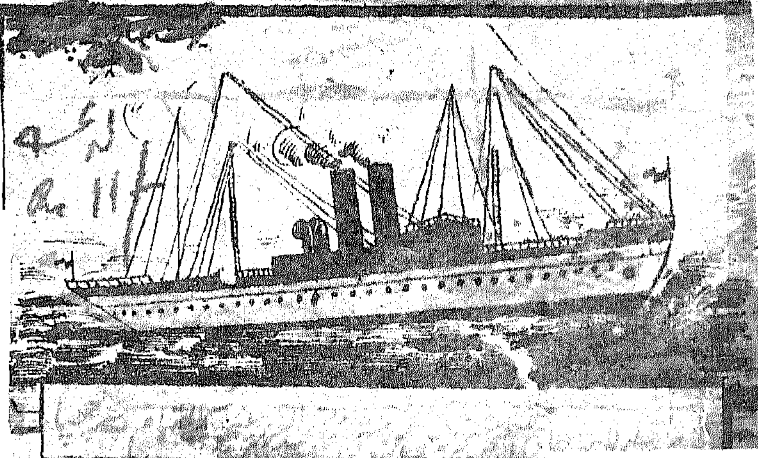


سفرنامۂ یوروپ

جلد دوم - شام و مصر

نوشتہ منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

بار اول ۱۹۰۰ء میں

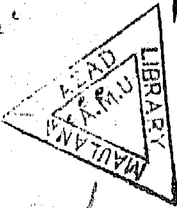




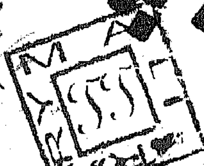


चित्रशाळा पुणें.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



دیباچہ



جب میں نے سنہ ۱۹۰۰ء میں پیرس کی عالمگیر نمائش کا اور انگلستان و دیگر ممالک یوروپ کے ساتھ ہی قسطنطنیہ۔ شام اور مصر کی سیاحت کی تو میں نے اپنے سفر کے حالات بذریعہ خطوط پیسہ اخبار میں چھپوا دیئے۔ کہ جسے تمام ملک نے نہایت پسند کیا۔ یوروپ سے لوٹنے پر نواب محسن الملک بہادر مرحوم نے مجھے بمقام رامپور فرمایا کہ سر سید احمد خان مرحوم کے سفر یوروپ کے حالات کے بعد کبھی اسقدر دلچسپی سے ہمنے یوروپ و بلاد اسلامیہ کی کیفیت نہیں پڑھی تھی۔ اسی طرح سینکڑوں دیگر احباب نے ان حالات کو پسند کر کے تقاضا شروع کیا کہ انہیں بصورت کتاب چھاپ دیا جائے۔ اور میں نے وعدہ کر لیا کہ اپنا سفرنامہ بہت جلد کتاب کی صورت میں شائع کر دونگا۔

لیکن اُن خطوط کو جو پیسہ اخبار میں مختلف مقامات سے سفر کی صعوبتوں اور

پریشانیوں کے درمیان لکھے گئے تھے۔ جب بصورت کتاب چھپنے کے لئے میں نے پڑھا تو ان میں مجھے بہت سے نقص معلوم ہوئے۔ دوسری طرف میں نے دیکھا کہ اپنی ڈائری میں میں نے بہت سے ایسے حالات اور مشاہدات فراہم کرکے قلمبند کئے ہیں کہ جن کا ان چٹھیوں میں ذکر بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اس واسطے میں نے مناسب سمجھا کہ ازسرنو کل حالات سفر کو سلسلہ وار لکھوں۔

لیکن افسوس ہے کہ روزانہ پیسہ اخبار کی اڈیٹری اور دوسری بہت سی مصروفیتوں نے مجھے سفرنامہ کو جلدی مکمل کرنے کی مہلت نہ دی۔ شائقین کے متواتر تقاضوں پر میں نے بار بار اسے لکھنے کی کوشش کی۔ کچھ حالات ۱۹۰۲ء میں لکھے تو باقی کچھ حالات ۱۹۰۶ء میں لکھے گئے۔ اور آخر ۱۹۰۷ء کے اخیر میں تحریر کا کام ختم ہوا۔ لیکن چھپائی ۱۹۰۸ء کے ستمبر سے پہلے ختم نہ ہوسکی اور اس طرح اس قدر عرصہ میں جو حالات سفر لکھے گئے ہیں ان میں ممکن ہے کہ کئی نقص پیدا ہوگئے ہوں تاہم میں نے ان اوراق کے مفید اور دلچسپ بنانے میں جو کوشش کی ہے یقین ہے کہ وہ رائگان نہیں جائیگی۔

ٹرکی کے حالات جو میں نے زیادہ تفصیل اور تحقیقات سے قلمبند کئے ہیں ان میں اس عرصہ میں ایک نہایت غیرمعمولی انقلاب واقع ہوا ہے یعنے کہ آخر جولائی ۱۹۰۸ء میں سلطان المعظم نے اپنی رعایا کو آئینی حکومت عطا کردی ہے، اس طرح سے جو بہت سی شکایات ینگ ٹرکش پارٹی اور اخبارات وغیرہ کو تھیں ان سب کا خاتمہ ہوگیا ہے اور قسطنطنیہ کے اکثر حالات یک قلم بدل گئے ہیں۔ تاہم جو حالات میں نے آئین حاصل ہونے سے پہلے قلمبند کئے ہیں وہ ایک نہایت معتبر تاریخ کا کام دیں گے۔ اسکے علاوہ ان اوراق میں ترکوں کی طرز معاشرت ان کے اخلاق و آداب علوم و فنون اور رسم و رواج کے متعلق اسقدر حالات درج کئے گئے ہیں۔ کہ کسی اردو کتاب میں آجتک موجود نہیں۔

ایک دوسرا نقص بعض مقامات میں یہ نظر آئیگا۔ کہ کسی جگہ اعداد و شمار

سنہ ۱۹۰۰ء کے اور کہیں سنہ ۱۹۰۶ء یا سنہ ۱۹۰۷ء کے درج کیئے گئے ہیں - کیونکہ دیر تو ہو گئی تھی - میں نے کوشش کی کہ جہانتک ہو سکے اعداد اور حالات کی صحت اخیر وقت تک ہو جائے -

مگر بعض اصحاب کی نظر میں شاید اس سفرنامہ کا سب سے بڑا نقص اسکی طوالت ہوگی - میں نے عمداً بعض مضمون کو تفصیل سے بیان کیا ہے - مثلاً نمائش پیرس کی کیفیت - لیکن ایسی نمائش کہ جس میں تمام یورپ اور امریکہ کی قابلیت اور صنعت و حرفت کا جوہر کشید کیا گیا ہو - اسکو مفصل بیان کرنے کی ترغیب کو میں روک نہیں سکتا ہے

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسے اندر طور

میرے سفرنامہ کی طرح اس نمائش پیرس میں بھی اگر کوئی نقص تھا تو وہ اسکی طوالت (عظمت) ہی تھی - چنانچہ ۵ - ۲۲ - اگست سنہ ۱۹ء کے اخبار گرانفک نے اس نمائش پیرس کی تعریف میں یہ فقرہ بھی لکھا تھا -

"یہ نمائش گاہ درحقیقت نہایت عظیم الشان ہوگی - ایسی عظیم الشان کہ اسکے حجم اور شان و شوکت میں کسی سابقہ نمائش کو اس سے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی - اسکا نقص اگر نقص اسے کہہ سکتے ہیں تو اسکی غیر معمولی عظمت ہی ہو سکتا ہے - کیونکہ اسمیں بیحد متنوع نمائشیں ہیں - جو بہت وسیع حلقہ میں محدود ہیں - یہ درحقیقت بہت بڑی - اور بہت ہی وسیع ہے - یہانتک کہ اسکا پورے طور پر مطالعہ کر سکنا ناممکن ہے - مگر عظیم الشان پبلک اسکی عظمت کو اسکا نقص نہیں قرار دیگی - البتہ جو شائقین علمی اور ٹکنیکل نظر سے اسکا مطالعہ کرنا چاہینگے ان کا کام نہایت ہی مشکل ہو گا"

ان حالات میں میں نے جو تماشا بہت سی جگہ اس نمائش کے متنوع حالات

اور عجائبات کے بیان کرنے میں وقف کر دی ہے وہ قابل معافی ہے۔

لنڈن کے حالات اور قابل دید مقامات کی کیفیت بھی میں نے زیادہ وضاحت سے لکھدی ہے۔ کیا لنڈن سے ہمارے تعلقات کی اہمیت اور کیا اس دنیا کے سب سے بڑے شہر کے عجائبات دونوں اس قابل ہیں کہ وہاں کے حالات نہایت شوق اور توجہ سے پڑھے جائیں۔

بہر حال اس اطناب کا سب سے بڑا عذر یہ ہو سکتا ہے کہ میں نے کوشش کی ہے کہ جن جن مقامات اور ممالک کو میں نے دیکھا ہے وہاں کے اسقدر حالات ناظرین کو ذہن نشین ہو جائیں۔ کہ اگر وہ خود بھی انہیں مقامات کو جا کر دیکھیں تو اتنی مدت میں بہت زیادہ روپیہ خرچ کرنے کے بعد بھی انہیں اس سے زیادہ دلچسپ اور پر لطف حالات نہ معلوم ہو سکیں۔ کسی قوم کی زندگی یا ملک کے حالات کے متعلق بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو کئی مصنف حقیر سمجھکر چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر میں نے مختلف ممالک کے چال ڈھال۔ عادات خصوصیات اور قابل دید مقامات و تہذیب و ترقی بیان کرکے ایسی حالت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو عالم خیال میں انہیں مقامات میں پا سکے اور انہیں ایسا لطف حاصل ہو کہ گویا وہ بھی میرے ساتھ ساتھ نمائش پیرس یا برٹش میوزیم سے گذر رہا ہے۔ قسطنطنیہ کے مسقف بازار یا پل غلطہ کی سیر کر رہا ہے۔ جامع امویہ دمشق یا جامع ازہر مصر میں کھڑا ہے۔ یا اہرام مصری کے سامنے عالم تحیر میں غرق ہے۔ اسلئے یہ طول کلام بجائے کدورت طبع کے امید ہے کہ موجب تفریح و افادہ ثابت ہو گا ؂

عیب طول کلام مت کر یو۔
کیا کروں میں سخن سے خوگر تھا۔

میں نے اپنے سفر میں امیروں یا بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کی کوشش نہیں کی۔ نہ مجھے ان باتوں سے زیادہ دلچسپی رہی ہے۔

بلکہ میں اہل علم اور متوسط درجہ کے لوگوں اور غریبوں سے ملکر اُن کے حالات دریافت کرنا اور اُن کے طریق زندگی کو دیکھتا رہا ہوں۔ چنانچہ ان اوراق کی تحریر میں بھی مجھے زیادہ تر یہی بات مدنظر رہی ہے۔ کہ صرف ایسی باتیں قلمبند کیجائیں کہ جن سے اہل ملک فائدہ اٹھائیں۔

غرض میرے اس مختصر سفر سے جو لطف مجھے حاصل ہوا۔ اور جو اضافہ میری معلومات میں ہوا۔ میں نے بلاکم وکاست اسمیں اپنے ہموطنوں کو شریک کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک انگریز مصنف جیمس ہیکہ اپنے سفرنامہ ٹرکی ان یوروپ کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔ کہ:۔

"کوئی علم یا واقفیت جو ایک سیاح اپنی سیاحت کے دوران میں حاصل کرتا ہے۔ اگر وہ اُسے دوسروں پر ظاہر نہ کرے تو اسکی سیاحت محض ایک خودغرضانہ لطف یا عیش ہے۔ اور میری رائے میں سیاح کا یہ ایک پبلک فرض ہے۔ کہ اپنی بہترین لیاقت کیمطابق اُن ممالک اور اقوام کے حالات کہ خود اُسنے معلوم کئے ہیں پبلک کی نذر کر دے۔"

اخیر میں میں صرف اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس سفرنامہ کے اتنی دیر کے بعد چھپنے سے مجھسے زیادہ کسی کو افسوس نہیں ہوسکتا۔ گو بہت سے ناظرین پیسہ اخبار نے ان متعدد سالوں میں کئی مرتبہ اس توقف کا مجھ سے افسوس ظاہر کیا ہے۔ اور سفرنامہ کے طلب میں اُن کے اشتیاق بھرے خطوط سے بارہا مایوسی کی شکل نظر آتی رہی ہے۔ تاہم اسوقت "دیر آید درست آید" کے مشہور مقولہ کے لفظی معنوں سے میں کچھ اطمینان حاصل کر کے ان اوراق کو ہندوستان کی عظیم الشان پبلک کے پیش کرتا ہوں کہ جس لائق یہ ہیں۔ ان سے ویسا سلوک کرے۔

میری ذاتی رائے اس توقف کے متعلق یہ ہے۔ کہ اس سے اصل کتاب

کے مطلب کو کچھ نقصان نہیں پہنچا۔ بلکہ بجائے نقصان کے کچھ نفع ہی ہوا ہے۔ کیونکہ زمانہ نے میرے راؤں اور خیالات کی اکثر باتوں میں تائید کی ہے۔ اور تجربہ نے مجھے یقین دلا دیا ہے۔ کہ جو کچھ میں نے کسی مقام پر دیکھا تھا یا جن لوگوں سے بلکر مینے اطلاع حاصل کی تھی۔ وہ اکثر قابل توجہ اور قابل اعتبار تھی۔ جیساکہ آپ کو ان اوراق کے مطالعہ سے خود ثابت ہو جائیگا۔

دفتر پیسہ اخبار
لاہور ۳۱ ستمبر ۱۹۰۸ء

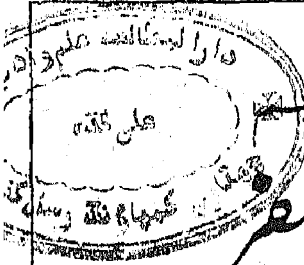
محبوب عالم

فہرست مضامین

نمبر صفحہ	مضامین
۱	ارادہ سفر
۸	منشی محبوب عالم صاحب کا سفر یورپ۔
۱۹	لاہور سے روانگی۔
۳۲	جہاز کی سواری۔
۴۵	جہازی زندگی اور عدن اور پورٹ سعید
۶۶	یورپ کے پہلے شہر برنڈیسی اور وینس
۸۵	ویانا پایۂ تخت آسٹریا۔
۱۰۸	برلن پایۂ تخت جرمنی۔
۱۶۲	بلجیم وغیرہ۔
۱۸۵	۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمائش پیرس۔
۲۱۱	نمائش کا پہلا حصّہ۔
۲۲۱	نمائش کا دوسرا حصّہ۔
۲۳۷	نمائش کا تیسرا حصّہ۔
۲۵۹	نمائش کا چوتھا حصّہ۔
۲۶۵	نمائش کا پانچواں حصّہ۔

نمبر صفحہ	مضامین
۳۱۲	نمائش کا چھٹا حصّہ۔
۳۵۵	ضمیمۂ نمائش۔
۳۸۱	شہر پیرس کے حالات۔
۴۳۴	ہندوستان میں مروج ہونے کے لائق پیشے اور حرفتیں۔
۴۴۹	لنڈن۔
۵۷۳	لنڈن سے واپسی اور پیرس سے قسطنطنیہ تک۔
۶۰۶	قسطنطنیہ
۶۷۰	مساجد۔ تربے اور قبرستان
۶۸۷	مقامات قابل دید و قابل سیر
۷۰۰	تعلیم قدیم و جدید اعلیٰ مکاتب اور تعلیم نسواں
۷۲۳	تعلیم نسواں
۷۳۱	اخبارات۔ رسالے۔ مطابع۔ کتابیں۔ زندہ مصنف اور کتب خانے۔

نمبر صفحہ	مضامین
۷۴۸	ترک مشاہیر سے ملاقاتیں اور انکی رائیں
۷۶۸	آمدورفت کے ذریعے اور وسائل
۷۷۸	اسلامی حکومت کی شان اور اسلامی تعصب
۷۸۶	تبادلۂ مسئلہ - تجارت اور دستکاریوں کی کساد بازاری
۷۹۶	جنگی حالت - جہازسازی توپسازی کارخانہ اور سلطنت کے دیگر اعلیٰ محکمات
۸۱۴	تکیے - خانقاہیں - چشمے - سبیلیں حمام اور خان
۸۱۹	سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کے عہد کے کارنامے اور بعض اصلاحات
۸۲۸	تحائف استانبول وغیرہ
۸۴۴	قسطنطنیہ سے بیروت تک
۸۶۳	بیروت و دمشق
۸۷۹	دمشق
۹۰۶	مصر
۹۲۲	مصر کے پالیٹکس
۹۲۷	فنانس (سرمایہ)
۹۴۷	مصر میں آثار قدیم
۹۵۷	مصر کے مطابع - اخبارات اور بعض مشاہیر سے ملاقات
۹۶۴	اہل مصر کے اطوار و رسم و رواج
۹۶۷	معاودت وطن



بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارادۂ سفر

بہ درگان تا کہ در بند خانہ درگروی
ہرگز اے خام آدمی نشوی

میں مدت سے اس بات کا قائل ہوں کہ ہندوستان کی بہتری اور ترقی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہندوستانی سیاحت یا تجارت یا دیگر وسائل کسب معاش یا حصول تعلیم و تجربہ کے لئے ہندوستان سے باہر نکل کر دنیا کے دیگر ممالک کا سفر کریں خصوصاً دنیا کے اُن مہذب حصوں کا کہ جہاں کی قومیں علوم و فنون میں ہم سے بہت آگے بڑھی ہوئی ہیں تا کہ وہاں سے کچھ دیکھ کر اور سیکھ کر آئیں اور اپنے ہموطنوں کو اپنے تجربات سے مستفید کریں۔

شائستگی اور سفر

دُنیا کی بڑی بڑی قوموں کی ترقی کی تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے سفر بلادِ بعیدہ سے کس قدر فوائد حاصل کئے۔ جو فوائد کہ صرف انہیں کی ذات تک محدود نہ ہے۔ بلکہ دنیا کی شائستگی کو بھی ان سے معتد بہ فائدہ پہنچا۔ اور جو قومیں کہ باوجود معراج ترقی پر پہنچنے کے سفر اور سیاحت کو ترک کر کے اپنے وطن کی چار دیواری میں عزلت نشین ہو گئیں انہوں نے نہ صرف اپنی عظمت اور شوکت کو ہی کھودیا بلکہ دنیا کی شائستگی کو بھی بڑا نقصان پہنچایا۔ اولوالعزم قومیں تمام دنیا کو اپنا گھر سمجھتی ہیں۔ گو وطن کو بھی فراموش نہیں کرتیں۔ اگر اہل عرب حجاز اور تہامہ کے ریگستانوں کو چھوڑ کر ایک طرف گنگا اور دوسری طرف گواڈل کیور کے ساحلوں تک نہ پھیل جاتے تو وہ عزت

اور شوکت اُن کی قوم کو کب حاصل ہوتی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی - اگر اہل انگلستان گھروں سے باہر نہ نکلتے تو نہ امریکہ اور آسٹریلیا آج آباد ہوتا اور نہ ہندوستان پر انگریزی حکومت کا سایہ ہوتا ۔

سفر کی صعوبتیں کم ہو گئی ہیں -

مجھے بارہا خیال آتا ہے کہ اگر مسلمان یوروپ میں پہنچ کر اہل یوروپ کو بیدار نہ کرتے اور یوروپ کے عیسائی صلیبی جنگوں کے لئے بار بار امنڈ کر ملک شام کو نہ آتے تو آج یوروپ کو کبھی وہ شائستگی اور ترقی حاصل نہ ہوتی کہ جس پر وہ اب نازاں ہے - اگر روئے زمین کے مسلمان حج کعبہ پوری سرگرمی سے ادا کرتے رہتے کہ جیسا کہ ان کے اسلاف قرونِ اولیٰ میں کیا کرتے تھے تو اُن کی حالت موجودہ بہتر ہوتی - حالانکہ قدیم زمانہ میں جبکہ ریلیں اور آگبوٹ اور برقی گاڑیاں اور تار برقی ایجاد نہیں ہوئی تھیں اولوالعزم لوگ اُن زمانوں میں بھی بحر و بر کو اُسی مستعدی اور عزم کے ساتھ طے کیا کرتے تھے جیسے کہ آج کرتے ہیں - آج قرون ماضیہ کے دلاوروں کے اخلاف نے اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر چلنا فراموش کر دیا ہے حالانکہ دیگر اقوام اُن کی پیروی کر کے اولوالعزم کہلانے لگی ہیں - جس گروہ نے سیروا فی الارض کے مہتم بالشان ارشاد کو فراموش کر دیا ہے وہ ذلت خمول کے گوشہ میں جا پڑی ہے - لیکن ایک دوسری ہمسایہ قوم نہ دل سے اس فرمان کی عزت اور توقیر کرتی ہے اور اُس کی تعمیل کو اپنا دستور العمل سمجھتی ہے - تو کیا وجہ ہے کہ اُسے وہ عزت اور رتبہ حاصل نہ ہو کہ جو اُسکے طریقِ عمل کا صلہ ہے - ہندوؤں نے اگر سمندر کے سفر کو گناہ سمجھ لیا یا چینیوں نے غیر قوموں سے ربط ضبط چھوڑ دیا تو اپنی شائستگی اور عزت کو کیسا صدمہ پہنچایا ۔

اہل یوروپ و امریکہ کا تفریحی سفر

ہمارے زمانہ میں اہل یوروپ و امریکہ قطع نظر حصول معاش اور تفریح کے لئے تجربات کے بڑھانے اور مناظر قدرت کی سیر کے لئے اس کثرت سے سفر اختیار کرتے ہیں کہ اُن لوگوں میں

دور دراز اقطاع عالم کی سیاحت پختہ مغزی کا ایک معیار قرار پا گئی ہے۔ وہ اس مثل اور قول ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے "کی عملاً تصدیق کرتے ہیں۔ ان میں سے عموماً صاحب استطاعت لوگ اپنے بچوں کو عام اس سے کہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں کالج کی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے براعظم یا دوسرے براعظموں میں سفر کرنے کا موقع دیتے ہیں جس سے اُن کے خیالات وسیع اور معلومات وافر ہو جاتی ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی عام عورتوں اور مردوں کا حال ہے۔ ورنہ اُن کے خاص خاص محقق لوگ تو وسط افریقہ کے لق و دق میدانوں۔ تبت کے ہولناک کوہستانوں اور قطب شمالی کے جالستان برفستانوں پر سرگرم تحقیقات و تلاش ہیں۔ ہر چند کہ قطب شمالی کی تحقیقات میں آج تک سینکڑوں جوانمرد قربان ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ اپنی دھن کے ایسے پکے ہیں کہ ہر جانے والے کو یقین ہوتا ہے کہ میں تو ضرور کامیاب ہو جاؤں گا ؎

گرچہ راہے است پُر از بیم ز ما تا دوست
رفتن آسان بود ار واقفِ منزل باشی

ریل اور جہاز کا سفر فی الواقعہ بڑی آسایش اور تفریح کا سفر ہے۔ کہ جس کی بدولت آج یوروپ اور امریکہ کی دوشیزہ مسیں کرۂ ارض کے گرد گھوم کر چند ماہ میں اپنے گھروں میں سلامت جا پہنچتی ہیں۔ اور دھڑا دھڑ سفرنامے لکھ کر شائع کر رہی ہیں۔ غرض آج سالوں اور مہینوں کے راستے دنوں اور گھنٹوں میں طے ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ شوق راہبر ہو۔ روپیہ ہر چند کہ ہم لوگوں کے پاس بہت کم ہے۔ اور سفر روپیہ کے سوا سے ہو نہیں سکتا۔ تاہم اگر دل میں شوق ہو تو آج یا کل یا پرسوں تھوڑے سے بہت روپے کا ضرور انتظام ہو ہی جائیگا ✦

یوروپ کا سوم درجہ کا کرایہ

اگر اول درجہ میں سفر کرنے کی توفیق نہیں تو دوم درجہ میں کرو۔ اگر دوم میں نہیں سوم میں کر لو۔ جہازوں میں درجہ

سوم اس قدر سستا ہے کہ ہندوستان سے یوروپ تک ڈیڑھ سو روپے میں جا سکتے ہیں۔ روپیہ کے سوا دوسری مشکل ہم لوگوں کو یہ پیش آتی ہے کہ دنیا کے دھندوں سے کسی وقت فرصت ہی نہیں ملتی۔ بچپن میں جو جوا محنت مزدوری یا نوکری یا علائق خانہ داری کا میاں کے کندھوں پر رکھا گیا تھا اب سوائے موت کے کبھی تھوڑی مدت کے لیئے بھی نہیں اترے گا۔ اہل یوروپ میں اور ہم لوگوں میں ایک یہ بھی بہت بڑا فرق ہے کہ اُن کے یہاں کام کے وقت جان توڑ کر اور دل لگا کر کام کرتے ہیں۔ اور فراغت کے وقت جو کام کے بعد ہونا ضروری ہے تفریح میں بھی اُسی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے ہیں کہ گویا یہ بھی ایک کام ہے کہ جسے مستعدی سے ختم کرنا ضروری ہے +

محنت اور تفریح پہلو بہ پہلو

کام کے زمانوں کے بعد اس باقاعدگی سے ان کے یہاں تعطیلات کا زمانہ آتا ہے کہ سب لوگ جو کچھ بھی حیثیت رکھتے ہیں تفریح اور آرام کے لیئے اپنے ملک یا دیگر ممالک کے تفریح اور سیر کے مقامات کو چلے جاتے ہیں۔ اسی لیئے تمام یوروپ میں سینکڑوں شہروں مثل روما اور نائیس وغیرہ کی زندگی کا مدار مختلف موسموں میں وہاں کے سیاحوں کے جانے پر رہ گیا ہے۔ اگر ایک سال کسی جنگ یا وبا کی وجہ سے مسافر اُن مقامات میں نہ جائیں تو وہاں کے ہوٹلوں والے اور دوکاندار مفلس قلاش ہو جائیں۔ اب جسقدر ریل اور جہاز کے سفر میں سہولتیں بڑھتی جاتی ہیں ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظموں میں محض تفریح اور صحت کی تلاش میں کثرت سے جانے لگے ہیں۔ امریکہ کے لاکھوں سیاح ہر سال صرف لنڈن پیرس اور دیگر بلاد یوروپ کو دیکھنے کے لیئے آتے ہیں لاکھوں اہل یوروپ اور امریکہ محض تفریح اور معلومات حاصل کرنے کی غرض سے موسم سرما مصر میں بسر کرتے ہیں۔ لیکن کسی خاص شہر یا ملک تک اُن کی سیاحت محدود نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں یہ خدا کے بندے وقت

فرصت بسر کرنے اور معلومات سمیٹنے کے لئے نہیں جا پہنچتے ۔

ہندوستانی یوروپ سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

ہمارے اور اہل یوروپ کے حالات میں بعد المشرقین ہے ۔ اگر ان میں سے بہت لوگ تفریح کے لئے سفر کرتے ہیں تو ہمارے یہاں نہ اس کام کی فرصت ہے اور نہ گنجایش ہے۔ لیکن وہ یوروپ جس کی شایستگی اور علوم وفنون کی روشنی کا پرتو آج تمام عالم پر پڑ رہا ہے ۔ وہ یوروپ کہ جہاں کی دانشمند اور زبردست قومیں باقی ساری دُنیا پر حکومت کر رہی ہیں ۔ وہ یوروپ کہ جہاں کی دستکاریوں اور ایجادوں نے ایک عالم کو حیرت میں ڈال رکھا ہے ۔ اِس مُردہ دلوں کی دیار میں بھی لاکھوں اپنے حُسن دلفریب کے غائبانہ عاشق رکھتا ہے ۔ اور ہندوستانی باوجود اپنی ناداری کے اگر اس کی محبت کا دم بھریں تو نازیبا نہیں کیونکہ اُن ملکوں کی آب وہوا علوم وفنون کے ذرّات سے مرکب ہے ۔ اہل ہند کے لئے اُن ممالک میں لاکھوں سبق کوچہ وبرزن میں ملتے ہیں۔ اِس لئے اگر کسی ہندوستانی کو سیاحت یوروپ کا شوق دامنگیر ہو تو یہ ایک معمولی بات ہے ۔

مَیں بھی انہیں لوگوں میں سے ایک ہوں جن کا خیال ہے کہ سیاحت یوروپ میں بہت سی ایسی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں کہ جو میرے ہموطنوں کی ذہنی اور معاشرتی زندگی کو بہتر بنا سکتی ہیں ۔ مجھے بارہا وہاں کے عجیب وغریب اخبارات کے دفاتر ۔ وہاں کے عظیم الشان صنعت وحرفت کے کارخانے اور مدرسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا رہ رہ کر شوق ہوتا تھا ۔ مَیں اُن لوگوں کے کام کرنے اور رہنے سہنے کے طریقے اپنی آنکھوں سے دیکھنے چاہتا تھا ۔ لیکن دُنیا کے بکھیڑوں سے دم لینے کی فرصت نہیں ملتی تھی ۔ خصوصًا روزانہ پیسہ اخبار کی خدمت کے لئے مجھے اس قدر سخت محنت کرنی پڑی کہ جس کا میری صحت پر بہت بڑا اثر پڑا ۔ اِس لئے بھی مَیں کچھ

نمائش پیرس کی ترغیب

دونوں کے لئے کاروبار سے علیحدہ ہونا چاہتا تھا۔ کہ ۱۹۰۰ء کی مشہور نمائش گاہ عالم منعقدہ پیرس کا زمانہ قریب آگیا۔ اخبارات میں دیکھا گیا تھا۔ کہ آجتک اتنی بڑی اور ایسی جامع نمائش دنیا میں کہیں نہیں ہوئی۔ میں نے سمجھا کہ اس سے بہتر موقع یوروپ کے دیکھنے کا ہاتھ نہیں آئیگا۔ کیونکہ نمائش گاہ پیرس بجائے خود ایک چھوٹا سا یوروپ نہیں بلکہ ہفت اقلیم کا خلاصہ ہوگی چنانچہ میں نے بسم اللہ کہہ کر سفر کا ارادہ مستقل کرلیا۔ اور پیسہ اخبار میں اپنے ارادہ کا اعلان کرکے اپنے دوستوں سے رخصت حاصل کی ❊

اس عرصہ میں میں نے ایک طرف اپنے کاروبار کو جہانتک کہ میری ذات سے متعلق تھے۔ سمیٹنا شروع کیا۔ اور دوسری طرف مسرز طامس کک اینڈ سنز کے بمبئی کے کارخانہ سے جہاز کا انتظام کیا۔ اور سو تین سو روپیہ جہاز کے کرایہ کا پیشگی اس کارخانہ کو بھیجدیا۔ کیونکہ جب تک کُل یا جزو رقم پیشگی نہ بھیجی جاوے جہاز میں جگہ خالی نہیں رہ سکتی۔ میرا خیال تھا کہ جہاز کا

آخری رکاوٹیں

کرایہ ٹھیرا لینے اور روانگی کی تاریخ معین کرنے کے بعد میرے سفر کے راستہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔ لیکن تجربہ نے اس خیال کو بالکل غلط ثابت کیا۔ کیونکہ میری والدہ مکرمہ اور بیوی۔ بچوں اور دوسرے عزیزوں نے اب تقاضا شروع کیا کہ جس طرح ہو سکے میں اپنا ارادہ بدل دوں۔ میرے ایک بزرگ دوست نے جو بڑے روشنضمیر اور برگزیدہ بشر ہیں اور مجھ سے دلی محبت رکھتے ہیں نہ صرف ایک لمبے چوڑے اور مدلل خط میں مجھے گھر سے نہ نکلنے کی ترغیب دی بلکہ جو تین سو روپیہ جہاز کے کرایہ میں بھیجا جاچکا تھا وہ بھی اپنی گرہ سے دینا چاہا تاکہ میں اپنا ارادہ ترک کردوں۔ اس لئے جہاز کی روانگی کی تاریخ تک کا زمانہ میرے لئے بڑی آزمائش کا زمانہ تھا۔ میرے ایسے ایک کثیرالعیال اور کثیرالاشغال شخص کو ایک اتنے طول طویل سفر پر

جانے سے پہلے بہت سی تیاری کرنی پڑی ۔ کارخانہ کے متعلق سینکڑوں چھوٹے چھوٹے کاموں کی نسبت اپنے چھوٹے بھائی میاں محمد عبد العزیز کے پاس ہدایات چھوڑ رکھے۔ اور عیال و اطفال کے کاموں کو سنبھالنے اور انہیں اطمینان دینے میں آخر یہ دن ختم ہو گئے۔ اس دوران میں مجھے بارہا خیال آتا تھا کہ ایک اس سے بھی لمبا سفر درپیش ہے۔ لیکن حیف ہے کہ اسکی تیاری کے لئے بہت کم کوشش کی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں میری ہمت بندھانے اور اور مجھے متوجہ رکھنے میں اُن صدہا بلکہ ہزارہا غائبانہ مہربانوں کے خطوط نے بڑا کام دیا کہ جو ہندوستان کے ہر حصہ میں پیسہ اخبار کو پڑھتے ہیں۔ اور اسلئے مجھ سے ایک نوع کی روحانی ملاقات اور محبت رکھتے ہیں۔ اُن دنوں کوئی ڈاک نہیں آتی تھی جس میں مندرجہ بالا مضمون کے خط نہ ہوتے اور کوئی خط نہیں ہوتا تھا جس میں یہ مشہور شعر نہ ہوتا ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد بسلامت روی و باز آئی

اُسی وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ اتنا مشہور شعر ہے ؛

الوداعی جلسہ

دوسری طرف لاہور کے بزرگوں اور دوستوں نے طرح طرح سے اُس محبت اور مہربانی کا اظہار کیا جو انہیں اس خاکسار سے ہے ۔ اور ایک الوداعی جلسہ کیا گیا ۔ جس کی کیفیت شیخ عبد القادر صاحب ایڈیٹر پنجاب ابزرور کی لکھی ہوئی ۲ جون کے پیسہ اخبار کے ضمیمہ سے یہاں بجنسہٖ نقل کی جاتی ہے ۔ جس کے ساتھ میری غیر حاضری میں ایڈیٹر پیسہ اخبار کا ایک نوٹ بھی ہے :-

منشی محبوب عالم صاحب کا سفر یورپ اور الوداعی جلسہ

"جناب منشی محبوب عالم صاحب مالک پیسہ اخبار لاہور کے سیاحت یورپ پر تشریف لے جانے پر ان کے اعزاز میں گذشتہ ہفتے انکے معزز احباب نے جو ایوننگ پارٹی دی تھی اُس کی کیفیت بغرض اندراج اخبار موصول ہوئی ہے۔ چونکہ منشی محبوب عالم صاحب ہمیشہ خود ستائی کو ناپسند کرتے رہے ہیں۔ اور آج تک کبھی اخبار کے کالموں میں اُنہوں نے اس قسم کا تذکرہ کرنا گوارا نہیں کیا۔ دوسری طرف ان کے دوست و احباب اس روئداد کے اندراج کے لئے سخت تقاضا کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس حالت میں المامور معذور اور آزردن دل دوستان جہل است کی مصداق اس پارٹی کی کیفیت پیسہ اخبار سے علیحدہ بطور ضمیمہ کے شائع کی جاتی ہے۔ خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو (ایڈیٹر)

"جناب مکرمی ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم۔ ہرچند کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے اخبار کے مالک و ایڈیٹر منشی محبوب عالم صاحب شہرت پسند نہیں بلکہ شہرت سے کنارہ کش رہے ہیں۔ اور اُنہوں نے حتے الوسع ان خطوط کو جو کسی طرح سے اُن کی مدح میں ہوں اخبار میں کبھی جگہ نہیں دی۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو جو ہدایتیں دی گئی ہیں۔ ایسی ہی ہونگی کہ وہی پرانا طریق ملحوظ رہے۔ تاہم اس کمیٹی کی طرف سے جس نے اُن کے الوداعی جلسہ کا انتظام کیا تھا۔ بزور آپ کی خدمت میں درخواست ہے کہ آپ اِس جلسہ کی روئداد کو بلا کم و کاست درج اخبار فرماویں۔ اور اس میں اپنے اخبار کی معتاد کسر نفسی سے کام نہ لیں۔ اور اگر اس تمام کے لئے اپنے اخبار

کے کالموں میں گنجائش نہ دیکھیں تو اسے بطور ضمیمہ کے چھاپ کے شائع کر دیں۔ باعث ممنونی۔ راقم و دیگر ممبران کمیٹی مذکور ہوگا۔ دبندہ شیخ عبدالقادر۔ ایڈیٹر اخبار پنجاب ابزرور

روئیداد جلسہ

" ۲۵ مئی کو جمعہ کے دن اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع صحن میں ایک منتخب مجمع اہل اسلام لاہور کا تھا۔ جس میں علاوہ دیگر بزرگان کے مندرجہ ذیل اصحاب کے نام خصوصیت سے لئے جا سکتے ہیں۔ خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب سکرٹری انجمن اسلامیہ و وائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی۔ نواب شیخ غلام محبوب سبحانی صاحب رئیس لاہور۔ سردار رضا علیخان صاحب قزلباش۔ خان بہادر ڈاکٹر سید امیر شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن۔ فقیر سید افتخار الدین صاحب میر منشی گورنمنٹ پنجاب۔ میاں کریم بخش صاحب میونسپل کمشنر۔ مولوی محمد فضل الدین صاحب رئیس پلیڈر و میونسپل کمشنر۔ مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پریزیڈنٹ انجمن حمایت اسلام۔ حاجی منشی شمس الدین صاحب جنرل سکرٹری انجمن حمایت اسلام۔ شیخ عمر بخش صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ خاں صاحب ڈاکٹر سید مہتاب شاہ صاحب پروفیسر وٹرنری کالج۔ سید سردار شاہ صاحب گیلانی ہاؤس سرجن وٹرنری کالج۔ سید ولی شاہ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔ مرزا نوازش علی صاحب ریڈر چیف کورٹ۔ سید احمد شاہ صاحب تحصیلدار۔ چوہدری نبی بخش صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل۔ ماسٹر شیر محمد صاحب مولوی حاکم علی صاحب بی۔ اے پرنسپل اسلامیہ کالج۔ سید خورشید انور صاحب بی اے ۔

" یہ سب اصحاب اس لئے جمع ہوئے تھے کہ منشی محبوب عالم صاحب کو اُن کی روانگی یورپ سے پیشتر خیر باد کہیں۔ اور اُن کی خدمات کے اظہار قدر دانی میں شریک ہوں۔ اِن کے علاوہ منشی محبوب عالم صاحب کے وہ معزز احباب جنکے سخت اصرار سے اُنہوں نے اتنا بھی جلسہ اپنی خاطر ہونا منظور کیا تھا۔ اور جن کی جانب سے اسکا اہتمام تھا موجود تھے۔ مثلاً شیخ عبدالقادر صاحب بی اے

ایڈیٹر اخبار پنجاب ابزرور۔ حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما۔ حکیم شہباز الدین صاحب رئیس لاہور بازار حکیماں۔ مولوی احمد دین صاحب بی اے وکیل۔ شیخ گلاب الدین صاحب مختار۔ چوہدری سردار خاں صاحب بی اے۔ حکیم محمد شریف صاحب آئی ڈاکٹر۔ بابو رحیم بخش صاحب بی اے۔

"ٹھیک ساڑھے پانچ بجے وقت مقررہ پر لوگ تشریف لانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں منشی محبوب عالم صاحب مع اپنے بھائیوں اور اعزہ کے تشریف لائے اور ہر کسی سے اُن کی تپاک اور محبت سے ملاقات ہوئی اور مختلف گروپس میں حاضرین باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں ایک طرف ایک گروپ میں حاضرین میں سے بعض کی تصویر کا انتظام کیا گیا تھا۔ اسکے واسطے بیٹھنا پڑا۔ اور پنڈت گردھر رائے صاحب فوٹوگرافر نے ایک تصویر اُتاری جس میں معزز حاضرین کا ایک معقول حصہ آگیا۔

اسکے بعد شیخ عبدالقادر صاحب نے سب حاضرین جلسہ کی اجازت ایک مختصر سی تقریر کے لئے چاہی۔ اور مندرجہ ذیل تقریر کی :۔

تقریر شیخ عبدالقادر صاحب

"حضرات۔ آج کے مجمع کا اور ایسی مجالس کا اصلی منشاء اخلاقی ہے۔ اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ سوشل میل جول سے باہمی محبت اور اتحاد میں ترقی ہو۔ اور رل بیٹھنے اور ملکر کچھ کھانے پینے کا لطف آئے۔ اور اسی لئے ایسے موقعوں پر کوئی لمبی تقریریں کرنے کا دستور نہیں۔ تاہم کسی قدر اظہار اس بات کا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج آپ کو تکلیف کیوں دی گئی اور یہ جلسہ جو آپ دیکھ رہے ہیں کس طرح منعقد ہوا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے دوست منشی محبوب عالم صاحب کی طبیعت نمود و اظہار خود پسندی اور خودستائی سے ہمیشہ گریزاں رہی ہے۔ اور باوجودیکہ اپنی دیرینہ اور سرگرم پبلک خدمات کے لحاظ سے اُن کا حق تھا کہ اِن کے رخصتانہ اور لمبے سفر کے موقع پر عام پبلک کی جانب سے نہایت شان و شوکت کا الوداعی

جلسہ کیا جاتا۔ انہوں نے اپنے احباب کی اس تحریک کو منظور نہ کیا۔ آخر چند خاص دوستوں میں یہ قرارداد ہوئی کہ ایک مقابلۃً مختصر پارٹی جس میں اُن کے ذاتی ملاقاتی اصحاب مدعو ہوں کر دیجائے۔ اور اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ وہ اتنا بھی مانتے ہیں یا نہیں۔ آخر یہ مشورہ ہو کر اُن کو ان الفاظ میں اطلاع دی گئی۔

"جناب من! آپ کی کسرِ نفسی کا پورا لحاظ کر کے ایک مختصر پارٹی احباب خاص کی قرار پائی ہے۔ امید کہ آپ کو اس پر تو اعتراض نہ ہوگا۔ اور ہو بھی تو کیا۔ اتنا تو ازحد ضروری ہے۔ آپ کو صرف یہ اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ آپ جمعہ کے دن پانچ بجے بعد شام تک کا وقت فارغ رکھیں اور اس وقت کے لئے کوئی اَور کام پیش نظر نہ رہے۔ اس میں آپ کا اب کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔"

انہوں نے جواب دیا "جناب من۔ آپ کا اطلاعی رقعہ لکھا ہی ایسے الفاظ میں گیا ہے۔ جسکا جواب سوائے اسکے اَور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ع

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

ایک دوست کے حکم کے آگے شاعر نے سرِ تسلیم خم کرنے کو کہا ہے۔ یہاں تو آپ کئی دوستوں کا ارشاد پہنچتے ہیں۔ پس سرِ تسلیم نہ صرف خم ہونا چاہئے۔ بلکہ زمین تک جھک جانا چاہئے۔ بہرحال آپ کی عنایت کا مشکور ہوں۔ مگر مجبور کئے جانے کا شاکی "

صاحبان۔ جہاں منشی صاحب میں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ وہاں یہ خوبی فی زمانا کیا کم ہے۔ ان کے لئے شہرت کے دروازے ایسے کھلے ہیں۔ کہ کچھ حد نہیں۔ ان کی خدمات دیرینہ ان کو پبلک قدردانی کا مستحق بناتی ہیں۔ اور یہ ہیں کہ اتنے سالوں کے بعد بھی ایسے موقع سے جس قسم کے موقعوں پر لوگ جان دیتے ہیں۔ بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ان کے اخبار کی خوبیوں میں بھی یہی بات کچھ کم قابل قدر نہیں کہ انہوں نے اسے اپنے بعض

ہمعصروں کی طرح کبھی اپنی ذاتی شہرت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ذاتی شہرت تو کیا بعض تو شہرت کو یہاں تک تشہیر کے درجے پر پہنچا دیتے ہیں کہ کوئی کام اُنکا خودستائی سے خالی نہیں ہوتا۔ اور خلقت کے روپے کو اپنی مدح سرائی پر لگاتے ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ متدین اخبار نویسی کی نظر میں یہ صاف بددیانتی ہے اور منشی محبوب عالم صاحب کی کامیابی کے رازوں میں ایک بڑا راز یہ ہے کہ اُنھوں نے شروع سے دیانتدارانہ اخبار نویسی کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔ انھوں نے کبھی اخبار کو کاسۂ گدائی۔ یا آلۂ استحصال بالجبر نہیں بنایا۔ اور اپنا یہ فرض سمجھا ہے کہ پبلک سے جو قیمت لیں۔ اس کے عوض میں معقول مقدار مضامین کی اُن کی خدمت میں پہنچائیں چنانچہ پیسہ اخبار کی قیمت صرف دو روپیہ ہے۔ اور یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان بھر میں اس کی اشاعت کثیر ہے۔ دس ہزار کے قریب اخبار شائع ہونا ابھی اس ترقی کے اعتبار سے جو ہمارے ملک میں ہوئی ہے کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ اور یہ ان کے اپنے فرض کو بخوبی سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ ایک اور بات جو منشی محبوب عالم صاحب کے متعلق قابل ذکر ہے یہ ہے کہ وہ رائے کی آزادی سے ظاہر کرنے میں ہمیشہ اُردو اخبارات میں مخصوص خیال کیئے گئے ہیں۔ اور اکثر دفعہ اُنھوں نے بلا لحاظ اپنے بیگانے دشمن اور دوست کے اشخاص اور اُن کے اعمال کی نسبت صاف رائے اخبار میں لکھ دی ہے۔ اور گو اس میں ان کو بعض کی ناراضگی کا سامنا ہوا ہے۔ مگر اُنھوں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور یہ تعریفیں بالخصوص قابل قدر ہو جاتی ہیں جب یہ دھیان رہے کہ سارے امتیاز اُنھوں نے محض اپنی ہمت اور اپنی کوشش سے بغیر کسی امید کے سہارے یا رئیس کے بھروسے کے زور بازو سے اور عرق پیشانی بہا بہا کر حاصل کیئے ہیں۔ اُن کو مدرسہ اور کالج میں باقاعدہ تعلیم نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اور اس کمی کو اُنھوں نے اپنے مطالعہ سے پورا

کیا۔ اُن کو کوئی رقوم اپنے بزرگوں سے ترکہ میں نہیں پہنچی تھیں۔ نہ کسی دوست سے حاصل ہوئی تھیں۔ جن کو اُنہوں نے اپنا سرمایہ بنا لیا۔ خود ہی چند روپیوں کے ابتدائی سرمایہ سے ایک کارخانہ کے مالک بنے اور اب اپنے خرچ پر اور اپنے بل پر ولایت جاتے ہیں۔ ان کا مقصد اس سفر میں ایک تو تفریح کا ہے۔ جو اتنے سالوں کی محنت شاقہ کے بعد ان کا حق ہے۔ دوسرے یوروپ کی تہذیب اور علمی ترقی سے استفادہ ہے جس کی یہ ضرور قابلیت رکھتے ہیں۔ نمایش پیرس ایک ترغیب خاص موجود ہے اور ان کا عزم مصمم ہو چکا ہے۔ پرسوں ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے جانیکو ہیں۔ اس وقت سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ہم انہیں اس کامیابی پر جو تا حال ان کو ہوئی ہے مبارکباد دیں۔ اور دل سے کہیں ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد   بہ سلامت روی و باز آئی

اس تقریر کے خاتمہ پر احمد حسین خاں صاحب بی اے لاہور کے مشہور شاعر نے ایک دلچسپ نظم پڑھ کر سنائی۔ مگر اس نظم کے شروع ہونے سے پیشتر یہ چند الفاظ شیخ عبد القادر صاحب نے کہے۔

صاحبان۔ یہ نظم بھی ہمارے آج کے عزیز مہمان کے استمزاج کے بغیر تیار ہوئی ہے۔ آپ جان سکتے ہیں کہ جب انہیں نثر میں اپنی تعریف سُننے کا تحمل نہیں تو انہیں نظم کیونکر پسند ہونے لگی۔ مجھے اس بات کا ذاتی علم ہے کہ ان کے ہاں نظمیں چھپنے کی غرض سے آئیں۔ جن میں اُن کی کسی قسم کی تعریف تھی۔ اور اس واسطے چھپ نہ سکیں۔ اگر وہ اس بات کی پروا کرتے کہ کسی عید یا نوروز یا تقریب پر کوئی مبارکباد کا قصیدہ یا رباعی اخبار میں چھاپ لیں۔ یا کسی اپنی تصنیف کی تقریظ کے طور پر کوئی نظم حاصل کر لیں۔ تو اخبار غزلوں سے بھر لیتے۔ مگر اُنہوں نے پسند نہیں کیا۔ اور میری دانست میں اچھا کیا۔ اور اپنے ہمعصروں کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم کی۔ یہ نظم خاں صاحب نے

پرانی دوستی اور محبت کے خیال سے لکھی ہے۔ خان صاحب صاحب تصانیف وتالیفات ہیں۔ اور منشی صاحب پبلشر ہیں۔ اس پرانے راہ و رسم نے خانصاحب سے نظم لکھوائی ہے۔ اور اس کے لحاظ سے اس کے پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

نظم محبوب

آج اس بزم میں ہم آئے ہیں لیکر گوہر
بحرِ الفت سے یہ نکلے ہیں برابر گوہر
یہ ہیں خوش آب محبت سے منور گوہر
بادشاہوں کو کہاں ایسے میسر گوہر
یہ وہ گوہر ہیں نہیں مفت جو کھوئے ہے
ہاں اخوت کے ہیں رشتے میں پروئے ہے

یہ وہ گوہر ہیں چمکتی ہے محبت ان میں
یہ وہ گوہر ہیں دمکتی ہے اخوت ان میں
مثل آئینہ ہر آئینہ ہے الفت ان میں
صاف الفت کی نظر آتی ہے صورت ان میں
سچے موتی ہیں بتادوں تمہیں کیا کیا ہونگے
میرے محبوب کی گردن میں یہ کنٹھا ہونگے

کوئی کیا ڈالیگا سچ کہتا ہوں قیمت انکی
یہ وہ موتی ہیں طلسمی ہے حقیقت ان کی
جوہری دیکھ کے حیران ہیں رنگت انکی
یہ وہ گوہر ہیں بدلتی نہیں رنگت ان کی
دل کے ٹکڑے ہیں کہاں مفت نہ کھونا انکو
آب زمزم میں محبت ہی کی دھونا ان کو

تم کو معلوم ہے دنیا میں محبت کیا ہے
یہ میسر ہو تو پھر دولت و حشمت کیا ہے
گر نہ الفت ہو تو پھر جاں کی حقیقت کیا ہے
زندگی ہیچ ہے اور اس میں فضیلت کیا ہے
اس محبت کے سبب ہم بھی یہاں دوڑ آئے
کشتئ دل میں سجا کر ہیں یہ گوہر لائے

جس محبت نے کیا سبز پری کو جوگن
جس نے صحرا کو کیا قیس کو حق میں گلشن
جسنے یعقوب کی آنکھوں کو کیا تھا روشن
جس نے فرہاد کے سینے میں بنایا مسکن

دودھ کی نہر تھی جس شے نے دکھائی ہمکو
آج اس بزم میں ہو کھینچ کے لائی ہم کو

رونقِ بزمِ احبا کا جو زیور تو ہے
اور اخبار کی دُنیا میں جو لیڈر تو ہے
ہاں تعصب سے مبرا جو برابر تو ہے
ہمکو ہے ناز کہ بے مثل اڈیٹر تو ہے

تم منجم سے ستاروں کی حقیقت پوچھو
اور اس شخص کی تم مجھ سے فضیلت پوچھو

خدمتِ ملک جو ہے سر پہ اٹھائی تو نے
خوب اصلاح کی تدبیر بتائی تو نے
اپنی حکمت سے یہ عزت ہو بڑھائی تو نے
آج مدّاح بنائی ہے خدائی تو نے

اور میرے ساتھ تو ہے خاص تعلق تیرا
سب پہ روشن ہو بڑا بھائی ہے یعنی میرا

دِل دھڑکتا ہے میرا ذکرِ سمندر سنکر
ہاں سمندر میں اٹھا کرتے ہیں طوفاں اکثر
پر نہیں خوف جو ہو قادرِ مطلق یاور
حضرت خضر الٰہی ہوں تمہارے رہبر

اے سمندر تیرے حق میں نہیں اچھا ہوگا
میرے محبوب کا گر بال بھی بیکا ہوگا

تجھ سے اے باد بپا ہوتے ہیں طوفاں اکثر
ابکے بہتر ہے کہ ہو لطف و کرم ہی ہم پر
ابکے پانی نہ سمندر کا اٹھانا سر پر
ورنہ یہ جان کہ ہو جائیگا دشمن صرصر

ہاں نہ مانے گی اگر اب کے تو کہنا میرا
ہم نکالیں گے سن اے موجِ ہوا بل تیرا

سیرِ یوروپ کو اگر جانا ہے جاؤ صاحب
تجربہ اپنا بڑھانا ہے بڑھاؤ صاحب
لطف جینے کا اٹھانا ہو اٹھاؤ صاحب
شوق سے جاؤ نہ اب دیر لگاؤ صاحب

لیک جس طرح سے اب پیٹھ دکھاؤ جاکر
ہاں اسی طرح سے پھر مُنہ بھی دکھاؤ آکر

جا کے یوروپ میں ہمیں بھول نہ جانا ہرگز
نقشِ الفت کا نہ سینے سے مٹانا ہرگز

ہم نہیں مانیں گے ہاں کوئی بہانہ ہرگز   خط کے لکھنے میں نہ تم دیر لگانا ہرگز

خط کی تحریر ہے فرقت کی سیاہی ہوتی

خط سے کہتے ہیں ملاقات ہے آدھی ہوتی

سیر یورپ کا تمہیں شوق چرایا بھائی   تم نے بستر سوئے یورپ ہے اٹھایا بھائی

فکر فرقت نے ہے اب ہمکو ستایا بھائی   جوشِ الفت نے ہے دیوانہ بنایا بھائی

تم کو جانا ہے تو دے جائیے ضامن مجکو

جاؤ خالق کے کیا ہیں نے حوالے تم کو

اسکے بعد منشی محبوب عالم صاحب شکریہ ادا کرنے کو اٹھے۔ لیکن ہجوم خیالات مانع تقریر تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ میں کہاں اِن تعریفوں کا مستحق ہوں۔ جو اِس وقت کی گئی ہیں۔ شیخ صاحب نے جو کچھ میری شان میں فرمایا۔ اُس کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ میرے دوست ہیں اور ان کو میرے عیوب نظر نہ آتے ہونگے۔ اور جو کچھ خان صاحب نے اشعار میں فرمایا ہے۔ ان کو میں معذور رکھتا ہوں کہ وہ علاوہ دوست ہونے کے شاعر ہیں۔ بہرحال مجھ سے جو کچھ بن پڑا میں نے پبلک کی خدمت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ آپ لوگ اس کی قدردانی فرماتے ہیں۔ میری آئندہ بھی یہی کوشش ہوگی کہ میں آپ لوگوں کا ایک ادنیٰ خادم متصور ہوں میں اس تکلیف کا جو آپ صاحبان نے آج میرے لئے اٹھائی ہے۔ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اپنا فخر اور اعزاز سمجھتا ہوں۔

یہ مختصر شکریہ ختم ہونے پر سب صاحبان ہال میں جہاں ریفرشمنٹ کا سامان تھا تشریف لے آئے۔ جہاں میوجات۔ مٹھائی اور برف لیمونیڈ سوڈا واٹر وغیرہ پیش کئے گئے۔ اور اسکے بعد اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے گئے۔

اختتام جلسہ پر جب صرف پندرہ بیس اصحاب باقی رہگئے تھے۔ معلوم ہوا کہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے۔ جنکے اشعار کو کچھ عرصے سے قبولیت خاص حاصل ہے۔ ایک نظم پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس بات کا افسوس رہا کہ اُن کی نظم پہلے

کیوں نہ پڑھی جا سکی ۔ بہرحال وہ نظم بھی پڑھی گئی ۔ اور سامعین نے بہت داد دی ۔ وہ بھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے ۔

نظم اقبال

بیجے حاضر ہے مطلع رنگیں
سوئے یورپ ہوئے وہ راہ سپہر
آنکھ اپنی ہے اشک خونیں سے
فتح ملک ہنر کو جاتے ہیں
تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے
فخر انساں کا ہو تلاش کمال
خوب تاڑا ہے سیر کا موقع
سیر دریا میں ہیں ہزار مزے
وہ سر شام بحر کی موجیں
وہ سمندر بساط کی صورت
اور وہ چاندنی کہ جس سے
دی خبر آپ نے یہ کیا ناگاہ
دوستوں کا فراق قاتل ہے
آنکھ میں ہیں نہیں رواں لیکن
جائیے اور پھر کے آئیے گا
اس طرح راہ آنکھ دیکھے گی
بزم یاراں رہے گی یوں خاموش
سر مژگاں پہ آ گئے آنسو
طلب اسباب فرض انساں ہے
ہاں خموشی گناہ ہے ایسی

جب پہ صدقے ہو شاہد تحسین
مفت میں ہو گیا ستم ہم پر
غیرت کا سنہ مٹے احمر
ہر کابی کو آ رہی ہے ظفر
کھینچ کر لے چلا ہے ذوق نظر
جستجو چاہئے مثال قمر
نکتہ بیں چاہئے نگاہ بشر
جس کو دکھلائے خالق اکبر
مور کی وہ خرام پانی پر
اور وہ موجوں کا کھیلنا چوسر
اوڑھ لیتا ہے صورت چادر
چھپکے چھپکے چبھو دیا نشتر
درد اٹھتا ہے صورت نشتر
اشک اپنے ہیں مثل آب گہر
صورت بوئے نافۂ اذفر
جوں مؤذن کو انتظار سحر
جیسے چپ چاپ شام کو ہوں شجر
نکل آیا جو دل میں تھا مضمر
لاؤں اسکے لئے میں خامۂ زر
جس طرح کفر ہے چو تکبیر

یہ حضر آپ کو مبارک ہو — یہ سفر آپ کو مبارک ہو

آپ ہیں محو سیر دریائی — چشم احباب غم سے بھر آئی
رقص موجوں کا جا کے دیکھینگے — بھیجدی ہے جہاز کو سائی
لطف اخبار کا جب آتا ہو — بزم یورپ سے ہو شناسائی
دم رخصت وہ گرمجوشی ہے — آتش عشق جس سے شرمائی
کسی کونہ میں تاکتی ہے اسے — گرمئے آفتاب جولائی
لب سے نکلا کہ فی امان اللہ — فخر کرتا ہے تاب گویائی
نشۂ دوستی چڑھا ایسا — شعر میں بھی ہے رنگ صہبائی
آپ آئینہ پر گراتے ہیں — بسلامت روی و باز آئی
عزم پنجاب ہو مگر جلدی — کہ نہیں طاقت شکیبائی
ہو نہ محبوب سے جدا کوئی — اے رگ جاں عالم آرائی
الغیاث اے معلم ثالث — درد فرقت سے جان گھبرائی
ایسی پڑیا کوئی عنایت ہو — دل سے اٹھے کہ وہ شفا پائی
آگیا بحر چپ رہو اقبال — خامہ کرتا ہے عذر دیبائی
توبہ کرلی ہے شعر گوئی سے — اس کی تہمت پڑی نہ اک پائی
شعر سے بھاگتا ہوں میں کوسوں — ہے یہ توحید اور نہیں عیسائی
آنچہ دانا کند کند ناداں — لیک بعد از ہزار رسوائی

دوستوں کی ہے یہ دعا حافظ
ہو سفر میں تیرا خدا حافظ

لاہور سے روانگی

ابر است و بہار است و ہوا ہم مزہ دارد
ہر چیز کہ افزود بدین پا ہم مزہ دارد

میری روانگی کا دن یعنی ۲۷ مئی سر پر آ گیا۔ علی الصباح کارخانہ پیسہ اخبار کے تمام ملازموں وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر ایک فوٹو لیا گیا۔ نو بجے آنریبل نواب فتح علی خاں کے دولت خانہ میں اردو کی حمایت میں ایک جلسہ تھا۔ اس میں شریک ہوا مگر ختم ہونے سے پہلے میں گھر چلا آیا۔ دوپہر کو بہت سے دوست میرے مکان پر جمع ہو گئے۔ اور ریلوے سٹیشن کو جانے کی تیاری کی۔ اس وقت مفارقت کے خیال میں مستورات اور بال بچوں نے رو رو کر گھر کو ماتم کدہ بنا دیا کہ جس کا اثر میرے دل پر بھی ہوا۔ اور اگر میں بہت جلد ہی زنانہ مکان سے باہر نہ نکل آتا تو میرا ضبط بھی معرض خطر میں پڑ چکا تھا۔ نہ تو میں اس وقت کے مؤثر اور دردناک نظارہ کو پورے طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں اور نہ کما حقہٗ اسکو الفاظ میں بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہوں۔

لاہور کے احباب

بہرحال ریلوے سٹیشن پر ایک بہت بڑا مجمع ہر طبقہ کے مسلمان اور ہندو مہربانوں دوستوں اور ملاقاتیوں کا تھا کہ جنکے ناموں کے لئے دو تین صفحے بھی کافی نہ ہونگے۔ دو بجے دوپہر کے دھوپ جوبن پر تھی مگر وہ میرے دوستوں کو مجھے سٹیشن تک جا کر وداع کرنے سے نہ روک سکی۔ یہاں تک کہ خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب بھی جو پنجاب میں مسلمہ لیڈر اور قومی امور میں سرگرمی رکھنے میں ہندوستان میں فرد ہیں باوجود اس کبر سنی اور ضعف پیری کے مجھے خدا حافظ کہنے کو تشریف لائے

آخر گاڑی چلنے کو تیار ہو گئی لیکن میرے بعض دوست مجھے اب بھی تنہا چھوڑنے کو آمادہ نہ تھے۔ چنانچہ حکیم غلام نبی صاحب زبدۃ الحکما۔ شیخ گلاب الدین صاحب وکیل۔ حکیم محمد شریف صاحب۔ شیخ رحیم بخش صاحب سوداگر۔ میر وزیر علی صاحب مصور اور میاں عبدالعزیز صاحب امرت سر تک ساتھ چلے گئے۔

امرت سر کے احباب

امرت سر کے سٹیشن پر ایک اور مجمع احباب منتظر تھا۔ شیخ فیروز الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ۔ میاں غلام نبی صاحب رئیس اعظم۔ شیخ غلام محمد صاحب مالک اخبار وکیل۔ و حکیم نظام الدین صاحب مع دیگر احباب امرت سر کے تشریف لائے ہوئے تھے۔ میاں غلام نبی صاحب نے فرط عنایت اور محبت سے میرے بازوں پر امام ضامن کے روپیے باندھ دیئے۔ اس وقت کا دلچسپ نظارہ تحریر کی نسبت تصویر اچھی طرح ادا کر سکتی دوستوں۔ عزیزوں اور اہل وطن کی محبت اور اخوت کے ایسے ایسے اظہار دیکھ کر دل کو وطن کی مفارقت تھوڑی دیر کے لئے پہلے سے کسی قدر زیادہ شاق گذرنے لگی۔ مگر کئی دن کی مصروفیت کے بعد میں نے پہلی مرتبہ ریل میں تنہا اور فارغ بیٹھ کر جلدی ہی اپنے منتشر خیالات کو مجتمع کر لیا۔

شام کے قریب گاڑی انبالہ شہر کے سٹیشن پر پہنچی۔ جہاں بزرگان انبالہ کی ایک جماعت ریفریشمنٹ کا سامان لیکر موجود تھی۔ ان صاحبوں نے بہت سی مہربانی کی باتوں کے بعد اظہار افسوس کیا کہ انہیں صرف کل ہی میری روانگی کی تاریخ پنجاب ابزرور سے معلوم ہوئی تھی۔ اسلئے جو ایڈریس یہ اس موقع کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے ناتمام رہ گیا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کر کے انہیں یقین دلایا کہ اچھا ہوا کہ ان کی زیادہ محنت رایگان نہیں گئی۔

راستہ کی دعوتیں

لاہور سے بمبئی تک راستہ میں کھانے کا بہت اچھا انتظام پہلے ہی کر لیا گیا تھا کہ جسکا کریڈٹ منشی محمد عبدالعزیز صاحب

مینجر پیسہ اخبار کو ملنا چاہیئے۔ گو اس سے ہمارے چند دوستوں کو تکلیف ہوئی جو کھانا لیکر مختلف اوقات میں مختلف سٹیشنوں پر آتے رہے۔ لیکن مجھے بہت آرام ملا۔ میں ان سب صاحبوں کا اس تکلیف کے لیئے تہ دل سے مشکور ہوں۔ میرے خیال میں اگر دوران سفر میں اپنے دوستوں یا غیروں سے ایسی مدد حاصل کرلی جائے کہ جس میں انہیں کسی قدر تکلیف ہو مگر تمہیں اُس سے زیادہ آرام ملے تو مضائقہ نہیں۔ اس مشہور مثل کی کہ "جس نے کی شرم اُسکے پھوٹے کرم" صداقت جیسی کہ سفر میں معلوم ہوتی ہے کہیں نہیں کھلتی۔ انبالہ چھاونی میں مسٹر ایچ شیبر مالک کارخانہ گھڑی سازی مہربانی کرکے میرا کھانا لائے۔ امید تھی کہ دو بجے رات کو گاڑی دہلی پہنچے گی۔ اور وہاں میرے عزیز دوست حافظ عبدالمجید صاحب مالک کارخانہ اسے برکت اینڈ کمپنی سے ملاقات ہوگی۔ لیکن غازی آباد کے سٹیشن پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ گاڑی جس میں میں سوار تھا دہلی ہوکر نہیں جاتی۔ یورپ میں حافظ صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ آدھی رات کو کھانا ساتھ لیکر سونی پت کی سٹیشن تک چلے گئے تھے مگر مجھے نہ پاکر سخت مایوس ہوئے۔ ہرچند کہ میں نے ریل وغیرہ کے وقت کے متعلق کافی غور کرلیا تھا اور دوم درجہ کی گاڑی میں ایک جگہ اپنے لئے کئی روز پہلے سے ہی لاہور سے بمبئی تک ریزرو کرا رکھی تھی۔ تاہم سفر میں کئی ایسی غلطیاں ہوجاتی ہیں اور ایسی ناگوار باتیں پیش آتی ہیں کہ معمولی عاقبت اندیشی ان کا دفعیہ کرنے میں قاصر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی کسی قدر توضیح ذیل کے واقعہ سے بخوبی ہوتی ہے ٭

سفر کی پہلی غلطی

لاہور سے میں جس درجہ کو ریزرو کرا کر سوار ہوا تھا اُس میں ایک یورپین میم بھی مع اپنے بچوں اور آیا کے سوار تھی۔ اور اتفاق کی بات ہے کہ اُس نے بھی دو نشستیں لاہور سے بمبئی تک میری طرح پہلے سے ریزرو کرائی ہوئی تھیں۔ اسکا شوہر لاہور میں میرے

سا تھ نے اُسے سوار کرا گیا۔ اور ریلوے اسٹیشن لاہور کے اہلکاروں نے ہم دونوں کے لئے ایک گاڑی میں جگہ مقرر کی۔ لیکن جبکہ ۲۸۔مئی کی دوپہر کو گاڑی آگرہ سٹیشن پر پہنچی اور مولوی نصیر الدین احمد صاحب مالک مطبع لامع النور میرے لئے پرتکلف کھانا لائے۔ میں ابھی کھانے کے انتظام میں مصروف تھا کہ ایک انگریز جو کئی منٹ سے ہماری گاڑی کی طرف گھور رہا تھا اُس نے قریب آکر کہا کہ چونکہ اس گاڑی میں ایک عورت بھی ہے۔ اسلئے تمہیں چاہیئے کہ تم کسی دوسری گاڑی میں چلے جاؤ۔ میں نے کہا میں نے اسی لئے سیٹ ریزرو کرائی تھی کہ بمبئی تک راستہ میں چار یا پانچ جگہ گاڑیاں بدلنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ گاڑی تھرو جاتی ہے۔ علاوہ اسکے اس لیڈی کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ اور نہ اس میں میرا قصور ہے۔ کہ لاہور سٹیشن والوں نے کیوں ہم دونوں کو ایک گاڑی میں بٹھا دیا ہے۔ مگر اس پر بھی وہ شخص بحث کرتا گیا۔ اور یہی کہتا تھا کہ خواہ کوئی وجہ ہو کسی غیر عورت کے ساتھ کسی مرد کا ریل کے ایک کمرہ میں سفر کرنا اچھا نہیں۔ چنانچہ اُس نے گارڈ کو بلا کر اُس سے بھی یہی شکایت کی۔ اتنے میں شیخ انعام اللہ صاحب ٹیبلا اکسپورٹ ایجنٹ دہلی بھی جو میرے ہمراہ یوروپ تک سفر کرنے والے تھے اسی گاڑی میں آگئے۔ میں نے جھگڑا کرنا مناسب نہ سمجھا اور گارڈ کو کہدیا کہ ہمیں کسی دوسری گاڑی میں بٹھلادے۔ چنانچہ ۴ بجے دوپہر کو جھانسی پہنچکر ہم اُس گاڑی کو چھوڑ کر کانپور سے تھرو آنے والی گاڑی میں بیٹھ گئے مگر مجھے اسکے بعد معلوم ہوا ہے کہ ریل کا واقعی کوئی اس مطلب کا قاعدہ ہے۔ کہ کوئی غیر مرد کسی غیر عورت کے ساتھ ایک گاڑی میں سفر نہ کرے۔ اور جن لوگوں نے اسکی پرواہ نہیں کی بعض اوقات بعض یوروپین عورتوں نے ان پر طرح طرح کے اتہام بھی لگائے ہیں اور ان سے کچھ کمایا ہے۔ اسلئے جنٹلمینوں کو خود ایسی بات سے پرہیز کرنا واجب ہے۔ تعجب ہے کہ لاہور سٹیشن والوں نے کیوں ایسی غلطی کی!

شام کو گاڑی بھوپال اسٹیشن پر پہنچی۔ مولوی عبدالرؤف صاحب وکیل کورٹ انسپکٹر بھوپال سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر پیسہ اخبار اسٹیشن پر مع دو تین دوستوں کے موجود تھے۔ چونکہ گاڑی وہاں آدھ گھنٹہ ٹھیرتی ہے۔ مولوی صاحب نے پلیٹ فارم پر پہلے ہی دسترخوان بچھوا رکھا تھا۔ ہم سب نے بڑے اطمینان سے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم ایک نہایت پر تکلف دعوت میں مدعو ہیں۔ مولوی صاحب نے بہت سا کھانا اور میوجات بمبئی تک کے لئے ساتھ بھی رکھ دیئے۔ وہ مجھے ایک روز بھوپال میں ٹھیرنے کے لئے بڑا اصرار کرتے تھے۔ مگر چونکہ میرا وقت محدود تھا میں لوٹتے ہوئے ایک روز ٹھیرنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ لوٹتے ہوئے میں اس سے بھی زیادہ وقت کی تنگی کا شاکی تھا۔

۲۹ مئی کی صبح کو بھوساول اور نماڑ کے سٹیشنوں سے گذرے۔ بھوساول بڑا اسٹیشن ہے۔ جہاں سے ایک لائن حیدرآباد دکن کو بھی جاتی ہے۔ آگرہ سے چلکر تمام راستہ میں خشک جنگل اور ریگستان اور پہاڑوں کے سوا کوئی کھیت یا سبزہ نظر نہیں پڑا تھا۔ تعجب ہوتا تھا کہ یہاں کے لوگ کس طرح گذارہ کرتے ہونگے۔ بوجہ خشک سالی کے پانی بھی اس علاقہ میں کمیاب تھا۔ سٹیشنوں پر دور دور سے پانی لایا جاتا تھا۔ اور صرف ہندو پانی پلانے والے جو "مہاراج" کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ سب ہندو مسلمان مسافروں کو پانی پلاتے تھے۔ بھوساول سے آگے کچھ کھیت اور سبز جنگل نظر آئے۔ بعض پہاڑیوں پر بھی سبزہ موجود تھا۔ دوپہر کو اگت پوری سٹیشن پر پہنچے۔ یہاں گاڑی میں ایک خاص قسم کا بھاری انجن لگایا گیا۔ کیونکہ یہاں سے آگے گاڑی کو پہاڑیوں سے نیچے اترنا پڑتا ہے۔ اس لئے گاڑی بہت تھم تھم کر چلتی ہے۔ راستہ میں کسارا اسٹیشن اور اگت پوری کے مابین تیرہ چھوٹے بڑے ٹنل پہاڑ میں کھودے گئے ہیں جن میں سے

ریل گذرتی ہے۔ لیکن ایک جگہ پہاڑ کی صورت ایسی مشکل آگئی ہے۔ کہ وہاں سے سڑک کا موڑ بن ہی نہیں سکتا۔ اسلئے ٹرین ایک جگہ کھڑی کیجاتی ہے۔ اور انجن آگے سے اتر کر ایک سائڈنگ کے ذریعہ سے پیچھے کی طرف آ لگتا ہے۔ اور پھر پچھلا ٹرین کا آگا ہو جاتا ہے۔ یہی تدبیر میں نے بیروت سے دمشق کو جاتے ہوئے کوہ لبنان کی ریل کے ایک مشکل پہاڑ ہی سے گذرنے کے وقت عمل میں آتی دیکھی ہے۔ غرض ۵ بجے شام کو گاڑی بمبئی کے بڑے سٹیشن بوری بندر (وکٹوریا ٹرمی نس) پر پہنچی۔ بلحاظ عظمت اور خوبصورتی کے بمبئی کا یہ سٹیشن شاید یوروپ کے کسی ریلوے سٹیشن سے بھی دوم درجہ کا نہ ہوگا۔ یہاں خان صاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب میڈیکل افیسر پلیگ میرے منتظر تھے۔ جو مجھے اپنے ہمراہ مکان پر لے گئے۔

بمبئی میں سفر کی تیاری

چونکہ جہاز امپرے ٹرکس جسکا میں نے ٹکٹ خریدا ہوا تھا یکم جون کو بندر بمبئی سے روانہ ہونے والا تھا۔ اس لئے ۳۰ و ۳۱ مئی کے دو دن بعض ضروری سامان خریدنے کے لئے مجھے بمبئی میں ٹھیرنا چاہئے تھا۔ میں نے لاہور سے جو سامان سفر بعض دوستوں کے مشورہ سے ساتھ لیا تھا اُس کی تفصیل یہ ہے دو چھوٹے ٹرنک (ایک چرمی اور ایک فولادی) کپڑوں کے لئے۔ چھوٹے اسلئے منتخب کیئے تھے کہ ریل گاڑیوں کے دروازوں سے گذرنے اور ریل اور جہاز کی نشستوں کے نیچے رکھنے میں دقت نہو۔ ایک چرمی پورٹ منٹو ایک مختصر سا بستر۔ باوجودیکہ لاہور میں مجھے بستر لیجانے سے منع کیا گیا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بستر کے سوا سفر میں گذارہ کیسے ہو سکتا ہے۔ صرف تین جوڑے نئے کپڑے یوروپین وضع کے لاہور میں سلوائے تھے۔ کیونکہ یوروپ کے ہر ملک میں سلے سلائے کپڑے ہر وقت مل سکتے ہیں۔ اور ایک ایک درجن پاجامے کرتے بنیان رومال یا تلیے وغیرہ لے لئے

تھے۔ ایک دوست کی صلاح سے سوئی۔ تاگا۔ بٹن۔ قینچی چاقو برش بوٹ کا روغن۔ منجن صابن قلم دوات اور کئی دوسری چھوٹی چیزیں بھی ساتھ لی تھیں۔ جو واقعی سفر میں بہت کام آئیں۔ بمبئی پہنچکر اس مختصر سامان میں ایک یارانی اوورکوٹ ایک واٹر پروف چھاتا۔ ایک جہاز میں بیٹھنے کی ۲۱؏ کی آرام کرسی علاوہ دو تین مرّی کے گائیڈ بکوں کے کہ جن کی قیمت چھ چھ روپے تھی اور جن کے مطالعہ سے سفر میں بڑی مدد ملتی ہے اور اضافہ کرنے پڑے۔

میں نے ایک گائیڈ بک میں پڑھا تھا کہ "مسافر کا اسباب خرابی مشابہ ہے۔ اور خرابی جتنی کم ہو اچھی بات ہے" اور تجربہ سے یہہ بات ثابت ہوگئی کہ مسافر کو اسباب کے انتظام میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اسلیئے چاہیئے کہ کم از کم اسباب ہمراہ لیا جائے۔ کیونکہ یوروپ کی بعض ریلوں میں تو بخلاف دستور ہندوستان اول و دوم درجہ کے مسافروں کو بھی پانچ سیر سے زیادہ بوجھ مفت ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں۔ گو میں نے مختصر سا بستر ساتھ لے لیا تھا لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیا جہاز میں اور کیا ہوٹل اور لاجنگ ہوس میں یورپ میں ہر جگہ بہت اچھا بستر مسافر کو دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ سفر میں ایک ذراسی فروگذاشت سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً اگر ۲۱؏ کی کرمز کی آرام کرسی جسے ڈک چئر کہتے ہیں بمبئی سے نہ لیتا تو جہاز میں بے حد تکلیف ہوتی۔ اور سمندر کے کئی خوبصورت قدرتی منظروں کے نظارہ کے لطف سے جو گھنٹوں صحن جہاز پر تنہا بیٹھ کر ہر مسافر اٹھا سکتا ہے محروم رہ جاتا۔ بعض دفعہ یہ کرسی جہاز کے کسی ملازم سے بھی کرایہ پر مل جاتی ہے کیونکہ سفر کے خاتمہ پر سب مسافر اپنی چوکیاں جہاز کے خدمتگاروں کو دے جاتے ہیں ✣

پروگرام کی دقت ✣ جہاز ٹھیرانے کے لیئے مجھے بخلاف دوسرے لوگوں کے

کے انگریزی پسینجر ایجنٹوں اور احمد خاں آتش خاں مشہور دلالان جہاز بمبئی سے بہت سی خط وکتابت کرنی پڑی تھی۔ میرا ابتدائی مقصد یہ تھا کہ پہلے بمبئی یا کلکتہ سے چین اور جاپان کو جاؤں۔ اور وہاں سے آسٹریلیا ہوتا ہؤا شمالی امریکہ کے درمیان سے گذر کر انگلستان پہنچوں۔ اور پھر پیرس برلن قسطنطنیہ سے ہوتا ہؤا مصر دیکھ کر وطن کو واپس لوٹوں مگر پہلی مرتبہ اتنے لمبے بحری سفر کی تکلیفات سے ڈر کر پہلے یوروپ کو جانا مناسب سمجھا۔ اور چونکہ بوجہ طاعونی انتظامات کے ہندوستانی مسافر کو مصر میں کئی روز کا قرنطینہ کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے سیدھا آسٹریا کا قصد کیا ورنہ اگر مصر اور قسطنطنیہ پہلے دیکھ سکتا تو پھر اسی راستہ سے ہندوستان کو لوٹنے کی فکر نہ رہتی +

جہازوں کی مختلف لائنیں

ہندوستان کے بندرگاہوں سے جہازوں کی کئی لائنیں یوروپ کے مختلف بندرگاہوں کو روانہ ہوتی ہیں۔ مگر اُن میں سے یہ چار پانچ لائنیں مشہور ہیں (۱) پی اینڈ او کمپنی (پینشولر اینڈ اورینٹل سٹیم نیوی گیشن کمپنی) (۲) فرنچ پسینجر بر میری ٹیم (۳) آسٹرین لائیڈ کمپنی (۴) اٹالین فلور یو روبا ٹینو کمپنی (۵) برٹش انڈیا سٹیم نیوی گیشن کمپنی۔ ان میں پہلی اور پانچویں کے جہاز برنڈسی اور مارسیلز میں بھی ٹھہرتے ہیں۔ اور لنڈن تک براہِ بحر بھی جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ مارسیلز یا کسی دوسرے بندرگاہ پر اُتر کر آگے ریل پر سوار ہو جاتے ہیں ان کا خرچ زیادہ ہو جاتا ہے گو وقت کم صرف ہوتا ہے۔ ساتھ ہی انہیں سیر کا بھی زیادہ موقع ملتا ہے۔ فرانسیسی لائین مارسیلز اور نیپلز میں ہی ٹھہرتی ہے۔ اٹالین کمپنی برنڈسی اور نیپلز جنیوا وغیرہ مقامات کو جاتی ہے۔ آسٹرین کمپنی کی لائن سیدھی ٹریسٹ اور وینس کو جاتی ہے۔ ان سب لائنوں کے جہازوں میں مسافروں کے لئے تین تین درجے ہوتے ہیں سوائے فرانسیسی کمپنی

کے جہازوں کے کہ جن میں چار درجے ہوتے ہیں۔ اول اور دوم درجہ کے مسافروں کو اور فرانسیسی کمپنی میں تیسرے درجہ والوں کو بھی کمرے ملتے ہیں۔ اور سوم درجہ کے مسافر اور فرانسیسی کمپنی بھی چہارم درجہ کے تختہ جہاز پر گذارہ کرتے ہیں۔ پی اینڈ او کمپنی کے جہازوں میں دوم درجہ کے دو قسم کے اندرونی اور بیرونی کمرے ہوتے ہیں جن میں کرایہ میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ چونکہ اس کمپنی کے ساتھ گورنمنٹ ہند کا معاہدہ ہے کہ یہ ہندوستان اور انگلستان کے مابین ڈاک لانے اور لیجانے کا کام کرے اسلئے اسکے جہازوں کو ممکن سرعت کے ساتھ راستہ طے کرنا پڑتا ہے اسی واسطے اسکے جہازوں کا کرایہ باقی سب کمپنیوں سے گراں ہے۔ علاوہ اس کے ان جہازوں میں کوئی ایسا مال تجارت بھی نہیں بھرا جاتا کہ جس کے راستہ میں اتارنے میں دیر لگے۔ آسٹرین لائیڈ کمپنی کے تیز رو جہاز بھی سویز اور بمبئی کے مابین قریب قریب اتنے ہی دنوں میں راستہ طے کرتے ہیں۔ لیکن وہ عدن میں مال تجارت لادنے اور اتارنے میں دن بھر لگا دیتے ہیں۔ ان مشہور لائنوں کے علاوہ اینکر لائن۔ سٹی لائن۔ ہیریسن لاین وغیرہ کے جہاز بھی ہندوستان اور انگلستان کے مابین آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اور نسبتاً ارزاں کرایہ پر مسافر اُن پر سفر کرسکتے ہیں ✤

مختلف جہازوں کی شرح کرایہ

مندرجہ ذیل جدول سے مختلف لائنوں کے جہازوں کے مختلف درجوں کے کرایہ معہ کھانے کے خرچ کو معلوم ہو سکتے ہیں۔ گو انمیں وقتاً فوقتاً کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

جہازوں کی مختلف لائنیں	درجہ اول	درجہ دوم	درجہ سوم یا درجہ اول و دوم کے [illegible]
پی اینڈ او کمپنی از بمبئی تا لندن براہ مارسیلز	۷۵۰ روپے	۵۷۴ روپے	۲۲۵ روپے
تا مارسیلز	۷۰۰ "	۴۲۵ "	۲۰۰ "
روباٹینو کمپنی تا نیپلز جنیوا برنڈسی	۵۵۰ "	۳۲۵ "	۲۰۰ "
آسٹرین لائیڈ کمپنی تا ٹریسٹ	۶۰۰ "	۳۲۵ "	۱۵۰ "
برٹش انڈیا نیویگیشن کمپنی کلکتہ یا مدراس سے تا لندن براہ [illegible]	۶۲۵ "	۴۲۵ "	۲۰۰ "
میسجریز تا مارسیلز	۷۰۰ "	۵۲۵ "	۲۶۰ "

مگر درجہ سوم کے مسافر اگر جہاز کا کھانا نہ کھائیں تو اس سے بھی کم خرچ سے تختہ جہاز پر سفر کر سکتے ہیں۔ مثلاً بمبئی سے پورٹ سعید تک بلا کھانے کے سوم درجہ کے مسافر کو آسٹرین لائیڈ کمپنی کے جہاز پر صرف ۵۷ روپے دینے پڑتے ہیں۔ گویا ہندوستان کا غریب مسافر اس رقم میں مصر پہنچ سکتا ہے۔

بمبئی کلکتہ وغیرہ بندرگاہوں میں جہازوں کے مسافروں کے لئے دلال موجود ہوتے ہیں۔ جو انہیں جہاز کا ٹکٹ لے دینے میں مدد دیتے ہیں اور اپنا حق الخدمت ان سے لیتے ہیں۔ لیکن لکھے پڑھے آدمی کے لئے مناسب ہے کہ کسی انگریزی "پسنجر ایجنٹ" کارخانہ سے بھی شرح کرایہ دریافت کر لے۔ تاکہ دھوکہ نہ کھائے۔

ٹامس کک اینڈ سنس

میں نے اپنے سفر کے اکثر حصوں میں ٹامس کک اینڈ سن کی معرفت ریل اور جہاز کے ٹکٹ خریدے ہیں۔ اور اس سے مجھے بڑا آرام ملا ہے۔ اس کارخانہ سے دنیا کے ہر حصہ کے لئے ریل اور جہاز کا ٹکٹ خریدا جا سکتا ہے اور ناواقف آدمیوں کو کسی قسم کا دھوکا نہیں دیا جاتا۔ بلکہ برعکس اسکے کئی طرح کی سہولیت اور مدد ملتی ہے۔ گو میں نے خط و کتابت سے جہاز کا کرایہ اور تاریخ روانگی مقرر کر لی تھی۔ لیکن ٹکٹ نہیں لیا تھا۔ جب بمبئی میں پہنچ کر ٹکٹ لینے کے لئے میں مسٹر طامس کک اینڈ سنز کے کارخانہ میں پہنچا تو انہوں نے مجھے صلاح دی کہ اگر یورپ میں کسی ریل کا ٹکٹ لینا چاہو تو وہ بھی یہیں سے مل سکیگا۔ چنانچہ میں نے ٹریسٹ سے براہِ وائنا و برلن ہیمبرگ تک کا ٹکٹ لینا تجویز کیا۔ ٹریسٹ سے ہیمبرگ تک دوم درجہ کا ریل کا کرایہ انہوں نے پچھتر روپے بتلایا۔ اور بمبئی سے ٹریسٹ تک جہاز کے لئے پہلے سوا تین سو روپے لے چکے تھے۔ جب میں نے پچھتر روپے دیئے تو اس میں سے مجھے لعہ لوٹا دیئے گئے۔ یہ

کہہ کر کہ بمبئی سے لنڈن یا کم از کم ہیمبرگ تک جہاز اور ریل کا اکٹھا کرایہ دینے میں کمپنیاں انہیں معقول کمیشن دیتی ہیں۔ اسلئے وہ اس کمیشن کا ایک حصہ اپنے گاہکوں کو دیدیتے ہیں۔ چنانچہ اس کارخانہ نے بغیر میری درخواست اور اطلاع کے مجھے یہ روپے لوٹا دیئے مگر رسید پورے روپے کی دی۔ یعنی سا، ہیرے لیکر للعہ کی رسید لکھ دی۔ اس سے بڑھ کر کبھی کارخانہ کی ایمانداری اور خوش معاملگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور اسی قسم کی خوش معاملگی اور صفائی کسی کارخانہ کی کامیابی کا بڑا راز ہے۔

پاسپورٹ اسی کارخانہ میں مجھے یہ بھی صلاح دی گئی۔ کہ اگر میں قسطنطنیہ کو جانا چاہتا ہوں تو مجھے گورنمنٹ بمبئی کے دفتر سکرٹیریٹ سے اس مطلب کا پاسپورٹ یعنی پروانہ راہداری حاصل کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایک چھپا ہوا فارم مجھے خانہ پوری کے لئے دیا گیا۔ میں فوراً بمبئی کی سکرٹریٹ کی عظیم الشان اور خوبصورت عمارت میں پہنچگیا۔ تیسری منزل پر صاحب فارن سکرٹری کی خدمت میں درخواست پاسپورٹ کی دی۔ تھوڑے سے تامّل کے بعد فارن سکرٹری صاحب نے اپنے ہیڈ کلرک کو بلا کر دریافت کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ جبکہ یہ شخص پرسوں صبح کے جہاز پر بمبئی سے رخصت ہو جانے والا ہے۔ میں نے لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور سے ایک معمولی پاسپورٹ لے لیا تھا جو حال ہی میں گورنمنٹ ہند نے ہندوستانی طلبا کے انگلستان کو جانے کے متعلق تجویز کیا تھا۔ لیکن اس کی مجھے لاہور سے لنڈن تک کہیں ضرورت نہیں پڑی۔ میں نے یہ کاغذ بمبئی گورنمنٹ کے فارن سکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے دیکھ کر یہ بولے کہ یہ کس طرح یقین ہو کہ یہ دستخط لاہور کے ڈپٹی کمشنر کا ہے۔ میں نے کہا یہ دریافت کرنا آپ کا کام ہے۔ آخر انہوں نے صلاح دی کہ چونکہ تم لنڈن جانے والے ہو۔ انڈیا آفس سے

لاہور کا پاسپورٹ دکھلانے کے بعد تم کو فلم روسے عثمانیہ کی سیاحت کے لئے پاسپورٹ ملجائیگا۔ واضح رہے کہ جو ہندوستانی۔ روس۔ ٹرکی۔ ایران یا بلگیریا یا سرویا وغیرہ ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوں انہیں ہندوستان سے اس مطلب کے پاسپورٹ ضرور حاصل کر لینے چاہئیں۔ ورنہ سفر میں تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ جو لوگ پہلے لنڈن جانے والے ہوں وہ وہاں فارن آفس سے پاسپورٹ لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کسی مجسٹریٹ جج ڈاکٹر یا پادری یا سالسٹر بینکر وغیرہ سے اس امر کی تصدیق کرا سکیں کہ وہ انگریزی رعایا میں سے ہیں۔ اس کام کے لئے کچھ فیس دینی پڑتی ہے۔ اور پھر جس غیر ملک میں جانا چاہیں بعض صورتوں میں اس ملک کے قنصل سے کچھ اور فیس دیکر اس پر دستخط کرانا پڑتا ہے۔ جسے "ویزآ" (تصدیق) کہتے ہیں۔ *

* لنڈن کے فارن آفس میں پاسپورٹ اور اسکے حاصل کرنے کی فیس ۲/۱ ۳ شلنگ یعنی ۲/۱ ۱ کے قریب ہے لیکن اگر اسکو مندرجہ ذیل ممالک کے لئے "ویزآ" کرایا جاوے تو حسب ذیل فیس علاوہ دینی پڑتی ہے

	شلنگ	پنس
آسٹریا ہنگری بشرطیکہ بوسینا ہرزی گووینیا سے گذرنا ہو ورنہ ضروری نہیں	۳	۶
بلجیئم	۳	۶
بلگیریا کے لئے ترکی پاسپورٹ اور ویزا کافی ہے۔		
فرانس میں اگر مدت تک قیام کرنا ہو تو پاسپورٹ درکار ہے	۲	۶
جرمنی	۳	۶
یونان	۳	۶
اٹلی	۵	۰
جاپان (اندرون ملک میں جانے کے لئے خاص پاسپورٹ کی ضرورت ہے)	۲	۵
ایران ۔ اگر مزدور یا کاریگر ہو تو چار قران	۱	۷
ایران ۔ تمام دوسرے لوگوں کے لئے ۱۲ قران قریب تین پونڈ کے	۴۴	۷
رومانیا (انگریزی رعایا سے)	۱	۰
روس (پاسپورٹ میں مذہب ضرور بتلانا چاہئے جو پہلے ہی مذکور یا پاسپورٹ نہ ہو)	۵	۱۰
سرویا	۴	۶
ہسپانیہ	۹	۰
سوئٹزرلینڈ	۳	۰
ترکی	۵	۰

اب صرف ایک کام باقی رہ گیا تھا کہ گھر سے جو روپیہ میں ہمراہ لایا تھا۔ اس کا کچھ انتظام کروں۔ نیشنل بینک اور چارٹرڈ بینک بمبئی میں جا کر لنڈن کے ڈرافٹ کا نرخ دریافت کیا۔ آخر پندرہ روپیہ پونڈ کے حساب سے چارٹرڈ بینک کا ڈرافٹ خرید لیا۔ جس کا روپیہ لنڈن میں پہنچ کر مل سکتا تھا۔ کچھ روپیہ کی انگریزی اشرفیاں ساتھ لے لیں۔ جو یورپ کے ہر ملک میں بلا وقت چل سکتی ہیں۔ اور جن کا اب ہندوستان میں بھی چلن ہے ✤

جہاز کی سواری

دریں دریائے بے پایاں دریں بحرِ موج افزا
سر افگندیم بسم اللہ مجرٖیہا و مرسٰہا

الوداع

آج یکم جون کو جہاز کی روانگی کا دن تھا۔ بندرگاہ پر بہت سے مسافروں کے عزیز اور دوست انہیں رخصت کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ کئی مسافروں کے گلوں میں پھولوں کے بڑے بڑے بھاری ہار پڑے تھے۔ یہ ایسے ذرہ ذرہ سے ہار نہیں تھے جو لاہور میں بعض تقریبوں اور جلسوں میں لوگوں کو پہنائے جاتے ہیں۔ بمبئی میں دستور ہے کہ جب کوئی معزز شخص سفر پر جانے لگے تو اُسکے دوست اور عزیز اُسکو ہار پہناتے ہیں۔ میرے بھی ایک بزرگ اور مہربان دوست سیٹھ عبد اللہ بھائی لالجی صاحب نے مجھے پہنائے۔ یہ بمبئی کے اُن چند نامور مسلمان تاجروں میں سے ہیں جو لکھپتی اور خوشحال ہیں۔ اور جن کے نام سے اس شہر میں مسلمانوں کی تجارت کی عزت قائم ہے۔ شب گذشتہ میں ان کے عالی شان بنگلہ میں جو مہا لکشمی کے قریب سمندر کے کنارہ پر واقع ہے ٹھہرا تھا۔ یہ نہایت عمدہ فضا کا مکان ہے جو سیٹھ صاحب نے چند سال پہلے کم و بیش سوا لاکھ روپے کے صرف سے تعمیر کیا تھا۔ وہ جہاز تک رخصت کرنے کے لئے میرے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ میں نے اصرار کیا کہ میں اکیلا جاؤنگا کیونکہ راستہ میں میں نے اپنے دونو رفیقوں کو ساتھ لینا تھا۔ اور گودی یہاں سے کئی میل دور تھی۔ آخر اُنہوں نے اپنے لائق صاحبزادہ سیٹھ ناصر بھائی کو میرے ہمراہ روانہ کیا۔ جنہوں نے مجھے اور میرے دونوں رفیقوں کو پھولوں سے لاد دیا۔

اورخدا حافظ کہا۔ ان دونوں رفیقوں میں سے شیخ انعام اللہ صاحب

ہندوستانی مسافران جہاز

ٹیلا اکسپورٹ ایجنٹ جو آگرہ سے ہی میرے ہمراہ تھے پہلے تین چار مرتبہ بغرض تجارت یوروپ کا سفر کر چکے ہیں۔ دوسرے صاحب بابو محمد بخش لاہور کے رہنے والے ہیں۔ یہ پہلے لاہور میں سرکاری ملازم تھے۔ مگر پیچھے کچھ عرصہ امیر صاحب کابل کے "میر عمارت" رہے۔ اب کچھ اسباب تجارت لے کر نمایش پیرس کی شرکت کے لئے جاتے تھے۔ طاعون کی وجہ سے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے تمام مسافروں کا طبی معائنہ لازم تھا۔ وکٹوریا ڈاک نامی بندر میں ایک یورپین ڈاکٹر ایک شیڈ میں بیٹھے تھے۔ ہر ایک مسافر ان کے پاس جاتا تھا۔ وہ اسکا نام اپنی فہرست میں دیکھتے۔ پھر نبض دیکھتے اور زبانی بھی دریافت کرتے کہ تم بیمار تو نہیں ہو۔ اور جب ان کا اطمینان ہو جاتا۔ تو ایک کاغذ پر دستخط کر کے اسکو دے دیتے تھے۔ تب ایک یوروپین پولیس افیسر کو جو جہاز کے راستہ پر کھڑا تھا۔ وہ کاغذ دکھلایا جاتا تو وہ مسافروں کو جہاز کے اندر جانے دیتا۔ تیسرے درجے کے مسافروں کو اس قسم کے کاغذ نہیں دیئے جاتے تھے۔ بلکہ ان کے ناخنوں پر ربڑ کی ایک مُہر لگا دی جاتی تھی۔ اور اسکو دیکھ کر پولیس افیسر انہیں گذر جانے دیتا۔ ان لوگوں کے اسباب کا بھی ملاحظہ کیا جاتا تھا۔ اور اسپر بھی وہی مُہر لگا دی جاتی تھی۔ اول و دوم درجے کے مسافروں کے اسباب کو یوں ہی صاف سمجھ لیا گیا تھا۔ ریل میں بھی اوّل اور دوم درجے کے مسافروں کو طاعون کے معائنہ کی تکلیف سے آرام رہتا ہے۔ اور بیچارے تیسرے درجے کے مسافروں ہی کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ جو پلیٹ فارم پر قطار باندھ کر کھڑے کئے جاتے ہیں۔ بحالیکہ انہیں میں زیادہ ناواقف اور جاہل ہوتے ہیں جو اس تکلیف کو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔

یہ جہاز امپیریٹر کیس آسٹرین لائیڈ کمپنی کا ایک تیز رو جہاز پونے چار سو فیٹ لمبا اور پینتالیس فیٹ چوڑا تھا۔ جو پانچ ہزار ٹن پانی کو ہٹا سکتا تھا۔ علاوہ مسافروں کے رشتہ داروں اور دوستوں کے جہاز کے قریب بہت سے سودا بیچنے والوں کا بھی ہجوم تھا۔ یہاں بکثرت انگریزی کتابیں اخبار اور رسالے بک رہے تھے۔ کیونکہ آئندہ کئی روز تک جہاز میں یہی رفیق اور مونس تنہائی ہونے والے تھے۔ ٹھیک ایک بجے بعد دوپہر جہاز روانہ ہوا۔ جو شخص جہاز پر پہلی مرتبہ سوار ہوا ہو اسکے لئے سمندر کا نظارہ کیسا دلچسپ اور ساتھ ہی کس قدر ہیبت ناک ہوتا ہے۔ اسوقت اس کے دل میں جو جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ سمندر کا پانی پہلے ہلکا سبز تھا۔ کچھ دور آگے بڑھ کر جب گہرائی زیادہ ہوئی تو رنگ بھی گہرا سبز اور آخر نیلگوں ہو گیا۔ یہانتک کہ جب خشکی نظر سے غائب ہو گئی تو سوائے نیلگوں پانی اور نیلگون آسمان کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بادبانی جہاز کہ جنہیں بگلے کہتے ہیں اور ماہی گیری کی کشتیاں جو خشکی کے قریب ملتی ہیں آگے چل کر ان کا نشان باقی نہیں رہتا۔

اول درجے میں سوائے انگریزوں کے دو ہندوستانی نوجوان بھی سوار تھے ایک پارسی نوجوان جو جرمنی کے ایک مقام کمنٹنر میں برقی انجنیری سیکھنے کو جا رہا تھا۔ یہ کہتا تھا کہ اس کام میں ۴ سال لگینگے۔ دوسرا مسلمان سردار بہادر میر عبد العلی خاں ڈپٹی انسپکٹر پولیس افسر بمبئی کا چھوٹا بیٹا بیرسٹری کے لئے جا رہا تھا۔ دوسرے درجے میں ہم تینوں ہندوستانیوں کے علاوہ دو بوہری سوداگر بھی تھے۔ جو براہ عدن ابی سینیا (حبش) کو جاتے تھے۔ جہاں انکی دکانیں ہیں۔ ایک یہودی جنٹلمین بمبئی کا رہنے والا تبدیل آب و ہوا کے لئے یورپ کو جاتا تھا۔ اسکی بیوی قسطنطنیہ کی رہنے والی تھی۔ جو علاوہ ترکی کے یورپ

کی آٹھ سات زبانیں جانتی تھی۔ اور قسطنطنیہ اور ترکوں کی بڑی تعریف کرتی تھی باقی بہت سے یورپین مسافر تھے۔ ان میں سے اکثر تو جلدی ہی ہم سے بہت ملتفت ہو گئے۔ لیکن بعض کے دلوں میں آخر تک ہندوستان کے دیسی اور انگریز کی تفریق کا اثر باقی رہا۔ تاہم سب نہایت تہذیب سے ملتے جلتے تھے۔ دن بھر ڈک (صحن جہاز) پر آرام کرسیوں پر بیٹھے لوگ آپس میں ہر قسم کی باتیں کرتے یا پڑھتے رہتے تھے۔ اول اور دوم درجے کے مسافروں کو دن میں تین دفعہ کھانا ملتا تھا۔ اور دو دفعہ چاء وغیرہ۔ گویا صبح سے شام تک پانچ مرتبہ جہاز پر کھانے کی گھنٹی بجتی چھ بجے صبح چاء۔ نو بجے ناشتہ۔ ایک بجے بعد دوپہر ٹفن۔ چار بجے چائے اور سات بجے ڈنر کا وقت مقرر تھا۔ اس طرح سوائے کھانے سونے اور گپیں ہانکنے کے جہاز پر اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہ سمندر کی آب و ہوا کی برکت ہے کہ اتنا کھانا ہضم ہو جاتا ہے اور قبض ہو جاتی ہے خشکی پر اتنا ہضم کرنا مشکل ہے۔ جہاز کے افیسر جو سب اطالی تھے۔ کبھی کبھی شام کو طنبور بجا کر سب کو خوش کرتے۔ اہل اطالیہ کو اس آلہ کے بجانے میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ سوائے دو چار افسروں کے باقی ملازمانِ جہاز انگریزی نہیں جانتے تھے۔ اِسلئے کھانے کے میز پر اور دوسری خدمات کے لئے جہاز کے نوکروں سے اشارہ سے کام لینا

سمندر کی بیماری

پڑتا تھا۔ پہلے تین چار روز تو بہت سے مسافر سی سِلنس (سمندر کی بیماری) سے بیمار ہو گئے۔ بندہ درگاہ نے بھی برابر تین روز ایک ایک دو دو دفعہ قے کی۔ اور کھانے سے نفرت معلوم ہوتی تھی۔ ہر وقت دوران سر رہتا تھا۔ لیکن اسکے بعد بالکل آرام ہو گیا۔ بعض لیڈیاں دیر تک صاحبِ فراش رہتی ہیں۔ لیکن بعض لوگ جہاز کی بیماری سے بالکل محفوظ بھی رہتے ہیں۔ اسکے بہت سے علاج بتلائے جاتے

ہیں۔ ترشی کھانے کی صلاح دی جاتی ہے۔ لیکن میں نے بہتیری ترشی بھی کھائی۔ مگر سوائے تے کے مفر نہیں ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تے بڑی مفید ہوتی ہے۔ اس سے تمام صفرا خارج ہو جاتا ہے اور طبیعت صاف ہو جاتی ہے۔ ایک صاحب آرزومند ہی رہے کہ انہیں بھی تے ہو جائے مگر نہ ہوئی۔ بعض لوگ صلاح دیتے ہیں کہ سمندر کے کھارے پانی کا ایک بڑا سا گھونٹ پی لینا چاہئے۔ اس سے یا تو کھل کر تے ہو جائیگی یا بالکل تے نہ ہوگی۔ لیکن مجھے تو "پنچ" کی یہ رائے ہی مجرب معلوم ہوتی ہے۔ کہ سمندر کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ فوراً کنارے پر چلے جاؤ۔ ایک روز میں نے کھانے کی میز پر ہی تے کر دی۔ ایک یوروپین مسافر نے جو بحری سفر کا خوب تجربہ رکھتا تھا مجھے صلاح دی کہ میں فوراً پھر کھانا کھالوں۔ چنانچہ میں نے پھر اسی وقت تھوڑا سا کھالیا۔ لیکن سب سے بہتر تجویز دوران سر یا قے سے بچنے کی یہ معلوم ہوتی تھی کہ بستر پر چت لیٹے رہو۔

جہاز میں قبض کی شکایت عموماً رہتی ہے۔ اور میوجات جو کھانے کے ساتھ ملتے ہیں قبض کے دفعیہ میں مدد دیتے ہیں۔ اگر سرد پانی کا گلاس علی الصباح نہار منہ پیا جاوے تو قبض کے لئے مفید پڑتا ہے۔

پرامن سمندر۔ نہایت شکر گذاری کے قابل بات تھی۔ کہ سمندر میں تلاطم بالکل نہیں تھا۔ ہم لوگ ہر وقت ہراسان رہتے تھے کہ یہ طوفان کا موسم ہے ضرور راستہ میں کہیں نہ کہیں ہمیں طوفان ملیگا۔ اس صورت میں ساکنان جہاز کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور پرانے پرانے جہاز کے مسافر بھی بحری بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ سمندر ذرہ بھی تو گرم نہ ہوا۔ بلکہ مارچ اور اپریل کے سمندر کی طرح بالکل ٹھنڈا اور پرامن رہا۔ بعض کو اندیشہ تھا کہ عدن سے دو روز ادھر جزیرہ سقوطرہ کا سمندر ضرور مواج ہوگا۔ لیکن یہ بھی بالکل خاموش تھا۔ تاہم خیال تھا کہ امروز فردا طوفان شروع ہو جانیوالا ہے

اس طوفان سے گو جہازوں کے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات جہازوں کی سلامتی تک کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن اس سے دُنیا کو بڑا نفع حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ موسمی ہوائیں جو سمندر میں "مانسون" پیدا کرتی ہیں۔ وہ بادل لے جا کر ہندوستان میں برساتی ہیں۔ اگر اچھا مانسون ہو تو کافی بارش ہو جاتی ہے۔ اس لئے میری ہمیشہ یہ دُعا تھی کہ خدا تعالےٰ پُرزور مانسون لا وے اور تمام ہندوستان کو سیراب کر دے ٭

دُخانی جہاز رانی جس زمانہ میں دوخانی طاقت سے چلنے والے جہاز یعنے سٹیمر ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ بحری سفر بادبانوں والے جہازوں میں کیا جاتا تھا جو محض ہوا کے زعم پر چلتے تھے۔ اور جو سفر اب گھنٹوں اور دنوں میں طے ہوتے ہیں۔ تب مہینوں میں طے ہوتے تھے۔ آج بیسویں صدی کے شروع میں انگلستان سے ہندوستان تک چودہ پندرہ روز میں جہاز پہنچ جاتا ہے۔ لیکن انیسویں صدی کے شروع میں چھ ماہ میں بھی انگریزی جہاز بمشکل ہندوستان میں پہنچتے تھے۔ پہلے پہل ۱۷۹۰ء میں ایک چھوٹا سا دوخانی جہاز چلا۔ اور اسکے پندرہ سولہ سال بعد اضلاع متحدہ امریکہ میں باقاعدہ دوخانی جہازوں کی ڈاک چلنے لگی۔ انگلستان میں پہلا دخانی جہاز ۱۸۱۲ء میں چلا۔ اور ہندوستان تک پہلا دوخانی جہاز انٹرپرائیز ۱۸۲۵ء میں کپتان جانسن لایا۔ اب دوخانی جہازوں کو ہوا کی سمت کی ذرا بھی پرواہ نہیں علاوہ اسکے اب جہازوں کی رفتار بڑھ گئی ہے۔ ہمارا جہاز شب و روز میں ۲۸۰ میل کے قریب چلتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پی اینڈ او کمپنی کے جہاز ۳۰۰ میل روزانہ رفتار قایم رکھتے ہیں۔ لیکن انگلستان اور اضلاع متحدہ امریکہ کے مابین دُنیا کے سب سے بڑے اور طاقتور سٹیمر چلتے ہیں۔ جو پانچ سو میل روزانہ مسافت طے کر سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں بہت زیادہ کوئلہ جلایا جاتا ہے۔ اور جس قدر کوئلہ زیادہ جلیگا اتنا ہی جہاز تیز چلیگا۔ ان میں سے بعض میں تین سو

ٹن یا قریب ساڑھے آٹھ ہزار من کوئلہ ہر روز خرچ ہوتا ہے۔ رفتار جتنی تیز ہوگی۔ پانی کی مزاحمت بڑھے گی اسلئے جو جہاز ۱۱ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں وہ ۱۷۰ ٹن کوئلہ روزانہ خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اگر اسے ۱۴ میل تک رفتار بڑھائی جائے تو ۲۷۰ ٹن کی بجائے ۴۲۱ ٹن کوئلہ خرچ ہوگا۔ اور چونکہ ہندوستان سے جانے والی جہازوں میں مسافر کثرت سے سوار نہیں ہوتے اسلئے اُن کی رفتار زیادہ خرچ کی متحمل نہیں ہوسکتی ۔

ہمارے زمانہ کے جہازوں کو ایک بڑی سہولیت راستہ کی ہے۔ قدیم زمانہ میں جہاز کناروں کے قریب قریب چلتے تھے۔ اور جو خشکی سے کسی قدر دُور ہوجاتے تھے تو دن کو آفتاب اور رات کو ستاروں کی مدد سے راستہ نکالتے تھے۔ مگر جب سورج اور ستارے نظر نہیں آتے تھے تو وہ بے بس ہوجاتے تھے۔ لیکن اب کمپاس کی مدد سے دخانی جہاز سیدھے تیر کی طرح سمندروں کے بیچ سے نکل جاتے ہیں۔ قطب نما کی مدد کے لئے تمام دُنیا کے سمندروں کے نقشے بقید طول وعرض بلاد جہاز پر موجود ہوتے ہیں۔ غرض جہاز رانی کے علم نے ہمارے زمانے میں بیحد ترقی کی ہے۔

جہاز کے کمرے جہاز میں مسافروں کی آسایش اور آرام کے لئے ہر قسم کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے۔ جہاز کے کمرے بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ کہ جن میں مسافر سوتے ہیں۔ اُن میں نیچے اوپر دو دو بستر چھت سے لٹکتے رہتے ہیں۔ باہر کی طرف ایک گول یا مربع سوراخ بالشت بھر کا ہوتا ہے۔ جو ہوا اور روشنی آنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اس کی کھڑکی میں چپہ بھر کا موٹا شیشہ لگا رہتا ہے۔ لیکن طوفانی موسم میں جبکہ سٹیورڈ کا مددگار اُسے آکر بند کردیتا ہے تاکہ موجوں کا پانی کابن (کمرہ) کے اندر نہ آجائے۔ اس وقت دم گھٹنے لگتا ہے۔ بحیرہ قلزم میں تو اتنی گرمی تھی کہ کوئی مسافر اپنے کابن میں سونے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ سب لوگ

اپنے اپنے بستروں کے گدیلے اور چادریں اور تکئے سٹیورڈ کے مددگار لڑکوں سے اٹھوا کر جو کھانے کے میز پر خدمتگاری کا کام کرتے ہیں صحن جہاز پر لے آتے تھے۔

صحن جہاز

یہاں اوپر بڑی بڑی ٹاٹ کی چادریں تنی رہتی ہیں۔ اور عموماً سونے کے لئے یہ جگہ اچھی ہوتی ہے۔ رات کو ہر کمرہ میں برقی روشنی ہوتی ہے۔ ایک بٹن کو دبانے سے برقی لمپ فوراً روشن ہو جاتا ہے۔ بستر کی سفید چادریں ہر دوسرے تیسرے روز بدل دی جاتی ہیں۔ دن بھی سب لوگ صحن یا تختۂ جہاز پر کاٹتے ہیں۔ عموماً لوگ کتابیں یا رسالے پڑھا کرتے ہیں۔ لیکن بار ہا گپوں کا بازار بھی گرم ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی آرام چوکیوں پر لیٹے ہوئے سو بھی جاتے ہیں۔ کسی کسی روز تختۂ جہاز پر کئی کھیلیں بھی کھیلی جاتی ہیں جو جہازوں سے ہی مخصوص ہوتی ہیں۔

جہاز کا کھانا

کھانا اول اور دوم درجہ کے مسافروں کو الگ الگ کمروں میں دیا جاتا ہے۔ اول درجہ کا کھانا زیادہ پر تکلف ہوتا ہے۔ ہر روز کھانے کے ساتھ تازہ میوجات بھی دیے جاتے ہیں۔ میوجات اور مچھلی وغیرہ چیزیں ریفریجریٹرون میں رکھی جاتی ہیں جہاں بوجہ سردی کے نہیں سڑتیں۔ جہاز میں برف بھی تیار کی جاتی ہے۔ اور کیا کھانے پر یا کھانے کے بعد ہر وقت برفاب پینے کو ملتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی برف کی قفلیاں بھی ملجاتی ہیں۔ جہاز کا کپتان اور انجنیئر اول درجہ کے مسافروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ اور دوسرا اور تیسرا افسر مع ڈاکٹر کے دوم درجہ کے مسافروں کے ساتھ۔ جو لوگ شراب پینا چاہتے ہیں انہیں قیمت ادا کرنے پر شراب بھی مل جاتی ہے۔ بعض جہازوں میں دودھ کے لئے گائے رکھی جاتی ہے۔ لیکن گوشت کے لئے بھیڑیں بیل اور مرغ سب جہازوں پر رکھے جاتے ہیں۔ بیلوں کو یہ لوگ بڑی بے رحمی سے کھانے کے لئے مارتے ہیں۔ اس جہاز میں بیل کے دماغ میں گدی کی طرف سے ایک

بڑی سی سیخ ہتھوڑے کے ساتھ ٹھونک دیتے تھے - اور اس صدمہ سے جانور فوراً گر کر مر جاتا تھا ؎

غسل

جہاز کی زندگی سے متعلق غسلخانہ کا ذکر لازمی ہے - ہر شخص صبح اٹھ کر غسل کرنا چاہتا ہے - دوم درجہ میں ایک غسلخانہ مردوں اور ایک عورتوں کے لئے تھا - غسلخانہ میں ایک لمبا سا چینی کا ٹب ہوتا ہے جس میں اہل یوروپ لیٹ کر نہاتے ہیں - یوروپ میں ہر جگہ نہانے کیلئے ٹب استعمال کیا جاتا ہے - گو یہ ہم لوگوں کی صفائی اور طہارت کے خیال کے مطابق درست نہیں معلوم ہوتا کہ جسم کا مستعمل پانی اخیر تک نہانے کے کام آئے تاہم یوروپ میں یہی دستور ہے - اور اسی اصول پر ریل گاڑیوں کے اول دوم درجوں میں کیا ہندوستان اور کیا یوروپ میں ہاتھ منہ دھونے کا پانی ایک برتن میں جمع کر کے اس سے ہاتھ منہ دھوئے جاتے ہیں - بہرحال جہاز کے غسل خانہ میں ایک نلکے سے بکثرت گرم اور سرد پانی آتا ہے - جو سمندر کا نمکین پانی ہوتا ہے - نمکین پانی میں نہانے سے بال چمٹ جاتے ہیں - اسلئے ایک خدمتگار ہر شخص کو نہانے سے پہلے کچھ میٹھا پانی بھی لا دیتا ہے جو نمکین پانی سے غسل کرنے کے بعد استعمال کیا جاتا ہے - یہی خدمتگار ایک صاف چادر اور ایک تولیہ بھی غسل کرنے کے لئے دیتا ہے - چونکہ غسلخانہ ایک ہوتا ہے اور نہانے والے کئی ہوتے ہیں اسلئے لوگوں کو بہت دیر تک انتظار کرنا پڑتا ہے - ہم ہندوستانی عموماً اہل یوروپ کی نسبت صبح سویرے اُٹھنے کے عادی ہوتے ہیں - اسلئے ہم سب سے پہلے نہا لیتے تھے - میں نے ایک بوڑھے صاحب کو کئی دفعہ دیکھا کہ وہ باوجود سویرے اُٹھنے کی کوشش کے بھی مجھ سے بعد غسل خانہ تک آتا اور انتظار کی تکلیف اُسے نہایت شاق گذرتی - نہانے کے بعد صبح کی چائے اور ڈبل روٹی کے توش ملا کرتے جو سب لوگ باری باری سے کھاتے ؎

جہاز کی صفائی

پنجاب میں ایک مثل مشہور ہے کہ ملاح کے حقہ کا پانی گندہ رہتا ہے۔ ہر چند کہ وہ ہر وقت دریا کے کنارے پر رہتا ہے۔ مگر زمانہ حال میں جہازوں میں صفائی کا بے حد اہتمام رکھا جاتا ہے۔ گو ملاح جہاز پر بھی بوجہ ہر طرح کی صفائی کرنے میلے کچیلے رہتے ہیں۔ خصوصاً وہ جو انجن میں کوئلے جھونکتے ہیں۔ لیکن جہاز کے صحن کو ہر صبح پانی سے دھویا جاتا ہے۔ علی الصباح خلاصی پانی کا نل کھولکر کہ جس کے ذریعہ سے خود بخود سمندر کا پانی جہاز کے اندر کھنچا آتا ہے۔ برشوں سے تختۂ جہاز کو دھونے لگتے ہیں۔ اسلئے جب تک جہاز کا تختہ دھویا نہ جاوے اس وقت تک اس پر بیٹھنے کا مزہ نہیں آتا۔ اکثر مسافر سستی سی آرام کرسیاں بمبئی سے خرید لیتے ہیں۔ اور انہیں پر تختہ جہاز پر بیٹھتے ہیں۔ جن کی چوکیاں اپنی نہ ہوں انہیں ضرور باہر نکل کر بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ کبھی کبھی جہاز کے نوکروں سے بھی کرایہ پر چوکی ملجاتی ہے۔

تکلفات اور انتظام

اوّل اور دوم درجہ کے مسافروں کے لئے ایک ایک سموکنگ روم بھی جہاز میں ہوتا ہے۔ یہ خاصا ہوادار کمرہ تھا جس میں تین چار چھوٹی چھوٹی میزیں اور دیوار کے ساتھ لگی ہوئی بنچیں تھیں۔ میزوں پر نوشت خواند کا سامان پڑا رہتا ہے۔ لیڈیوں کے لئے الگ ایک مکلف کمرہ میں باجا پڑا تھا۔ جو سر سبز پودوں کے گملوں سے سجا ہوا تھا۔ جہاز میں ایک ڈاکٹر اور ایک حجام بھی ہوتا ہے۔ بعض لوگ جو تیسرے درجہ میں سوار ہوتے ہیں جہاز کے باورچیوں سے کھانے کی چیزیں بہت ارزاں خرید سکتے ہیں۔ جہاز کے ملاحوں کا کھانا نہایت سادہ ہوتا ہے اور دیکھنے میں مجھے تو بہت مکروہ معلوم ہوتا تھا۔ جہاز کے افسر اور ملازم اپنے اپنے کام پر نہایت مستعد اور وقت کے پابند ہوتے ہیں۔ جہاز کی عین وسط میں ایک سب سے بلند جگہ پل کی طرح بنی ہوتی ہے۔ جسے برج

یعنے پل کہتے ہیں۔ یہاں دن ہو یا رات ہر وقت جہاز کا ایک نہ ایک ذمہ وار افسر ہاتھ میں دوربین لئے کھڑا رہتا ہے۔ اور جہاز کی سلامتی کے لئے بڑی احتیاط سے دیکھتا جاتا ہے کہ جہاز ٹھیک راستہ پر جا رہا ہے کسی دوسرے جہاز یا چٹان سے تو نہیں ٹکرا جائیگا۔ اور وہ جب چاہے دم زدن میں جہاز کا رُخ بدل سکتا ہے یا اُسے کھڑا کر سکتا ہے۔ اسی کے پاس جہاز کا گھڑیال بھی ہوتا ہے۔ جہاز میں وقت رکھنے کا بھی علیحدہ طریق ہے ہر آدھ گھنٹہ کے بعد گھڑیال بجایا جاتا ہے۔ اور اس طرح ہر چار گھنٹوں میں آٹھ دفعہ بجتا ہے۔ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں کو چار چار گھنٹوں کے چھ حصوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ہر چار گھنٹہ کا حصّہ ایک واچ کہلاتا ہے اس طرح جہاز کا ہر افسر چار گھنٹے کام کر کے آٹھ گھنٹے آرام کرتا ہے +

بعض جہازوں میں تھوڑا سا کتب خانہ بھی ہوتا ہے جہاں تھوڑی سی فیس ادا کرنے پر پڑھنے کے لئے کتابیں مل جاتی ہیں۔ لیکن جس جہاز پر میں نے سفر کیا تھا وہاں سب لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کتاب مانگ کر پڑھ لیتے تھے۔ میرے پاس کافی کتابیں تھیں۔ جو کئی انگریزوں نے مجھ سے لے کر پڑھیں اور بعض نے مجھے اپنی کتابیں بھی پڑھنے کو دیں +

جہاز کی ابتدائی زندگی کا اندازہ

ذیل میں میں اپنی ڈائری سے سفر جہاز کے پہلے چار پانچ روز کی کیفیت سے چند فقرات نقل کرتا ہوں جس سے کچھ جہاز کی ابتدائی زندگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن چار پانچ روز کے بعد طبیعتیں سنبھل جاتی ہیں اور لوگ گھروں کی طرح رہنے لگتے ہیں۔

جمعہ یکم جون سنہ ۱۹۰۰ء :"پہلے پہل جہاز پر سوار ہونے والے کے لئے سمندر کا عالی شان نظارہ کیسا دلچسپ ہو سکتا ہے.... دن بھر ڈک پر آرام کرسیوں پر بیٹھے رہے۔ یہانتک کہ رات کے دو بجے تک وہیں سو بھی گئے اور پھر کمرہ میں جا سوئے"

شنبہ ۲- جون: "صبح دیر کر کے اٹھا.... طبیعت بار بار متلی کرتی تھی آخر ۹ بجے کھل کر استفراغ ہؤا- اور طبیعت کھل گئی- کئی دوسرے مسافروں کو بھی قے آئی- اور کئی بچ گئے- دن میں ۹ بجے صبح ایک بجے دوپہر اور ۷ بجے شام کھانا ملتا ہے- اور ۶ بجے صبح اور ۴ بجے شام چائے- سوائے کھانے اور گپیں ہانکنے کے کوئی کام نہیں- بوجہ دوران سر کھانے سے نفرت معلوم ہوتی ہے- مَیں نے فرانسیسی پڑھنے میں تھوڑا وقت صرف کیا- دن میں اُڑنے والی مچھلیاں دیکھیں- یہ چھوٹی چھوٹی قریب بالشت کے لمبی ہونگی جو سینکڑوں سطح آب کے قریب مثل پرندوں کے دور تک اُڑتی چلی جاتی ہیں- شام کو اندھیرے کے بعد جہاز کے قریب جگنو کی طرح چمکتی ہوئی چیزیں پانی میں دیکھیں- بعض مسافروں نے کہا یہ ایک قسم کی چھوٹی مچھلیاں ہیں-...."

یکشنبہ ۳- جون: "صبح غسل کیا قبض سخت ہے- آج جہاز میں تیسرا دن ہے مگر ایک اجابت نہیں ہوئی- صبح چائے پینے کے بعد چکر آیا اور قے ہوگئی- کپڑے بدلنے اور کابن کے اندر ٹھیرنے کی ہمت نہیں پڑتی دن بھر ڈک پر رہے- یورپین طرز کا پکا ہؤا گوشت بہت بُرا معلوم ہوتا ہے- .... شام کو مسٹر ولسن ایک سکاچ مین نے کہا کہ تم یورپین کھانوں سے اس قدر نفرت رکھتے ہو تو یوروپ میں اتنا عرصہ کس طرح گذار سکو گے- یہ شخص دیکھنے میں ایسا سیدھا سادھا مگر کیسا باخبر اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے.... آج اور کل میں جہاز نے ۶۴۵ ناٹ (بحری میل) جو ۱ ۱/۶ خشکی کے میل کے برابر ہوتا ہے سفر کیا.... سمندر کی سیر کیسی دلکش تھی- چھوٹی چھوٹی موجیں ان پر آفتاب کے عکس سے ہیروں کی طرح چمکتی نظر آتی تھیں"

دوشنبہ ۴ جون- آج دو مرتبہ قے ہوئی- ۱۲ بجے کے بعد طبیعت سنبھلی- تین روز سے کپڑے بدلنے کا ارادہ ہے مگر ہمت نہیں پڑتی- دن بھر ڈک

پر پڑے رہتے ہیں۔ اور بھی بعض مسافر بحری بیماری میں مبتلا ہیں۔ مگر بعض صاف بچ گئے ہیں۔ .... ایک صاحب نے مجھے تاکید کی کہ کھانا ضرور کھانا چاہیے تاکہ قے کرنے میں تکلیف نہ ہو.... کہتے ہیں کہ جہاز کا باورچی اپنے فن میں اُستاد ہے۔ مگر ہم اس کی قدر نہیں سمجھ سکتے۔ کچھ تو غیر ذبیحہ وغیرہ کی نفرت اور کچھ ہلدی نمک مرچ کی عدم موجودگی....
شام کو اطالین افسروں نے حسب معمول سارنگی بجائی اور سب کو خوش کیا۔ مسٹر ولسن سے مختلف امور پر گفتگو رہی.... اس نے کہا انگلستان کا چرچ خزانہ سرکاری سے بہت کم مدد حاصل کرتا ہے۔ قدیم زمانہ سے جو لوگوں نے بہت سی اراضی مذہبی اعانت کے لئے چرچ کے نام وقف کر رکھی ہے اسکی آمدنی۔ دوسرے پرائیویٹ چندے۔ گرجے کے اندر کی خیرات اور گیت دان مِل مِلا کر گرجوں کا خرچ چلاتے ہیں۔"

جہازی زندگی اور عدن ولو بپٹ سعید

بس آساں می نمود اول غم دریا بہ بوئے سود
غلط گفتم کہ یک موجش بصد گوہر نمے ارزد

قدیم زمانہ کے سفر بحر کے اندیشے

مشہور ہے کہ خواجہ حافظ شیرازی کی شہرت جب ایران کو طے کر کے ہندوستان میں آپہنچی تو دکن کے وزیر اعظم نے انہیں ہندوستان میں آنے کے لئے پیغام بھیجا۔ خواجہ حافظ بوشہر سے کشتی پر سوار ہوئے ہونگے کہ خلیج فارس میں باد مخالف چلی۔ اور ان کی کشتی معرض خطر میں پڑ گئی۔ ناخدا جوں توں کر کے کشتی کو کنارہ پر لوٹا لے گئے۔ اور خواجہ نے سیاحت ہند کا ارادہ ترک کر دیا کہ جہاں سے انہیں بہت سی مالی منفعت کی امیدیں تھیں لیکن حسب حال ایک غزل لکھ کر وزیر دکن کے پاس بھیجدی کہ جسکا ایک شعر عنوان پر درج کیا گیا ہے۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ قدیم زمانہ میں سفر بحر نہایت خوفناک مہم ہوتی تھی۔ اور اب بھی جب مسافر نظر اٹھا کر چاروں طرف ایک ناپیدا کنار نیلگون سمندر میں ایک کمزور اور چھوٹے سے جہاز کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس پر عالم حیرت طاری ہو جاتا ہے اور سوائے ذات باری پر بھروسہ کرنے کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ تاہم جب ہمارے زمانہ کی جہاز رانی کی طرف خیال کیا جاتا ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ حضرت انسان نے کمال ہی تو کر دیا ہے۔ قدیم زمانہ میں لکڑی کے کمزور اور چھوٹے چھوٹے جہاز ذخار سمندروں میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اور کناروں کے قریب قریب جہاز رانی ہوتی تھی۔ مگر اب بڑے بڑے

دخانی جہاز لوہے اور فولاد کے بنے ہوئے دُخانی طاقت کے بھروسے شب روز چلے جاتے ہیں۔ اور سمندر کی ناراضگی سے ذرہ نہیں ڈرتے۔ بارہا بحر مواج متلاطم ہوتا ہے۔ اور اُس کی کشادہ پیشانی پر موجوں کے بڑے بڑے بل پڑ جاتے ہیں۔ مگر دخانی جہاز نہایت متانت۔ ثقاہت اور بے پرواہی سے پانی کو چیرتا ہوا دس پندرہ اور کبھی کبھی بیس پچیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سطح آب پر بھاگا چلا جاتا ہے۔ مسافروں کو ناہموار سمندر کی وجہ سے جھٹکے بھی لگتے ہیں اور کبھی کبھی دوران سر اور قے سے بھی بعض مسافر تکلیف اُٹھاتے ہیں تاہم بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ اُن کی آسائش کے سامان اور کھانے پینے اور تفریح کے اوقات میں ذرہ بھی فرق آئے۔ بمبئی میں مجھے ایک بزرگ دوست نے بتایا تھا کہ میں نے دخانی جہازوں کی ایجاد سے پہلے چین تک بحر کا سفر کیا تھا۔ اور جو مصائب اُٹھائی تھیں اُن کے مقابلے میں حال کا سفر بحر محض ایک تفریح کا سامان ہے۔ اور وہ زمانہ گذر گیا ہے جبکہ سفر بحر کی نسبت اس قسم کے خیالات مشہور تھے جیسا کہ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎ شب تاریک و بیم موج و گرداب چنیں حائل۔ کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا ٭ یا حضرت سعدی کا قول ہے ؎ بدریا در منافع بے شمار است۔ اگر خواہی سلامت بر کنار است ٭ مشہور ہے کہ حکیم افلاطون سے کسی نے پوچھا تھا کہ تم سمندر کے سفر سے واپس آئے ہو بتلاؤ ہمارے لئے کیا عجائبات لائے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ یہی کیا کم عجائب بات ہے کہ میں خود سلامت پہنچ آیا ہوں۔

زمانہ حال کا پُرامن سفر بحر

بیشک اس زمانہ کی جہازرانی کی ابتدائی حالت میں سفر بحر کی نسبت ایسے ہی خیالات مشہور ہونے چاہئیں تھے لیکن اب جہازرانی میں بے انتہا ترقی ہو گئی ہے۔ میرا اس سے یہ مطلب نہیں کہ آجکل سمندر میں کشتیاں اور جہاز غرق نہیں ہو سکتے۔ یا سمندر ایسا

پارسا ہو گیا ہے کہ آئندہ مردم آزاری چھوڑ بیٹھا ہے۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ فن جہاز رانی نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ اسکی بدولت اکثر طوفانوں میں بھی جہاز ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں۔ جب تک کہ پانی میں چھپے ہوئی چٹانوں سے نہ ٹکرائیں۔ علاوہ روشنی کی مِیناروں کے تمام دُنیا کے سمندروں کے ایسے نقشے بنا لئے گئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کہاں کہاں پانی میں ڈوبے ہوئے چٹان موجود ہیں۔ انگلستان میں جو کمپنیاں جہازوں کا بیمہ کرتی ہیں اُن میں سے بعض بیس بیس سال سے جاری ہیں۔ اور اُنہیں ایک پیسہ کا نقصان نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کے بیمہ والا کوئی جہاز نہیں ٹوٹا۔ جہاز رانی کو کمپاس سے بہت مدد ملی ہے۔ اور جہاز اندھیری راتوں اور ابر آلود دنوں میں بلا مدد ستاروں اور آفتاب کے چل سکتا ہے۔ گو ہر دوپہر کو آفتاب کی مدد سے اُس کی پوزیشن درست کرنی پڑتی ہے تاکہ کم و بیش گمراہ نہ ہو جائے مجھے ایک باخبر انگریز نے بتلایا تھا کہ ریلوں کی نسبت جہازوں کے ذریعے سے اتلافِ جان کم ہوتا ہے۔ اہل یوروپ حصول صحت و تفریح کی غرض سے سفر بحر اختیار کرتے ہیں۔ ہندوستان سے ایک انگریز مہینے ڈیڑھ مہینے کی رخصت لے کر انگلستان کو جاتا ہے۔ اور سوا دو چار روز کے ساری رخصت آمد و رفت میں جہاز پر صرف ہو جاتی ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ اُسے کافی تفریح حاصل ہو گئی ؞

جہاز کی تفریحیں اور کھیل تماشے

اہل یوروپ سفر جہاز کو اور بھی خوش وقت بنانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ ہمارے جہاز میں ہر شب یورپین مسافر گانے بجانے کے جلسے کیا کرتے تھے۔ سب مسافر صحن جہاز پر اپنی اپنی آرام کرسیوں پر جمع ہو جاتے۔ ان میں سے جو زیادہ زندہ دل ہوتے وہ سارنگی طنبور پیانو وغیرہ بجاتے اور بعض دوسرے اُن کے ساتھ گاتے جاتے۔ دو تین گھنٹے شام کے اسی طرح تفریح میں گذار دیتے

کبھی کبھی کوئی زیادہ رنگیلا اور منچلا مسافر اسی حالت میں اپنی بیوی کی کمر میں باہیں ڈال کر ناچنے بھی لگتا۔ اس جہاز کے تمام افسر اور ملازم اطالی تھے اور کئی مسافر بھی اطالیئن۔ اسلیئے گیت بھی اطالی زبان میں ہی ہوتے مگر انگریز بھی ان سے خوب لطف اٹھاتے تھے۔ اور گانے والوں کو بار بار گانے کی فرمایشیں کی جاتی تھیں۔ کانسرٹ تو ہر روز ہوتے تھے۔ لیکن بحیرہ قلزم میں جاکر ایک شب دوم درجہ کے کل مسافروں سے چندہ جمع کر کے بڑا کانسرٹ کیا گیا۔ جس میں ہندوستانی مسافروں سے بھی چندہ مانگا گیا۔ رات کو خوب گانا بجانا اور ناچ ہوا۔ چونکہ ہم دونوں ہندوستانی مسافروں نے بھی چندہ دیا تھا ہم بھی خصوصیت سے بلا کر ایک جگہ بٹھائے گئے۔ اور سب کی طرح شراب سے ہماری بھی تواضع کی گئی۔ گر ہم نے ایک اور سوڈا واٹر پر اکتفا کی۔ لیکن یہ لوگ ناچ کے خاتمے پر ایک دوسرے کو اصرار کر کے شراب پلاتے تھے۔ اور خوب پیتے تھے۔ ان تماشوں کو دیکھ کر میرے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوتے تھے۔ میں حیران ہوتا تھا کہ اہل مشرق اور اہل مغرب کی زندگیوں میں اس پہلو میں بعد المشرقین فاصل ہے۔ اہل مغرب درحقیقت زندہ دل ہیں یا بقول اُن کے واقعی زندگی کو رہنے کے قابل بنانا چاہتے ہیں۔ کام کے وقت کام کرتے ہیں۔ اور فرصت کیوقت تفریح بھی دل کھول کر حاصل کرتے ہیں۔ بوڑھے بچے عورتیں مرد سب بلکہ ہنستے کھیلتے اور ناچتے کودتے ہیں۔ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسنا کھیلنا بچوں کا کام ہے۔ اور شرفا کی اور عمر رسیدہ آدمیوں کی متانت وقار اور ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ مگر برعکس اسکے یہ لوگ کہتے ہیں "کام کے وقت خوب کام کرو۔ اور کھیلنے کے وقت خوب کھیلو"۔ یعنے جو کام کرو ادھورا نہ کرو۔ اس میں کیا شک ہے کہ زمانہ حال کی ضروریات اور حالات زندگی ہمیں زیادہ محنت سے کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اسلیئے اگر ہم ہر وقت کام ہی کرتے

چلے جائیں تو بہت جلد کام کرنے کے قابل نہیں رہینگے۔ ایک شخص نے حکیم لقمان کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا۔ تو تعجب سے پوچھا کہ ایسا دانشمند شخص بچوں کے ساتھ کیوں کھیلتا ہے۔ لقمان نے ایک کمان کھول کر اسکے سامنے رکھدی اور کہا کہ دیکھو اسکا چلّہ اُترا ہوا ہے۔ اگر ہر وقت یہ کسی رہے تو اس کی لچک جاتی رہیگی۔ یہی حال انسان کا ہے۔ اگر یہ ہر وقت کاروبار اور تفکرات کے بوجھ سے لدا رہے تو یہ بہت جلد جھک جاتا ہے۔ اِسلئے محنت کے بعد کسی نہ کسی طرح کی تفریح کی اِسے ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ اہل یوروپ ہمارے خیالات کے مطابق تفریح حاصل کرنے میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ تفریح صرف میخواری اور گانے بجانے اور ناچنے سے ہی حاصل نہیں ہوتی۔ گو شاید اہل یوروپ سمجھتے ہوں کہ شراب ہم صرف بے فکری حاصل کرنے کے لئے پیتے ہیں ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

مگر ہندوستانی ترکِ میخواری کے ساتھ پاکیزہ سے پاکیزہ تفریح کے کئی ذریعے نکال سکتے ہیں کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں۔

عدن

۷۔ جون کو اُنیسویں دن کے ہمارا جہاز پورے چھ شبانہ روز کے سفر کے بعد ۱۲۶۴ میل طے کر کے بندر عدن میں پہنچا۔ اتنی مدت رات دن پانی میں رہ کر خشکی دیکھنے کو ہر ایک کی آنکھیں ترس رہی تھیں۔ ہرچند کہ عدن کا منظر ذرہ بھی خوش آئند نہیں ہے۔ کیونکہ یہ علاقہ بالکل خشک غیر ذی زرع اور جھلسی ہوئی سنگلاخ سرزمین ہے جس پر سبزی یا کسی درخت کا نام و نشان تک نہیں۔ تاہم خشکی کے رہنے والوں کو دور سے عدن کی پہاڑیاں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ آٹھ دس میل سے عدن کی پہاڑیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جہاز نے بندر میں پہنچ کر لنگر کیا۔ ہم سے پندرہ بیس منٹ پہلے پی اینڈ او کمپنی کے جہاز "نمبر اول" نے بندر میں پہنچ کر لنگر کیا تھا۔ یہ ڈاک کا جہاز تھا

جو چوبیس گھنٹے ہم سے بعد بمبئی سے روانہ ہؤا تھا۔ بعض لوگ جلدی کے لیئے خصوصیت سے ڈاک کے جہازوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور انہیں قدرے کرایہ زیادہ دینا پڑتا ہے۔ سیراؤں نے عدن سے کوئلہ اور ڈاک لی۔ اور فوراً آگے کو روانہ ہوگیا۔ لیکن جہاز امپیریٹرکس جس میں ہم سوار تھے۔ دن بھر عدن کا مال تجارت اُتارتا اور عدن سے نیا مال پورٹ سعید وغیرہ بندروں کے لیئے لادتا رہا۔ عدن میں ہندوستان کا بھیجا ہؤا غلہ اُتار آگیا تھا۔ اور وہاں سے نیویارک (امریکہ) کے لیئے چمڑا اور قسطنطنیہ کے لیئے تمباکو علاوہ دیگر اشیا کے بار کیا گیا تھا۔ کاؤس جی ڈنشا نامی ایک پارسی سوداگر کے کارندے یہ بوجھ دن بھر لدواتے رہے۔ یہ صاحب پچاس برس پہلے عدن میں آئے اور ایک چھوٹی سی دوکان کرنے لگے۔ آہستہ آہستہ بہت ترقی کی۔ آج یہ عدن میں سب سے بڑے آدمی۔ صاحب مکانات اور جائداد بلکہ کئی سٹیمروں کے مالک اور سب سے بڑے ٹھیکہ دار ہیں۔ انکی بدولت قریب پانسو کے پارسی عدن میں جمع ہوگئے ہیں۔ اور کاروبار کرتے ہیں۔ اور تمام علاقہ شمالی (ساحل افریقہ) اور عدن (ساحل عرب) کی زیادہ تجارت انہیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے ؂

جہاز عدن میں پہنچا۔ تو مجھے عدن کے دیکھنے کا بڑا شوق تھا گو یہ باغ عدن نہ تھا مگر پھر بھی عدن تو تھا۔ لیکن فوراً ایک چھوٹے سٹیمر میں ایک ڈاکٹر صاحب آئے۔ اور انہوں نے حکم دیا کہ جہاز کا کوئی مسافر طاعون کے شبہ سے عدن میں نہیں جاسکتا۔ جو چند مسافر درجہ دوم و سوم کے اُترنے والے ہیں اُنہیں پانچ روز قرنطینہ میں گذارنے پڑینگے۔ دو بوہرے سوداگروں اور ایک اطالین (یورپین) نے اپنے عدن کے دوستوں کی معرفت بہتیری کوشش کی کہ کسی طرح دوم درجے کے مسافروں کو قرنطینہ کی قید سے بری کیا جاوے مگر وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ اور نہایت یاس و حرمان سے قرنطینہ کی طرف گئے

جس کو وہ دوزخ سے تعبیر کرتے تھے۔ قدرتاً مدنی بالطبع انسان کو قرنطینہ کی تنہائی سے سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اِدھر جہاز پر اسباب بار ہوتا رہا اور دوسری طرف سے کوئلہ لدتا رہا۔ اور کوئلے کی وجہ سے جہاز کے سب کمروں کے دروازے بند تھے کہ گرد سے سیاہ نہ ہو جائیں۔

غوطہ زن سمالی لڑکے

ہاں بڑی دلچسپ کیفیت اس وقت کی یہ تھی۔ کہ جوں ہی جہاز نے لنگر کیا۔ بہت سے سمالی لڑکے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جہاز کے گرد جمع ہو گئے۔ اور چلا چلا کر انگریزی زبان میں کہنے لگے "چار آنہ آٹھ آنہ۔ روپیہ پانی میں پھینکو۔ ہم غوطہ لگا کر نکال لائینگے" اِن لوگوں نے آٹھ دس لفظ انگریزی کے سیکھ رکھے ہیں۔ اور اُن سے اپنا مطلب نکال لیتے ہیں۔ بعض مسافروں نے دونیاں چونیاں پانی میں پھینکیں۔ اور یہ لوگ فوراً اپنی کشتیوں سے پانی میں کود کر پکڑ لائے اور سکے دکھلا دیئے۔ کبھی دو چار اکھٹے پانی میں کودپڑتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی نہ کوئی پانی کے اندر سے سکہ پکڑ لاتا۔ پانی بہت گہرا تھا مگر یہ تو دونی چونی کو ایک آدھ گز سے زیادہ نیچے نہیں جانے دیتے تھے۔ میرے خیال میں چونکہ سمندر کا پانی بوجہ نمکین ہونے کے بھاری ہوتا ہے اس میں شیریں پانی کی نسبت دونی چونی کو تہ تک پہنچنے میں زیادہ دیر لگتی ہے۔ اور سمالی لڑکے پانی کے اندر آنکھیں کھلی رکھ کر غوطہ لگاتے ہیں اور چونکہ پانی بہت صاف اور شفاف ہوتا ہے یہ سکہ راستہ میں سے ہی اُچک لاتے ہیں۔ بہرحال یہ بڑا دلچسپ تماشا ہوتا ہے۔ یہ پانی میں ایسے تیرتے ہیں جیسے مچھلی تیرتی ہے۔ گھنٹوں ایک جگہ ٹھہرے ہوئے باہیں اور ٹانگیں ہلاتے رہتے ہیں۔ اور ڈوبتے نہیں دو ایک لڑکے غوطہ لگا کر جہاز کے نیچے سے گذر کر دوسری طرف جا نکلے۔ شام تک ان لوگوں نے "آئی ڈایو" (میں غوطہ لگاتا ہوں) کا شور مچائے رکھا*۔ اِن کے علاوہ کئی ایک

* اسی نوٹ کو صفحہ ۷۵ پر دیکھو۔

اور بھی چھوٹی چھوٹی ڈونگیاں جہاز تک آئیں۔ اِن میں دوکاندار سودا بیچنے کو لاتے تھے۔ یہ لوگ مسلمان اور یہودی عرب تھے۔ مگر انگریزی۔ اردو اطالی وغیرہ زبانوں کے بھی تھوڑے سے بہت فقرات کام چلانے کے لئے جانتے تھے۔ زیادہ تر یورپین سامان مثل دیا سلائی۔ سگار۔ اچار۔ اور دیسی میوجات مثل لیمو۔ سنگترہ۔ خربزہ اور تربوز کے جہاز والوں کے پاس بیچنے کو لاتے۔ کوئی شخص کوئی چیز خریدنا چاہتا۔ تو یہ اپنے چھینکے کی ایک رسی اوپر کو جہاز میں پھینک دیتے اور دوسری اپنے ہاتھ میں رکھتے۔ اور چھینکے میں سودا ڈال دیتے۔ جو مسافر جہاز میں کھینچ لیتا۔ اسی طرح وہ دام اس چھینکے میں رکھ دیتا۔ اور دوکاندار اپنی ڈونگی میں نیچے کھینچ لیتا۔ یہودی لوگ شترمرغ کے پر اور کسی دوسرے جانور کے پروں کی بوا ([illegible]) لاتے تھے۔ یہ سیاہ یا بھوسلے پروں کے قریب دو گز کے لمبی سی چیز ہوتی ہے۔ جو موسم سرما میں

حاشیہ صفحہ ۵۱ :۔ ہندوستان میں لوٹنے کے بعد میں نے ٹائمز آف انڈیا میں ایک مضمون لکھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بندر عدن میں ایک سمالی لڑکا جب ایک سکہ نکالنے کے لئے پانی میں کودا تو ایک شارک مچھلی اسے کھا گئی۔ اس پر پولیس نے سختی سے نگرانی کرنی شروع کی ہے کہ کسی لڑکے کو آئندہ سکے نکالنے کیلئے پانی میں نہیں کودنے دینگے۔ بلکہ ۱۸۹۶ء میں صاحب مجسٹریٹ عدن نے اس مطلب کا ایک اعلان مشتہر کیا تھا اور ۱۸۹۷ء میں پی اینڈ او کمپنی کے ایجنٹ نے اسکی نقل اپنے جہازوں کے مسافروں کے لئے چھاپ کر مشتہر کی تھی کہ وہ سمالی لڑکوں کو پانی میں سکے پھینک کر کودنے کی ترغیب نہ دیں۔ اب عدن کی پولیس کہتی ہے کہ وہ برابر سمالی لڑکوں کو اس فعل سے روکتی رہتی ہے۔ مگر وہ پولیس کی بے خبری میں پانی میں کود پڑتے ہیں۔ اور جو کشتیاں سودا بیچنے کو جہازوں کے قریب آتی ہیں۔ وہ انہیں کے ملاح ہوتے ہیں۔ واقعی مجھے ان بیچاروں کی حالت پر رحم آتا تھا۔ جب یہ گھنٹوں پانی میں پیسے اور سکوں کیلئے چلاتے رہے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد مسافروں نے ان کی جانب زیادہ التفات نہ کیا ۔

یورپین عورتیں گلوں میں لپیٹے ہوئے پھرتی ہیں۔ یہ پانچ سے لے کر بیس روپے تک بکے جو کئی میموں اور متاہل صاحبوں نے جہاز پر خرید لیے بعض دوسرے لوگوں نے بڑے بڑے گھونگے۔ شہر کی کھالیں وغیرہ جو اس علاقہ کے تحائف سمجھے جاتے ہیں خریدیں۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ برہنہ اور سیاہ فام حبشی یا عرب لڑکے ٹوٹی پھوٹی انگریزی۔ اطالی اور اُردو زبانوں میں اپنا مطلب بخوبی نکال لیتے تھے۔ اور خوب ہوشیار معلوم ہوتے تھے۔ یہ چیزوں کے دام پہلے پہل دوگنے چوگنے لگاتے تھے اور آخر آدھے چوتھائی منظور کر لیتے تھے۔ میں نے یورپ میں جا کر دیکھا تو لیڈیوں میں ان چیزوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ صُمالی لڑکوں کے سروں کے بال چھوٹے چھوٹے اور گھنگریالے تھے اور بعضوں کے سُرخی مائل۔ گیارہ بجے رات تک آنے جانے اور سودا بیچنے والوں کا جہاز کے گرد تانتا لگا رہا۔ جہاز میں دن بھر مالِ تجارت لدتا رہا خصوصاً چمڑے پیوپار کے لئے اور تمباکو جو قسطنطنیہ کے لئے بار کیا گیا تھا۔ زنگبار کا تمباکو تھا جو قسطنطنیہ میں پہنچ کر وہاں کے نام سے یورپ میں بکے گا۔ عدن میں ہندوستان کا بہت سا غلّہ اُتارا گیا اور کپڑا بھی۔ عدن ایسے مقام سے اس قدر تجارت درآمد و برآمد دیکھ کر تعجب ہوا۔ مگر یہ مال تجارت ساحل عرب کے اکثر حصص کے لئے ہوگا۔

بحیرہ قلزم

ہمارا جہاز ۱۲ بجے رات کو عدن سے بحیرہ قلزم کو روانہ ہونے والا تھا۔ ہم صبح اٹھے تو جہاز سرگرم بحر پیمائی تھا۔ آج بہت سے چھوٹے چھوٹے بنجر جزیرے اور برہنہ چٹان عرب اور افریقہ کے ساحلوں کی طرف نظر آتی رہیں۔ ایک چھوٹی سی قسم کی مرغابی بکثرت موجود تھی۔ کیونکہ دونوں طرف کنارے بہت قریب تھے۔ گو بحر ہند میں تین چار سو میل خشکی سے دور بھی بعض جانور نظر آئے تھے۔ ۹ جون کو ہمارا جہاز بندر جدّہ کے مقابل سے گذرا۔ جو جو خیالات اس مقدس سرزمین کے مقابل گذرتے ہوئے ان چار پانچ روز میں میرے

دل میں گذرے تھے۔ اُن کے بیان کرنے کیلئے دفتر درکار ہے۔ ایک زمانہ میں یہ تمام سمندر مع دونوں طرف کے ایشیائی اور افریقی ساحلوں کے توحید کے نعروں سے گونج رہے تھے۔ اور سچے مسلمانوں کے کارناموں کا منظر بنے ہوئے تھے۔ مگر اس نظر سے آج یہ قلزم اور اسکے کنارے یکساں سُونے پڑے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اسلاف دنیا میں نام پیدا کر گئے تھے اُنکے اخلاف ننگ زمانہ ہونے میں سبقت لے گئے ہیں۔"

مچھلیاں
۲۰ جون کو بحر قلزم میں دن بھر بیسیوں چھوٹے چھوٹے خشک جزیرے اور چٹان عربی اور زنگی ساحلوں پر نظر آئے۔ جیسی کہ بحر ہند اور بحر عرب میں مچھلیاں نظر آتی تھیں یہاں نہیں دیکھیں۔ بحر عرب میں تو بارہا مچھلیوں کی ایسی قطاریں نظر آئیں جو جہاز کا شور سنکر پانی سے اس طرح اچھلتی کودتی تھیں کہ گویا ہرن جنگل میں چوکڑیاں بھرتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی دور تک یہ جہاز کی ہمراہ چلی جاتی تھیں۔ یہ مچھلیاں گز سوا گز سے زیادہ لمبی نہ ہونگی لیکن مرغابیاں جو چیل اور بگلے کے درمیان ایک قسم نرالی کی تھیں بحر قلزم میں بے شمار تھیں۔ سمندر کے پانی میں سُرخی کا کوئی نشان نہ پایا جاتا تھا۔ کہ جو بحر احمر یا ریڈ سی کے نام کی وجہ قرار دیا جاتا۔ بحر قلزم میں سخت گرمی پڑتی ہے لیکن اسوقت زیادہ گرمی نہ تھی۔ اور بوجہ سمندر چھوٹا ہونے کے کئی جہاز دن بھر میں اِدھر اُدھر گذرتے نظر پڑتے تھے۔ بجالیکہ بحر ہند میں ہفتہ بھر میں صرف ایک جہاز نظر آیا تھا۔

جرمنی زبان

تین چار روز کے بعد جب جہاز میں طبیعت سنبھلی تو کچھ پڑھنے کا خیال آیا۔ دو چار سفر ناموں اور گائیڈ بکوں کو سرسری نظر سے جلد ہی دیکھ لیا۔ ہمارے ساتھ ایک نوجوان پارسی طالب علم بھی سفر کر رہا تھا۔ جو جرمنی کے ایک مقام کمنٹز میں برقی انجنیری سیکھتا تھا۔ اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر بمبئی میں کسی خانگی کام کے لئے آیا تھا۔ اسکے پاس جرمنی زبان کی گرامر

اور جیبی گفتگو سیکھنے کی کتاب تھی - میں نے اس سے کتاب مانگ کر جرمنی ابجد سیکھی اور کچھ لفظ اور فقرے یاد کرنے شروع کئے - وہ ہنستا تھا کہ اس درد سر سے کچھ فائدہ نہ ہوگا - اتفاقاً ہمارے درجہ کے مسافروں میں ایک جرمن پادری صاحب بھی تھے جو جنوبی ہند میں کام کرتے تھے اور اب اپنے وطن کو جارہے تھے - میں نے اُن سے کچھ تلفظ پوچھنے شروع کئے - کیونکہ جرمن زبان کے بعض تلفظ مشکل ہوتے ہیں - اسلئے سفر جہاز کا زیادہ حصہ اسی محنت بے فائدہ میں گذر گیا - اور بہت مزے سے گذرا کیونکہ کبھی طبیعت بیکاری سے نہ گھبرائی تھی - یہ پادری صاحب اپنے مطلب کے بہت پکے تھے - بارہا مجھ سے مذھبی باتیں چھیڑ دیتے - اور میں اس گفتگو کو ٹال دیتا - ایک روز میں نے ان سے کہا کہ بہتر ہے ایک روز عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کرلیں چنانچہ تین چار اور انگریز اور پادری صاحب ملکر مجھ سے دو تین گھنٹے بحث کرتے رہے - اُن کے اعتراضات وہی تھے - جو عموماً عیسائی مسلمانوں پر وارد کرتے ہیں - جب وہ تثلیث اور کفارہ کے مسئلہ کو مجھے سمجھانے میں قاصر رہے تو کہنے لگے آؤ مسیح اور محمد صاحب کی زندگیوں کا مقابلہ کریں حضرت محمد کی بہت سی بیویاں تھیں اور حضرت مسیح عمر بھر مجرد رہے - بتلاؤ کس کی مثال تقلید کے قابل ہے - میں نے کہا غالباً حضرت مسیح کی مثال ہی تقلید کے قابل اور زیادہ پریکٹیکل (عملی) ہے - تاکہ دنیا کا سلسلہ توالد تناسل ہی بند ہو جائے - پھر پادری صاحب نے اہل ہند کی بداخلاقی اور بدکاری کا ذکر شروع کیا - اور اس کو اہل ہند کی مذہبی تعلیم کا نتیجہ ٹھہرایا - کہا سکولوں کے چھوٹے بچوں تک بدکاری کی علت میں مبتلا ہیں - میں نے کہا واقعی یہ افسوس کی بات ہے - لیکن سب بچے تو یکساں نہیں ہوتے - اور علاوہ اسکے معلوم نہیں

پادری صاحب سے بحث

اہل ہند اور اہل یوروپ کے اخلاق

کہ یورپ میں بچوں کا کیا حال ہے - لیکن یورپ میں جو عورتوں کی بد اطواری
اور حرامزادہ بچوں کی کثرت اخبارات اور کتابوں کے ذریعے سے معلوم
ہوتی ہے کیا اُسے مذہب عیسوی کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیا جاوے - اسکا جواب
یہ لوگ سوا اسکے کچھ نہ دے سکتے کہ یورپ میں لوگ بدکاری چھپا کر
نہیں کرتے - مگر ہندوستانی ظاہرا فرشتہ بنے رہتے ہیں اور باطن میں
گندے ہوتے ہیں - کیونکہ ان کا اخلاقی معیار اہل یورپ کی طرح اعلیٰ نہیں
لیکن اس پر گفتگو اپنے طور پر چل پڑی کہ ان میں سے دو تین صاحبان نے
اپنے اپنے تجربات اور یورپ کے مختلف ممالک کی بد اطوار عورتوں کی بیباکی
کے قصے سنانے شروع کئے جو باوجود انسدادی قانون موجود ہونے کے
سربازار اُٹھائی اجنبی سمجھ کر اُن کے گلے کا ہار ہو گئی تھیں - اس پر
ایک صاحب نے جو بہت ہوشیار آدمی تھا مجھے کہا کہ اگر تم یورپ میں کچھ
اچھا سبق لینے کے لئے جاتے ہو تو اپنے دل کو پہلے ہی وہاں کی زندگی کے
تاریک پہلو سے متنفر بنا لو - وہاں ایک روشن پہلو بھی ہے - اور
وہ غور سے مطالعہ کرنے کے قابل ہے - اور اس میں ذرہ بھی شک
نہیں کہ یورپ میں روشن پہلو تاریک پہلو پر بہت غالب ہے جسکا ذکر
دوسرے موقعوں پر آتا رہے گا - غرض اس روز کے بعد پادری صاحب نے
مجھ سے ہر وقت مذہبی گفتگو کرنی بند کر دی - گو انہوں نے مجھے ایک چھوٹی
سی انجیل دے کر اسے پڑھنے کی تاکید کی -

روشنی کے مینار

۱۱ جون کو جبکہ سویز ایک دن رات کا فاصلہ رہ گیا تھا جہاز
کے دونوں طرف چند جزیرے نظر آئے - ان میں سے
دو کا نام "برادر و خواہر" ہے - ان میں سے ایک پر ایک لائٹ ہوس (روشنی
کا مینار) شب کو جہازوں کی رہنمائی کے لئے بنا ہوا ہے جس میں یورپین
ملازم رہتے ہیں - ان لوگوں کو ہر ہفتہ کھانا پانی ایک جہاز دے جاتا ہے - گو دنیا

کے سمندروں میں بعض ایسے لائٹ ہوس بھی ہیں کہ جنکے ملازموں کو سال میں صرف ایک مرتبہ ذخیرہ بھیجا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو عموماً سال میں نو ماہ خدمت اور ۳ ماہ رخصت ملتی ہے۔ ایک یورپین مسافر نے بتلایا کہ گذشتہ دس سال سے گورنمنٹ انگریزی اور سلطان ٹرکی کے مابین یہ امر زیر بحث رہا ہے کہ اس سمندر کے کئی جزیروں پر لائٹ ہوس تعمیر کیئے جائیں سلطان المعظم اصرار کرتے ہیں کہ اگر یہ لائٹ ہوس ان کی حفاظت میں رہیں تو ان کے بنانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ واضح رہے کہ تمام دنیا کے سمندروں میں جہاز رانی کی سہولیت کے لئے ایک انٹرنیشنل لائٹ ہوس ایسوسی ایشن یوروپ میں قائم ہے جس کی حفاظت میں سب لائٹ ہوس ہیں۔ بحیرہ قلزم کا ذکر ختم کرنے سے پہلے جزیرہ پرم کی نسبت اسقدر بتلانا ضروری ہے کہ باب المندب کا یہ جزیرہ جس پر مدت تک حکام یمن اور دوسری عرب قومیں حکمران رہی ہیں سنہ ۱۸۵۷ء کے قریب خالی اور غیر آباد تھا۔ فرانسیسی امیر البحر نے اپنے ایک افسر کو مخفی حکم دے کر اس جزیرے پر فرانسیسی جھنڈا گاڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ افسر عدن میں آکر انگریزی ایجنٹ کے پاس ٹھہرا۔ اور کھانے پر شراب زیادہ پی گیا۔ اسلئے اس نے اپنا مقصد ظاہر کردیا۔ انگریزی افسر نے وہیں کھانے کی میز کے نیچے ہاتھ لیجا کر پنسل سے اپنے ایک ماتحت کے نام حکم لکھ دیا کہ فوراً جہاز لیجا کر پرم پر انگریزی جھنڈا گاڑ دو۔ چنانچہ جب فرانسیسی افسر وہاں پہنچا تو وہ جزیرے پر انگریزی قبضہ پاکر بہت نادم ہوا۔ یہ جزیرہ پانچ میل لمبا ہے۔ کچھ انگریزی فوج بھی یہاں رہتی ہے جزیرہ پرم پر انگریزی قبضہ کا قصہ۔ انگریزی قوم کی اس چستی اور ہوشیاری کی بہت عمدہ مثال ہے کہ جس سے اس نے دنیا کے سب سے بڑے حصے پر قبضہ کرکے اسے سنبھال رکھا ہے۔

۱۰ جون۔ ہوا تیز تھی اور کسی قدر طوفان معلوم ہوتا تھا یہاں تک کہ پانی کئی دفعہ

تختہ جہاز پر آپڑا۔ مگر واقف کار لوگوں کی نظر میں یہ ہرگز طوفان نہیں تھا۔ لیکن مجھ پر اسکا ضرور اثر ہؤا۔ سر چکرانے لگا اور کئی دفعہ دل بھی متلایا۔ دن کے پچھلے حصہ میں طبیعت نادرست رہی۔ بہتیری کوشش کی مگر کچھ پڑھ نہ سکا۔ باوجودیکہ قبض سخت رہا لیکن اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ گھر میں ایک دو روز کے قبض سے درد سر بلکہ بخار تک ہوجاتا تھا۔ یہاں سرکہ آچار لیموں کی ترشی بکثرت کھاتا رہا۔ مگر کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ گھر میں اس سے آدھی چوتھائی ترشی سے زکام ہوجاتا تھا۔ معلوم نہیں سمندر کی آب وہوا یا کھانے کی قسم کا یہ نتیجہ تھا۔ کیونکہ کھانا بہت ہلکا ہوتا تھا۔ علاوہ اسکے سرخ مرچ کا تو نام و نشان تک اس میں نہ ہوتا تھا۔ مجھے اپنی عام صحت اچھی معلوم ہوتی تھی جو یقیناً سمندر کی صحت بخش ہوا کی بدولت تھی۔"

۱۱۔ جون۔ "بعض انگریز مسافر کس سرگرمی سے دن بھر رسالے وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں کہ گویا انہیں اگلے مہینہ میں امتحان دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قوم کے اوسط درجہ کے آدمی بھی بڑے باخبر ہوتے ہیں۔ آج جرمن پادری صاحب نے جرمن مشنوں کے متعلق میرے سوال پر بتلایا کہ جرمنی میں دو قسم کے چرچ ہیں۔ ایک سٹیٹ چرچ کہ جسکے خرچ کی ذمہ وار سرکار ہے۔ اور دوسرا پرایویٹ چرچ۔ سٹیٹ چرچ کے پادریوں اور دیگر ملازموں کی تنخواہوں وغیرہ کا خرچ سرکاری خزانہ ادا کرتا ہے۔ اور پادریوں کو ایک سرکار کا مقرر کیا ہؤا امتحان پاس کرنا پڑتا ہے۔ پرائیویٹ چرچ کے لوگ مشن کالجوں سے امتحان پاس کرتے ہیں۔ ان کا معیار تعلیم علیحدہ ہوتا ہے۔ جس میں علاوہ تاریخ جغرافیہ ریاضی کے علم الٰہی تاریخ قدیم منطق فلسفہ آداب مباحثہ۔ تاریخ مذاہب۔ تاریخ چرچ۔ ڈاکٹری کی تعلیم۔ لاطینی یونانی اور فرانسیسی (یا انگریزی) ضروری ہیں۔ ڈاکٹری کی تعلیم اسلئے ضروری ہے کہ جہاں ڈاکٹر نہ ہوں پادری ہی لوگوں کا علاج کرسکیں۔

مشنوں کی آمدنی

اور انہیں اپنی جانب متوجہ کرسکیں۔ پرائیویٹ مشنوں کی آمدنی چندوں سے ہوتی ہے۔ غریب دہقان جو نقد کچھ نہیں دے سکتے۔ اپنی گایوں کا دودھ یا کھیت کی کچھ اور پیداوار بصورت جنس ہی دیدیتے ہیں۔ جس کی قیمت مشن کے فنڈ میں جمع ہوجاتی ہے۔ جو امیر لوگ مذہبی مشنوں کا خرچ ہزاروں یا لاکھوں روپے یک مشت ادا کردیتے ہیں۔ ان میں سے بعض اپنا نام تک ظاہر نہیں کرتے۔ واقعی یہ بڑے ایثار کرنے والے لوگ ہیں۔ اور یورپ کی زندگی کا روشن پہلو ایسے ہی لوگوں کے دم سے قایم ہے۔ آج سرِ شام ہوا ایسی تیز ہوگئی کہ صحن جہاز میں کھڑا رہنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ مجھے کبھی کبھی تنہائی میں یہ خیال گھبراتا تھا کہ تمام یوروپین ہمسفر اپنے اپنے وطنوں کو جا رہے ہیں اور ہندوستانی تجارت اور امتحان پاس کرنے کو۔ اور مَیں صرف "علم شے بہ از جہل شے" حاصل کرنے کے لئے۔ تاہم مجھے توقع ہے کہ اگر مَیں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں تو اخبارات مطابع ٹکنیکل تعلیم اور بعض اشیائے تجارت کی نسبت کافی واقفیت حاصل کرکے جاؤنگا۔ جو بمقابلہ خرچ زر کے بہت حقیر نہ ہوگی۔ اِلّا ماشاءاللہ"

بندر سویز

۱۳ جون کی دوپہر کو جہاز بندر سویز میں پہنچا۔ طاعون کی وجہ سے مسافروں کو اتر کر سویز دیکھنے کی اجازت نہ ملی۔ یہ ایک چھوٹا سا مصری قصبہ دس گیارہ ہزار باشندوں کا ہے۔ جسکو نہر سویز کھودے جانے کے بعد بہت رونق ملی ہے۔ قاہرہ سے ۷۶ میل جانب مشرق واقع ہے۔ اس سے دو میل جانب مغرب ٹھیک برلب آب قلزم و نہر سویز یوروپین آبادی قائم ہوئی ہے۔ جسکے خوبصورت مکانات اور اہلکاران نہر کے بنگلے ایسے جنگل اور ریگستان میں دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے جہاز نے بندرگاہ میں پہنچ کر دو تین پھریرے بذریعہ رسیوں کے بلند کئے۔ سب سے پہلا زرد جھنڈا تھا۔ جو ظاہر کرتا تھا کہ جہاز طاعون زدہ علاقہ سے آتا ہے۔ دوسرا جھنڈا یا پائلٹ طلب

کرتا تھا۔ پائلٹ ایک جہازراں ہوتا ہے۔ جو کسی خاص سمندر یا اسکے حصے
سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ جہاں گذرنے سے جہازرانوں کو جہاز کی سلامتی
کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لیکن پائلٹ جہاز کو سلامتی سے وہاں سے نکال دیتا ہے
جب بمبئی سے جہاز روانہ ہوا تھا تو پائلٹ نے تین چار میل تک آ کے راستہ
دکھلایا تھا۔ اسی طرح نہر سویز میں بھی ہر جہاز کے ہمراہ پائلٹ روانہ ہوتا ہے۔ اور
اس کی فیس ہر جہاز کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ زرد جھنڈے کو دیکھ کر سب سے پہلے
ڈاکٹر کی کشتی آ گئی جس میں ایک مرد اور ایک لیڈی ڈاکٹر تھی۔ پہلے جہاز
کے چیف آفیسر نے انہیں اپنے کاغذات دکھلائے جو غالباً بمبئی کے
ہیلتھ آفیسر نے دیئے ہونگے۔ پھر سب ملازمانِ جہاز کی نبض دیکھی گئی۔ اور
مسافروں کی حاضری لی گئی۔ تیسری جھنڈی کے ذریعے میٹھا پانی جہاز کے
لئے طلب کیا گیا تھا جس سے ایک کشتی بھری ہوئی آئی اور دو تین گھنٹے بذریعہ
پمپ کے حبشی قلی یہ پانی جہاز میں پینے کے پانی کے حوض میں پہنچاتے

نہر سویز

رہے۔ عصر کے قریب جہاز نہر سویز میں داخل ہوا۔ نہر
کا داخلہ نہایت دلچسپ تھا۔ نہر سویز ۸۷ میل لمبی۔ ۴۴ فیٹ چوڑی۔ اور ۲۸
فیٹ گہری کھودی گئی ہے۔ راستہ میں تین چار قدرتی جھیلوں میں گذرتی
ہے جو اس سے زیادہ گہری ہیں۔ چونکہ اس میں سے جہاز چھ میل فی گھنٹہ کی
رفتار سے زیادہ تیز نہیں چلائے جاتے تاکہ پانی کے صدمہ سے کناروں
کی مٹی نہ گرے۔ اسلئے ہر جہاز کو کم از کم پندرہ سولہ گھنٹے نہر سے گذرنے میں
لگتے ہیں لیکن اگر کوئی دوسرا جہاز مقابل سے آتا ہوا ملے۔ تو ایک جہاز کو
ایک پہلو میں کھڑا ہونا پڑتا ہے اور دوسرا پاس سے گذر جاتا ہے اسطرح سے
کسی کسی جہاز کو دو دو چار گھنٹے ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اسلئے راستہ میں ایک رات
ضرور آتی ہے۔ نہر سویز کے منتظموں نے نہر کی حفاظت کے لئے ۱۸۸۷ء
سے روشنی کا یہ انتظام کیا ہے کہ ہر ایک آنے جانے والے جہاز کی پیشانی پر

ایک بہت بڑی برقی روشنی کی لالٹین آویزاں کی جاتی ہے۔ اور برقی روشنی
تیار کرنے کا ڈائنیمو (برقی انجن) جہاز میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس سے نہر
کے راستے پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ راستہ میں جاتے ہوئے نہر
کی بائیں طرف یعنی جانب مصر کے کنارے پر کئی چوکیاں اور مکان انتظام
نہر کے لئے قایم ہیں۔ اور بہت سے ملازمان نہر جو سب کے سب فرانسیسی
معلوم ہوتے ہیں۔ یا کم از کم مصری نہیں ہیں ہوٹل ہوٹلوں میں بھی رہتے
ہیں۔ نہر کے اسی کنارے پر کچھ درخت اور سبز جھاڑیاں ہیں۔ عرب
کی طرف کا کنارہ تو صرف ریگستان لق و دق نظر آتا ہے۔ نہر میں سے ہمیشہ بذریعہ
ڈریجر مشینوں کے مٹی اور ریت نکلتی رہتی ہے۔ اسلئے تمام نہر کا راستہ
بڑا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ کم از کم دو تین ہزار یورپین نہر سویز کے متعلق ملازم
ہونگے۔ نہر سویز سنہ ۱۸۵۹ء میں ایم۔ ڈی لیسپ ایک فرانسیسی انجنیئر کی تجویز
سے کھدنی شروع ہوئی تھی۔ خدیو سعید پاشا مصر پر حکمران تھے۔ ان کے
نام پر بندر سعید (پورٹ سعید) بحیرہ روم پر آباد ہو گیا ہے۔ سنہ ۱۸۶۹ء میں
نہر کے افتتاح کی رسم ادا ہوئی بڑی رونق کا جلسہ ہوا جس میں شہنشاہ
بیگم فرانس اور شہنشاہ آسٹریا موجود تھے۔ نہر کے کھودنے میں بیس ملین
پونڈ (یعنی ۳۰ کروڑ ہندوستانی روپیہ) خرچ ہوا تھا۔ انگلستان نے اس
نہر کے کھودے جانے کی سخت مخالفت کی تھی۔ مگر اسکے بعد اسی مفید
سمجھ کر اس نے نہر کی کمپنی کے بہت سے حصے خرید لئے ہیں۔ اور اب
سب قوموں سے زیادہ وہی فائدہ اٹھاتا ہے۔ ممالک مشرق سے تجارت
کرنے والے ۹۵ فی صدی جہاز اس نہر سے گذرتے ہیں اور میں نے سنا
ہے کہ ہر جہاز کو ۵۰۰ پونڈ محصول ایک دفعہ نہر سے گذرنے کے عوض دینا
پڑتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں نہر سویز سے تین ہزار چار سو اکتالیس جہاز اور دو
لاکھ بیاسی ہزار ایک سو چورانوے مسافر گذرے۔ تعداد مذکور میں دو ہزار

چارسو سات جہاز تجارتی اور سات سو تہتر جہازات ڈاک اور دوسو اکسٹھ جنگی اور باربرداری والے جہاز تھے۔ انگریزی جہازوں کی تعداد انیس سو تینتیس تھی۔ ۱۸۹۹ء میں نہر سویز کو نو کروڑ تیرہ لاکھ اٹھارہ ہزار سات سو بہتر فرانک کی آمدنی ہوئی جب سے یہ نہر جاری ہوئی ہے پہلے کبھی اس قدر زیادہ آمدنی نہیں ہوئی۔ جنگ چین کے ایام میں گورنمنٹ روس نے براہ سویز سینتیس ہزار فوج اس طرف روانہ کی اور فرانسیسی فوج چونتیس ہزار اور جرمنی کی چوبیس ہزار اس نہر سے گذری۔ امریکہ اور ہسپانیہ کی جنگ کے ختم ہونے پر گورنمنٹ اسپین کی جو فوج اس نہر کی راہ سے جزائر فلپائن کو گذاری اسکی تعداد تیرہ ہزار تھی اور جو تجارتی جہاز اس نہر سے گذرے بمقابلہ دیگر ممالک کے انگریزی جہازوں کی تعداد تین میں دو تو ضرور تھی۔ کیسی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ دو براعظموں ایشیا و افریقہ کو پانی کے ذریعے الگ کردیا گیا ہے۔ اور دو سمندروں بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کو ملا دیا گیا ہے۔ جس سے تجارت اور آمد و رفت کو کروڑوں روپے کا منافع ہوتا ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ریمیس ثانی مصر کے ایک قدیم بادشاہ نے بحیرہ قلزم اور بحیرہ روم کے درمیان ایک ۹۰ میل کی نہر کھدوائی۔ لیکن وہ مرور مدت سے بھر گئی۔ مگر دارا اول شاہ ایران نے پھر اسے خالی کرایا۔ پھر حضرت عمرؓ کے عہد میں عرب فاتحان نے اسے کھودا۔ پھر ۱۷۹۸ء میں نپولین اعظم نے اسے جہازوں کے لئے کھدوانے کے واسطے پیمایش کرایا۔ لیکن اس غلط خیال سے جو اُس زمانہ میں عام تھا۔ ارادہ ترک کر دیا کہ بحیرہ قلزم کی سطح آب بحیرہ روم سے ۳۰ فیٹ بلند ہے۔ پورٹ سعید میں ایم۔ ڈی لیسپ کا ایک بڑا روئیں بت سمندر کے ساحل پر اسکے نہر کھودنے کی یادگار میں نصب ہے۔ آجکل نہر سویز کے راستے سے سولہ روز میں لنڈن کا خط لاہور پہنچ جاتا ہے۔ گویا ڈاک کے جہاز بارہ

تیرہ روز میں یہ فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔ جو پہلے زمانہ میں افریقہ کے گرد سے ۳ ماہ اور اس سے بھی پہلے ۶ ماہ میں طے ہوا کرتا تھا +

بندر سعید اور آگے

ڈیکر ۱۱ بجے پورٹ سعید پہنچے یہاں جہاز نے کوئلہ لیا۔ لیکن بوجہ اندیشہ طاعون کسی مسافر کو جہاز سے اُترنے کی اجازت نہ ملی۔ گو ہمارا سٹیمر بازار سے اتنا قریب کھڑا تھا کہ دوکانوں کے بورڈ پڑھے جا سکتے تھے۔ آج سے سردی زیادہ محسوس ہونے لگی۔ میں نے بھی گرم کپڑے پہن لئے۔ ممالک مشرق میں اور کسی شہر نے اتنی جلدی ترقی نہیں کی جتنی کہ اس بندر نے کی ہے۔ شہر بہت خوبصورت ہے۔ عمارات یورپین طرز کی ہیں۔ جب ہم پورٹ سعید سے بحیرہ روم میں داخل ہوئے تو دو یورپین مسافر کہنے لگے۔ خوشی کی بات ہے کہ اب ہم شائستگی کے علاقے میں داخل ہو گئے ہیں۔ اُس وقت تو اُن کی بات مجھے ناگوار معلوم ہوئی۔ کہ اُنہوں نے میرے وطن کو جہالت کی سرزمین قرار دیا۔ لیکن جب میں نے یورپ کے دو تین شہر دیکھ لئے تو میں اُن کو حق بجانب سمجھنے لگا۔ بیشک اہل یورپ اور اہل ہند کے حالات میں لاکھوں کوس کا فرق ہے۔ ۱۳ کی شام سے چلکر ۱۴ کی صبح کو جہاز بندر ٹرلیسٹ میں پہنچا۔ ۱۵ تاریخ کو بائیں طرف جزیرہ کریٹ نظر آیا۔ اور دن بھر جہاز جزیرہ کی طوالت کے پہلو کو طے کرتا رہا۔ پہاڑ اور گھاٹیاں بالکل نظر آتی تھیں۔ دو چار اور جزیرے بھی چپ و راست نظر آئے۔ یوروپین مسافر جہاز پر وقت گذارنے کے لئے مختلف کھیل کھیلتے تھے۔ مثلاً ایک بالٹی میں رسّی کے حلقے پھینکے جاتے تھے۔ اور جسکے زیادہ حلقے اسکے اندر پڑتے وہ جیت جاتا۔ اسی طرح اور جہازی کھیلوں میں بھی تھوڑی سی ورزش جو جہاز کی محدود جگہ میں ہو سکے اور پسندیدگی کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ ان لوگوں کے اصرار پر جب ایک روز ایک کھیل میں یا پریلیش ونش میں بھی شامل ہوا۔ تو بوجہ نشانہ اچھی طرح نہ کر سکنے کے میں بہت جلد

ہار گیا۔ آج بمبئی اور جہاز کے وقت میں ساڑھے تین گھنٹے کا فرق ہو گیا تھا۔
۱۶ جون کو یونان کا ایک جزیرہ ٹارانٹو نامی جہاز سے بائیں طرف نظر آیا۔
اور دائیں طرف بھی مجمع الجزائر یونان کے کئی جزیرے نظر آتے رہے کہ
جنہیں دیکھنے کے لئے جہاز کے تمام زن و مرد مسافر صبح پانچ بجے سے ۹ بجے
تک کھڑے رہے۔ مکانات گرجے کھیت سرو کی روشیں اور ہوا کی چکیاں
جابجا نظر آتی تھیں۔ اور ہندوستانی نظر میں صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ
آبادی نئی قسم کی ہے۔ ایک جگہ ایک جزیرہ جہاز سے اتنا قریب معلوم
ہونے لگا کہ پتھر پھینکو تو وہاں جا پڑے۔ وہاں جہاز کے ایک افسر
نے ایک نرسنگا پھونکا۔ اور پہاڑ سے بعینہ صاف صاف ویسی
ہی صدا سے بازگشت نے جواب دیا۔ شام کو جہاز بحیرہ ایڈریاٹک میں
یونان کے ساحل طے کر کے ترکی علاقہ کے مقابل چل رہا تھا۔ اٹلی کے
ساحل پر برنڈزی سے آگے نکل چکا تھا۔ شام کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے
تک شفق کی اتنی روشنی تھی کہ جو ہندوستان میں ساڑھے چھ بجے کو
ہوتی ہے۔

یکشنبہ ۱۷ جون "سسل" جہاز کے ٹریسٹ پہنچ جانے کی خوشی میں آج
کا دن بالکل گپ شپ میں گذرا۔ دوپہر کو جزیرہ لیسا نظر آیا۔ جہاں
ایک نہایت خوبصورت خلیج پر ایک شہر پہاڑ کی نشیب میں آباد تھا۔
معلوم نہیں وہاں کے رہنے والوں کو کیا کیا تکلیفیں پیش آتی ہونگی
لیکن مجھے تو وہ منظر اور تنہائی ایسی پسند آئی کہ ان لوگوں کی حالت
پر رشک آنے لگا۔ شام تک ساحل ترکی کی خشک پہاڑیاں بائیں
طرف نظر آتی رہیں۔ آج پراٹسٹنٹ عیسائیوں نے جہاز پر نماز
پڑھی۔ رومن کیتھالک پاس بیٹھے رہے۔ مگر شریک نہ ہوئے۔
ایک انگریز سے جسے میں جانتا تھا کہ رومن کیتھالک نہیں ہیں نے

پوچھا کہ تم کیوں نماز میں شریک نہیں ہوئے۔ اس نے کہا۔ میں پرسبٹیرین ہوں۔ چرچ آف انگلینڈ کی عبادت کا قائل نہیں۔ جو نماز کی کتاب سے نماز کے مقررہ فقرات پڑھنے کے لئے مجبور ہیں آج سطح بحر پر جو تیل کی طرح صاف تھی غروب آفتاب کا نظارہ نہایت شاندار اور دلکش تھا۔

یوروپ کے پہلے شہر ٹریسٹ اور وینس

کس ندانست کہ منزل گہِ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید



۱۸ جون کو سویرے سے اٹھ کر سب لوگوں نے اسباب باندھنا شروع کیا۔ جہاز ۶ بجے ہی بندر ٹریسٹ میں پہنچ گیا۔ یہ شہر کئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر واقع ہے۔ جو بندر کے گرد محیط ہیں۔ تھوڑی دیر میں چار ڈاکٹروں کی

قرنطینہ کا اندیشہ

ایک کمشن مسافروں کے ملاحظہ کے لئے پہنچی سب کو اندیشہ تھا کہ کہیں دو روز کا قرنطینہ نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ کپتان نے عدن سے مال بار کیا تھا۔ ڈاکٹروں نے ہر ایک مسافر اور ہر ایک ملازم جہاز کی نبض دیکھی۔ اس وقت تک جہاز پر ایک زرد جھنڈا اوڑ رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس جہاز میں بیماری ہے۔ اسلئے نہ کوئی شخص خشکی سے اسپر آسکتا ہے اور نہ جہاز سے کوئی شخص خشکی پر جاسکتا ہے۔ لیکن جب ڈاکٹروں نے جہاز کو مرض سے پاک و صاف بتلایا تو سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ اور ایک دم زدن میں وردی پہنے ہوئے اٹالین قلیوں نے جہاز پر یورش کر دی سب لوگوں نے اپنا اپنا اسباب اُن کے حوالے کیا جو انہوں نے کشتیوں میں رکھدیا۔ اور ہم لوگ بھی جہاز کے خدمتگاروں کو انعام دے کر کشتیوں میں جا بیٹھے۔ یہ دستور ہے کہ جہاز میں کھانے کے کمرہ کے خدمتگار تمہارے اور بھی کئی کام کر دیتے ہیں۔ شام کو اگر کمرہ میں گرمی ہو تو تمہارا بستر صحن جہاز پر بچھا دیتے ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو بوٹ بھی صاف کر دیتے ہیں

بستر کی چادریں بدلنے اور نہانے کے تولئے دینے ہیں اور دیتے ہیں۔ اسلئے کچھ نہ کچھ "بخشش" انہیں ضرور دینی چاہئے۔ یوروپ میں جس قدر بخشش کا بڑا رواج پھیلا ہوا ہے۔ میں مختلف مقامات میں اسکا ذکر کرونگا۔

غرض ہم لوگ خشکی پر پہنچے۔ مزدور ہمارا اسباب ایک لمبی سی دستی گاڑی پر لاد کر چونگی خانہ میں لے گئے۔ جہاں سے معائنہ کے بعد ہم قریب ہی ایک ہوٹل میں پہنچے۔ یہاں قلیوں کو کرایہ دینے میں بڑی دقت پیش آئی۔ کہ ان کی بات ہم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یہاں ہر شخص اٹالی زبان بولتا ہے۔ کیونکہ ٹریسٹ دراصل اٹلی کا شہر ہے۔ لیکن اب آسٹریا کے قبضہ میں ہے۔ آخر ہوٹل کے پورٹر[1] نے ہمارا فیصلہ کرایا۔ اور دو قلیوں اور ایک کشتیبان کو آدھ گھنٹہ کی محنت کے لئے ہم چار آدمیوں کو نو شلنگ یعنے پونے سات روپے دینے پڑے۔ ہوٹل والے نے یہ مزدوری اپنے پاس سے دیکر ہمارے بل میں لکھ لی۔ یوروپ میں ہر شہر ہوٹل والے تمہاری گاڑی اور مزدوری وغیرہ کا روپیہ اگر تم چاہو۔ تو تمہاری سہولیت کی خاطر دیدینگے۔ اور پھر تمہارے حساب میں درج کر لینگے۔

یوروپ کا پہلا شہر

یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ انگریزی زبان بھی ایسی متاع نہیں ہے جو ہر بازار میں بک سکے۔ کیونکہ زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے ہمارے انگریز ہمراہی بھی یہاں ہماری طرح ہی صم بکم تھے۔ چونکہ میں نے یہ یوروپ کا پہلا شہر دیکھا تھا یہاں کی ہر چیز عجیب معلوم ہوتی تھی۔ یہاں قلی گاڑیبان اور خاکروب تک سب یورپین تھے۔ بازاروں میں ہر طرف یہی لوگ نظر آتے تھے۔ عمارتیں عالی شان اور صاف و پاک دوکانوں کے دروازے نئی ڈھنگ کے۔ غرض ہر چیز نرالی تھی۔

اخبارات

سب سے پہلے میں ہوٹل میں پہنچ کر اخبار دیکھنے لگا یوروپ میں ہر ہوٹل کے ساتھ لازمی بات ہے کہ ایک کمرہ میں تازہ اخبار

[1] یہ ہوٹلوں کے دروازوں پر ایک اہلکار مامور ہوتا ہے جو تمام متفرق کام مسافروں کے آرام کے لئے کرتا ہے۔

اور رسالے اور کچھ مختلف قسم کی ڈائرکٹریاں پڑی ہوں۔ البتہ یہ امر ہوٹل کی حیثیت پر منحصر ہے کہ کتنی اور کس کس زبان کے اخبار اور رسالے موجود ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں یورپ کی ہر زبان کے بڑے بڑے اخبار اور ہر ملک کی ڈائرکٹریاں پائی جاتی ہیں۔ علاوہ ہوٹلوں کے رستارنٹوں اور قہوہ خانوں میں بھی اخبارات کا ہونا لازم ہے۔ آج اٹھارہ روز کے بعد جہاز سے اترے تھے۔ اسلئے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس عرصہ میں دنیا میں کون کون سے واقعات پیش آئے ہیں۔ میں نے سب سے پہلے جنگ ٹرینسوال اور پھر ہندوستان کی خبریں جو مل سکیں پڑھیں۔ اسی عرصہ میں انگلستان کا پریٹوریہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔

وینس کو روانگی

آسٹرین لائیڈ کمپنی کے ٹریسٹ جانے والے جہاز کے مسافروں سے اس کمپنی کی طرف سے یہ بھی رعایت کی جاتی ہے کہ اگر وہ ٹریسٹ سے وینس کو جانا چاہیں تو اسی کرایہ میں جا سکتے ہیں۔ چونکہ میں اس سفر میں اٹلی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اٹلی کا کم از کم ایک شہر وینس ضرور دیکھنا چاہا۔ زیادہ تر اسلئے کہ ہمیشہ وینس کی خوبصورتی کی تعریف سن [illegible] تھا۔ کیونکہ اس شہر کے مکانات سمندر کے اندر پانی میں بنے ہوتے ہیں۔ اور اکثر بازاروں اور گلیوں میں کشتیاں چلتی ہیں۔ اسلئے اپنا اسباب اسی ہوٹل میں چھوڑ کر کہ جس کا نام ہوٹل ڈو لاروم تھا۔ اسی شب کو وینس کو روانہ ہوا۔ جو ٹریسٹ سے ۶ گھنٹے کا راستہ ہے۔ رات کو جہاز میں جا سوئے تو صبح وینس پہنچ گئے۔ دور سے ہی سمندر میں سے ایک شہر کے نمودار ہو جانے کا نظارہ بہت عجیب معلوم ہونے لگا۔ وینس کے عالی شان محلات اور گرجوں کے گنبدوں اور

قدیم وینس کی عظمت

میناروں میں مشرقی عمارت کی شان پائی جاتی ہے کوہ الپس سے اتر کر بحیرہ ایڈریاٹک میں گرنے والی

پانچ ندیوں کے سنگھم پر قدیم زمانہ میں یہاں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے پیدا ہوگئے تھے۔ جن پر قوم وینائی آکر آباد ہوگئی۔ اور کچھ مدت کے بعد یہ رنگیب اور نیستان کے جزیرے یہاں تک آباد ہوئے کہ دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کا مرکز بنے جو تیرہ سو ستّرہ سال تک قائم رہے یہی وینس کی سلطنت تھی کہ جسکے سامنے ایک زمانہ تک ساری دُنیا سر تسلیم خم کرتی تھی۔ دُنیا کے سمندروں میں کوئی بحری طاقت وینس کے مقابلہ کی نہ تھی۔ کریٹ۔ سائپرس۔ جینوا۔ پائیسا۔ سیریا اور قسطنطنیہ اسکے خراج گذار تھے۔ دو دفعہ وینس کے ڈوجوں (بادشاہوں) نے ترکوں کی آنے سے پہلے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اور خیرالدین باربروسا امیرالبحر سلطنت عثمانیہ سے بھی جنگ کی تھی۔ خصوصاً صلیبی جنگوں کے زمانہ میں وینس کو اعلےٰ درجہ کا پولیٹکل اور تجارتی عروج حاصل ہوا تھا۔ اور اسکے جہازوں نے شام کی تجارت سے بہت دولت کمائی تھی۔ لیکن ۱۷۹۷ء میں فرانس نے وینس کو فتح کرکے اسکی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ مگر وینس کی عظمت کی زمانہ میں جو عجائبات اس شہر میں جمع ہوگئے تھے وہ اب تک موجود ہیں۔

سڑکوں پر کشتی رانی۔

شہر وینس کا محیط ۷ میل ہے۔ اور بڑی نہر نے اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ دراصل یہ شہر تین بڑے اور ۱۱۴ چھوٹے جزیروں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اور چار سو چھوٹے اور بڑے پلوں کے ذریعے سے ان سب جزیروں کو ایسی طرح ملا دیا گیا ہے کہ ایک شخص ان پلوں سے شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بلا کشتی میں بیٹھنے کے جا سکتا ہے۔ گلیوں اور بازاروں میں لوگ کشتیوں پر گذرتے ہیں۔ اسلئے بجائے گھوڑوں گاڑیوں شکرموں ٹریموے وغیرہ کے وینس کی گلیوں میں صرف کشتیاں نظر آتی ہیں۔ یہ کشتی ایک خاص قسم کی اور کالے رنگ کی ہوتی ہے جسکا سکان بلند ہوتا ہے۔

اور اسے وہاں گنڈولا کہتے ہیں۔ گنڈولا چلانے والے ملاحوں کو اس کے چلانے میں عجیب مہارت ہوتی ہے۔ یہ مکانوں کے ایک انچ قریب تک اپنے مرکبوں کو لے جاتے ہیں اور ان سے ٹکرانے نہیں دیتے۔ جبکہ نہایت تیزی سے چلا رہے ہوں تو ایک دم میں انہیں روک سکتے ہیں۔ غرض وینس کے گنڈولے بجائے خود عجیب دلچسپ چیز ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض نہایت سجے ہوتے ہیں۔ ان کا کرایہ ایک فرانک (دس آنہ) فی گھنٹہ پہلے گھنٹہ کے لئے اور چھ فرانک دس گھنٹہ کے دن کے لئے مقرر ہے۔ نہروں کے علاوہ خشکی پر بھی بعض گلیاں اور چھوٹی سڑکیں ہیں۔ شہر کے بڑے بڑے عالیشان محلات کے دروازے عین برلب آب واقع ہیں اور تعمیر زیادہ پتھر یا سنگ مرمر کی ہے۔ زبان اٹالی اور مذہب رومن کیتھالک عیسائی ہے۔ اور تو ہر طرح سے یہ لوگ یورپین ہیں۔ مگر اہل اطالی تمام یورپ میں زیادہ غریب ہیں۔ ان کا ملک چھوٹا ہے۔ اور اسے فوج اتنی زیادہ رکھنی پڑتی ہے کہ اس کے خرچ کے بوجھ کے نیچے دبا جاتا ہے۔ اسلئے بیسیوں قسم کے ٹیکس رعایا پر لگے ہوئے ہیں ہمارے گائیڈ نے جسے چھ گھنٹہ کو لئے مشہور مکانات دکھلانے کی اجرت ۴ فرانک دی گئی تھی۔ مجھے بتلایا کہ ہر فرانک میں ۵۵ سینٹم سرکار کے اور ۴۵ میرے ہیں (فرانک = ۱۰۰ اسنیٹم سکہ اطالیہ) اتنے مختلف قسم کے ٹیکس رعایا پر لگے ہوئے ہیں کہ جتنے کسی کے بچے ہوں ان پر بھی اسے ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ جب ہمارا اسباب کشتی سے ایک مزدور خشکی پر لایا تو ایک غریب عورت بوجھ اٹھانے کو دوڑی۔ اس کے سوا بعض غریب عورتیں اور بچے بھیک مانگتے تھے اور برہنہ پا تھے۔ مگر ساتھ ہی دوسری جانب یہاں کبھی ایک مسافر کا روزانہ خرچ آٹھ دس روپے سے کم نہیں ہوتا۔ قہوہ خانہ میں ایک پیالی چار اور ایک ٹوسٹ کے لئے سات آٹھ آنے دینے پڑتے

سینٹ مارک کا گرجا

ہیں۔ مزوروں نے بھی سفید کالر لگا رکھے ہیں۔ جو چیزیں یہاں دیکھی ہیں اُن میں قابل ذکر سینٹ مارک کا گرجا ہے۔ جو بڑے "پیازا" (چوک) میں واقع ہے۔ اِس گرجے کا دروازہ "سینٹ صوفیا" (قسطنطنیہ) سے لایا گیا تھا جو چاندی کا بنا ہوا ہے ستونوں کی ایک بڑی قطار میں چار ایسے ستون ہیں جو بیت المقدس کے بنائے جاتے ہیں۔ کئی چھوٹے ستون نہایت قیمتی پتھروں کے ہیں کہ جنکے ثانی ملنے محال ہیں۔ اٹلی کے نامور مصوّروں نے گذشتہ چار پانچ سو سال میں اس گرجا میں ایسی اچھی تصویریں موزائک (رنگین شیشہ کی مینا کاری کا م) کی بنائی ہیں۔ کہ جو یورپ بھر میں مایۂ ناز سمجھی جاتی ہیں۔ یہ تصاویر زیادہ تر بائیبل اور سینٹ پیٹر کے قصوں سے متعلق ہیں۔ جو قد آدم یا اُس سے بھی بڑی دیواروں اور چھت پر بنی ہوئی ہیں۔ مسیح مریم اور بارہ حواریوں کے قد آدم بُت ایک دیوار میں نصب ہیں۔ اِس عالی شان معبد کے تمام فرش میں بیش قیمت پتھروں کے ذریعے ایسا مینا کاری کام کیا گیا ہے کہ شہنشاہ جہانگیر کے مقبرہ (لاہور) کی چھت اور روضہ ممتاز محل کے اندر کا فرش اسکے سامنے دوم درجہ کی چیزیں ہیں۔ اِس فرش کی تعمیر میں باقی تمام گرجا کے برابر روپیہ صرف ہوا ہے۔ حضرت مسیح کے حواری سینٹ مارک (مرقس) کی قبر اس گرجا میں ہے۔ سینٹ مارک کی لاش پہلے اسکندریہ میں دفن تھی۔ لیکن دو سوداگر ایک دفعہ اُن کی ہڈیاں کھود کر یہاں لے آئے۔ اور انہوں نے اس جگہ دفن کر کے اُن پر یہ عالی شان گرجا تعمیر کیا گیا۔ کہ جسکے خوبصورت اور عجیب بنانے میں اہل وینس نے کوئی دقیقہ صرف زر اور لیاقت کا اٹھا نہ رکھا۔ اِس میں ایک جگہ حضرت مریم کا سونے کا بُت رکھا ہوا ہے۔ جو صرف اتوار کو معتقدین کی زیارت کے لئے کھولا جاتا ہے۔ اِسکے باہر چاندی کے ہزاروں ٹکڑے انسان کے

دل کی شکل کے بنے ہوئے شیشوں کے اندر آویزاں ہیں۔ جو رومن کیتھالک معتقدین نے اپنی اپنی مرادیں پوری ہونے کے بعد "مقدس مادر" کے بت پر وقتاً فوقتاً چڑھائے ہیں۔ اِن لوگوں کے اعتقاد میں حضرت مریم کا دل تمام مرادیں پوری کر سکتا ہے۔ اگر اُس سے منت مانی جائے۔

دُنیا کی ... گرجا

وسیع چھت کے نیچے جابجا رومن کیتھالک زن و مرد موم بتیاں روشن کرکے ہاتھ باندھے اور سر جھکائے بیٹھے تھے۔ میرے جاننے کے دوست جرمن پادری صاحب جو پراٹسٹنٹ تھے اور اسوقت بھی میرے ہمراہ تھے۔ کہتے تھے کہ رومن کیتھالک لوگ خیرات کا روپیہ کس بیرحمی سے صرف کرتے ہیں۔ یورپ میں بلحاظ خرچ اور خوبصورتی کے صرف ایک اور گرجا سینٹ پیٹر (واقع روم) اِس سے بڑا ہے۔ گو بلحاظ جسامت و عظمت کولون کا گرجا بھی بہت بڑا ہے۔

دیگر عجائبات

گرجا کے بڑے دروازے پر چار ٹھوس گھوڑے پیتل کے پورے قد کے کھڑے تھے جن میں سے ہر ایک کا وزن دو ٹن (۵۶ من) بتلایا جاتا ہے۔ یہ گھوڑے بھی یورپ کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ قدیم اہل روما نے انہیں بنایا تھا۔ اور اہل وینس قسطنطنیہ سے انہیں لوٹ لے گئے لیکن یہاں سے اپنے عروج کے زمانہ میں نپولین اعظم انہیں پیرس لیگیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد پھر وینس نے انہیں مانگ لیا۔

اِس گرجا کے مشرق کی جانب ڈوج کا قصر قابل دید ہے۔ انگلستان کے مشہور شاعر بائرن کی جس "برج آف سائز" (آہوں کے پل) کو اپنی نظم کے ذریعہ سے غیر فانی کر دیا ہے وہ ایک طرف اس قصر سے ملحق ہے۔ اور دوسری طرف اُن ہیبت ناک جیلخانوں سے کہ جن کے بدنصیب قیدیوں کو دوبارہ دنیا کو دیکھنا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اور اِس پل کی راہ سے قیدی محل شاہی سے قید خانہ میں پہنچائے جاتے تھے تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر متاثر نہ ہوں۔

افسوس کمپانیل گرجا کے سامنے کمپانیل کے نام سے ایک ساڑھے تین سو فیٹ بلند اور ۴۲ فیٹ گول مینار چھوٹی اینٹوں کا بنا ہوا ہے جسکے اندر اوپر جانے کے لئے بجائے سیڑھیوں ڈھلوان راستہ ہے - اور نپولین اول اس راہ سے گھوڑے پر سوار ہو کر اسکی چوٹی تک پہنچا تھا - اور اسی کی چوٹی پر دوربین کے موجد گلیلیو نے کئی تجربات علم ہیئت کئے تھے - یہ دراصل اس گرجا کے گھنٹے کا مینار تھا - گو اب اسکی چوٹی پر ایک محافظ شہر کی آتشزدگی اور کشتیوں کے حادثات کی خبر رکھنے کے لئے متعین رہتا ہے -

سینٹ مارک کے گرجا کے سامنے ایک بڑا میدان ہے - جہاں ہزارہا پالتو کبوتر رہتے ہیں - اور ایسے نڈر ہیں کہ جو کوئی پاس جا کھڑا ہو اسکے کندھوں پر جا بیٹھتے ہیں - ان کو خوراک ایک وقف سے ملتی ہے - اور وینس کے چہرے کا ضروری خط و خال شمار ہوتے ہیں - یہی میدان اس شہر کا ناک منہ ہے جیسا لنڈن کے لئے ہائیڈ پارک یا کلکتہ کے لئے ایڈن گارڈن اور دہلی کے لئے چاندنی چوک ہے ویسا ہی یہ یہاں کے لئے ہے - اسکے تین طرف شہر کی سب سے بارونق دکانیں ہیں - وہ تین بڑے بڑے قہوہ خانے ہیں جن کے باہر بلا مبالغہ ہزاروں کرسیاں اور میزیں ہونگی - یہاں کے لوگوں کی بڑی تفریح یہی معلوم ہوتی ہے کہ یار دوست زن و مرد بلکہ سہ پہر کو قہوہ خانوں میں آ بیٹھتے ہیں - کھاتے پیتے اور گپ زنی کرتے ہیں - جو اخبار پڑھنا چاہیں وہ اخبار پڑھتے ہیں - کیونکہ ہر قسم کے اخبارات قہوہ خانوں کے لئے خرید سے جاتے ہیں - جرمن - فرانسیسی اور اطالی اخباروں کے پڑھنے کا عام رواج ہے - ہفتہ میں دو تین راتوں کو اس میدان میں بہت سے باجے کے سٹینڈ لاکر رکھے جاتے ہیں - چنانچہ آج منگل کی شب کو بھی دو گھنٹے

؎ ۱۴ جولائی ۱۹۰۲ء کو کمپانیل خود بخود بوجہ پرانی تعمیر ہو جانے کے گر گیا - ۱۹۰۳ء میں اسکی تعمیر شروع ہوئی

تک بینڈ باجہ بجتا رہا۔ اس وقت اتنا بڑا میدان بالکل پُر ہو گیا تھا۔ عورتیں اور مرد کثرت پھر رہے تھے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ اطالین عورتیں ۹۵ فی صدی سر برہنہ تھیں۔ رنگ ان کا بھی ویسا ہی سُرخ و سپید ہوتا ہے۔ جیسا کہ انگلستان کی عورتوں کا۔ عورتیں عموماً خوبصورت اور مرد عموماً معمولی قد وقامت اور جسامت کے نظر آئے۔ پولیس مین سر کی ٹوپی سے جوتے تک سیاہ پوش تھے

شیشہ اور لیس کی صنعتیں وینس میں

یہاں شیشہ اور لیس دو بڑے صنعت کے کام ہیں اور دونوں یورپ بھر میں مشہور ہیں۔ میں نے دونوں قسم کے کارخانے دیکھے۔ سب سے بڑے شیشہ کے کارخانہ میں کاریگروں کو آلات شیشہ بناتے دیکھا۔ شیشہ بھٹی میں پانی کی طرح پگھلا ہوا ہوتا تھا۔ کاریگر ایک آہنی لمبی نلکی کے آگے شیشہ چمٹا کر پھونک مارتا تھا تو یہ پھول جاتا تھا۔ پھر آہنی چمٹے سے جس طرح چاہتا اُسے موڑ لیتا۔ چینی کے بُت بنانے میں بھی اس سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہوگی لیکن شیشہ کو مختلف رنگ دینا اور بلور کی نقل کرنا ذرا مشکل کام ہیں۔ ایک دوسرے شیشے کے کارخانے میں جا کر دیکھا کہ ایک عورت شیشہ کی دو باریک نلکیوں سے جن سے کمسٹری کے طلبا بخوبی آشنا ہیں۔ بذریعہ برقی آگ کے تار نکال رہی ہے یہ تار انسان کے بالوں سے موٹی نہ تھی اور بخوبی لچکدار تھی۔ پاس سے ایک پہیہ پر جسے وہ پاؤں سے ہلاتی تھی یہ تار تنی جاتی تھی۔ مختلف رنگوں کے شیشہ کی ایسی کئی تاریں اکٹھی کر کے ان سے چھوٹی چھوٹی فینسی خوبصورت ٹوکریاں بُنی جاتی تھیں۔ جو کافی لچکدار ہوتی ہیں۔ شیشہ کی اور کئی چیزیں آرائش کی بنائی جاتی ہیں۔ لیکن سب سے بیش قیمت موزایک (مینا کاری) کام ہے۔ جس کے لئے قدیم زمانہ سے وینس مشہور ہے۔ مختلف رنگوں کے شیشوں پر سُنہری ورق لگایا جاتا ہے۔ اور سب کو کاٹ کر چوتھائی انچ کے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر کسی تصویر کا خاکہ کھینچ کر اس پر یہ شیشے سنہری پہلو نیچے

کر کے ایسے طور پر جڑے جاتے ہیں کہ کُل اصلی رنگ کسی تصویر کے آجاتے ہیں۔ مثلاً سبز رنگ کو نیلے پر ختم کرنے کے لئے ایسے شیشے لگائے جائینگے جس سے معلوم نہ ہوسکے گا کہ سبز کہاں ختم ہوتا ہے اور نیلا کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ گرجوں میں اس قسم کی قدآدم تصاویر ہزاروں روپے کی لاگت سے بنائی جاتی ہیں۔ میں تعجب کیا کرتا تھا کہ "سٹینڈ گلاس ونڈو" (رنگین شیشوں کے دریچہ) پر یوروپ کے گرجوں میں کیوں اتنا خرچ آتا ہے۔

لیس جنیوا اور وینس کی اب تک مشہور ہے۔ جب میں لیس کے کارخانے میں گیا تو کام کرنے والی لڑکیوں کو چھٹی ہو چکی تھی۔ اور وہ سب ملکر سامنے کے ہال میں دوپہر کا کھانا کھا رہی تھیں۔ تاہم کارخانہ کے منیجر نے ساتھ لیجا کر سب کمروں میں لیس کا کام دکھلایا۔ یہ کام بالکل ہاتھ سے کیا جاتا ہے اور اس کی اچھی قیمت آتی ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر لکھنؤ کی چکن کاڑھنے والی عورتوں میں اس کام کا رواج دیا جاوے تو یقیناً فائدہ کا کام ہے۔ جب ہم کارخانے سے نیچے اُترنے لگے۔ تو چند لڑکیاں دوڑ کر پیچھے آگئیں اور اشارہ سے ہم سے پیسے مانگے۔ آجکل یہاں دن ۱۶ گھنٹے سے کم نہیں صبح ساڑھے تین چار بجے اتنی روشنی ہوتی ہے کہ کتاب بخوبی پڑھی جاتی ہے اور شام کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک کتاب کھلے میدان میں پڑھی جاتی ہے اسلئے دن ختم ہونے میں نہیں آتا۔

یہاں معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہی پیشہ ہے کہ جس اجنبی کو شہر میں دیکھیں اُسے کہیں کہ آؤ تمہیں شیشہ کے عجائب خانے دکھلائیں۔ اور اس طرح اُسے ساتھ لے کر شیشہ کے سوداگروں کی دوکانوں میں لیجاتے ہیں جو داتعی عجائب خانے ہوتے ہیں۔ وہاں دُوکان والوں کی قابلیت یہہ ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ مال مسافر کے ہاتھ بیچدیں۔ کیونکہ کوئی مسافر ایسا نہ ہوتا ہوگا جو مال کو پسند نہ کرے۔ ہمارے پارسی رفیق نے ایک کارخانہ سے دس پونڈ

کے شیشہ آلات خریدے۔ وینس میں اور بہت سے قابل دید مکانات تھے مگر ہم نے ایک ہی دن میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ اور شام کو جہاز پر سوار ہو کر صبح ٹریسٹ پہنچ گئے۔

زنانہ اور مردانہ مسافروں کی بے تکلفانہ ملاقات

ان جہازوں میں ایک ہی کمرہ سب مسافروں کے لئے ہوتا ہے جسکے گرداگرد چاروں طرف نیچے اوپر دو تین قطاریں بستروں کی ہوتی ہیں۔ ایسے طور پر کہ ایک لیٹنے والے شخص کے پاؤں دوسرے کے سر سے چھو جاتے ہیں۔ روشنی روکنے کے لئے صرف ایک پردہ سامنے گرا سکتے ہیں۔ عورتیں مرد ملے جلے سب ایک جگہ سو جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک میاں بیوی ہنستے کھیلتے ایک بستر پر ہو گئے اور انہوں نے پردہ تک نہ گرایا۔ وینس جاتے ہوئے اسی سٹیمر پر ایک اٹالین ایک عورت سے جو اسکے ساتھ کے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ بہت مذاق کرتا تھا۔ اور وہ اور اسکی دو تین سہیلیاں کھل کھلا کر ہنس دیتی تھیں۔ صبح اٹھ کر مجھے ایک انگریز رفیق سفر نے کہا کہ اگر کوئی انگریز عورت ہوتی تو فوراً جگہ چھوڑ کر چلی جاتی۔

اٹلی اور آسٹریلیا کے سکے

ایک روز میں ابھی آسٹریا کا سکہ بخوبی نہیں سمجھا تھا کہ دوسرے روز اٹلی کے علاقہ میں چلا گیا۔ جہاں اٹلی کے سکہ سے کام پڑا۔ اس لئے دونوں کی آپس کی نسبت اور دونوں سکوں کی ذاتی قیمت نے مجھے کئی جگہ دھوکا دیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ کوئی اجنبی خواہ کتنا ہی ہوشیار رہو۔ اس نقصان سے بچ نہیں سکتا۔ آسٹریا کا سکہ اس طرح ہے۔ ہیلر یا سولدی سب سے چھوٹا سکہ ہے۔ جو میں نے دیکھا نہیں اور غالباً ابھی بنا نہیں۔ تاہم دو ہیلر کا ایک کراؤزر ہوتا ہے۔ اور وہ ہندوستان کی ایک مسی پائی کے برابر ہے۔ اور وہ کراؤزر آدھنے کے برابر۔ سو کراؤزر کا ایک فلارن چاندی کا حجم میں روپیہ کے برابر ہے۔ لیکن قیمت میں سوا روپے کے مساوی۔ اس کا نصف چاندی کا کراؤن

یا کرونا ہوتا ہے - پھر نکل (جرمن سلور) کے ۲۰ ہیلر اور ۱۰ ہیلر کے سکے چونی اور اس سے ذرا بڑے ہیں - اٹلی میں فرانک اور سنیٹم جاری ہیں - ایک فرانک میں جو ہندوستان کے دس آنہ کے برابر ہے - سنیٹم ہیں - جو پائی کے برابر ہوتے ہیں - ہندوستان کی پیسے برابر مسی ۵ سنیٹم ہے - اوشنی کے برابر ۱۰ اسنیٹم - ۲۰ سنیٹم نکل چاندی کا چونی سے بڑا - فرانک کو لیرہ بھی کہتے ہیں - زیادہ چلن نوٹوں کا ہے - جو ۵ و ۱۰ لیرہ کے ہوتے ہیں - اور چونکہ ہی کے مقابلے میں پونڈ (پندرہ روپے) کے بجائے ۲۵ کے ۲۶ ملتے ہیں - اٹلی سے باہر یہ کسی کام کے نہیں - اٹلی کے اندر بھی انہیں لوگ لیتے ہیں تامل کرتے ہیں - انگریزی طلائی ساورن جو ہندوستان میں اب چلتا ہے - یورپ بھر میں بلا تامل پوری قیمت پر منظور کیا جاتا ہے - ٹریسٹ سے وینس جاتے ہوئے وینس میں اور وینس سے ٹریسٹ جاتے ہوئے ٹریسٹ میں جہاز پر کسٹم ہوس (محکمہ چونگی) کی طرف سے مسافروں کا اسباب کھول کر دیکھا گیا - اور جس بکس میں کوئی چیز قابل محصول تھی - اسپر ایک ٹکٹ چپکا دیا گیا - یورپ کے سفر میں کسٹم سے اچھی خاصی تکلیف ہوتی ہے اور ذرہ ذرہ چیزوں پر چونگی لی جاتی ہے ۔

ایک شاہی محل

۲۰ جون کو ٹریسٹ پہنچ کر وہاں کے قابل دید مقامات دیکھے - جن میں سے "میرا مار" قابل ذکر ہے - یہ میکسیلین شہنشاہ میکسیکو نے ٹریسٹ سے دو تین میل باہر سمندر کے کنارے پر بڑے شوق سے تیار کیا تھا - مگر بادشاہ جوانی میں ہی باغیان میکسیکو کے ہاتھ سے مارا گیا - اور اس کی بیگم شاہ بلجیم کی ہمشیرہ بلجیم میں دیوانی ہو گئی - جو اب تک زندہ ہے - امپرر میکسیلین موجودہ شاہنشاہ آسٹریا (فرانسس جوزف) اسکا چھوٹا بھائی تھا - اسلئے سرکار آسٹریا کی طرف سے اس محل کی حفاظت کیجاتی ہے اس میں تمام ہمعصر بادشاہوں کی قد آدم تصاویر اور بہت سے دوسرے

تاریخی آدمیوں کی بڑی تصاویر ہیں۔ بڑے قرینہ اور شوق سے مختلف کمروں کی آرایش اور زیبایش کی گئی ہے۔ چھتوں اور دیواروں پر بہت سی تصویروں میں الیگری کے طور پر مطلب ادا کیا گیا ہے۔ اب تک میکسیملین کے لکھنے کے کمرہ۔ کتب خانہ۔ کمرۂ استراحت۔ ڈرائنگ روم وغیرہ میں سب سامان ویسا ہی پڑا ہے۔ جیساکہ اسکی زندگی میں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکان کا مالک ابھی کمرہ سے باہر گیا ہے۔ شب زفاف کا کمرہ اسی طرح آراستہ ہے جیساکہ اسوقت کیا گیا تھا۔ اور چونکہ بادشاہوں کے سجے سجائے مکان کا کم کسی کو دیکھنے کا موقع ہوتا ہے یہاں بحد آرام اور عیش کا سامان معلوم ہوتا تھا۔ مکان کے چپہ چپہ پر مجھے خیال آتا تھا کہ ایسے قصر وسیع اور سامان مکلف کے تیار کرانے والے بھی دنیا میں نہیں رہتے۔ اور یہاں سے قبل از وقت کوچ کرنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ اس محل کے باغ میں ایک جگہ ایک پھولوں اور پتوں کا قالین دیکھا۔ جس میں پانچ چھ رنگوں کے پھولوں کے نقش ایسی خوبی سے کھینچے گئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا واقعی ان رنگوں کا بنا ہوا قالین ہے۔ بجا لیکہ صرف ایک مختلف الالوان پھولوں کی کیاری تھی۔ اس محل کے دکھلانے والے تین چار آدمیوں کو ٹپ دینا پڑا۔ جو اڑھائی روپیہ کے قریب تھا۔

ٹپ کی حقیقت

ٹپ کی تشریح ناظرین کی خاطر کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ یوروپ میں ایک عام رسم ہے کہ جب ہوٹل یا رسٹارنٹ یا قہوہ خانہ میں تم کچھ کھاؤ پیؤ۔ کھانے کی قیمت کے ساتھ ہی اُس وٹیر (خدمتگار) کو۔ جو تمہیں کھانا لا کر دیتا ہے ضرور کچھ پیسے دیکر جاؤ۔ ورنہ تم ناشائستہ سمجھے جاؤگے۔ نہیں بلکہ دوسری مرتبہ وہ وٹیر تمہارے طلب کرنے پر بھی تمہیں کھانا دینے میں دیر لگائیگا۔ کہیگا ہاں لاتا ہوں مگر نہیں لائیگا۔ اچھا تم نے کوئی مکان بھی دیکھا۔ اس مکان کے ساتھ باغ تھا۔ اسکے دکھلانے کے لئے کوئی دوسرا شخص تمہارے ساتھ ہولیا

اور جب تم دروازے پر پہنچے تو ایک اور شخص بھی کھڑا ہے۔ اور اُسکے ساتھ ایک اور بھی تھا۔ یہ سب کچھ نہ کچھ لینے کے مستحق ہیں۔ اور ہندوستان کی طرح دو چار پیسے لیکر نہیں ٹل جاتے۔ تم ہوٹل سے رخصت ہونے لگے ہو۔ اُس کے پورٹر اور کم از کم پانچ چار دوسرے ملازموں کو کچھ نہ کچھ ٹپ دینا ضروری ہے۔ سٹیشن پر جاتے ہو۔ اور ایک شخص تمہارے ساتھ اجنبی دیکھ کر ہولیا۔ وہ تمہیں گاڑی بتلاتا ہے یا تمہارا اسباب تلوا دیتا ہے وہ بھی ٹپ مانگتا ہے۔ اور یہ رسم ایسی عام ہے کہ بیڈیکر کی جرمنی اور آسٹریا کی گائڈبکوں تک میں لکھا ہے۔ کہ مسافر کو ایک شلنگ روزانہ ٹپ کا خرچ سمجھ لینا چاہئے جسکے مستحق ہوٹلوں کے خدمتگار اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ بعض انگریز مصنفوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں "بخشیش" مانگنے کی بہت بڑی رسم ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں یوروپ میں "ٹپ" کا ایسا بُرا دستور ہے کہ جو بھلے مانسوں کو دِق کر دیتا ہے۔ بلکہ بڑا کمینہ اور وحشیانہ دستور ہے۔ اور یہ نہیں کہ اجنبی ہی اس کا شکار ہوتے ہیں۔ بلکہ وہاں کے رہنے والے لوگ بھی کم و بیش دیتے ہیں۔ یوروپ میں بہت لوگ اپنے گھروں میں کھانا پکاتے اور کھاتے نہیں۔ اِسلئے رسٹارنٹوں اور ہوٹلوں میں بڑی رونق رہتی ہے۔ میرے خیال میں سوائے خاص لوگوں کے یہاں کے عام لوگوں کی زندگی اپنے لئے صرف روٹی اور کپڑا بہم پہنچانے رہنے میں صرف ہو جاتی ہے۔ اگر دو دن بھی بیکار ہوئے تو گذارہ نہیں ہوتا +

دوکانوں کی طرز ٹریسٹ میں علاوہ بڑے بڑے عالی شان مکانوں کے جس دوسری چیز نے مجھے متوجہ کیا وہ دوکانوں کے دروازے تھے۔ اور دوکانوں کے دروازے تمام یوروپ میں کم و بیش یکساں ہوتے ہیں۔ دوکان کی پیشانی پر دو تین فیٹ جگہ اندر جانے کے لئے چھوڑ کر باقی

جگہ بڑے بڑے شیشوں سے بند کردی جاتی ہے جنکے پیچھے دکان کا مال دکھلاوے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اور اس طرح بازاروں میں گذرنے والے لوگ بھی باہر سے ہی دوکان کا مال دیکھ سکتے ہیں۔

موٹے تازے جانور اور چارہ کی کثرت

یہاں ایک اور چیز بھی نرالی معلوم ہوئی۔ مزدوروں کی بارکش گاڑیوں اور سواری کی گاڑیوں میں کیساں موٹے تازے بڑے بڑے گھوڑے جتے ہوئے نظر آئے۔ مگر یہ بہت سست تھے اور ان کے ہاتھ پاؤں بھدے تھے اسلئے چلانے سے چلتے تھے۔ غالباً گھوڑوں کی یہ قسم یہاں چھکڑوں کے لئے مخصوص ہوگی۔ بیل بھی یہاں موٹے تازے دیکھکر مجھے تعجب ہوا۔ اسکے بعد میں نے یوروپ بھر میں لاغر گھوڑا اور دبلا بیل نہیں دیکھا وجہ اسکی میری سمجھ میں سوائے اسکے کوئی نہیں آئی کہ یہاں چارہ بہت ہوتا ہے۔ اور چارہ خشک کرکے جمع رکھنے کی رسم عام ہے۔ اسلئے چارہ کی کمی کبھی نہیں ہوتی۔ سواری کی گاڑی صرف وکٹوریا فینٹن تھی جس کا کرایہ شہر کے اندر پہلے گھنٹے کا ایک فلورن (عہ ۱) اور دوسرے گھنٹے کا ۸۰ کراؤزر (عہ) تھا۔ بوجھ لادنے کی گاڑیاں ایک گز چوڑی اور سات آٹھ گز لمبی ہونگی۔ پہیوں کے اوپر صرف دو لمبے بلے لگا کر انہیں تختوں سے بھر دیا گیا تھا۔ البتہ پہیئے ایسے طور سے لگے ہوئے تھے کہ گھومانے وقت دو پہلے اور دو پچھلے الگ الگ گھوم جاتے تھے۔ کھانا وینس کی طرح یہاں بھی ایک یہودی کے ریسٹاورنٹ سے کھایا۔ جو بہت احتیاط سے ذبیحہ پکاتے ہیں۔ اور ذبیحہ کو "کوسشر" یا "کوشر" کہتے ہیں۔ یہ شیخ انعام اللہ صاحب بٹلا کی مہربانی تھی کہ جنہوں نے مجھے یہودی ریسٹارنٹوں کی راہ بتائی۔ یورپ کے ہر بڑے شہر میں یہودی موجود ہیں۔ اور سب جگہ ان کے کھانے کے مکان علیحدہ ہیں۔

قہوہ خانے

شام کو بڑے چوک میں جہاں

پبلک بینڈ باجا بھی بجتا ہے ایک قہوہ خانہ میں "آئیس کافی" (یعنی برفانی قہوہ) پیا۔ یہ عجیب قسم کا قہوہ آسٹریا جرمنی اٹلی اور فرانس میں پیا جاتا ہے۔ شیشے یا چینی کے پیالے میں نیچے شیریں قہوہ ہوتا ہے اور اسکے اوپر دودھ کی جھاگ بنا کر ایسی طرح رکھی جاتی ہے جو پیالی سے اونچی ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ اور قہوہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔ قہوہ خانوں میں زن و مرد کا ہجوم بے انداز تھا۔ لوگ مکان کے اندر اور باہر میدان میں یکساں کثرت سے لکڑی کی نہایت مختصر سفری کرسیوں پر بیٹھے جاتے ہیں۔ سامنے ایک مختصر سی میز ہوتی جسکے گرد دو یا چار کرسیاں ہوتی ہیں۔ اور قہوہ یا چاہے یا مٹھائی جو چیز مانگو فوراً ویٹر حاضر کر دیتا۔ ساتھ ہی بلا مانگے کوئی نہ کوئی اخبار بھی لا رکھتا کیونکہ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ وہاں ہر شخص خواندہ ہے۔ اور اسوقت اخبار پڑھنا چاہتا ہے کئی لوگ صرف مختلف اخبار دیکھنے کے لئے "کافی" میں کہ جس نام سے یہاں قہوہ خانے مشہور ہیں آتے ہیں۔

دیانا کو روانگی

۲۰ جون کو میں ٹریسٹ سے دیانا کو رخصت ہوا ریل کا ٹکٹ ہمبرگ تک میں نے اپنے مہربان دوست لاہور کے سر دلعزیز پروفیسر آرنولڈ صاحب کی ہدایت کے مطابق بمبئی سے ہی طامس کک اینڈ سن کے دفتر سے خرید لیا تھا۔ اسلئے ٹکٹ لینے میں تکلیف نہ ہوئی اسکے علاوہ پروفیسر آرنولڈ صاحب نے سفر یورپ کے متعلق مجھے چند اور ہدایات بھی کی تھیں جن سے میں نے بہت سا فائدہ اٹھایا۔ سٹیشن پر اسباب کے تلوانے میں دقت ہوئی۔ حالانکہ ہوٹل کا ایک ملازم ساتھ تھا۔ ایک میرا اور ایک میرے دوست کا کپڑوں کا ٹرنک تلوایا گیا۔ اور ایک ایک چھوٹا بائڈ بکس ریل میں ساتھ رکھ لیا۔ بارہ تیرہ گھنٹے کے سفر کے لئے اتنے اسباب کا کرایہ جو من سوا من سے زیادہ نہ ہوگا۔ بارہ تیرہ روپیہ دینا پڑا۔ یورپ میں ریل کا کرایہ بہت گراں ہے

اور ہندوستان کی ریلوں کی طرح گاڑیوں میں بوجہ رکھنے کی جگہ بھی نہیں ہوتی۔ اٹلی اور سوٹنزرلینڈ کی گاڑیوں میں تو ۴-۵ سیر کے ہینڈ بیگ سے زیادہ نہیں لیجا سکتے۔ البتہ آسٹریا کی سیکنڈ کلاس کی گاڑیوں کے گدیلے ایسے اعلےٰ ہیں کہ ہندوستان میں فسٹ کلاس میں بھی نہیں ملتے۔ لیکن اس میں بیٹھنے کی جگہیں الگ الگ نشان کی ہوئی ہیں۔ اگر سونا چاہو تو اُسکے لئے علیحدہ گاڑی مقرر ہے۔ جسکا کرایہ زیادہ ہے۔ اُس میں چلے جاؤ۔ مجھے ہوٹل کے ملازم نے یہ بھی کہا کہ اگر گارڈ کو کچھ ٹپ دیدو گے تو وہ تمہارا کمرہ کو مقفل کر دیگا۔ اور کوئی دوسرا مسافر اندر نہ جا سکیگا۔ پھر تم لیٹ کے سو رہنا۔ مگر میں نے اس نصیحت سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اِن گاڑیوں میں صرف ایک طرف کے دروازے اندر باہر جانے کے لئے کھلتے ہیں۔ اسی طرف ایک برآمدہ بھی بنا ہوا ہے۔ پلیٹ فارم گاڑی کے پہیوں کی سطح پر ہوتا ہے۔ اسلئے سیڑھیوں سے گاڑی پر سوار ہوتے ہیں ۔۔

سرسبزی اور چارہ

ٹریسٹ سے ویانا کو جاتے ہوئے صبح کو ۳½ بجے سے دن کی روشنی نمودار ہوئی۔ ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا۔ پہاڑوں کا ایک چپہ بھی سبزی سے خالی نہ تھا۔ گھاس کے دریا امنڈ رہے تھے۔ لوگ الگ کھیتوں میں گھاس بھی بوتے ہیں اور اسکو کاٹ کر خشک کر کے جمع کر رکھتے ہیں۔ میں نے جا بجا اسکے ڈھیر دیکھے۔ ہندوستان کے زمینداروں کا مدار صرف مویشیوں پر ہے افسوس ہے کہ ابھی تک یہ لوگ گھاس کے ذخیرے رکھنے کے فوائد کے قائل نہیں ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں بوجہ خشک سالی کے اس قدر مویشی ہندوستان میں مرے کہ بعض علاقوں میں تو دسواں حصہ جانور زندہ نہیں رہے۔ حالانکہ اگر سال گذشتہ کی گھاس کا ذخیرہ ہوتا۔ تو اس سے کم تکلیف ہوتی۔ گاؤں اس ملک میں بڑے بڑے نہیں ہوتے۔ بلکہ جہاں

پہاڑی کے دامن یا کسی وادی میں تھوڑی جگہ کھیتوں اور گھروں کیلئے ملگئی وہیں پانچ چار دس ہیں دہقانوں نے مکان بنا لئے۔ عورتیں عموماً مردوں کو کھیتی باڑی کے کام میں مدد دیتی ہیں۔ لیکن اسپر بھی انکے کپڑے اُجلے ہوتے ہیں۔ زن و مرد کام کرنے سے پہلے ایک رنگین کپڑا اپنے سامنے باندھ لیتے ہیں۔ اسلئے دوسرے کپڑے کم میلے ہوتے ہیں۔ اس دُنیا میں عورتیں اکثر مردانے کام کرتی ہیں۔ ریلوے سٹیشن پر ٹکٹ دیتی اور کلرکی کرتی ہیں۔ دوکان کرتی ہیں۔ ہوٹلوں۔ قہوہ خانوں اور دفتروں

ہوٹل کی خدمتگار عورتیں

میں ملازم ہیں۔ غرض جہاں بن پڑتا ہے مردوں کی برابر روٹی کماتی ہیں۔ جن جن ہوٹلوں میں میں مقیم ہوا ہوں سب میں کئی کئی عورتیں بطور خدمتگار کے نوکر تھیں۔ خدمتگار عورتوں کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اُن کے سروں پر چھوٹی سی سفید ٹوپی اور سامنے ایک سفید ایپرن (تہ بند) بندھا ہوا ہوتا ہے جب مسافر کمرہ سے باہر جاتا ہے تو یہی مکان کو صاف کرتی ہیں۔ ہر ایک میز کرسی کو پونچھتی ہیں۔ بستر کو جھاڑتی اور بچھاتی ہیں۔ تمام چیزوں کو قرینے سے لگاتی ہیں۔ ہاتھ منہ دھونے کا میلا پانی پھینک کر صاف پانی لا رکھتی ہیں اور پاخانہ بھی صاف کرتی ہیں پاخانے عموماً ان ملکوں میں ایسے طور پر بنے ہوئے ہیں کہ قضائے حاجت کے بعد ایک رسّی کھینچنے سے بہت سا پانی زور سے پاخانہ کے برتن میں آپڑتا ہے اور اسکو صاف کرجاتا ہے پاخانہ کا برتن پہلے ہی چینی کا ہوتا ہے۔ اسلئے خوب صفائی رہتی ہے۔ بستر ہوٹلوں میں نہایت پُرتکلف ملتا ہے۔ جیسا اچھا ہوٹل ہو ویسا ہی سامان اچھا ہوتا ہے۔ تاہم بستر جیسا گدگدا بنانے میں یہاں توجہ کی جاتی ہے اور جگہ نہیں ہندوستان میں لوگوں کو معلوم بھی نہیں۔ دو دو بالشت اونچے سونے کے گدیلے تو معمولی بات ہے تکیے اور نوشاک پروں سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں ہزاروں

ان جانوروں کے پر ہندوستان سے یوروپ کو آتے ہیں لیکن کوئی
ہندوستانی پروں کے تکیوں اور توشکوں کی قدر نہیں جانتا۔ ہوٹلوں
میں چادریں تکیوں کے غلاف۔ تولیے ہر روز بدلے جاتے ہیں۔ ہر
کھانے پر نیا دھویا ہوا تولیا لینے کی رسم بہت عمدہ ہے۔ گو کھانے مجھے
یہاں کے ایک آنکھ نہیں بھائے۔ صرف بوجہ مجبوری پیٹ بھر لینا تھا۔
یوروپ اور ہندوستان کے کھانا پکانے کے طرز میں بعد المشرقین ہے
میں نے جو کچھ یوروپ میں کھانا پکانے کا مطلب سمجھا وہ صرف ہر چیز کا ابال
لینا ہے مگر یہ شرط ہے کہ ہر کھانے کو صحت کے لحاظ سے عمدہ بنانا مد نظر
رکھا جاتا ہے۔ ٹریسٹ سے ایک شخص میرے ساتھ سوار ہوا۔ گو یہ
آسٹرین تھا مگر بوجہ مصر میں رہ چکنے کے عربی بول سکتا تھا۔ اسلئے اس
سے باتیں ہوتی رہیں۔ اور بھی اس سفر میں مختلف ممالک یوروپ میں
مجھے اہل یوروپ ملے ہیں جو عربی اور ترکی زبانیں تھوڑی بہت بول سکتے
تھے کہ جن کے ایسے مقامات میں ملنے سے ایک مسلمان کو ضرور تسلی و اطمینان
حاصل ہوتا ہے۔

ویانا پایۂ تخت آسٹریا

باز گو از نجد و از یاران نجد
تا در و دیوار را آری بوجد

۲۱ جون کو دوپہر سے پہلے ویانا کے سٹیشن پر پہنچا۔ سٹیشنوں پر شہر کے ہوٹلوں کے ملازم گاڑیوں کے پہنچنے کے وقت اس غرض سے حاضر رہتے ہیں کہ مسافروں کو ترغیب دے کر اپنے اپنے ہوٹلوں کو لیوا لیجائیں۔ سٹیشن سے باہر ہوٹل کی گاڑی بھی موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم مع اسباب کے ہوٹل ہنڑوپول کی گاڑی میں سوار ہو کر ہوٹل میں پہنچے یہ ہوٹل شہر کے نہایت بارونق اور خوشنما حصہ میں واقع ہے۔ ہمارے کمرے کی کھڑکی سے جو چوتھی منزل پر واقع تھا دریائے ڈنیوب قریب ہی نظر آتا تھا جو شہر ویانا میں سے ہو کر گذرتا ہے۔

اول درجہ کے ہوٹلوں کی سکونت

لاہور سے چلتے وقت مجھے ایک دوست نے مشورہ دیا تھا کہ یوروپ میں جا کر ہمیشہ اول درجے کے ہوٹل میں ٹھیرنا چاہیئے کہ جہاں مسافر کے مال و جان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر خرچ میں کفایت مد نظر ہو تو اسی ہوٹل کی کسی اوپر کی منزل میں کمرہ لینا چاہیئے۔ کیونکہ اوپر کی منزلوں میں کرایہ نسبتاً ارزاں ہوتا ہے۔

نوٹ

اور جب میں نے دیکھا کہ سب اول درجہ کے ہوٹلوں میں لفٹ لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے مسافر کو سیڑھیوں پر چڑھنے میں مطلق زحمت نہیں ہوتی۔ تو میں ہرجگہ اس مشورہ پر کاربند ہوتا رہا۔ لفٹ نہ صرف ہوٹلوں میں بلکہ عالی شان

پرائیویٹ مکانوں اکثر تجارتی کارخانوں فکٹریوں اور دفتروں میں بھی لگے ہوئے ہیں کہ جو آبی یا دُخانی طاقت سے چلتے ہیں۔ اور ان میں بیٹھ کر آدمی اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر بلا تکلف پہنچ جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کے لفٹ پر ایک ملازم متعین رہتا ہے۔ اور جو لوگ اوپر جانا چاہیں انہیں اس میں داخل کر کے ایک رسی کو آہستہ سے کھینچتا ہے جس سے لفٹ خود بخود اوپر چڑھنے لگتا ہے۔ اور جس جس منزل تک وہ شخص جانا چاہیں وہاں پہنچکر انہیں اُتار دیتا ہے۔ اور اُتارنے سے پہلے عموماً بڑے ادب سے سلام کرتا ہے۔ اگر تم نیچے اُترنا چاہو اور لفٹ نیچے گیا ہؤا ہو تو لفٹ کے مقام پر آ کر ایک بٹن کو دبا دو۔ لفٹ والے آدمی کو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ کس منزل پر بٹن دبایا گیا ہے۔ اور وہ فوراً وہاں لفٹ لے کر آ جائیگا۔ اور تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تمہیں طرفۃ العین میں نیچے لیجائیگا مگر میں نیچے اُترنے کے لئے سوائے جلدی کی ضرورت کے لفٹ والے کو نہیں بلایا کرتا تھا۔ بلکہ سیڑھیوں کے راستہ سے اُتر جایا کرتا تھا۔

چونکہ میرے سفر کی غرض صرف معلومات حاصل کرنا تھی میں نے ہر جگہ پہنچکر زیادہ سے زیادہ وقت ہر قسم کی معلومات کے حاصل کرنے میں صرف کیا کہ جنہیں میں نے اپنے اور اپنے اہل ملک کے حق میں مفید سمجھا۔ گائیڈ کے ساتھ بھی اور تنہا گائیڈ بک لے کر میں ہر طرف گھوما کرتا تھا۔ دو تین آدمیوں سے ملاقات پیدا کی جو ہندوستان کو آسٹریا کا مال بھیجنے والے ایجنٹ تھے۔ اور ان کے ساتھ جا کر بھی بعض کارخانے اور دُوکانیں دیکھیں۔ یہاں کے ٹکنیکل سکول۔ عجائب گاہ فنون و حرفت اور دیگر مقامات کی سیر کی۔ تاکہ یہاں کی زندگی کے اکثر حالات معلوم ہو جائیں یہ تو ظاہر ہے کہ اتنے تھوڑے سے عرصہ میں کوئی شخص کسی مقام اور قوم کی خصوصیتیں تو کیا معلوم کر سکتا ہے۔ تاہم میں نے تھوڑے سے وقت میں ظاہری حالات

جو معلوم کئے ہیں۔ اُن میں سے ضروری ضروری لکھتا ہوں۔

تجارتی کارخانے

آجکل ہندوستان میں جرمنی کی طرح آسٹریا کا بھی بہت سا مال تجارت کھپتا ہے۔ مثلاً چھاپنے کا کاغذ۔ ترکی ٹوپیاں۔ شکر۔ اور اور بہت سی بساطی کی چیزیں آسٹریا کی ساختہ ہوتی ہیں۔ اِن چیزوں کے کارخانے شہر کے قریب بہت کم ہیں۔ اکثر کارخانے مضافات میں ہیں۔ شہر میں صرف اُن کے دفاتر ہیں۔ اِن کی تجارت ہر سال ترقی کر رہی ہے۔ بعض کارخانے اجنبیوں کو دکھلانے میں تامل کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی بعض خلیق لوگ سفارشی چٹھیاں دیدیتے ہیں اور خود بھی ساتھ ہو لیتے ہیں۔

عالیشان مکانات

مکانات ویانا کے نہایت رفیع اور عظیم الشان ہیں۔ اکثر مکانات پر شبہ ہوتا ہے کہ یہی شہنشاہ آسٹریا کا قصر ہوگا۔ یا کوئی پبلک عمارت۔ لیکن وہ کسی پرائیویٹ شخص کا مکان۔ یا تاجر کی دُوکان نکل آتی ہے۔ پانچ چھ منزلہ عمارتیں عام ہیں۔ پتھر سنگ مرمر اور شیشہ تعمیر میں بہت صرف کیا گیا ہے۔ قابل دید پبلک مکانات میں جو میں نے دیکھے بڑا عجائب گاہ عجائب گاہ آرٹس وانڈسٹریز۔ ٹاؤن ہال۔ ہوس آف پارلیمنٹ۔ پکچر گیلری شہنشاہ آسٹریا کا تھیٹر اور یونیورسٹی ہیں۔

ویانا کا عجائب خانہ

عجائب گاہ کا مکان سہ منزلہ ہے جس میں بڑے بڑے چالیس کمرے ہیں۔ اسکے اور اسکے سامنے کی پکچر گیلری (مرقع خانہ) کی تعمیر پر بارہ ملین فلورن (یعنی ڈیڑھ ڈیڑھ کروڑ ہندوستانی روپیہ) صرف ہوا تھا۔ یوں تو عجائب گاہ کے اندر ایک مکمل مجموعہ قدرتی اور مصنوعی اشیا کا جمع ہے۔ لیکن اس کی تمام دیواروں پر ہر ملک کی طریق معاشرت اور تاریخ کے نظاروں کی تصویریں کاریگر مصوروں نے کھینچ دی ہیں۔ اور جا بجا نامور آدمیوں کے بُت بھی رکھے ہوئے ہیں۔ اتنے وسیع مجموعے اشیا کے کلکتہ کے عجائب گاہ میں نہیں ہیں۔ پتھروں میں ایک شہاب

ثاقب (۱۸۸۰۰) پونڈ وزنی غیر مقرر شکل کا موجود تھا۔ جو ۱۸۸۴ء میں آسٹریا میں گرا تھا اور ظاہرا فولاد معلوم ہوتا تھا۔ لکڑی کے کئی متحجر ٹکڑے دیکھے جو شکل میں بالکل چوب معلوم ہوتے تھے۔ چھال اور تار برابر نظر آتی تھی مگر اب پتھر بنے ہوئے تھے۔ تین تین چار چار ہزار سالوں کے مردوں کی ہڈیاں دیکھیں۔ اسی زمانہ کے زنگ آلود آہنی زیور ہاتھوں اور پاؤں کے ساتھ پڑے تھے۔

ہندوستانیوں کی نسبت معلومات

ایک جگہ ہندوستان کی دیہاتی زندگی کا نقشہ چند کاشتکاروں کے بت بنا کر دکھلایا گیا تھا۔ یہ بنگال کے مزارع تھے۔ جو سیاہ فام اور بالکل برہنہ تن تھے اور ان کے پاس ایک چھپر کا جھونپڑا بنا ہوا تھا۔ اگر ان کو دیکھ کر یہاں کے لوگ سب ہندوستانیوں کو ایسا ہی سمجھ لیں تو ان کا کچھ قصور نہیں۔ چنانچہ عجائب گھر سے فارغ ہو کر جب میں آسٹریا کی پارلیمنٹ ہوس کو دیکھنے گیا تو دربان نے میرے گائیڈ سے پوچھا کہ میں ان کپڑوں کو جو میں اس وقت پہنے ہوئے تھا وطن میں جا کر کیا کروں گا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ ہندوستان میں پہنچ کر میں سب کپڑے اتار دوں گا۔ اور جب مکان کو اندر سے دیکھتے ہوئے میں اپنی پاکٹ بک میں نوٹ لیتا جاتا تھا تو اسے یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ ہندوستانی لکھنا پڑھنا بھی جانتے ہیں۔ اور میری تحریر کو غور سے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو خاصی سٹینوگرافی (شارٹ ہنڈ کی تحریر) ہے۔

آسٹریا کی پارلیمنٹ

اس مکان میں بعض ستون دس دس گز لمبے سنگ مرمر کے ٹکڑوں کے تھے۔ لیکن بہیئت مجموعی مکان اتنا عظیم الشان نہ تھا جتنا کہ اس شہر کے دوسرے مکانات کے لحاظ سے پارلیمنٹ کو ہونا چاہئے۔ ہرن ہوس (ہاؤس آف لارڈس) اور پارلیمنٹ ہوس کی نشستیں الگ الگ ہیں۔ شہنشاہ کے بیٹھنے کی دونوں میں علیحدہ ایک ایک جگہ ہے۔ اور جب اس کا جی چاہے آ کر شریک ہو سکتا ہے

گائیڈ نے بتلایا کہ ابھی چند روز کی بات ہے ممبران پارلیمنٹ میں خوب جوتی بیزار چلی تھی - وجہ یہ ہے کہ آسٹریا ایک سلطنت ہے جو کئی ایسی مختلف قوموں کا پولیٹیکل مجموعہ ہے کہ جنکی زبانیں رسم و رواج اور قومیت جدا جدا ہے -

ٹپ کا حد کمال کو پہنچنا

ہر مکان کے دیکھنے کے لئے دربانوں کو کچھ نہ کچھ ٹپ دینا پڑتا ہے - اور عموماً عجائب گاہوں کے دیکھنے کے لئے بھی قریب یورپ کے ہر ملک میں کچھ نہ کچھ فیس داخلہ دینی پڑتی ہے - چونکہ ویانا کا عجائب گاہ میں نے اتوار کو دیکھا تھا اسلئے کچھ فیس داخلہ نہیں دینی تھی - تاہم عجائب گاہ کے دروازہ پر چھاتا رکھنے والے شخص کو بیس کروائزر (چونی) دینی پڑی - شاید دونی بھی کافی تھی - گائیڈ ہر جگہ بتلا دیتا تھا کہ یہاں اتنا ٹپ دینا چاہئے - ویانا میں تو یہ اندھیر ہے کہ ٹرموے کے کنڈکٹروں کو بھی جو ٹکٹ دیتے ہیں ٹکٹ سے نصف دام بطور انعام کے دینا چاہئے - وجہ اس کی مجھے یہ بتلائی گئی - کہ ان کی تنخواہ صرف دو پونڈ ماہوار ہوتی ہے - اور اسی ٹپ کے بھروسے پر یہ اس ملازمت کو اختیار کرتے ہیں - لیکن اگر تم نے کنڈکٹر کو کچھ نہیں دیا تو وہ تمہیں منہ سے تو کچھ نہیں کہے گا مگر ساتھ کے لوگوں کی نظروں میں تم حقیر معلوم ہونے لگو گے - یہاں ٹرموے کی گاڑی میں دو کمرے بنا دیئے گئے ہیں جنکے گرد بڑے بڑے شیشے لگے ہوئے ہیں - اگر پہلے کمرہ میں جگہ نہ ملے تو لوگ دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھتے ہیں - لیکن جو شخص اندر جاتا ہے ممکن نہیں کہ دروازہ احتیاط سے بند کر کے نہ بیٹھے - ورنہ ایسی سرد ہوا کا جھونکا اندر آئیگا کہ سب مسافر گھبرا اٹھینگے -

عجائب خانوں کی بھرمار

ہندوستانی مسافر کو ممالک یورپ میں یہ بات دلچسپ معلوم ہوگی کہ وہاں کے دارالسلطنتوں میں

بجائے ایک عجائب گاہ کے کئی کئی عجائب گاہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو عام عجائب خانہ ہوتا ہے۔ اور باقی علوم و فنون کی خاص خاص شاخوں اور انسانی زندگی کی مختلف ضرورتوں سے مختص ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک عجائب خانہ میں صرف ملک کی اشیاء صنعت و حرفت کے نمونے ہیں۔ دوسرے میں علم جراحی کی امداد کے سامان۔ ایک اور میں صرف سامان حرب کے عجائبات۔ یہاں تک کہ برلن میں ایک عجائب خانہ صرف ڈاکخانہ کی عجائبات سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں دنیا کے ہر ملک کے ہر زمانہ کا ڈاک کا ٹکٹ ہے۔ ہر قوم اور ملک کے ہر زمانہ کی چٹھی رسانوں کی وردیاں ڈاک گاڑیوں کے نقشے اور نمونے۔ تار برقی ٹیلیفون اور فوٹوگراف کے نمونے اور دنیا کے ڈاکخانوں کے طرح طرح کے عجائبات جمع کئے گئے ہیں۔ غرض کوئی زراعتی کوئی حفظان صحت کا کوئی انڈسٹریل عجائب گاہ ہے۔ ویانا کے میوزیم آف آرٹ و انڈسٹری میں شیشہ کی دستکاری کے مکمل نمونے موجود ہیں۔ چینی کا ہر قسم کا کام بھی پڑا ہے۔ اور ہر قسم کا مال جو آسٹریا دیگر ممالک کو اکسپورٹ کرتا ہے اُسکے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ علاوہ اسکے دنیا کے مختلف ممالک کی اُن اشیاء کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے جو آسٹریا کے کاریگر گو ابھی نہیں بناتے مگر انہیں چاہیئے کہ اس مذاق اور اس طرح وضع کا سامان بنائیں اور اُن ملکوں کو بھیجیں۔ مثلاً اس عجائب گاہ کا ایک کمرہ تمام مراکش کے سامان زندگی سے سجایا گیا تھا۔ اس میں تمام اسی ملک کا فرنیچر تھا۔ قرآن شریف رحل پر پڑا ہوا۔ قہوہ پینے کا سامان۔ جوتے قالین فرش سب مراکش کی وضع کے تھے۔ ایسے عجائب خانوں سے ملک کے دستکاروں کو بڑی مدد ملتی ہے۔

شاہی اوپیرا

کھیل تماشوں میں ویانا کی زندگی پیرس کے ہم پلہ معلوم ہوتی ہے۔ ویانا کا اوپیرا ہاؤس ایسی عالی شان عمارت ہے

کہ اسکی ثانی دنیا میں نہیں۔ اور یہ شہنشاہ آسٹریا کی ذاتی ملکیت ہے۔ لیکن ہر ایک تھیٹر جو اندر سے تمام لوہے کا بنا ہوا ہے اسپر ۱۴ ملین فلورن خرچ ہوئے تھے تاکہ اسکے اندر آتشزدگی کا اندیشہ نہ رہے۔ کیونکہ سنہ ۱۸۸۱ء میں ایک تھیٹر ویانا میں آٹھ سو آدمیوں سمیت جل گیا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا شہنشاہ کو کچھ اس سے نفع بھی ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ بلکہ سال کے اخیر پر کچھ نہ کچھ گرہ سے دے کر خسارہ پورا کرنا پڑتا ہے۔ لوگ تماشا دیکھنے کے لئے ٹکٹ کی قیمت دیتے ہیں۔ کبھی کبھی شہنشاہ آسٹریا بھی معہ شاہی مہمانوں اور شاہی خاندان کے ارکان کے آکر تماشا دیکھتا ہے۔ چھتوں اور دیواروں پر مشہور ڈراموں کے متعلق جس قدر تصاویر یورپ کے اُستادان فن نے بنائی ہیں اُن کی نقلیں اور فن ڈرامہ نے ہر زمانہ میں جو ترقی کی منزلیں طے کی ہیں اُن کی خیالی تصویریں موجود ہیں۔ بڑے داخلہ کے دروازہ میں دانش اور خوبصورتی کے دو سنگین بُت رکھے ہوئے ہیں۔ اجنبی یورپ میں آکر جس چیز کی نہایت کثرت دیکھتا ہے وہ بُت اور تصویریں ہیں۔ کہ جن کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ اور جنکا زیادہ حال کسی دوسرے موقع پر لکھونگا۔

پراتر کے عجائبات

اہل ویانا نہایت رنگین مزاج لوگ ہیں۔ شہر کے باہر ایک وسیع پارک بنام پراتر واقع ہے۔ تمام موسم گرما میں جب بارش نہ ہو ہر شام کو یہاں اتنا بڑا اسیلہ لگ جاتا ہے کہ ہندوستان میں کبھی کبھی دیکھنے میں آتا ہوگا۔ اس میں ایک جگہ شہر وینس بنا دیا گیا ہے۔ اور اُسکا نام رکھا ہے "وئینڈیگ ان وین" یعنی "ویانا میں وینس"۔ میں اس کے تھوڑے سے حالات بیان کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوسکیگا کہ اہل ویانا کس قدر تفریح کے دلدادہ اور شیدا ہیں۔ یہاں آٹھ دس آنہ کا ٹکٹ لے کر ہزارہا لوگ اندر جاتے ہیں۔ اندر بیسیوں قسم کے تماشے جابجا موجود ہیں۔ ایک بہت بڑا دولابی ہنڈولا اپنا یا گیا ہے۔ جیسا کہ لنڈن کی نمائشگاہ

اوس کورٹ میں گریٹ وہیل کے نام سے بنایا گیا تھا۔ غالباً اس کا
اوپر کا سرا زمین سے دو تین سو گز بلند ہوگا اس میں نشستیں لٹک رہی ہیں
جن میں لوگ بیٹھتے ہیں۔ انجن کے ذریعہ سے اسکو چکر دیا جاتا ہے۔ ایک
جگہ جھیل ہے۔ ایک کشتی بہت بلند زمین سے پھسلتی ہوئی اس زور سے
آتی ہے کہ اندیشہ ہوتا ہے پانی میں جاتے ہی غرق ہو جائیگی۔ لیکن زور سے
پانی پر چکر لگا کر آگے نکل جاتی ہے اس میں بھی لوگ کچھ پیسے دے کر سوار
ہوتے ہیں۔ کوئی اطالی گیت اور ناچ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا
تماشا ایک تھیٹر میں ہوتا ہے جس میں ایک روز میں نے دیکھا کہ ایکٹر
عورتیں یورپ کی ہر قوم کے سپاہیوں کی وردیاں پہنکر باری باری سے
آتی ہیں۔ اور ناچتی ہوئی گذر جاتی ہیں مثلاً پہلے آٹھ دس روسی پھر جرمنی
فرانسیسی انگریزی اطالی سپاہی آئے اور گذر گئے۔ اسی طرح ہر قسم کی

آسٹریا کی ہولی:

ورزشیں اور کھیل تماشے یہاں ہوتے ہیں۔ کھیلوں کے
درمیان دو تین مرتبہ ہر شام کو وقفہ کیا جاتا ہے۔ تو لوگ
ایک دوسری سڑک پر جاتے ہیں جس کے دونوں طرف درخت ہیں۔
ان درختوں کی تمام شاخوں میں سرخ سبز اور سفید روشنی کے برقی لیمپ نصب
ہیں۔ ایک بٹن دبانے سے سب لیمپ روشن ہو جاتے ہیں۔ اور بالکل
طلسمات کا باغ معلوم ہونے لگتا ہے۔ الف لیلہ کے الہ دین اور عجیب و غریب
چراغ کا قصہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ہزارہا مرد اور عورتیں اس میں
ادھر ادھر چکر لگاتی ہیں۔ جا بجا چند لڑکیاں میزوں پر کچھ کاغذ کے پیکٹ
فروخت کرتی ہوتی ہیں۔ ان پیکٹوں پر "آنڈولی" جلی خط میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔
اور ان کے اندر مختلف رنگوں کے باریک کاغذ کے اتنے بڑے گول ٹکڑے
کاٹ کر رکھے ہوئے ہوتے ہیں کہ جتنا بڑا یہ دائرہ ہے ○۔ اب ہر زن
و مرد اپنا پیکٹ پھاڑ کر جس کو چاہتا ہے یہ کاغذ مٹھیاں بھر بھر کر پھینکتا ہے

عموماً مرد خوبصورت عورتوں پر اور عورتیں مردوں پر پھینکتی ہیں۔ پہلے واقفیت
یا آشنائی کا کچھ لحاظ نہیں۔ تم جس کے منہ پر تمہارا جی چاہے کوری آنڈولی
پھینکو۔ کوئی داد فریاد نہیں۔ بلکہ سب لوگ خوش ہوتے ہیں۔ بعض مرد تعاقب
کر کے عورتوں کے منہ پر بار بار پھینکتے ہیں۔ اسی طرح عورتیں بھی شرارت
اور شوخی میں ان سے کم نہیں ہوتیں۔ شاید کبھی ہولی میں ہندو عورتوں نے
ان کے عشر عشیر بھی شوخی اور ناز نہیں دکھلائے ہونگے۔ لوگ ادھر اودھر
جاتے ہوئے کاغذ کے پھول پھینکتے جاتے ہیں۔ اور زمین پر دو دو انگل موٹا
فرش ان کاغذوں کا ہو جاتا ہے۔ ایک دو عورتوں نے مجھ پر اور میرے
ہندوستانی رفیقوں پر بھی یہ کاغذ پھینکا اور جب ہم نے اس پر بھی ان کو جواب
نہ دیا تو ایک کمبخت نے پشت کی طرف سے میرے کالر کو اٹھا کر طرفۃ العین
میں اسکے نیچے ایک مٹھی پھینک دی جو ہمیں نے مکان پر پہنچ کر نکالی۔ ایک
عورت نے ایک گلدستے سے تھپکی دی اور جو ادھر منہ کیا تو اس نے منہ پر کاغذ بہا دئے
پیچھے معلوم ہوا کہ ان میں آوارہ عورتیں بھی ہوتی ہیں اور اس ذریعہ سے لوگوں
سے آشنائی پیدا کرتی ہیں۔ مگر گھر بار والی عورتیں بھی ان میں شامل ہوتی ہیں۔
حاصل تو یہ ہے کہ یہ ایک پرستان کا نظارہ تھا اور مخصوص بالقدر انسان ان کے
آسیب سے مشکل سے بچ سکتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر میں لوگ تماشا دیکھنے
چلے جاتے ہیں۔ تھیٹر نما سے شہر کے ہر کوچہ۔ بازار۔ باغ اور کونے پر موجود
ہیں۔ پر آتے ہیں کہیں چھتے پر ہیں۔ خوبصورت عورتیں خدمتگاری پر مقرر ہوتی ہیں
میزیں اور کرسیاں پڑی ہیں۔ جس کا جی چاہے بیٹھے اور قہوہ آئس کریم
وغیرہ پیئے۔ لیکن قیمت دگنی چوگنی ہے۔ دستور ہے کہ جو قیمت مانگی جائے
دیتے ہیں کوئی تامل نہیں کرتا۔ یہ تو نہایت مختصر حال۔ بازار پر آج کے ایک
سرے تماشہ کا ہے۔ جہاں دریا میں شہر وینس کی نقل اتاری گئی ہے۔ ساتھ
کئی قسم کی موٹی تصاویر کے سینریم۔ پینوراما۔ گول پھرنے والے گھوڑوں

کے چکر۔ اور بائسکلوں کے چکر موجود ہیں۔ اور لوگ پیسے دیکر دیکھ رہے ہیں

تماشوں کی بھرمار

چنانچہ ان میں سے چند تماشوں کا مختصر حال دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پینورا ما ہندوستان میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جو یہاں پہلے پہل دیکھا اور پھر نمائش گاہ پیرس میں کئی جگہ دیکھا۔ پینورا ما میں ایک سٹیج کو چاروں طرف پردوں کے ذریعے سے محیط کیا جاتا ہے۔ اور ان پردوں پر ایسے طور سے نقاشی کی جاتی ہے اور اُن پر بیرونی روشنی ڈالی جاتی ہے کہ دیکھنے والا بالکل معلوم نہیں کر سکتا کہ وہ پردوں پر رنگین تصاویر دیکھ رہا ہے یا واقعی زندہ آدمی اور حیوانات مکانات اور باغات دور تک اُسے نظر آرہے ہیں۔ کسی قدر دھوکا جو تھیٹر کے بعض پردوں پر مکانات کے اصلی ہونے کا ہوتا ہے اس سے بہت زیادہ پینورا ما میں ہوتا ہے۔ غرض پینورا ما کی کاریگری یہ ہے کہ اُسکے پردوں کی رنگین تصاویر زندہ اور اصلی چیزیں پورے قد کی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اُن کے زندہ اور صحیح ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا۔ یہ خیال ہی دل میں نہیں آسکتا کہ کہیں پردے بھی موجود ہیں۔

مومی بتوں کی ایک نمائش لاہور میں میں نے دیکھی تھی۔ لیکن یہاں ایسی کئی نمائشیں موجود تھیں۔ اور ان میں سے بعض خاصے علمی۔ اور تاریخی عجائب خانے تھے۔ علاوہ یوروپ کے مشہور آدمیوں کے بتوں کے کہ جن میں پریسیڈنٹ کروگر اور جنرل جابرٹ کے بت بھی تھے اور بعض تاریخی اور قیاسی قصوں کے بت بنا رکھے تھے ایک نمائش میں انسان کی تمام بیماریوں اور جراحی کے مختلف عملوں کو مومی بتوں کے ذریعہ سے دکھلایا گیا تھا کہ جن میں سے بعض کو دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے۔ واضح رہے کہ مومی بتوں کو ہمیشہ قدرتی رنگ دیئے جاتے

ہیبتناک سزائیں

ہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز مومی بتوں

کی وہ نمائش تھی کہ جس میں قدیم زمانہ کے یورپ کی ہولناک سزاؤں اور خصوصاً ہسپانیہ کے زمانہ "انکوئی زیشن"[1] کی وحشیانہ سزاؤں کو انسانی بتوں پر عمل کرتے ہوئے دکھلایا گیا۔ قدیم یورپ کی ان وحشیانہ سزاؤں کے نمونوں کے سامنے کل دنیا کی سزائیں گرد ہو جاتی ہیں۔ تعجب ہوتا تھا کہ انسان نے اپنے بنی نوع کو جسمانی اذیت پہنچانے کے فن کو بھی اس حد تک ترقی دی تھی کہ یہ خاصا ایک ہنر ہو گیا تھا۔ ناخنوں کو لوہے کی سانچوں میں دبا کر خون نکالنا۔ لوہے کا خول کہ جس کے اندر کی طرف آہنی سیخیں ہوتی تھیں اس میں آدمی کو بند کرنا۔ تاکہ سیخوں سے چھد کر عذاب کے ساتھ اُس کی جان نکل جائے۔ ٹانگ کے گرد رسی کس کر لکڑی کے فانوس سے اُسے تنگ کیا جاتا تھا۔ پنڈلی اور ٹانگ کو خاردار شکنجوں میں دبایا جاتا جس طرح پنجاب میں سکھوں کے عہد میں کاٹھ کی ایک سزا موجود تھی کہ جو اب نہایت بے رحمی اور جہالت کی سزا معلوم ہوتی ہے۔ یورپ میں اس سے زیادہ مہیب کاٹھ رہ چکے ہیں۔

بعض مومی بتوں کے ساتھ مردانہ آلات تناسل موجود تھے۔ اور اسی طرح یورپ کے عجائب گاہوں میں پتھر اور دھات کے بعض کلاسک بتوں میں یہ آلات برابر نمایاں ہیں۔ اور ان عجائب گاہوں میں زن و مرد یکساں پھرتے ہیں۔ اور اس امر کو خلاف اخلاق نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن قاہرہ کے

---

[1] انکوئی زیشن ایک نہایت خوفناک محکمہ تھا۔ جو کو پہلے پہل بارھویں صدی عیسوی میں بدعتیوں کو سزا دینے کے لئے رومن کیتھولک مذہب نے قائم کیا تھا۔ لیکن پندرھویں صدی عیسوی جب کہ بادشاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازبیلا نے مسلمانوں کی سلطنت کو ہسپانیہ سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا۔ تو اس وقت انکوئی زیشن کو بہت ترقی دی گئی۔ اصل غرض اس سے یہ تھی کہ جو لوگ در پردہ مسلمان تھے سو اس لعنتی محکمہ کے ذریعہ سے انہیں خوفناک سزائیں دی جائیں۔ چنانچہ ہسپانیہ میں پہلے ایک دو سال میں دو ہزار آدمیوں کو سوا دیگر سزاؤں کے اس محکمہ نے زندہ جلا دیا تھا۔ دیا پولیس اینکلو پیڈیا) باقی مجرموں کو اعضا کاٹ کاٹ کر ایسی بے رحمی سے انہیں مارا جاتا تھا کہ ان کی اس حالت کی تصویریں اب تک دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صرف ہسپانیہ میں بیس ہزار افسر اس محکمہ کی جاسوسی پر متعین تھے۔

عجائب گاہ جیزہ میں قدیم بتوں کا ایک کمرہ ہے کہ جسے صرف اسلئے پبلک نہیں دیکھ سکتی کہ وہاں ایسے بت ہیں کہ جن کے یہ آلات نمایاں ہیں۔ غالباً یہ کارروائی گورنمنٹ مصر کی منشا سے کی گئی ہوگی۔ ورنہ یورپ کی نمائشگاہوں میں یہ امر عیب نہیں سمجھا گیا۔

جیسے کہ ہندوستان کے میلوں میں ایک انگریزی وضع کے گرد گھومنے والے ہنڈولے دیکھے جاتے ہیں اسی خیال میں بہت کچھ ترقی کرکے پانچ سات قسم کی کھیل، اختراع کی گئی ہیں۔ بعض میں گھوڑے بعض میں بائیسکل وغیرہ چڑھنے کے لئے لگائے گئے ہیں۔ اور جب لوگ ان پر سوار ہوتے ہیں تو یہ ایسی وضع سے لگائے گئے ہیں کہ سواروں کو خاصی ورزش ہو جاتی ہے اور گھوڑے زندہ گھوڑوں کی طرح اچھلتے کودتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ہندوستان کی خلاف یہ کھیل، بچوں کی نسبت عورتوں اور مردوں کے زیادہ کام آتی ہیں۔ ایک جگہ ایک کشتی کو لوہے کی کمانیوں پر ایسے طور سے لگایا گیا تھا کہ جب لوگ اس میں سوار ہوتے تھے تو یہ اس طرح جھکولے کھاتی تھی کہ گویا متلاطم سمندر میں چل رہی ہے۔ ایک جگہ زور کا اندازہ کرنے کے لئے ایک عجیب کھیل بنا ہوا تھا۔ دو لوہے کے ستونوں کے مابین ایک سوراخ پر ایک آہنی پتھر پڑا ہوا تھا۔ جسکو ایک چوبی گھن سے جتنے زور کی چوٹ لگائی جاتی اتنا ہی بلند ایک تار پر چڑھ جاتا۔ جو شخص دو پیسے دیتا اسے گھن کی چوٹ لگانے کی اجازت دی جاتی۔ دو ایک شخص کھڑے ہوئے تھوڑی تھوڑی فیس لے کر لوگوں کو قسمتیں بتلا رہے تھے۔ ایک جگہ ایک غوطہ زن کنوئیں میں غوطہ مار رہا تھا اور کنوئیں کے سر پر غواصوں کو ہوا پہنچانے کے آلہ سے اسے ہوا پہنچانے کا تجربہ لوگوں کو دکھلایا جاتا تھا۔ ایک بیدست و پا بچہ۔ چند نہایت پست قامت لڑکے لڑکیاں اور ایک نہایت طویل القامت شخص مختلف خیموں میں نمائش کے لئے

موجود تھے کہ جن کی اصلی قدوں کی تصویریں باہر لٹک رہی تھیں۔ ایک جگہ تو ایک کشتی بلند جگہ سے پھسل کر زور سے جھیل میں آگرتی تھی۔ لیکن ایک دوسری جگہ ایک ایسی گاڑی بنائی گئی تھی جو ایک ڈھلوان بلندی سے ٹوبگن کی طرح زور سے پستی کو پھسلکر آتی۔ اور وہاں سے آہنی رسوں کے ذریعہ سے سیدھے ایک اور بلندی پر چڑھ جاتی جو دو منزلہ مکان سے کم نہ ہوگی ان میں بھی کچھ پیسے دے کر لوگ بیٹھتے تھے۔ ایک گاڑیوں کی قطار ایک ایسی سڑک کے گرد گھومتی تھی جو کہیں بلند اور کہیں پست ہو جاتی تھی۔ ایک جگہ بعض بتوں کے سینوں میں بندوق کا نشانہ لگایا جاتا تھا۔ اور جو کامیابی سے نشانہ لگاتا کچھ چیز جیت لیتا تھا۔ مگر میں تو آدھی چوتھائی تماشے بھی بیان نہیں کر سکتا جو اتوار کے روز دیانا کے تفرج گاہ پراتر میں دیکھے جاتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ اتنے شائقین کہاں سے جمع ہو جاتے ہیں۔

عظیم الشان رقص و سرود کی محفلیں

میں اسی حیرت میں غرق تھا کہ ایک ایسے مکان کے قریب میرا گذر ہوا جہاں باجے کی تان کے ساتھ سینکڑوں عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی کمر میں باہیں ڈال کر ناچ رہے تھے۔ یہ ایک کھلے میدان میں قہوہ خانہ تھا جس میں بلا مبالغہ پانچ چھ ہزار عورتیں مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کے سامنے میزوں پر بڑے بڑے شیشے کے گلاسوں سے بیر شراب کی جھاگ نظر آرہی تھی کہ جس کی ایک بوتل یہاں ایک آنہ کو بکتی ہے ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد بینڈ بجنے لگتا۔ اور بیسیوں جوڑے عورتوں اور مردوں کے ناچنے میں مشغول ہو جاتے۔ جب بینڈ تھمتا تو یہ بھی ناچ بند کر کے اپنی اپنی میزوں پر بیٹھ جاتے۔ اسکے بعد معلوم ہوا کہ اسکے قریب چار پانچ اور اسی قسم کے قہوہ خانوں میں یہی سلسلہ راگ رنگ کا جاری ہے معلوم ہوا کہ یہ لوگ زیادہ تر خدمتگاری اور مزدوری پیشہ جو ہمسایہ میں رہنے والے ہیں جو اتوار کے روز زن و مرد فراغت پا کر یہاں جمع ہو جاتے ہیں۔

ریفریشمنٹ کے دام

جابجا آسمان کے شامیانہ کے نیچے کرسیوں اور میزوں کی قطاریں پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہاں جو بیٹھتا ہے اسکے سامنے ایک پری پیکر عورت حسب خواہش ریفریشمنٹ حاضر کر دیتی ہے۔ مگر چونکہ یہاں ریفریشمنٹ کے دام اصل لاگت سے بہت زیادہ ہوتے ہیں اسلئے بعض ایسے قہوہ خانے کوئی بینڈ یا گویا عورتیں متعین کر لیتے ہیں۔ قریب شام میں تھک کر ایک ایسے قہوہ خانہ میں بیٹھ گیا جہاں وینس کے گنڈولے والے (کشتی بان) اطالی عورتوں سمیت اپنے مزامیر بجا کر اطالی ترانے گا رہے تھے۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ ہاروت و ماروت کی آزمایش کا قصہ اگر صحیح ہے تو وہ معذور تھے۔ کس درجہ تک اہل آسٹریا اپنے آپ کو عیاشی کی طرف راغب کر رہے تھے۔ مجھے یہ بھی خیال آیا کہ اگر عورتیں اس وسیع جلسہ سے خارج کر دی جائیں تو ایک مرد بھی وہاں رہنا پسند نہ کرے۔ اور یہ کہ تمام شرارت عورتوں کی بیحد بے پردگی کا نتیجہ تھی۔

ہر قسم کی سواریاں

ویانا میں ہزاروں ایک اور دو گھوڑوں کی سواری کی گاڑیاں چلتی ہیں۔ ان میں ایک ٹائم پیس کی طرح چھوٹی سی کل ٹکسا میٹر نامی لگا دی گئی ہے۔ کہ جو مسافت کا اندازہ بتلا دیتی ہے۔ اور جب گاڑی چھوڑو تو گاڑیبان اور سواری دونوں کو بحث اور حجت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ انکے علاوہ گھوڑوں کی ٹریموے۔ دخانی ٹریموے اور برقی ٹریموے تینوں چلتی ہیں۔ ان کی آمنی بس گاڑیاں الگ چلتی ہیں۔ ٹریموے ہر جگہ پانچ منٹ بلکہ دو دو تین تین منٹ کے بعد گذرتی ہے۔ اور گاڑی ہر طرف سے بڑے بڑے شیشوں سے بند ہوتی ہے تاکہ ہوا نہ آسکے۔ بوجھ کی گاڑیاں کئی طرح کی ہیں۔ لیکن ان کے گھوڑے بھی ویسے موٹے تازے ہیں۔ بازاروں میں عموماً پتھر کی سلوں کا فرش ہے۔ مگر کہیں کہیں اسفالٹ کا فرش ہے جو بہت ہموار ہے۔ بائیسکل بہت کم ہیں۔ کیونکہ پتھروں کے ٹکڑوں پر ان کی سواری کا

لطف نہیں آتا۔ موٹر کار کہیں کہیں نظر آتی ہے۔ علاوہ اس کے نہر اور دریا میں جو متواز ہی شہر میں سے گذرتے ہیں۔ کشتیاں اور سٹیمر بوجھ لیجاتی ہیں

عورتوں کے کام

عورتیں ہر قسم کے کام کرتی ہیں۔ میں نے عمارت کے مزدوروں میں عورتوں کو کام کرتے دیکھا ہے۔ اور قریباً ہر دفتر کے کلرکوں میں دو ایک چار پانچ موجود ہوتی ہیں۔ جو عموماً ٹائپ رائٹر پر چٹھیاں لکھتی ہیں اور تیس سے ساٹھ فلورن (فی فلورن ۱۲؍) تنخواہ پاتی ہیں۔ مرد کلرک چالیس سے سو ڈیڑھ سو دو سو فلورن تک ترقی کر کے پہنچ جاتے ہیں۔ بہت سی عورتیں سبزی ترکاری بیچتی اور دوسری دوکانیں کرتی ہیں۔ بلکہ ایک کارخانہ میں سب کلرک عورتیں تھیں اور اُن کی مینیجر بھی ایک عورت تھی۔

سوداگروں کے محرر

مرد کلرک جو میں نے پرائیویٹ کارخانوں میں دیکھے عموماً نوعمر لوک تھے۔ یہ کام ایسی عمدگی سے کرتے ہیں کہ جیسا ذاتی کام ہوتا ہے۔ دوسری طرف کارخانہ کا مالک یا مینیجران سے تحکمانہ سلوک نہیں کرتا۔ بلکہ ایسا برتاؤ کرتا ہے جو جنٹلمینوں سے کیا جاتا ہے۔ اور ان کے کام پر اعتبار کرتا ہے کہ جس کے یہ بوجہ اپنی دیانت اور لیاقت کے حقدار معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کارخانہ میں ہم پہنچے کہ جہاں مینیجر موجود نہ تھا کلرکوں نے فوراً ٹیلیفون کے ذریعہ سے اُسے ہمارے آنے کی اطلاع دی۔ اور جبتک وہ کارخانہ میں نہ پہنچا دو تین ہوشیار کلرکوں نے ہمیں طرح طرح کی باتوں میں لگائے رکھا۔ یہاں دستور ہے کہ ۸ سے ۱۲ بجے تک اور ۲ سے ۶ بجے تک دفتر اور کارخانے کھلے رہتے ہیں۔ اور ۱۲ سے ۲ بجے تک سب کو کھانے کے لئے چھٹی ملتی ہے۔

ویانا کے اخبارات

تھوڑا سا ویانا کے اخبارات کا حال بھی لکھنا مناسب ہے یہاں بہت سے اخبارات با تصویر متین اور پنچ چھپتے ہیں۔ بعض با تصویر اخبارات کی تصاویر کئی رنگوں میں ہوتی ہیں۔ میں ایک اخبار کے کارخانے

کا تھوڑا سا حال لکھتا ہوں جو میں نے دیکھا تھا۔ اس کا نام "دنیز ٹاگ بلاٹ" (یعنی دنیا کا روزانہ کاغذ) ہے۔ اور یہ ایک لاکھ پرچہ ہر روز چھپتا ہے۔ اور صبح اور شام دو مرتبہ شائع ہوتا ہے۔ اس کارخانہ میں ایک ہزار آدمی ملازم ہیں۔ تمام کام کلوں سے ہوتا ہے۔ سکہ کے حروف بھی لینوٹائپ کلوں کے ذریعہ جوڑے جاتے ہیں۔ کئی مشینیں چھاپنے کی موجود ہیں۔ لیکن بڑی مشین جس پر ۵ ہزار فلورن لاگت آئی ہے ایک گھنٹہ میں ۳۲ صفحے کے ۲۲ ہزار اخبار چھاپ کر۔ کاٹ کر اور توڑ کر رکھ دیتی ہے۔ بلکہ شمار کرنے کی مشین بھی ساتھ ہی لگی ہوئی ہے جو خود بخود بتلاتی جاتی ہے کہ کتنا اخبار چھپ چکا ہے یہ کارخانہ صرف برقی طاقت سے چلتا ہے۔ کارخانہ کے انجنیر نے مجھے مہربانی کر کے وہ تمام عمل کر کے دکھلایا کہ جسکے ذریعہ سے کمپوز شدہ سیسہ کے حروف کا عکس بلاٹنگ کے پیڈ پر لیا جاتا ہے۔ اور پھر وہ ایک گول پتر کی صورت میں سیسہ سے سٹیریوٹائپ کیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک کمپوز شدہ میٹر سے کئی سٹیریو پلیٹ بنا کر ایک سے زیادہ مشینوں پر چڑھا دیتے ہیں تا کہ اخبار جلد ہی چھپ سکے۔ اور تمام یورپ میں اخبارات اسی طریقہ سے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہاں کا ایک اخبار جو شہر میں اول نہیں۔ بلکہ دوسرا اخبار شمار ہوتا ہے۔ اتنا کچھ خرچ کر سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگوں کا روپیہ خرچ کرتا ہے۔ جو اسکو خریدتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اخبار کیا خاک کام کر سکتے ہیں۔ جبکہ اہل ملک اُن کی کچھ قدر ہی نہیں کرتے۔ یہاں قہوہ خانوں۔ رسٹارنٹوں اور ہوٹلوں میں سینکڑوں اخبار ہر روز خریدے جاتے ہیں۔ جتنا کوئی معزز قہوہ خانہ ہوگا اُتنے ہی وہاں اخبار زیادہ آتے ہونگے جس ہوٹل میں میں مقیم تھا۔ وہاں یورپ کی سب زبانوں کے اخبار خریدے جاتے تھے۔ لنڈن ٹائمز اور السٹریٹڈ لنڈن نیوز انگریزی زبان کے بھی موجود تھے۔ روسی۔ فرانسیسی۔ اطالی غرض سب زبانوں کے اخبارات رکھے جاتے ہیں

تاکہ جس زبان کا جاننے والا مسافر وہاں ٹھیرے۔ اخبار پڑھنے سے محروم نہ رہے۔ یہاں گداگری کا مانع قانون جاری ہے۔ بازار میں کھلم کھلا فقیر بھیک نہیں مانگ سکتے۔ مستحقوں کے لئے الگ غریب خانہ بنایا گیا ہے زندگی کے اخراجات ہرچند کہ یہاں بہت گران ہیں۔ پیرس اور لندن سے کم ہیں۔ جو لوگ گوشت نہیں کھاتے ان کے بھی یہاں کئی رسٹارنٹ موجود ہیں۔ اور وہاں بھی ہزارہا لوگ جا کر کھاتے ہیں۔

گرجا کے بُت ویانا میں سب سے بڑا گرجا سینٹ سٹیفن کا چرچ ہے یہ قدیم زمانہ کی بڑی عالی شان عمارت ہے۔ جس کی ۱۲۵۵ء میں تعمیر شروع ہوئی تھی۔ یہ دنیا کے اول درجہ کے گرجاؤں میں شمار ہوتا ہے اسکے اردگرد گھوم کر میں نے دیکھا کہ باہر کی دیواروں میں کنواری مریمؑ حضرت مسیح اور اُن کے حواریوں کے بہت چھوٹے چھوٹے بُت بنے ہوئے تھے جن کی تعظیم وہاں کے لوگ ایسی ہی کرتے ہیں جیسی کہ ہندوستان میں اہل ہنود ہنومان اور گنیش کے بتوں کی کرتے ہیں جو دیواروں میں اسی طرح لگائے ہوئے ہوتے ہیں۔

عظیم الشان ٹاؤن ہال نئی عمارتوں میں ویانا کا ٹاؤن ہال نہایت عالی شان ہے کہ جس میں (۲۶۷) کمرے اور (۴۲۰۰) دریچے ہیں۔ عمارت سہ منزلہ ہے۔ اس میں شاہان آسٹریا کے قدآدم بُت اور بہت سے ناموروں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ دیواروں پر کاغذ کی بجائے ریشمی کپڑا چسپاں ہے۔ فرش اور دیواروں پر بے محابا پیسہ خرچ کیا گیا ہے۔ بڑے کمرے کا طول ۷۰ میٹر (۵۰ گز) عرض ۱۴ اور بلندی ۱۹ میٹر ہے اس میں بہت بڑا جھاڑ (۲۱۷) بتی کی برقی روشنی کا آویزان ہے۔ کہ جس سے بڑا میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ دریچوں میں جو ہزارہا رنگین شیشے لگے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی گلکاری کا ڈیزائن علیحدہ ہے۔

ٹپ کے متعلق مزید کیفیت یہ معلوم ہوئی کہ ہوٹل میٹروپول (جہاں میں مقیم تھا) کے بڑے پورٹر کو ایک پیسہ تنخواہ نہیں ملتی۔ صرف لوگوں کے انعام واکرام پر اس کا گذارہ ہے۔ بلکہ چار اور ملازم اور مزدور اس نے ہوٹل کی خدمت کے لئے رکھے ہوئے ہیں کہ جن کی تنخواہ دو تین سو روپیہ وہ اپنی گرہ سے دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خود بھی کچھ نہ کچھ کماتا ہے۔

دوکانوں کے سائن بورڈ

ایک اور بات جو اجنبی کو یہاں سٹرائیک ہوتی ہے یہاں کے دوکانوں کے سائن بورڈ ہیں۔ گو آگے یوروپ کے ہر شہر میں مسافر کو اسی طرح سائن بورڈ نظر آئینگے جو شیشہ اور چینی اور گلٹ کے نہایت خوشنما حروف سے بنائے جاتے ہیں سائن بورڈ کی جو غرض ہوتی ہے کہ ہر راہرو اسے پڑھ لے ان سے پوری ہوتی ہے بڑے بڑے رنگین پوسٹر بعض بعض دیواروں پر سینکڑوں چسپاں ہیں۔ اور اسی طرح ایک سڑک جو دو میل سے کم نہ ہوگی اور بڑی بارونق ہے اسکے دونوں جانب لکڑی کے تختوں کی قد آدم دیواریں ہیں کہ جنہیں انگریزی میں ہورڈنگ کہتے ہیں۔ اور ان کی ایک چپہ بھر جگہ بھی پوسٹروں سے خالی نہیں۔ ایک کمپنی لوگوں کے پوسٹر ان جگہوں پر چپکاتی ہے اور ان جگہوں کا پرایویٹ لوگوں اور میونسپلٹی کو کرایہ دیتی ہے۔

ترکی ٹوپی کی تجارت

ترکی ٹوپی جسقدر ہندوستان کے مسلمان پہنتے ہیں وہ سب آسٹریا میں بنتی ہے۔ بلکہ یہیں سے زیادہ تر ممالک عثمانیہ میں جاکر بکتی ہے۔ کچھ عرصہ سے ترکی ٹوپی کے آسٹریا کے سب کارخانے متحد ہوکر ایک کمپنی بن گئی ہے۔ اور میں ان کے دفتر میں گیا تھا تو اسی روز ایک قسطنطنیہ کا ٹوپیوں کا سوداگر بھی یہاں وارد تھا جو ایک عیسائی تھا اور ایک لاکھ درجن ٹوپیوں کا سودا کر رہا تھا۔

آسٹریا کے کاغذ

سیرامپوری کاغذ بھی کہ جسپر ہندوستان میں کئی اخبار

اور کتابیں چھپتی ہیں زیادہ تر آسٹریا اور کسی قدر جرمنی سے ہندوستان میں آتا ہے۔ اور جرمنی فرانس اور انگلستان میں جد و جہد کرنے کے بعد آخر کار لوٹتے ہوئے اس کاغذ کا ہیں نے ویانا ہی میں کسی قدر رعایتی قیمت سے کچھ مدت کے لئے ٹھیکہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آجکل روئی اون لوہا وغیرہ قسم کا مال تو سستا ہے لیکن کاغذ گراں ہے۔ کیونکہ بوجہ جنگ ٹرنسوال اور جنگ چین کے اخبارات پہلے سے اسقدر زیادہ پڑھے جاتے ہیں کہ کاغذ کے موجودہ کارخانے وہ مانگ سہولیت سے پوری نہیں کر سکتے اسلئے کاغذ والوں کے دماغ آسمان پہنچے ہوئے تھے اور کاغذ کی قیمتیں بہت کچھ چڑھ گئی تھیں جس سے ایشیا یورپ اور امریکہ میں اخبار والوں کو کاغذ کی قیمت میں خسارہ ہو رہا تھا۔

شاہی کتب خانہ میں نے ویانا کے کچھ قابل دید مقامات تو گائڈ کی مدد سے دیکھے تھے۔ جو انگریزی کے سوا سات اور زبانیں یورپ کی جانتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میرا باپ کل پندرہ زبانیں مع ترکی و عربی کے جانتا ہے اور یہ قوم کا یہودی تھا۔ لیکن میں نے یہاں کی شاہی لائبریری اور شاہی خزانہ نہیں دیکھا تھا۔ جو دونوں قابل دید مقامات ہیں۔ ہوٹل کے پورٹیر (دربان) نے مجھے گاڑی طلب کر دی اور گاڑیبان کو سمجھا دیا کہ مجھے لائبریری تک پہنچا دے لیکن جب میں لائبریری میں پہنچ گیا۔ تو وہاں کوئی شخص انگریزی دان نہ نکلا۔ آخر میں نے گائڈ بک کی مدد سے انہیں سمجھایا کہ میں مشرقی زبانوں کی کتابیں فلان الماری میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ عبرانی اور یونانی کتابوں کے مسودوں کے ساتھ ہی کئی ایک فارسی اور عربی مسودے بھی تھے۔ مگر وہ اس قدر قابل عزت سمجھے گئے تھے کہ شیشوں میں بند تھے اور بلا اجازت حکام اعلےٰ انہیں ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں تھی۔ ان میں ایک قلمی قرآن ہشت پہلو دو انچ لمبا اور اسی قدر چوڑا موجود تھا۔ جو سنہ ۷۰۰ ہجری کا لکھا ہوا

تھا بھوج پتر پر سنسکرت کی کتابیں اور انجیر کے پتوں پر ایک چینی مسودہ بہت پرانا موجود تھا۔ افسوس ہے کہ بوجہ جرمن زبان کافی نہ جاننے کے میں یہاں سے مستفید نہ ہو سکا۔ یہاں سے میں شاہی خزانہ دیکھنے گیا جس میں خلیفہ ہارون الرشید کی تلوار اور اس کے دوست اور ہمعصر شاہ شارلمین کا تاج اور دیگر یادگاریں۔ حضرت مسیح کی اصلی صلیب کا ایک ٹکڑا۔ جو اب تک شاہان آسٹریا کو بوقت تخت نشینی دکھلایا جاتا ہے۔ اور اور بہت سی تاریخی وقعت کی چیزیں موجود ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ہفتہ میں ہر روز نہیں دکھلایا جاتا اسلئے اسکے دیکھنے سے محروم رہا کیونکہ میں یہاں زیادہ ٹھیر نہیں سکتا تھا۔ تاہم اس کی تھوڑی سی تلافی اس طرح ہو گئی کہ مجھے آسٹریا کے تمام فوجی اور سول افسروں اور وزیروں امیروں کو ان کے درباری لباس میں دیکھنے کا موقع مل گیا۔ امپیریل ہاف برک ایک تاریخی مکان میں شہزادگان آسٹریا کے محل ہیں۔ اور یہاں ہی شاہی خزانہ ہے۔ آج شہنشاہ آسٹریا کے ایک چچیرے بھائی کی شادی کی تقریب میں "ری سپشن" کا دربار تھا جس میں شرکت کے لئے یہ سب لوگ جمع ہوئے تھے۔ یہاں تماشبینوں کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ اور پولیس کے لوگ جن کا لباس فوجی ہوتا ہے (اور ہر کانسٹبل

پولیس والوں کا سلوک

کی کمر میں تلوار ہوتی ہے) ہجوم کو ایک طرف ہٹا رہے تھے مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ ہر دفعہ "بٹے" کہہ کہہ کر لوگوں کو پرے ہٹنے کی تاکید کرتے تھے۔ "بٹے" کے معنے ہیں "مہربانی کر کے" میں آج تک سمجھے ہوئے تھا کہ پولس مین ہمیشہ ہجوم کو ڈنڈے سے ہنکایا کرتے ہیں جیسا کہ میں نے ہندوستان میں عام طور پر دیکھا تھا۔ لیکن یہاں پہنچ کر یہ عقدہ کھلا کہ اہل یورپ ایسا سلوک گوارا نہیں کرتے۔

ویانا میں دو صاحبوں نے مہربانی کر کے مجھے مختلف مقامات کے دکھلانے میں بہت مدد دی۔ یہ آسٹریا کا تجارتی مال ممالک غیر کو بھیجنے کے ایجنٹ ہیں۔

ویانا کا ٹکنیکل سکول

اور انہوں نے مجھے بہت سے حالات بتلائے چنانچہ انہیں میں سے ایک کے ہمراہ میں نے یہاں کا ٹکنیکل سکول دیکھا۔ ایک صاحب سے یہاں کے پروفیسر روڈلف فرنیکل کے نام سفارش حاصل کر کے ہم لوگ وہاں پہنچے۔ یہ بڑی عالیشان اور بہت ہی وسیع عمارت ہے اس کے دور کے حصہ میں مشینوں کی ایک نمائشگاہ ہے۔ جس میں وہ تمام مشینیں رکھی ہوئی ہیں۔ جو آسٹریا کے کارخانے تیار کرتے ہیں۔ اور ان میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ہاتھ سے چلانے کی مشینیں تھیں۔ یہاں ایک دھات دیکھی جو معلوم ہوا کہ حال ہی میں ایجاد ہوئی ہے۔ اور چونکہ مگنیشیا سے مرکب ہے مگنالیم اسکا نام رکھا گیا ہے۔ اسکے دوسرے حصہ میں کئی کارخانے کفش دوزی۔ خیاطی۔ نجاری وغیرہ کے جاری ہیں۔ جہاں وہ لوگ کام سیکھتے ہیں جو باقاعدہ طالب علم اس ٹکنیکل سکول کے نہیں بن سکتے۔ اور دن کے کسی حصہ میں فرصت حاصل کر کے کام سیکھنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہہ لوگ نوجوان نہیں ہوتے۔ جو طالب علم اس مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں انہیں بہت سے مضامین مکینیکل اور کیمیکل صیغوں میں سکھلائے جاتے ہیں۔ یہاں کے دو تین افسروں نے مجھ سے انگریزی میں گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن سب کی انگریزی ایسی خام نکلی کہ وہ مجھے بہت کم باتیں سمجھا سکے۔ آخر میں نے یہاں کے سررشتہ تعلیم حرفت کی سال گذشتہ کی رپورٹ لی۔ جو جرمن زبان میں ہے اور بہت سی مغز زنی کے بعد اور ڈکشنری کی مدد سے اس سے مطالب نکال لیا۔ ٹکنیکل تعلیم کا یہ مدرسہ جو تمام ملک کے ٹکنیکل مدارس کا مرکز ہے سنہ ۱۸۹۲ء میں جاری ہوا تھا۔ جسپر دس ہزار فلورن (فلورن = ۱۰۰۰۰) خرچ ہوا تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۹۹ء میں اسپر ۲ لاکھ ۱۴ ہزار فلورن خرچ ہوئے۔ اس مدرسہ کی (۱۴۶) شاخیں تمام ملک

میں پھیلی ہوئی ہیں - علاوہ اس کے اس مدرسہ سے چھوٹی چھوٹی کلیں مثل خیاطی یا کفشدوزی کی کلوں کے تمام آسٹریا کے بیرونجات کے قصبات کے ایسے مزدوروں کو دیجاتی ہیں - جو ان کے ذریعے سے روٹی کما سکیں - اور دس سال کے اندر بالاقساط ان کی قیمت اس صیغہ کو ادا کر سکیں - ٹکنیکل سکول کے قریب ایک بہت بڑا محتاج خانہ اُن بوڑھے مردوں اور بڑھیا عورتوں کی پرورش کے لئے قائم ہے - جو اب کام کرنے کے قابل نہیں رہے - اور کوئی ان کا نگران بھی نہیں - انہیں یہاں بڑی آسایش سے رکھا جاتا ہے - بوڑھے مردوں کے متعلق شاہان آسٹریا کی یہ بات نہایت عجیب اور دلچسپ ہے کہ سال میں ایک روز شہنشاہ آسٹریا اپنے پایہ تخت کے سب سے بوڑھے تیس آدمی اپنے محل میں بطور مہمانوں کے بلاتا ہے - اور اُن کے پاؤں اپنے ہاتھوں سے دھوتا ہے - اور تولئے سے خود صاف کرتا ہے - پھر اُن میں سے ہر ایک کو کھانا اور کچھ تحفہ دیا جاتا ہے - میں اس بات کو بمشکل باور کرتا اگر ایک پنوراما میں کہ جس میں شہنشاہ فرانسس جوزف کی زندگی کی ہر منزل کی تصویریں قد آدم موجود تھیں - بوڑھے آدمیوں کے پاؤں دھونے کی تصویر نہ دیکھتا - افسوس ہے کہ سال گذشتہ میں ایک شقی القلب انارکسٹ نے شہنشاہ بیگم آسٹریا کو قتل کر دیا ورنہ وہ بھی اسی قدر بڑھیا عورتوں کو بلا کر اُن کے پاؤں دھویا کرتی تھیں -

بادشاہ پیرمردوں کے پاؤں دھوتا ہے

کتے گاڑیاں کھینچتے ہیں

یہاں عام رواج ہے کہ بعض مزدور جو دستی گاڑیوں میں اسباب لاد کر اِدھر اُدھر لے جاتے ہیں اُنہوں نے ایک بڑا سا کتا بھی گاڑی میں جوتا ہوا ہوتا ہے - کچھ کتا گاڑی کو کھینچتا ہے اور ایک رسا یہ اپنے کندھے پر ڈال کر کھینچے لئے جاتے ہیں - حالانکہ ان کے گلے میں کالر ایسا سفید ہوتا ہے کہ شاید ابھی بدلا

ہوگا۔ بازاروں میں ہر گھنٹے کا ٹمٹم قانوناً باندھ کر لے جانا پڑتا ہے۔ بعض سکتے چھوٹے چھوٹے شہروں کے برابر دیکھے گئے ہیں۔

ویانا سے رخصت ہوتے وقت خیال آیا کہ یہ شہر جس کی آبادی سنہ ۱۸۹۶ء کی مردم شماری کے حساب سے پندرہ لاکھ سے زائد ہے۔ ایک ایسے ملک کا صدر مقام ہے کہ اب جس کے ماتحت بہت سا علاقہ سلطنت عثمانیہ کا ہے۔ لیکن ایک وہ زمانہ تھا کہ ترکوں نے ویانا پر دو مرتبہ حملہ کیا۔ پہلی دفعہ سلطان سلیمان ثانی نے ۲۲ ستمبر سے ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۵۲۹ء تک اور دوسری دفعہ قارہ مصطفےٰ صدر اعظم ترکی نے ۱۴ جولائی سے ۱۲ ستمبر سنہ ۱۶۸۳ء تک ویانا کا محاصرہ رکھا۔ اور آخری دفعہ اہل آسٹریا نے اہل پولینڈ اہل سکسنی۔ اہل بویریا اور اہل فرانس کی متحدہ فوجوں سے انہیں پسپا کیا۔ اگر ترک اپنی کوشش میں اس وقت کامیاب ہوگئے ہوتے تو آج دنیا کے نقشے کی صورت دوسری ہوتی۔

برلن پایہ تخت جرمنی

بمبئی میں کرایہ لیکر ٹامس کک کے ایجنٹ نے ہمیں ویانا تک ریل کا ٹکٹ دے کر باقی روپیہ کی رسید دے دی تھی۔ اور ہدایت کی تھی کہ ویانا کے ٹامس کک کے ایجنٹ سے یہ رسید دکھلا کر آگے کے لئے ریل کا ٹکٹ لے لینا۔ اس وقت میں نے برلن سے ہیمبرگ کو جانے کی بجائے برسلز کو جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسلئے ویانا سے برلن تک کا ٹکٹ اور باقی روپیہ واپس لے لیا۔ کک کے ایجنٹ نے ساتھ ہی تاکید کر دی تھی کہ اگر بارتھ ولسیٹ بان نامی سٹیشن کے سوا کسی دوسرے سٹیشن سے تم ریل پر سوار ہوئے تو کرایہ دوبارہ دینا پڑیگا۔

بڑے بڑے شہروں کے متعدد ریلوے سٹیشن

یوروپ کے بڑے بڑے شہروں میں ریلوں کے کئی کئی سٹیشن ہوتے ہیں۔ اور اجنبی کو اس بات کے معلوم کرنے کے لئے بڑی دقت پیش آتی ہے کہ فلاں طرف جانے کے لئے اُسے کس سٹیشن سے سوار ہونا چاہیئے۔ میں نے سٹیشن پر پہنچکر چھوٹا ٹرنک اور ہنیڈ بیگ گاڑی میں رکھ لیا۔ اور بڑا ٹرنک بک کرا دیا۔ یوروپ میں لمبا سفر کرنے والے لوگ ریل کے ٹکٹ عموماً سٹیشن پر آکر نہیں خریدتے۔ بلکہ شہر ہی میں قبل از روانگی مختلف پسنجر ایجنٹوں کے کارخانوں سے خرید رکھتے ہیں آسٹریا اور جرمنی میں شنکر کا کارخانہ مشہور ہے۔ قلی یہاں کے سٹیشنوں پر بڑے مستعد ہوتے ہیں۔ سب کام خود کر دیتے ہیں۔ عموماً یہ لوگ لکھے پڑھے ہوتے

ہیں۔ قلی اسباب کے رسیدیں خود تول کر بنوا دیتے ہیں۔ ریلوے گارڈ مسافروں سے ملائمت اور ادب سے پیش آتے ہیں۔ گائڈ یا ہوٹلوں کے ملازم اور دوکاندار اور دوسرے یوروپین لوگ بھی توجہ اور شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اسلئے یوروپینیوں کی نسبت جو ڈر اور غیر ضروری تکلف کا خیال ہندوستانی مسافر کے دل میں جاگزین ہوتا ہے وہ خود بخود دور ہونے

یوروپ سے واپس شدہ ہندوستانی۔

لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے بعض انگریز افسروں میں یہ خیال موجود ہے کہ ہندوستانی نوجوان جو یوروپ سے ہو آتے ہیں اپنی نسبت غرور اور غیر ضروری اہمیت کے خیال ساتھ لے آتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ نیک دل افسر تھوڑی سی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہر ایک تعلیم یافتہ باشندہ ہندوستان کو یہ بات معلوم ہونی ضروری ہے کہ اہل یوروپ ہوّا سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ نہایت شائستہ لوگ ہیں۔ اور ساتھ ہی جن یوروپینیوں کو وسط یوروپ کے بعض جنگلی ممالک کے دیکھنے کا اتفاق ہو وہ ہندوستان کی حالت کی قدر کرنے لگتے ہیں۔ دانا ہندوستانی یوروپ سے لوٹ کر اپنے آپ کو اور بھی بے حقیقت سمجھنے لگتے ہیں۔ کیونکہ وہ جس قوم کے فرد ہیں وہ بہت ہی حقیر ہے۔

اتنی سویرے صبح کی روشنی

۲۸ جون کی شام کو ویانا سے سوار ہوئے قریباً ڈھائی بجے شب کے بیضائی صبح نمودار ہونے لگا۔ اسی لحاظ سے اگر ناروے میں آدھی رات کو طلوع آفتاب نظر آتا ہو تو ذرا بھی تعجب نہیں ہوتا۔ آج ہی کل یوروپ اور امریکہ کے ہزارہا لوگ ناروے میں "آفتاب نیم شب" دیکھنے جا رہے تھے۔ ساڑھے تین بجے صبح کے شفق نمودار ہوئی۔

موسم بہار کی سرسبزی اور شادابی

ریل کے دونوں طرف زمین بالکل سبز اور کھیتوں سے پر نظر آئی۔ پہاڑ ہو یا گھاٹی سب جگہ کھیت تھے۔ ایک چپہ زمین خالی نہ تھی۔ کہیں آب رسانی کا کنواں نظر نہ آیا۔ البتہ کہیں

کہیں کوئی پون چکی نظر پڑتی تھی۔ بارش اور اوس پہ اس ملک میں کھیتوں کا حصر ہوتا ہے۔ انگور کے کھیت بے شمار تھے۔ جہاں قطار در قطار ہزار ہا لکڑیاں گز گز بھر کی زمین میں گاڑی ہوئی تھیں۔ اور ان پر انگور کی بیلوں کو چڑھا دیا گیا تھا۔ جرمنی اور فرانس میں بھی انگور کے کھیت ایسے ہی نظر آئے۔ اس سرسبز اور خوشنما منظر میں کہیں کہیں کوئی چھوٹی موٹی آبادی کسانوں کی نظر آجاتی تھی۔ البتہ اکّے دُکّے مکانات تو کھیتوں میں بکثرت تھے۔ اور انہیں کھیتوں کے مکانات میں بعض دو منزلہ اور خوش حیثیت بھی تھے۔ ان کے دریچوں میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں مکانوں کے اندر پھولوں کے گملے بھی تھے۔ باہر تو اکثر مکانوں کے پھولوں کی کیاریاں ہوتیں تھیں یہ حال عام کسانوں کی زندگی کا ہے۔ راستہ میں دو چار بڑے قصبے بھی آئے کہ جن میں سے ہو کر یا ان کے پاس سے ریل گذرتی تھی۔ اور جو کیفیت ریل میں سوار ہو کر وہاں نظر آئی وہ ان کوچوں میں چل کر نظر نہ آتی۔ صبح

چونگی کے افسر

۶ بجے گاڑی ٹشن کے سٹیشن پر پہنچی جو آسٹریا اور جرمنی کے مابین سرحد ہے۔ یہاں جرمن چونگی کے افسر اسباب کا ملاحظہ کرنے کے لئے گاڑیوں میں گھس آئے۔ جو شخص ہماری گاڑی میں آیا اس نے پوچھا کوئی قابل محصول چیز تو نہیں۔ اور نفی میں جواب پا کر ایک چھپا ہوا ٹکٹ ہمارے اسباب کے مختلف پیکٹوں پر چسپاں کر دیا۔ لیکن جو ٹرنک بڑے تھے اور بریک میں بُک کرا کر رکھے گئے تھے۔ انہیں گاڑیوں سے نکال کر ایک دفتر میں رکھا گیا۔ اور مسافروں کو اس دفتر میں لے گئے جہاں میزوں پر سب کے ٹرنک پڑے ہوئے تھے۔ ہر شخص اپنا ٹرنک کھول کر ان افسروں کو دکھلاتا۔ میرے ٹرنک میں ایک پشمینہ کی چادر تھی جسے ایک چونگی کا افسر غور سے دیکھنے لگا۔ میں نے سمجھا یہ اسے قابل فروخت سمجھ کر محصول مانگے گا۔ میں نے جھٹ چادر کو پھیلا کر اوڑھ لیا۔ اسباب زیادہ ضرر رسانی

نہیں کھولا گیا۔ اور ٹرنک مقفل کرنے کے بعد اُن پر بھی وہی ربیت محصول کے ٹکٹ چسپاں کرکے انہوں نے ہی ریل میں رکھوا دیئے۔ بعض لوگوں سے تھوڑی چیزوں مثلاً آٹھ دس چیزوں پر بھی محصول لے لیا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر میں دریائے الب پر سے گذرے اور گھنٹوں سڑک دریا کے کنارے چلی گئی ڈریسڈن میں گاڑی بدلنی پڑی۔ یہ بڑا دیہی سٹیشن ہے۔ اور خوبصورت بھی کافی ہے۔ لیکن وسعت میں بمبئی کے لوری بندر سٹیشن سے بھی بہت بڑا ہے جرمن علاقہ کے ایک سٹیشن پر ایک لڑکے سے چیریاں خریدیں اور جب آسٹریا کا سکہ دینے لگے تو اُس نے چیریاں واپس لے لیں۔ قریب بارہ بجے شہر برلن میں پہنچے۔ تو سٹیشن کے باہر ایک پولیس کا افسر ملا۔ اُس نے پوچھا کہ ریل کے کس درجہ میں سوار تھے۔ اور دوم درجہ بتلانے پر اسی درجہ کا ایک ٹکٹ ٹین کا حوالہ کیا۔

گاڑیبانوں کی دستبرد سے مسافروں کی حفاظت۔

یہ ٹکٹ اسلئے دیا جاتا ہے کہ اگر گاڑیبان مسافر کو تکلیف دے یا اُس سے زیادہ کرایہ مانگے۔ تو مسافر کہہ سکتا ہے کہ میں تمہیں ٹکٹ نہیں دونگا بلکہ پولیس کے دفتر میں دونگا۔ بجائیکہ گاڑیبان کا فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ ٹکٹ واپس لاکر اسی پولیس کے افسر کو دے کہ جس نے اسے مسافر کے حوالے کیا تھا۔ لیکن گاڑیبانوں کی زیادہ ستانی روکنے کی تدبیر

ٹکسا میٹر

ٹکسا میٹر سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے جو ویانا کی طرح برلن کے کرایہ کی گاڑیوں میں بھی لگایا گیا ہے۔ یہ مشین ایک بڑے ٹایم پیس کے برابر گول ایسی ترکیب سے گاڑی کے کوچ بکس۔ کے برابر لگا دی جاتی ہے کہ گاڑی کے چلنے سے اسکی سوئی بھی چلتی ہے۔ اور بتلاتی رہتی ہے کہ اب کتنا کرایہ گاڑیبان کو دینا چاہئے۔ اگر گاڑی جلدی چلیگی تو یہ مشین بھی جلدی کرایہ بڑھائیگی۔ اسلئے ٹکسا میٹر کی موجودگی سے یہ اندیشہ بھی نہیں رہا کہ گاڑیبان آہستہ گاڑی چلائیگا۔ کیونکہ اس صورت میں اسے کرایہ بھی کم ملیگا۔ اگر ہندوستان کی کرایہ

کی گاڑیوں پر بھی بڑی بڑی میونسپلٹیاں ٹکسامیٹر لگوائیں۔ تو امید ہے کہ مفید ثابت ہو۔ اسکی قیمت بھی چار پانچ شلنگ سے زیادہ نہیں۔ گاڑیبانوں کے لئے یہ اسلئے بھی مفید ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے معلوم کرسکتے ہیں دن بھر میں اُن کے گھوڑوں نے کتنا فاصلہ طے کیا۔ اور کیا کمایا۔ برلن میں جہاں اس قدر گاڑیبانوں کو تاکید ہے وہاں اُن کے حقوق کا بھی بہت خیال رکھا گیا ہے۔ گاڑی میں سواری گیارہ سیر سے زیادہ بوجھ مفت نہیں لیجا سکتی۔ علاوہ اس کے اگر سواری چاہے کہ گاڑیبان بلا بارش کے گاڑی کا ٹپ بند کرے یا کھولے۔ تو ہر ایسی فرمایش کے لئے گاڑیبان کو ۲ فینگ یعنی ۳ دینے ہونگے۔ گاڑیبان سب لکھے پڑھے ہیں۔ جب فارغ ہوتے ہیں تو اکثر کوچ بکسوں پر بیٹھے اخبارات پڑھتے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ لکھا ہوا پتہ گلی کوچوں کا ان کو دکھلایا ہے تو اتنے بڑے شہر برلن میں۔ جس کی آبادی ۲۰ لاکھ سے اوپر ہے اور جس کا رقبہ مع مضافات ۵۲ میل سے کم نہیں۔ یہ ٹھیک موقع پر مجھے لے پہنچے۔ یہ کوچبین وردی پہنتے ہیں۔ جس میں واسکٹ سُرخ ہوتی ہے۔ اول درجے کی ٹوپی سیاہ اور کالر سفید اور دوم کی ٹوپی سفید اور کالر زرد ہوتا ہے۔ تین ہندوستانی رفیق بمبئی سے لے کر برلن تک میرے ساتھ رہے۔ کہ جن میں سے مسٹر ٹبلا تو آگرہ سے میرے ہمسفر ہوئے تھے اور جس روز میں برلن میں ٹھیرا وہ ہیمبرگ کو چلے گئے۔ ہموطنوں سے الگ ہوجانے کا افسوس تو ہؤا لیکن یہ کتنے بڑے اطمینان کی بات تھی۔ کہ اب دن بھر کے تمہارے وقت میں کوئی حصہ دار اور شریک نہیں رہا تھا۔

برلن کا ہوٹل برلن میں میں جس ہوٹل میں ٹھیرا اسکا نام قیصر ہوٹل تھا کہ جسے یہاں کے لہجہ میں "کیزر ہوٹل" کہتے تھے۔ اور اسکے دروازے پر قیصر ولیم کا بُت نصب تھا۔ اور یہ ہوٹل برلن کے سب سے بارونق اور بڑے بازار میں واقع تھا۔ کہ جہاں کھڑکی میں بیٹھ کر میں برلن کی زندگی کا اچھی طرح

نظارہ کر سکتا تھا۔ الکٹرک کال بل کے ذریعہ نوکروں کو بلانے کے لئے ویانا اور برلن کے ہوٹلوں میں یہ ہدایت فرانسیسی۔ جرمنی اور انگریزی زبانوں میں آویزاں کر دیتے ہیں کہ اگر برقی بٹن کو ایک مرتبہ دباؤ تو مرد نوکر حاضر ہوگا۔ دو دفعہ دباؤ تو نوکرانی آئیگی۔ اور اگر بوٹ درکار ہو تو تین مرتبہ دباؤ۔ کیونکہ دستور یہ ہے کہ شام کو جب مسافر اپنے کمرے میں آتا ہے تو دن بھر کا میلا بوٹ اُتار کر اپنے کمرہ کے دروازے کے باہر رکھ دیتا ہے۔ اور کوٹ اور پتلون بھی دروازہ کے باہر ایک کھونٹی پر لٹکا کر خود دروازہ بند کر کے سو رہتا ہے۔ ایک مرد نوکر شب کو سب مسافروں کے بوٹ جو ہر ایک کے دروازے کے باہر پڑے ہوئے ملیں لیجا کر پالش کرتا ہے۔ اور اُن کے کپڑوں کو برش کر کے علی الصباح مالک کے دروازے کے سامنے لا کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن بتقدیر اگر ابھی بوٹ صاف ہو کر نہ آیا ہو تو کال بل کا بٹن تین مرتبہ دبانے سے بوٹ فوراً حاضر کیا جاتا ہے۔ مسافر کا ہوٹل سے روانہ ہونے سے پہلے فرض ہوتا ہے کہ وہ بوٹ صاف کرنے والے مزدور کو ضرور کچھ انعام دے جائے۔ کبھی کبھی چیمبر میڈ (نوکرانی) ہی بوٹ بھی صاف کرلاتی ہے۔ اور مسافر کے کمرہ کی صفائی اور بسترہ وغیرہ بچھانے کی بھی وہی ذمہ وار ہوتی ہے۔

کھانے کے لئے ٹریسٹ۔ وینس اور ویانا کی طرح برلن میں بھی میں نے پہلے ہی روز ہوٹل والوں کی ہدایت سے ایک یہودی ریسٹارنٹ کا پتہ لگا لیا۔ اور دو تین جرمنی زبان سیکھنے کی کتابیں خرید لیں۔ کہ جن کی وجہ سے میں کسی وقت بیکار نہیں رہ سکتا تھا۔ کسی کسی روز تو میں ڈکشنری کی مدد سے ساٹھ ستر لفظ جرمنی زبان کے کاغذ پر لکھ کر یاد کر لیتا۔ اور اس وقت مجھے اُن کے یاد ہو جانے میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔ مگر اب اکثر فراموش ہو گئے ہیں۔ سچ ہے کہ مدآید وبزیاں شد

علاوہ یہودیوں کے رسٹارنٹ تلاش کرنے کے میں ویجی ٹیرین رسٹارنٹ بھی ہر شہر میں تلاش کر لیتا تھا - ان رسٹارنٹوں میں کسی قسم کا گوشت نہیں پکتا بلکہ صرف بقولات اور غلوں سے طرح طرح کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں - اور میوہ جات کھانوں کے ہمراہ دیئے جاتے ہیں - اِن کے کھانوں میں بعض مٹھائیاں تو نفیس اور لذیذ ہوتیں - لیکن بعض دوسرے کھانے جو محض حفظ صحت یا ویجی ٹیرین اصول کے لحاظ سے پکائے جاتے تھے سخت بدمزہ ہوتے تھے مثلاً جب یہ کسی ترکاری کا شوربہ لاتے کہ جس میں ہلدی مرچ مصالحہ کچھ نہ ہوتا تو یہ صرف دھوون کا پانی معلوم ہوتا تھا - سُرخ مرچ گرم مصالحہ اور ہلدی تو یورپ کے کسی مُلک میں استعمال ہی نہیں کئے جاتے - لیکن ان ویجی ٹیرین رسٹارنٹوں میں سیاہ مرچ سے بھی پرہیز کیا جاتا ہے - مگر کبھی کبھی مجبوراً جو عام رسٹارنٹوں میں کھانا کھانا پڑتا - تو مجھے طرح طرح کے تجربات حاصل ہوتے - مثلاً ہم جولائی کی ڈائری سے میں ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے کی کیفیت نقل کرتا ہوں :-

ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے کا تجربہ

ہوچر صاحب جو مہربانی کر کے مجھے کچھ کارخانے اور اسباب کی دُکانیں دکھلا رہے تھے وہ ایک بجے کے قریب مجھے ایک رسٹارنٹ میں کھانا کھانے کے لئے لے گئے - یہ اعلیٰ درجہ کا رسٹارنٹ تھا - ہر چند کہ میں نے مسٹر ہوچر کو بتلا دیا تھا کہ میں کیا کیا نہیں کھاتا لیکن جب پہلے پہل حسب دستور شوربہ آیا اور میں [illegible] تو رکابی کی تہ میں کچھ سُرخ چیز نظر آئی - وہ کینکڑا تھا - میں نے [illegible] شوربہ لوٹا دیا - اس پر مجھے رسٹارنٹ کا سپائیز کارٹ یعنی کھانوں کی تفصیل کا کاغذ دکھایا گیا - جسکی پیشانی پر دو سُرخ تصویریں کینکڑوں کی بنائی ہوئی تھیں - اور چونکہ رسٹارنٹ کے لئے بڑے تحیر و مباہات کی بات تھی کہ اُن کے ہاں کینکڑے کا شوربہ

ملتا تھا جو ہر جگہ میسر نہیں ہو سکتا تھا۔ اسکے بعد میں نے مٹر اور آلو وغیرہ کھا کر گذارہ کیا۔ البتہ میوہ چیری آجکل خوب پکا ہوا ہے۔ اور مزیدار ہے۔ اسے میں اکثر کھانے کے بعد شوق سے کھاتا ہوں۔ جو ہر جگہ مل سکتا ہے۔ اس میز پر میرا آدمی ایک اور جرمن تھا۔ یہ مجھ سے ہندوستان کے متعلق مختلف باتیں پوچھتا رہا۔ میں نے دیکھا ہے کہ تمام یورپ میں لوگ انگریزوں کی خوش قسمتی پر حسد کرتے ہیں۔ کہ وہ ہندوستان ایسے اتنے بڑے ملک اور کئی دوسری نو آبادیوں کے مالک ہیں۔ میرے کھانے پر شراب نہ پینے پر ان لوگوں کو تعجب ہوتا ہے۔ بیئر تو ان کا عام شُرب ہے لیکن وائن اور وسکی بھی اچھے لوگ پیتے ہیں۔ اس ہوٹل میں پانی پینے کا گلاس اور صراحی موجود ہی نہ تھے آخر ایک شراب کے ذرا سے گلاس میں مجھے تھوڑا سا پانی لا کر دیا گیا۔ یہ لوگ کھانے پر بیٹھ کر بہت دیر لگاتے ہیں۔ باتیں کرتے جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ

اشتہار کے نرالے طریقے

کھانا کھاتے جاتے ہیں۔ یہاں ایک لکڑی کے چوڑے سے بنے ہوئے دانتوں کے خلال دیکھے۔ جن پر ایک کارخانہ کی شراب کا نام چھپا ہوا تھا۔ یہ گویا اس شراب کا اشتہار تھا۔ اور اس شراب کے کارخانے نے اس ریسٹورنٹ میں یہ خلال مفت استعمال کے لئے دے رکھے تھے تاکہ کھانے کے ساتھ شراب پینے کے لئے لوگوں کو اس کی شراب کا نام یاد آجاوے۔ اسی طرح میں نے ریسٹورنٹوں میں بعض کاغذ کے خوبصورت چھپے ہوئے پرزے دیکھے ہیں جو دوسری طرف سے خالی ہوتے ہیں اور ان پر ریسٹورنٹ والے کھانے کی قیمت کا بل لکھ کر گاہکوں کو دیتے ہیں ان کی دوسری طرف شراب وغیرہ کھانے کی چیزوں کا اشتہار ہوتا ہے جو ان کارخانوں کے مالک چھپوا کر مختلف ریسٹورنٹوں میں بھجوا دیتے ہیں"۔

انگلستان کے ایک ریسٹارنٹ میں شیشہ کے نمکدان دیکھے جو ایک نمک بیچنے والا کارخانہ بطور اشتہار نمک کے اپنے گاہکوں کو مفت دیتا تھا۔

شہر کی رونق

برلن ویانا سے بڑا اور زیادہ مصفا شہر ہے۔ یہاں کی پبلک عمارات ویانا سے زیادہ ہیں۔ پبلک مانومنٹوں کا تو یہاں کچھ حساب نہیں۔ بازار اسفالٹ کے بنے ہوئے ہیں۔ گرد و غبار کا نام و نشان نہیں دن بھر شہر میں پھرو تو جوتہ جھاڑنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہاں صبح سے شام تک ہر وقت بازاروں میں لوگوں کا ہجوم اور قہوہ خانوں میں میلہ لگا رہتا ہے۔ کسی پبلک عجائب خانہ یا تماشاگاہ میں جاؤ تو وہاں اتنے آدمی ملتے ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ شاید سارا شہر وہیں اُمنڈ آیا ہے۔ لیکن اگر اسی روز دوسری جگہ جاؤ تو وہاں بھی وہی حال ہوگا۔

برلن کا چڑیا گھر

میں نے یہاں کے وسیع چڑیا خانہ (ٹیر گارٹن یعنے باغ حیوانات) کو اتوار کے روز دیکھا کہ جسکے دیکھنے کے لئے ایک مارک (۱۲ا) کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ تو اندر بلا مبالغہ بیس پچیس ہزار زن و مرد کا مجمع تھا۔ جو کچھ تو جانوروں کے دیکھنے اور زیادہ تر قہوہ پینے اور باجہ سننے میں مصروف تھے۔ چڑیا گھر برلن کا اتنا مشہور ہے کہ پیرس اور لنڈن میں بھی اتنا بڑا نہیں اور لاہور کے چڑیا گھر سے تو بلا مبالغہ بیس گنا بڑا ہے۔ یہاں ہاتھی بھی چڑیا گھر میں عجیب چیز سمجھا جاتا ہے اور اسکے رہنے کا مکان ہندوستان کے ایک مندر کے نمونہ کا بنایا گیا ہے۔ میں نے زرافہ یعنی شتر گاؤ پلنگ یہاں پہلی دفعہ زندہ دیکھا۔ یہ دنیا میں سب سے بلند جانور اور عجیب الخلقت حیوان ہے۔ دو زندہ ہرن بالشت بالشت بھر بلند دیکھے جو بچے نہیں تھے۔ بلکہ کسی بالشتی نسل کے تھے۔ اور شیشے کے صندوقوں میں

رکھے ہوئے تھے۔ امریکہ کا بھینسا بیزن کئی قسم کا دیکھا جس کا سر بھینسے
کی طرح اور پیچھا خچر کی طرح تھا۔ بعض ایسے عجیب جانور تھے کہ نہ ہماری زبان
میں اُن کے نام ہیں اور نہ میں انہیں شناخت ہی کر سکتا تھا۔ ایک دریائی
گھوڑا اور ایک افریقہ کا بہت بڑے بال والا شیر بھی تھا۔ غرض جانوروں کے
تمام نمونے جمع کرنے کی یہاں تک کوشش کی گئی تھی کہ ایک مکان صرف
مختلف نسلوں کے کتوں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ بعض بعض مکانات
چڑیا خانہ کی بجائے خود قابل دید تھے۔ بچوں کے لئے یہاں ایک الگ مکان
تھا جہاں یہ کھیلتے کودتے تھے۔ بچوں اور عورتوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ لیکن چونکہ
آج اتوار تھا آج داخلہ کا ٹکٹ نصف ہونے کی وجہ سے مجمع بہت تھا۔
بہت لوگوں نے یہاں آنے کے سیزن ٹکٹ لے رکھے تھے۔ بینڈ باجے کے
سٹینڈ نصف درجن سے کم نہ ہونگے۔ شام کو آتشبازی بھی حاضرین کی تفریح
کے لئے چھوڑی گئی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جس قدر ممکن ہوں لوگ کھینچ کر
یہاں لائے جاویں۔ اور چڑیا گھر کی آمدنی بڑھے۔ اس لئے ان کی تفریح کے
سب سامان مہیا کئے جاتے تھے۔

ٹیئر گارٹن یعنی جس باغ میں چڑیا گھر واقع ہے وہ بجائے خود ایک تفریح گاہ
ہے۔ یہ باغ کاہے کو ہے بلکہ ایک لمبا چوڑا جنگل ہے جو شہر کے ایک پہلو
میں میلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جس کے سر بفلک درخت کہیں گھنے اور
کہیں چھدرے نہایت سایہ دار موجود ہیں۔ نیچے گھاس ہے کہ جس میں سے
کئی سڑکیں اور سینکڑوں روشیں ہر سو نکل جاتی ہیں۔ اور کئی جگہ سے ٹریم وے
بھی گذر جاتی ہے۔ راستوں میں ہزاروں بنچیں بچھی ہیں۔ جن پر لوگ بیٹھتے ہیں۔

عاشقانہ کی باتیں

لیکن عموماً ان بنچوں پر دو نوعمر زن و مرد راز و نیاز کی باتوں

میں مشغول پائے جاتے ہیں۔ کبھی عورت کی باہیں مرد کی گردن میں لپٹی ہوئی اور کبھی مرد کی عورت کی کمر کے گرد نظر آتی ہیں۔ کبھی یہ دونوں ایسے مشغول راز و نیاز ہوتے ہیں کہ انہیں پاس سے گذر جانے والوں بلکہ دنیا و مافیہا تک کی خبر نہیں ہوتی۔ اور لوگ عمداً ان کے پاس بیٹھ کر ان کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈالتے۔ کہیں غریب گرہستن عورتوں کی ٹاپ ٹاپ پارٹیاں نظر آتی ہیں۔ کہیں جلوہ عروسی یا بچوں کو دستی گاڑیوں میں لئے پھرتی ہیں۔ کہ ناگاہ تم ایک بہت کشادہ سڑک میں پہنچ جاتے ہو۔ جس کی ایک طرف دور تک سنگ مرمر کے بہت سے شاندار بت کھڑے ہوئے ہیں یہ قیصر ولیم ثانی نے حال ہی میں قدیم زمانہ سے لے کر آج تک اپنی آباؤ اجداد یعنی سلاطین جرمنی کے اپنی جیب خاص کے خرچ سے بنوائے ہیں۔ اور بقول ریویو آف ریویوز کے ایڈیٹر مسٹر سٹیڈ کے واقعی یہ برلن کا ایک زیور ہے۔ گو وہاں کے سوشلسٹ لوگ انہیں ناپسند ہی کرتے ہیں۔

دو عارضی نمائشگاہیں

یہ آجکل دو عارضی نمائشگاہیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایک تو کالونیل تھی۔ جس میں جرمنی کی نو آبادیوں کی چیزوں کی نمائش تھی۔ جو دو تین سے زیادہ نہیں۔ تاہم جنوبی افریقہ کی وحشی جرمن رعایا۔ جزیرہ گیمرات اور چین کے نئے علاقہ کیو چو کے باشندوں کی سوشل زندگی کی ضروریات کو پورے طور پر دکھلایا گیا تھا۔ آج ایک گائیڈ میرے ہمراہ تھا۔ جب ہم آگے حبشیوں کے خس پوش جھونپڑوں میں دو تین گلی برتن اور چند چمڑے اور کپڑے کی چیزیں نظر آئیں تو اس نے کہا کہ تمہارے ملک میں بھی تو اسی طرح کے گھر ہوتے ہیں۔ مگر اس وقت تو میں نے ہنس کر ٹال دیا۔ لیکن یہ تجربہ قائل ہونا پڑا کہ پنجاب کے دیہات میں بعض غریب کاشتکاروں کے جھونپڑوں میں بھی

سے اتنی ہی محتاجی تپیش دھوپ کی ہوتی ہے - اور ان میں اسی قدر و نیاوی سامان ہوتا ہے - گو وہ خس پوش نہیں ہوتے - لیکن ہندوستان کے بعض دوسرے حصوں میں کاشتکاروں کے جھونپڑے خس پوش ہی ہوتے ہیں - یہاں فی کس نصف مارک داخلہ اور ۱۰ فینگ چھاتہ رکھنے کے لئے دئے گئے واضح رہے کہ جہاں گائڈ ساتھ ہو اُسکا کرایہ اور داخلہ کا ٹکٹ بھی دینا پڑتا ہے اس گائڈ کی شرح ۱۰ مارک روزانہ یعنی ساڑھے سات روپے تھی - اور میں نے صرف ایک روز اُسے ہمراہ رکھا - لیکن جہاں میں پیدل جا سکتا تھا وہاں بھی گائڈ صاحب کی خاطر مجھے گاڑی کرایہ کرنی پڑی -

تصاویر اور بُت دوسری نمائشگاہ جرمنی کی مصوری - سنگتراشی اور بُت ڈھالنے کے فن کی تھی - جو "کُنسٹ آؤسٹلنگ" یعنی آرٹ اگزبیشن کے نام سے مشہور تھی - یہ بہت بڑا عالی شان مکان تھا - جسکے سامنے پرنس بسمارک کا برنجی بُت نصب تھا - مکان کے اندر اسکے پچاس کمروں میں بیحد و حساب تصاویر اور بُت تھے کہ میرے جیسا کوڑھ مغز آدمی بھی بعض کو دیکھکر دنگ رہ گیا - یہاں دستور ہے کہ ہر نمائشگاہ کے دروازے پر اُسکی اشیا کی تفصیل کی کتاب بکتی ہے - یہاں جسقدر تصاویر اور بُت زیادہ تھے اُتنی ہی زندہ لعبتان فرنگی اور جاندار بتان جرمنی کثرت سے تھے - بلا مبالغہ دس بارہ ہزار زن و مرد اسوقت ان کمروں میں پھر رہے تھے - اسلئے ہر قدم پر سنبھلکر چلنا پڑتا تھا کہ کسی لیڈی کا دامن پاؤں تلے نہ دب جائے - یا کسی کو ٹھوکر نہ لگ جائے کیونکہ بعض چلبلے مصوروں نے ایسی تصویریں بنا رکھی تھیں کہ لیپ پاں وہاں نقش دیوار ہو جاتی تھیں -

یہاں بھی نصف مارک داخلہ اور ۱۰ فینگ چھاتہ رکھنے کی فیس دینی پڑی - چھاتے

یا لاٹھیاں اندر تو لیجانے نہیں دیتے۔ اور باہر رکھوالینے کی معقول اُجرت لے لیتے ہیں۔ صرف ویانا کے بڑے عجائب گاہ اور برلن کے اسلحہ خانہ اور لنڈن کے برٹش میوزیم میں چھاتے رکھنے کا کچھ دینا نہیں پڑا۔ ورنہ اور سب جگہ کم و بیش دینا پڑا ہے۔

عورتیں و مرد ہمرداور عورتیں

ان ممالک میں جب کسی ہجوم یا مجمع کا ذکر کیا جائے تو قدرتی طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ اُس سے زن و مرد دونوں کی معجون مرکب مراد ہے۔ مرد کیا ہیں عورتوں کی شمع کے پروانے۔ گو بلحاظ خوبصورتی اور شاندار لباس کے عورتوں کو پروانے بلکہ تیلیاں کہنا چاہئے۔ ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کی عورتیں صرف کپڑے پہننے اور بناؤ سنگار کرکے اُسے دوسروں کو دکھلانے اور ناز و ادا اور لہو و لعب میں زندگی بسر کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ ان کی ہر آن میں بناوٹ اور ہر قدم میں ادا ہے۔ میں اتوار کے روز چڑیا گھر کے ہجوم کو ایک خاص تقریب کا نتیجہ سمجھا تھا۔ لیکن اس نمائش کے باہر جو ہزاروں کا مجمع سبزہ زار میں قہوہ پی رہا تھا اُس سے میرا پہلا خیال باطل ہو گیا۔ نمائش گاہ کے اندر بعض تصاویر صرف قدرتی لباس پہنے تھیں مگر ان کی عُریانی معیوب نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ ہنر بیں نظر صرف اُن کے آرٹ کی تعریف کر سکتی تھی۔ بعض لوگ ان تصاویر کے دیکھنے میں اس قدر محو تھے کہ دُنیا و مافیہا سے خبر نہ تھی۔ ان مجمعوں میں میں نے ایک اور دلچسپ بات یہہ نوٹس کی کہ نوجوان مردوں کے ساتھ جو لڑکیاں ہوتی تھیں وہ ہر دوسری عمر کے مردوں کی رفیق عورتوں کی نسبت اُن سے زیادہ گرویدہ بلکہ گلے کا ہار ہوتی تھیں۔ گویا محبت میں گداز تھیں۔ اور گویا کہ جوں جوں مدت مناکحت بڑھتی جاتی ہے

محبت کی سرگرمی کم ہوتی جاتی ہے۔ قہوہ خانوں اور رسٹارنٹوں میں بھی ایسے جوڑے سب سے الگ بیٹھ کر دیر تک باتیں کرتے رہتے ہیں۔

برلن کا اسلحہ نمائشہ: برلن کا اسلحہ خانہ ایک ایسا مقام ہے کہ جس کا ثانی دنیا میں کم ہوگا۔ اس میں یوروپ کے اسلح جنگ کے قدیم زمانہ سے لے کر آج تک کے سب نمونے موجود ہیں۔ ارہ کی طرح کاٹنے والی تلواریں۔ پتھر کے توپوں کے گولے۔ پانچ پانچ سو سال کی پرانی توپیں سینکڑوں قسم کی چھوٹی بڑی موجود ہیں۔ لیکن غرض اس نمائیش سے جرمن کی جنگی تاریخ کے دکھلانے اور اہل جرمنی کے دلوں میں جنگی جوش تازہ رکھنے کی ہے۔ کیونکہ جرمنی نے جو اسلحہ فرانس یا کسی دوسری قوم سے کبھی جنگ میں حاصل کئے ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ ہزاروں قسم کی تلواریں۔ نیزے۔ بندوقیں۔ توپیں۔ ڈھالیں۔ تبر۔ دار نیزے۔ کلہاڑے۔ قدیم زمانہ کی نائیٹوں اور ان کے گھوڑوں کے بھاری زرہ بکتر۔ توپوں کے گھوڑوں کے ساز۔ سپاہیوں کی وردیاں۔ جنگی علم۔ مفتوحہ قلعوں کی چابیاں اور آلات و متعلقات جنگ از قسم اصطرلاب و سکسٹن اور نیپولین اول کے دیے ہوئے تمغے موجود ہیں۔ ایک جگہ قلعہ ایڈریا نوپل کی چابی اور علم موجود ہے۔ جو جرمنی نے ۱۸۱۵ء میں فتح کیا تھا۔ میرے خیال میں وہ شمشیر یہاں نہیں رکھی ہوگی۔ جو سلطان عبدالحمید خان نے قیصر ولیم دوم کو ان کی پہلی ملاقات پر قسطنطنیہ میں دی تھی اور جو ان کے دادا سے ترکوں نے چھینی ہوئی تھی۔ نہ یہہ دکھایا گیا ہے کہ نیپولین نے برلن پر کیا تباہی برپا کی تھی۔ اور کس طرح برلن کے وہ چار رول برنجی گھوڑے پیرس کو ہمراہ لیگیا تھا جو اب جرمنی نے واپس لے کر برنڈنبرگ کے دروازے پر نصب کئے ہوئے ہیں۔ اس اسلحہ خانہ میں بہت سے ایرانی اسلحہ بھی ہیں جو غالباً خرید کر رکھے گئے ہونگے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر مرضع

کھودے ہوئے ہیں ایک زرہ کے سینے پر نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ہ
اور ایک شمشیر کے پھل پر "لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار" لکھا ہوا ہے
اور سوائے بیل بوٹوں کے کوئی خوبی نہ تھی بمقابلہ یورپین سادہ اسلحہ کے ایرانی
اسلحہ کا بناؤ سنگار زنانہ معلوم ہوتا تھا۔ فرانسیسی فوج کے بعض سترّاسی
اور سو سال کے پرانے کوٹ اور سامان جنگ ایسے بھدے تھے جیسے کہ
آجکل پنجاب میں چوکیدار پہنتے ہیں اور کپڑے کی موجودہ ترقی گویا سب گذشتہ صدی
کا نتیجہ ہے۔ اس عمارت کے ایک بازو میں دس دس بیس بیس گز لمبی
اور اسی نسبت سے چوڑی میزوں پر ان تمام جنگوں کے میدانوں کے ننھے
ننھے نمونے فراز و نشیب میں بنائے گئے ہیں۔ کہ جن سے فن جنگ
کے ماہر بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ ان میں جرمنی اور غنیم کی فوجوں
کے ننھے ننھے سپاہی مٹی یا لکڑی کے بنا کر دکھلائے گئے ہیں۔ ان سے
بہتر سمجھ کسی میدان جنگ کی پوزیشن کی اور کسی طرح نہیں آسکتی۔ لیکن سب
سے دلچسپ بات اس اسلحہ خانہ میں ناموروں کا کمرہ ہے۔ جس میں جرمنی
کے تمام بادشاہوں اور اکثر بڑے بڑے امرا کی برنجی اور سنگ مرمر کی قدِ
آدم سے بڑی نیم قد لعبتیں موجود ہیں۔ اور دیواروں پر جرمنی کے تمام
جنگوں کے نظارے اعلیٰ درجہ کے اُستادانِ فن نے کھینچے
ہیں۔ کہ جنہیں دیکھ کر اصلی میدانوں کے نظارے آنکھوں کے سامنے
پھر جاتے ہیں۔ چھت پر چار [illegible] بادشاہوں کے عدل۔ انصاف۔ بہادری
اور تدبر کی بصورت تمثیل دکھائی ہیں۔ مگر برلن کی تمثیلی تصویروں میں مجھے
وہ عالیشان بت شہنشاہ ولیم اول کا بہت پسند آیا جو اس کے قیصر کی [illegible]
سنہ ۱۸۷۱ء کی جنگ کے بعد نصب کیا گیا ہے۔ اور جس میں سامان جنگ و

جدل کو فراموش کر کے ایگوری کی صورت میں صنعت و حرفت و زراعت و تجارت کی رونق بڑھانے کی طرف توجہ دکھلائی گئی ہے۔ یہہ سب مضمون چند بتوں کی صورت میں بڑی خوبی سے ادا کیا گیا ہے۔ اہل جرمنی نے تعمیر اور زینت کے کام میں بڑی ترقی کی ہے اور اسکے اچھی طرح سمجھنے کے لئے بھی کسی ماہر آرٹسٹ کی نظر درکار ہے۔ ہاں اسلحہ خانہ کو دیکھکر ممکن نہیں کہ کسی مردہ سے مردہ جرمن کے بدن میں بھی اپنے باپ دادوں کے کارناموں کو دیکھکر جنگی روح جوشزن نہ ہو۔ یہ اتنا بڑا مجموعہ اسلحہ کا صدیوں کی جانبازیوں اور کوششوں اور ہزاروں جانوں کے نقصان سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن جو لوگ یہ کام کر گئے ہیں اپنی آئندہ نسل کے لئے ایک ایسی میراث چھوڑ گئے ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ عزت کی زندگی بسر کر سکیں اور باپ دادوں کے نام پر فخر کر سکیں۔ بیشک اس مجموعہ کو دیکھکر قوم کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔

صنعت و حرفت کے کارخانے

ہم نے یہاں بعض کارخانے دیکھے۔ جو اپنی قسم کے اول درجے کے ہیں۔ مثلاً رنگین تصویریں چھاپنا یا شیشہ اور سیرنج کا سامان آرایش اور قلمیں پنسلیں بنانے کے کام کے کارخانے اور ان میں سے ہر ایک کی وسعت اور عظمت کو دیکھکر مجھے خیال ہوا ہے کہ اس سے بڑا کارخانہ کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری جگہ اس سے بھی بڑا دیکھکر مجھے حیرت پر حیرت ہوئی۔ ایک ہمارا ملک ہے کہ ہم سوئی دھاگے قلم دوات کاغذ بٹن وغیرہ ہر چیز کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں۔ اور ایک یہ ملک ہے کہ دنیا کی ضروریات کی چیزیں بہم پہنچاتا ہے۔ مجھے ایک جرمن

تعلیم کا نتیجہ

ملاقاتی نے بتلایا کہ ہماری ترقی کا راز صرف تعلیم اور صنعت

تعلیم یہاں جبری دی جاتی ہے۔ یعنی ہر آٹھ سال کا بچہ قانوناً مجبور ہے کہ ۱۴ سال تک مدرسے میں پڑھے۔ اگر ہمارے لوگ اسی طرح محنت کرتے رہے تو ایک روز دنیا میں ہم اول درجے کی قوم ہونگے۔ ہمیں ملک فتح کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ہنر اور صنعت و حرفت کے ملک سائنس کے زور سے ہم فتح کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس میں اب بھی ہم تمام دنیا کی قوموں سے آگے بڑھ چکے ہیں"۔ ایک دوسرے شخص نے بتلایا کہ ۱۸۷۱ء سے جرمنی کی نئی زندگی کی بنیاد پڑی ہے جبکہ قیصر ولیم اول نے فرانس پر فتح حاصل کر کے قوم جرمن کے منتشر اور متفرق اجزا کو ایک کر لیا اور صنعت و حرفت اور علوم و فنون کی ترقی کی جانب بلیغ توجہ کی۔ اس وقت سے اس ملک میں شب و روز ترقی ہو رہی ہے۔ اور جس قدر مال تجارت جرمنی سے دیگر ممالک کے استعمال کے لیے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خاص انگلستان میں جرمنی کا بنا ہوا بہت سامال کھپتا ہے۔ وہ سب اسی تیس سال کی مدت میں بننے لگا ہے۔

جرمنوں اور انگریزوں کی سوشل زندگی کا مقابلہ

جرمن سوسائٹی میں بڑی خوبی مجھے یہہ بتلائی گئی کہ بخلاف انگلستان کے غریب اور متوسط درجہ کے لوگ بھی امرا کی طرح زندگی مزے سے بسر کرتے ہیں۔ اور سیر و تماشہ سے دل بہلاتے ہیں۔ بڑے بڑے مجمعوں میں یا سر راہ کوئی جرمن بدمست نہیں دیکھا گیا۔ بخلاف انگلستان کے کہ جہاں غریب و غربا کی بڑی تفریح یہی ہے کہ شراب پی کر دل بہلائیں۔ میرے مخاطب نے یہہ بھی رائے دی کہ جرمنی آئندہ زمانہ میں بڑی قوم ہوگی اگر اہل جرمنی اسیطرح محنت و مشقت میں سرگرم رہے۔ ان کے دماغ صاف ہیں۔ انکی طبائع میں آمادگی اور سکنت ہے۔ اور انگریزوں کی نسبت کہا کہ وہ مغرور زیادہ ہوگئے

ہیں۔ اور سوا اسکے روپیہ کمانے کے اور انہیں کچھ کام نہیں۔ اگر انگریزوں نے یوروپ کی بعض دوسری قوموں کی طرح فوجی خدمت اپنے ملک میں لازمی نہ کردی تو یہ زیادہ مدت دُنیا میں بڑی قوم نہیں رہ سکیں گے۔

جرمن عورتیں

جرمن عورتوں کی نسبت کہا کہ بہت اچھی بیویاں ہوتی ہیں۔ انگلستان کی عورتوں کی طرح ہر وقت ناز نخرے ہی نہیں کرتیں بلکہ گھر کا کاروبار سب خود کرتی ہیں۔ انہیں اچھی تعلیم دی جاتی ہے۔ جو اپنی باری سے اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دیتی ہیں۔ میرے صاحب کی لڑکی کی عمر سترہ سال کی ہے جو جرمن میں اچھی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزی گفتگو صاف کرنے کے لئے انگلستان کے ایک مدرسہ میں بھیجی گئی تھی۔ اور اب پیرس کے ایک مدرسہ میں تعلیم پاتی ہے۔ اسکے بعد اگر اُس نے پسند کیا تو وہ اطالی زبان بھی سیکھ لیگی۔ ورنہ یہی تین زبانیں جرمنی انگریزی فرانسیسی کافی ہونگی۔ واضح رہے کہ یوروپ میں لڑکیوں کے مدرسے سب جگہ ریزیڈنشل سسٹم پر قائم ہیں۔ یعنی اُن کے ساتھ بورڈنگ ضرور ہوتے ہیں۔

دکانوں کی روشنی سے اشتہار کا کام لینا

فرانڈرِش سٹراسے یعنی کوچہ فریڈرک نامی برلن کا اُس بڑے بازار کا سماں کہ جس میں ہم مقیم تھے۔ رات کے وقت نہایت دلکش ہوتا تھا۔ سرِشام دوکانیں برق اور گاس کی روشنی سے جگمگا اٹھتیں۔ اور شیشوں کے پیچھے جو لاکھوں روپیہ کا مال سجا ہوا ہوتا تھا روشنی اُسے دن کی نسبت بہت زیادہ دلکش بنا دیتی تھی۔ ایک نئی ترکیب برقی روشنی کے پہلے پہل یہ دیکھی کہ بعض دکانوں کے نام کے حروف جو دن کو سفید اور سادہ معلوم ہوتے تھے دراصل ہر حرف کئی ایک ننھی لیمپوں سے مرکب تھا۔ ایکدم دن میں یہ سب لمپ روشن ہو جاتے اور دکان

کا نام نور کے حرفوں میں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا۔ اور دوسرے لمحہ میں وہ روشنی معدوم ہو جاتی۔ اور لمحہ کے بعد پھر اُسی طرح نمودار ہو جاتی۔ لیکن بعض دوسری دُکانوں پر اس سے بھی زیادہ حیرت بخش عمل برقی روشنی کا دکھلایا جاتا تھا۔ مثلاً دو دکان کا نام دو سطروں میں ہے۔ تو ہر آن واحد میں ان میں سے ایک سطر کے حرف سُرخ اور دوسری کے سبز برقی روشنی سے منور ہو جاتے یا ایک کے اسم سفید اور دوسرے کے سبز اور دوسرے لمحہ میں وہی سفید سُرخ اور سبز سفید ہو جاتے۔ غرض ایک اجنبی کو پہلے پہل یہ نظارہ عالم طلسمات سے کچھ کم حیرت افزا نہیں معلوم ہوتا۔ حالانکہ سوائے مال کا اشتہار دینے کے اس معجزہ سے اور کچھ مقصود نہ تھا۔ اس کثرت سے قیمتی اور عجیب و غریب مال سے بھری ہوئی دُکانیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اس کا خریدار کون ہوگا۔

تمام شب پوری تاریکی نہ ہوتی

یہاں بازاروں میں پھول بیچنے کا بڑا رواج ہے۔ یہاں شام کو ساڑھے ۹ بجے تک دن کی روشنی میں میں لکھ پڑھ سکتا تھا۔ ۶ جولائی کو ہیمبرگ سے مسٹر نوبلا کا خط آیا تھا جس میں رات کی روشنی کے متعلق وہاں کا یہ تجربہ مندرج تھا۔ "آپ کو برلن کے راستہ میں بوجہ تین بجے صبح ہو جانے کے اس روز تعجب ہوا تھا۔ یہاں پرسوں بوجہ صاف رہنے مطلع کے ساحل بحر سے ہمبرگ تک تمام راستہ اسکا پورا پورا مشاہدہ ہو گیا۔ یعنی ۱۲ بجے تک تو جانب جنوب روشنی مثل ہندوستان کے وقت مغرب کے دکھائی دیا۔ اسکے بعد کسی قدر غنودگی ہو گئی تھی۔ تو گویا تمام شب میں ذرا بھی تاریکی مثل ہمارے یہاں کی معمولی شب کے نہیں ہوئی"۔

میں جس ہوٹل میں مقیم تھا۔ یہ شہر کے نہایت پُر رونق کوچہ فریڈرش سٹراسے میں واقع ہے۔ یہ بازار اسقدر چلتا ہے کہ میں نے رات کے دو دو بجے تک

جاگ کر بھی انتظار کیا کہ دیکھوں اس میں کب آمدورفت بند ہوتی ہے۔ مگر مجھے پتہ نہیں ملا۔ دخانی اور گھوڑے کی ٹریموے کے علاوہ آمنی بس گاڑیاں شب و روز بکثرت چلتی ہیں۔ شاید کوئی شخص دو تین سال یہاں رہے تو اُسے پتہ لگ جائے کہ ٹریم اور آمنی بس کی لائنیں کس کس طرف جاتی ہیں۔ گھوڑا گاڑیوں پر میں نے ساڑھے آٹھ ہزار سے زیادہ نمبر دیکھا کیونکہ خاص خاص اطراف کو جانے والی الگ الگ گاڑیاں ہوتی ہیں۔

اندرون شہر کی ریل کی سڑک

شہر کے اندرونی حصہ کے گرد اور عام طور پر شہر کے اندر ایک حلقہ ریل کا گذرتا ہے۔ جس کی سڑک بمنزلہ مکانات کی چھتوں کے برابر یا بیس فیٹ بلند ہے۔ اور اس سڑک کے نیچے ۶۶ میل شہر کے اندر ہیں۔ جرمن اسکوشٹاڈ بان یعنی شہر کی ریل کہتے ہیں۔ اسکے سٹیشن دو دو میل کے فاصلہ پر ہیں۔ اور گاڑی ہر پانچ منٹ کے بعد ہر سٹیشن سے دونو طرف روانہ ہوتی رہتی ہے اور نصف منٹ سے زیادہ کسی سٹیشن پر نہیں ٹھہرتی۔ اس ریل کے ذریعے سے کہ جیسے پرنس بسمارک نے تجویز کیا تھا شہر برلن کے اندر لوگوں کی بیحد آمدورفت جاری رہتی ہے۔ اور اکثر کاروباری لوگوں نے اسکے سیزن ٹکٹ لے رکھے ہیں۔ ٹکٹ دینے کے لیئے کوئی شخص نوکر نہیں۔ البتہ چند مشینیں بلر لیٹر بکسوں (چٹھی ڈالنے کے بڑے صندوقوں) کی برابر بلند کھڑی ہیں۔ جب کوئی شخص ان میں دس فینی کا سکہ جو ڈھائی پیسے کے برابر ہوتا ہے ڈالتا ہے تو جھٹ ایک ٹکٹ تیسرے درجے کا ان کے ایک اندر سے گر پڑتا ہے۔ اسی طرح دوسرے درجے کا ٹکٹ دو فینی کا سکہ ڈالنے سے نکلتا ہے۔ البتہ ایک شخص ٹکٹ کو چیک کرتا ہے۔ ریل کا ہر پانچ منٹ کے بعد اس حلقہ میں بالمقابل دونوں طرف گھومتے رہنا

اور کسی سٹیشن پر نصف منٹ سے زیادہ نہ ٹھیرنا وہاں کی زندگی میں ایک عجیب مقوی اور سریع الاثر دوائی کا کام دیتا ہے۔ چونکہ ریل کی دونو طرف شہر کے مکانات ہیں اُن کی دیواروں پر مختلف ادویات اور مال اسباب کے اشتہار بڑے بڑے حروف میں نقش کر دیئے گئے ہیں کہ جنکے لئے دیواروں کے مالکوں کو کرایہ دینا پڑتا ہے۔ یہ حروف اور نقشہ وغیرہ اتنے موٹے اور واضح ہوتے ہیں کہ چلتی ریل میں بآسانی پڑھے جاسکتے ہیں۔

جرمنی کا جنگی عنصر کس قدر بڑھا ہوا ہے

برلن میں نو وارد شخص فوجی اور جنگی عنصر اسقدر زیادہ پاتا ہے کہ خواہ مخواہ اُسے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں غیر معمولی سرگرمی فوجی امور میں ظاہر کی جاتی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جرمنی کا مدار ہی ایک بہت بڑی فوجی جمعیت پر ہے۔ خصوصاً اُسکے ہمسایہ فرانس سے ہمیشہ کی عداوت اور پرخاش کی وجہ سے۔ اسلئے جرمنی میں کانسکرپشن کا رواج ہے۔ یعنی ہر جوان آدمی کو قانوناً بیس برس کی عمر کے بعد فوج میں بھرتی ہونا پڑتا ہے۔ اور پیدل فوج میں دو سال یا سوار فوج میں تین سال فن جنگ سیکھنے کے لئے خدمت کرنی پڑتی ہے۔ البتہ بیس سال کی عمر میں اگر کسی طالب علم کا امتحان قریب ہو یا اُس کی تعلیم میں ہرج ہوتا ہو تو حکام وقت کی اجازت سے اُسے اور ایک دو سال تک فوجی خدمت میں شریک ہونے سے معاف کیا جاتا ہے۔ فوجی خدمت کے زمانہ میں پہلا سال جبکہ لوگ کام سیکھتے ہیں اُنہیں اپنے گھر سے اپنا خرچ چلانا پڑتا ہے لیکن اُسکے بعد روٹی کپڑا اور تھوڑا سا جیب خرچ جو چھ سات روپے سے زیادہ نہیں ہوتا انہیں سرکار سے ملتا ہے۔ جو لوگ فوج میں داخل ہونے سے پہلے اچھی تعلیم حاصل کر چکتے ہیں اُن سے پیدل میں صرف ایک اور سواروں

میں صرف دو سال خدمت لی جاتی ہے۔ اسکے بعد یہ لوگ ریزرو میں چلے جاتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ اور جب ضرورت ہو ملک کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ ان دو تین سال کی خدمت کے بعد ریزرو میں آجانے والوں کو اگلے سال سات آٹھ ہفتہ اور اس سے اگلے سال چار یا پانچ ہفتہ اکٹھ خدمت کرنی پڑتی ہے۔ اس طرح سے یہہ سارا ملک سپاہیوں کا ہو گیا ہے۔ اور بقول ایک جرمن کے اب کوئی غنیم کبھی جرمنی پر حملہ آور نہ ہوگا۔ جو لوگ بارہ سال تک فوج کی ملازمت کر چکتے ہیں ان میں سے بعض کو انتخاب کر کے سول کی ملازمت مثلاً ڈاکخانہ ریلوے جنگلات وغیرہ میں نوکری دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکخانہ اور ریل کے ملازموں اور کلرکوں تک کی فوجی وردیاں ہوتی ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ابھی فوجی سپاہیوں اور افسروں نے ڈاک خانہ یا ریل پر قبضہ کر لیا ہے۔

برلن کے عجائب خانے

گو میں نے اپنا تمام وقت شہر کے قابل دید مقامات عجائب اشیا اور تجارتی کارخانوں کے دیکھنے میں صرف کیا تاہم میں دیکھتا ہوں کہ میں نے برلن کو بہت کم دیکھا ہے۔ عجائب خانے یہاں ایک درجن کے قریب ہیں۔ جو اپنے اپنے رنگ میں سب بے نظیر ہیں۔ ایک میں اقوام دنیا کی تاریخی و معاشرتی زندگی کے سامان ہی ہیں۔ اسکو "فولکر کنڈے میوزیم" کہتے ہیں۔ ایک میں قدیم زمانے کے رومن لوگوں کے بُت اور سامان۔ قدیم یونانیوں۔ مصریوں وغیرہ وغیرہ اقوام کے بُت۔ قبریں اور آثار موجود ہیں۔ ایک زراعتی عجائب خانہ ہے۔ جس میں آلات زراعت۔ تخم و ترقی زراعت کی تاریخ کے تمام مدارج دکھلائے

گئے ہیں۔ ایک میں شاہان جرمنی کی یادگاریں اور تاریخی سامان جمع کئے گئے ہیں۔ ایک کا نام پوسٹ آفس میوزیم ہے۔ اس میں ڈاکخانہ کی ترقی کی تاریخ کے مختلف سامان جمع کر کے دکھلائے گئے ہیں۔ ایک میں مذہب عیسوی کی ترقی کی تاریخ ہے۔ عجائب خانوں کے متعلق مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ فولکر کنڈے میوزیم میں جہاں دنیا کے ہر ملک کے لوگوں کے سامان کافی اور کافی سے زیادہ موجود ہیں۔ عرب۔ ایران اور ہند کا ایک تنکا نہیں دکھلایا گیا۔ البتہ چین کے بہت سے سامان جمع تھے۔ اور آجکل چین میں شورش برپا ہونے کی وجہ سے لوگ بڑے شوق سے ان حالات کو دیکھتے تھے۔ ہندوستان کے حصہ میں اتنی دلچسپ چیزیں تھیں کہ کلکتہ کے بڑے عجائب خانہ میں لوگوں کی سوشل زندگی کی ضروریات کی نمائش اس سے بڑی نہ ہوگی۔ جس عجائب گاہ میں قدیم زمانہ کے بُت اور تصاویر جمع کئے گئے ہیں اُسے قدیم و جدید عجائب گاہ اور پکچر گیلری کہتے ہیں یہ بڑی عالیشان دو منزلہ عمارت ہے۔ جسکے وسط میں ایک عظیم الشان گول ہال ہے جسکی دیواروں اور چھت پر دلکش مرقعے کھینچے گئے ہیں۔ اس عجائب گاہ میں پرانی چیزوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ یونانیوں کے بتوں میں سقراط اور افلاطون ارسطو اور دیگر نامور لوگوں کے بُت موجود تھے۔ جن میں سے بعض اصلی قدیم زمانہ کے بنائے ہوئے اور باقی یوروپ کے دیگر عجائب خانوں کے اصلی بتوں کی نقلیں تھیں۔ اسی طرح رومیوں کے بُت بھی بہت تھے۔ ایک حصہ صرف حضرت مسیح و مریم کے انواع و اقسام کے بتوں اور تصویروں کے لئے مخصوص تھا۔ جن میں مٹی و دھات پتھر غرض ہر چیز کے بنے ہوئے بُت پڑے تھے۔ ایک حصہ میں قدیم مصریوں کے ممیان یعنی مصالح لگی ہوئی

لاشیں اور بادشاہوں اور دیوتاؤں کے بُت اور زنانہ کی چیزیں تھیں۔ ایک حصہ میں یونانیوں کے قدیم زمانہ کی آرٹ کی چیزیں بے شمار تھیں یہاں کے عجائب خانوں میں عورتیں مردوں سے کم نہیں آتیں خواہ مضمون کیسا خشک ہو۔ ایک عورت ایک دیوی کی تصویر نقل کر رہی تھی۔ بعض کمروں کی دیواروں پر قدیم زمانہ کے تاریخی اور قیاسی مضامین کی تصویریں بنائی گئی تھیں۔ اور بعض دیواروں پر اسی مطلب کی فریز آویزاں کی گئی تھی۔

تعلیم کا چرچا یہاں تعلیم جبری دی جاتی ہے۔ ہر شخص قانونًا پابند ہے کہ اس کے گھر میں جو بچہ آٹھ سال کا ہو اُسے بارہ سال تک پڑھنے کو مدرسہ میں بھیجتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاڑیبان مزدور پولیس کانسٹیبل اور دوکاندار سب خواندہ ہیں۔ تعلیم کا خرچ بھی زیادہ نہیں ہے۔ جو لوگوں کو ناگوار معلوم ہو۔ لیکن جو تعلیم یہاں کی زیادہ دلچسپ ہے وہ صنعت و حرفت کی تعلیم ہے۔ یہاں پرائمری سکولوں کو بیئور کہتے ہیں جو شہر میں ہوتے ہیں۔ لوئر سکولوں کو ریال سکول اور مڈل اور ہائی سکولوں کو گمنازیم کہتے ہیں۔ اور پیشے اور حرفے مثل نجاری و آہنگری وغیرہ سکھانے کے مدرسے گیوربن سکول کہلاتے ہیں۔ اکثر غریب غربا لوگ تو بچوں کو ابتدائی سکولوں سے نکال کر پیشے سکھلا لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اعلیٰ تعلیم اپنی اولاد کو دینا چاہتے ہیں یا اعلیٰ اور علمی پیشے سکھلانا چاہتے ہیں تو وہ گمنازیم میں طلبار کی تعلیم ختم ہو چکنے پر انہیں یا تو یونیورسٹی میں بھیجتے ہیں اور یا ٹیکنیش ہوخ شولے یعنی ٹیکنیکل ہائی سکول میں۔ ہرچند کہ جرمنی کی یونیورسٹیاں عرصے سے مشہور چلی آتی ہیں۔ اور یورپ کے علمی معیار کو بلند کر رہی ہیں اور اہل یورپ کے خیالات پر جرمن یونیورسٹیوں نے بڑا اثر ڈالا ہے مگر یونیورسٹی کی تعلیم پر ٹیکنیکل تعلیم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یونیورسٹی

کی ڈگریاں حاصل کرنے والے لٹس اور گریک علاوہ دیگر ذھنی علوم کے پڑھتے ہیں اور پادری بننے کے لئے عبرانی ضرور سیکھتے ہیں۔ لیکن مشرقی زبانوں کا مدرسہ علیحدہ ہے۔ جہاں چینی جاپانی عربی فارسی سنسکرت سکھلائی جاتی ہے۔ اسکے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کہ اس کے اندر مشرقی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ گورنمنٹ جرمنی صنعت و حرفت کے مدارس کے علاوہ فن زراعت باغبانی علاج المویشی مرغیاں پالنے اور دودھ دہی مکھن اور میوہ جات پیدا کرنے کے مدرسوں پر بہت روپیہ خرچ کرتی ہے جو ملک میں بکثرت جاری ہیں۔ لیکن جس چیز نے اس زمانے میں جرمنی کو بہت بڑی شہرت اور عزت دی ہے۔ وہ یہاں کا پالی ٹکنی کم یعنی ٹکنیکل ہائی سکول ہے۔ یہ مدرسہ اب ایک سو ایک سال سے جاری ہے۔ پچھلے سال اسکے صد سالہ سالگرہ کا جلسہ بھی ہُوا تھا۔ مجھے اسکے دیکھنے کا جتنا زیادہ شوق تھا۔ اتنا ہی اسکے دیکھنے کا سامان عسیر الحصول تھا۔ آخر ایک صاحب سے پروفیسر ڈاکٹر سٹیون ہاگن کے پاس سفارش کرائی۔ اور اس نے پرنسپل سے اجازت حاصل کر دی۔ اور میں ساڑھے پانچ گھنٹے برابر اس عالی شان تعلیمگاہ کی مختلف منزلوں اور درجوں کا طواف کرتا رہا پہلے پہل کمسٹری کا حصہ دیکھا جس میں مختلف کمرے اجزاے کمسٹری کے نمونوں تجربات اور لکچر دینے کے لئے مختص تھے۔ ایک پروفیسر نے اپنے کمرے میں لیجا کر تاریکی کر دی۔ اور پھر بجلی کی روشنی سے سامنے ایک چادر پر عکسی تصویریں بنا کر دکھلائیں۔ اور اور بھی چند تجربات دکھلائے۔ یہ حصہ کہ جس میں آرگینک وان آرگینک کمسٹری اور فوٹوگرافی سکھلائی جاتی ہے اصل سکول کی عمارت سے علیحدہ ہے۔ گو سکول کی اصل عمارت جو پانچ

دنیا میں سب سے بڑا ٹکنیکل سکول۔

چھ منزلوں کی بڑی وسیع ہے اور سات آٹھ سال میں ختم ہوئی تھی مگر وہ اب اتنی غیر مکتفی معلوم ہوتی ہے کہ اتنی ہی ایک اور وسیع عمارت اسکے ساتھ زیر تعمیر ہے۔ دن بدن طالب علم اور سکول کے عجائب خانوں کا سامان اتنا بڑھ رہا ہے کہ مکان وسیع کرنے کے سوا اسکے چارہ نہ تھا۔ آجکل تین ہزار طالب علم یورپ کے ہر ملک اور قوم کے یہاں تعلیم پاتے ہیں۔ بیچ کا صحن اور ہال کمرہ کہ جسے اولاً کہتے تھے نہایت پر تکلف ہیں جو کسی شہنشاہ کے قصر میں موجب زینت ہو سکتے ہیں۔ کئی پروفیسروں اور سائنس کے عالموں کے بت اور تصاویر تمام عمارت میں جا بجا رکھے ہوئے ہیں۔ بڑے کمرہ میں قیصر ولیم اول کا رو بہ بت ہے۔ ایک عجائب خانہ میں ہر قسم کی مشین کا چھوٹا سا نمونہ طالب علموں کے سمجھانے کے لئے رکھا ہوا ہے لیکن ایک دوسری جگہ ایک مکان میں مشینوں کے ہر پرزہ کو اس کا عمل ذہن نشین کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ کر کے رکھا گیا ہے۔ بلکہ ایک ایک پرزہ کے مختلف عمل اسکے مختلف حصوں سے دکھلائے گئے ہیں۔ ابتدائی تعلیم کا کمرہ اور کئی کلاس روم۔ مطالعہ کے کمرے۔ اور کتب خانہ مشہور مصور اور آرٹسٹ شنکل کا عجائب خانہ۔ پلوں کی تعمیر کے سامان۔ اور پلاسٹر آف پیرس کے بتوں کا کمرہ۔ عالی شان گرجوں اور دیگر عمارات کے چھوٹے ماڈلوں (نمونوں) اور نقشوں کے کمرے۔ دخانی جہازوں کے نمونوں کے کمرے۔ نقشہ کشی۔ نجاری اور علم رنگ کے لکچر کے کمرے اور خدا جانے اور کتنے کمرے اور لکچر روم تھے۔ خلاصہ یہ کہ بارہ بجے دوپہر سے ساڑھے پانچ بجے شام تک تمام مکان کو دیکھا۔ مگر دکھلانے والا شخص جو یہیں کا ایک ملازم تھا کہتا تھا کہ ابھی آدھا مدرسہ بھی نہیں دیکھا

کو یہ مدرسہ سو سال سے برلن میں جاری ہے۔ اور اہل جرمنی کی موجب فخر
ہے لیکن صرف گذشتہ پچیس تیس سال سے اسے غیر معمولی ناموری حاصل ہوئی
ہے جیسے کہ جرمنی کی دستکاریوں نے غیر ملکوں میں رواج پایا ہے۔
انگلستان تک سے لوگ بچوں کو جرمنی میں تعلیم حرفت کے لئے بھیجتے
ہیں۔ پہلے ہر قوم کے طالب علم انگریز امریکن روسی اطالی یہاں اس قدر
داخل ہوجاتے تھے۔ کہ جرمنوں کی حق تلفی ہوتی تھی۔ لیکن اب دو تین
سال سے پہلے جرمن طلبا داخل کئے جاتے ہیں اور اگر گنجایش ہو تو باقی
قوموں کے طالب علم لئے جاتے ہیں۔ سوائے ٹرکی اور یورپ کے
ہر چھوٹے بڑے ملک کے طالب علم یہاں موجود تھے۔ ایک جگہ اس مدرسہ
کے اُن بہت سے طلبا کے نام سنہری حروف میں کندہ ہیں جو جرمنی کے
گذشتہ جنگ فرانس میں مارے گئے تھے۔ سکول کے عقب میں برقی
روشنی حاصل کرنے اور سرما میں مدرسہ کے کمرے گرم رکھنے کے لئے
بڑی بڑی برقی کلیں دو مکانوں میں لگی ہوئی ہیں۔ جرمنوں کا یہ کہنا ذرہ
بھی بیجا نہیں کہ اتنا بڑا مدرسہ اس فن کا دنیا میں کوئی دوسرا نہیں مسلمان
بڑے ناز سے اب تک کہہ دیا کرتے ہیں کہ قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی میں
ایک وقت میں دس ہزار طالب علم پڑھتے ہیں۔ اور مراکو کے فیض کے
دارالعلوم میں بھی کئی ہزار طالب علم پڑھتے ہیں۔ مگر بھلے آدمیو دیکھو تو سہی کہ
وہ کیا پڑھتے ہیں۔ اور یہ کیا پڑھتے ہیں۔ جن علوم کو الازہر اور فیض میں پڑھایا
جاتا ہے وہ اب بوسیدہ ہڈیاں ہوچکی ہیں۔ کوئی ہیئت ہی پڑھنے والے کو
ذرہ امریکہ کی مشہور ینکب یونیورسٹی کی رصدگاہ میں۔ یا گرینچ دانگلستان
کی رصدگاہ میں لیجاکر مقابلہ تو کرے کہ وہ فرضی علم ہیئت صحیح ہے یا یہ

عینی مشاہدہ ستاروں کا عظیم الشان دوربینوں سے۔ جو لوگ اس قسم کے تماشاؤں
کو پسند نہیں کرتے۔ وہ مجھے معاف کریں۔ تو و طوبیٰ و ما و قامتِ یار۔ فکرِ
ہر کس بقدرِ ہمت اوست ٭ اس ٹکنیکل سکول کی لائبریری میں ستر ہزار کتابیں
صرف صنعت و حرفت و علوم فنون پر جرمنی، فرانسیسی۔ انگریزی اور دوسری
یوروپین السنہ میں ہیں۔ میں نے منصرم کتب خانہ سے

آثار صنادید اسلام۔

دریافت کیا کہ کوئی مشرقی ملکوں کی کتاب بھی ہے۔ تو اس نے تلاش کر کے
ایک پون گز کی لمبی چوڑی کتاب کی تین جلدیں میرے سامنے لا رکھیں۔ اس
کتاب کا نام فرانسیسی زبان میں یہ ہے ۔

اس کتاب میں مسلمانوں کی دوسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی تک
قاہرہ کی نہایت خوبصورت عمارات۔ مساجد اور آرٹ کی دوسری چیزوں کی
نہایت عمدہ تصاویر اور نقشے تھے۔ اس کتاب پر جو پیرس میں چھپی ہے اس
کتب خانہ کے چار پانچ سو مارک (۱۲۰ روپے) خرچ آئے ہیں۔ مجھے اُمید
ہے کہ ہندوستان کے ۷ کروڑ مسلمانوں میں سے ایک کے پاس بھی اس
کتاب کی کاپی نہ ہوگی۔ ایسی عالی شان اور خوبصورت مساجد اور مقابر کے نقشے
اس میں موجود ہیں کہ میرا مخاطب مجھے کہنے لگا کہ مسلمان اس پر جس قدر فخر
کریں بجا ہے ۔ ع ایں سطرِ جادہ ہا کہ بصحرا نوشتہ اند۔ یاران رفتہ از نقش پا نوشتہ اند
مگر میں نے کہا کہ ساتھ ہی مسلمان جس قدر ماتم کریں وہ بھی بجا ہے کیونکہ اب
اُن کے پاس یہ فن بھی نہیں رہا ہے۔ برلن کا ٹکنیکل ہائی سکول یہاں کی
یونیورسٹی سے بھی زیادہ مرغوب اور زیادہ بڑا ہے۔ اس ٹکنیکل ہائی سکول کے
معائنہ کے دوران میں اس کی عظمت اور سامان کو دیکھ کر مجھے اپنا آپ نہایت

یاران ما ز نقش کف پا نوشتہ اند

حقیر معلوم ہوتا تھا۔ اور مایوسی ہمت کو ایسا پست کر رہی تھی کہ دل میں خیال گذرتا کہ اس زندگی کا تو خودکشی سے خاتمہ کر دینا چاہئے جو ایسی ناکارہ ہے۔ یہ ایک ایسے سلسلہ خیالات کا نتیجہ تھا کہ جسکے یہاں درج کرنے کی ضرورت نہیں لیکن یہہ تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایسی تعلیم گاہ ابھی دو صدیاں بعد تک قائم نہیں ہوگی۔ سکول کے سامنے میدان میں ایک طرف جرمنی کے مشہور توپ ساز کارخانہ کرپ کے بانی کرپ کی اور دوسری طرف ایک نامور برقی انجینیری کے کارخانہ والے سیمن کے روئیں بُت نصب ہیں۔ ٹکنیکل سکول دیکھ کر میں اس قدر محو حیرت تھا کہ میرے رفیق نے دونوں گائیڈوں کو اپنی گرہ سے دو مارک (ایک روپیہ) دیدئے جو مجھے دینے چاہئے تھے۔ لیکن مجھے خبر نہیں ہوئی۔

عظیم الشان دوربین کی سیر

برلن کی قابل دید چیزوں میں جو میں نے دیکھی ہیں ٹریپٹو کی دوربین کا بھی ذکر کرنا چاہئے۔ ٹریپٹو ایک مقام مضافات برلن میں شہر سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک خوشنما باغ اور تفریح گاہ ہے جہاں ہر روز ہزاروں لوگ سیر کے لئے آتے ہیں۔ یہ دوربین بوجہ اپنی جسامت اور اسکے نیچے کی مشین کے جو برقی طاقت سے چلتی ہے ایک عجیب چیز ہے۔ جو کل اڑہائی لاکھ مارک کے خرچ سے ستر آدمیوں کے چندہ سے سنہ ۹۷ء میں پروفیسر آرخن ہولڈ کی ڈیزائن پر بنائی گئی تھی۔ اسکا طول ۲۱ میٹر یعنی ۷۰ فیٹ سے زیادہ ہے۔ اور آجتک یورپ اور امریکہ میں لمبی سے لمبی دوربین ۱۸ میٹر کی موجود ہے۔ پیرس کی نمائشگاہ میں جو سب سے بڑی دوربین بنی تھی۔ وہ نامکمل رہی تھی۔ اِسلئے اسوقت یہی دنیا میں بڑی لمبی دوربین ہے اس کے ڈائرکٹر پروفیسر آرخن ہولڈ سے ایک موقع پر میری اچھی ملاقات ہوگئی تھی۔ اور اُنھوں نے مجھے دوربین سے بعض ستارے اور چاند دکھلانے

کی دعوت کی تھی۔ چنانچہ میں نے چاند زحل زہرہ مریخ وغیرہ ستاروں کو اس میں سے بہت عمدگی سے دیکھا۔ چاند بہت صفائی سے ایک مجلّی سنہری برتن کی طرح بہت قریب معلوم ہوتا تھا کہ جسے دیکھ کر نظر خیرہ ہوتی تھی۔ اور جس کی سطح پر کتنی چٹنیاں چھوٹی بڑی موجود تھیں۔ یہ چاند کے پہاڑ اور گھاٹیاں تھیں پروفیسر کہتا تھا کہ بیچ کی گہرائی ضرور چاند کا سمندر ہو گی جواب خشک پڑا ہے۔ کہیں کہیں ایسے پتھر کے چٹان اور ٹکڑے نظر آتے تھے جیسے کسی ٹوٹے ہوئے پہاڑ کے پہلو میں گرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ زہرہ ایک اعلیٰ درجے کے ہیرے کی طرح جھلملاتا ہوا چھوٹا سا ستارہ نظر آیا۔ پروفیسر کہتا تھا کہ روشنی کی رفتار فی گھنٹہ ۲۳ ہزار میل ہے اور اندازہ کیا گیا ہے کہ اس رفتار سے ۱۸ سال چلکر ویگا کی روشنی ہم تک پہنچتی ہے۔ العظمت للہ۔ دوربین کا ڈھانچ کہ جس پر یہ قائم ہے اور جس کے ذریعے سے یہ سینکڑوں من لوہا ذرہ سے اشارے سے جدھر چاہو ایک ملی میٹر کے دسویں حصہ تک برقی طاقت سے بڑی آسانی کے ساتھ مڑ سکتا ہے۔ چونکہ ستارے ہمیشہ آگے یا پیچھے کو حرکت کرتے رہتے ہیں اسلئے دوربین کو بھی ہر دم اسی سمت میں چلنا چاہیے۔ یہی اُسکے پھرانے کا سامان نہایت عجیب اور دلچسپ ہے۔ تم وسط میں دوربین کے مُنہ کے قریب کھڑے ہو۔ اور ایک بٹن کے دبانے سے یہ تمام دیو بہت دھیمی رفتار سے تمہارے گرد گھوم رہا ہے۔ امید کی جاتی تھی کہ یہاں کی گورنمنٹ جلد اس دوربین کو خرید لے گی۔ بہت لوگ زر داخلہ دے کر ہر شام اس میں سے اجرام فلکی دیکھنے آتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے مجھے نہایت مہربانی سے بہت دیر تک دوربین کے ذریعے سے ستارے دکھلاکر پھر اپنا علم ہیئت کا عجائب خانہ دکھلایا۔ جس میں ہیئت کے دیوانوں کیلئے

بہت سا مصالحہ اجرام فلکی کے نقشوں اور فوٹوگرافوں وغیرہ کا موجود تھا۔ اسمیں چاند اور سورج کی مختلف زمانوں کے چارٹ موجود تھے کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اجرام فلکی کے علم نے کن مدارج سے ترقی کی ہے۔ کئی کلیں ستاروں کی رفتار سمجھانے کے لیئے موجود تھیں۔ ایک لکچر روم تھا کہ جو ایک دم میں برقی روشنی سے منور ہو جاتا تھا۔ سب سے دلچسپ بات یہاں یہہ پیش آئی کہ جب سے یعنی چار سال سے یہہ دوربین بنی ہے۔ اسکے ملاحظہ کرنے والوں کی تعداد اب ایک لاکھ تک پہنچی ہے اور لطف یہ ہوا کہ اتفاقاً یہ لاکھواں نام میرا درج رجسٹر وزیٹران ہوا تھا۔ پروفیسر آرخن ہولڈ یہہ دیکھکر بہت خوش تھا اور سب لوگوں سے کہتا تھا کہ ہمارا ہندوستانی دوست لاکھواں وزیٹر ہے۔ پروفیسر نے دوسرے روز برلن کے کل اخبارات میں یہ بات چھپوادی۔ کہ ٹریپٹو کی دوربین کا لاکھواں وزیٹر فلاں ہندوستانی ہے اور جبکہ میں پیرس میں تھا تو مجھے کئی ایک جرمن اخبارات کے ٹکڑے کاٹ کر بھیجے۔ جن میں میرے دوربین کے دیکھنے کا قصہ درج تھا۔ مجھ پر تو اس اعتبار کا کچھ اثر نہ ہوا۔ لیکن یہ لوگ ایسی باتوں پر مرتے ہیں برلن کی بہت سی لیڈیاں اور جنٹلمین مجھے اُس شام کو بنظر حسرت دیکھتے تھے کہ لاکھواں وزیٹر ہونے کی انہیں عزت کیوں نہ ملی۔

پروفیسر آرخن ہولڈ علم ہیئت کا بڑا استاد ہے۔ گذشتہ سال کے ماہ مئی میں آفتاب کا کامل گرہن دیکھنے کے لیئے یہ گورنمنٹ کی طرف سے الجیریا کو بھیجا گیا تھا۔ اور اب ایران اور سماٹرا کو بھی علم ہیئت کی تحقیقات کے لیئے سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ دوربین دکھلانے کے بعد پروفیسر صاحب اور اُن کی بیوی نے مجھے دعوت دی۔ یہاں دعوت دینا کوئی مشکل بات نہیں۔

کسی ریسٹارنٹ یا ہوٹل میں جاکر جو کھانا مطلوب ہو مانگ لو اور اسکے دام دیدو
یہ شام کا وقت اور پانی کا کنارہ تھا۔ جہاں ہزارہا لوگ کھانا کھا رہے تھے۔
ایک چھوٹی سی برقی طاقت سے چلنے والی کشتی پر سوار ہو کر لوگ ایک جزیرے

جولائی میں سردی کی شدت

میں پہنچتے تھے جہاں ٹریپٹو کا رسٹارنٹ تھا۔ میں اس شام
کو ہمیشہ یاد رکھونگا۔ نہ اسلئے کہ ٹریپٹو کی دوربین میں چاند
کو تھوڑے فاصلے سے دیکھ لیا تھا۔ بلکہ اسوجہ سے کہ آج ۹ جولائی کو اس قدر
سردی تھی (شاید بارش کی وجہ سے آج غیر معمولی سردی تھی) کہ میری ہڈیوں میں
مغز سکڑا جاتا تھا۔ اور میرے کندھے درد کرنے لگے۔ حالانکہ میں نے سوائے
اوورکوٹ کے باقی سب کپڑے موسم سرما کے پہنے ہوئے تھے۔ اس پر
بھی پروفیسر آرخن ہولڈ کی ایک بات پر مجھے ہنسی آجاتی تھی۔ پروفیسر صاحب
تھوڑی سی انگریزی جانتے تھے۔ اور شاید اس روز ان کے ذہن سے وائف
(بیوی) کا لفظ اتر گیا تھا۔ اسلئے جا بجا گفتگو میں اپنی بیوی کے ذکر کے متعلق
ہسبنڈ (شوہر) کا لفظ استعمال کرتے۔ پروفیسر نے آج شام کو کسی قدر
دیر سے وہاں پہنچنے کی یہ وجہ بیان کی کہ چونکہ جرمنی سے آج چین کو فوج روانہ
ہونے والی ہے جسکے گورنمنٹ نے اسلئے بلایا تھا کہ میں فوجی افسروں کو وہ
قاعدے بتادوں جن سے وہ برلن اور چین کے وقت کا فرق معلوم کر سکیں
اسلئے میں نے اپنی ہسبنڈ (شوہر) کو ٹیلیفون کے ذریعہ سے خبر کردی تھی کہ وہ مہمان

ٹیلیفون کا آرام

کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے جلدی پہنچ جائے۔ ان
ملکوں میں ٹیلیفون بڑے آرام کی چیز ہے۔ شہر کے جس حصہ میں کوئی شخص ہو
ایک دم میں ہر دوسرے حصہ کے لوگوں سے بات چیت کر سکتا ہے۔ میں
اخبار لوکال انسائیگر کے دفتر سے جب بذریعہ ٹیلیفون پروفیسر کو اپنے آنے

کی اطلاع بھیجی تھی تو پروفیسر رصد گاہ میں نہ تھا۔ وہاں سے اسکے کلرک نے اپنی ٹیلیفون سے کسی دوسری جگہ اطلاع دی۔ اور پروفیسر نے کہلا بھیجا کہ میں تھوڑی دیر میں رصد گاہ میں پہنچ جاؤں گا۔ اگر کوئی شخص مکان سے جانیسے پہلے اپنا پتہ بتلا جائے تو بذریعہ ٹیلیفون ہر جگہ اُس سے بات چیت ہو سکتی ہے۔

پروفیسر کی بیوی کے علاوہ اُن کے ساس اور سسر اور ایک اَور دوست اور اسکی بیوی تھے جن کی نئی شادی ہوئی تھی اور انگلستان سے یہاں ہنی مون منانے آئے تھے۔ لیڈیاں مجھ سے تعجب سے پوچھتیں کہ کیوں ہندوستان میں خاتونیں پردہ میں رکھی جاتی ہیں۔ اور کہتیں کہ پھر گھر کا سودا سلف کون خریدتا ہوگا اور انتظام امور خانہ داری کون کرتا ہوگا۔ ایک جنٹلمین نے تعجب سے پوچھا کہ کیا وہ اچھے کپڑے اور خرچ کرنے کو روپے بھی نہیں مانگتیں۔

برلن کے اخبارات

ہاں یہاں کے اخبارات کا بھی تھوڑا سا حال سُنانا مناسب ہے۔ میں اوّل درجے کے چند اخبارات کے ایڈیٹروں سے ملا ہوں اور چند دوسروں سے بوجہ عدیم الفرصتی نہیں مل سکا کہ جنہوں نے مہربانی کرکے مجھ سے ملنا منظور کیا تھا۔ میں نے ایک روز اوّل درجے کے پانچ چار اخبارات کے ایڈیٹروں کو ملاقات کے خط لکھ دئے تھے۔ قریب قریب سب کے جوابات دوسرے دن تک پہنچ گئے۔ یہاں کا سب سے بڑا اخبار "لوکال انساگر" ہے۔ افسوس ہے کہ میں اسکے انٹرپرائزنگ مالک مسٹر گمبٹ شیرل سے تو نہ مل سکا کہ جس نے اپنی طبّاعی اور لیاقت سے ایک چھوٹا سا اخبار نکال کر آج اسکو برلن کے اخبارات میں سب سے ممتاز بنا لیا ہے۔ کیونکہ وہ شہر سے باہر گیا ہوا تھا تاہم مسٹر فنڈیک نے اپنے چیف کی غیر حاضری میں مجھے اپنا سارا کارخانہ جس کی پانچ منزلیں زمین سے اوپر اور ایک

زیر زمین بھی دکھلایا - شاید اس سے بعد مجھے اس سے بڑے کارخانے اخبارات کے دیکھنے کا اتفاق ہو - لیکن اس وقت تک یہ کارخانہ سب سے بڑا ہے جو میں نے دیکھا ہے - علاوہ لوکال انسائگر کے صبح شام کے ایڈیشنوں کے "خلاصہ ملٹ پوسٹ" "روزانہ" - "وہانناگ رجسٹر" "تمام شہر کے کرایوں کا رجسٹر ہفتہ وار" "دوخے" "باتصویر ہفتہ وار اسی کارخانہ سے نکلتے ہیں - شہر برلن کی ڈائرکٹری بھی یہیں چھپتی ہے جسکے صفحے سال بھر سٹینڈ نگ الماریوں میں پڑے رہتے ہیں - اور تھوڑی بہت اصلاح ہوکر ہر سال چھپتے ہیں - یہ سات چھوٹی اور بارہ بڑی مشینیں چھاپتی ہیں - ہر بڑی مشین آٹھ صفحہ کے اخبار "لوکال انسائگر" کو ۲۵ ہزار فی گھنٹہ کے حساب سے چھاپتی - کاٹتی اور توڑتی ہے - لوکال انسائگر ہر روز سوا دو لاکھ چھپتا ہے - صرف اُن عورتوں اور مردوں کی ایک چھوٹی سی فوج کام کر رہی تھی - جو اخبار گن گن کر بھیجنے کو تیار رہے تھے - ایک سو کے قریب وردی پوش کلرک دفتر میں تھے - دو تین کلرک صرف روپیہ کا کام کر رہے تھے - ان کے سامنے پانچ چھ ہزار روپے کی اشرفیاں اور چاندی کے سکے رکھے تھے جو عجب نہیں کہ آج کی اخبارات کی فروخت کا نتیجہ ہو - یہ لوگ مجھے مختلف صیغے دکھلاتے ہوئے اُس جگہ لے گئے جہاں تصویریں بنتی تھیں - اور مجھے کہنے لگے کہ ہم بہت جلد تصویر بنا سکتے ہیں - تمکو دکھلاتے ہیں ذرہ ٹھیرے رہو - ایک دم میں کیمرہ لاکر اُنہوں نے میری تصویر کی سہ پہر کا وقت تھا - شام کو تصویر تیار کر کے میرے پاس ہوٹل میں بھیج دی - اور پشت پر لکھ دیا کہ بیادگار تمہارے اس کارخانے کو دیکھنے کے یہ تصویر ہدیہ کی جاتی ہے - اتنی جلدی فوٹوگراف لینا - ڈیولاپ کرنا - اور چھاپ کر بورڈ پر لگا کر حوالہ کر دینا بہت عجلت کا کام ہے - ان کے اخبارات میں ہمیں

کچھ کچھ حالات چھپے تھے۔ جو مجھے بعد میں ملے۔

دم کشی کی ڈاک

برلینر ٹاگ بلاٹ جو یہاں کا اول درجہ کا آزاد اور انٹرنیشنل اخبار سمجھا جاتا ہے اسکے ایڈیٹر ڈاکٹر لیوی ان نے میرے خط کا جواب بذریعہ "اورہ پوسٹ" دم کشی کی ڈاک کے اسی روز سہ پہر کو بھیجدیا تھا۔ یہ طریقہ خط بھیجنے کا بھی برلن میں عجیب ہے۔ جس خط کو بہت جلد شہر کے دوسرے حصے میں بھیجنا مطلوب ہو۔ اسپر معمولی ڈاک سے دو چند محصول کا ٹکٹ چسپاں کیا جاتا ہے۔ گو ڈاک دن میں بارہ دفعہ تقسیم ہوتی ہے۔ لیکن اورہ پوسٹ کے خط اس سے بھی پہلے ایک نلکوں کے سلسلہ کے اندر سے بذریعہ ہوا کے زور کے پہنچائے جاتے ہیں۔ ایسے خطوں کو نلکہ میں ڈالکر پیچھے مشین کی ہوا سے دھکا دیا۔ اور دم زدن میں منزل مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں سے تار کی طرح جلدی تقسیم کر دیئے گئے۔ پیچھے معلوم ہوا کہ لنڈن میں بھی یہ طریق ڈاک کا جاری ہوگیا ہے۔ اور پیرس میں بھی۔ "پیٹی بلو" (نیلا چھوٹا) کے نام سے ایک نیلے رنگ کا خط شہر کے اندر اسی سرعت سے جا سکتا ہے۔ غرض چٹھی پاتے ہی میں ۷ جولائی کو ۵ بجے

برلینر ٹاگ بلاٹ کے ایڈیٹر سے ملاقات

شام کے مقررہ وقت پر برلینر ٹاگ بلاٹ کے دفتر میں پہنچا۔ یہاں اخبارات کے دفتروں کے باہر لوگوں کا ہجوم دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ جو تاربرقی خبریں دمبدم ان دفتروں میں پہنچتی رہتی ہیں انہیں فوراً چھاپ چھاپ کر دفتر کے باہر بازار میں آویزاں کیا جاتا ہے۔ اور لوگ ان کے پڑھنے کے لئے ہر وقت جمع رہتے ہیں۔ دفتر کے اندر ایک شخص جو غالباً لوگوں کو ہر قسم کی اطلاع دینے کے لئے ملازم ہوتا ہے اس نے مجھے ایک کوچ پر بٹھالیا۔ بعد خود میرا مطلب پوچھ کر

چیف ایڈیٹر صاحب کو بتلانے گیا۔ ڈاکٹر لیوی سن اپنے کمرے سے باہر نکل کر
مجھے اندر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ انگریزی کسی قدر تکلف سے اور فرانسیسی
سہولیت سے بول سکتا تھا۔ اس وقت اسکے سامنے پروف پڑا ہوا تھا جسے
وہ دیکھ رہا تھا۔ گو اسکے ماتحت نصف درجن سے زیادہ نائب ایڈیٹر تھے۔ اور
دائیں ہاتھ کی طرف میز پر ٹیلیفون لگا ہوا تھا۔ کچھ اور کاغذات بھی میز پر بکھرے
پڑے تھے۔ میں نے معذرت کی کہ بلا کسی خاص کام کے میں نے آپ کا
ہرج کیا ہے کیونکہ میں روزانہ اخبار نویسی کی مصروفیت سے کسی قدر واقف
ہوں۔ ڈاکٹر لیوی سن نے مجھ سے ہندوستان کی سوشل اور پولیٹکل امور کے
متعلق کئی سوالات کیئے۔ اور جب اُسے معلوم ہوا کہ پنجاب افغانستان کی
سرحد سے ملحق ہے تو پوچھا کہ کیا میری رائے میں ہندوستان کو روس کے حملہ
کا اندیشہ تو نہیں۔ اور امیر کا میلان کدھر ہے۔ میں نے کہا روس کے لیے
افغانستان سے ہندوستان تک پہنچنا آسان کام نہیں۔ اور چونکہ افغانوں کو
روسیوں سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے وہ اُن کے طرفدار نہیں ہوسکتے
پھر ہندو مسلمانوں کی آبادی اور گورنمنٹ سے رعایا کے تعلقات پر گفتگو کی اور
جب میں نے سمجھایا کہ کانگریس والے وہی خدمات انجام دینا چاہتے ہیں جو کسی
سلطنت میں فریق مقابل گورنمنٹ (Opposition) ادا کرتا ہے تو اُسکا ظن
رفع ہوا کہ رعایا سرکار سے ناراض نہیں۔ میرے پاس پیسہ اخبار کا نمونہ موجود

پیسہ اخبار کی قیمت کی ارزانی

تھا۔ چیف ایڈیٹر اُسے دیکھ کر خوش ہوا۔ اور اُس کی
قیمت کی ارزانی اور مقدار اشاعت دونوں باتوں کو پسند
کیا۔ بلکہ مجھ سے نوٹ لے لیا۔ اور اپنے دوسرے روز کے اخبار میں میری
ملاقات کی کیفیت مع پیسہ اخبار کے ایک کالم کے فوٹو گراف کے چھاپ دی۔

اثنا سے گفتگو میں جب میں نے اُس کے سوال کے جواب میں کہا کہ برلن
عمدہ شہر ہے اور قوم جرمن میں بسمارک ہمپولڈٹ اور سٹائن جیسے لوگ گذرے
ہیں کہ جن کے بُت شہر میں جابجا نصب ہیں تو اُس نے کہا کہ جب تم لندن
کو دیکھو گے تو اس سے زیادہ پسند کرو گے کیونکہ انگریزوں کی شایستگی زیادہ قدیم
ہے اور اُن کے عجائبات کے ذخیرے ہم سے بڑے ہیں۔ گو ان تک پہنچنے میں
تو میرا کارڈ کئی ناتھوں اور دوسرے آدمیوں کے ہاتھوں میں پھرتا رہا تھا
لیکن جب میں ان کے سینکٹم سنکٹورم میں پہنچ گیا۔ اور ان سے ہر قسم کی باتیں
ہوتی رہیں۔ تو پھر یہہ دروازے تک چھوڑنے آئے۔ بلکہ اس سے بھی باہر
آکر باہر کے دروازے تک اڈیئو کہہ کر چھوڑ گئے۔ اڈیئو بمنزلہ خداحافظ جرمنی
اور فرانس میں یکساں مروج ہے۔ اور قسطنطنیہ میں بھی اسکا عام رواج ہو گیا ہے
میں نے اکثر اہل اخبارات کو آسٹریا و جرمنی میں خلیق پایا ہے۔ اخبارات یہاں
کے بڑا رسوخ رکھتے ہیں۔ بلحاظ دولت کے بھی بڑے بڑے تجارتی کارخانے
ہوتے ہیں۔ ہر کارخانہ میں روزانہ قیمتوں کے روپیوں اور اشرفیوں کے
ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ اسلئے ان کی کاؤنٹنگ ہوسوں پر بنکوں کا شبہ ہوتا
ہے۔ روزانہ اخبارات کے دفتروں کے باہر دم بدم تازہ تار برقیاں چھپاں
ہوتی رہتی ہیں جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں جنہیں عام لوگ آکر پڑھتے ہیں اسلئے اخبارات
کے دفتروں کے دروازوں کے آگے لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ مزدور گاڑیبان۔
چھاپڑی فروش۔ کوچے صاف کرنیوالے غرض سب لوگ لکھے پڑھے ہیں۔ اسلئے
شایستگی کا لوگوں کی طبائع پر بہت بڑا اثر معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم نے تعصبات اور جہالت
کے عیوب کو دور کر دیا ہے۔ لوگ ہر دم ترقی کرنیکے لئے محنت کرتے ہیں اور چونکہ علوم سے بہرہ یاب ہوتے
ہیں ہر روز نئی نئی کلیں اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں۔ ایسی کلیں کہ جنہیں کام کرتے دیکھ کر

تعجب آتا ہے یہ سب محنت کا اجر ہے بلا محنت اور کوشش کے کبھی عزت نہیں مل سکتی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے ؎

بقدر الکد تکتسب المعالی ومن طلب العلی سہر اللیالی
یغوص البحر من طلب اللآلی ویحظی بالسیادۃ والنوال
ومن طلب العلی من غیر کد اضاع العمر فی طلب المحال

برلن کی دکانوں میں مال تجارت

بڑی بڑی [illegible]
لیکن ان کے شہر بھر میں جا بجا واقع ہیں جو نہایت دلکش انداز سے مال و
اسباب کے ذخیروں سے لبریز ہیں۔ ان میں سے کئی ایک کے دیکھنے کا اتفاق
ہوا۔ انہیں دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ موجودہ ترقی اور شائستگی نے [illegible]
کس قدر بڑھا دی ہیں کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں چیزیں [illegible]
ہو سکتا۔ صرف بچوں کے کھلونے سینکڑوں بلکہ ہزاروں قسم کے ہوتے
ہوں گے اور چونکہ ان ملکوں میں دولت بہت زیادہ ہے یہ کھلونے [illegible] بڑا
بڑا دام پاتے ہیں جرمن اور نکل چاندی کا ایک نیا مرکب مال [illegible]
جسے سلبرٹ کہتے ہیں۔ اس کے کھانے کے برتن خوبصورت [illegible]
برتن بھی چیزیں سونے کی معلوم ہوتی ہیں۔ ہر قسم کی چیزوں کے [illegible]
اقسام کے نمونے بنائے جاتے ہیں تاکہ [illegible] دیکھ کر لوگ [illegible]
جس کے پاس ایک ڈیڑھ انچ کا لمبا یا چوڑا میٹر ہو وہ [illegible]
بھی دلکش سمجھ کو صرف [illegible] ہے۔ یورپ اور امریکہ میں دولت [illegible] کی
ترقی نے ایک نئی قسم کی دوکانیں پیدا کی ہیں جنہیں [illegible]
دنیا کی ہر چیز ایک جگہ فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی [illegible]
لندن میں وائٹلی کی اسی قسم کی دوکان ہے کہ جو [illegible]
اور جس [illegible] اپنے موقع پر آئے گا [illegible] قسم
کی دوکان ہے کہ جس میں تمام دنیا کی چیزیں بھری پڑی ہیں [illegible]

کئی دکانیں ہیں ۔

برلن کی سب سے بڑی دکان ۔ اسی قسم کی ایک دکان برلن میں بازار لیپزگر میں
بھی میں نے دیکھی۔ اس کا نام "ویرٹہیم اسے ٹوسٹ ہام" ہے یہاں کس کس قسم
کا مال تھا اس کی تفصیل لکھنا محال ہے خلاصہ یہ ہے کہ اہل برلن کی روزمرہ
ضرورت کی کوئی چیز نہ ہوگی جو یہاں نہ تھی۔ گو یہ مکان بڑا وسیع تھا لیکن ابھی
ساتھ کے مکانات اس کے ساتھ ملا کر اسے اور وسیع کر رہے تھے۔ اور اس
مکان کی چھت آئینوں کی تھی۔ بیچ میں ایک بہت بڑا صحن تھا اور دونوں
طرف مکان تین تین منزلیں مال و اسباب سے پٹا ہوا تھا۔ گو اس میں تین
چار جگہ سیڑھیاں تھیں مگر دونوں پہلوؤں پر دو لفٹ لگے ہوئے تھے جو
ہر وقت گاہک عورتوں کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر لاتے لیجاتے
رہتے تھے۔ گاہک زیادہ تر بلکہ قریب قریب سب عورتیں تھیں۔ اور دوسری
دکانوں کے ملازم بھی تمام عورتیں تھیں۔ جو دو تین سو سے کم نہ ہونگی۔ ہمیں اور ہمارا
رفیق تمام دکان کے تینوں منزلوں میں ہر طرف پھرے مگر کسی نے نہیں ٹوکا
کہ کیا تلاش ہے یا ہو گئے۔ ہر قسم کے سامان کا جدا حصہ تھا اور ہر حصہ میں کس
قسم کا مال کم قیمت تھا۔ ہر حصہ میں ایک یا زیادہ بیچنے والی عورتیں بڑی تندہی
سے مال بیچ رہی تھیں۔ یہاں بہ نسبت دوسری دکانوں کے اس وجہ سے مال
ارزاں بیچا جاتا تھا کہ یہاں ہر قسم کا مال بڑی مقدار میں خرید لیا جاتا تھا
دکان کے مالک دولتمندوں کی ایک کمپنی تھی۔ خرید فروخت کا طریقہ
دیکھنے کے لئے میں نے برلن کے قابل دید مکانات کی ایک البم خریدی۔
جس کی قیمت ایک مارک ۲۲ پفنگ تھی۔ بیچنے والی عورت نے بڑے اخلاق
سے اس کی اکثر تصویریں الٹ پلٹ کر دکھائیں۔ لیکن جب میں نے اس کی قیمت
اسے دینی چاہی تو اس نے نہ لی۔ بلکہ قریب کی ایک دوسری میز کا پتا
بتلا دیا۔ جہاں ایک دوسری لڑکی نے ایک فارم پر کیا اور ایک تیسری نے اسے

کتاب میں چڑھا کر قیمت وصول کی۔ اور چھٹی سے نے اس البم کو ایک کاغذ میں اچھی طرح پیکٹ باندھ کر ہاتھ میں لٹکا لے جانے کے لئے ڈورہ باندھ دیا۔ جبکہ میں وہاں تھا تخمیناً دو اور اڑھائی ہزار کے مابین ایک وقت گاہک اس دوکان میں ہونگے اسی سے اس دوکان کے روزانہ سودا کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

لاہور کے ریشم کی قسمت

لاہور میں کئی سو کارگاہ ریشم کا کپڑا بننے والوں کے ہیں کسی زمانہ میں ان کے بنے ہوئے کپڑے کی بڑی قدر تھی اور ان کے گلبدن اور چوڑا بافی کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ لیکن جب سے مشین کا بنا ہوا ریشم کا سستا اور ظاہراً خوبصورت ولایتی کپڑا آنے لگا ہے ان لوگوں کی کساد بازاری ہو گئی ہے۔ ہر چند کہ اب بھی ہندوستان میں دور دور تک لاہور کا ریشم تحفہ سمجھا جاتا ہے اور حقیقت میں بہت عمدہ ہے میں ان ریشم بننے والوں کی ہمدردی کے خیال سے اس ریشم کے کچھ نمونے بھی ساتھ لے گیا تھا۔ اور میں نے برلن میں ان کے لئے بازار ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اور ایک آڑھت کے ساتھ ریشم کا کپڑا بھیجنے کے لئے دوکانوں پر گیا۔ مگر افسوس ہے کہ مجھے برلن میں ذرا بھی اس بارہ میں کامیابی نہ ہوئی۔ ان لوگوں نے لاہور کے ریشم کے ارزاں نمونوں کی نسبت کہا کہ عمدہ بنے ہوئے نہیں ہیں اور زیادہ قیمت کے نمونے جو اچھے بنے ہوئے ہیں وہ گراں ہیں اور جرمنی میں لوگ ارزاں ریشم خریدنے کے عادی ہیں۔ جو جرمنی یا دیگر ممالک کے ملوں سے آتا ہے۔ یا کہ سوئٹزرلینڈ سے بہت سستا ریشم جرمنی میں آتا ہے جس کے چند سال قبل ایک جرمن سوداگر نے بطور امتحان بمبئی کو بھی روانہ کئے تھے اور ۲۲ گز پر بکے تھے معلوم ہوا کہ جرمنی میں اب تک دستور ہے کہ غریب دہقان گرمیوں میں تو کھیتی باڑی کرتے ہیں اور جاڑوں میں بوجہ سردی کی شدت کے بیکار ہوتے ہیں مگر وہ ریشم کا کپڑا بنا کرتے ہیں تاہم ان لوگوں نے لاہور کے ریشمی کپڑے کی مضبوطی کو پسند کیا مگر کہا کہ گاہک

ارزاں کپڑا خریدنے کے عادی ہیں۔ بیس سال پہلے برلن میں ایسا بھدا ریشم پہنا جاتا تھا۔ اب لوگ زیادہ نزاکت پسند ہو گئے ہیں۔ پردوں کے لئے بھی یہ زیادہ گراں تھا۔ ایک شخص نے صلاح دی کہ اگر قیصرہ جرمنی ایک لباس اس ریشم کے کپڑے کا پہن لے تو تمام فیشن ایبل سوسائٹی میں اس کا رواج ہو جائے۔ ایک شخص نے اس بات پر تعجب کیا کہ ایک ہندوستانی اپنے ملک سے مال کے نمونے جرمنی میں لایا ہے۔ جو بڑی تعجب کی بات ہے ؎

گل آورد سعدی سوئے بوستاں
بشوخی فلفل ہندوستاں

بشوخی چو فلفل

چونکہ فرانس میں اب تک بکثرت ریشم دستی کارگاہوں میں بُنا جاتا ہے۔ اور لاہور کے ریشم سے سستا ہوتا ہے اسلئے اور کسی جگہ یورپ میں لاہور کے ریشم کے بکنے کی صورت نہ پیدا ہوئی۔ البتہ قسطنطنیہ اور بیروت میں اسے بہت پسند کیا گیا۔ اور بعض سوداگروں نے کچھ نمونہ کے تھان لینے بھی منظور کئے۔ وہ صرف رنگ اور کپڑے کے عرض میں کچھ اصلاح چاہتے تھے۔ گو لاہور کے ریشم بننے والوں کو میری محنت سے اب تک تو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ مگر اتنی بات کا مجھے یقین ہو گیا کہ اگر کوئی شخص جو مجھ سے زیادہ وقت اس کام پر یورپ کے سوداگروں میں صرف کر سکتا ہو وہ ضرور لاہور کا ریشم بکثرت فروخت کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کی بزازی کے کام کی جیسا کہ ہوشیارپور وغیرہ مقامات میں بنتا ہے۔ یہاں [illegible] رہا تھی۔ اور ایک سوداگر نے بڑی خواہش سے مجھ سے اس کا پتہ پوچھا تھا۔

برلن کے قہوہ خانے

برلن کی زندگی ہرگز مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہاں کے قہوہ خانوں کا ذکر نہ کیا جائے بیسٹر ہوٹل کے نیچے کی منزل میں ایک عظیم الشان قہوہ خانہ تھا جس میں صبح ۹ بجے سے رات کے ایک دو بجے تک ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا اور خدمتگاروں کو کسی وقت بھی دم لینے کی فرصت

ملتی تھی۔ یہی حال اور قہوہ خانوں کا میں نے دیکھا جہاں کہیں کہ میں گیا۔ شہر کے اندر اور نواح شہر میں ہزاروں قہوہ خانے تھے اور یہاں کے لوگ کچھ ایسے بلا خور ہیں کہ کسی وقت قہوہ خانے والے فارغ نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک روز ایک صاحب ۔ بیور (Baue) قہوہ خانہ میں مجھے لے گئے۔ برلن میں یہ قہوہ خانہ بڑا تاریخی مکان مشہور ہے۔ یورپ اور جرمنی کے بڑے بڑے نامور لوگ یہاں قہوہ پینے آتے ہیں۔ اور یورپ میں اس کا نام خود برلن کی طرح مشہور ہو گیا ہے۔ دنیا کے ہر ملک کا اخبار اس قہوہ خانہ میں منگوایا جاتا ہے جو اخبار برلن میں اور کسی جگہ نہ آتا ہوگا وہ یہاں ملے گا۔ یہ قہوہ خانہ تمام رات کھلا رہتا ہے اور مالک اس سے لاکھوں روپیہ پیدا کر چکا ہے۔

برلن میں ٹپ کا رواج اور ٹپ کا ان میں اس قدر رواج ہے کہ ان میں سے بہت سے بلا تنخواہ صرف اسی کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔ نواح شہر کے ایک قہوہ خانہ میں میرے ایک جرمن رفیق نے قہوہ پینے کے بعد جب ویٹر کو ٹپ دیا تو میں نے اُسے کہا کہ یہ تو بڑی قبیح رسم ہے۔ بہتر ہو اگر قہوہ خانوں کے مالک چیزوں کی قیمتیں بڑھا دیں جو پہلے بھی کچھ کم نہیں۔ اور اپنے ملازموں ویٹروں وغیرہ کو اپنی گرہ سے تنخواہ دیا کریں۔ اس نے کہا یہ تمہارا ہی خیال نہیں۔ یہاں کے اخبارات نے بھی اس بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے اور کئی لوگوں نے اس طریقہ کو برا کہا ہے۔ بلکہ دو برس ہوئے ہیں خود ویٹروں نے برلن میں ایک کانفرنس کی تھی اور اس میں اس مطلب کے ریزولیوشن پاس کئے تھے کہ ہمیں یہ طریقہ تنخواہ کا پسند نہیں کیونکہ اس سے بدتر دوسرا طریقہ دنیا میں ایجاد نہیں ہوا ہم کو لوگوں کی خوشی پر منحصر ہے کہ ہمیں کافی دیں یا نہ دیں۔ میرے دوست نے کہا پیرس میں ٹپ کا طریق اور بھی زیادہ مروج ہے کہ جہاں سے برلن میں آیا ہے اور اس کا معیار یہ ہے کہ کھانے کی قیمت کا دسواں حصہ ویٹر کو دیا جاتا ہے لیکن پیرس میں ویٹر اس پر بھی خوش نہیں ہوتے۔ ویٹروں کے قصے میں اور لکھ

ایسے ہی صافہ اور کوٹ ایسے ہی اکثر سیاہ ہوتے ہیں کہ جیسے شیعہ لوگ سوگ کے پہنتے ہیں لیکن بعض ان پر سفید کوٹ اور اوپر سفید تہبند باندھ لیتے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کی بھیڑ میں ممیز ہوں۔ ایک ہی تحریر ریسٹورانٹ میں ٹوپی منع تھا لیکن یہاں بھی جب میرے رفیق نے دیا تو خادمہ نے بلا تامل لے لیا۔

عورتوں کا کام برلن کے کارخانوں اور دکانوں میں اس قدر عورتیں نوکر دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کی آبادی تو اس لحاظ سے آدھی ہی کام کرتی ہے کیونکہ سب عورتیں گھروں کے اندر بیکار رہتی ہیں سوائے ان معدودے چند کے جو کھیت کیار کے کام میں اپنے شوہروں کو مدد دیتی ہیں۔ حالانکہ یہاں کے کاموں سے اگر سب عورتیں نکال لی جائیں۔ تو سب کام بند ہو جائیں مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ صرف کنواری یا بیوہ عورتیں ہی ملازمت کرتی ہیں۔ متاہل عورتیں گھروں میں رہتی ہیں۔ اور یہی وہ عورتیں ہوتی ہیں جو بازاروں یا تفریح کے مقامات میں مردوں کے ساتھ چلتی پھرتی دیکھی جاتی ہیں۔

بے مزہ کھانے اتفاقاً لنچ کے لئے ایک اچھے ریسٹورانٹ میں میں ہر روز یہ سمجھ کر کہ یہ یہودیوں کا ریسٹورانٹ ہے کھانا کھانے جایا کرتا تھا۔ لیکن چھ سات روز کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہودیوں کا نہیں ہے بلکہ عیسائیوں کا ہے تب مجھے اپنی غلط فہمی پر بڑا افسوس ہوا۔ قصۂ درویش بر جان درویش ویٹروں کو کچھ ہدایت کر کے خاموش ہو گیا۔ مجھے یورپ میں پہنچ کر جو تکلیف ہوئی وہ صرف کھانے کے متعلق تھی۔ ہمارے اور اہل یورپ کے کھانوں میں اس سے زیادہ فرق ہے جتنا کہ خود ہمارے اور اہل یورپ میں ہے۔ عجیب طرح کے بے مزہ اور بے رنگ اور بے نمک گوشت اور ترکاریاں پکاتے ہیں کہ جنہیں پھینک دینے کو جی چاہتا ہے نہیں بلکہ کھانا دیکھ کر رونا آتا ہے۔ گوشت کھانے کی نسبت سے اپنے ملک میں بھی میرے خیالات نرالے ہیں۔ میں سادہ سے سادہ

کھانا کھا سکتا ہوں لیکن زیادہ چکنی یا چربی والے یا ٹھنڈے گوشت نہیں کھا سکتا لیکن یہ سب چیزیں اکثر اضطراراً مجھے کھانی پڑیں کبھی سنترے منگواتا تو وہ شکر کی طرح میٹھے نکلتے بلکہ ساگ شکر میں پکا ہوا میں نے کھایا ہے۔ شوربوں میں آٹا اور شکر کیا کیا ملاتے کہ حریرہ سے موٹا ہو جاتا ہے کئی وقت صرف اسلئے فاقہ کیا کہ کھانا مرغوب نہیں ملتا تھا۔ غرض میرا کھانے کا معاملہ کچھ نفس کا مسئلہ اور کچھ عادت کی بات تھی جو دلیلوں سے نہیں بدل سکتی تھی ؛

یہودیوں کا ذبیحہ

یوں تو یہودیوں کے یہاں بھی کھانے ویسے ہی بے رنگ اور بے ذائقہ ہوتے ہیں لیکن وہاں کھانے کی ترغیب یہ تھی کہ ان کے یہاں مسلمانوں کی طرح سور کا گوشت حرام سمجھا جاتا ہے اور ذبیحہ وہ مسلمانوں سے بھی زیادہ احتیاط کرتے ہیں۔ اسلئے یہودیوں کے ریسٹورنٹوں اور ذبیحہ کا تھوڑا سا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ تمام یورپ کے جس ملک میں یہودی رہتے ہیں۔ خواہ بود و باش زبان اور لباس کی ہر ایک ظاہری طرح میں وہ اپنے ہمسایہ عیسائیوں کے مشابہ ہو گئے ہوں لیکن ذبیحہ کھانے کے وہ بڑے پابند ہیں ان کے دکانوں اور ریسٹورنٹوں پر عبرانی زبان کے یہ حروف [illegible] لکھے ہوتے ہیں جن کا تلفظ کوشر ہے یعنی ذبیحہ ہے۔ صرف شہر لنڈن کے ایسٹ اینڈ کوچہ میں ڈیڑھ سو کوشر قصابوں کی دکانیں ہیں۔ یہودیوں میں ذبیحہ کی کس قدر احتیاط کی جاتی ہے کہ ان کا ذبح کرنے والا عالم یا امام کئی سال تک ذبح کرنے کے علم اور فن کو سیکھ کر امتحان دینے کے بعد پیشہ ور جانوروں کے کاٹنے کی اجازت پاتا ہے۔ پھر ذبح کرنے والی چھری کی دھار کو بڑی صفائی سے تیز رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہفتہ میں دو چار بار [illegible] اور پانچ [illegible] بعض بڑے مذہبی افسر آ کر اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور اگر چھریاں ذرا بھی کند ہوں تو ذبیح

کر لینے اور اسکے حلق کو سزا دی جاتی ہے۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ کم از کم تکلیف سے جانور کی جان فنا ہو۔ ذبح کرنے سے پہلے ایک دعا پڑھی جاتی ہے اور ذبح ہو چکنے کے بعد بھی گوشت کو بڑے غور سے دیکھا جاتا ہے۔ خصوصاً جانور کے پھیپھڑوں کو۔ اگر اس میں کوئی قصور ہو یا عام صحت میں کوئی نقص پایا جاوے تو ذبح ہوا ہوا جانور یہودیوں کو کھانے کی ممانعت کی جاتی ہے۔ مثلاً سنہ [illegible] کی آخری سہ ماہی میں صرف لنڈن میں ۱۱ ہزار بھیڑیں یہودیوں نے ذبح کی تھیں اور ان میں سے ۷ ہزار رد کی گئیں جو عیسائیوں نے کھائیں۔ غرض یہودی ذبیحہ کھانے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہیں اور سوئٹزرلینڈ میں جہاں کے قانون کے مطابق وہ اپنے رسوم کے ساتھ ذبح نہیں کر سکتے وہ وہاں دوسرے ملکوں سے ذبح ہوا ہوا گوشت جس پر ذبیحہ کی مہر لگی ہو منگوا لیتے ہیں۔

ٹوپی اور پگڑی کا اثر میں سفر یورپ کے تمام وقت میں ترکی ٹوپی ہی پہنے رہا ہوں گو لنڈن وغیرہ شہروں میں بعض اوقات مجھے لوگوں نے صلاح دی کہ ایک انگریزی ٹوپی [illegible] پہن لوں لیکن مجھے ضرورت معلوم نہ ہوئی۔ البتہ کبھی کبھی جب زیادہ سردی معلوم ہوتی تو میں پگڑی باندھ لیتا۔ چنانچہ برلن میں [illegible] میں نے پگڑی بھی باندھی۔ جو کچھ تو سردی کی وجہ سے تھی اور کچھ اس خیال سے [illegible] اور برلن میں دو تین دفعہ بعض لوگوں نے مجھ سے ترکی زبان میں گفتگو کرنا چاہی اور مایوس ہو گئے۔ بعض لوگ عربی میں بھی مجھے مخاطب کرنے لگے تھے۔ ٹامس کک پسنجر ایجنٹ کا کلرک عربی میں گفتگو کرتا تھا۔ میرے دل میں تھوڑا سا یہ بھی خیال گزرا تھا کہ کسی جاننے والے کو شاید اتنی بات یاد رہے کہ کوئی ہندوستانی بھی گھر سے باہر نکلنے لگے ہیں یا کوئی اور بھولا بھٹکا ہندوستانی کہیں سے مجھے دیکھ لے تو پہچان سکے مگر وہاں کے لوگ خصوصاً عورتیں اور بچے تو پگڑی کو عجیب لباس خیال کرتے تھے اور کئی راہ چلتے اشارے کرتے جاتے تھے۔ اس ٹوپی اور پگڑی سے مجھے کسی قدر نقصان بھی ہوا کہ کسی

لوگوں گاڑی والوں اور مزدوروں وغیرہ نے مجھے نیم وحشی سمجھ کر مجھ سے اپنے حق سے زیادہ پیسہ تقاضا کر کے لیا +

اتھنالوجی کا عجائب گاہ فولکر کنڈے عجائب گاہ کہ جسے اتھنالوجیکل میوزیم بھی کہتے ہیں۔ برلن کا نہایت دلچسپ عجائب گاہ ہے۔ ۸۔ جولائی بروز یکشنبہ میں معہ ایک جرمن دوست کے اسے دیکھنے گیا۔ جو آج مجھے نواح برلن میں اپنے گھر لیجانے کے لئے لینے آیا تھا۔ آج ۱۲ سے ۲ بجے تک عجائب گھر کھلا تھا۔ یہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں لیتے اور نہ چھاتوں کی اجرت دینا لازمی ہے۔ گو میرے رفیق نے جاتے ہوئے ایک آنہ دے دیا۔ مکان کے وسطی ہال میں مختلف قوموں کے مذہبی عبادات کے بت اور دیوتا موجود تھے۔ یہیں جگن ناتھ پوری کی مشہور رتھ کی نقل اصلی رتھ کے حجم کی رکھی ہوئی تھی۔ کہ جس کے پہیوں کے نیچے قدیم زمانہ میں اہل ہنود کچل کر مرجانا موجب ثواب سمجھتے تھے۔ میکسیکو کا ایک بہت بڑا گول پتھر جس پر وہاں کے دیوتاؤں کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں پڑا تھا جس کی نسبت خیال ہوا کہ اسے یہاں تک لاتے کس طرح ہوں گے۔ ایک ترکی لیڈی کا موم کا بت زیورات میں کھڑا تھا جس کے ایک ہاتھ میں پیچوان اور سامنے رحل پر قرآن کھلا پڑا تھا۔ عجائب گاہ کی پہلی منزل پر یونانیوں کے برتن اور کھلونے۔ اہل سائبیریا ترکستان اور قدیم اہل جرمنی کے قدیم و جدید شکل ضروریات پوشاکیں اور آثار تھے جس سے معلوم ہوا کہ قدیم زمانہ میں اہل جرمن لاشیں جلاتے تھے۔ بعض لاشیں محفوظ کر کے مثل ممی کی محفوظ بھی رکھی جاتی تھیں۔ اہل جرمنی و سویڈن ناروے کے قدیم زمانہ کی زیورات میں بالکل اسی قسم کے ہنسلیاں (گلے میں پہننے کی) اور چوڑیاں ملی اور جیسی آجکل پنجاب کے دیہات میں پہنی جاتی ہیں اور جنہیں "ول" کہتے ہیں دیکھی گئیں۔ ایک قسم کی ہنسلیاں چاندی کے تاروں کو رسی کی طرح بٹنے سے بنائی گئی تھیں۔ جو

بیچ میں زیادہ اکسٹروں پر کم ہو کر ایک ہو گئی تھیں اور پنجاب میں بچوں کے گلے میں جو چاندی کے زیورات پہنائے جاتے ہیں ویسے معلوم ہوتی تھیں۔ ایک جگہ بحیرہ بالٹک کے عربوں کے زیور تھے لیکن بالٹک میں عرب گھر بنا کر کب رہتے تھے؟

ان سب چیزوں کے دیکھنے سے خیال ہوتا تھا کہ انسان کی ابتدائی نسلیں اپنے سامانوں اور ضرورتوں میں کس قدر ایک دوسرے کے مشابہ تھیں۔ اسی سے واقفان علم انتھروپولوجی نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان قوموں میں کسی زمانہ میں بڑا تعلق اور ربط و ضبط تھا۔ اسلئے ان کے حالات اس قدر مشابہ ہیں۔ دوسری منزل پر وحشی افریقہ کے مختلف اقوام کی ضروریات ان کی مختلف شکلوں اور قومی دیوتاؤں کے متعلق سامان کا بھاری مجموعہ تھا افریقہ کے بے شمار مختلف قومیں آپس میں ایک دوسرے سے نہ بلحاظ شکل ہی مختلف ہیں بلکہ بلحاظ خیالات و عادات اس قدر متضاد ہیں کہ گویا ایک دوسرے سے بڑے بڑے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ بعض قدیم قومیں جو افریقہ اور نیز امریکہ کے ہیں۔ مردوں کی لاشوں کو محفوظ کر کے رکھنے کا رواج پایا جاتا ہے اور ان کے مردوں کی بیسیوں لاشیں موجود ہیں۔ ایسی وسیع نمائش گاہ پر جرمنی کو لاکھوں روپے خرچ کرنا پڑے ہونگے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر صیغہ میں کافی سامان اس ملک کے لوگوں کی ضروریات اور حالات کا ہے۔ وحشیان افریقہ کی ایک بہت بڑی لکڑی کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنائی ہوئی کشتی بھی رکھی ہوئی تھی اور کئی ایک پورے قد کے جھونپڑے سرکنڈوں اور پھوس سے بنا کر رکھے ہوئے تھے تیسرے منزل میں سیلون۔ ہندوستان، کشمیر۔ ہمالیہ۔ برہما۔ تبت۔ سیام چین۔ جاپان کے ذخیرے تھے۔ مگر عرب و ایران کے سامان بالکل نہ تھے میرے ساتھی کو ہندوستان کی مختلف اقوام کے بتوں کی شکل و شباہت

میں اس قدر نتائج دیکھ کر تعجب ہوا۔

پنجاب کا ذخیرہ — پنجاب کے متعلق ذخیرہ کافی نہ تھا۔ گو لاہور کے کپڑے بازار کی آٹھ آنے والی ایک چارپائی بھی پڑی تھی لیکن اس سے لوگ یہی نتیجہ نکال لیتے ہوں گے کہ ہندوستانی صرف ایسی ہی چارپائیاں استعمال کرتے ہوں گے۔ ایک صادق الاخبار بہاولپور کا نمونہ سیالکوٹی کاغذ پر چھپا ہوا رکھا تھا میں نے وہاں رکھنے کے لئے پیسہ اخبار اور انتخاب لاجواب کے نمونے مع ایک سنہری لکھے ہوئے رسالہ کے جو اتفاقاً میرے پاس تھا عجائب گاہ کے اعلیٰ افسر کے پاس بھیجوا دیئے جن کے مجھے بعد میں شکریہ کا خط بھیجا چین اور جاپان کے زندگی کے بہت بڑے سامان جمع کئے گئے تھے اور چینیوں کے فنون اور زندگی کے ضروریات پوری طور پر دکھلائی گئی تھیں اور آج کل بوجہ شورش چین کے انہیں ہی لوگ زیادہ توجہ سے دیکھتے تھے۔ کئی چینی کپڑے پورے قد کے بنا رکھے تھے۔ ایک جگہ ایک ماہی گیری کی کشتی اور اس کے ساتھ کئی بگلے رکھے ہوئے تھے۔ یہ بگلے چینیوں کے لئے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ لیکن اس لئے کہ خود ہی مچھلی نہ نگل جائیں ان کے گلوں میں چھلے ڈال رکھے تھے۔ چینیوں کا کشیدہ اور دیگر دستکاریاں ان کے عجب کی لیاقت ظاہر کرتی ہیں۔ ایک جگہ ہاتھی دانت کے گولے تھے جو ایک دوسرے پر غلاف کی طرح چڑھے ہوئے تھے یعنی کہ ایک ہی بڑے ٹکڑے کو کاٹ کاٹ کر اسی میں سے یہ سب گولے نکالے گئے تھے جو ایک دوسرے کے اندر موجود تھے۔ چوتھی منزل پر بھی چینیوں کی چیزیں اور جاپانیوں کی چینا اور اسلحہ جنگ وغیرہ تھے۔ عجائب خانوں میں جو محافظ ہوتے ہیں کیسے معقول اور خاصے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔

عجائب گاہ سے فارغ ہو کر ہم نے ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا اور پھر پائٹ لام ریلوے سٹیشن سے ہم کرونا والڈ کی آبادی کو گئے۔ جہاں قریب ہی

قیصر جرمنی کے ہرنوں کا خوبصورت جنگل کئی میل کا ہے اور جہاں عین آبادی کے وسط میں پرنس بسمارک کا رونین ثبت معہ ایک بڑے کتے کے نصب تھا کیونکہ وہ یہیں رہنا پسند کرتا تھا۔ جرمنی کے بڑے کتے شیر کے ہم قد ہوتے ہیں۔ ریل کے سٹیشنوں پر بوجہ اتوار کے بڑی رونق تھی۔ اتوار کے روز ہر زن و مرد تفریح اور سیر میں صرف کرنا چاہتا ہے اور بہت لوگ شہر سے باہر بھاگ جاتے ہیں۔ جو لوگ دن بھر شہر میں کام کرتے ہیں اور رات کو مضافات شہر میں اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے سیزن ٹکٹ لے رکھے ہیں۔ مزدوروں کے سیزن ٹکٹ جو چھ سات میل کے حلقہ کے اندر رہنے والے ہیں روپیہ سوا روپیہ ماہوار سے زیادہ قیمت کے نہیں ہوتے۔ جو در اصل برائے نام کرایہ ہے۔ غرض یہ ہے کہ غریب لوگوں اور مزدوروں کو ہر طرح سے سہولیت بہم پہنچائی جائے۔

ایک ہی جگہ میں مختلف طرز تعمیر کے مکانات

اس آبادی میں بڑے بڑے امیروں نے شہر سے باہر گھر بنا رکھے ہیں اور ہر گھر کی طرز تعمیر نرالی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کسی عمارت کی طرز رومن کسی کی گاتھک کسی کی گریک کسی کی اسلامی اور کسی کی مخلوط طرز اختیار کی ہے۔ بقول میرے رفیق کے معماروں نے اپنی عقل کو بے لگام چھوڑ کر مکانات کے نقشے بنائے تھے۔ برقی ٹریم سے یہاں بھی چند منٹ کے بعد گذرتی ہے۔

اطلاع کی گھنٹی

دستور ہے کہ یہاں دیوار میں ایک حلقہ یا بٹن ہوتا ہے کہ جسے دبانے سے مکان کے اندر گھنٹی بجتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص دروازہ کھلوانا چاہتا ہے۔ زور زور سے گھر والوں کو پکارنے اور چلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مسٹر ہوجر میرے رفیق نے اسی طرح اپنے گھر پہنچ کر اطلاع دی۔ نوکرانی نے آکر دروازہ کھولا۔ مسٹر ہوجر نے مجھے اپنی بیوی سے ملاقات کرائی۔ اور پھر میاں بیوی نے اپنے گھر کے کمرے اور تمام سامان

گھر کا سامان

اور کھلونے مجھے دکھائے۔ یہ متوسط الحال لوگ ہیں لیکن گھروں

کا سامان ایسا ستھرا اور خوشنما ہے اور ایسے سلیقہ سے سجایا ہوا ہے کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی ہے۔ ان کے کئی کھلونوں اور چھوٹے چھوٹے مکان سجانے کی چیزوں کی تاریخ ہے جو مجھے سنائی گئی۔ یہی کیفیت میں نے یورپ کے مختلف ملکوں انگلستان وغیرہ میں بھی دیکھی ہے۔ جس گھر میں میں گیا ہوں وہیں گھر کی خانم نے مجھے کئی چینی کے برتن یا کھلونے یا اور سامان جو اُسے یا اس کے بچوں یا شوہر کو کبھی تحفہ ملا ہو یا شاید پچاس سو سال سے اُن کے کنبہ کے پاس چلا آیا ہو یا کسی رشتہ دار نے کسی دوسرے ملک سے تحفہ بھیجا ہو۔ دکھلایا ہے۔ ایسی چیزوں سے ان لوگوں کو بڑی وابستگی ہوتی ہے۔ لنڈن میں ایک سال خوردہ لیڈی نے مجھے وہ کھلونے دکھلائے تھے جو اُسی چار پانچ سال کی عمر میں اُسکی سال گرہوں کے موقعہ پر اُسے عزیزوں نے بطور تحفہ دیئے تھے۔ ہمارے ملک میں ان باتوں کا رواج نہیں

ایک گھر میں کھانا تھوڑی دیر کے بعد صاحب خانہ نے مجھے کھانے کے کمرہ میں طلب کیا۔ جو خوب آراستہ تھا۔ کھانے پر بیٹھے تو پہلے پہل شوربا آیا۔ جو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ٹرٹل یعنی کچھوے کا ہے۔ میں نے کھانے سے عذر کیا۔ میزبان اور اُسکی بی بی نے بھی عذر کیا کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں اسے نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ یہ بڑے تکلف کا لذیذ اور اسی لئے گراں قیمت کھانا ہوتا ہے۔ پھر جھینگا مچھلی کا دور آیا۔ میں نے اس کے کھانے سے بھی عذر کیا۔ اور انڈے لے لئے۔ دو تین قسم کا گوشت اور مربہ لیا۔ روٹی مکھن چائے چیری کا شربت پنیر پڈنگ وغیرہ۔ میوہ جات تازہ۔ مثل چیری، راسپبیری۔ اخروٹ سیب۔ اور شفتالو بار بار کھانے میں معلوم ہوتا تھا کہ میرے لئے ایک پُر تکلف دعوت کی تیاری کی گئی تھی۔ ایک شفتالو کی قیمت پچیس فینی یعنی ۲۰ سینٹی جو کاغذ کے کپڑوں میں ایک ایک خانہ میں ایک ایک بند کر کے اٹلی سے لائے جاتے ہیں۔ پڈنگ پر پسے ہوئے بادام

پڑھے لکھے تھے پست مغز سے یہ لوگ ناواقف تھے اور آم کو بھی نہیں جانتے تھے جب میز پر دوسرا کھانا منگوانا منظور ہوتا تو دیوار میں ایک بٹن دبانے سے باورچی خانہ میں گھنٹی بجتی اور خادمہ خود بخود دوسرا کھانا لیکر حاضر ہو جاتی تھی۔ دو تین گھنٹہ تک کھانے پر بیٹھے رہتے۔ مجھے سوچا ست اور کھانے کا بار بار اصرار کیا جاتا تھا پس میں میاں بیوی ایسا برتاؤ کرتے تھے جو بالکل تکلف کا معلوم ہوتا تھا جب بیوی کوئی چیز دیتی تو میاں تھینکس کہکر لے لیتا۔ اثنائے گفتگو میں مسز ہوجر نے کئی ایسی باتیں کیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑی باخبر عورت ہے اور کثرت سے اخبار پڑھتی ہے مسز ہوجر کا قول تھا کہ جرمن عورتیں پالٹیکس میں دخل دینا پسند نہیں کرتیں۔ اور بہت عمدہ بیویاں ہوتی ہیں۔ البتہ اپنے شوہروں سے باتیں کرسکنے اور انہیں بہلانے کے لیے پالٹیکس سے باخبر رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ موجودہ قیصر بیگم بھی اپنے شوہر کے پالٹیکس میں دخل نہیں دیتی۔ گو قیصر ہر امر میں اس سے مشورہ لیتا ہے۔ لیکن وہ مشورہ سے آگے ایک قدم نہیں رکھتی اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں بذاتہ خود مصروف رہتی ہے۔

تصویر والے کارڈ جمع کرنیکا شوق

کھانے کے بعد ہم لوگ ڈرائنگ روم میں گئے اور یہاں میاں بیوی نے مجھے اپنی تصویروں اور تصویر والے کارڈوں کے البم دکھلائے۔ تصویر والے کارڈوں کے جمع کرنے کا رواج دو تین سال سے برلن اور تمام یورپ میں بطور مرض متعدی کے پھیلا ہوا ہے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نئے نئے ڈیزائن کے کارڈ چھاپے جاتے ہیں۔ ہر تاریخی واقعہ مثلاً قیصر کے بیت المقدس کی زیارت کو جانے۔ یا جنگ چین پر جرمن فوجیں بھیجنے۔ یا کسی تاریخی مقام کا خوبصورت منظر اور دلچسپ خیال کا کارڈ چھاپ دیا جاتا ہے۔ اگر کرسمس کا دن بھی اس پوسٹ کارڈوں پر چھاپے جاتے ہیں۔ پتہ کی جانب تو اسی قدر خالی

ہوتی۔ سب سے پہلے دوسری طرف بعض پر تو مضمون کے دو لفظ لکھنے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ لوگ ان کے مختلف نمونوں کو اسی شوق سے جمع کرتے ہیں کہ جس سے ڈاک کے پرانے ٹکٹ جمع کرتے ہیں۔ بعض کارڈ ایسے پُرتکلف ہوتے ہیں کہ دو دو شلنگ قیمت پاتے ہیں۔ لوگ اپنے دوستوں کو فرمائشیں کرتے ہیں کہ جس شہر سے گذرو وہاں سے باتصویر کارڈ ضرور ڈاک میں بھیجنا۔ اسی اثنا میں رات کے گیارہ بج گئے۔ اور ان لوگوں نے مجھے بڑے تپاک اور مہربانی کے ساتھ رخصت کیا۔ میں نے اظہار شکرگذاری پر صاحب خانہ کی بیوی نے کہا کہ چونکہ مسافر کا وقت مقیم کی نسبت زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اس لئے از دست ہم تمہارے قدم رنجہ کرنے کے زیادہ شکرگذار ہیں۔ یہاں سے ایک میل پر دوسرا ریلوے سٹیشن تھا۔ یہاں پہنچ کے میں اپنی ریل میں سوار ہو گیا۔ اور بتلایا گیا کہ آٹھویں سٹیشن پر ریل سے اُتر پڑنا۔ چنانچہ میں بارہ بجے اپنے ہوٹل میں بھیڑ کو چیرتا ہوا پہنچ گیا۔ گو رات کے بارہ بج چکے تھے لیکن بازاروں میں بھیڑ ایسی تھی کہ گویا ابھی سر شام کا وقت ہے۔

ہندوستانی خدمتگار برلن میں

اثنائے گفتگو میں آج میزبان کی بیوی نے کہا کہ جب ہندوستان میں مزدوری کی شرح اتنی کم ہے تو کیوں نہیں وہاں سے بہت سے لوگ خدمتگاری کی نوکری اور دوسری مزدوریوں کے لئے یہاں آ جاتے۔ یہاں مزدوری بہت گراں ہے۔ یہاں گھروں میں نوکرانیاں بہت نخرے سے نوکری کرتی ہیں۔ نوکر ہونے سے پہلے پوچھتی ہیں کہ کام کیا کیا کرنا ہوگا۔ کھانا کتنا ملے گا۔ اس میں پڈنگ کتنا ہوگا۔ اور فلاں فلاں کام تو ہم سے نہیں ہو سکے گا۔ اگر نوکرانی نے دس شلنگ کا گلاس توڑ دیا اور اسے ذرا بھی چشم نمائی کی گئی۔

تو وہ جھٹ کہدے گی کہ تمہارا کام ہم سے نہیں ہو سکتا۔ تم اپنا کام سنبھالو ہم جاتے ہیں۔ میں نے کہا ہندوستان کے نوکر بہت جفاکش اور خدمتگذار ہوتے ہیں لیکن زبان اور رسم ورواج کی ناواقفیت اور یہاں کے نوکروں کی ناراضگی کی وجہ سے وہ شاید یہاں نہ ٹھیر سکیں۔ علاوہ اس کے ہندوستانی ابھی گھروں سے باہر جانا نہیں سیکھے۔ اُس نے کہا کہ ۱۸۹۶ء میں جو برلن میں ہندوستان کے متعلق نمائش ہوئی تھی تو اُس میں چند ہندوستانی لڑکے بھی آئے تھے۔ اور نمائش کے خاتمہ پر کئی اہل برلن نے چاہا تھا کہ ان لڑکوں کو رکھ لیں اور انہیں اپنے گھروں میں بچوں کی طرح پرورش کریں۔ لڑکے بھی یہاں رہنے کو خوش تھے لیکن ان کے والدین انہیں یہاں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اب بھی اگر کئی ہندوستانی لڑکے یہاں آئیں تو لوگ بخوشی انہیں پرورش کرنے کو اپنے پاس رکھ لیں۔ کیونکہ کئی لوگوں نے برلن میں حبشی بچے رکھے ہوئے ہیں۔ جن کو انہیں حسب قانون ملک مدرسہ میں بھی بھیجنا پڑتا ہے۔ بلکہ اُس نے کہا کہ مجھے اگر ایک بچہ ہندوستان سے گھر میں رکھنے کے لئے منگوا دو تو میں نوکروں کی طرح نہیں بلکہ اچھی طرح رکھوں گی ۔

ستھرے اور پاکیزہ مکانات

یہاں کے رہنے کے مکانات بڑے پُرتکلف اور صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ اور یہی حال سارے یورپ کے شہروں کا ہے۔ چھتوں میں کڑیاں کہیں نظر نہیں آتیں۔ بلکہ صاف لکڑی یا گچ کے چھت پر خوشنما بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ بمبئی کلکتہ میں بھی کئی مکانوں کے چھت اسی قسم کے ہیں دیواروں پر بیل بوٹے والا کاغذ اور کہیں کہیں کپڑا چسپاں کیا جاتا ہے۔ اسلئے مکانات میں گرد کہیں سے نہیں آتا۔ نہ ان ملکوں میں آندھیاں ہی آتی ہیں

پردے نہایت مکلف ریشمی - طلادار - یا فینسی گاچ وغیرہ کے ہوتے ہیں - سامان اور فرنیچر لکڑی - پیتل - تانبے - چینی اور ماربل کا ہوتا ہے - چارپائیاں اور بستر ایسے ہی مکلف اور آرام دہ - ہوٹلوں میں چادریں اور تکیوں وغیرہ کے غلاف بہت جلد جلد بدلے جاتے ہیں - ہاتھ منہ دھونے کے سفید تولئے ہر روز بدلے جاتے ہیں - ہوٹلوں اور رسٹارنٹوں میں کھانے پر صاف دھوئے ہوئے تولئے ملتے ہیں - ایک ویجی ٹیرین رسٹارنٹ میں کاغذ کا رومال ملتا تھا جسکو ہاتھ منہ پونچھ کر پھینک دیا - گویا اس کی قیمت دوسرے رومال کی دھلائی کی قیمت سے بھی کم تھی

مضافات شہر کے کھیتوں میں جہاں سبزی ترکاری بوئی جاتی ہے کسانوں نے مختلف کیاریوں میں لکڑیاں گاڑ کر ان پر ناموں یا نمبروں کے بورڈ لگا رکھے ہیں - اور کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے گھر جیسے کہ ریل کے سٹیشنوں میں سگنل دینے والوں کے لئے ہوتے ہیں بنا رکھے ہیں - غریبوں کے بچے یہاں بھی پابرہنہ پھرتے دیکھے -

بلجیئم وغیرہ

جہاں بگشتم و دردا بہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

۱۱ جولائی کو علی الصباح اٹھ کر میں نے چند خطوط شکریہ کے ان اہل لنڈن کو لکھے کہ جنہوں نے مجھ سے مسافر نوازی کا برتاؤ کیا تھا۔ اور مختلف مقامات کے دیکھنے اور واقفیت بہم پہنچانے میں میری مدد کی تھی۔ یورپ میں میں نے دیکھا ہے کہ گویا صبح ساڑھے تین بجے طلوع ہو جاتی ہے تاہم عام لوگ ساڑھے سات سے آٹھ نو بجے تک سوتے رہتے ہیں۔ اور اسی لئے پانچ چھ بجے اٹھنا یہاں بہت سویرا کہلاتا ہے۔

ٹپ کا سب کو ناگوار پایا

اب سوائے اسباب باندھنے اور ہوٹل کا بل بیباق کر چکا دینے کے اور مجھے کوئی کام نہیں تھا۔ تاہم مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے سر پر ابھی کام کا بھاری بوجھ لدا ہوا ہے۔ کیونکہ چلنے سے پہلے ہوٹل کے کئی ملازموں کو مجھے انعام دینا چاہئے تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ انعام یا ٹپ کا سلسلہ میرے لئے تو سفر کی ایک بہت بڑی مصیبت تھی۔ بلکہ میں نے سب انگریزوں یا اہل یورپ سے اس مشکل میں مدد مانگی ہے سب کو اس سے نالاں پایا ہے۔ کیونکہ سفر میں ذرا سی ہر نقل و حرکت کے لئے تمہیں ٹپ دینا چاہئے۔ خصوصاً ہوٹلوں کے کئی ملازموں کو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں مالکان ہوٹل تنخواہ نہیں دیتے اور صرف مسافروں کے انعام پر ان کا گزارہ ہوتا ہے۔ اسلئے اب یہ رسم قرار

پالیسی ہے کہ مسافر ہوٹل سے رخصت ہونے سے پہلے فلاں فلاں ملازموں
کو حسب حیثیت کچھ دے کر جائے۔

رخصت ہوتے وقت کس کس کو کیا کیا دینا چاہئے

پورٹر جو ہوٹل کے دروازے پر رہتا ہے یہ تمہیں
ہر قسم کی اطلاع دیتا ہے۔ اگر تمہیں گاڑی چاہئے
تو دروازے پر کھڑے ہو کر سیٹی بجاتا ہے تو گاڑی والا آجاتا ہے۔ اگر تم نے
شہر میں ٹیلیفون میں کسی شخص سے بات چیت کرنی ہو تو یہ تمہارے لئے
بات کر دیتا ہے۔ اسکے پاس ڈاک کے ٹکٹ موجود رہتے ہیں قیمت لیکر
تمہارے خطوں پر چسپاں کر دیتا ہے۔ تمہیں بتلا دیتا ہے کہ کس کمرے کا
کیا کرایہ لیگا۔ جب تم ہوٹل میں ٹھہرنے کو آؤ تو قلیوں یا گاڑیبان کو کرایہ اپنی
گرہ سے دے کر تمہارے حساب میں لکھ لیتا ہے۔ اور جب تمہارے خط
ڈاک میں آئیں تو فوراً تمہارے کمرے میں ایک لڑکے کے ہاتھ تمہارے
پاس پہنچا دیتا ہے۔ یہ شخص سب سے زیادہ انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ
ہر چند کہ یہ ہوٹل کا نوکر ہوتا ہے لیکن اسے ایک حبہ تنخواہ نہیں ملتی
بلکہ یہ اپنی انعام کی آمدنی سے دو تین ادنیٰ ملازم ہوٹل کے لئے نوکر رکھتا ہے
لیکن تمہاری چیمبر میڈ یعنی وہ خادمہ جو ہر روز جب تم کمرہ سے باہر جاتے ہو۔
دوسری چابی سے جو اُس کے پاس رہتی ہے تمہارا کمرہ کھول کر اُسے صفا
کرتی ہے منہ ہاتھ دھونے اور پینے کا پانی بھرتی ہے ہر روز رومال بدلتی ہے
میلا پانی پھینکتی ہے۔ تمہارا بستر ہر روز بچھاتی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو تمہارے
کپڑے پر بٹن بھی ٹانک دیتی ہے کسی دوسرے سے انعام کی کم مستحق نہیں۔
اسکے علاوہ وہ مزدور جس نے تمہارا اسباب گاڑی سے نکال کر تمہارے
کمرے میں لا رکھا تھا۔ اور اب تمہارے چلتے وقت گاڑی میں لے جاویگا
وہی شخص ہے جو ہر روز تمہارے بوٹ روغن کرتا ہے جو تم سونے سے پہلے اپنے
کمرے کے دروازے کے باہر رکھ دیتے ہو۔ اور اگر تم اپنا کوٹ اور پاجامہ وغیرہ

بھی دروازے کے باہر کی کھونٹی پر شب کو لٹکا دو گے تو اسے ان کے بر شر کر دینے میں بھی عذر نہیں۔ اسلئے یہ سب سے زیادہ انعام بلکہ حق المحنت کا مستحق ہے۔ اس طرح چھوٹا لڑکا جو تمہارے خط دو تین مرتبہ ڈاک میں ڈال آیا ہے۔ لفٹ والا جو تمہیں ہر روز دوسری۔ تیسری۔ چوتھی۔ پانچویں بلکہ چھٹی منزل پر لفٹ کے ذریعے سے پہنچاتا ہے۔ گو تنخواہ دار ہے۔ لیکن انعام کا منتظر ہے۔ کھانے کے کمرے میں ویٹر ہر کھانے پر کھانے کی قیمت کے دسویں حصہ کے برابر انعام کا امیدوار ہے۔ المختصر ہر در و دیوار تم سے انعام چاہتا ہے خصوصاً جس روز تم ہوٹل سے رخصت ہونے لگو۔ اس لئے ناتجربہ کار اور نو آموز مسافر کے لئے اگر وہ تزدش بھی زیادہ ہو تو یہ بڑے امتحان کا وقت ہوتا ہے۔ ابھی تم ان سب کو ان کے حق سے زیادہ دے کر سٹیشن کو جاتے ہو۔ اور اپنا اسباب بک کرانا چاہتے ہو۔ تو ہوٹل سے ایک شخص کو ساتھ لیجاؤ گے۔ جو زبان اور دستور سے آگاہ ہے سٹیشن پر موکل (قلی) موجود ہوتے ہیں۔ جو اسباب گاڑی سے اٹھا کر تولنے کے مقام تک لیجاتے ہیں وہاں ایک ثالث شخص اسباب تولتا ہے اور بکنگ کلرک کو وزن بتلاتا ہے لیکن اجرت کا تم سے مستحق ہے۔ قلی گاڑی میں اسباب رکھ کر اجرت مانگے گا۔ اور جو منہ سے مانگیگا لیگا۔ کیونکہ وہ جنٹلمین ہے۔ لکھا پڑھا ہے۔ جھوٹ تھوڑا ہی بولیگا۔ اور تمہیں دھوکا تھوڑا ہی دیگا بلکہ بعض اوقات قلی سے پوچھا جاتا ہے تمہارا حق المحنت کیا ہے۔ جو وہ بتلاتا ہے جبراً و قہراً اسے دینا پڑتا ہے۔ ہوٹل کے ملازم کو بھی جسے تم ساتھ لائے تھے کچھ دینا چاہئے کیونکہ اس نے تمہارا کوئی کام نہیں کیا۔ کیا وہ انعام کا مستحق نہیں؟ کیا اس صورت میں ہندوستانی مسافر بشرطیکہ وہ بہت زیادہ دولتمند نہ ہو اگر کسی شہر سے رخصت ہونے کے وقت عارضی دیوانگی میں مبتلا ہو جائے تو تم اسے معذور نہیں سمجھو گے؟ مجھے ایسے وقتوں میں ہندوستان کے

روپیہ پر رحم آتا تھا جو تھوک کی طرح یوروپ میں پھینک دیا جاتا ہے اور ہندوستان میں فقیر کو دو پیسے دینے میں تامل کیا جاتا ہے۔ بہرحال یہ سب مرحلے طے کر کے میں ۱۱ جولائی کو برلن سے بسلز پایہ تخت بلجیم کو روانہ ہوا۔

بڑے بڑے شہروں سے روانہ ہونے کے لئے نو وارد مسافر کے لئے ایک بڑی دقت یہ ہوتی ہے کہ وہ معلوم کرے کہ فلاں طرف کو جانے کے لئے کس سٹیشن سے کس ریل پر سوار ہونا ہے۔ اور پھر فلاں شہر تک کونسی گاڑی ٹھہرو ہے۔ بہرحال میں جس بارونق بازار فریڈریش سٹراسے میں مقیم تھا۔ اسی نام کے

میرے ہمسفر سٹیشن سے پیرس کی طرف سوار ہوا۔ یہاں مجھے ایک جرمن مل گیا۔ جس نے مجھ سے پہلی بات بمبئی کی ٹوٹی پھوٹی اردو میں کی۔ میں اسکو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ شخص تیس سال تک بمبئی میں ریل پر انجنیر رہا ہے۔ اور اب پنشن لے کر وطن میں آیا ہے۔ عمر بھر مجرد رہا ہے۔ اور اب باسٹھ سال کی عمر میں ایک بائیس سال کی لڑکی سے شادی کی ہے۔ مجھ سے کہتا تھا کہ ہندوستان میں سب سے بڑا عیب بچپن کی شادی ہے۔ میں نے کہا کہ تم نے تو اس سے خوب عبرت حاصل کی ہے۔ تاہم یہ شخص اہل ہند کی مسکنت اور شرافت کو بہت پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جس قدر ہندوستانیوں کی قدر کرنی چاہئے انگلشمین نہیں کرتے۔ اسکی رائے میں ہندوستان کے افلاس کا بڑا باعث ہر سال بہت سا روپیہ انگلستان کو چلا جاتا ہے۔ اسی کمرے میں ایک انگریز عورت تھی جو لیپنڈ سے آرہی تھی اور جو کولون تک میری ہمسفر رہی۔ یوروپ میں عموماً لوگ ایک سے زیادہ زبانیں جانتے ہیں کہ جن میں انٹرنیشنل طور پر فرانسیسی کا درجہ اول اور انگریزی کا دوم ہے۔

پسنجر ایجنٹس میں نے بمبئی سے ہی جہاز کے ٹکٹ کے ساتھ ریل کا ٹکٹ بھی ہمبرگ تک خرید لیا تھا۔ لیکن وینا میں آکر میں نے برلن تک کا ٹکٹ رکھا اور باقی کے دام کک کے دفتر سے واپس لے لئے۔ کیونکہ مجھے یقین ہو گیا کہ

برلن دیکھ لینے کے بعد ہمبرگ کا دیکھنا ضروری نہیں رہتا۔ جس طرح ہندوستان
اور یورپ کے اکثر مقامات میں ٹامس کک کا دفتر مسافروں کے آرام و سہولیت
کے لئے قائم ہے۔ یورپ کے مختلف ممالک میں ایسے کئی اور کارخانے
ہیں جو عموماً ایجنٹ کہلاتے ہیں۔ ان کا فرض یہ ہوتا ہے کہ مسافروں کو ہر ریلوے
لائن اور ہر جہاز کی لائن کا ہر مقام کے لئے ٹکٹ دے سکیں۔ مسافروں کو بتلا
سکیں کہ فلاں مقام کو فلاں راستہ سے جانا چاہئے۔ جن مسافروں کو پاس
ان کے ٹکٹ ہوں۔ خاص خاص مقامات میں ان کے ایجنٹ ان مسافروں
کی رہنمائی اور مدد کرتے ہیں اُن کو ٹھگا جانے سے بچاتے ہیں۔ مختلف ممالک
کے سکے تبدیل کر دیتے ہیں۔ مسافروں کے خطوط جو اُن کے پتہ سے آتے
ہیں اُنہیں لے لیتے ہیں۔ غرض تمام ایسے کام کرتے ہیں کہ جن سے مسافروں کو
آرام ملے۔ لیکن اکثر کاموں کا معاوضہ ان سے کچھ نہیں لیتے۔ بلکہ اُن ریلوے
اور جہاز کی کمپنیوں سے کمیشن لیتے ہیں کہ جن کے یہ ٹکٹ بیچتے ہیں۔ برلن میں اسی قسم
کا ایک کارخانہ "کارل سٹانگن" کا بڑا مشہور ہے۔ جس نے مسافروں کی سہولیت
کے لئے بہت سے مقامات کی سیاحت کے حالات چھاپ رکھے ہیں
میں نے اس کارخانہ سے برلن سے کولون و کولون سے برسلز پایہ تخت بلجیم
اور برسلز سے پیرس کا ٹکٹ دوم درجے کا قریب ساٹھ روپے کو خریدا تھا۔
لیکن جس گاڑی پر میں اب سوار ہوا تھا یہ ایکسپرس (تیز رفتار) تھی۔ اسلئے مجھے
دو مارک کا ایک اور ٹکٹ تیز رفتاری کی خاطر خریدنا پڑا۔

اب میں تھوڑا سا اُس گاڑی کا ذکر کرتا ہوں کہ جس میں میں نے یہ سفر کیا۔ یہ
گاڑی ۹۰ کیلومیٹر یا ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی تھی۔ ہر گاڑی کے ایک
طرف ایک برآمدہ تھا۔ جس میں سے تمام ٹرین کی گاڑیوں کے مسافروں کی
آپس میں آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ ہر کمرہ جدا تھا۔ جس میں چھ نشستیں تھیں۔
گدیلے بڑے مکلّف اور سپرنگ دار تھے اور بازوؤں کے رکھنے کے لئے بھی

جگہ بنائی گئی تھی - جو نشستوں کو الگ الگ کرتی تھی - ان سب نشستوں کا نمبر سلسلہ وار تھا - جو تمہارے ٹکٹ پر گارڈ لکھ دیتا تھا - اور اسی طرح کمرے کے باہر دروازے پر ایک پلیٹ میں چھ نمبر لگے ہوئے تھے - جن سے معلوم ہوسکتا تھا کہ کون کون سی نشست پُر ہے -

گاڑی میں خالی جگہوں کا حساب

ریل کے ہر کمپارٹمنٹ کے باہر اتنی تختیاں دیوار پر آویزاں ہوتی ہیں کہ جتنے آدمی اُس کمرے میں بیٹھ سکتے ہیں - پس جو سیٹ رُک جاتی ہے - اُس کی تختی کو گارڈ اُلٹ دیتا ہے - اور ہر نئے سٹیشن پر جب ریل پہنچتی ہے تو گاڑی کے برآمدہ میں جاکر بلا مسافروں کو جھانکنے کے باہر سے ہی گارڈ معلوم کرسکتا ہے کہ اس درجہ میں کتنی جگہیں خالی ہیں - اور جو جگہ خالی ہے اُسپر اس سٹیشن کے مسافروں کو گارڈ بٹھلا دیتا تھا - اول اور دوم درجہ کی گاڑیوں میں آرام کے لحاظ سے زیادہ فرق نہیں تھا سوائے اسکے کہ دوم درجہ کے ایک کمپارٹمنٹ میں چھ اور اول درجہ کے کمپارٹمنٹ میں چار آدمی بیٹھ سکتے تھے - اور بقول میرے ایک ہمسفر کے اول درجہ میں صرف لارڈ یا بیوقوف ہی زیادہ روپیہ خرچ کرکے بیٹھتے ہونگے - ان گاڑیوں کے پاخانوں میں آرام زیادہ تھا - ایک تولیا بھی پاخانہ جانے کے وقت ہاتھ پونچھنے کے لئے ملتا تھا - ایک گاڑی کے پاخانہ کے کمرے میں "پینی ان دی سلاٹ مشین" میں دس کراؤنر کا ایک سکہ ڈالنے سے مشین ایک چھوٹا سا پیکٹ پھینک دیتی تھی - اس میں تھوڑا سا صابن کا برادہ - ایک چھوٹا سا رومال - اور پاخانہ پونچھنے کا تھوڑا سا پھٹا ہوا کاغذ ہوتا تھا - اگر دس کراؤن سے کم سکہ اس میں ڈالو تو یہ واپس پھینک دیتی تھی - یہاں عورتیں کیسی بیباکی اور الھڑپنے کے ساتھ چلتی پھرتی ہیں - بلکہ بیگانہ مردوں کے ساتھ بھی تنہا بے فکری سے سفر کرتی ہیں عورتوں کی بے پردگی اور آزادی عام اور معمولی بات ہونے کی وجہ سے مردوں کو بھی ہر عورت کو دیکھ کر بُرا خیال نہیں گذرتا - مگر جن ملکوں میں پردہ کی رسم ہے

وہاں بے پردگی کے ساتھ ہی جھٹ برا خیال مردوں کے دل میں گذر جانا ایک سیدھی بات ہے کیونکہ اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ اِلٰی مَا مُنِعَ ایک قدرتی نتیجہ انسانی طبیعت کا ہے ۔

چلتی گاڑی میں کھانا کھانا

میل گاڑی کے ہر کمرے میں ایک آلارم خوف یا حادثہ کا لگا تھا ۔ جو صرف خوف یا حادثہ کے وقت ہلانا چاہیئے ۔ لیکن اس گاڑی کے ساتھ کھانے کا کمرہ بھی تھا ۔ میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا ۔ میں نے ایک بٹن دبایا تو خدمتگار آ گیا ۔ اس سے ناشتہ طلب کیا ۔ وہ دو انڈے نمک و سیاہ مرچ (سرخ مرچ یورپ میں کوئی نہیں کھاتا) قہوہ کی پیالی ۔ چینی ۔ دودھ ۔ ڈبل روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹوسٹ دو تین قسم کے دو دو لے آیا ۔ اور ایک چھوٹی سی میز پر سب کچھ لگا کر رکھ دیا ۔ جب میں کھا چکا تو وہ سب برتن اور میز اٹھا کر لے گیا اور ڈیڑھ مارک یعنی ۱۲ اسکے دام اور ۲ آنے ۳ پائی انعام لے گیا ۔ آج گاڑی کے دونوں جانب کا ملک نہایت سرسبز و شاداب تھا ۔ حد نگاہ تک سرسبز اور خوشنما کھیت چلے گئے جن کی ہم آہنگی کہیں کہیں سرخ رنگ بستیوں اور کھپریل کے مکانات سے ٹوٹتی تھی کاشتکاروں کے مکانات کا یہاں عجیب طریقہ ہے ۔ اکثر کھیتوں پر مکانات بنے ہوئے ہوتے ہیں ۔ جنکے گرد تھوڑی سی پھلواڑی اور میوہ دار درخت بھی ہوتے ہیں آج کئی پون چکیاں بھی دیکھیں ۔ مجھے اس سے پہلے آسٹریا میں سے گذرتے ہوئے بھی خیال ہو چکا ہے کہ پیچیدہ مشینیں تو نہ سہی ۔ لیکن پون کیوں ہندوستانی زمیندار اور کاشتکار استعمال نہیں کرتے ۔ صرف ایک مرتبہ پون چکی کا مکان اور اسکے پنکھے بنوا لو ۔ پھر اس سے مدت تک گہرائی سے پانی کھینچا کرو ۔ کوئی زیادہ خرچ یا محنت درکار نہیں ہوگی ۔ میرا قصد ہے کہ کسی وقت لاہور میں پون چکی ضرور تجربہ کے خیال سے کھڑی کروں گا ۔ گو ایک انجینیر دوست نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں اس قدر ہوا نہیں ہے جو لگاتار پنکھوں کو گھما سکے

کارخانہ کے دودکشوں کا جنگل

سہ پہر کے قریب ریل ایسے علاقہ سے گذری۔ جس میں ہزاروں دخانی کارخانے لوہے اور فولاد کی مشینوں۔ توپوں۔ بندوقوں۔ کوئلہ نکالنے اور اسی قسم کی صنعتوں کے ہیں۔ ایک مقام ایسن سے گذر ہوا۔ جہاں کارخانوں کی چمنیوں کا بلا مبالغہ ایک جنگل تھا۔ یہ ہزار ہا چمنیاں کتنا مال تیار کر کے دنیا کا روپیہ کھینچتی ہونگی۔ یہاں جرمنی کی مشہور توپیں اور بندوقیں بنانے کا کرپ کا کارخانہ ہے کہ جسکے آتشبار اسلحہ کے لئے یورپ کی تمام سلطنتیں اُس کی مشکور ہیں۔ اور وہ یورپ میں اول درجہ کا آدمی ہے۔ اِس وقت جو شخص اس کارخانے کا مالک ہے۔ اُس کی دولتمندی کی تفصیل بیان کرنا لاحاصل ہے۔ قصہ کوتاہ جرمنی میں یہ سب سے دولتمند شخص ہے لیکن یہہ اُس شخص کا بیٹا ہے کہ جس نے اس کارخانے کی بنیاد رکھی اور اسکو کامیاب کیا۔ اس شخص کا بُت برلن کے ٹکنیکل ہائی سکول کے سامنے نصب ہے۔ کہتے ہیں اپنے کارخانے سے بیس سال تک اسکو کامیابی نہ ہوئی۔ اور باوجودیکہ وہ بڑا مستقل مزاج آدمی تھا۔ تاہم اُس کی ہمت پست ہوگئی۔ مگر بیس سال کے انتظار کے بعد قسمت نے ہنس کر اُسکی طرف دیکھا اور یہہ امیر کبیر ہوگیا۔ اسکا کارخانہ میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جس کے اندر ہی لوہے اور کوئلے کی کانیں ہیں۔ قیصر ولیم اوّل شہنشاہ جرمنی نے اسکا کارخانہ دیکھ کر کہا تھا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری سلطنت کے اندر ایک اَور چھوٹی سلطنت ہے۔ بہرحال اس وقت تک پہلے کرپ کا وہ غریبانہ جھونپڑا بجنسہ اُسکے کارخانہ میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ کہ جس میں وہ اپنی مفلسی کے زمانے میں رہا کرتا تھا۔ تاکہ اُسکے مزدور دیکھیں اور باور کریں کہ وہ بھی اپنی موجودہ حالت سے ترقی کر کے اتنے اعلےٰ درجے تک پہنچ سکتے ہیں۔

مویشی کے لئے گھاس کا ذخیرہ جمع کرنا

برلن سے لیکر کولون تک تمام راستہ ایسا سرسبز تھا کہ گویا صدہا میل کا ایک مسلسل باغ تھا۔ گھاس۔ غلہ رائی۔ اور

چقندر کے کھیتوں کی اُن کے رنگوں سے تمیز ہو سکتی تھی۔ جہاں تک نظر جاتی تھی سبز کھیتوں اور درختوں کے جھنڈوں کے مابین سرخ اینٹوں اور کھپریلوں کے مکانات نظر آتے تھے۔ اکثر مکانات کے ساتھ خواہ تھوڑی جگہ ہو لیکن پھلواڑی اور ترکاری کے لئے بھی جگہ ہوتے تھے۔ میلوں میں گھاس کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ اور ہزاروں عورتیں اور مرد لمبی درانتیوں سے کھڑے ہو کر گھاس کاٹنے اور اُسکے خشک کرنے میں مصروف پائے۔ قدرتاً مجھے توجہ ہوئی کہ کیوں اس قدر گھاس جمع کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان ممالک میں صرف موسم گرما کے چھ مہینے ہی یہ سرسبزی اور فصلیں اور درختوں کا رنگ روپ رہتا ہے۔ سرما میں نہ صرف درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ بلکہ زمین پر ایک تنکا مشکل سے اُگتا ہے۔ زمین پر مہینوں برف پڑی رہتی ہے زمینداروں کے مویشی اور گھوڑے مہینوں اصطبلوں کے اندر بند رہتے ہیں۔ اور سورج کی شعاع نہیں دیکھتے۔ اس لمبے زمانے کے لئے جانوروں کو کس قدر چارہ چاہئے کہ جس کا ابھی سے انتظام کیا جاتا ہے۔ اور جس توجہ سے کسان اپنے لئے غلّہ بوتا ہے۔ اسی سے اپنے جانوروں کے لئے چارہ بوتا ہے کہ جسے (Hay) یعنی گھاس کہتے ہیں۔ اِسے کاٹ کر خشک کیا جاتا ہے۔ اور انباروں میں بھر کر رکھا جاتا ہے۔ چونکہ سورج یہاں ہمیشہ نہیں نکلا رہتا۔ اِسلئے انگلستان میں ایک مثل ہے:-

Makehay while the sun shin یعنی جب تک آفتاب چمکتا رہے گھاس خشک کر لو۔ یعنی موقع کو ہاتھ سے نہ دو۔ ہندوستانی اس موقع پر کہا کرتے ہیں "بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو" گھاس جمع کر رکھنا یہاں نہایت ضروری ہے۔ ہندوستان میں لاکھوں مویشی اس قحط سالی میں مر گئے اور مر رہے ہیں۔ اگر وہاں بھی گھاس پیدا کرنے اور اُسکو انباروں میں جمع رکھنے کا دستور جاری ہوتا۔ تو اس سے تکلیف کم ہوتی۔ گو بارش

نہ ہونے سے بڑی تکلیف پیدا ہوتی ہے۔ تاہم چونکہ ہندوستان میں سال کے ہر فصل میں کچھ پیدا ہوسکتا ہے۔ اسلئے بخلاف ان ممالک کے وہاں کے باشندوں میں وقت ضرورت کے لئے پس انداز کر رکھنے کی عادت بھی نہیں۔ حالانکہ ان کے ملک میں یہ بہت بڑی خوبی اور خدا کی ان پہ بہت بڑی مہربانی ہے۔ مگر انہوں نے اسکو بقول ع اے شوئی طبع تو بر من بلا شدی۔ اپنے حق میں زحمت بنا رکھا ہے۔ یہاں میں نے جتنے گھوڑے ہر قسم کی گاڑیوں کے آگے جُتے ہوئے دیکھے ہیں۔ اور جتنے بیل اور گائیں کھیتوں میں دیکھی ہیں۔ نہ صرف قد و قامت میں بڑے ہیں۔ بلکہ بہت موٹے تازے اور پلے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں چارہ کی کبھی کمی نہیں ہوتی ہے۔ گھاس کا بیج مل سکتا ہے میں ہندوستان کے انٹرپرائزنگ کسانوں کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ ہے گھاس بونے اور خشک کر کے رکھنے کا ایک دفعہ ضرور تجربہ کریں۔ گنی گھاس یا سارگون چری یا اور کئی قسم کے گھاس ہیں جو تخم سے بوئے جاتے ہیں اور خوب پھیلتے ہیں۔ انہیں کاٹ کر گھنٹے ہیں دبا کر یا خشک کر کے رکھا جائے تو جانوروں کو بڑا آرام رہیگا۔

گرم اور سرد ملکوں کی خوش نصیبی کا مقابلہ

مجھے یورپ کی سرسبزی اور دولتمندی۔ باشندوں کے رنگ کی سفیدی اور ذہانت کی ترقی دیکھ کر بار ہا خیال ہوتا تھا کہ معلوم نہیں اس میں خدا ئے تبارک و تعالیٰ کی کیا مصلحت ہے کہ وہ ان لوگوں پہ ہم لوگوں سے زیادہ مہربان ہے۔ لیکن جب مجھے ان ملکوں کے موسم سرما کی کیفیت معلوم ہوئی کہ تمام کھیتوں اور جنگلوں اور شہروں اور کارخانوں پر یکساں برف کی تہیں جم جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کھیتوں میں ایک تنکا پیدا نہیں ہوسکتا۔ انسان اور جانور مکانوں کے اندر ہی پڑے رہتے ہیں۔ صرف شہر برلن کے بازاروں سے فی سال برف صاف کرنے کا خرچ گورنمنٹ کو کئی لاکھ مارک ہوا تھا۔ لنڈن میں ڈنس کو

گھر کی تاریکی کی وجہ سے چراغ روشن کرنے پڑتے ہیں۔ اور لوگ کئی کئی دن سورج دیوتا کے درشن کو ترس جاتے ہیں۔ اب مجھے معلوم ہونے لگا ہے کہ ہندوستان پر خداوند تعالیٰ کسی دوسرے ملک سے کم مہربان نہیں۔ گو میرے ایک عالم دوست کا قول ہے کہ ہندوستان کی گرمی کا موسم ہندوستانی طبائع پر بُرا اثر ڈالتا ہے اور اُن کی تیزی اور عقل کی روشنی کم کر دیتا ہے۔ اسلیئے ہندوستان میں گذشتہ تین چار سو سال میں کوئی لایق آدمی پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ اور نہ اس طویل بحث کی یہاں درج کرنے کی گنجایش دیکھتا ہوں۔ تاہم میں یوروپ کے موسم سرما سے ہندوستان کے موسم گرما میں پھر کو زیادہ مہربان اور بنی نوع انسان کے حق میں مفید پاتا ہوں۔ اگر ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت جون جولائی کی دوپہر کی دھوپ ننگی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتی تو وہ اپنے اُن جاہل بھائیوں کی طرف دیکھے جو جون جولائی میں عین دوپہر کے وقت کھلیانوں سے غلہ نکالتے ہیں۔ اور جب ماہ رمضان گرمیوں میں آتا ہے تو روزہ رکھ کر بھی یہ لوگ دن بھر دھوپ میں کام کر سکتے ہیں۔ اور اُن لوگوں سے جو پنکھوں کے نیچے بھی اُف اُف کرتے رہتے ہیں زیادہ مطمئن اور خوش رہتے ہیں۔

کولون کا عظیم گرجا اور اسکے بے شمار بُت

برلن سے ۹ گھنٹے میں گاڑی کولون پہنچی۔ یہ مقام ایک بہت بڑے گرجے کے لیئے مشہور ہے کہ جسکی بنیاد سنہ ۱۲۴۸ء میں رکھی گئی تھی۔ اور جس کی تعمیر صرف حال میں سنہ ۱۸۸۰ء میں ختم ہوئی ہے جبکہ نیچے کی عمارت بالکل پرانی ہو گئی ہے تو اوپر کا حصہ ختم ہؤا ہے۔ یہ گرجا (۵۱۲) فیٹ بلند اور اتنا ہی لمبا ہے۔ بڑا کمرہ (۱۶۰) فیٹ بلند ہے اور اس میں تیس ہزار آدمی کرسیوں پر سما سکتے ہیں۔

یوروپ بھر میں صرف میلان اور روم کے دو گرجے اس سے بڑے ہیں۔ ایں

گرجا کی پانچ ہزار چوٹیاں اور کلس ہیں - ۱۲۸ رنگین شیشہ کے دریچے ہیں جو مختلف لوگوں اور تاجروں کی کمپنیوں نے نذر کئے ہیں - صرف ایک رنگین دریچہ جو داخلہ کے دروازے کے اوپر ہے - اور قیصر ولیم دوم کے باپ قیصر فریڈرک نے اس گرجا کو نذر کیا تھا - نوّے ہزار مارک قیمت کا ہے - اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ باقی دریچوں پر کیا لاگت آئی ہوگی - اس گرجا میں علاوہ صدہا تصاویر کے سات سو قد آدم بُت حواریوں - ولیوں اور حضرت مسیح و مریم کے ہیں جنہیں دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ جس قدر بُت تراشی اور بُت پرستی کے دنیا میں رومن کیتھلک عیسائی ذمہ وار ہیں - اس قدر تمام ہندو اور چینی اور جاپانی اور افریقہ کے فیٹش (Fetish) پرست نہونگے - اس شہر میں بیس رومن کیتھلک اور صرف تین پراٹسٹنٹ گرجے ہیں - یہ وہ ملک ہے کہ جس میں مارٹن لوتھر پراٹسٹنٹ مذہب کا بانی گذرا ہے + اور اُس نے عیسائیوں کو بُت پرستی سے روکا ہے - تاہم کوئی شخص جب کسی رومن کیتھلک گرجے کو دیکھے تو اُسے ذرا بھی شک اس امر کو تسلیم کرلینے میں باقی نہیں رہ جاتا کہ عیسائی کس قدر بُت پرستی میں منہمک ہیں - یہاں کئی لوگ مریم مقدس کے بُت کے سامنے گھٹنے ٹیکے سجدے کر رہے تھے بعض موم بتیاں بتوں کے سامنے جلا کر تسبیح پھیرنے میں مصروف تھے - معلوم نہیں کہ مسلمانوں سے پہلے بھی تسبیح عیسائیوں میں مروج تھی یا نہیں اس شہر میں کبھی نہ کبھی کوئی پراٹسٹنٹ عیسائی رومن کیتھلک بنتا رہتا ہے - اور اُسے اسی طرح دوبارہ اصطباغ دے کر رومن کیتھلک جماعت میں شامل کیا جاتا ہے جس طرح کوئی غیر عیسائی شخص عیسائی بنایا جاتا ہے اس گرجا کا بڑا گھنٹہ اُن توپوں سے بنایا گیا ہے جو گذشتہ جنگ میں فرانس سے چھینی گئی تھیں - اور یہ اتنا بڑا ہے کہ اسے بوقت ضرورت اٹھائیس آدمی کھینچکر بجاتے ہیں -

سٹیشنوں پر مسافروں کے اسباب کی حفاظت

ان ملکوں کے سٹیشنوں پر ایسا انتظام کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مسافر چند گھنٹوں یا ایک آدھ رات یا دن کے لیئے اپنا اسباب سٹیشن پر بعض اہلکاروں کے حوالہ کر کے چلا جائے تو ہر عدد اسباب کے لیئے اُسے دس فینیگ (سوا آنہ) دینا پڑتا ہے ۔ میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ جب اپنا اسباب سٹیشن پر چھوڑ کر شہر کو دیکھنے گیا ۔ کیونکہ یہاں ریل پانچ چھ گھنٹے وقفہ کرتی ہے تو مجھے جاتے ہی ایک گائیڈ نے دبوچ لیا ۔ اور اسی فینیگ (۱۰ر) لیکر مجھے گرجا دکھلایا جو میں کسی کی مدد کے بغیر بھی دیکھ سکتا تھا ۔ یہ گائیڈ بعض جگہ تو مسافروں کو ایسے چمٹ جاتے ہیں کہ پیچھا نہیں چھوڑتے

ناگوار تجربہ

اور پھر یہاں کے مشہور عطر کولون واٹر کے کارخانے دکھلائے یہ شہر دو تین میل لمبا چلا گیا ہے اور عین بیچوں بیچ سے ایک ٹرام سے گزرتی ہے ۔ میں اس ٹرام سے میں بیٹھ کر شہر کے دوسرے سرے تک پہنچ گیا ۔ اور یہاں سے میں نے پیدل واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تا کہ شہر کو اچھی طرح سے دیکھتا جاؤں کہ بہت سے بچے میری ٹوپی دیکھ کر عرب اور ترک کہتے ہوئے میرے پیچھے لگ گئے ۔ میں بہت تیز قدم اٹھا کر ان کے آگے آگے سٹیشن کو چلا گیا ۔ جتنے بچے پیچھے رہ جاتے تھے اتنے اور مل جاتے تھے اور گو یہ منہ سے بولتے اور پیچھے بھاگتے آنے کے سوا اور کوئی بدتہذیبی کا اظہار نہیں کرتے تھے ۔ مگر میں ان کے ہجوم سے گھبراتا تھا ۔ اور لطف یہ ہے کہ کوئی شخص انہیں میرے پیچھے لگنے سے منع نہیں کرتا تھا ۔ غرض میں سٹیشن کے قریب پہنچ گیا ۔ اس وقت جسم خوب گرم تھا جاتے ہی شدت پیاس سے میں نے ٹھنڈا پانی پی لیا ۔ اور تھوڑی دیر میں مجھے بخار چڑھ آیا اور مجھ سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ بجائے یہاں ٹھہر جانے کے برسلز کو رات بھر کے سفر پر روانہ ہو گیا ۔

اس بخار کی حالت میں سفر کرنے سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی ۔ گاڑی میں

بخار کی بیہوشی سے جو مجھے ذرا ہوش آتی تو میں دیکھ لیتا کہ میرا اسباب تو کوئی لے نہیں گیا۔ رات کو نئے نئے مسافر میرے پاس آکر بیٹھتے اور چلے جاتے۔ گاڑی میں کئی مرتبہ ٹکٹ دیکھا گیا۔ جرمنی اور بلجیم کی حد پر چونگی کے افسروں نے گاڑی سے باہر منگوا کر اسباب بھی ملاحظہ کیا۔ غرض بڑی تکلیف سے یہ رات کٹی۔ تاہم اس تکلیف میں بھی ایک کیفیت تھی۔ اب میں وطن اور گھر کے آرام۔ عزیزوں اور دوستوں کی محبت اور ہمدردی کا ہمیشہ سے اچھا اندازہ کر سکتا تھا۔ ساڑھے تین بجے صبح گاڑی برسلز کے سٹیشن گارڈ و نارڈ پر پہنچی۔ آفتاب طلوع ہو چکا تھا میں گاڑی سے باہر نکلا تو پاؤں متوالوں کی طرح تپ سے لڑکھڑاتے تھے۔

ہوٹل ملنے میں دقت ایک مزدور کے ہمراہ ایک قریب کے ہوٹل میں جس پر "ٹرنل انگلش ہوٹل" نام لکھا تھا گیا۔ ہوٹل والوں کو جگایا۔ مگر تیسری منزل پر کمرہ خالی تھا۔ اور میں اوپر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ اسلئے دوسرے اور تیسرے ہوٹل میں گیا جو مسافروں سے ایسے لبریز تھے کہ مجھے جگہ نہ ملی۔ آخر چوتھے میں جا کر میں بیٹھ گیا اور آگے چلنے کا یارا نہ رہا۔ معلوم ہوا یہاں کے ہوٹلوں میں لفٹ اور برقی روشنی وغیرہ کی قسم کے وہ آرام نہیں جو برلن اور ویانا میں دیکھے ہیں۔ دن بھر کمرے میں بخار سے پڑا رہا۔ عجیب بے بسی کا عالم تھا یہانتک کہ شب کو چراغ تک روشن نہ کر سکا۔ دوسری صبح طبیعت سنبھل گئی تھی۔ کارخانہ گریالٹ و کمپنی مشہور دوائی فروشان پیرس کے ایجنٹ میسن صاحب کو جن سے لاہور میں رسم ملاقات تھی۔ خط لکھا کہ میں پیرس آتا ہوں۔ انہوں نے تار دیا کہ کل مت آؤ۔ کل پیرس میں اہل فرانس کا اتنا بڑا سالانہ قومی تیوہار ہے کہ تمام دوکانیں بند ہونگی۔ یہانتک کہ سٹیشن پر گاڑی نہ ملیگی۔ دوسرے روز مجھے پیرس پہنچ کر افسوس ہوا کہ میں کیوں اسی روز پیرس نہ چلا گیا۔ تاکہ فرانس کی آزادی کی ۱۴ جولائی کی مشہور تیوہار کی رونق دیکھتا

جبکہ فرانس کے پریسیڈنٹ نے ساٹھ ہزار فوج کا ریویو کیا تھا۔ اور شہر رات کو تین رنگوں کے رنگین برقی اور جاپانی لالٹینوں کی روشنی سے دُلھن بنا دیا گیا تھا۔ تاہم اگلی شب کو بھی میں نے اس روشنی کا بہت سا نمونہ پیرس کے دو بڑے بازاروں شانز لیزی۔ اور بولوار میں دیکھ لیا۔ اور لاکھوں سہ رنگی سُرخ سفید نیلگون جھنڈیوں کو بھی دیکھا۔ جو تمام فرانس میں اس روز اس تیوہار کی تقریب سے دروازوں اور مکانوں پر نصب کی گئی تھی۔ واضح رہے کہ فرانس کا قومی جھنڈا انہیں تین رنگوں کا ہے۔ اسی مناسبت سے برقی روشنی بھی انہیں تین رنگوں کی استعمال کی گئی تھی۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ پیرس پہلے ہی تمام دنیا میں اول درجے کا خوبصورت شہر ہے کہ جس پر تمام عالم متفق ہے۔ اور اب اس میں بوجہ عالمگیر نمائش ہونے کے اس قدر دلچسپیاں پیدا ہو رہی ہیں کہ میرے جیسے مردہ دل بھی دن بھر دیکھنے پھرنے اور پاؤں پر کھڑے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ نہایت نازک مزاج اور گلبدن لیڈیاں صبح سے کھڑی ہوئی شام تک نمائشگاہ کے مختلف سکشنوں کو دیکھتی پھرتی ہیں۔ اور تھک کر کسی کوچ یا کرسی پر ایک دم بیٹھ جاتی ہیں۔ اور پھر آگے بڑھنے کو مستعد ہیں۔ خیر نمائش گاہ پیرس کا قصہ تو آگے لکھونگا جو طویل ہوگا۔ بالفعل اپنی برسلز کی رام کہانی سناتا ہوں۔

برسلز کا تصویرخانہ

برسلز میں ایک شب و روز کے بخار کے بعد مجھے آرام ہو گیا تھا۔ میں نے گاڑی میں تو شہر کے مختلف اور مشہور مقامات دیکھے اور عجائب خانہ اور پکچر گیلری وغیرہ مقامات پیدل دیکھے۔ اب نمائشگاہ پیرس کو دیکھ چکنے کے بعد برسلز کی پکچر گیلری کی زیادہ قدر و وقعت میری نظر میں نہیں رہی۔ تاہم اس میں بہت سی بیش قیمت تصاویر ہیں۔ ان میں سے صرف ایک تصویر حضرت آدم و حوا کی لنڈن کے ایک نیلام سے سات لاکھ بیس ہزار فرانک کو خریدی گئی تھی۔ اس سے اندازہ ان لوگوں کی تصویروں کے قدر کا ہو سکتا ہے۔

ایک دوسری تصویر Vantas (بطالت) نامی دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہوئی۔ جس میں انسان کا انجام ایک کھوپڑی اور چند اعضا کی ہڈیاں رہجاتی ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا بوس وکنار اور عورتوں کی بے پردگی تو بیسیوں تصاویر سے نمایاں تھی۔ ایک وارڈر (غلام) نے مجھے ساتھ پھر کر کئی تصاویر دکھلائیں۔ لیکن میری طبیعت ایسی کبیدہ تھی کہ میں نے اُسے کچھ نہ دیا۔ گو کچھ لینے کی امید پر اُس نے مجھے دکھلائی تھیں۔

زیادہ ستانی | مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ خواہ اہل یورپ کتنے مہذب ہیں۔ لیکن ناواقف مسافر سے زیادہ ستانی میں انہیں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ مثلاً ہوٹل والوں نے پانچ فرانک روزانہ کا کمرہ دیا تھا۔ اس پر نصف فرانک موم بتی کا زیادہ مانگتے تھے۔ بعض دوسرے ہوٹلوں میں بھی روشنی کی قیمت علاوہ مانگا کرتے ہیں۔ میں نے اصرار کیا کہ روشنی ہمیشہ کمرہ کے کرایہ میں محسوب ہوتی ہے تو انہوں نے نصف فرانک کا دعوٰے چھوڑ دیا۔ سٹیشن کو جانے کے وقت گاڑیبان سے صاف صاف کہدیا تھا۔ ڈیڑھ فرانک جو تمہارا کرایہ مقرر ہے دیدونگا۔ لیکن وہاں پہنچکر زیادہ مانگنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ یہ تمہارے ٹرنک کا کرایہ زیادہ مانگتا ہوں۔ لیکن جب میں ذرا پکارا تو وہی ڈیڑھ فرانک لیکر چلا گیا۔ اسی طرح ایک ہی چیز کی قیمت مختلف مقامات میں مختلف دینی پڑتی ہے۔ بوجہ بخار کے کئی مرتبہ میں نے یہاں سکنجبین پی۔ ہوٹل والوں نے ایک گلاس کی قیمت ۵ لگائی۔ رسٹارنٹ والوں نے ساڑھے تین آنے۔ اور ایک غریب میوہ بیچنے والی عورت نے ۱۵ سینٹم یعنے ڈیڑھ آنہ۔ فرق ان میں صرف اتنا تھا کہ اس بوڑھیا نے لیموں کاٹ کر ہاتھ سے پانی میں نچوڑ دیا تھا اور ہوٹل والوں نے لیموں نچوڑنے کے آلہ سے لیموں نچوڑا تھا

شام کو یہاں کانزولاجیکل پارک دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ کیسے خوشنما درخت

اور پھول اور پودے اور صاف ستھری روشیں ہیں۔ کھلے تختے بلندی سے نشیب میں چلے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ڈھلوان پر واقع ہے۔ اس پارک میں کئی روئیں بت کشتکاری۔ ضعف۔ جوانی۔ پیری۔ طفولیت وغیرہ حالتوں کو زنانہ لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ یہ پارک اور قصر شاہی کے قریب کا پارک تمام یورپ میں بے نظیر مشہور ہیں۔ شہر کا ایک حصہ ایک پہاڑی پر اور دوسرا نشیب میں واقع ہے اسلئے بلند حصہ پر کھڑے ہونے سے دوسرا حصہ جو قدیم شہر ہے بہت پستی میں نظر آتا ہے ٹاؤن ہال جو شہر کے وسیع مارکٹ میں واقع ہے۔ اسکی چوٹی (۳۶۴) فٹ بلند ہے۔ اور اسکے اوپر پھر ایک سترہ فیٹ بلند تانبے کا سینٹ مچل کا بت نصب ہے شہر میں کئی ایک پبلک فونٹین (پانی کے فوارے) ہیں جنکو پر تکلف و صاف کے فرضی اور قیاسی عالی شان بتوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔

برسلز کے ایک اخبار کا دفتر دیکھا

میں نے یہاں کے سب سے بڑے اخبار "پیٹی بلو" کا دفتر بھی دیکھا کہ جسکے لئے برلن سے معرفت کا خط لایا تھا اور اس میں عکسی تصاویر کی پلیٹ بنانے کے پراسیس (طریق عمل) کو دیر تک سمجھتا رہا۔ برقی روشنی اور برقی طاقت سے اس قدر زیادہ ان ملکوں میں کام لیا جاتا ہے کہ جس کی حد نہیں دفتر کا ہر کمرہ برقی روشنی سے روشن ہے۔ فوراً اندر جاکر ایک بٹن دبا دو تو کمرہ روشن ہو جائیگا عکسی تصویر لینی ہو۔ تو برقی روشنی دن کی طرح کمرے کے اندر کر لو۔ ان لوگوں نے تعجب کیا کہ بلا برقی روشنی کے میرا ارادہ فوٹوزنکو پراسس سے تصویریں بنانے کا ہے۔ یہ شہر چھوٹا ہے اور اس اخبار کی اشاعت بھی ستر ہزار روزانہ سے زیادہ نہیں تاہم پانچ سو اور سات سو فرانک ماہوار کے دو فوٹوزنکو بنانے والے علاوہ ڈریزائنر اور دوسرے لوگوں کے صرف تصویر کے صیغہ میں ملازم ہیں۔ معلوم نہیں سب یہ لوگ اخلاق سے پیش آتے ہیں۔

پاتے ہیں۔ مگر مجھے اخبار نویس سمجھ کر ہر شہر کے اخبار والوں نے نہایت خلاق سے اپنے اپنے کارخانے اور دفتر دکھلائے ہیں۔ برسلز کی عمارات بھی دوسرے یورپین شہروں کی طرح خوبصورت ہیں۔ بلکہ یورپ میں اس شہر کو چھوٹا پیرس کہتے ہیں۔ لیکن میں نے ایک دلچسپ بات یہ دیکھی کہ جس طرح یہ سلطنت چھوٹی ہے اسکے باشندے بھی قدو قامت میں چھوٹے ہیں صرف دو تین روز میں اس قدر پست قامت آدمی مجھے یہاں ملے کہ میں حیران ہو گیا۔ برقی اور دخانی ٹرامویں زیادہ اور گھوڑے کی ٹرامویں کم ہے۔ موٹر کار یعنی برقی یا دخانی طاقت سے چلنے والی چھوٹی سی گاڑی کا یہاں برلن سے زیادہ رواج ہے۔ ایک شام کو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص ایک ایسی گاڑی دوڑائے لئے جا رہا تھا۔ کہ ایک عورت اس کی رفتار کی جھپٹ سے گر گئی۔ گاڑی والا گاڑی دوڑا کر لے گیا۔ ایک دم میں دس بیس پچاس شخص اسکے پیچھے دوڑ گئے۔ کہ اسے پکڑ لائیں۔ کیونکہ عورت کو اس نے گرا دیا تھا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ بھلا انسان کی کیا مجال ہے کہ موٹر کار کو دوڑ کر پکڑ سکے۔ لیکن وہ لیڈی بھی اتنے میں اٹھ کھڑی ہوئی اُسے چوٹ نہیں آئی تھی۔ مجھے بائیسکل کے بعد یہ خود بخود چلنے والی گاڑیاں بہت پسند آئیں۔ لیکن ان کی قیمت ابھی بہت زیادہ ہے۔ اسلئے اُمید نہیں کہ ہندوستان ایسے غریب ملک میں زیادہ رواج پائیں۔ اہل بلجیم گو پست قامت ہیں۔ لیکن پست ہمت نہیں صنعت و حرفت میں یورپ کی سب قوموں کے برابر ہیں۔ ناظرین نے کئی دفعہ اخبارات میں دیکھا ہو گا کہ بلجیم کے انجنیروں کی کمپنیاں ٹرکی شام اور ایران میں جرمنی۔ انگلستان۔ فرانس اور روس کے پہلو بہ پہلو ریلوں اور سڑکوں اور تجارتی کارخانوں کی رعائتیں حاصل کرنے میں مصروف ہیں بلکہ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ خلیج فارس کے بندروں کا ٹھیکہ

ایران نے بلجیئم کی کمپنیوں کو دیا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ بڑے ڈیل ڈول اور بڑی جسامت پر بھی انسان کی عظمت کا حصر نہیں۔ بلجیئم کے باشندے تو مجھے زیادہ ہی پست قامت اور منحنی نظر آئے ہیں لیکن اٹلی اور فرانس کے عام باشندے بھی معمولی قد کے لوگ ہیں۔ جو ہم لوگوں سے متناد نہیں۔ لیکن ان لوگوں میں آدمیت۔ لیاقت اور ہمت ہم لوگوں سے بہت زیادہ ہے

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ پست ہمت یہ نہ ہو پھر پست قامت ہو تو ہو

بوجہ طبیعت ناساز ہونے کے کھانا دو دن تک نہ کھایا۔ لیکن ایک روز بازار سے گذرتے ہوئے ایک دکان پر چیریاں دیکھ کر رغبت معلوم ہوئی۔ مگر خیال ہوا کہ خود بازار سے چیریاں خریدنے میں سبکی ہوگی لیکن میں نے کہا مجھے یہاں کون جانتا ہے۔ چیریاں بیچنے والی بڑھیا نے مجھے ایک کاغذ کے لفافہ میں چیریاں لپیٹ دیں۔ جسے دیکھ کر ذرہ بھی شک نہیں ہوتا تھا کہ اس میں چیریاں ہونگی۔ اسکے بعد انگلستان میں جاکر دیکھا تو کئی بھلے مانس جنٹلمین بازار سے ایسی چیزیں خرید لیتے ہیں اور یہہ بات داخل عیب نہیں۔

اسی شام کو پیاس لگی تو ایک قہوہ خانہ میں جاکر خادمہ سے لیمونیڈ مانگا مگر وہ نہیں سمجھی اور کمبخت دوڑی ہوئی گئی اور میرے سامنے ایک لبالب گلاس بیئر کا لاکر رکھ دیا۔ اور بھی بہت لوگ یہاں بیئر پینے میں مصروف تھے۔ میں نے کہا میں اسے نہیں پیتا۔ مگر وہ میرا مطلب نہ سمجھی اور بھاگ گئی۔ میں نے اُسے پھر بلوایا اور لیمونیڈ اور لیمن سکویش کہتا رہا۔ مگر بندہ درگاہ کو اس وقت "سٹرن" یا "سٹرونیڈ" کا لفظ یاد نہ آیا نہیں تو لیموں کی شکنجبین مل جاتی۔ آخر دس سنیٹم (سوا آنہ) دیکر بیئر بھی رہنے دی اور چلا آیا۔ یوروپ میں لیمونیڈ کا بالکل رواج نہیں مگر سوڈا واٹر

دو زبانوں کا رواج

اکثر پایا جاتا ہے۔ زبان یہاں کی فرانسیسی ہے لیکن چونکہ سرحد جرمنی سے ملحق ہے اور ملک چھوٹا سا ہے اور آبادی اسّی لاکھ سے زیادہ نہیں۔ سرکاری کاغذات اور ریلوے اور ٹرامویز کے نوٹس بورڈ فرانسیسی اور جرمنی دونوں زبانوں میں ہوتے ہیں۔ مجھے معاً اضلاع مغربی و شمالی (ہند) کی عدالتی کاغذوں کی حالت یاد آگئی جو آئندہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں ہوا کرینگے۔

کتا گاڑی کے نیچے جوتا جاتا ہے۔

یہاں کی چھوٹی چھوٹی دستی گاڑیوں میں آسٹریا اور جرمنی کی طرح کتا آگے جوتا ہوا نہیں ہوتا۔ بلکہ گاڑی اتنی اونچی ہوتی ہے کہ کتا اسکے نیچے کھڑا ہو سکتا ہے۔ اور وہیں ایسی طرح جوڑ دیا جاتا ہے کہ اسکے چلنے سے اسکے اوپر گاڑی خود بخود آگے چلی جاتی ہے۔ اور زیادہ جگہ بازاروں میں نہیں روکتی۔ ہوٹل میں جو موم بتیاں جلتی تھیں۔ ان کے اندر تین سوراخ ہوتے تھے۔ اسلئے جو موم پگھل کر بتی کے باہر گرتا ہے وہ ان کے اندر کو گرتا تھا اور تلف نہ ہوتا تھا۔ یہی طریقہ پیرس کی موم بتیوں کا ہے۔

ہوٹل کا بل

مجھے بیڈیکر کی گائیڈ بک کا مشکور ہونا چاہئے جس نے صاف لکھ دیا ہے کہ مسافروں کو ہر دوسرے تیسرے اپنا ہوٹل کا بل دیکھتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ ہوٹلوں کے منیجروں کا حساب اکثر ٹھیک نہیں ہوتا اور وہ اپنے مطلب کی غلطیاں کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ برسلز کے ہوٹل کے مالک کے بل میں پڑتال کرنے پر غلطی نکلی۔ اور جو کھانے میں نے نہیں کھائے تھے میرے نام سے کاٹے گئے۔ جب میں ویٹر چیمبرمیڈ اور پورٹر کو تین فرانک انعام دے کر گاڑی میں سوار ہوا تو میں نے گاڑی والے کو صاف صاف کہدیا کہ تمہیں سٹیشن تک ڈیڑھ فرانک سے زیادہ کرایہ نہ دوں گا۔ وہاں سے تو خاموش ہو کر چلدیا لیکن سٹیشن پر پہنچکر جھگڑا کرنے لگا

اور کہنے لگا کہ تمہارا تو ڈیڑھ فرانک کرایہ ٹھیک ہے۔ لیکن تمہارے بوجھ کا کرایہ اسکے علاوہ ہے۔ لیکن میں نے ذرا اصرار کیا اور تکرار کیا تو وہ ڈیڑھ فرانک ہی لیکر چلتا ہوا۔ حالانکہ برلن کے سٹیشن پر لانے والے گاڑیبان نے جھگڑا کر کے پونے مارک (شلنگ) کی بجائے سوا شلنگ لے لیا تھا۔

پیرس کو روانگی

باوجودیکہ میرے دوست نے پیرس سے تار دیا تھا اور خط بھی لکھا تھا کہ دو روز کے بعد پیرس آنا۔ کیونکہ ۱۴ جولائی کو فرانس کی آزادی کی یادگار میں بہت بڑا تیوہار تھا کہ مسافروں کو سٹیشن پر گاڑی تک نہیں مل سکتی تھی اور علاوہ اسکے وہ اپنے کنبے سمیت خود بھی تعطیل کے باعث شہر سے باہر کسی سیر حاصل خوش سواد مقام میں آرام کے لئے چلا گیا تھا۔ مگر ایک دوست کو ہدایت کر گیا تھا کہ وہ میرا تار پہنچنے پر مجھے سٹیشن سے لے جا کر کسی ہوٹل میں ٹھیرا دے۔ مگر ۱۵ جولائی کو تار دے کر میں برسلز سے پیرس کو روانہ ہو گیا۔ برسلز کے سٹیشن پر ڈائننگ روم میں عام مسافروں کے لئے نہایت پر تکلف گدیلوں والے کاؤچ پڑے ہوئے تھے لیکن سیکنڈ کلاس گاڑی بہت گھٹیا تھی۔ ۹ بجے چلکر

پیاس کی شدت

۴ بجے شام کو گاڑی پیرس پہنچی۔ مجھے راستہ میں پیاس سخت لگی۔ لیکن جب ایک آدھ منٹ کے لئے راستہ میں کسی سٹیشن پر گاڑی ٹھیرتی۔ تو لوگ دوڑ کر اترتے سٹیشن پر پہلے ہی Buffet پر بیئر شراب کے لبریز گلاسوں کی قطار سجی ہوئی ہوتی۔ ایک ایک پینی رکھ کر ہر شخص بلا پوچھنے کے ایک گلاس پی لیتا۔ اور روٹی کا ٹکڑا لیکر بھی کوئی کوئی کھا لیتا۔ پانی پینے کا یہاں رواج ہی نہیں ہے میں نے ایک دو جگہ پانی مانگا بھی لیکن جلدی میں نہ ملا۔ اور ریل روانہ ہو گئی۔ پیاس سے میری زبان خشک ہو گئی۔ اس بیئر شراب کو جو سستا ہے منشی نہیں ہوتی۔ یہ لوگ پانی کی طرح پیتے ہیں۔ جہاں سے ریل فرانس کے علاقہ میں

داخل ہوئی تھی تمام اسٹیشنوں اور راستہ کے مکانوں پر تین رنگوں کی جھنڈیاں بکثرت آویزاں نظر آتی تھیں کہ جنکے موجب کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ہوٹلوں کی گرانی

پیرس کے اسٹیشن پر پہنچا تو میرے دوست کا ایک دوست میرا منتظر تھا۔ اُس نے فوراً اس ٹرنک کے حاصل کرنے میں مدد دی جو میں نے برلن سے سیدھا پیرس کو بھیجا تھا۔ اور کلیمان مارو نامی ایک ہوٹل میں ٹھیرایا جس کی چوتھی منزل پر ایک چھوٹے سے کمرے کا کرایہ ایک شب کا بلا کھانے کے خرچ کے دس فرانک تھا جو مجھے دوسرے روز کرایہ دینے کے وقت خیال گذرا کہ میرے وطن کے اس سے بہت بڑے مکان کے مہینہ بھر کا کرایہ ہے۔ چونکہ بوجہ نمایش ایک دُنیا پیرس میں اُمڈی ہوئی تھی۔ اسلئے کرایہ کا نرخ خصوصاً نمایش کے قریب کے مکانات میں بہت گراں تھا۔ بیس پچیس فرانک ہوٹل

ایک لاجنگ ہوس میں قیام

کے ایک اچھے کمرے کا معمولی کرایہ تھا۔ چونکہ ہوٹلوں کی نسبت لاجنگ ہوس ارزاں ہوتے ہیں۔ اسلئے جو لوگ زیادہ مدت ٹھیرنا چاہیں اُنہیں اِنہیں مکانات میں ٹھیرنا چاہئیے پیرس کے اخبارات میں ان مکانات کے خالی کمروں کے اعلان ہر روز چھپتے تھے۔ دوسرے روز اسی دوست کے ہمراہ گاڑی پر سوار ہو کر دن بھر کرایہ کے مکانات دیکھتے پھرے۔ اور معہ گاڑی کے کرایہ اور ہوٹل کے آج بیالیس فرانک خرچ ہوئے تھے۔ لیکن آخر نمایش کے قریب ایک لاجنگ ہوس میں ایک کمرہ مل گیا۔ جو گو بہت سادہ تھا اور پانچویں منزل پر تھا تاہم بوجہ ارزانی اور نمایش سے قریب ہونے کے غنیمت سمجھا گیا۔ بعض مکانات سے نمایش تک آنے جانے کا کرایہ ہر روز دو تین فرانک خرچ ہو جاتا۔ لیکن یہاں سے مجھے کبھی ایک پیسہ نمایش تک جانے کے لئے نہ خرچنا پڑا۔ گو یہ کمرہ بہت ہی سادہ تھا لیکن اسکا کرایہ

بستر گدیلہ تکیہ سفید چادریں - پا انداز کو قالین - ہاتھ منہ دھونے کی چھوٹی سنگ مرمر کی میز - لکھنے کی چھوٹی سی میز اور دو سادہ کرسیاں مینٹل پیس معمولی پتھر کا - کپڑوں کی الماری پر سنگ سیاہ کا تختہ اور چند چھوٹی چھوٹی آرایش کی چیزیں مثل گھونگھوں جاپانی پنکھوں اور سستی تصویروں کی تھیں - اس تفصیل سے میری غرض یہ بتلانے کی ہے کہ ان ملکوں میں غریب لوگ بھی کیسا ستھرا مذاق رکھتے ہیں اور کیسی آسایش اور صفائی سے بسر کر سکتے ہیں -

آج مکان تلاش کرنے کے دوران میں ایک مالک مکان عورت نے بتلایا تھا کہ اس وقت پیرس میں صرف اہل امریکہ ساٹھ ہزار کے قریب آئے ہوئے تھے - اور عموماً یہ لوگ اخبارات کے اشتہار دیکھ کر بذریعہ تار آنے سے پہلے ہی مکان ٹھیرا لیتے تھے اور اس طرح خالی مکانات کے کرائے دے رہتے تھے مکان کی فکر سے سبکدوش ہو کر میں نے ۱۷ جولائی سے بالالتزام نمائش کی حاضری شروع کر دی -

سنہ ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمایش پیرس

آئینۂ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرضہ دارد احوالِ ملکِ دارا



بے نظیر عالمگیر نمایش اور پیرس کا سلیقہ

آج تک دنیا میں کئی عظیم الشان عالمگیر نمائشیں ہو چکی ہیں۔ لیکن پیرس کی سنہ ۱۹۰۰ء کی نمایش سے اُن سب کو وہی نسبت ہے جو ہاتھی کے پاؤں سے دوسرے جانوروں کے پاؤں کو ہے۔ نہ صرف اسلئے کہ پیرس کی نمایش گاہ سب سے آخر میں ہوئی ہے اور جب تک کہ کسی دوسرے ملک میں پھر انٹرنیشنل اگزبیشن یا بقول اہل امریکہ کے والڈس فیئر (Worlds fair) یا بقول اہل فرانس کے ایکسپوزیسیون یونی ورسال (Exposition Universale) یا بقول اہل جرمنی کے ویلٹ اوشٹلانگ (Welt aushtellung) نہو فرانس کی آخری نمایش سے گوئے سبقت لیجانا محال ہے۔ بلکہ اسلئے بھی کہ اس قسم کی عالمگیر نمایشگاہوں کے قایم کرنے اور انہیں کامیاب اور دلکش بنانے میں جو سلیقہ اہل فرانس کو حاصل ہے کسی دوسرے یوروپین یا امریکین قوم کو حاصل نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے عالمگیر نمایش گاہوں کا خیال ہی پیرس سے پیدا ہوا۔ کیونکہ ۱۷۹۷ء میں پہلے فرانس کی حکومت ڈائرکٹری کے تاریک زمانہ میں پیرس میں چھوٹے پیمانے پر ایک انٹرنیشنل نمایش قائم ہوئی تھی۔ سلطنت ہائے اضلاع متحدہ امریکہ کہ جہاں سنہ ۱۸۹۳ء کی شکاگو کی عالمگیر نمایش کھلی تھی ابھی وجود میں بھی نہیں

آئی تھی۔ بلکہ خود انگلستان میں پرنس کانسرٹ مرحوم والد بزرگوار شہنشاہ
ایڈورڈ ہفتم کی مساعی جمیلہ سے پہلے پہل ۱۸۵۱ء میں حرفت دستکاری
اور علوم و فنون کی ترقی کے لئے عالمگیر نمائشگاہ کھولی گئی تھی۔ مگر اس کے
بعد انگلستان میں کوئی دوسری اس قسم کی نمائش آج تک قایم نہیں
ہوئی بحالیکہ اُس زمانہ سے آجتک صنعت و حرفت اور علوم و فنون میں
صدہا بیش قیمت ایجادیں اور اختراعیں عمل میں آچکی ہیں۔ غرض تمام
یورپ اور امریکہ اس بات کے تسلیم کرنے میں متفق ہے کہ عالمگیر
نمائش گاہیں قایم کرنے کا سلیقہ جیسا کچھ کہ اہل پیرس جانتے ہیں اور
کوئی قوم نہیں جان سکتی۔ مَیں اپنی تائید میں اس نمائش گاہ کے اینگلو سکسن
گائیڈ کی تمہید سے چند سطور کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ یہ گائیڈ محض اینگلو سکسن
قوم کی رہنمائی کے لئے لکھا گیا تھا اس لئے فرانسیسی میلان کا اس پر شبہ
نہیں ہوسکتا۔ وہ لکھتا ہے :۔

"ایک دفعہ پھر اس دُنیا کے پرستان شہر پیرس نے سنہری آگ سے
روشن کی ہوئی جادو کی چھڑی اپنی انگلیوں میں گھمائی ہے۔ ایک دفعہ پھر
اسکے فہم باذنی کے اشارہ سے عیش و عشرت حسن دلفریب۔ نور اور بشاشت
کے محلات کو جن کی نظیر دُنیا کے باشندوں نے اس سے پیشتر نہیں
دیکھی دم زدن میں عدم سے وجود میں آگئے ہیں۔ اور ایک دفعہ پھر اس
آزادی کی ملکہ پری نے اپنی انگلیوں کے پوروں کے بوسہ سے تمام دنیا
کو آنے اور شیدائی بنانے کو بُلایا ہے۔ اس کی دعوت کا پیام تمام دُنیا
میں ہوا کے ساتھ پھیل گیا ہے۔ اور دُنیا کے ہر گوشہ سے زن و مرد اور
برنا و پیر اس کی خوشی خوش آمدید کہنے اور اس کی خوشی میں شریک ہونیکو آگئے
ہیں.... کیونکہ دُنیا کے پیچھے نہایت خوشی سے اس خوش گلو گوئے
(پیرس) کی سریلی آواز کو سُنکر (بھنور ہے) دیکھنے کے لئے از خود رفتہ ہوتے گئے

واسطے اسکی چار دیواری میں جمع ہو جاتے ہیں۔ فرانس ہی تمام قوموں میں اور تنہا پیرس تمام دنیا کے شہروں میں اچھی طرح جانتا ہے کہ تمام قوموں کو کس طرح یکجا جمع کرنا چاہیئے۔ ہر چند کہ ان کے مذاق ایک دوسرے سے کتنے ہی متناقض ہوں۔ پیرس بخوبی سمجھتا ہے کہ ان میں سے ہر فرد واحد کو کچھ دیر کے لیئے کس طرح شادمان اور مطمئن کر سکتا ہے تاکہ وہ اسکے صدر مقام کے حدود کے اندر ٹھیر جائیں۔ پیرس شادمانی کے لئے مخلوق ہؤا ہے۔ اسکا دلفریب چہرہ بجائے خود ایک دعوت ہے۔ اسکا بانکپن اور حسن ملائک فریب اثر کئے بغیر نہیں رہتے۔ اور اسکے حرکات و سکنات ایسی دل لبھانے والی ہیں کہ ہر مرتبہ جو وہ اپنے شاندار جشنوں میں شریک ہونے کے رتقعے تقسیم کرتا ہے تو کسی کو سوائے انہیں قبول کرنے کے چارہ نہیں ہوتا۔ ہر متواتر جشن پہلے سے وسیع اور شاندار ہوتا ہے اور جوں جوں مدت گذرتی جاتی ہے پیرس پر نیا جوبن آتا ہے۔ اور ہم میں سے ترش رو سے ترش رو بھی اس کی خندہ پیشانی کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غرض یہ ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمایش ان سب چیزوں سے جو دنیا دیکھ چکی ہے بہت بڑھی چڑھی ہے۔ لا دیب پیرس نے اپنے فن کا کمال دکھلا دیا ہے۔ اور دنیا میں اور کسی شہر کو ایسا کمال حاصل نہیں جو اسکے مقابلے میں پیش کیا جا سکے۔ اوڈاس اور بھدا لنڈن پر جوش سرگرم اور گرد آلود نیویارک۔ خاموش اور سوئی برلن یا دنیا بھر کا اور کوئی شہر کہ جسکا نام لیا جا سکتا ہے۔ وہ بین الاقوام نمایش گاہ ہونے کو کیا جانتے؟ ان میں سے ایک میں بھی ایسے دلکش اور دلفریب سامان بہم پہنچانے کی لیاقت نہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی یہ شوخی یہ بانکپن اور یہ البیلے ناز و ادا نہیں۔ یہ خوشنما چہرہ نکھرا ہؤا جوبن اور یہ وجدانی طاقت نہیں کہ جس کی کسی نمایش گاہ کی تکمیل کیلئے ضرورت ہے۔ کہ جہاں کہ ہر ذاق

ہر طبیعت اور ہر رسم و رواج کے لوگ دنیا کے روزمرہ دھندوں سے
تھوڑی سی دیر کے لیئے آزاد ہوکر اپنے آپ کو بھول جائیں۔ یہاں پیرس
میں کیسا خوشنما اور طبیعت میں انبساط پیدا کرنیوالا موسم ہے۔ کیسے
شاندار اور کشادہ بازار اور سڑکیں ہیں کہ جنکے دونو طرف سر بفلک درختوں
کی قطاریں چلی گئی ہیں۔ ہر طرف سے سوا سے خوشی کی صداؤں۔ خوبصورت
چیزوں اور دل لبھانے کے سامانوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور ہر وقت
تیوہار کی سی فرحت چاروں طرف نمودار ہے۔ پیرس عیش اور انبساط سے
زندگی گذارنے کا فن جانتا ہے۔ وہ زندہ دلی کی تمام تدابیر سے واقف
ہے۔ اور زیادہ متین اور شاید غمگین قوموں کے بہلانے کے فن میں ماہر
ہے۔ یہ تہذیب اور خوش اخلاقی۔ اور ناچ رنگ اور خوبصورت عورتوں کی
سرزمین جو کیا بلحاظ تاریخ کی دولت اور کیا دولت علم و فن اور خوش اسلوبی سے
زندگی بسر کرنے کی لیاقت کے ایک دفعہ پھر تمام دنیا کی قوموں کو اپنے خوان
نعمت پر مدعو کرتی ہے۔ کہ کم از کم مختصر سے زمانہ کے لیئے تو آپس کی
رقابتیں اور کشمکشیں بھول جائیں اور ایک عالمگیر نمایش کی دل لگی میں
محو ہو جائیں۔ امسال بلکہ اب پیرس آمادہ ہوا ہے کہ خوشی کرنے والونکے
ساتھ ملکر خوش ہووے۔ تمہیں اسکا ثبوت بمشاہدہ سے ملیگا۔ پیرس نے
اپنے آپ کو سب کا دوست بنا لیا۔ وہ سب کے لیئے خوش آمدید کا
ہاتھ بڑھائیگا خواہ وہ کسی حالت میں آئیں۔ اور اُسے بھروسہ ہے کہ جب
رخصت کا وقت آئیگا تو وہ لوگ آخر عمر تک اسکے یہاں سنہ ۱۹ میں
زمانہ تعطیل ہنسی خوشی میں گذارجانے اور عموماً قوم فرانس اور خصوصاً
اہل پیرس کی دلچسپ مہمان نوازی کو یاد کیا کرینگے۔"

یہ ہے نمایش پیرس اور پیرس کی تعریف جو ایک انگریز مصنف لکھتا
ہے۔ جو لاریب فرانسیسیوں کو رقابت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ میں پیرس

اور اس کی نمایش کی تعریف اس ڈر سے نہیں کرتا کہ کہیں میرا بیان مشرقی مبالغہ نہ سمجھا جائے۔ مندرجہ بالا سطور سے روشن ہے کہ پیرس نے اپنے سنہ ۱۹۰۰ء کی عالمگیر نمایش کو کس قدر دلفریب اور مفید بنایا تھا کہ دنیا کا اور کوئی شہر اس سے پہلے کوئی ایسی نمایش نہیں دکھلا سکا۔ وہی مصنف لکھتا ہے کہ صرف اس قدر کہہ دینا کہ سنہ ۱۹۰۰ء کی نمایش پیرس نے دنیا بھر کی تعلیم اور دل بہلاؤ کا اس قدر سامان بہم پہنچایا ہے کہ کبھی پہلے جمع نہیں ہوا اس کی سخت حق تلفی ہوگی۔ کیونکہ اس سے اسکی عظمت اور کوشش و کاوش کا کچھ اندازہ نہیں ہوسکتا۔ سرسری نظر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ نمایش پیرس بجائے خود ایک وسیع شہر ہے۔ اور نہ صرف بلحاظ عالیشان عمارتوں اور وسیع باغوں اور آرائشوں کے قابل عزت ہے۔ بلکہ اپنے متنوع اور متفرق مطالب اور دلچسپیوں کے لحاظ سے بھی قابل قدر ہے نکتہ چینوں اور رقیبوں نے بھی اگر اس نمایش پر کوئی الزام لگایا تھا۔ تو وہ یہی تھا کہ یہہ بہت بڑی تھی۔

نمایش دیکھنا یہہ بتلانے کی کیا ضرورت ہے کہ مجھے پیرس میں پہنچکر اس نمایشگاہ کو ایک نظر دیکھ لینے کا کس قدر شوق تھا کہ جس کی تعریف میں تمام یورپ اور امریکہ کے اخبارات رطب اللسان تھے۔ اور میری حالت اس اعرابی سے مشابہ تھی جو خلیفہ کے دسترخوان کی ہر ایک نعمت پر بے محابا پیاپے حملے کر رہا تھا۔ اور خلیفہ کی حضوری کے آداب تھوڑی دیر کے لئے فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں فیصلہ نہیں کرسکتا تھا کہ پہلے شہر پیرس کے عجائبات دیکھوں یا نمایش پیرس۔ اور کہاں سے شروع کرکے کہاں ختم کروں۔ بہرحال پہلے کچھ روز تو میں بہت بے قاعدگی سے نمایش کو دیکھتا رہا۔ میرے خیال میں اگر کوئی شخص اس دنیا کی سب سے بڑی نمایشگاہ کو کماحقہ دیکھنا چاہتا تو اُسے چھ ماہ یا

کم از کم تین ماہ دیکھنے میں لگانے پڑتے۔ ورنہ یوں تو بعض ممالک یورپ کے لوگ یہاں ایک ہفتہ اور تین دن کے لئے بھی آتے تھے۔ اور چاروں طرف نمایشگاہ میں چکر لگا۔ کہیں کہیں تماشے دیکھ اور کھا پی کر چل دیتے تھے۔ اور دل کو اطمینان دے لیتے تھے کہ اُنہوں نے پیرس کی سب سے بڑی اور سب سے آخری نمایشگاہ دیکھ لی۔ بلکہ انگلستان کی بعض ٹورسٹ کمپنیوں نے غیر مستطیع اور مصروف لوگوں کے لئے یہ انتظام کیا تھا کہ ہفتہ کی دوپہر کو انگلستان سے روانہ ہوں اور اتوار کو نمایش پیرس دیکھ کر۔ اتوار کی شام کو لنڈن کو روانہ ہو جائیں جو لوگ اور کسی طرح نمایش دیکھنے سے بالکل محروم رہ جاتے۔ اُن کی لئے یہ اچھا طریق تھا۔ بایں ہمہ میں اہل یورپ کے شوق و دید نمایش کی تعریف کرنے پر مجبور ہوں۔ ہر روز یوروپ کے ہر ملک اور امریکہ کے اکثر حصّوں کے ہزاروں بلکہ لاکھوں زن و مرد نمایش دیکھنے کے شوق میں سرمست صبح سے شام تک نمایش کی مختلف عالی شان عمارات میں پھر رہے تھے۔ ایسی ایسی نازک اندام لیڈیاں جو دو قدم پیدل راستہ چلنا گوارا نہ کریں۔ گھنٹوں نمایش گاہ میں پیدل پھر تیں تھک جاتیں۔ تو تھوڑی دیر سستانے کو بیٹھ جاتیں۔ کیونکہ نمایشگاہ میں جا بجا عمارات کے اندر اور باہر کرسیاں۔ بنچیں اور پرتکلف کاؤچ پڑے ہوئے تھے۔ جن پر تھکے ہوئے شائقین بیٹھ کر دم لے لیتے۔ نمایشگاہ کے احاطے کے اندر کوئی گاڑی نہیں داخل ہو سکتی۔ اسلئے ایک قسم کی ”پارمبولیٹر“ گاڑیاں جیسی کہ ہسپتالوں میں مریضوں کے پھرانے کے واسطے استعمال کی جاتی ہیں۔ بہت سے مزدور لئے پھرتے تھے۔ اور ان پر بعض تھکی ہوئی لیڈیاں اور جنٹلمین کچھ مزدوری دے کر بیٹھ جاتے تھے۔ اور مزدور انہیں جا بجا کمروں کے اندر اور باہر لئے پھرتے تھے۔ چونکہ میں اس پر سوار نہیں ہوا

مجھے ان کا کرایہ معلوم نہیں ٭

مقام نمائش — یوں کہنے کو تو نمائشگاہ پیرس صرف (۲۶۷) ایکڑ اراضی میں محدود تھی لیکن صرف دیکھنے ہی سے معلوم ہوسکتا تھا کہ یہ جگہ بہت بڑی ہے۔ جبکہ اس میں تین تین چار چار منزل کی اکثر عمارات اشیائے نمائش کے لئے تعمیر کی گئی تھیں۔ یہ مقام دریائے سین کے دونوں طرف شہر پیرس کے درمیان واقع ہے۔ اور اسپلاناڈ ڈاانولیڈ۔ شانڈامار اور ٹراکوڈیرو نامی تین مقامات دریائے سین کے کناروں پر پھیلے ہوئے تھے چونکہ شہر کے اندر ایک جگہ اتنی بڑی نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے نمائش کو تین چار مختلف مقامات پر پھیلا دیا تھا۔ اور سب کو آپس میں ملا دیا گیا تھا۔ ایسے طور پر کہ کہیں کہیں شہر کی سڑکیں نمائشگاہ کے بیچ سے گذر جاتیں۔ لیکن نمائشگاہ والوں کے لئے لکڑی کے پل اوپر سے گذرنے کے لئے بنا دیے گئے تھے۔ اور دوسرے لوگوں کو اندر آنے سے روکنے

نمائش کے ٹکٹ — کے لئے لکڑی کا پردہ لگا دیا گیا تھا۔ ہر شخص ہر روز ایک فرانک (دس آنہ) کا ٹکٹ دے کر نمائش کے اندر داخل ہوسکتا تھا۔ البتہ صبح آٹھ سے دس بجے تک اور شام کو چھ سے دس بجے تک نمائشگاہ میں داخل ہونے کے لئے فرانک فرانک کے دو ٹکٹ جدا لینے پڑتے۔ یہ ٹکٹ گو نام کو ایک فرانک کے تھے۔ لیکن دراصل فرانک کے دو دو اور کبھی تین تین بھی بک جاتے تھے۔ نمائشگاہ کے باہر سینکڑوں غریب مرد اور عورتیں ہاتھوں میں یہ ٹکٹ لئے ہوئے آنے جانے والے آدمیوں کے سامنے لاتے اور جو خریدنا چاہتے خرید لیتے۔ بعض لوگوں نے بیس فرانک کا ایک ہی بانڈ خرید رکھا تھا۔ انہیں روزمرہ نیا ٹکٹ نہیں خریدنا پڑتا تھا۔ ان ٹکٹوں سے بہت بڑی آمدنی نمائش کرنے والوں کو ہوئی ہوگی تاہم خیال تھا کہ مقابلہ ان کے خرچ اور محنت کے خسارا رہا ہوگا۔

٭ کھیل کود اور ورزش اور ریلوں کے سامان وغیرہ بڑی چیزوں کی نمائش شہر کے قریب ایک کھلے میدان میں کی گئی تھی جو اس سے علیحدہ ہے اور ۲۷۲ ایکڑ وسیع ہے ٭

کیونکہ نمایش گاہ اتنے وسیع پیمانے پر بنائی گئی تھی کہ اسکے خرچ پورے نہ ہوسکے نمایشگاہ کے داخلہ کے کئی دروازے تھے۔ جو لوگ یہ ٹکٹ دے کر نمایش کے احاطے کے اندر داخل ہو جاتے۔ وہ نمایشگاہ کے سارے مکانات اور اشیائے نمایش کے دیکھنے کا حق رکھتے تھے۔ لیکن جو مکانات عجیب اور قابل دید تماشے پرائیویٹ لوگوں نے نمایش کے اندر قایم کئے تھے اُن کے لئے الگ الگ ٹکٹ فرانک یا دو فرانک یا اس سے کم و بیش قیمت کے لینے پڑتے۔ مثلاً اگر تم کوئی پانورا ما یا ڈایورا ما دیکھنا چاہو یا سب سے بڑی دوربین دیکھو۔ یا زیر زمین کان میں جاؤ۔ یا ایفل ٹاور پر چڑھو۔ تو تمہیں الگ الگ ٹکٹ داخلہ کے لینے ہونگے۔ یہ لوگ بھی لاکھوں روپیہ کما رہے تھے۔ لیکن مجھے ایک اطالین جنٹلمین نے (کہ جس کی نمایش کے بہت بڑے وھیل یعنے ہنڈولے میں شراکت تھی) بتلایا کہ اکثر نمایش کرنے والے سوائے معدودے چند کے خسارہ اٹھا رہے تھے۔ کیونکہ جس قدر لوگوں کے شریک نمایش ہونے کی توقع تھی اُس قدر نہیں ہوئے تھے۔

انگریزوں کی شرکت

خصوصاً انگلستان سے بہت کم لوگ آئے تھے شاید اسلئے کہ بوجہ اخراجات جنگ ٹرنسوال کئی لوگ زیادہ خرچ نہیں کر سکتے تھے۔ شاید اس لئے کہ بہت لوگ جنوبی افریقہ کو گئے ہوئے تھے۔ شاید اسلئے کہ بہت سے لوگ افریقہ میں عزیزوں کے مارے جانے کی وجہ سے ماتم میں تھے۔ لیکن بقول "چور کی ڈاڑھی میں تنکا" فرانسیسی سمجھتے تھے۔ کہ چونکہ فرانسیسی اخبارات نے جنگ ٹرنسوال کے متعلق انگلستان کے خلاف ناگوار تحریرات شائع کی ہیں۔ اسلئے اہل انگلستان ان سے خفا ہیں اور بہت کم نمایش میں شریک ہوئے ہیں۔ یہی حال انگلستان کی اشیاے نمایش کا تھا۔ گو جا بجا انگلستان کی ساختہ چیزیں اور کلیں نمایش کی گئی تھیں۔ اور کئی یوروپ کے ملکوں سے اچھی تھیں لیکن

نمایش کرنے والے ملک | انگلستان کے اول درجہ کی سلطنت ہونے کی وجہ سے

اُس سے اس سے بہت زیادہ شرکت کرنے کی توقع کی جاتی تھی۔ اس وقت مختلف مقامات نمایش کو دیکھ کر جو میں اندازہ اسباب نمایش کے متعلق لگا سکا تھا اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ فرانس کی اشیاء صنعت و حرفت اور کلیں وغیرہ سب ملکوں سے زیادہ تھیں۔ اور یہ قدرتی بات تھی کہ فرانس کی چیزیں زیادہ ہوتیں۔ اس کے بعد دوسرا درجہ جرمنی کا تھا۔ جرمنی نے ہر بات میں بڑھ کر قدم مارا تھا۔ مکانات نئے تو نرالے ڈھنگ کے بنائے تھے نمایش میں چیزیں بھی عمدہ اور زیادہ رکھی تھیں۔ تیسرا درجہ اضلاع متحدہ امریکہ کا تھا پھر آسٹریا ہنگری۔ انگلستان۔ اٹلی۔ روس۔ جاپان۔ بلجیئم۔ ہالینڈ۔ سوئٹزرلینڈ پرتگال۔ یونان وغیرہ کا درجہ تھا۔ یہ بات بہت دلچسپ تھی کہ جاپان نے اس نمایشگاہ کے اکثر شعبوں میں خاصہ حصہ لیا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ایک ایشیائی قوم یورپین اقوام کے پہلو بہ پہلو ہی صنعت و حرفت کی اشیا کا مظاہرہ کرتی تھی

ٹرکی کی بے توجہی! | افسوس ہے کہ سلطنت ٹرکی نے باوجود یورپ میں واقع ہونے کے اشیاء نمایش میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ البتہ اقوام کے مکانات کی قطار میں سلطنت عثمانیہ کا ایک عالی شان مکان مسلمانی طرز تعمیر کا بنا ہوا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس میں ضرور کچھ ٹرکی ساخت کی چیزیں اور کچھ مسلمانوں کی صورتیں ملیں گی۔ لیکن دونوں امیدوں سے مایوسی ہوئی اس مکان کی دو تین منزلوں میں چھوٹے چھوٹے دوکانات اور بعض کپڑوں مثل رومال وغیرہ اور قالینوں کے بیچنے کی دوکانیں یہودیوں نے کھول رکھی تھیں۔ ان پچاس ساٹھ چھوٹی چھوٹی دوکانوں میں صرف ایک شخص مسلمان تھا۔ مزہ تو یہ ہے کہ یہ یہودی بھی زیادہ تر شامی تھے۔ قسطنطنیہ

۹۴؎ (۲۶۹۱۰۰۰) مربع فیٹ میں صرف فرانس اور اسکی نوآبادیوں کی نمایش تھی اور باقی (۱۸۲۹۸۸۰) مربع فیٹ پر تمام ممالک غیر کی۔

کے نہیں بچتے۔ مجھے ترکوں کی یہ بے پرواہی دیکھ کر افسوس ہوا۔ یہ مسلمان محمد جمشید شاہ آٹھ دس سال انگلستان میں طبابت چشم کر چکا ہے۔ اور اس کی بیوی بھی انگریزن ہے۔ اس سے میں نے ترکوں کی اس بے اعتنائی کی وجہ پوچھی۔ تو اُس نے کہا ترک سمجھتے ہیں کہ وہ یوروپ میں آکر بے دین ہو جاتے ہیں۔ اس لیئے وہ گھر میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ ابتدا سے اسلام میں تو مسلمان چین۔ ہندوستان اور ہسپانیہ تک جاکر بیدین نہیں ہوتے تھے۔ جبکہ راستہ سالوں میں طے ہوتا تھا۔ اور اب جب کہ راستہ گھنٹوں میں طے ہو سکتا ہے۔ اور ترک خاص یوروپ میں رہتے ہیں۔ قسطنطنیہ سے پیرس تک صرف دو شب و روز صرف ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بے دین ہو جانے کے ڈر سے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ دوسری طرف کمبخت جاپانی ہزارہا میل گھر سے دور سینکڑوں پیرس میں ملتے ہیں۔ اور یوروپ اور امریکہ کے ہر بڑے شہر میں کسب فن اور تحصیل تعلیم کے لیئے جاتے ہیں۔

یہودیوں کی کثرت ترکی کے مکان سے مایوس ہو کر مجھے خیال ہوا کہ مصر اور الجیریا اور ٹیونس اور طرابلس کے مکانات بھی تو نمائش میں ہیں۔ وہاں مسلمان ضرور ملیں گے۔ میں نے ہر جگہ جاکر دیکھا کہ یہودی اور صرف یہودی ہر مکان میں ان ممالک کی اشیاء کی دوکانیں کر رہے تھے۔ انہوں نے ترکی ٹوپیاں اور مصری۔ بدوی۔ الجیری اور مراکشی جبّے اور عمامے پہنے ہوئے تھے۔ اور صرف اپنے لباس کی بدولت یوروپ میں روٹیاں کما رہے تھے۔ الجیری مکانِ نمائش میں مجھے دو تین مسلمان محافظ نمائش سے ملے۔ اور ٹیونس یعنی طنجہ کے مکان میں صرف باورچی مسلمان تھے۔ کہ جن کے یہاں میں ہر روز شام کا کھانا کھاتا تھا۔ اور اس سے مجھے بڑا آرام ملا تھا۔

یہودی عورتوں کا ناچ یہودی عورتیں جو بالکل گوری چٹی اور حسین ہوتی ہیں۔ یہ کمبخت

عربی اور مسلمانی عورتوں کا لباس پہن کر ٹرکی۔ مصر۔ ٹیونس اور مراکش
چار ملی مقامات کے تھیٹروں میں ناچتی تھیں۔ ہندوستان کی رنڈیوں
کا ناچ اِن کے مقابلہ میں نہایت شریفانہ اور مہذبانہ ہوتا ہے۔ یہودنوں
کا لباس اور ناچ خاصہ فحش ہوتا۔ اور اہل یوروپ تماشبین قدرتاً یہ سمجھتے تھے
کہ وہ محمڈن عورتوں کا ناچ اور تماشا دیکھ رہے تھے۔ مجھے یہ باتیں دیکھ کر
افسوس ہوا۔ لیکن اس کی تلافی اور کسی طرح سے نہیں ہو سکتی کہ ہزارہا مسلمان
یوروپ میں جائیں اور اپنے گھر سے چال چلن اور لیاقت سے اپنا سکہ ان
ممالک میں جماویں۔ اِس وقت روے زمین پر کم از کم
حساب سے ۱۸ کروڑ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ جو دنیا کی آبادی کا آٹھواں
حصہ ہیں۔ بقول دیگرے ۲۵* کروڑ سے کم مسلمان دنیا میں آباد نہیں۔ جو دنیا میں ہر

دنیا میں مسلمانوں کی آبادی

* دنیا میں مسلمانوں کی آبادی کی مقدار کے متعلق مختلف لوگوں کی مختلف رائیں ہیں۔ یہ بات
قرین قیاس ہے کہ ممالک اسلامیہ خصوصاً افریقہ کی مسلمان آبادی کا صحیح اندازہ یورپین جغرافیہ
دان نہ کر سکے ہوں۔ عام جغرافیوں میں کل دنیا میں ۱۸ کروڑ مسلمان بتلائے جاتے ہیں۔ اور
ایک حال کے انگریزی اخبار میں ان کی تعداد حسب ذیل پونے بیس کروڑ کے قریب بتلائی گئی
ہے۔ کل دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ۱۹ کروڑ ۶۵ لاکھ ہے۔ ایک کروڑ ۸۰ لاکھ سلطان ٹرکی کی
حکومت میں ہیں۔ ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ دیگر مسلمان فرمانرواؤں (مثلاً شاہ فارس امیر کابل وغیرہ)
کے ماتحت ہیں۔ ۳ کروڑ ۶۵ لاکھ افریقن ریاستوں کے زیر حکومت ہیں۔ چین میں مسلمانوں
کی تعداد ۲ کروڑ ہے۔ عیسائی سلطنتوں کی مسلمان رعایا کی تعداد ۹ کروڑ ۹۰ لاکھ ہے۔ اس
تعداد میں سے ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ مسلمان انگلش گورنمنٹ کی رعایا ہیں۔ قاہرہ کے عربی اخبار
المؤید نے حسب ذیل تعداد دنیا کے مسلمانوں کی نقل کی ہے :- دولت عثمانیہ اور یورپ میں
۲ کروڑ ۳۰ لاکھ۔ سلطنت ایران ۹۰ لاکھ۔ ملیبار ۱۰ لاکھ۔ دولت افغانستان ۴۰ لاکھ۔ دولت
مصر ۶۰ لاکھ۔ حکومت بخارا ۵۰ لاکھ ۶۰ ہزار۔ سوڈان یعنی حبش مشرقی ایک کروڑ ۸۰ لاکھ۔
خیوا ۵۰ لاکھ۔ ادگنڈا ۵۰ لاکھ۔ سلطنت روس ۸۰ لاکھ۔ سلطنت زنجبار ۳۰ لاکھ چینی تاتار ۲۰ لاکھ

ہر چھٹا شخص شمار ہو سکتے ہیں۔ مگر یہاں مجھے تلاش سے صرف چند شخص انگلیوں پر گننے کے لائق نظر آئے اور وہ بھی بجز ایک آدھ استثنار کے نہ شوق دید نمایش سے آئے تھے اور نہ اسباب نمایش لائے تھے۔ بلکہ معمولی اور ادنےٰ خدمات پر ملازم ہو کر آئے تھے۔

ہندوستانی تماشا کی کمپنی

یہ تو مسلمانوں کا حال تھا۔ عام طور پر اہل ہند کا قصہ سنیئے۔ ہندوستانی ہندو یا مسلمان یہاں عنقا تھے۔ البتہ لکھنؤ اور الہ آباد کے چند ہندو وکیلوں کا بھلا ہو کہ اُنہوں نے اپنے ملک کے تماشے اور کرتب یوروپ میں دکھلانے کے لئے ایک پرفارمنگ کمپنی بنائی تھی اور ساٹھ ستّر ہندوستانی ہندو مسلمان ملازم رکھ کر ساتھ لے گئے تھے۔ انہیں میں مشہور پہلوان غلام محمّد مرحوم امرت سری۔ اور اُسکا بھائی کلّو بھی مع چار دوسرے لاہور اور امرت سر کے پہلوانوں کے تھے۔ ایک رنڈی اور کچھ بھانڈ پنجابی ایک رنڈی اودھ کی۔ اضلاع مغربی و شمالی کے کئی سارنگی۔ ستار وغیرہ بجانے والے۔ دو بھان متی۔ ایک بنگالی لٹّو گھمانے کا کرتب کرنے والا کچھ جمناسٹک والے۔ ایک دہلی کا مصوّر نذیر حسین۔ ایک سپیرا۔ ایک کپڑا اکھانیوالا۔ ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵: سلطنت چین خاص ۳ کروڑ ۲۰ لاکھ۔ جرمن مقبوضہ مشرقی افریقہ ۸ لاکھ۔ بلوچستان ۵ لاکھ موزمبیق ۲ لاکھ ۵۰ ہزار۔ ہندوستان ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ۔ سلطنت مراکو ۸۰ لاکھ۔ سلطنت الجیریا ۴۴ لاکھ۔ سلطنت مصر ۳۴ لاکھ۔ سلطنت ٹونس ۱۵ لاکھ۔ طرابلس ۱۰ لاکھ۔ صحرا افریقہ ۵ لاکھ۔ سلطنت وادی ۳۶ لاکھ۔ جزیرہ بوزبیوہ ۵ لاکھ۔ میزان کل اہل اسلام دنیا ۲۲ کروڑ ۶ لاکھ ۴ ہزار ہے اور میزان کل اقوام عیسائی ۳۰ کروڑ ۳۰ لاکھ اور اہل یہود ۵ کروڑ ۱۰ لاکھ اور غیر اہل کتاب ۹۲ کروڑ ۹۴ لاکھ ۷۱ ہزار + ایک فرانسیسی فاضل ایم بیرنا نے اپنی کتاب سیرالاسلام میں مفصلہ ذیل تعداد اہل اسلام کی درج کی ہے: یوروپ میں ایک کروڑ ۱۷ لاکھ ۹ ہزار ۶ سو ۶۸۔ ایشیا میں ایک کروڑ ۳۴ لاکھ ۲۲ ہزار ۹ سو ۹۲ + افریقہ میں ۱۰ کروڑ ۱۱ لاکھ ۲۱ ہزار ۹ + آسٹریلیا اور اسکے جزائر میں ۴۷ لاکھ ۵۷ ہزار + برٹش انڈیا میں ۵ کروڑ ۵۰ لاکھ ۶۲ ہزار۔ شمالی افریقہ میں ۲ کروڑ ۵ لاکھ ۴۰۔ جزائر ہند میں ۱ کروڑ ۳۵ لاکھ ۶۳ ہزار۔ ایشیا میں ۲ کروڑ ۱۱ لاکھ ۶ ہزار۔ میزان کل ۲۵۷۹۰۲۸۷۰ ان نمبروں اندازوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد اصل سے کم ہے اسلئے اسپر مبالغہ کا شک نہیں ہوسکتا

حلوائی۔ ایک سات فیٹ لمبا آدمی۔ دو لکھنؤ کے مٹی کے کھلونے بنانے والے اور کچھ اور ملازم تھے۔ غلام پہلوان کے مقابلہ کے لئے پہلے خیال تھا کہ انگلستان کا نامور پہلوان سینڈو نامی نکلیگا۔ لیکن وہ اس قسم کی کشتی کرنے سے ہچکچاتا تھا کہ جس کا ہندوستان میں رواج ہے۔ وہ بوجھ بہت اٹھا سکتا ہے اور مکوں سے لڑ سکتا ہے کیونکہ یورپ اور امریکہ میں یہی شہ زوری کی علامت سمجھی جاتی ہے لیکن کشتی نہیں کرتا۔ اسلئے ایک ترک پہلوان قارا احمد نامی نے غلام سے کشتی کرنا منظور کیا۔ افسوس ہے کہ پورے تین ماہ یہ لوگ بیمار رہے۔ پہلے اس کمپنی میں کچھ فرانس کے لوگ بھی شریک تھے۔ جو کسی وجہ سے الگ ہو گئے۔ مقدمہ بازیاں ہوئیں۔ آخر بیچارے ہندوستانیوں کے سر پر سارا بوجھ پڑ گیا۔ لکھنؤ کے وکیل پنڈت موتی لال جو اسکے بانی تھے۔ کل کام کے ذمہ وار تھے۔ میرے پہنچنے کے بعد ان کا تھیٹر بنکر تیار ہوا۔ اور انہوں نے بہت دیر کے بعد کام شروع کیا۔ لوگ ان کے تماشوں کو پسند کرتے تھے۔ لیکن تین ماہ تک کام نہ شروع کر سکنے سے ان کا نقصان گیا تھا کہ دو لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا تھا۔ میں پنڈت موتی لال اور ان کے شرکا کی ہمت کی تعریف کرتا تھا۔ اور ان کی کامیابی کے لئے دعا کرتا تھا لیکن ان لوگوں کے دیر سے کام شروع کرنے اور خرچ بڑھ جانے سے انہیں فائدہ نہ ہونے دیا۔ ورنہ جو تماشے انہوں نے پہلی پہل کئے تھے انہیں لوگ بہت پسند کرتے تھے۔ جب میں لنڈن سے لوٹ کر آیا تو مجھے ایک ہندوستانی نے بتلایا کہ کمپنی کے تماشوں میں بہت کم آدمی جاتے ہیں۔ اور کمپنی نے پہلوان وغیرہ کئی آدمی ہندوستان کو لوٹا دیے ہیں۔ شاید بانیان کمپنی کو یہ اس بات کی سزا ملی ہوگی کہ ہندوستانی ہوکر انہوں نے سرزمین یورپ سے بجائے خرچ کرنے کے کچھ کمانے کا ارادہ کیا تھا۔ بھلا ان کے چلائے

ہندوستانی یورپ سے کما کر لائیں

یہ الٹی گنگا تھوڑا ہی چلنے لگی تھی۔ وہ تو خیر گذر ہی کہ انہیں خسارہ ہوا اور نہ آئندہ ہمیشہ ہندوستانی یوروپ میں جاکر کمانے کھانے کی راہ ہی نکال لیتے۔ امید ہے کہ اہل یوروپ کی طرح ہندوستانی اس ایک شکست سے پست ہمت نہیں ہو جائینگے۔ پرفارمنگ کمپنی میں کامیابی نہیں ہوئی تو کچھ انتظام کی غلطی یا اَور وجوہات ہونگی۔ ہندوستان کی دستکاریوں کو یوروپ اور امریکہ میں شہرت دینے اور کھپانے کے لیئے اور یوروپ کے مختلف ممالک کے مال کو جو یہاں آتا ہے خوب سٹڈی کر کے ہندوستان پہنچنے کے لیئے ہزار پانچ سو ہندوستانیوں کی کھپت ہوسکتی ہے۔ جو کاروبار سے کچھ مس رکھتے ہوں۔ اور شروع میں کام چلانے کے لیئے کچھ روپیہ بھی خرچ سکیں۔ ان میں سے ممکن ہے بعض تو لکھپتی ہو جائیں۔ مگر باقی بھی کام سمجھ جانے کے بعد تین چار سو روپیہ ماہوار سے کم نہیں کمایا کرینگے۔ مجھے وہ ہندوستانی بہت پیارے معلوم ہوتے ہیں جو ہندوستان سے باہر جاکر کمائیں اور اگر ہو سکے تو اس کمائی کو ہندوستان میں لاکر کھائیں۔ اہل یوروپ کروڑوں روپے ہندوستان سے کماکر یوروپ میں لے جاتے ہیں۔ سو آئندہ ہندوستان کے سب سے بہتر فرزند وہ ہونگے جو یوروپ امریکہ وغیرہ میں جاکر کسی نہ کسی طرح سے محنت مزدوری یا تجارت سے کمائیں ہر چند کہ میں نے بہت غور کیا مگر ہندوستانیوں کے یوروپ میں آکر کمانے کے سب راستے ظاہرا بند پائے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ اگر ہندوستان کے کئی ہونہار نوجوان عزم کر لیں تو وہ یوروپ میں جاکر اپنے لیئے راستے خود کھول سکتے ہیں۔ کیا وہ چینیوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ اگر ہندوستانی یہاں کی طرح طرح کی مشینوں اور دوسرے کارخانوں سے مزدور بنکر سینکڑوں ہنر اور فن سیکھ جائینگے تو اپنے ملک میں جاکر انہیں رواج دے سکیں گے۔ اب تو یہ وقت ہے کہ اگر کوئی ہندوستانی یوروپ سے کوئی مشین بھی خریدتا ہے

تو اکثر اوقات اُس کے پُرزے نہ جوڑ سکنے کی وجہ سے مشین کام میں نہیں لا سکتا - ہر چند کہ انگریز سو سال سے زیادہ سے ہندوستان میں حکومت کرتے ہیں - لیکن اُن کے تعلق سے ہندوستانیوں پر یورپ کی اچھی باتوں کا اتنا اثر نہیں پڑا - جتنا کہ ایک ہزار ہندوستانیوں کے دو تین سال یورپ و امریکہ میں رہ کر واپس جانے سے پڑ سکتا ہے - لیکن شرط یہہ ہے کہ یہ ہندوستانی کچھہ لکھے پڑھے ضرور ہوں - یہاں تو میں نے دیکھا ہے کہ صرف گھوڑے اور بیل اور گنتی تو پڑھے ہوئے نہیں ہیں - باقی اللہ کی سب مخلوقات خواندہ ہے - بعض اوقات کسی میلے کپڑوں والے یا غریب شخص کی طرف دیکھہ کر گمان ہوتا ہے کہ وہ پڑھا ہوا نہیں ہے - لیکن وہ کم و بیش خواندہ نکلتا ہے *

پیشوں اور حرفتوں کے اثر

نمایش گاہ پیرس میں اور اس سے باہر مجھے اکثر اوقات خیال رہتا تھا کہ کوئی ایسے مفید اور کار آمد پیشے اور چھوٹی چھوٹی کلیں تلاش کروں کہ جن سے ہندوستان کے غریب لوگ معمولی استطاعت کے ساتھہ کام کر سکیں - چنانچہ میں نے اس بارہ میں جو چند نوٹ کئے تھے انہیں کتاب کے اخیر میں درج کرتا ہوں - ایک روز میں نے نمائشگاہ میں ایک امریکہ کے میوجات "پریزرو" (Preserve) کرنے والے جنٹلمین سے ملاقات کی اور اُس کی خوش اخلاقی نے مجھے جرأت دلائی تو میں نے اُس سے میوجات کو سڑنے سے محفوظ رکھنے کا حال معلوم کیا اُس نے مجھے یہہ تو بتلا دیا کہ نمایش کرنے کے لئے میوجات کی بغرض نمایش اصلی شکل و صورت قایم رکھنے کے واسطے کیا تدبیر کرنی چاہئے مگر عام طور پر کھانے کے میوجات کو کچھہ مدت تک محفوظ رکھنے کا طریقہ نہ بتلایا - تاہم ایک طریقہ جو مجھے معلوم ہوا تھا وہ اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ لکھتا ہوں - اگر ہندوستانی کم و بیش تنخواہ پر تھوڑا عرصہ یورپ

کارخانوں میں مزدوریاں کریں تو وہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔

یورپ کے میوجات یورپ کے سرد ملکوں میں میوجات بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ بعض میوے یہ لوگ بڑی مشکل سے شیشہ کے مکانات میں پیدا کرتے ہیں۔ خربزہ جیسی عام چیز کو شیشہ کے چوکھٹوں میں پالتے ہیں۔ اسی سے قیاس ہو سکتا ہے کہ ان کے دام یہاں کتنے ہونگے۔ سالم خربزہ خرید کر یہاں کھانے کا رواج نہیں ہے کیونکہ لوگ اتنے دام نہیں دے سکتے اسلئے بعض ہوٹلوں میں کھانے سے پہلے ایک پھانک خربوزہ کی بھی دیتے ہیں جس کے دام دس پانچ آنے یا اسکے قریب لگا لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہاں سردے کیوں نہیں بھیجے جاتے۔ شفتالو ڈبوں میں روئی میں بند ہو کر اٹلی سے دیگر بلاد یورپ میں جاتے ہیں۔ اسلئے ایک ایک شفتالو کی قیمت تین تین چار چار آنے ہے۔ ایسے شفتالو لاہور میں پیسے کے آدھ سیر اور سیر بکتے ہیں۔ میرے لاہور کے دوست جانتے ہیں کہ مجھے شفتالو سے بہت رغبت ہے۔ لیکن یہاں میرے پاس اتنے دام نہیں تھے کہ پیٹ بھر کے جتنے چاہتا کھاتا۔ علاوہ اسکے یہ ایسے لذیذ بھی نہیں تھے کہ جیسے لاہور میں ہوتے ہیں۔ آم کا یہاں کے لوگ نام بھی نہیں جانتے ہیں ہندوستان سے لاکھوں روپیہ لاگت کی تجارت میوجات کی یورپ سے جاری ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ پیسہ والے ہیں اور کھانے پینے پر بہت خرچ کرتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ہندوستان میں میوجات ایک دو ماہ محفوظ رکھنے کی سستی اور سہل ترکیب جانتے ہوں تو وہ اپنے ہموطنوں کے فائدے کے لئے مشتہر کر دیں کیونکہ صرف اسی لائن میں لاکھوں روپیہ لاگت کی تجارت یورپ سے چل سکتی ہے۔

کچھ اور ہندوستانی علاوہ ان ہندوستانیوں کے جن کا میں ذکر کر چکا ہوں دو بنگالی۔ دو بمبئی پارسی۔ ایک مرہٹہ۔ ایک سرحدی پٹھان۔ گلاب شاہ نامی

جو ۸ سال سے یوروپ میں رہتا ہے اور گو ناخواندہ ہے مگر فرانسیسی اور انگریزی بلاتکلف بول سکتا ہے اور یوروپ سے ہر طرح اپنی روٹی کما لینے میں بڑا ہوشیار ہے۔ اور ایک لاہور کا بابو محمد بخش مجھے یہاں ملے شاید کوئی بھولا بھٹکا اور بھی پنجابی یہاں ہو۔

یوروپ کے غریب لوگ ہر چند کہ نمائش گاہ میں تمام یوروپ اور امریکہ کے دولتمند اور فیشن ایبل لوگ جمع تھے تاہم بہت سے غریب یوروپین کنبے بھی ہر طرف نظر آتے تھے۔ اور جس طرح دولتمند لوگ ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں میں پرتکلف اور بیش قیمت کھانے کھاتے تھے اسی طرح یہ غریب کنبے اپنی بیگوں اور تھیلیوں سے روٹیاں نکال لیتے اور نمائش گاہ کے کسی باغیچہ یا کونہ میں بیٹھ کر بیئر شراب یا پانی کے ساتھ خشک روٹی کو حلق سے اتار لیتے جس طرح ہمارے ملک میں دیہاتی میلوں کے موقعوں پر غریب لوگ روٹیاں پکوا کر پلے باندھ لاتے ہیں ویسا ہی ان کا حال تھا۔ مگر یہ لوگ کچھ شربت یا شراب وغیرہ خرید لیتے تھے۔ کیونکہ یہاں پانی مفت ملنے کا کوئی مقام نہ تھا۔ صرف دو چار جگہ میں نے پانی کے نلکے بھی دیکھے جہاں سے لوگ مفت پانی کے گلاس اور بوتلیں بھر لیتے تھے۔

نمائش کے گائیڈ نمائشگاہ پیرس کے حالات کے لیے فرانسیسی انگریزی میں کئی گائیڈ بکیں چھپی ہوئی ملتی تھیں۔ لیکن سب سے اعلے گائیڈ وہ آفیشل ہینڈ بک تھی جو سولہ یا اس سے زیادہ جلدوں میں منتظمان نمائش کی جانب سے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں کل اشیا کی تفصیل درج تھی جو نمائش میں رکھی گئی تھیں۔ میں نے پانچ روز مختلف اوقات میں بعض پیرس کے ملاقاتیوں کی مدد سے نمائش وغیرہ کے مقامات دیکھے۔ اسلیے یہاں مجھے کسی تنخواہ دار گائیڈ کے رکھنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

اس عظیم الشان نمائش کو میں ناظرین کے تفہیم کے خیال سے پہلے دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔ ایک حصہ میں وہ تمام اشیاء ہے صنعت وحرفت وساختہ ممالک دنیا ہیں جو بغرض تعلیم جمع کی گئی ہیں۔ اور دوسرے میں وہ

تمام دل بہلاؤ کے سامان مثل ایفل ٹاور پر چڑھنے یا غبارہ پر اوڑنے۔ یا زیر زمین جانے۔ یا تھیٹر اور پنوراما وغیرہ دیکھنے کے تھے۔ دیکھنے کے سوا ایک بڑا حصہ نمایش میں کھانے پینے کا شامل تھا۔ چپہ چپہ پر بیئر شراب۔ دیگر شرابوں۔ قہوہ اور چاء اور لیمونیڈ پینے کی دوکانیں اور کھانے کے رسٹارنٹ تھے۔ یہ لوگ خوب روپیہ کما رہے تھے۔ یہاں پانی پینے کا تو رواج ہی نہیں تھا۔ مجھے عجب عجیب تجربے اثناء سفر میں ہوئے۔ یہ لوگ بڑے کھانے اور پینے والے ہیں۔ اور اکثر وقت فرصت میں کھاتے پیتے نظر آتے ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا میں بھوک بھی زیادہ لگتی ہے ۔

نمایش میں فن تعمیر پر دور

نمایشگاہ کی بڑی ترکیب اس طرح ہے کہ پیرس کے مشہور "بوادائے" (لمبا اور کشادہ بازار جس کے دونوں طرف سایہ دار درخت ہیں)۔ اور شانز لائزی" (سٹرک) کے قریب اور "پلاس ڈالا کونکار" (وسیع چوک) کے محاذی نمایش کا بڑا دروازہ تھا تین ۶۶ - ۶۶ فیٹ محرابوں کا ایک مثلث (۵۴۶) گز زمین پر بڑے تکلف سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے گنبد کے نیچے دو ہزار آدمی کھڑے ہو سکتے تھے گویا یہ مثلث عمارت تھی کہ جس کے تینوں پہلوؤں میں تین دروازے تھے۔ اور اٹھاون جنگلے آدمیوں کے اندر گذرنے کے تھے کہ جس سے ایک گھنٹہ میں ۶۰ ہزار آدمی داخل ہو سکتے تھے۔ یہہ دروازہ ہزارہا رنگین برقی لمپوں سے رات کو خود بخود روشن ہو جاتا تھا۔ اور عجیب دلکش نظارہ ہوتا تھا۔ یہ بڑے تکلف منبت کاری اور بتوں اور تصویروں کے کام سے آراستہ تھا۔ تصویروں، بتوں اور دیواروں کے "فریز" میں پتھر اور چونہ کے بیل بوٹے بنانے کے کام کی یہاں اسقدر عزت ہے۔ اور اس کام کو نمایش کی عالیشان عمارات میں جا بجا اس قدر صرف کیا گیا تھا کہ میرے خیال میں جسقدر لاگت کل عمارتوں کی تعمیر پر آئی ہوگی اس سے بہت زیادہ ان کی ایسی آراستگی پر آئی ہوگی کہ جن پر خاص خاص نامی آرٹسٹ اور مصور لگائے گئے تھے۔

اور اُنھوں نے جو کام کئے تھے اُن سے عمر بھر کے لئے اُن کے نام روشن ہو گئے۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ ان لوگوں کی اس جانفشانی کو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ لیکن مندرجہ ذیل بیان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فرانس میں اس خاص آرٹ کی کس قدر قدر دانی ہوتی ہے۔ فرانس کے تمام ملک میں مختلف مدارس آرٹ کے قائم ہیں۔ اور سرکار فرانس کا فرض ہے کہ ان سب پرائیویٹ سکولوں کی مالی امداد کرے۔ پیرس کے نیشنل سکول آف فائن آرٹس میں نقاش، مصور، بت بنانے والے، پتھر کندہ کرنے والے اور معمار وغیرہ تعلیم پاتے ہیں۔ جنکو گورنمنٹ سے وظائف ملتے ہیں۔ اور اسی سکول کی بدولت فرانس کے آرٹ کا رتبہ یورپ بھر میں اعلیٰ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں سے یہ لوگ تعلیم ختم کرکے اکاڈیمی آف فرانس واقع روم (اٹلی) میں اس فن کی تعلیم کی تکمیل کے لئے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ گورنمنٹ فرانس چینی اور مٹی کے برتن بنانے اور ٹیپسٹری کی قسم کے قالین بننے کے مدارس پر روپیہ خرچ کرتی ہے۔ "جیسی تو مٹی کے برتن سونے کی قیمت سے خریدنے کو جی چاہتا ہے۔ اور ان پر ایسا اعلیٰ آرٹ کا کام کیا ہوا ہوتا ہے۔ کہ انسان دنگ ہو جاتا ہے۔ ان کے بہت سے نمونے نمایش میں میں نے دیکھے۔

فن تعمیر میں قومی خصوصیت

اس کے علاوہ نمایش کے مکانات میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی تھی کہ وہ بڑے عالی شان ہوں اور خاص خاص حالتوں کے لئے اُن کی صورتیں موزون ہوں۔ اور یہ واقعی بہت بڑا کمال یہاں کے معماروں نے کیا تھا کہ شکل سے دیکھ کر پہچان جاؤ کہ یہ عمارت ٹرکی کی ہے۔ یہ ایران کی ہے۔ یہ مصر کی ہے۔ یہ چین کی ہے۔ یہ جاپان کی ہے۔ یہ روس کی۔ اور یہ افریقہ کی کسی وحشی قوم کا بھدا سا گارے سے لیپا ہوا جھونپڑا یا چھپر کا مکان ہے۔ یہ بہت بڑا کمال ہے۔ اور اس سے بھی بڑا کمال یہ ہے کہ سیام اور انام کے بعض پہاڑ میں کھودے ہوئے مندر اور غاریں بنا کر دکھلائی

گئی تھیں۔ جو بالکل پہاڑ کی کھوہ معلوم ہوتے تھے۔ لیکن دراصل کاریگروں نے چونے سے یہ کام بنایا تھا۔ انام اور جاوا کے مکانات پر بدھ کے کئی بُت عمارت میں بنائے گئے تھے۔ الجیریا اور مراکو اور ٹیونس کے مکانات اپنی اپنی شان کے فن عمارت میں بنائے گئے ہیں۔ ایسے ہی یورپ کے مختلف ممالک جرمنی۔ آسٹریا۔ اٹلی۔ یونان۔ بلجیئم۔ ہالینڈ۔ ہسپانیہ۔ انگلستان سویڈن۔ ناروے وغیرہ کے مکانات میں وہ امتیاز تھا۔ جو اُن ملکوں کی تعمیرات میں ہے۔ اور ہر واقف باہر سے ہی دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ یہ اٹلی یا ہالینڈ کا مکان ہے۔ مجھے بار بار اِن مکانات کو دیکھ کر اس خیال سے افسوس ہوتا تھا کہ آج سے تین ماہ بعد ایسے عالی شان مکانات گرا دیئے جائیں گے اور اتنی جلدی گرا دیئے جانے والے مکانات پر معماروں اور صنعت کاروں اور سنگتراشوں نے ایسی محنتیں اور لیاقتیں صرف کی ہیں۔ قوموں کے مکانات میں تو صرف بعض قومی پوشش اور روزمرہ زندگی کی ضروریات۔ بعض ساخت اور صنعت و حرفت کا سامان اور سامانِ تعلیم اور پیداوارِ ملکی رکھی گئی تھی لیکن سب ملکوں کی اصل نمائش کی تجارتی چیزیں مثلاً کلیں یا دیگر سامانِ صنعت و حرفت خاص خاص حصوں میں تقسیم ہو کر بڑے بڑے نمائش کے محلات میں رکھے گئے تھے۔ مثلاً تم زراعت کی نمائش دیکھنے جاتے ہو تو وہاں ہر ملک کی زراعت کی کلیں اور پیداواریں یہاں تک کہ غلّے کے خوشے اور روٹیوں تک پکی ہوئی پڑی تھیں۔ اور شیشوں میں ہر قسم کے دانے اور فن زراعت کی کل کتابیں۔ مکھن اور پنیر تیار کرنے اور باغبانی اور نخلبندی کی کلیں۔ غرض فن زراعت اور اس کے سب متعلقات کے سامان ہر ملک کے الگ الگ حلقوں میں موجود تھے۔

۱۸ حصے منتظمان نمائش نے اشیائے موجودہ کے کسی ترکیب سے رکھنے میں بڑی کوشش کی تھی۔ کیونکہ سب چیزوں کے بعض پہلو دوسری چیزوں

سے ملتے تھے - مثلاً زراعت کی کلیں دوسری کلوں سے ملتی تھیں - اور کپڑے اون اور روئی اور دیگر ریشہ دار چیزیں زراعت سے متعلق تھیں - اسلئے اِن لوگوں نے بڑی کوشش سے تمام نمائش کی اشیا کو ۱۸ حصوں اور ۱۲۱ شاخوں میں تقسیم کر دیا تھا - اُن ۱۸ حصوں کی تفصیل یہ ہے :- حصہ اول تعلیم و طریقہ تعلیم - دوم مصوری - نقاشی - تعمیر - سوم لٹریچر سائنس اور آرٹس - چہارم کلیں - پنجم برق - ششم سول انجنیری اور ٹرنسپورٹ + ہفتم زراعت + ہشتم باغبانی و گلبندی - نہم جنگلات - شکار - ماہی گیری + دہم خوراک یازدہم معدنیات و فلزات + دوازدہم سامان آرایش و فرنیچر - سیزدہم پوشش و ریشے + چہاردہم کیمیاوی حرفتیں - پانزدہم متفرق حرفتیں + شانزدہم صحت - حفظ صحت اور مزدوروں کے مکانات + ہفتدہم نو آبادیاں + ہژدہم فوجی اور بحری نمائش +

۱۲۱ شاخیں

اور ان (۱۸) حصوں کی (۱۲۱) شاخوں کی فہرست گو بہت لمبی ہے تاہم نمائش گاہ کی پوری کیفیت ذہن نشین کرنے کے لئے اسکا درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے :-

حصہ ۱ - تعلیم و تربیت

شاخ ۱ - بچوں کی تعلیم - پرائمری تعلیم - نوجوانوں کی تعلیم - شاخ ۲ (سکنڈری تعلیم) ۳ (اعلیٰ تعلیم - سائنس کے مدارس) ۴ (خاص فنون نفیسہ (فائن آرٹس) کی تعلیم - مع موسیقی) ۵ (خاص تعلیم زراعت) ۶ (خاص تجارتی اور حرفتی تعلیم) -

حصہ دوم - آرٹس کے کام (صرف فنون نفیسہ)

۷ (نقاشی - نقشہ کشی - کارٹون) - ۸ (چھاپنے کی تصویریں کھودنا - پتھر کا چھاپا) ۹ (تمغوں اور قیمتی پتھروں پر کندہ کرنا - اور مُورت بنانا) ۱۰ (تعمیر عمارت)

حصہ سوم - لٹریچر سائنس اور آرایش سے متعلق آلات وغیرہ

۱۱ (ٹائپوگرافی - مختلف قسم کی چھاپنے کی ترکیبیں) ۱۲ (فوٹوگرافی) ۱۳ (کتابیں - فن موسیقی کے مطبوعات - جلد بندی - اخبارات - پوسٹر) ۱۴ (نقشے اور جغرافیہ اور

کاسموگرافی (علم الارض) کے سامان۔ ٹاپوگریفی) ۱۵ (ریاضی اور سائینس کے متعلق آلات۔ سکے اور نمغے) ۱۶ (طب اور جراحی)۔ ۱۷ (آلات موسیقی) ۱۸ (تھیٹر کے متعلق اشیا اور سامان)۔

حصہ چہارم۔ مکنیکل انجنرنگ	۱۹ (دوخانی انجن)۔ ۲۰ (مختلف قسم کے انجن) ۲۱ (عام کلیں)۔ ۲۲ (مشین ٹول)
حصہ پنجم۔ برق	۲۳ (بجلی کا مکنیکل وسائل سے پیدا کرنا اور کام میں لانا)۔ ۲۴ (الکٹروکمسٹری)۔ ۲۵ (برقی روشنی)۔ ۲۶ (ٹیلیگرافی اور ٹیلیفونی)۔ ۲۷ (برقی طاقت کے مختلف استعمال)۔
حصہ ششم۔ سول انجنیری۔ باربرداری	۲۸ (سامان اسباب اور ترکیب متعلق بہ سول انجنیری) ۲۹ (پبلک ورکس کے متعلق نمونے اور نقشے)۔ ۳۰ (گاڑیوں اور پہیوں کے بنانے کے کام) (علاوہ ریلوں کے)۔ ۳۱ (زینیں اور ساز)۔ ۳۲ (ریل اور ٹراموے کا سامان)۔ ۳۳ (تجارتی جہازرانی کے متعلق سامان اور اسباب)۔ ۳۴ (غبارہ بازی کے متعلق سامان۔
حصہ ہفتم۔ زراعت	۳۵ (آلات اور ترکیب جو کشتکاری میں مستعمل ہوتی ہیں۔) ۳۶ (کاشت انگور کے متعلق سامان اور ترکیبیں)۔ ۳۷ (دیگر اشیا کی کاشت کے متعلق سامان اور ترکیبیں)۔ ۳۸ (اگرانومی (کاشتکاری کے اصول) زراعت کے شمار و اعداد)۔ ۳۹ (پیداوار زراعت متعلق بہ غذا)۔ ۴۰ (پیداوار حیوانی متعلق بہ غذا)۔ ۴۱ (زراعتی پیداوار جو قابل خوراک نہ ہو)۔ ۴۲ (مفید کیڑے اور اُن کی پیداوار۔ مضر کیڑے اور اُن کے قاتل پودے)
حصہ ہشتم۔ فن باغبانی و نخلبندی	۴۳ (سامان اور ترکیب جو باغبانی اور نخلبندی میں کام آتے ہیں۔) ۴۴ (خانہ باغ کے پودے)۔

۴۵ (میوہ جات۔ اور میوہ دار درخت اور پودے)۔ ۴۶ (درخت جھاڑیاں آرایشی پودے اور پھول)۔ ۴۷ (گرین ہاؤس اور ہاٹ ہاؤس کے پودے۔ (یعنی شیشہ گھروں کے پودے))۔ ۴۸ (باغبانی اور ذخیرہ کے تخم اور پود)

حصہ نہم جنگلات۔ شکار ماہی گیری۔ اور جنگلی خودرو پیداوار

۴۹ (محکمہ جنگلات کے متعلق سامان و تدابیر)۔ ۵۰ (جنگلات کی کاشت اور جنگلاتی حرفتوں کی پیداوار)۔ ۵۱ (شکاری سامان اور ضروریات) ۵۲ (شکار کی پیداوار اور حاصلات)۔ ۵۳ (ماہی گیری کا سامان۔ کانٹے بنسیاں اور پیداوار)۔ ۵۴ (خودرو جنگلی فصلوں کے جمع کرنے کے آلات اور سامان)۔

حصہ دہم خوراک کی پیداوار

۵۵ (سامان و تدابیر جو خوراک کی پیداوار کی تیاری میں استعمال ہوتے ہیں)۔ ۵۶ (پھولوں کے متعلق پیداوار اور اس کے خلاصے) ۵۷ (روٹی اور حلوے)۔ ۵۸ (گوشت مچھلی ترکاریاں اور میوہ جات جو ٹین میں بند کر کے رکھے جاتے ہیں)۔ ۵۹ (شکر اور مٹھائی کے اقسام اور انواع و اقسام کے مصالحے اور آچار و چٹنیاں)۔ ۶۰ مختلف اقسام کی انگوری شرابیں)۔ ۶۱ (شربت اور شرابیں مختلف قسم کے الکحال والی تجارتی شرابیں)۔ ۶۲ (مختلف قسم کی پینے کی چیزیں)

حصہ یازدہم کان کنی۔ معدنیات۔

۶۳ (کانوں کا کھودنا)۔ ۶۴ (فلزات و معدنیات) ۶۵ (دھاتوں کے مختلف قسم کے کام)۔

حصہ دوازدہم پبلک عمارات اور پرائیویٹ مکانات کی آرایش کے سامان اور فرنیچر

۶۶ (سرکاری عمارات اور سکونتی مکانات کی مستقل آرایش۔) ۶۷ (رنگین شیشہ)۔ ۶۸ (دیواروں پر چسپاں کرنے کے کاغذ کی اقسام اور کاغذ کو چسپاں کرنے کی تدابیر)۔ ۶۹ (خانگی اور آرایشی (آرٹ) فرنیچر)۔

۷۰ (قالین ٹیپسٹری اور دیگر اقسام فرش و آرائش دیوار ہا)۔ ۷۱ (عارضی آرائش اور سامان خانہ داری کی تجارت)۔ ۷۲ (رنگلی اور چینی ظروف)۔ ۷۳ (شیشہ۔ بلور)۔ ۷۴ (مکانات میں حرارت۔ روشنی اور ہواداری پیدا کرنے کے سامان اور وسائل)۔ ۷۵ (برقی روشنی کے علاوہ دیگر قسم کی روشنیوں اور ان کے سامان و تدابیر)۔

حصہ سیزدہم۔ سوت تاگا۔ کپڑا۔

۷۶ (کاتنے اور رسّے بٹنے کے سامان اور تدابیر) ۷۷ (کپڑا بننے کے کارخانوں کا سامان اور طریقے) ۷۸ (کپڑے کے مصالح کو مختلف حالتوں میں دھونے رنگنے چھاپنے اور تیار کرنے کے طریقے اور سامان)۔ ۷۹ (لباس سینے اور تیار کرنے کے لئے ضروری سامان اور طریقے)۔ ۸۰ (روئی کا دھاگہ اور کپڑا) ۸۱ (سن اور السی وغیرہ کا تاگا اور کپڑا)۔ ۸۲ (اون کا تاگا اور کپڑا)۔ ۸۳ ریشم اور ریشم کا کپڑا۔) ۸۴ (لیس۔ زردوزی اور گوٹ اور حاشیے جھالروار)۔ ۸۵ (خیاطی اور عورتوں مردوں اور بچوں کے لباس تیار کرنا)۔ ۸۶ (کپڑے سے متعلق مختلف پیشے۔

حصہ چہاردہم۔ کمسٹری سے متعلق پیشے

۸۷ (عملی کمسٹری اور دوا سازی)۔ ۸۸ (کاغذ سازی) ۸۹ (چمڑے اور کھالیں)۔ ۹۰ (خوشبوئیں تیار کرنا) (عطاری)۔ ۹۱ (تمباکو اور دیا سلائی بنانا)۔

حصہ پانزدہم مختلف پیشے

۹۲ (سٹیشنری)۔ ۹۳۔ (کٹلری۔ چھریاں۔ چاقو قینچیاں)۔ ۹۴ (سنار کے سونے اور چاندی کے سامان)۔ ۹۵ زیورات اور جواہرات)۔ ۹۶ (کلاک۔ جیبی گھڑیاں۔ ٹایم پیس) ۹۷ برنج اور لوہے کے ڈھالے ہوئے اور گھڑے ہوئے سامان)۔ ۹۸ برش۔ چمڑے کی چیزیں۔ فینسی آرٹیکل اور باسکٹ ورک) ۹۹ (انڈیا ربڑ اور گٹاپرچا کی حرفتیں۔ سفر اور دورہ کے سامان)۔ ۱۰۰ (کھلونے)

حصہ شانزدہم سوشل اکانومی حفظان صحت پبلک اور خیراتی امداد

۱۰۱ (امیدواری اور شاگردی - نوعمر مزدوروں کی حفاظت) ۱۰۲ (محنت اور مزدوری تقسیم منافع تجارت مشترکہ) - ۱۰۳ (بڑی اور چھوٹی حرفتیں - کواپریٹو ایسوسی ایشنز - پروفیشنل اور ٹریڈ ایسوسی ایشنز -) ۱۰۴ (بڑے چھوٹے پیمانہ پر کشتکاری کرنا - جس میں دودھ اور مکھن اور انڈے اور گوشت تیار کرنا شامل ہے - زراعتی بینک یا قرضے - زراعتی انجمنیں) ۱۰۵ (صرفتی کارخانوں میں مزدوروں کی حفاظت اور رعایت - کام کے متعلق قواعد و ہدایات) ۱۰۶ (مزدوروں کے مکانات) - ۱۰۷ (کوآپریٹو اور پراویژن سٹور) - ۱۰۸ (مزدور زن و مرد کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے متعلق انسٹی ٹیوشن) - ۱۰۹ (پراویڈنٹ انسٹی ٹیوشن -) ۱۱۰ (لوگوں کی بہتری کے لئے سرکاری اور پرائیویٹ تحریکیں) - ۱۱۱ (حفظان صحت) - ۱۱۲ (پبلک خیراتی امداد) -

حصہ ہفدہم نوآبادیاں بسانا

۱۱۳ (نوآبادیوں کے بسانے کے طریقے) - ۱۱۴ (نوآبادیوں کی عمارات اور سامان) - ۱۱۵ (خاص اشیاء جو نوآبادیوں کو بھیجی جاتی ہیں)

حصہ ہژدہم بری اور بحری جنگی فوجیں

۱۱۶ (توپخانہ کے سامان) - ۱۱۷ (فوجی انجنیری اور متعلقہ خدمات) - ۱۱۸ (بحری تعمیرات - ہائیڈرالکس تارپیڈو کشتیاں) - ۱۱۹ (نقشہ کشی - ہائیڈروگرفی - مختلف آبی آلات) ۱۲۰ (منتظم صیغجات) - ۱۲۱ (حفظان صحت اور حفظ ما تقدم کے سامان)

لیکن اس قدر دلچسپ اور عظیم نمائش کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی نہیں ہوتی تھی - بلکہ بعض اوقات ایک ایک قدم پر درد محسوس ہوتا تھا - نہ اسلئے کہ یہاں مجھے کوئی تکلیف ہے - نہیں یہ تو نہایت خوبصورت شہر ہے - دنیا میں اسکا ثانی خوبصورتی میں نہیں - نہ اسلئے کہ یہاں کے باشندے تندخو اور بدمزاج ہیں - فرانسیسی نہایت متواضع اور پرلے درجے کے پولائٹ

میرے خیالات

ہوتے ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو میں نے نہایت متواضع اور مؤدب پایا ہے نہ اسلئے کہ مجھے اچھی چیزیں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔ دنیا بھر کے بھانت بھانت کے لوگ یہاں نظر آتے ہیں۔ دنیا بھر کی عجیب عجیب چیزیں نمایش میں ہر روز دیکھتا ہوں۔ خوبصورت لیڈیاں اور بانکے چھبیلے ہر روز پیش و پس پھرتے رہتے ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک چیز میرے درد و افسوس کو بڑھاتی ہے۔ جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ میرے ہموطن کیوں ان خوشیوں سے محروم ہیں۔ وہ کیوں قحط اور افلاس کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ جبکہ یہ ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔ بلکہ ہمارا ملک زیادہ زرخیز ہے۔ وہاں ارزانی زیادہ ہے۔ وہاں باشندے بہت زیادہ ہیں۔ اُن کے آباؤ اجداد اہل یوروپ سے پہلے مہذب تھے۔ ان سب خرابیوں کی جڑ مجھے جہالت اور بے علمی نظر آتی ہے۔ سرسید احمد خاں مرحوم و مغفور نے آج سے بیس برس پہلے یوروپ میں آکر جو نتیجہ نکالا تھا۔ ہر شخص ضرور اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔ اگر ذرہ بھی آنکھیں کھول کر دیکھے۔ مگر اولیت کا تاج ضرور اسی بزرگ سید کے سر پر رہیگا۔ آج یوروپ بیس سال پہلے کے یوروپ سے بعید ترقی کر گیا ہے فرانس کی نمایش کے مہتمم کہتے ہیں کہ اُن کی ۱۸۸۹ء کی نمایشگاہ میں اور حال کی نمایشگاہ میں ترقی صنعت کے لحاظ سے صدہا کوس کا فرق ہے۔ جرمنی کی تو کل صنعت و حرفت کی کائنات بیس سال کی عمر رکھتی ہے۔ یعنی ۱۸۷۱ء کی جنگ فرانس و جرمنی کے بعد اسکی بنیاد پڑی۔ مجھے یقین ہے کہ سرسید مرحوم اگر آج کل یوروپ میں آتے تو اپنی تعلیم کی سکیم کے ساتھ صنعت و حرفت کی تعلیم کا جزو ضروری سمجھتے۔ یہاں صناع اور کاریگر اور سوداگر راجوں اور شہزادوں کے درجے حاصل کرتے ہیں اُن ابنائے وطن سے جو میرے خیال کی تائید کرتے ہیں مدد کا مستدعی ہوں۔ وہ اس خیال کی اشاعت

میں کوشش کریں۔ تاکہ ایک عظیم قومی ٹکنیکل سکول کی بنیاد رکھی جائے

نمایش کا پہلا حصہ

حکمت طلب و بزرگی آموز
تا بہ نگرند روزنت از روز

میں قریب ایک ماہ کے پیرس میں رہا۔ اور سوائے تین یا چار روز کے میں بلا ناغہ نمایشگاہ میں جاتا رہا اور اکثر اوقات صبح سے شام تک اشیائے نمایش کے دیکھنے میں مصروف رہا۔ اِسلئے اتنے دنوں میں میں نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ ہر چند کہ اکثر حصے نہایت سرسری دیکھے تھے۔ کیونکہ نمایش کو نظرِ غور و تعمق سے دیکھنے کے لئے چھ ماہ بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ یورپ اور امریکہ کی تمام سائنس اور شائستگی نے انیسویں صدی عیسوی کے اس آخری سال تک جو کچھ بھی ترقی کی ہے۔ اُس سب کا خلاصہ اور انتخاب یہاں پیش کیا گیا تھا۔ غرض دنیا کے ہر ایک حصہ کی چوٹی کی عجیب۔ نرالی۔ کارآمد اور مفید چیز یہاں موجود تھی۔ پھر اگر ان چیزوں کے دیکھنے میں بہت سا وقت صرف ہو جائے تو بالکل معمولی بات تھی۔ عمارات کہ جن میں یہ چیزیں رکھی گئی ہیں بجائے خود بڑے بڑے قصر رفیع اور انواع و اقسام کی طرز تعمیر کے نمونے تھیں۔ میں تو جس چیز کی طرف دیکھتا تھا اور جہاں دیکھتا تھا محو تماشا ہو جاتا تھا۔ اشیائے نمایش کا یہ عالم تھا ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم	کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

عمارات کی یہ حالت تھی ؎

زہے صفات عمارت کہ در تماشائش	بدیدہ باز نگردد نگاہ از در و بام

دستور تھا کہ صبح ۸ بجے نمایش کھلتی تھی۔ اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ۱۰ بجے تک فرانک کے دو ٹکٹ لیکر داخل ہونے کی اجازت تھی

آٹھ بجے سے پہلے نمایش میں صدہا گھوڑا گاڑیاں صفائی کرنے اور کھانے پینے کا سامان اور ایندھن بہم پہنچانے کو اِدھر اُدھر گھومتی پائی جاتیں مگر پھر دن بھر میں نمایش کے احاطہ کے اندر کسی گاڑی کا گذر نہ ہوتا۔ ۱۰ بجے سے ۶ بجے شام تک ایک ٹکٹ داخلہ کے لئے کافی تھا۔ لیکن شام کے ۶ بجے سے ۱۱ بجے تک۔ جبکہ پیرس کے اکثر اُمرا اور رنگین مزاج شوقین خنکی کے وقت آنا چاہتے تھے۔ دو ٹکٹ داخلہ پر دینے پڑتے تھے۔

تماشائیوں کی تعداد

۴ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کے پیرس کے اخبار "لا پیٹری" سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲ اگست کو حسب ذیل تعداد کے لوگ نمایش میں داخل ہوئے تھے:- ۸ سے ۱۰ بجے صبح تک ۵۲۳۴۔ ۱۰ بجے سے ۶ بجے شام تک ۹۶۱۰۸۔ اور شام کے ۶ بجے کے بعد ۱۱۰۵۴۔ سیزن ٹکٹ والے ۳۷۹۷۴۔ ملازمت کے ٹکٹ والے (یعنی جو نمایش گاہ کے اندر ملازم تھے) ۸۹۰۱۔ مفت ۸۱۳۔ کُل ۱۶۵۰۸۷۔ اور جو حصہ نمایشگاہ کے کھیلوں اور ریلوے سامان کی نمایش کا علیحدہ تھا۔ اس میں ۵۱۱۵ لوگ داخل ہوئے۔ میزان کل ۱۷۰۲۰۲۔ لیکن اس روز تقاطر ہو رہا تھا۔ اسلئے اتنے لوگ داخل نہیں ہوئے جتنے کہ ہر روز داخل ہوتے تھے کبھی کبھی تین لاکھ سے بھی زیادہ لوگ نمایش گاہ میں داخل ہوتے تھے۔ چونکہ یہ میلہ ایک دو روز کا نہیں تھا۔ بلکہ چھ ماہ کا تھا۔ اسلئے اتنے لوگوں کا ہر روز داخل ہونا بھی بڑی بات تھی +

تقسیم نمایش

نمایشگاہ بلحاظ مقام وقوع چار بڑے حصوں پر مشتمل تھی۔ اور اگر کھیلوں کے ضمیمہ کو الگ کر دیا جائے تو تین حصوں پر واقع تھی۔ جو دریائے سین کے دونوں طرف شہر پیرس کے وسط میں واقع ہیں۔ اور دریا اُن تین حصوں کو چھ حصے کر دیتا ہے۔ میں سب سے پہلے پلیس ڈالا کنکارڈ ہی دکھلانے کے لئے نمایش کے بڑے دروازے کی طرف سے کہ جسکی کیفیت اوپر درج ہو چکی ہے آپ کو اس میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ گو داخل ہونے کے

لئے اور بھی ۵۰۷ چھوٹے دروازے تھے۔ اندر جا کر بائیں طرف بائسکل یا آٹوموبیل (خود بخود چلنے والی گاڑیاں) جن کا پیرس میں بڑا رواج ہے تھوڑی سی فیس دے کر رکھی جاتی تھیں۔ اور راستہ کی دونوں طرف پودوں اور پھولوں کی نمایش شروع ہو جاتی تھی۔ جو کیاریوں میں انواع و اقسام کے پھول اور پودے تھے۔ میں اُن کا ذکر نہیں کرتا۔ لیکن جو شیشہ کے مکانات میں عجیب و غریب پودے اور پھول محفوظ تھے۔ وہ تمام دنیا کے عجائبات علم نباتات کا انتخاب تھے۔

گوشت خور پودہ

میں نے یہاں گوشت خور پودہ (پیچر پلانٹ) کے کئی نمونے دیکھے۔ اسکے پھولوں کے اندر مکھیاں اور چیونٹیاں داخل ہو جاتی ہیں۔ اور ایک طرح کے لیسدار شیریں لعاب سے لپٹ جاتی ہیں اور پودہ انہیں ہضم کر لیتا ہے۔ اسکے علاوہ جاپان کے پست قامت درخت دیکھے۔ بڑے بڑے درخت مثل بلوط اور سرس اور شیشم کے جاپانی باغبان کسی طرح کے پیوندوں سے بہت پست قامت بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بڑے بڑے درخت ایک ایک بالشت کے پودوں کی صورت میں دیکھے جنکے

نمایش باغبانی وغیرہ

تنے ویسے ہی موٹے اور سالخوردہ ہوتے ہیں۔ اور شاخیں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں جو کئی سال میں بنتی ہیں۔ لیکن حجم میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان عجائبات کا ذکر کرنے کی لئے کسی علم نباتات کے ماہر کی ضرورت ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں نے ان سے اصلی لطف بھی حاصل کیا ہوگا۔ ہر چند کہ دریا کے دونوں طرف باغبانی اور زراعت کی نمایش تھی۔ لیکن دائیں طرف کہ جدہر بڑا دروازہ تھا۔ تین بڑے بڑے قصر شیشہ کی چھتوں اور دیواروں کے اس نمایش کے لئے مخصوص کئے گئے تھے۔ ان میں مختلف ممالک کے پھول۔ پودے اور میوہ جات دکھلائے گئے تھے۔ امریکہ تک کے میوہ جات سیب۔ ناسپاتیاں۔ انگور اور سنگترے نمایش کے لئے لائے گئے تھے اور جو میوہ جات زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ ان کو سپرٹ وغیرہ مرکبات

میں رکھ Preserve (پریزرو) کیا گیا تھا۔ تاکہ اُن کی اصلی ہیئت اور حجم میں فرق نہ آ جائے۔ ایک مکان میں تمام غلوں اور پودوں اور ترکاریوں اور میوجات کے درختوں کے تخموں کے صدہا نمونے تھے۔ جو دوکانداروں نے رکھے ہوئے تھے۔ یہیں باغبانی کے تمام آلات اور زراعت و باغبانی کی تمام کتابیں اور رسالے جو فرانس میں چھپے تھے رکھے ہوئے تھے ایک جگہ بہت سے پودے سفید شیشہ کے کھلے منہ کی بوتلوں میں تھے۔ اور میزوں پر سفید کپڑا بچھا کر انہیں رکھا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر صفائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک جگہ گل گلاو پر ردی میں بیٹھے ہوئے چند پھل سجائے گئے تھے۔ ایک مکان کے اندر ایک بہت بڑا قالین رنگ برنگ کے پھولوں کا اُگایا گیا تھا۔ اور اسی جگہ دوران نمائش میں اور بھی کئی پھولوں کے مالیوں نے اپنے اپنے قالین اُگا کر مقابلہ کرنا تھا۔ ایک طرف پودوں کو پانی دینے کے آلات اور اوزاروں کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ ایک سے چار سال تک عمر کے ذخیرے سے لگانے کے پودوں کی بھی نمائش کی گئی تھی۔ اور دوران نمائش میں تین مرتبہ ترکاریاں بونے کا مقابلہ پیرس کے کنجڑوں نے آپس میں کرنا تھا۔ ان کنجڑوں اور مالیوں کا جو ان پودوں کے گرد نمائش پھرتے تھے اور بعض پرائیویٹ نمائشوں کے محافظ تھے کچھ نہ پوچھو بہی پورے خوش پوشاک اور تعلیم یافتہ جنٹلمین تھے۔ یہاں سے دریا کی طرف زیر زمین ایک راستہ تھا۔ جہاں امریکہ کی بہت سی کلیں زراعت کے متعلق رکھی تھیں اور بعض کلیں چلا کر دکھلائی جاتی تھیں لیکن ان کلوں کا بہت بڑا مجموعہ شان ڈمارز (Champ de Mars) کی ایک عمارت میں تھا۔ اس سے بھی نیچے زیر زمین دریا کی سطح سے کسی قدر نیچے شہر پیرس کا (Aequarium) اکوئریم یعنی پانی کے جانوروں۔ پودوں اور پتھروں وغیرہ کے دکھلانے کا عجائب خانہ تھا۔ یہاں علیحدہ ایک فرانس

داخلہ تھا۔ جس میں ایچ بھر کے موٹے شیشہ کے تختوں کے پیچھے دریائی پانی میں مچھلیوں کے مختلف نمونے جونکیں۔ سرطان اور دوسرے چھوٹے چھوٹے دریائی جانور مع سمندر کی تہ کی سیپیوں۔ گھونگوں اور مونگے وغیرہ کے درختوں کے ٹھیک اصل حالت میں دکھلائے گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ اس شیشے کے پیچھے پانی کے اندر مصنوعی وسائل سے ہوا اور روشنی پہنچائی گئی تھی۔ ایک جگہ سمندر کی تہ میں غوطہ زن مع غواصی کے آلات وسامان کے کھڑا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ غوطہ زن سمندر کی تہ میں کس قسم کا لباس پہنکر اور تنفس کی ہوا کے لئے کیا انتظام کر کے نیچے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ وہمی بحری جانور سمندر کی عورت یعنی Marmaid بھی پانی کے اندر گھومتی نظر آتی تھی۔ اسکا نصف بالائی جسم ایک خوبصورت جوان عورت کا اور نصف زیرین مچھلی کا تھا جیسا کہ تصاویر میں ناظرین نے دیکھا ہوگا۔ ایسی صفائی سے مچھلیوں کے ساتھ انسانی شکل کا پانی کے اندر نظر آنا نہایت حیران کرنے والا نظارہ تھا۔ اسکے چھت اور پہلوں پر پتھر وغیرہ کی نوکیں (Icicles) ایسی خوبصورتی سے بنائی تھیں کہ یہ مکان ایک پرانی غار معلوم ہوتا تھا۔

اس سے آگے دریا کے اسی طرف دو عالیشان عمارات تعمیر کی گئی تھیں جن کے کاریگروں نے اپنی لیاقت تعمیر سے بہت بڑا امتیاز حاصل کیا تھا۔ | فنون لطیفہ کا بڑا قصر | یہ دونوں عمارات بالمقابل واقع تھیں۔ ایک کا نام "فنون لطیفہ کا بڑا قصر" اور دوسری کا نام "فنون لطیفہ کا چھوٹا قصر" تھا۔ بڑے قصر میں فرانس اور یورپ کے تمام ممالک۔ امریکہ اور جاپان کی اعلیٰ مصوروں کی تصاویر آئل کلر اور واٹر کلر دکھلائی گئی تھیں۔ استادان فن نے مورتوں میں گویا جان ڈال دی تھی۔ پینٹنگ۔ انگریونگ۔ سکلپچر اور آرکیٹکچر کا اس سے بہتر مجموعہ دنیا نے کم دیکھا ہوگا۔ یورپ کے بڑے ملکوں کے قطع نظر

چھوٹے چھوٹے ممالک بلجیم اور ہالینڈ اور ریاستہائے بلقان تک کی تصویروں کے الگ الگ کمرے تھے۔ ایشیا میں سے جاپان نے پہلی دفعہ اس قسم کی نمایش کی تھی۔ عمارت کے وسط کے بڑے صحن میں اسی طرح یوروپ کے تمام ممالک اور اضلاع متحدہ امریکہ کے صناعوں کے برنج اور پلاسٹر آف پیرس کے بنائے ہوئے عجیب وغریب بُت رکھے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض کے ذریعے سے نہایت نازک خیالات اور انسانی جذبات کو ظاہر کیا گیا تھا۔ یوروپین مصوروں اور بُت گروں کے نیچرل مذاق کے مطابق اِن تصاویر میں سے اکثر میں مردوں اور عورتوں کے ستر کو کھولنے۔ اُن کی رانیں اور چھاتیاں وغیرہ مقامات برہنہ دکھلانے میں مصوروں اور بُت تراشوں نے بڑے بڑے زور مارے تھے۔ میں نے ایک یوروپین دوست سے ذکر کیا کہ کیا اس سے بے تہذیبی اور ناپاکی کے خیالات کو ترقی نہیں ہوتی۔ تو اُس نے کہا کہ اُنہیں اسی نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ جس سے وہ بنائی گئی ہیں۔ یعنی نیچر کی اپنی سادگی اور اصلی خوبصورتی کے اظہار کے لئے نہیں وضع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی چھاتیوں کے اُبھار اور گدرائے ہوئے بدن سے وہ دیکھو نیچر پھوٹ پھوٹ کر برس ہی رہی ہے۔ لیکن خواہ میری نظروں میں اول اول یہ بات نرالی معلوم ہوتی تھی میں نے کسی یوروپین مرد اور عورت کو اس برہنگی کی طرف ذرا بھی ملتفت ہوتے نہیں دیکھا بلکہ وہ صرف مصور کی اظہار خیالات کی قابلیت اسکے کام میں تلاش کرتے تھے۔ میں خود بھی کبھی کبھی ان بُتوں اور تصویروں کے دیکھنے میں اس قدر محو ہوتا تھا کہ ہندوستانی ہونے کا خیال ہی میرے دل سے محو ہو جاتا تھا کیونکہ کئی کئی دن تک کوئی ہندوستانی نظر نہ آتا۔ لیکن جب کبھی یہ خیال گذرتا کہ وہ سب دستکاریاں اور عجائبات جو میں دیکھتا ہوں ان میں ہندوستانیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے تو تھوڑی دیر کے لئے ہندوستانی ہونے کی ذلت کی

حس تیز ہو جاتی ہے۔ میں چونکہ اپنا محدود وقت بڑی کفایت سے استعمال کرنا چاہتا تھا میں پہلے روز دن بھر کھڑا رہنے کے بعد ایک جگہ ستانے کو بیٹھ گیا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی دونوں بغلوں میں لکڑیاں تھیں اور جو چلنے سے معذور تھا وہ بھی نگارخانہ دیکھنے میں مصروف ہے۔ میں نے اُسے دیکھ کر خدا کا شکر کیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس قدر ناموران یورپ کی تصویریں اور بُت اس مجموعہ میں موجود تھے کہ یہاں ان کی ایک چھوٹی سی لغات تیار ہو سکتی تھی۔

چھوٹا قصر چھوٹے محل میں پُرانی چیزیں فنون نفیسہ کے متعلق دکھلائی گئی تھیں۔ اس میں ٹے پسٹری (یعنی قدیم زمانہ کے قالینوں کو کہ جن پر تصاویر بنائی جاتی تھیں) اعلےٰ نمونے دیواروں پر آویزاں تھے۔ اور ان پر کیسی نازک اور خوبصورت تصویریں تھیں۔ پیتل کے برتن۔ شمعدان اور آرائش کے سامان۔ لوہے کے آرائش کے سامان۔ قفل اور عجیب وغریب چابیاں۔ لکڑی کے پُرانے عمدہ کام فرنیچر کی قسم سے۔ ہاتھی دانت اور ہڈی کے عمدہ کام کے نمونے۔ چینی اور مٹی کے پُرانی نفیس برتن۔ زردوزی کا کام۔ چمڑے کے کام۔ چاندی اور سونے کے قدیم زیورات وسامان آرائش۔ پُرانی گھڑیاں۔ شیشہ اور مونا آنک کے کام۔ پُرانے سکے پرانی کتابیں اور مسودے۔ اس عجائب گاہ فنون میں صرف پُرانی چیزیں جمع کر کے دکھلائی گئی تھیں۔ جس سے معلوم ہو کہ فرانس میں زمانہ قدیم میں صنعت وکمال فن کی کیا حالت تھی۔ ان چیزوں کے صناعوں کے نام ملک میں مشہور ہیں۔ فرانس کے ہر شہر میں عجائب خانے اور تصویر خانے ہیں۔ اُن سب نے اپنے یہاں کے اُستادوں کے کام اس نمایش گاہ کو مستعار دیے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر ہندوستان میں وہاں کے اُستادان فن کے کمال کے نمونے تلاش کئے جائینگے تو نہیں ملیں گے

کیونکہ اہلِ یورپ وہاں سے سب چیزیں کھینچکر یورپ میں لا رہے ہیں وہ بیشمار ہیں اور دولتمند بھی ہیں۔ اور اُتنے دام دے سکتے ہیں کہ ہندوستانی نہیں دے سکتے۔ اور حاجتمند ہندوستانی جنکے آبا و اجداد اپنے وقت میں آسودہ تھے۔ اپنی سب چیزیں فروخت کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ ہند ہندوستان کے عجائب خانوں میں رکھنے کے لئے اتنا روپیہ ان چیزوں پر خرچ نہیں کر سکتی۔ جتنا روپیہ کہ یورپین سیاح خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے اہلِ مُلک یہ بات ہی نہیں سمجھتے کہ ملکی عجائب خانوں کو چیزیں تحفہ بھی دی جاتی ہیں۔ یورپ کے ملکوں میں اکثر علم و فن کے قدردان اپنی حمیت سے اپنے مُلک کے عجائب گاہوں کو نادر چیزیں تحفۃً دیا کرتے ہیں۔ نمائش سنہ ۱۹۰۰ء کے لئے جس قدر عمارات تعمیر ہوئی ہیں۔ نمائش کے بعد وہ سب گرا دی جائیں گی مگر یہ دونوں عمارتیں فائن آرٹس کی قائم رہیں گی۔ اور عجائب گاہوں کے کام آئیں گی۔ پہلے ہی پیرس میں دو تین درجن اعلےٰ سے اعلےٰ قسموں اور مقصدوں کے عجائب گاہ ہیں +

خوبصورت پل

لوگ یہاں سے فارغ ہو کر اُس پل سے گذر کر دریا کے دوسرے کنارے پر چلے جاتے تھے۔ یہ پل الگزینڈر سوم زارِ روس کے نام پر نامزد کیا گیا تھا اور اُسی نے اُسکا بنیادی پتھر سنہ ۱۸۹۶ء میں رکھا تھا۔ جو روس و فرانس کے حال کی پولیٹیکل دوستی کی یادگار ہے۔ یہ اسی نمائش کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ جو پیرس کے دریائے سین کے سب پلوں سے عمدہ اور خوبصورت ہے۔ اسپر بہت سا کام بُت بنانے اور تعمیر اور سکلپچر کی خوبی کا کیا گیا ہے۔ جس سے یہ نہایت قیمتی تعمیر شمار ہوتا ہے یہ لوگ ایسی عمارات پر بُت ایسی صنعت سے بناتے ہیں۔ جو واقعات تاریخ کو ظاہر کرتے ہیں اور انسانی خیالات اور حالات وقت کے اظہار کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس پل سے گزر کر سامنے "اسپلاناڈ دے انوالیڈ" کا چوک آتا ہے۔ یہ

دو بڑی عالی شان تین تین چار چار منزل کی عمارات مقابل مقابل تعمیر کی گئی تھیں۔ اِن عمارات میں فرانس کی اور تمام ممالک دنیا کی ساختہ اشیائے تجارت بطور نمونہ رکھی گئی ہیں۔ ان اشیا سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کس ملک میں صنعت وحرفت کیسی ترقی پر ہے۔ کس ملک میں کیا کیا چیز زیادہ بنتی ہے۔ اور کیسی بنتی ہے۔ حتے الوسع ہر ملک کے کاریگروں اور کارخانہ داروں نے اپنی حرفت کے بہترین نمونے دکھلانے کی کوشش کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ اِن ملکوں میں ہندوستان کی ساختہ کسی چیز کا نام ونشان بھی نہیں تھا اور نہ چین کا تھا۔ البتہ جاپان کی اشیا سے صنعت ودستکاری نے بہت سی جگہ گھیری ہوئی تھی۔ ہندوستان کی اشیاء حرفت کی نمایش ایک الگ مکان میں سیلون کے ساتھ یوروپ کی نوآبادیوں کے حلقے میں تھی۔ جہاں کہ چین ومراکو و الجیریا وٹیونس وسوڈان سینیگال وجاوا وغیرہ ممالک کی تھی۔ یہاں کوئی ایسی چیزیں تو بنتی ہی نہیں جو ممالک یوروپ میں جاکر وہاں کے استعمال کے لیئے کھپتی ہوں۔ بلکہ اہل ہند کی سوشل زندگی کے لیئے جو اشیا درکار ہوتی ہیں۔ اور وہ ہندوستان میں بنتی ہیں۔ وہی ہندوستان کی خام پیداوار کے ساتھ اس مقام میں رکھی گئی تھیں۔ میں جو تفصیل دنیا کی صنعت وحرفت کی عجیب وغریب چیزوں اور بے نظیر اور حیران کر دینے والی کلوں اور کاریگریوں کی اس نمایش کے متعلق لکھونگا۔ اُن سے اہل ہند اندازہ کرسکتے ہیں کہ دوسری قومیں دنیا میں کیا کر رہی ہیں۔ اور وہ خود کس خواب خرگوش میں پڑی ہیں۔

تعلیم ہی ترقی کا ذریعہ ہے

میں جہانتک غور کرتا ہوں اور جہانتک دیکھتا ہوں مجھے یوروپ اور امریکہ کی ترقی کا باعث سوا سے اُن کی تعلیم کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن تعلیم سے میری غرض صرف اعلیٰ تعلیم پانے اور ڈگریاں حاصل کرنے کی نہیں ہے۔ اعلیٰ تعلیم بجائے خود بہت عمدہ بات ہے۔ لیکن

پھر بھی ہر شخص کی قسمت میں اس سے فائدہ اٹھانا نہیں لکھا ہے۔ اسلئے جو تعلیم دنیا میں زیادہ لوگ پاتے ہیں وہ ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لائق بننے کی تعلیم ہے۔ ہندوستان میں کئی لوگ ہیں جنہوں نے کالجوں میں فزک اور کیمسٹری اور جیالوجی پڑھی ہے۔ لیکن کسی نے بھی کوئی نیا طبعی عنصر دریافت نہیں کیا۔ کوئی نیا مرکب کیمیاوی ایجاد نہیں کیا۔ نہ کوئی کان ہی دریافت کی ہے نہ کوئی عمدہ کل ہی بنائی ہے یہاں لوگ صرف کتابیں ہی نہیں پڑھتے۔ بلکہ زیادہ لوگ نوشت وخواند سیکھ کر کارخانوں میں عملی کام سیکھتے ہیں۔ فرانس کا سب سے بڑا علم جراثیم کا ماہر اور بیکٹیریالوجی کا استاد بلکہ دریافت کرنے والا پاسٹیور ہرگز گریجوایٹ یا اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص نہیں تھا۔ صرف ایک عام کیمسٹ تھا۔ اس نے ادھر توجہ کی اور آج بیکٹیریالوجی نے دنیا کے علوم صحت کی صورت بدل دی ہے۔ پاسٹیور کے سگ دیوانہ کے علاج نے دنیا کو حیران کر دیا ہے۔ فرانس نے بڑے ناز سے نمائشگاہ کے حفظ صحت سکشن میں پاسٹیور کا بت رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح امریکہ کا نامور برقی موجد اڈیسن اور بلا تار کے برقی خبر رسانی کا موجد مارکونی کبھی باقاعدہ تعلیم سے بہرہ یاب نہیں ہوئے۔ ایسی صدہا مثالیں ہیں۔ علم بہت ضروری ہے۔ لیکن عمل اس سے ضروری ہے ؎

علم چنداں کہ بیشتر خوانی　　چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند　　چارپائے برو کتابے چند

یہاں عمل سے مراد میری علم کے ذریعے سے صنعت وحرفت کی تعلیم میں ترقی کرنے کی ہے۔ یوروپ میں یہی بڑی خوبی ہے کہ یہاں کے لوگ فوراً علم کو عمل کی کسوٹی پر کستے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں میرے خیال میں تو یہی راستہ منزل مقصود ہے ؎

کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کجاست　　ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید

نمایش کا دوسرا حصہ

انولیڈ قصر | پل الگزینڈر سوم کے عین سامنے یہ دو عالی شان دو منزلہ عمارات تعمیر کی گئی تھیں۔ جنکے بیچ سے ایک ۲۸ فیٹ کھلا راستہ چھوڑا گیا تھا۔ اِن میں فرانس اور دیگر ممالک کے صنعت و حرفت کی عام اشیا تھیں۔ مگر خصوصًا پرائیویٹ اور سرکاری مکانات اور عبادت گاہوں کی آرایش کا فرنیچر اور سامان رکھا گیا تھا۔ اس ذیل میں ہر قسم کے قالین شیشہ۔ لوہے۔ لکڑی۔ چینی۔ مٹی۔ چمڑے کپڑے۔ ربڑ۔ جواہرات۔ چاندی سونے گھڑی سازی وغیرہ کا سامان آجاتا ہے۔ حفظ صحت اور ضروریات زندگی کی سب چیزیں یہاں تھیں۔ بٹوے۔ برش۔ پروں کی چیزیں۔ ہاتھی دانت۔ سینگ اور ربڑ کا کام۔ گھڑیوں۔ کے بڑے بڑے مجموعے۔ بڑی بڑی کلاکوں کی کلیں اور کھلونے وغیرہ بے اندازہ تھے۔ پل کی طرف سے ان عمارات کو جاتے ہوئے ایک دائیں اور ایک بائیں ہاتھ تھی۔ بائیں طرف کی عمارت کے نیچے ایک بڑے حصہ میں مکانات اور سرکاری عمارات کے سجانے لکڑی قالین اور کپڑے کی قسم کا سامان تھا۔ ناظرین تعجب کریں گے کہ صرف مکانات کے سجانے کے لئے اتنا کونسا سامان درکار ہوتا ہے کہ جس کی اتنے بڑے عالی شان مکانات میں نمایش کی گئی تھی حقیقت یہ ہے کہ مَیں خود بھی ان مکانات کو دیکھنے سے پہلے نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس ضرورت کے لئے کونسا اتنا بڑا سامان درکار ہوگا۔ لیکن اہل یورپ کی تہذیب نے اپنے مکانات کو بلحاظ آسایش و خصوصًا بلحاظ آرایش ہمارے مکانات سے بالکل نرالی قسم کی چیز بنا دیا ہے ان کے فرنیچر اور سجاوٹ کے

سامان اتنے زیادہ اور ایسے نفیس ہیں کہ وہ بجائے خود ایک علم ہو گئی ہیں۔ یہاں میں اس امر سے بحث نہیں کروں گا کہ ایسی آرائش و آسائش ضروری ہے یا نہیں۔ البتہ میں یہ بتلانے سے خاموش نہیں رہ سکتا کہ یورپ نے گذشتہ تین چار صدیوں میں آرائش کے بارہ میں بڑی ترقی کی ہے۔ اور چینی اور شیشے اور کپڑے اور مختلف فلزات سے آج یہ لوگ ایسی عجیب و غریب چیزیں تیار کر سکتے ہیں کہ کوئی زاہد خشک مغز بھی انہیں دیکھ کر

شیشہ یا کانچ کی استعمال

گرویدہ ہوئے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شیشہ یا کانچ یا بلور اسے جو نام دو یورپ میں اس سے بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ کہ جسقدر ہم ہندوستان میں اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہزاروں مکانات کی چھتیں صرف شیشہ کی بنی ہوئی ہیں۔ کہ جن میں اور کسی طرف سے روشنی نہیں آسکتی تھی۔ وہ چھت میں سے آتی ہے۔ سینکڑوں جگہوں میں بازاروں میں اور مکانوں کے اندر کہ جہاں سے صرف آدمی گذرتے ہیں مگر گاڑیاں نہیں گذر سکتیں۔ تم شیشہ کے فرش چھوٹے بڑے دیکھو گے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ زمین کی قلت کے اس جگہ کے نیچے جو مکان ہیں ان میں اور کہیں سے روشنی نہیں آسکتی۔ مگر اس شیشہ کی چھت سے آسکتی ہے۔ یہ چھت نیلے رنگ کے شیشے کی مکعب شکل کی اینٹوں کو آہنی فریموں میں جڑ دینے سے بنتا ہے کہ جن اینٹوں کا ہر پہلو ایک فیٹ لمبا ہوتا ہے۔ مکانات کی تنگی کی وجہ سے پیرس اور لنڈن میں زیر زمین ریلیں موجود ہیں۔ جو میلوں بازاروں اور مکانوں کے نیچے چلی جاتی ہیں۔ برلن اور پیرس میں ایسی ریلیں ہیں جو سطح زمین سے بلند مکانات یک منزلہ کے برابر ستونوں اور پلوں پر چلتی ہیں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ میں شیشہ کے استعمال بتلا رہا ہوں۔ علاوہ چھتوں کے گز گز بھر کے لمبے چوڑے شیشے تو عام مکانات کے دروازوں اور کھڑکیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن تمام بڑے بڑے شہروں کی دکانوں کے

بیرونی دروازوں میں اڑھائی تین گز لمبے اور دو دو گز تک چوڑے شیشے میں نے دیکھے ہیں کہ جن کے اندر دکان کا سامان نمایش سجایا جاتا ہے دکان کے سامنے کی تمام جگہ سوائے دو اڑھائی فیٹ کے داخلہ کے راستہ کے اسی کام میں صرف ہوتی ہے۔ ہر قسم کے رنگین بیل بوٹے دار شیشے اب تیار ہوتے ہیں جو کھڑکیوں میں لگائے جاتے ہیں۔ لیکن جہاں منظور ہو کہ باہر سے اندر نظر نہ آسکے۔ وہاں ایک نئی قسم کا شیشہ لگایا جاتا ہے۔ جس میں کھُردرے کپڑے کی طرح شکن پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دو گز اونچی اور دو گز دور کی بوتل شیشہ کی ان مکانات میں دیکھی۔ ایک بلوری شیشہ کی گز بھر لمبی کشتی مع متلاطم سمندر کے پانی کے نقشہ کے دیکھی جو شیشہ کے فن کا اوج کمال پر پہنچنا ظاہر کرتی تھی۔ میں نے وینس میں شیشہ کے بالوں کو دیکھا تھا۔ جو انسان کے سر کی بالوں کی طرح شیشہ کی باریک تاریں تھیں۔ یہاں کی ایک دوسری نمایش میں ایک دوربین کا سب سے بڑا شیشہ دیکھا جسکا وزن پانچ ٹن یعنی ایک سو چالیس من سے زیادہ تھا۔ یہہ ڈیڑھ بالشت موٹا اور تین گز قطر کا تھا۔ اسکے علاوہ اور بہت سے شیشے کے عجائبات دیکھے۔ اسی طرح چینی اور مٹی کے برتنوں کی نسبت قیاس کر لیجیے۔ یہاں چینی کی انگیٹھیاں اور ٹیبل پیس اور دوسرے گھروں کے سجانے کے سامان علاوہ برتنوں اور بتنوں کی عام بات ہے۔ مگر مٹی سے جو نفیس برتن اور بت بنائے جاتے ہیں۔ اور انہیں انواع واقسام کے روغنوں سے سجایا جاتا ہے۔ وہ غضب کا دلکش فن ہے۔ ان مکانات میں مٹی اور چینی کے برتنوں کی بڑی نمایش ہے۔ وہ کمہار جو ہمارے یہاں ایک بڑا غریب اور مسکین مزدور ہے۔ اور جسکے بنائے ہوئے پیالے صحنکیں ہانڈیاں اور کونڈے دو دو چار چار پیسے کو بکتے ہیں۔ یہاں اُس نے ایسی جون بدلی ہے کہ کسی دوسرے سوداگر سے کم نفع نہیں کماتا۔ بعض

چینی اور مٹی کے برتن

مٹی کے بت ایسے نفیس بنائے جاتے ہیں اور بعض برتنوں پر ایسے خوشنما بیل بوٹے اور رنگ برنگ تصویریں دیکھی ہیں کہ استادان فن اس صنعت کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ درحقیقت فرانس نے مٹی اور چینی کے کام میں فی زمانہ نام حاصل کیا ہے۔ گورنمنٹ فرانس اس فن کی ترقی کے لئے بعض مدارس اور کارخانوں کو زرنقد سے مدد دیتی ہے۔ شاہ کجکلاہ ایران میرزا مظفرالدین فرانس کے مٹی کے کام کو دیکھ کر ایسے ریجھے تھے کہ فوراً اپنا ایک مٹی کا بت بنانیکا حکم دیدیا۔ چنانچہ جب کاریگر نے بت کو بنانا شروع کیا تو کبھی کبھی شاہ کجکلاہ اسکے سامنے ایک ایک گھنٹہ بیٹھتے رہے تاکہ نقل مطابق اصل بنجائے ان مٹی کے برتنوں کی دوکانوں کے ملازم دیکھنے میں ایسے صاف ستھرے اور معقول معلوم ہوتے تھے۔ جیسے کہ ہمارے یہاں بڑے بڑے صاحب لوگ نظر آتے ہیں۔ مٹی کا سونا بنانا اسکو کہتے ہیں حقیقت میں دستکاری کیمیا ہے۔ اور مٹی کے برتنوں پر پتھر کا روغن کرنا بھی شائستگی کیلئے ضروری چیز ہے۔ ملتان اور گوجرانوالہ وغیرہ مقامات پنجاب میں جو اینٹوں اور برتنوں پر پتھر کا روغن کیا جاتا ہے وہ اُسکے سامنے نہ ہونے کے برابر ہے۔ بہرحال مٹی کے کام کی یہاں بڑی دسیع صنعت و حرفت ہے۔ جو مٹی کی اینٹوں سے لیکر مٹی کے منقش برتنوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور سچ ہے ہمارے یہاں کے کمہار کے ایک بھدے سے چاک اور اینٹیں بنانے کے لکڑی کے سادہ سانچہ کی یہاں کئی کلیں اس کام میں آتی ہیں۔ اور اُن کی بھی یہاں نمائش کی گئی تھی۔

لکڑی اور لوہے کا فرنیچر ایک اَور بڑا صیغہ لکڑی اور لوہے کے کام کی نمائش کا تھا۔ لکڑی پر سنہری روپہلی رنگ و روغن اور روارنش اور لوہے وغیرہ دھاتوں پر انامل یعنی چینی چڑھانے کا فن بھی ہندوستان کے لئے نہایت ضروری ہے۔ میں نے آسٹریا اور جرمنی میں برتنوں پر چینی روغن چڑھانے کے کارخانے

میں جانے کی کوشش کی - مگر ناکام رہا - کیونکہ ایسے کاموں کو جن میں نفع کافی ہو اور خرچ زیادہ نہ ہو یہ لوگ مخفی رکھنا چاہتے ہیں - لوہے کے پھول پتے بنانے جنگلے اور دیگر آرایش کے سامان تیار کرنے میں یہ لوگ ایسے ہی استاد ہیں جیسے کہ مٹی کے برتن تیار کرنے میں ہیں - تالے اور چھپکے پیچ وغیرہ کیل کانٹے بھی مختلف اقسام کے موجود تھے - لکڑی کے فن میں ہر قسم کا فرنیچر عجیب عجیب قسم کی کرسیاں میزیں اور الماریاں دکھائی گئی تھیں - جنکے گدیلوں کی ساخت اور رنگ روپ کے مذاق پر لیڈیاں دیکھتے ہی مفتون ہو جاتی تھیں ⁂

سجے ہوئے کمرے — بہت سے کمرے نمایشگاہ میں صرف مختلف وضعوں سے سجا کر رکھے گئے ہیں کہ لوگ دیکھیں اور پھر ان کارخانوں سے اسی سامان سے اور اسی وضع پر کمرے سجوائیں - ایک کمرے میں زمین سے چھت تک صرف نیلگوں فرنیچر تھا - یہ کمرے کیا تھے - ان کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو جاتی تھی - مگر ان کی حد سے زیادہ نفاست اور نزاکت دیکھ کر مجھے یہ بھی خیال آیا تھا کہ یہ شاید کام میں لانے کے لئے نہیں بلکہ صرف دکھانے کے لئے نہوں - لیکن ان سے بھی زیادہ مذاق سلیقہ اور عقل آبدار خانہ کے کمروں کے سجانے میں صرف کی گئی تھی - ان سے میری مراد اُن کمروں سے ہے - جن میں غسل خانہ کا سامان رکھا جاتا ہے - ان میں ہاتھ مُنہ دھونے کے چینی سنگ مرمر اور شیشہ کے برتن موجود تھے - نہانے کے ٹب سنگ مرمر چینی یا پیتل تانبے وغیرہ کے تھے - جن میں پانی پیچیدہ نالیوں سے آتا تھا - میں نے کئی ایسے نہانے کے سامان دیکھے کہ جن میں ایک جگہ ایک دیا سلائی سلگا کر لگانے سے گیس کے ذریعہ سے پانی ساتھ ساتھ

گرم ہو کر ٹب میں گرتا جاتا تھا۔ گویا آپ ایک منٹ میں گرم پانی سے غسل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ پیرس میں میں نے ایک دوست کے مکان میں ایسے ٹب میں غسل بھی کیا ہے۔ لیکن غسلخانے کے سامان کا ذکر کرنے سے میری یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ ہندوستان کے شائقین کو ایسے عیش و آسایش کے سامانوں سے فائدہ اُٹھانے کی ترغیب دوں۔ کیونکہ اُن کے لئے ان کی قیمتیں ان کے فواید سے زیادہ سنگین ہیں۔ تاہم وہ ان بیانات سے یہ علم حاصل کر سکتے ہیں کہ مہذب دنیا کن باتوں میں اپنی عقل صرف کر رہی ہے اور کس دھن میں مصروف ہے۔

وِنٹی لیٹر پنکھے

نمایش کے اسی حصہ میں بہت سے وِنٹی لیٹر Ventilator یعنے گھومنے والے دیواروں پر لگے ہوئے پنکھے ایسی تیزی سے گھوم رہے تھے کہ ان کے پاس کھڑے ہونے سے خوب ہوا لگتی تھی۔ ایسے پنکھے میں نے پہلے بھی یورپ کے ہر ملک کے دفتروں اور کارخانوں میں کام کرتے دیکھے تھے۔ انہیں لوگ کام کرنے کے میز یا سامنے کی دیوار پر لگا رکھتے ہیں۔ اور یہ برقی باٹری یا موٹر کے ذریعے سے ہر وقت بڑی تیزی سے گھومتے رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ امریکہ میں بنتے ہیں۔ اور ہر ایک کی قیمت مع باٹری کے سو شلنگ کے قریب ہوگی۔

حفظ صحت کی عمارت

ان دو عالیشان عمارتوں کے علاوہ ایک حفظ صحت کی عمارت ہے۔ جس میں بلا مبالغہ ایک ہزار قسم کے کھانا پکانے اور پانی گرم کرنے کی انگیٹھیاں مٹی لوہے گلٹ۔ چینی پیتل اور خدا جانے کس کس چیز کی موجود ہیں۔ اہل یورپ علم کو حاصل کر کے جب عمل میں لاتے ہیں تو اس کے ذریعے سے وہ ایسی نفیس چیزیں

تیار کر سکتے ہیں کہ جن سے بنی نوع انسان کو روزانہ زندگی بسر کرنے میں آسائش حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی لیاقت سے خود بھی نفع حاصل کرتے ہیں۔ بخلاف علم کے ایشیائی خیال کے کہ جہاں علم صرف تزکیہ نفس کے لئے سیکھا جاتا ہے اور اس پر بھی عمل نہیں کیا جاتا۔ ایسے لوگ "چارپاے بروکتابے چند" کی مثال ہیں۔ مگر اب بقول ایک فلاسفر کے علم کو آسمان سے اتار کر بازار میں لایا گیا ہے۔ تاکہ وہ زندگی کی ضرورتوں میں خدمت کر سکے۔

کاغذ کے صیغہ کی چھوٹی کلیں وغیرہ

ان دونوں عمارات میں سے بائیں جانب کی عمارت میں صرف فرانس کے مختلف پیشہ وروں کی نمائشیں تھیں۔ اور دائیں میں اوپر کی چھت میں بترتیب بلجیم۔ روس۔ جرمنی سوئیڈن۔ انگلستان۔ ہسپانیہ۔ اٹلی۔ ناروے۔ آسٹریا۔ ہالینڈ۔ فرانس کا چینی کا کام۔ اور پرتگال کے کاریگروں کی نمائشیں تھیں۔ ہر ملک نے وہ چیز نمایاں کر رکھی تھی کہ جس کی صنعت پر اُسے ناز تھا۔ یہاں میں نے بہت سی عجیب و غریب کلیں اور سامان دیکھے۔ مثلاً ایک جگہ ایک چھوٹی سی کل کاغذ کی ڈبیاں تیار کر رہی تھی صرف کاغذ اور لئی اس میں رکھ دیتے تھے۔ کل خود کاغذ کو کاٹ کر ایک خاص حجم کی ڈبیا بنا کر پھینکتی جاتی تھی۔ اُن پر لیبل چسپاں ہوتے تھے۔ یہیں ایک مشین دیاسلائی بنانے کی دیکھی۔ یہ کل مشین کا حصہ تھی جس میں کاٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے ایک بوڑھیا عورت ڈالتی جاتی تھی۔ تیلیاں خود بخود بعض سوراخوں میں پھنسکر جو اس مطلب کے لئے ہوتے تھے آتش زان مرکب سے چھو جاتیں اور تھوڑی دیر میں دسا تھ ہی ساتھ خشک ہو کر) ایک کرتے

میں گر جائیں۔ ایک مشین سگرٹ کے کاغذ بلا مدد ہاتھ کے چھوٹی چھوٹی کتابوں کی صورت میں سی کر خود بخود پیکٹ لپیٹتی جاتی۔ ایک عورت ایک چھوٹی سی مشین سے ربن بنا رہی تھی۔ ایک عورت ایک چھوٹی سی مشین سے ایک ہی داب میں ایک خوبصورت اُبھری ہوئی تصویر نقش کر دیتی ایک جگہ لوہا اور چھینٹیں چھاپنے کے گول رولر اور چپٹی پلیٹیں تھیں۔ جن میں بیل میں اُبھرے ہوئے بیل بوٹے تھے۔ یہ صیغہ مکان سجانے کے لئے کاغذ کی چیزیں بنانے کا تھا کہ جہاں کاغذ کے سینکڑوں استعمال دکھلائے جاتے تھے۔ ان مشینوں کے مرتب کرنے میں یہہ بات مدنظر رکھی جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے انسان کے ہاتھ سے کرنے کا کام باقی نہ رہے۔ اور کئی آدمیوں کا کام مشین تھوڑے وقت میں کر سکے چھینٹیں چھاپنے۔ اور دیواروں پر چسپاں کرنے والے کاغذوں کے بیل بوٹوں کے سانچے۔ جلد بندی کی ابریاں اور ہر قسم کے کاغذات کے سامان کی الگ نمایش تھی۔ صرف کاغذ کے سودا بیچنے کے لفافے اور مال تجارت ڈالنے کے ڈبے بنانے کی تجارت یورپ میں بیحد ہے۔ اور ان کاموں کے لیے خاص کلیں بنائی گئی ہیں۔ ذرہ بازار سے دو پیسے کی چیریاں خریدو۔ یا شفتالو چند پیسے کے لو تو دوکاندار یہ سودا ایک مضبوط کاغذ کے لفافے میں ڈال کر تمہیں دے گا۔ اور وہ ہاتھ گاڑی والا دوکاندار نہیں دکیونکہ ہمارے ملک کے چھابڑی والے دوکانداروں کی طرح یہاں بھی ہاتھ کی گاڑی والے دوکاندار عورتیں یا مرد ترکاری اور میوجات بیچتے ہیں) تو اُسکے لفافے پر اس کی دکان کا نام چھپا ہوا ہوگا۔ کوئی دو چار پیسے کی خشک روٹی خریدئے تو وہ بھی لفافے میں ملیگی۔

ان عمارات میں ربر کی مختلف چیزوں مثل کھلونوں بائسکلوں کے ٹایروں اور سینکڑوں دوسری چیزوں کے بھی کہ جن کا حصر کرنا مشکل ہے ۔ نمایش کی گئی تھیں

زیورات

چاندی سونے کی چیزیں زیادہ تر عورتیں یوروپ میں بطور زیورات کے نہیں پہنتیں سوائے انگوٹھی یا بروچ کے گو سوئٹزرلینڈ کی عورتوں کے کانوں میں انگلی کے برابر لمبے اور موٹے سونے کے زیور دیکھے ہیں جو اُسی شکل کے ہیں ۔ جیسے کہ پنجاب میں دُر ہوتے ہیں) یہاں سنار کا کام زیادہ تر آرایشی سامان مثل چاندی سونے کے برتن بنانا ہے ۔ چنانچہ ایک صیغہ میں کھانے کے برتن صراحیاں ۔ جواہرات کے صندوقچے آرایشی پیالے اور قدیم زمانہ کی رومیوں اور یونانیوں کے ڈیزائنوں کے برتن موجود تھے ۔ کہ جنپر یورپ کے سناروں نے اپنی عقل خرچ کی ہوئی تھی ۔ ایک جگہ فرانس

گھڑیاں اور کھلونے

کی گھڑیاں (کلاک اور جیبی) اور ہر قسم کے کلاک ورک کے کھلونے موجود تھے ۔ جو خود بخود چل رہے تھے ۔ لیکن کھلونوں کے صیغہ میں ایسی عجائبات تھیں کہ جہاں سے نہ بچے ہی گذرتے ہوئے خوش ہو جاتے تھے ۔ بلکہ بڑے بوڑھوں کے لب بھی مسکرائے بغیر نہ رہتے تھے ۔ اور لوگ دیر تک پاس کھڑے ہو کر اُنہیں دیکھتے تھے ۔ گھڑیوں کے صیغے میں گذشتہ سو ڈیڑھ سو سال کی پرانی گھڑیوں کا ایک نہایت عمدہ ذخیرہ فرانس نے دکھلایا تھا ۔ سوئٹزرلینڈ کی مشہور گھڑیاں اور زیورات موجود تھے ۔ اس حصہ میں روس کی نمایش میں میں نے ایسی چیزیں دیکھیں (خصوصاً ایک مٹی یا رنگین لوہے کے گرجا کا ماڈل) جو دیکھنے کی مجھے توقع نہ تھی ۔ میرا خیال تھا کہ صنعت و حرفت کے بارے میں روس بالکل وحشی ملک ہے ۔ لیکن یہاں آکر یہ خیال بالکل بدل گیا جس طرح یوروپ کے دیگر

مختلف ممالک کی حرفتیں

ممالک صنعت و حرفت میں ترقی کر رہے ہیں اور نفیس اور نازک چیزیں کلوں کی مدد سے بناتے ہیں۔ ایسی ہی روس بھی بناتا ہے۔ جو اس نے اس صیغہ میں نمایش کے لئے رکھی ہیں۔ روس میں بھی مانچسٹر کی طرح چھینٹیں اور دوسری قسم کے سوتی کپڑے بنتے ہیں جو وسط ایشیا میں کھپتے ہیں۔ جرمنی اور آسٹریا کی تو تعریف کرنا فضول ہے۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ یہ دونوں ملک کیا کچھ کر رہے ہیں۔ البتہ فرانس کی نسبت مجھے یہ علم نہیں تھا کہ فرانس ہر قسم کی صنعت و حرفت کلوں اور فنون نفیسہ میں اس قدر ترقی کر چکا ہے۔ کیونکہ فرانس کی بنائی ہوئی چیزیں ہندوستان کے بازاروں میں نام کو نظر نہیں آتیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرانس انگلستان کی طرح جرمنی اور امریکہ کا مقابلہ سستی چیزیں بنانے میں نہیں کر سکتا۔ امریکہ اور جرمنی سستی چیزیں بنا کر انگلستان اور فرانس میں بیچتے ہیں۔ امریکہ کی نمایش کی چیزیں بھی بہت نفیس تھیں اور اور وہاں کی دولتمندی کا پتہ دیتی تھیں۔ لیکن انگلستان کی نمایش بہت اچھی نہ تھی۔ نہ اس لحاظ سے کہ یہاں کی چیزیں عمدہ نہیں تھیں۔ چیزیں تو بہت اعلیٰ تھیں لیکن بہت تھوڑی چیزیں اس صیغہ اور دوسرے صیغوں میں دکھائی گئی تھیں لیکن اس کے بعد مجھے ایک اخبار سے معلوم ہوا کہ خود نمایش پیرس کے انگلستان کی کمیٹی نے تسلیم کیا تھا کہ انگلستان نے بہت نامکمل نمایش دکھلائی ہے جس کی اس سے توقع نہ تھی۔ خواہ وجہ اسکی کوئی ہو۔

جاپان نے بہت سی جگہ سامان "لیکر" (یہ جاپانی مشہور روغن ہے) اور چینی کے برتنوں سے روک رکھی تھی۔ واقعی اس کے سامان کی شان نرالی تھی شاید یورپ کبھی اس کی نقل کرے۔ لیکن ابھی تو جاپان کی شان نرالی ہے

پاؤں کا پنکھا

۱۷ر جولائی کو انہیں عمارات میں ہیں نے ایک نرالی قسم کا پاؤں سے چلنے والا پنکھا دیکھا - ایک لیڈی نمایش کے ایک کمرہ کی محافظ کتاب پڑھ رہی تھی اور پاؤں سے اسے آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی - مَیں نے جھٹ اسکا بھدا سا سکیچ لے لیا - ایک سادہ فریم میں ایک لکڑی سرے پر لگی ہوئی ہے جس کے دونوں طرف چول ہے - اس میں دو سوراخوں میں دو ڈورے پڑے ہیں جو نیچے پاؤں کی لکڑیوں سے بندھے ہیں - اسی لکڑی میں ایک چھوٹا سا پنکھا لگا ہے جس کی پچھلی طرف تھوڑا سا بوجھ ہے - بار بار بہت آہستہ پاؤں ہلانے سے یہ بخوبی چلتا ہے - اور ایک آدمی کے لئے کافی ہوا پہنچاتا ہے میں - مینے لاہور پہنچکر اسکے ایک دو نمونے بنوائے تھے ان میں پوری کامیابی ہوئی ہے ؛

یہاں ایک مشین لیس یعنی ریشم کی کناری بُن رہی تھی مشین بیشک بہت پیچیدہ تھی - لیکن کناری میں بیل بوٹے اور انگریزی حروف خود بخود بُنتے جارہے تھے صرف ایک آدمی کھڑا ہوا کہیں کہیں تاگا گانٹھ دیتا تھا - ایک دوسری مشین پر لیس کی پانچ چھ پٹیاں بُنی جاتی تھیں - میز پوشوں اور بستروں کے غلافوں میں انواع و اقسام کی تصویریں اور بیل بوٹے بُنتے ہوئے دیکھے - اور ہزاروں مختلف قسم کی چیزیں اِن عمارتوں میں دیکھی گئیں - لیکن اُن کی تفصیل بیان کو طویل کردے گی ؛

اضلاع متحدہ امریکہ کی نمائش میں ایک قسم کے گول سے برقی پنکھے بکثرت خود بخود چل رہے تھے - یہ ایک دو فٹ قطر کے چار پروں والی گول سی مشین ہے پر نہ چھپے ہیں اور تیزی سے گھومنے سے ہوا کو خوب حرکت دیتے ہیں -

علاوہ نمایشی اشیا کے ایک بہت بڑا جزو تجارت کا بھی نمایش کے مکانات

میں موجود تھا۔ جو چیزیں نمائش کے لیے لائی گئی تھیں انہیں تو بیچنے کا حکم نہیں تھا۔ البتہ جو لوگ انہیں خریدتے وہ مالکوں سے سودا کر کے نوشت خواند کر لیتے تھے۔ اور چیز پر ایک کاغذ چسپان کر دیا جاتا تھا کہ یہ ایک مرتبہ یا دو چار یا دس یا بیس مرتبہ فروخت ہو چکی ہے۔ لیکن نمائش کے ختم ہونے تک وہاں سے اٹھائی نہیں جائیگی۔ مگر جا بجا چھوٹی چھوٹی دکانوں پر عورتیں

سودا بیچنے والی عورتیں

کھڑی چھوٹی چھوٹی چیزیں عموماً اسی ملک یا اسی قسم کی کہ جنکا وسلسلہ ہے بیچتی تھیں۔ اور آمنے جانے والوں کو بلا کر اپنا مال دکھلاتی تھیں یہی نمائش کے گائیڈ اور کارڈ اور فوٹو گراف اور نمائش کی یادگار کی قسم کی دوسری چیزیں بیچتی تھیں۔ مثلاً ایک قسم کے چمچوں پر ایفل ٹاور یا نمائش کے بڑے دروازے کی تصویر نقش کی گئی تھی۔ ایفل ٹاور نامی بڑے مینار کی شکل کے لوہے اور پیتل کے کھلونے بنائے گئے تھے۔ جنہیں لوگ ہزاروں خریدتے اور اپنے گھروں کو سفر کی یادگار کے طور پر لیے جاتے تھے رومالوں پر ایفل ٹاور کی نقل چھاپی گئی تھی۔ ان کے علاوہ مختلف ملکوں کی نمائشوں میں وہاں کی انگوٹھیاں یا کھلونے یا زیورات ٹوپے وغیرہ ہزاروں چیزیں یہ عورتیں بیچتی تھیں۔ اور چونکہ یہ ہر پاس سے گذرنے والے سے ہر وقت خریداری کی درخواست کرتی تھیں۔ مجھے تو اب زہر معلوم ہونے لگی تھیں۔ کیونکہ میں کچھ خریدنا نہیں چاہتا تھا۔ اور یہ ہر چیز بیچنے پر مستعد ہوتی تھیں میں نے بعض وقت چیزیں نمائش کے قریب جا کر اسی لیے دیکھیں۔ کہ وہ خوبصورت عورت جو میز پر دکان لگائے کھڑی ہے ضرور کہے گی کہ سل وو پلے موسیو (صاحب مہربانی کر کے) یہ چیز تو ضرور خرید یئے۔ میں نے بارہا زبان نہ سمجھنے کا بہانہ کیا اور وہاں سے چپکا چلا گیا تاہم دس میں

روپے کسی کسی چیز پر دا شت ہی پڑے۔ پیرس کی عورتیں دوکانداری کا بہت اچھا سلیقہ رکھتی ہیں۔ اور اکثر عورتیں نہ صرف تنہا دوکانیں کرتی ہیں بلکہ اپنے شوہروں کا دوکان میں ہاتھ بٹاتی ہیں۔

عینکیں بیچنے والے | نمایش گاہ کے اسی حصہ میں اور بعض بعض دوسرے حصوں میں بھی بہت سی عینکیں بیچنے والے بھی ہر وقت شکار کے منتظر رہتے تھے۔ یہ لوگ سب کے سب امریکن تھے۔ اور ہر گذرنے والے سے درخواست کرتے تھے کہ تمہاری آنکھوں کا مفت بلا معاوضہ امتحان کرینگے۔ میں نے پانچ سات کو توٹالا۔ ایک دو سے آنکھیں امتحان بھی کرائیں مگر ان سے عینک نہیں خریدی۔ لیکن ایک روز ایک کمبخت نے ادویات کے سکشن کے قریب مجھے ایسا سبز باغ دکھلایا۔ کہ میں نے ایک عینک اس سے ایک پونڈ کو خریدلی۔ اور جب میں رات کو مکان پر پہنچا تو میرے دوست نے کہ جس کے مکان پر میں ان دنوں فروکش تھا مجھے بتلایا کہ دو فرانک کا مال میں نے ہیں فرانک کو خریدا ہے۔

امریکن اخبارات | ہر چند کہ اخبارات اور چھاپنے کے فن کی نمایش کا حصہ بالکل الگ تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ لیکن امریکہ والوں نے اپنے اخبارات اور چھاپنے اور حروف جوڑنے کی کلوں کی نمایش یہیں کی تھی۔ ایک کمرہ میں ہر روز سینکڑوں امریکہ کے اخبارات اور رسالے کھول کر رکھے جاتے تھے۔ اور جو چاہتا انہیں پڑھتا۔ امریکہ کے عجیب و غریب اخبارات اور رسالوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کس قدر عقل اور دانش خرچ کی جاتی ہے۔ مجھے امریکہ کے اخبارات اور رسالے انگلستان کے اخبارات اور رسالوں سے بہت زیادہ دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ میں کہی

گھنٹے ان اخبارات کے مطالعہ میں محو رہا۔ اس کمرہ کے پاس ہی امریکہ کی چھاپنے کی مشینوں۔ نیویارک لائف انشورینس کمپنی۔ فونوگرافوں اور ٹائپ رائٹروں کا دفتر تھا۔ امریکہ کے اخبار نیویارک ٹائمز کا پیرس کا ایڈیشن ہر روز یہیں چھاپا جاتا تھا۔ اور دیکھنے والوں کے سامنے مشین کے منہ سے نکلتا ہی مفت بٹ جاتا تھا۔ یہ کتنی بڑی انٹرپرائز تھی۔ یہ بہت بڑی تین منزلوں کی مشین تھی جس میں تین رلیں کاغذ کی چڑھی ہوئی تھیں۔ اور ایک پیچ میں آن واحد میں تین پرچے اخبار کے چھپ جاتے تھے۔ واضح رہے کہ امریکہ کے اخبار نیویارک ہیرلڈ اور نیویارک ٹائمز دونوں کے یورپین ایڈیشن انگریزی زبان میں ہر روز پیرس سے شائع ہوتے ہیں۔

فرانسیسی بولی تحریری اور تقریری

نمائش کرنے والے لوگ اپنے اپنے سامان کی فروخت کرنے کے لئے ہزارہا قسم کے دلچسپ اشتہار اور ٹیپتا مدوں فہرستیں چھاپ کرائے تھے جو عموماً فرانسیسی زبان میں تھے اور تقسیم کرتے تھے۔ اتنا غنیمت تھا کہ میں اب کچھ کچھ ان کا مطلب سمجھنے لگا تھا۔ کیونکہ تھوڑی سی شُد بُد فرانسیسی زبان کی میں نے لاہور میں حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر قہرہ یہ تھا کہ باوجود اس تمام جدوجہد کے کسی فرانسیسی کی باتیں سمجھ میں کم آتیں۔ جو لوگ فرانسیسی زبان کتابوں سے سیکھیں گے اُن کا یہی سال ہوگا۔ اس زبان میں بہت سے حروف جو لکھے ہوتے ہیں۔ تلفظ میں نہیں آتے۔ مثلاً نمائش کے ایک حصہ کا نام Champ de Mars یعنی "مریخ کا کھیت" ہے۔ انگریز تو اسکو "شامپ ڈے مارس" پڑھیں گے۔ لیکن فرانسیسی اسکا تلفظ "شان دو مار" کرتے ہیں۔ پیرس کے ایک مشہور بازار کا نام Champ de Elyses ہے۔ جسکو فرانسیسی "شانز لیزی"

کہتے ہیں۔ اسلئے اجنبی جس نے ان کے منہ سے سنکر زبان نہ سیکھی ہو ان کا تلفظ سمجھ نہیں سکتا۔

متحرک پلیٹ فارم کی سیر میں نے تین دن میں اس حصہ نمایش کو سرسری دیکھا آخری روز دیکھا کہ دوسری منزل کے ایک دروازے سے اکثر لوگ باہر کو جارہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کے پلیٹ فارم (سیڑھی) پر کھڑے ہوتے ہیں جو خود بخود دوڑتی جاتی ہے۔ نقشہ نمبر اول میں عمارات نمایش کے اندر شہر پیرس کا ایک حصہ گھرا ہوا ہے۔ جسپر ج کا نشان ہے۔ اس حصے کے گرد یہ پلیٹ فارم برقی طاقت سے دن بھر پہیوں کے اوپر پھرتا رہتا تھا۔ اور اسکا نام "پلیٹ فارم موبیل" یعنی متحرک سیڑھی تھا۔ یہ دراصل تین پلیٹ فارم تھے۔ ایک تو بالکل ساکن تھا۔ اُسپر کھڑے ہوکر لوگ دوسرے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے تھے۔ جو چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا تھا۔ لیکن اس سے اگلا پلیٹ فارم جو اس سے چوڑا تھا وہ آٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا تھا۔ چاروں طرف نمایش کے اندر اسکے کئی سٹیشن تھے۔ جہاں نصف فرانک (۵ر) دینے پر اُسکے اوپر سوار ہونے کی اجازت ملتی تھی۔ ہزاروں عورتیں۔ مرد۔ بچے ہر روز اُس پر سوار ہوتے تھے۔ اور جبتک خود اُکتا کر نہ اتر جائیں کوئی اُنہیں نہیں اُتارتا تھا۔ ایک پلیٹ فارم سے دوسرے پر آسانی سے قدم رکھ سکتے تھے۔ غرض پلیٹ فارم بھی نمائش کا ایک نہایت دلچسپ تفریح تھا۔

متحرک سیڑھی اسکے علاوہ ایک قسم کی متحرک سیڑھی نمایش گاہ کی اکثر دو منزلہ عمارات کے اوپر چڑھنے کے لئے لگی ہوئی تھی۔ جو ہر وقت چلتی رہتی تھی۔ گویا دو رولروں پر ایک آہنی جالی لپٹی ہوئی ہے۔ اور رولر

ہر وقت گردش میں رہتے تھے۔ جس سے وہ ہر دم نیچے سے اوپر کو جایا کرتے تھے۔ اسپر لوگ کھڑے ہوتے تو دم بھر میں دوسری چھت پر پہنچ جاتے تھے۔ دس سنٹیم یا ایک پینی یا اسکا ٹکٹ تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ سیڑھی کی لکڑی بھی حرکت کرتی رہتی تھی۔ کہ جسکو دونوں طرف تھام کر اوپر چڑھتے ہیں۔ غرض یہ بھی ایک دلچسپ اور نئی ایجاد تھی کہ سیڑھیاں چڑھنے کے لئے دو قدم بھی نہ ہلانے پڑیں۔

کرایہ کی کرسیاں نمائش میں جابجا تھکے ماندے مسافروں کے بیٹھنے کے لیئے چند آہنی بنچیں پڑی تھیں۔ لیکن یہ سب لوگوں کے بیٹھنے کے لئے کافی نہ تھیں۔ اسلئے بڑے مینار کے نیچے اور عجائب گاہ کے سامنے ہزاروں ہلکی پھلکی آہنی کرسیاں پڑی رہتی تھیں۔ دن میں کسی وقت تھک کر یا شام کو عموماً قصر برق و قصر آب کی بہار دیکھنے کے لئے لوگ ان پر بیٹھتے تھے تو سیاہ پوش بوڑھیا عورتیں ان سے کرسیوں کا کرایہ وصول کرنے کو آموجود ہوتی تھیں۔ کرسیوں کا کرایہ دس سنٹیں سنٹیم (دو سے چھ پیسہ) تک ہر دفعہ بیٹھنے کے لئے مقرر تھا۔ خواہ تم دو منٹ بیٹھو یا دو گھنٹے۔ اور اسی طرح مشہور ٹھنڈی سڑک شانزلیزی پر دورویہ کرسیاں پڑی تھیں جن کے بیٹھنے والوں سے عورتیں کرایہ وصول کرتی تھیں۔

عظمت کا راز حضرت سلیمان کا قول ہے کہ حکمت جواہرات سے بیش قیمت ہے۔ اور اس کی تصدیق نمائشگاہ پیرس کو دیکھنے سے اچھی طرح ہوئی تھی وہاں جاکر معلوم ہوسکتا تھا کہ اہل یوروپ کی موجودہ عظمت کا راز کیا ہے۔ جبکہ افریقہ کی بالکل وحشی قوموں سینی گال اور سیو گیمبیا کے قدیم متوطنوں کے نہایت ابتدائی اور وحشیانہ ساخت کی چیزوں کے پہلو بہ پہلو

یوروپ اور امریکہ کی آخری ساخت کے بیس بیس ہزار گھوڑوں کی طاقت کے برقی ڈائینموشور مچاتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ اہل یوروپ کے بڑے طبقہ میں مجھے کئی ایک اخلاقی قباحتیں نظر آتی تھیں۔ لیکن اُن میں بہت سی خوبیاں محنت دماغ سوزی ایفائے وعدہ۔ راست گوئی دیانت کی بھی بطور ایک جماعت کے مجھے نظر آئیں۔ بقول "الکاسب حبیب اللہ" کے خدا ان کی محنت کا انہیں انعام دیتا ہے اور اپنے کسب میں کمال حاصل کرنے کی وجہ سے یہ لوگ عزت حاصل کرتے ہیں ؎

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی
کس بےکمال ہیچ نیرزد عزیز من

نمایش کا تیسرا حصّہ

انولیڈ کی دونوں عالی شان اسباب صنعت وحرفت کی عمارات دیکھ چکنے کے بعد ہمیں دریائے سین کی طرف لوٹ کر انہیں کنارہ پر چلنا پڑتا

اطالیہ کی قومی عمارت

جہاں اقوام یوروپ وامریکہ کی قومی عمارات تھیں۔ ان میں سب سے پہلے اطالیہ کی قومی عمارت نہایت عالی شان تھی۔ ان عمارات کی تعمیر میں خصوصیت سے اس امر کو مدنظر رکھا گیا تھا کہ جس قوم یا ملک کی عمارت تھی۔ اس ملک کے خاص طرز تعمیر کے اعلیٰ نمونوں سے اسے یہاں نقل کیا گیا تھا۔ اس لئے یہ حصہ نمایش کا۔ اور ایک دوسرا حصہ جس میں فرانس وانگلستان کی نوآبادیوں اور ممالک مشرق کی تعمیرات تھیں نہایت دلچسپ تھے۔ کیونکہ ان میں مختلف ممالک کے طرز پہلو بہ پہلو نظر پر نہایت عمدہ اثر پیدا کرتی تھی۔ اور بعض عمارات

تو ایسی خوبصورت اور عالی شان اور نرالی طرز کی تھیں کہ ان کے دیکھنے سے جی سیر نہیں ہوتا تھا اٹلی کی عمارات وینس کے مشہور گرجا سینٹ مارک کے نمونے پر بنائی گئی تھی کہ جس کی کیفیت میں سیر وینس کے حالات میں لکھ چکا ہوں۔ بظاہر ایہ عمارت ایسی خوبصورت اور عالی شان معلوم ہوتی تھی۔ اور اس پر فن مصوری و نقاشی کہ جس میں اطالیین یورپ بھر میں استاد سمجھے جاتے ہیں۔ بےحد خرچ کیا گیا تھا اور اس خیال پر تعجب ہوتا تھا کہ عنقریب ختم نمایش کے بعد اسے گرا دیا جاویگا۔ اسکا گنبد طلائی تھا اور اس کی دو منزلوں میں اطالیین حرفت کے نمونے خصوصاً آرٹ کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔

ٹرکی کی قومی عمارت

اس کے بعد ٹرکی کی قومی عمارت تھی۔ یہ عربی اور شامی طرز تعمیر سے مرکب تھی۔ قسطنطنیہ کی چند بڑی بڑی پبلک عمارات کے حصے اور خصوصاً عجائب گاہ جیسی سیریز کے نمونے پر بنائی گئی تھی۔ اس میں تین منزلیں تھیں۔ پہلی میں چھوٹے چھوٹے زیورات اور کشیدہ کے رومال۔ دوسری میں برتنوں و قالینوں کی قسم کی چیزیں۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں میں یہودی زن و مرد بیچ رہے تھے جیسا کہ قسطنطنیہ کے بازاروں کا حال ہے دوسری منزل میں جو دمشق کے ایک قہوہ خانہ اور سلطان احمد کے فوارہ کے نمونے پر تعمیر کی گئی تھی۔ ایک تھیٹر تھا جس میں یہودی اور یہودنیں عربوں اور مسلمانوں کے سوانگ بھر کر اور عربی گیت گا کر اور ناچ کر مسلمانوں کو بدنام کر رہی تھیں۔ مصر الجیریا ٹیونس اور ٹرکی سب کے مکانات کے ساتھ تھیٹر بھی لگائے گئے تھے۔ ان سب ملکوں میں عورتوں کے ناچنے کی طرز نرالی ہے۔ جس میں چھاتیاں اور کندھے پیٹ کاٹے جاتے ہیں۔

اور ناف کے حصے کو تمام جسم سے الگ عجیب طور سے حرکت دی جاتی ہے
جس میں ان عورتوں کو خاص مہارت ہوتی ہے۔ ہندوستان کی رنڈیوں
کا ناچ ان کے مقابلہ میں عین تہذیب کا نمونہ ہے۔ ناچنے والی عورتیں اور
ان کے مرد سب یہودی تھے۔ مگر یقیناً یوروپ کے ناواقف لوگ انہیں
مسلمان سمجھتے تھے۔ اور کبھی کبھی جبکہ یہ بدوؤں کا لباس پہنکر رجز خوانی
کرتے تھے اور عربوں کے شادی بیاہ کی رسمیں اور عنترہ کی زندگی کے ایک
واقعہ کی نقل کرتے جو میں نے بھی دیکھی تھی تو کوئی شخص اُن میں اور مسلمانوں
میں بمشکل تمیز کر سکتا ہوگا۔ ٹرکی کے مکان میں صرف ایک مسلمان مجھے
ملا جو مدت تک انگلستان میں متوقف رہا ہے۔ اور ایک انگریز عورت

ترکوں کے شریک نہ ہونے کا باعث

سے شادی بھی کی ہے۔ اُس نے کہا گورنمنٹ ٹرکی نے
نمائش میں خاص حصہ لینا پسند نہیں کیا۔ اور نہ کسی
مسلمان نے یہاں آنا پسند کیا ہے۔ مسلمان نوجوان یورپ میں آکر
اہل یوروپ کی بے حجاب لڑکیوں کو دیکھ کر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور مسلمان
نہیں رہتے۔ مجھے یہ سُنکر نہایت افسوس ہوا کہ ترک اب تک ایسے
نادان ہیں کہ باوجود کئی صدیوں سے یوروپ میں رہنے کے انہیں اتنی عقل
نہیں آئی کہ اسلام ایسا کچا دھاگا نہیں جو ٹوٹ جائے۔ نہ کسی خاص
ملک اور قوم اور آب وہوا سے مخصوص مذہب ہے۔ اور بالفرض اگر یورپ
جاکر یہ اہل ہنود کے مذہب کی طرح خراب بھی ہو سکتا ہے۔ تو انہیں کی طرح
پراسچت کرنے سے پھر صحیح وسالم بھی ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ اسلام
کے معنے کیسے غلط سمجھے گئے ہیں ؎

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بدرودے

مگر اس کے بعد مجھے ایک معزز فرنچ لیڈی سے یہ سُنکر اطمینان ہوا کہ جس مدرسہ میں اُن کی جوان لڑکی پڑھتی ہے اس میں چند ترک نوجوان خاتونیں بھی تعلیم پاتی ہیں۔ جو قسطنطنیہ سے صرف پڑھنے کے لئے آئی ہوئی ہیں۔ اور نیز ایک اور شخص سے معلوم ہوا کہ پیرس کے مختلف مدرسوں اور کالجوں میں چند ترک نوجوان تعلیم پاتے ہیں۔ گو یہ اُن سے بہت کم ہیں۔ جتنے کہ جاپانی طالب علم ہیں۔ جو سات سمندر طے کرکے یوروپ اور امریکہ میں ہنر سیکھنے جاتے ہیں۔

ترکی کے بعد اضلاع متحدہ امریکہ کا مکان واشنگٹن کے کیپی ٹول کی نقل پر بنایا گیا تھا۔ اس مکان کی زیرین سطح خالی تھی۔ جس میں اہل امریکہ کی آسایش کے لئے ڈاکخانہ تار اور اطلاعدہی وغیرہ کے دفتر تھے۔ مکان کے سامنے

امریکہ کی عمارت امریکہ کی نامور بہادر جارج واشنگٹن کا رومین بُت گھوڑے پر سوار کھڑا تھا جس نے امریکہ کو انگلستان سے آزاد کرایا تھا۔ مکان کی پیشانی پر آزادی کا فرضی بُت ترقی کی گاڑی میں سوار دکھلایا گیا تھا۔ مکان کے بیچ میں ایک بڑا ہال تھا۔ اطراف کے کمرے اضلاع متحدہ میں سے ہر ایک ضلع کے نام کے الگ الگ تھے۔ اوپر جانے کے لئے دو لفٹ تھے اور رات کو برقی روشنی ہوتی تھی۔ اس مکان میں کوئی سامان نمایش نہیں تھا۔ کیونکہ امریکہ کے سامان سے نمایش گاہ کی مختلف عمارتیں بھری پڑی تھیں۔ اسکے اندر صرف اہل امریکہ کی شایستگی کے تمام پہلو دکھلائے گئے تھے۔

ڈنمارک ڈنمارک کا مکان ڈنمارک کے خاص طرز تعمیر میں بڑا دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ اسکے اندر اس مُلک کی ساخت کی چیزیں سجائی گئی تھیں۔

آسٹریا | اسکے بعد آسٹریا کا قومی مکان دو منزلہ بڑا عالی شان تھا۔
اس میں نیچے دو تین کمرے صرف اعلیٰ درجہ کے فرنیچر سے سجا کر دکھلانے کے لئے مخصوص تھے۔ دوسری منزل میں کچھ اسباب نمائش برقی کالوں کے نمونوں۔ تصاویر و بتوں کی قسم سے تھا۔ ایک بُت ایک مادر زاد برہنہ مرد کا تھا جس نے ایک ویسی ہی مادر زاد برہنہ عورت کو سر سے اونچا اُٹھا رکھا تھا۔ اور اور بھی کئی برہنہ تصاویر تھیں جنکے آرٹ کو بہت پسند کیا جاتا تھا۔ ایک کمرہ میں یہاں کے کل اخبارات اور رسالجات کے سرورق چسپاں تھے جو بجائے خود بہت دلچسپ نمائش تھے۔ اور نمونے اخبارات کے بھی موجود تھے۔ کچھ کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک کتاب میں کہ جسکا نام یہ ہے The Grosse Induatries Ostritshe 1848-1898 آسٹریا کی صنعت و حرفت کی ترقی کی کیفیت ۱۸۴۸ء سے ۱۸۹۸ء تک جرمنی زبان میں بتفصیل بیان کی گئی تھی۔ نمائشگاہ میں آسٹریا یا ہنگری کا جہاں جہاں سامان رکھا ہوا تھا۔ وہیں شہنشاہِ فرانسس جوزف کا ایک رو پہلی بُت بھی رکھا ہوا تھا۔

پرتگال | پرتگال کا مکان سادہ تھا۔ لیکن اپنی خاص مشرقی نما طرز کا تھا۔

بوسنیا و ہرزیگووینا | بوسینیا اور ہرزیگووینا کو بھی صبر نہیں آیا کہ نمائش پیرس میں حصہ نہ لیں۔ اس مکان میں ایک طرف عربی طرز کے ستون لگا دیے تھے اور محراب ایسے طور پر بنائے تھے کہ ایک عالی شان مسجد معلوم ہوتی تھی۔ اور ان ممالک سے ٹرکی کا تعلق یاد آجاتا تھا۔ مگر یہاں ٹرکی کے مکان میں اشیاء ساختہ کی کوئی نمائش نہیں تھی۔ یہاں کی اشیاء ساختہ

کی کوئی نمائش نہیں تھی۔ یہاں کی اشیاء سے ساختہ کی خاصی دلچسپ نمائش اس مکان کے اندر موجود تھی۔

پیرو اسکے آگے ملک پیرو کی عمارت تھی۔ جو جنوبی امریکہ کی ایک جمہوری ریاست ہے۔ طرز تعمیر ہسپانیہ کی عمارات کی سی تھی۔ کیونکہ اس ملک میں پہلے ہسپانیہ کا ہی قبض و دخل تھا۔ اوپر دو میناکاری کے مینار تھے۔ دو منزلہ عمارت تھی جس میں پیرو کی ساختہ چیزیں اور خام پیداوار موجود تھی۔ بعض چیزیں یوروپ کی اشیائے ساختہ سے لگا کھاتی تھیں۔ (۴۰۰۰) مربع گز زمین پر مکان تعمیر کیا گیا تھا۔

ہنگری ہنگری ہر چند کہ سلطنت آسٹریا کا حصہ ہے۔ لیکن اس قوم نے جا بجا نمائش میں آسٹریا سے علٰحدہ حصہ لیا۔ چنانچہ اسکا مکان بھی آسٹریا کے مکان سے علٰحدہ تھا۔ جو فن تعمیر کا عجوبہ شمار ہونے کے قابل تھا۔ گیار (یا مجار) قوم جتنی طرزیں تعمیر میں استعمال کرتی ہے وہ سب اس عمارت میں جمع تھیں جو جیسی باہر سے خوبصورت تھی ویسی ہی اندر سے۔ ہنگری کی فوجوں کی وردیوں۔ تاریخی یادگاروں۔ اور خانگی زندگی کے سامانوں کے نمونوں اور تصویروں سے مکان نہایت دلچسپ بنایا گیا تھا۔ افسوس ہے کہ یہ چند فقرات اس اثر کا کوئی حصہ بھی پیدا نہیں کرسکتے جو مکان کے دیکھنے سے حاصل ہوتا تھا۔

انگلستان اسکے آگے برطانیہ عظمیٰ کا مکان تھا۔ نمائش کی تیاری کے ابتدائی زمانہ میں جو رائل کمیشن انگلستان نے نمائش پیرس میں حصہ لینے کے لئے مقرر کی تھی۔ حضور پرنس آف ویلز (حال شاہ ایڈورڈ ہفتم) اس کے سرپرست قرار پاسئے تھے۔ لیکن اس کے بعد بوجوہات فرانس و انگلستان کے تعلقات ایسے دوستانہ نہ رہے۔ جس سے انگلستان نے اتنی دلچسپی

نمایش پیرس میں نہیں لی جتنی کہ اسے لینی چاہیئے تھی۔ تاہم بہت کچھ حصہ لیا ہے۔ انگلستان کی قومی عمارت ایک نامور انگریزی مکان کنگسٹن ہوس کے نمونہ پر تعمیر کی گئی تھی۔ نمایش کے طور پر اس میں بہت سا قیمتی اسباب سجایا گیا تھا۔ مثل نمونہ ہائے فنون نفیسہ۔ جواہرات۔ زیورات اسلحہ وغیرہ جو انگریزی ساخت کا خاصہ عجائب گاہ ہے۔ کئی کمرے انگلستان کے مکان سجانے والے کارخانوں نے اپنے فرنیچر سے سجائے ہوئے تھے۔ داخلہ کے سامنے ہال میں خوبصورت ٹیپسٹریاں (قالین تصویردار) دیواروں پر سجائی گئی تھیں۔ دوسری منزل پر ایک لمبی گیلری میں انگلستان کی مادین صدی کے مصوروں کے کمال کے نمونے جمع تھے۔ اور چینی کمرہ میں انگریزی ساخت کا بہترین سامان موجود تھا۔

ایران

اسکے پچھلی طرف ایران کا مکان تھا۔ عمارت کو دیکھکر بیساختہ ماننا پڑتا تھا کہ ہم ایران کے کسی کوچہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ اس عمارت میں اصفہان کے مدرسہ نادر شاہی کا خاکہ اُتارا گیا تھا۔ دونوں سروں پر دو مکانات دو منزلہ تھے۔ جن میں شیشے ایسے طرز سے لگائے گئے تھے کہ دن کو آفتاب اور رات کو برقی روشنی بہت اچھا اثر پیدا کرتی تھی۔ نمایش کے کمروں میں کرمان اور خراسان کے ایرانی قالین خلیج فارس کے بڑے بڑے موتی اور کچھ چینی کی قسم کے برتن تھے۔ شیراز کا عطر گلاب اور کچھ قدیم ایرانی اسلحہ اور دستکاری کے نمونے تھے۔ اسکے علاوہ بیش قیمت زیورات جو شاہی خاندان کے سوا ایران میں کسی کو دیکھنے نصیب نہیں ہوتے موجود تھے۔ عمارت کے تینوں طرف کچھ نظم خوش خط فارسی نستعلیق میں کندہ تھی۔ اس میں سے میں نے یہ شعر نقل کر لیئے۔ جو ایرانیوں کی خیالات

کا خاصہ نمونہ ہیں۔ اور شہنشاہ مظفر الدین کی معارف پژوہی پر دلالت کرتی ہیں ؎

بگلشن ہنر و باغ معرفت پارس | فگندہ اند بساطے ز صنع دست بشر
زمانہ پرورش فضل می دہد ہر روز | درخت علم کنوں بیشتر گرفتہ ثمر
ہمیشہ تا بجہاں نام علم بودہ بلند | ازیں دیار ہمی منتشر کردہ در دیگر
ز ہر دیار بہنر ملک خاصۂ ایراں | کہ دولت است ہنر پیشہ و ہنر پرور
علی الخصوص بعہد خدیو صاحب جاہ | مظفر الدین شہنشاہ ما بلند اختر

اور بڑے دروازے پر یہ شعر تھے ؎

ایں طرفہ بنا کہ دلکش شاہان است | در غرض ہنر ز دولت ایران است
تا ہست جہاں باد مظفر منصور | شاہنشہ ما مؤید یزدان است

واضح رہے کہ نمایش کی اور کسی عمارت پر کوئی نظم یا شعر نہیں دیکھے گئے البتہ اٹلی کی عمارت پر کچھ تاریخی عبارت تھی ؏

بلجیم بلجیم کا مکان اس ملک کے ایک مشہور مکان ہوٹل ڈی الاویل (ٹاؤن ہال) کا نمونہ تھا۔ جو سولھویں صدی کا بنا ہوا تھا۔ اور چونکہ اس ملک میں "لیس" مشہور بنتی ہے۔ اسلئے اسکی گیلری۔ ستون۔ محراب۔ اور ایک گنبد پر لیس ایسی خوبصورتی سے تعمیر میں دکھلائی گئی تھی۔ کہ فن تعمیر کی بڑی قابلیت ظاہر کرتی تھی۔ نیچے کے کمروں میں بلجیم کے مختلف شہروں کے اسباب کی نمایش تھی۔ اور ایک کمرہ وہاں کے اخبارات اور مطابع کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ دوسری منزل پر سٹیٹ روم اور دوسرے سجے ہوئے کمرے تھے لکسمبرگ کی گرینڈ ڈچی سے بھی ان اقوام عالی شان کے محلات میں اپنا گھر بنائے بغیر رہا نہیں گیا۔ جس میں اس چھوٹے سے علاقہ کی پیداوار اور ساخت کے نمونے تھے۔

ناروے

ناروے کا مکان بالکل لکڑی کا بنا کر سرخ سفید ... رنگا گیا تھا۔ جیسا کہ ناروے کے دیہات کے مکانات ہوتے ہیں۔ ... ناروے کا سمندر کا کنارہ بوجہ دندانہ دار ہونے کے بہت بڑا ہے۔ اور اندر ... ملک میں بھی پانی بہت ہے۔ اسلئے ماہی گیری اس ملک کا پیشہ ہے ... اس عمارت میں یہاں کی ماہی گیری کے قدیم سے لیکر حال تک مختلف سامان کا ایک عجائب گاہ موجود تھا۔ جو بڑا دلچسپ تھا۔ پہلو بہ پہلو ماہی گیر اور ... سے لکڑیاں کاٹنے والے کی زندگی دکھلائی گئی تھی۔ ایک بڑے چٹان پر کئی سو پرند بھس سے بھرے ہوئے دکھلائے گئے تھے۔ جو بڑا دلچسپ نظارہ تھا۔ ڈاکٹر نانسن جس جہاز میں دو تین سال پہلے قطب شمالی کی تحقیقات کے لئے گیا تھا اُسکا نمونہ اور سامان سفر دکھلایا گیا تھا۔ لیکن منجملہ کئی دیگر اشیا کے ناروے کے باشندوں کے بُت اور اُن کے مکانات کے نمونے تیرھویں سے انیسویں صدی تک وہاں کی زندگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتے تھے۔

جرمنی

جرمنی کا مکان ایک جرمنی کے آخری زمانہ کے طرز تعمیر کے گرجا کے نمونہ پر بنایا گیا تھا۔ جسکا مینار (۲۶۰) فیٹ بلند چلا گیا تھا۔ نیچے کی منزل میں جرمنی میں کاشت انگور کی نمایش بالتفصیل دکھلائی تھی۔ بیچ کے بڑے کمرے میں جو پچاس فیٹ بلند ہے۔ جرمنی کے استادان فن کی چھت کے آرایش کے نمونے تھے۔ اور جرمنی کی کتابیں چھاپنے اور فوٹوگرافی کے فن کے نمونے بھی یہاں دکھلائے گئے تھے۔ باقی نیچے اور اوپر کے کمروں میں فریڈرک اعظم سابق شہنشاہ جرمنی کا بیش قیمت مجموعہ عجائبات سامان آرایش اور محلات پاٹسڈم (قصر شہنشاہ حال) کا

بیش قیمت فرنیچر معہ دیگر سامان فرنیچر کے نمونوں کے دکھلایا گیا تھا۔ لیکن جرمنی کی موجودہ دستکاری اور حرفت کے نمونے نمایش گاہ کی عمارات میں قطع نظر فرانس کے باقی سب ملکوں سے زیادہ تھے۔

بلگیریا | بلگیریا کی عمارت میں داخلہ کا دروازہ صرف ترکی طرز تعمیر کا تھا جو دو بلند مربع ستونوں پر قایم تھا۔ باقی عمارت عیسائی طرز کی تھی۔

ہسپانیہ | ہسپانیہ کا قومی محل ہسپانیہ کے زمانہ (رے) نیسنس کے طرز تعمیر میں بنا ہوا تھا۔ جس میں مسلمانی طرز عمارت کی بہت سی جھلک نمایاں تھی۔ اس میں الکالا کی یونیورسٹی (۱۵۵۳ء) ٹولیڈو کے الکزار (القصر) سالامانکا کی اونیورسٹی وغیرہ مکانات کے حصوں کی نقل اتار دی گئی تھی۔ اندر ایک بڑے ہال کے گرد دو منزلہ گیلریاں تھیں۔ جن میں وہاں کی تصاویر اور فنون نفیسہ کی تاریخی نمایش کی گئی تھی۔ ملکہ ہسپانیہ نے محلات شاہی سے عجیب و غریب چیزیں نمایش کے لئے مستعار دی تھیں۔ اور قومی اور پرائیویٹ عجائب خانوں نے بھی بعض چیزیں بھیجی تھیں۔ ہسپانیہ کی ساختہ چیزیں نمایش کے مختلف حصوں میں موجود تھیں۔

رومانیا | رومانیا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ لیکن اس کی عمارت میں بھی اس ملک کے طرز تعمیر کا پورا خاکہ کھینچا گیا تھا۔ مکان کا وسطی ہال ہوریزو کی خانقاہ سے نقل کیا گیا تھا۔ پہلوؤں کی بیرونی صورت آرگاش کے بڑے گرجے اور دریچے سٹاوروپلی اوس سے نقل کئے گئے تھے۔ اسلئے مکان کی عام صورت رومانیا کی خاص تعمیر معلوم ہوتی تھی۔ جیسے اندر وہاں کی مختلف پیداوار اور تصویروں کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔

سویڈن | سویڈن کا مکان بھی ناروے کی طرح چوبی تھا اور اس ملک کی

صنعت وحرفت اور تجارت کے نمونوں سے پُر تھا۔ مکان کی تعمیر میں جو لکڑی خرچ ہوئی تھی وہ بھی سوئیڈن کی تھی۔ لکڑی پر کھودا ہوا کام اور سوئیڈن کی لیس کے نمونے بہت دلچسپ تھے۔ آزمودہ کار پیشہ ور مانند بیٹھے ہوئے اپنے ملک کی مختلف حرفتوں میں تماشا دیکھنے والوں کے سامنے مشغول تھے لیس جو ہاتھ سے بنی جاتی تھی اور جو یورپ کی عورتوں کے لباس کا نہایت قیمتی جزو ہے۔ مَیں نے بُنی جاتی ہوئی دیکھی۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی لکڑیوں پر دھاگا لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ جو نیچے لٹکتی رہتی ہیں۔ اور بُننے والی عورت ایک اڈے کے سامنے بیٹھی ہوئی ایسی پھرتی سے اُن دھاگوں کو نیچے اوپر کرتی ہے جیسے کہ لاہور میں ازاربند بُننے والی عورتیں جلدی سے ریشم کی تاریں انگلیوں سے نیچے اوپر کرتی ہیں۔ ہال کے سامنے بیچ کی طرف ایک بڑا کمرہ مکلّف طور سے سجایا گیا تھا۔ جس میں ممتاز آدمی (کوئی بادشاہ یا عہدہ دار) جو یہاں آئے بیٹھ سکتا تھا۔ اِسکے پردے اسی کمرہ کے لئے بُنے گئے تھے۔ اِسکے دونوں پہلوؤں میں دو پینورامے نمایاں تھے۔ جن میں سے ایک کا نام "شبِ زمستان" اور دوسرے کا نام "شبِ تابستان" تھا۔ مَیں نے سفر و اثنا کے حالات میں پینوراما کی کیفیت سمجھا دی ہے۔ جو ایک لمبے چوڑے کپڑے پر کسی مقام کی تصویر ایسی طور پر رنگوں سے کھینچی جاتی ہے اور کپڑے کو ایسے طور پر ایک سٹیج کے گرد زمین سے چھت تک آویزاں کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والے باور کرتے ہیں کہ وہ کوئی اصلی قدرتی نظارہ دیکھ رہے ہیں بحالیکہ وہ قدرت کی صرف نقل ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک پینوراما میں قطب شمالی کے قریب کے ایک برف کے علاقہ کو دکھلایا گیا تھا۔ اور دوسری میں رات کا رنگ ایسا بنایا گیا تھا۔ جو صبح صادق کی طرح ہو۔ کیونکہ اس

اس ملک میں گرمیوں میں آدھی رات کو بھی آفتاب افق کے قریب لٹکتا ہوا نظر آتا ہے۔ جسکو دیکھنے کو ہر سال ہزارہا لوگ جاتے ہیں۔ دو کمروں میں سویڈن کے اخبارات اور رسالے میزوں پر پڑے تھے جو چاہتا بیٹھ کر پڑھتا

یونان یونان کا مکان خالص ہائی زنٹائن طرز تعمیر میں بنایا گیا تھا۔ اور چھت کے اوپر نیلگون روغن کی اینٹیں لگائی تھیں۔ ڈھانچ عمارت کا لوہے کا تھا۔ بخلاف دوسری عمارات کے لکڑی کے ڈھانچوں کے اس میں یونان کے زمانہ حال کی اشیاء کے ساتھ ساتھ قدیم یونان کے صنعت مصوری اور بت تراشی کی حالت بھی دکھلائی گئی تھی۔ یونانی نمائش کرنے والوں نے زیادہ تر شراب۔ تمباکو۔ ریشم اور سوت کے کپڑے معدنیات اور چمڑا دکھلایا تھا۔ اور یونان کی تمام چیزیں اسی مکان میں تھیں جو (۹۰۰۰) مربع گز پر تعمیر کیا گیا تھا۔

سردیا سردیا کا مکان سادہ شکل کا تین گنبدوں والا خالص اسلامی طرز تعمیر کا تھا۔ گو ان ملکوں میں اب اسلامی حکومت نہیں رہی۔ لیکن طرز تعمیر پر مسلمانوں کا اثر ایسا نہیں تھا۔ جو اُن کی حکومت کے ساتھ ہی کم ہو جاتا۔ اس مکان کے اندر سردیا کے فن مصوری کے چیدہ نمونے نمایاں تھے۔ یہ مکان دوسری اقوام کے مکانات سے علیحدہ جگہ پر واقع تھا۔

میکسیکو اور اسی طرح میکسیکو کا دو منزلہ مکان علیحدہ تھا۔ اس کی تعمیر میں بھی مسلمانی عمارات کی جھلک تھی۔ پیشانی کے ستونوں پر بنی ہوئی گیلری ہسپانیہ کی تعمیر کی نقل تھی۔ کیونکہ جنوبی افریقہ کی ان جمہوریوں پر پہلے پہل ہسپانیہ کا قبضہ تھا۔ جو مدت تک مسلمانوں کے قبضے میں رہ چکا تھا۔ اندر میکسیکو کی پیداوار اور دستکاری کی نمائش تھی۔ میکسیکو کی نوکدار نرالی ٹوپیاں جن میں سے بچوں

کی ٹوپیوں پر بھاری طلائی کام گوٹے اور کتون کا تھا۔ اور بالکل مشرقی لباس معلوم ہوتا تھا۔ گھوڑوں کی زینوں پر بھی طلا کا کام بنا ہوا تھا میکسیکو کے مکانات میں کلیں تو بہت کم تھیں مگر قدرتی پیداوار کی قسم کا سامان بہت تھا۔

قہوہ خانے — مندرجہ بالا قریب قریب کل اقوام کے مکانات کے ساتھ قہوہ خانے اور ریسٹارنٹ (کھانے کی دکانیں) متعلق تھیں۔ جن میں اس ملک کے طرز مخصوص کا کھانا اور پینا مناسب قیمت پر مہیا کیا جاتا تھا کہیں کہیں قہوہ خانوں اور ریسٹارنٹوں میں گاہکوں کو اکٹھا کرنے کے لئے اسی ملک کی پوشش پہنکر یورپین زن و مرد گا اور بجا رہے تھے۔ اور لوگ سامنے کرسیوں اور میزوں پر بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ بعض اوقات صرف یہ گانا اور بجانا سننے کے لئے لوگ ان کرسیوں پر جا بیٹھتے جو ہر قہوہ خانہ کے پاس بکثرت پڑی ہوتی تھیں۔ اور کرسی پر بیٹھتے ہی قہوہ خانہ کا ویٹر (خدمتگار) حاضر ہو کر سوال کرتا تھا کہ "کیا ارشاد ہے" یعنی کیا کھانا یا پینا لاؤں۔ مجھے ان ایام میں اکثر دن بھر نمائش میں پھرتے رہنے کے کوفت اور قہوہ خانوں میں کبھی مجبور ہو کر بیٹھ جانا اور شربت لیموں کی بار بار فرمائش کرنا ہمیشہ یادگار رہیگا۔ غریبانہ قہوہ خانوں میں جہاں لیموں کاٹ کر ہاتھ سے نچوڑا جاتا تھا دو تین آنہ کو تازہ شربت کا گلاس ملتا تھا۔ لیکن اچھے قہوہ خانوں میں جہاں سانچے سے نچوڑا جاتا تھا۔ چھ سات بلکہ آٹھ دس آنہ۔ ایک گلاس کی قیمت ہوتی تھی۔ جس میں گیہوں کے پودہ کے دو ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت کی نالیاں (جسے پنجابی میں ناڑ کہتے ہیں) پڑی ہوتی تھیں تاکہ ان کے ذریعہ سے شربت منہ میں کھینچ لیا جائے۔ یہ نالیوں کا دستور میں نے آسٹریا جرمنی اٹلی اور پیرس کے قہوہ خانوں میں برابر دیکھا ہے۔ میرے خیال میں اسکی وجہ

یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان لوگوں کے دانت عموماً خراب ہوتے ہیں اور برفاب دانتوں کو تکلیف دیتا ہے۔ اسلئے آئس ٹی (برفانی چائے) جو میں نے یورو‌پ میں ہی آکر دیکھی ہے۔ جس میں چائے کے گلاس میں برف کا ٹکڑا اُڈالا جاتا ہے۔ اور گلاس کے سرے پر دودھ کی جھاگ ایک انچ بلند نظر آتی ہے؛

قومی شرب

اور شربت برف ان تنکلوں کی نالیوں سے پیتے ہیں۔ لیکن قطع نظر کم و بیش چائے اور قہوہ کے یوروپ کے ملکوں کا عام شرب کسی نہ کسی قسم کی شراب ہے۔ اور یوروپ پر کیا منحصر ہے۔ مصر اور مراکو اور ٹیونس اور ٹرکی کے قہوہ خانوں میں اُن ملکوں کی انگوری شراب زیادہ تر پی جاتی ہے۔ چین کے قہوہ خانہ میں لوگ جانوروں کے گھونسلوں کا شوربہ اور ایک قسم کی خاص شراب۔ جاپان کے قہوہ خانہ میں جاپان کا قومی شرب "ساکی" (ایک قسم کی چاول کی شراب) روس کے قہوہ خانہ میں روس کا عام قومی شربت ووڈکا (نوعے از شراب) غرض ہر ملک کے مکان کے ساتھ نرالی قسم کا کھانا پینا موجود ہوتا تھا۔ یقیناً ہر شخص جو اس نمایش میں آیا ہوگا۔ اُس نے اپنے ملک کی طرز تعمیر ضرور دیکھی ہوگی۔ اور (سوائے ہندوستانی کے) اپنے ملک کے کھانے پینے کی بھی شکل دیکھی ہوگی۔ میں نے بارہا دور دور سے آکر ٹیونس کے عربی ریسٹارنٹ میں کھانا کھایا۔ گو وہ بالکل ہندوستانی طرز کا پکا ہوا نہیں ہوتا تھا تاہم ہندوستان سے بہت ملتا جلتا تھا اور یوروپین بے نمک طعام سے جدا قسم کا ہوتا تھا۔ اور ساتھ ہی سستا بھی تمام پیرس میں یہی مکان تھا۔ اس لئے نمایش گاہ کے تمام عربی ممالک کے باشندے جو بجز معدودے چند کے تمام یہودی تھے اور سینکڑوں سے کم نہ تھے۔ حبشی اور اکثر یوروپین بھی یہاں آیا کرتے تھے۔ میں نے روغن زیتون اپنی عمر میں پہلی مرتبہ یہیں کے سلاد میں

کھایا ہے۔ اور صرف اس خیال سے دل کو تسلی دیتا تھا کہ قرآن مجید میں زیتون کا اچھے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ روغن زیتون تمام یورپ میں کم و بیش کھایا جاتا ہے۔ مگر قسطنطنیہ اور شام میں پہنچکر تو زیتون کا اچار بھی بہت کھایا۔

حفظ صحت کی نمایش

انگلستان کی سوتھ کنسنگٹن کی نمایش گاہ میں ۱۸۸۴ء میں پہلے پہل حفظ صحت کی آلات اور سامان کی نمایش کا خیال پیدا ہوا تھا۔ مگر اس نمایشگاہ میں اسکو تکمیل کو پہنچا دیا گیا تھا۔ انسانی صحت کے متعلق جو کچھ ضروری ایجادیں اور ترقیاں ہو چکی تھیں وہ سب یہاں نمایاں کی گئی تھیں۔ سرد ممالک میں عمارتوں کو بھاپ گرم پانی اور گرم ہوا سے گرم کرنے کے ہر قسم کے سامان مکانوں کی ونٹی لیشن (ہوادار بنانے) کے متعلق طرح طرح کی ایجادیں۔ کھانا پکانے کے لئے انواع و اقسام کے چولھے اور انگیٹھیاں جو فلزات مٹی اور چینی کی بنی ہوئی ہزاروں نمونوں کی تھیں۔ ان میں سے بعض تیل اور بعض گیس اور بعض برقی حرارت سے گرم کی جاتی تھیں۔ ایک سکشن میں بیسیوں نمونوں کے پانی چھاننے کے فلٹر اور ایک دوسرے میں غسل کرنے کے ٹب پانی کے حمام اور نلکے رکھے ہوئے تھے۔ سنگ مرمر چینی اور انامل کے دلکش حمام دیکھ کر طبیعت بغیر غسل کرنے کے ہی خوش ہو جاتی تھی۔ ایک حمام کا ایک پیچ گھمانے سے اس کی دس پندرہ گیس کی بتیاں روشن ہو گئیں اور فوراً اس میں سے گرم پانی نیچے بہنے لگا۔ ایک جگہ فرانس کے مشہور سگ گزیدہ کے علاج کے موجد پاسیٹور کا بُت رکھا ہوا تھا۔ اور اسکے قریب اسکے علاج کا اصول اور عمل دکھلایا گیا تھا۔ طاعون سل اور دیگر اسی قسم کی بیماریوں کے "بسیلی" یعنے جرم بوتلوں میں بند کر کے رکھے گئے تھے۔ جو میگنی فائنگ شیشوں کے ذریعے بالکل ایسے ہی نظر آتے تھے جیسے کہ مریضوں کے جسم کے اندر

ہوتے ہیں۔ قریب ہی جرمنی کے سِل کے مشہور معالج "ڈاکٹر کوخ" کا بُت بھی تھا۔ جسکے قریب اُسکے سِل اور ٹیوبرکلوسس کے علاج اور حفظ ماتقدم کے سامان تھے۔ جرمنی کے علاوہ انگلستان۔ سوئٹزرلینڈ اور اٹلی نے بھی اس حصہ میں بہت چیزیں دکھلائی تھیں۔

بحری و بری فوجی نمائش دریائے سین کے اسی طرف ان عمارات سے آگے ایک بہت لمبی چوڑی عمارت "پہلے ڈے سے زادہ ڈے بڑا سے ڈے سے مز بیٹے" قصر افواج بحر و بر" کے نام سے موسوم تھی۔ جو (۱۲۴۴) فیٹ لمبی اور (۱۶۴) فیٹ بلند تھی۔ باہر سے یہ عمارت بالکل بھدی نظر آتی تھی لیکن اسکا اندر عجائبات جنگی سے پُر تھا۔ عمارت زمانہ وسطی کے جنگی تعمیرات کی طرز پر تعمیر کی گئی تھی۔ جس میں جنگی تعمیرات کے ہر پہلو کو مدنظر رکھا تھا کہیں ایسی سیڑھیاں لگائی تھیں جیسی کہ قلعوں میں ہوتی ہیں۔ کہیں ایسا تہ خانہ بنایا تھا جیساکہ قلعوں کے قید خانے ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے قطع نظر جو نمائش اس عظیم الشان و بمنزلہ عمارت میں کی گئی تھی۔ وہ نہایت دلچسپ تھی ایک بڑے حصہ میں فرانس کے جنگی اسلحہ۔ جنگی سامان باربرداری کی گاڑیوں و جانوروں ہر قسم کی توپوں۔ بندوقوں۔ گولوں۔ گولیوں وغیرہ وغیرہ وغیرہ سامان کی نمائش کی گئی تھی جو میرے جیسے ناواقف شخص کو بھی حیران کر دیتی تھی۔ یہاں میں نے تین مرتبہ وغیرہ جان بوجھ کر لکھا ہے کیونکہ فرانس نے جنگی ضروریات میں جدید چیزیں دکھلائی تھیں۔ ہر قسم کا غلہ جو فوج میں انسان اور جانور کے کام آتا ہے دکھلایا گیا تھا۔ ہر قسم کی روٹی۔ غلہ اور گوشت اور ترکاریوں کے ست جو سپاہی اپنی توشہ دان میں تھوڑی جگہ میں لیجا سکتا ہے۔ فوجی روٹیاں اور کھانے پکانے کی انگیٹھیوں اور چولھوں کی نمائش۔ انواع و اقسام کی شرابوں اور پانیوں کی نمائش

جن سے سپاہیوں کی وردیاں بن سکتی ہیں اور جنگ کی ضرورتیں چل سکتی ہیں جنگی تمغے ہر عہد کے انواع واقسام کے برقی سامان جو جنگ کی خبر رسانی یا کسی دوسرے پہلو میں کام آسکتے ہیں۔ پورے قد کی نقلی خچریں اور گھوڑے گولی بارود کے صندوقوں سے لدے ہوئے ہر قسم کے چرمی سامان اور سازجانوروں کا چارہ۔ اصلی قد کی خوفناک لمبی سے لمبی بحری وبری توپیں۔ جہازوں کے چھوٹے نمونے۔ زخمیوں کے معالجہ کے جراحی سامان زخم سینے کی سوئی تاگے تک اور بیماروں کی ڈولیوں کی قسمیں۔ غرض جو چیز جنگ کے متعلق سمجھ میں آسکتی ہے وہ سب مع تار اور ڈاک خانہ کے سامان کی زور کے ساتھ سرکار اور مختلف تجارتی دکانوں سے دکھلائی تھی۔ قریباً آدھے مکان میں دیگر تمام دول یورپ نے اپنے یہاں کے جنگی سامان دکھلائے تھے۔ سنہ ۱۶۰۰ء سے سنہ ۱۸۵۵ء تک فرانسیسی فوج کے مختلف عہدہ داروں کی وردیوں اور فرانس کے بادشاہوں اور جنرلوں کی تصویروں اور بتوں کی نمائش علٰحدہ کی گئی تھی۔ سینکڑوں مومی بُت ہر عہد کے افسروں کی وردیاں پہنکر فوجی آن بان سے کھڑے تھے۔ ایک جگہ میدان جنگ کی شام کا منظر دکھلایا گیا تھا۔ سپاہیوں اور افسروں کے مومی بُت بناکر اپنے اپنے کام میں مصروف دکھلائے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں خود فرانس کے کسی میدان جنگ میں کھڑا ہوا من وعن کیفیت دیکھ رہا ہوں فرانسیسی فوج میں جو الجیریا کے مسلمان سپاہی بھرتی ہیں وہ بھی ترکوں کی طرح سرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ الجیری ٹوپیاں ترکی ٹوپیوں سے زیادہ کشادہ اور بسیط ہوتی ہیں۔ اور اُن کے ساتھ بہت بھاری پھندنے آویزاں ہوتے ہیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے سوار الجیری سپاہی بھی دکھلائے گئے تھے۔ برقی طاقت کی آٹو موبیل گاڑیاں بھی جنگ میں کام آنے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔

روس کے مکان میں وسط ایشیا کے تمام قبیلوں چرکس کُرد رکاسک سائبیرین سپاہیوں کے بُت اپنی اپنی وردیوں میں کھڑے تھے۔ مگر آگے چلکر ایک کمرہ میں ترکی فوج کی تمام قسم کی وردیاں پہنکر ترکی سپاہیوں کے فوجی بُت بھی ایستادہ تھے۔ جنکا محافظ ایک ترک تھا۔ یہ پہلی اور اکیلی ترکی نمایش منجانب گورنمنٹ عثمانیہ ہے جو یہاں موجود ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ترکی فوج ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جسکے سر پر ترکی سلطنت کا مدار ہے۔ اور جس پر ترک ناز کر سکتے ہیں۔ اس شخص نے میرے سر پر سُرخ ٹوپی دیکھ کر مجھ سے ترکی میں بات کرنا چاہی مگر جلد ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ مَیں ترک نہیں تھا۔ تاہم اُس نے میرا مسلمان ہونا غنیمت سمجھا اور اُس نے کہا کہ تمہارے سوا مَیں نے کوئی مسلمان پچھلے تین ماہ میں اس مکان میں نہیں دیکھا۔ ممکن ہے بعض مسلمان یورپین لباس اور یوروپین ٹوپی میں وہاں گئے ہوں۔ لیکن عجب نہیں کہ کوئی بھی اس مکان میں نہ گیا ہو۔ کیونکہ میری طرح ہر شخص دیوانہ نہیں تھا جو ہر چیز دیکھتا پھرتا۔ باہر سے بھی یہ عمارت کچھ دلکش نہیں تھی۔ ترکی سپاہیوں کے مومی بُت ترکی وردیوں میں نہایت شاندار معلوم ہوتے تھے۔ مگر سوا ان بُتوں کے اور کسی قسم کے ترکی سامان جنگ کی نمایش نہیں کی گئی تھی۔ مجھکو خیال ہوا کہ واقعی یہ ٹرکی کی اصل حالت کا مرقع ہے۔ اُنکے پاس سپاہی تو گھر کے ہیں مگر سامان جنگ مثل توپوں بندوقوں کے یوروپ سے لینا پڑتا ہے۔ ٹرکی میں بھی اب بندوقیں اور توپیں بنتی ہیں کہ جن کی مزید کیفیت قسطنطنیہ کے حالات میں درج ہے۔ جرمنی اور آسٹریا نے بھی سامان جنگ کی اچھی نمایش کی تھی۔ شروع میں اس مکان میں حفظ صحت اور جنگ کے سامان سو نمایش شروع ہوئی تھی۔ نیچے کی منزل میں بحری سامان اور مہیب توپیں انگلستان فرانس

اور جرمنی کے بڑے بڑے کارخانوں نے دکھلائی تھیں۔ جنگی جہازوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے بہت سے موجود تھے۔ اس کام میں انگلستان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اسی مکان میں فرانس نے اپنی فوج کی گذشتہ صد سالہ حالت کی نمایش بھی کی تھی۔ جس میں گذشتہ سو سال کی وردیاں مومی بتوں کو پہنا کر اور اسلحہ اور ان کی ترقی دکھلائی تھی۔ اور تمام فرانسیسی زرہ بکتر اور فرانسیسی فوجی تمغے دکھلائے تھے۔ اس مکان کے بائیں جانب بہت سے مکانات میں جنگی سامان کے ضمیمے تھے۔ ایک مکان میں سب سے بڑی روسی توپ دیکھی۔ ایک مکان بلجیئم کی بندوقوں سے بھرا ہوا تھا۔ کسی میں فرانسیسی فوجی ہسپتال کے مجروحوں اور ڈاکٹروں کے بُت تھے۔ اور کئی اور مکانوں میں ہر قسم کی روشنی کے سامانوں اور کھانا پکانے کے متنوع انگیٹھیوں کی نمایش تھی۔ قریب ہی ایک علحدہ مکان میں بحری و بری جنگی نمایش کا ضمیمہ ایک مکان میں تھا۔ جس میں روس بلجیم اور انگلستان کی توپیں اور بندوقیں نمایاں کی گئی تھیں۔ بندوقوں کے نمونوں میں بلجیم بہت بڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ روس نے دو بہت بڑی توپیں دکھلائی تھیں جو پچیس پچیس گز سے کم نہ ہونگی۔ اور اسی اندازہ سے اُنکے گولے بھی بڑے تھے۔ آجکل فنون حرب و ضرب پر یورپ کی بہترین عقل صرف ہو رہی ہے۔ اِسکے قریب ہی فرانس کی فوج کے روٹیاں پکانے کے تنوروں اور فرانسیسی جنگی ہسپتالوں کی اور نمایش تھی یہاں فرانسیسی سپاہیوں کے یتیم بچوں کے لئے چندہ جمع کرنے کا صندوق بھی پڑا ہوا تھا۔ اِسکے قریب مختلف قسم کی روشنیوں مثل برقی۔ ایسے ٹیلیں۔ الکحال۔ گیس وغیرہ کے مختلف سامان اور نمونے دکھلائے گئے تھے۔ نمایش سامان جنگ میں میری رائے میں فرانس

کے بعد جرمنی اور پھر روس اور انگلستان کا رُتبہ تھا۔

میں نے نمائش کو چھ حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ جن میں سے تیسرے حصے کا بیان ختم ہو چکا۔ لیکن دریا کے دائیں جانب کے چوتھے حصہ کا بیان کرنے سے پہلے میں چھٹے حصے کی ایک دو عمارات کا ذکر کر دیتا ہوں جو اقوام کے محلات کی قطار میں واقع ہیں۔ جنگی سامان کی عمارات سے آگے ایک مکان

تجارتی جہاز رانی

"پیلیے ڈا لا نیوی گیسون ڈا کامرس" یعنی تجارتی جہاز رانی کے محل کے نام سے (۴۱۰) فیٹ لمبا دو منزلہ مکان واقع تھا۔ اس میں دو بڑے ہال اور ایک برآمدہ تھا۔ جو جہاز رانی کے متعلق ہر قسم کے سامان سے جو سمجھ میں آسکتا ہے پُر تھا۔ تمام دنیا کی جہاز رانی کی کمپنیوں نے جہازوں کے چھوٹے ماڈل اور جہاز تعمیر کرنے والے کارخانوں نے جہاز کے استعمال میں آنے والے مصالح از قسم لکڑی۔ لوہے۔ تار کے رسے۔ کپڑے۔ ٹاٹ۔ پال۔ کیبل کاٹتے غرض ہر چیز کے نمونے موجود تھے۔ کئی سو قسم کے آہنی تار اور سوت اور سن اور ناریل کے ریشے اور خداجانے اور کس کس چیز کے رسے موجود تھے۔ جان بچانے کے لائف بوٹ (Life boats) یعنی کشتیاں۔ لائف بیلٹ تیرنے والی پیٹی اور پیلو قسم کا سامان ربڑ اور کارک کا جسکو لپیٹ کر سمندر میں کود پڑتے ہیں۔ یا سمندر میں ڈوبتے ہوئے اُسکے سہارے سے جانبر ہو سکتے ہیں۔ تمام بڑی بڑی جہازی کمپنیوں نے اس نمائش میں حصہ لیا تھا نہر سویز کی کمپنی نے نہر کا نمونہ کئی گز لمبا چوڑا ایک چوبی تختہ پر بنا کر دکھلایا تھا۔ جس میں دونوں طرف کے سمندر، نہر اور راستہ کی جھیلیں شیشہ سے دکھلائی گئی تھیں۔ خدیو عباس اور خدیو اسمٰعیل دونوں کے بُت بھی یہاں موجود تھے تمام جہازی کمپنیوں اور دنیا کی سلطنتوں کے جہازی پھریروں اور جہازوں پر

پر بذریعہ اشارات گفتگو کرنے کے جھنڈیوں کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے۔
صرف اسی ایک مکان کی فہرست اشیا دو تین موٹی موٹی جلدوں میں بمشکل سما سکتی ہے۔ اس عمارت کی تعمیر میں جہازوں کے سکان اور رستے اور دوسرے نشان دکھلائے گئے ہیں اسکے بائیں جانب جرمنی کی جہاز رانی کی کمپنیوں اور پی اینڈ او کمپنی وغیرہ نے اپنے اپنے علیحدہ مکانات میں اپنے جہازوں کے نمونوں کی نمایش کی تھی۔ جرمنی کے جہازوں کے مکان کے اوپر جو کہ ایک لائٹ ہوس کی نقل تھا ایک بہت بڑا کرہ ارض ہر وقت برقی طاقت سے گھومتا رہتا تھا اور رات کو سمندر کے لائٹ ہوسوں کی طرح زور دار برقی روشنی اس سے نکلتی تھی۔ جس کی سُرخ لائٹ (روشنی) آدھی رات تک چاروں طرف گھوم کر نمایشگاہ اور شہر پر پڑتی رہتی تھی۔ مکان کے اندر جرمنی جہازوں کے نمونے اور جہازوں کے متعلق فاصلہ اندازہ کرنے کے آلات تھے۔ مکان کے وسط میں ایک بہت بڑا برنجی دیوبنایا گیا تھا۔ جسکے ایک ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہتھوڑا تھا۔ جو اگر ٹھوس ہوگا تو چار من کا ہوگا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اس نے کرہ ارض تھام رکھا تھا کہ جسکے ایک قطب کی میخ اسکے مُنہ میں حرکت کرتی تھی۔ کیونکہ برقی طاقت سے یہ کرہ ہر دم گھومتا رہتا ہے۔ اسی کرہ کے گرد خطوط سے دکھلایا گیا ہے کہ جرمنی کے تجارتی جہازوں کی لائنیں دُنیا کے کن کن سمندروں میں گھومتی رہتی ہیں۔

افسوس ہے کہ ان دونوں بڑے محلات کے سامان سے اہل ہند کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ جہاز رانی سے اندرون ملک کے لوگوں کو کام نہیں پڑتا۔ اور ساحل بحر کے لوگ بھی بوجہ جہالت بالکل واقف نہیں۔ فوجی چیزوں سے وہ اور بھی ناواقف ہیں۔ یوروپین لوگ یہاں جنگی سامان کی عمارت میں مختلف توپوں اور بندوقوں کو سمجھتے تھے بلکہ اُن کی عورتیں تک ان سے دلچسپی رکھتی تھیں مگر مجھے کبھی ایک معمولی بندوق سے بھی ایک فائر کرنے کا موقع نہیں

ملا۔ میں کیا سمجھ سکتا تھا۔

جنگلات شکار و ماہی گیری

ٹراکوڈیرو کاپل چھوڑ کر سامنے اسی قطار میں دریا کے کنارے پر ایک دومنزلہ عمارت (۲۲۳) فیٹ لمبی تھی۔ جس کے اندر دو عمارات علٰحدہ علٰحدہ تھیں جو ایک پچاس فیٹ بلند اور ۲۰ فیٹ چوڑے محراب کو دروازہ سے ملحق ہوتی تھیں۔ جو تمامہ چوبی تھا۔ یہ عمارت "جنگلات اور شکار و ماہی گیری" کے سامانوں پر مشتمل تھی۔ مگر جنگلات میں دُنیا کی ہر قسم کی جنگلات اور ذخیرے اُن کے چوبی نمونے۔ چھالیں۔ درختوں کے پھل۔ گوندیں اور لکڑی کے ہر قسم کے استعمال آگئے۔ خواہ مکان کی تعمیر میں لگاؤ جہاز بناؤ۔ ہتھیاروں کے دستے یا کلیں یا کوئی چیز ہو۔ شکار میں تمام جنگلی جانور چرند و پرند اُن کی کھالیں اور پر اور سینگ۔ ہاتھی دانت۔ قیمتی کھالوں کی کپڑے اُن کے سر دانت اور ہڈیاں اور ماہی گیری میں دُنیا کے تمام سمندروں کی ہزارہا قسم کی مچھلیوں اور دوسرے صدفوں اور جانوروں کے نمونے اور مونگے موتی وغیرہ آگئے۔ مچھلی کے تیل۔ چمڑے۔ ہڈیاں پکڑنے کے ہر قسم کے سامان یعنی جال۔ کنڈیاں۔ نیزے وغیرہ آگئے۔ گنجایش کہاں ہے کہ اس مکان کی سب اشیا کی تفصیل بیان کرسکوں۔ جسقدر آپ کا وہم و گمان ان اقسام کے متعلقات کے اصناف بنا سکتا ہے بنا لیجئے۔ شکار کرنے کی بندوقیں اور پستول اور پھندے اتنے قسم کے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی مختلف ملکوں کے شکار اور ماہی گیری کے طریقے۔ شکار کے لباس۔ جنگل کے میوجات۔ چھالوں۔ گوندوں۔ جڑوں۔ انڈیا ربڑ وغیرہ چیزوں کے متعلق تمام مشینیں اور آلات قیمتی سمور اور پوستینیں صدہا قسم کی موجود تھیں۔ ایک روسی پوستین کے زنانہ گاؤن کی قیمت غالبًا پندرہ بیس ہزار پونڈ تھی یعنی دو ڈھائی لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ مختلف ملکوں اور قوموں کے شکاریوں کی بُت قد آدم کھڑے تھے۔ اور مچھلیوں اور جانوروں کے سروں کے صدہا نمونے ہر ملک کے آویزاں تھے +

نمایش کا چوتھا حصہ

اب نمایش کے چوتھے حصہ میں یعنی دریا کی دوسری جانب اقوام غیر کے محلات کے مقابل چلئے۔ باغبانی اور نخلبندی کے تین شیشہ کے

سوشل کالونمی اور محتاجوں کی امداد

محلات کے قریب کہ جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ایک عالی شان عمارت محل کانگریس و سوشل اکانومی کے نام سے موسوم تھی۔ اس میں یوروپ اور امریکہ کی تمام اقوام نے اپنے یہاں کے لائف اینشورنس کمپنیوں۔ غریب خانوں۔ یتیم خانوں۔ ہسپتالوں کے حالات سے نتائج مستنبط کر کے بتلائے تھے کہ انسان کی اوسط عمر صحت اور بیماری کی حالت میں کیا ہے۔ یعنی فلاں مدت میں فلاں ملک میں کتنے لوگ کہ جنکی جانوں کا بیمہ ہو چکا تھا اچھے بھلے مر گئے اور کتنے بیمار ہو کر مرے۔ کتنا روپیہ غریب خانوں پر خرچ ہوا۔ غریب مزدوروں کے بچوں اور یتیموں کی پرورش کا کیا انتظام کرنا چاہئے۔ مزدوروں کے مکانات بڑے شہروں میں کیسے ہوں۔ کانوں اور کارخانوں میں مزدوروں کی حفاظت اور اُن کے مکانات کے نمونے۔ غریبوں کو خیرات کس طرح پہنچائی جائے۔ چھوٹے چھوٹے پیشے جو غریب لوگ گھروں میں کر سکیں۔ غریب لوگوں کی باہمی امداد کی فنڈ کہ جنہیں بلڈنگ سوسائٹیاں کہتے ہیں اور جنکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غریب مزدوری پیشہ لوگ اپنی آمدنی سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ہفتہ وار یا ماہوار ان براوری سوسائٹیوں میں دیتے جائیں اور کام چھوٹ جانے یا بیمار ہو جانیکی حالت میں یہ سوسائٹیاں انہیں مقررہ رقمیں گذارہ کے لئے دیں۔ غریب خانوں کی معاونت کی کمیٹیاں۔ زراعتی قرضہ اور کاشتکاروں کو امداد و محنت پیشہ لوگوں کی ضروریات کی دُکانیں۔ اُن کی اخلاقی اور دماغی ترقی کے سامان۔ حفظ صحت

غریب خانوں کی امداد کی کمیٹیاں۔ سیونگ بنکوں کے نتائج۔ کوآپریٹو اور مشترکہ سرمایہ کے کاموں کے نتائج۔ مویشی کی پرورش دودھ دہی اور زراعت کے کارخانوں کی حفاظت۔ غریبوں کی صحت کا خیال۔ بیکاروں کو مزدوری دلانے کی کمیٹیاں۔ مزدور عورتوں کے بچوں کی حفاظت۔ مزدوری پیشہ عورتوں اور مردوں کی حالت کی اصلاح۔ اُن کی اخلاقی اور ذہنی ترقی کا سامان پراویڈنٹ سوسائٹیاں۔ سامان حفظ صحت کی نمائش۔ غریبوں اور یتیموں کی پرورش کا سامان۔ غریب خانوں اور یتیم خانوں کے لئے سستا لٹریچر اور تصویریں اِن اور بہت سے اسی قسم کے دوسرے سوشل امور کے متعلق واقفیت کتابوں اور چیزوں کے نمونوں اور ڈایاگراموں کی صورت میں اس وسیع مکان کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے جرمنی پھر امریکہ۔ انگلستان۔ فرانس۔ بلجیم۔ ہنگری۔ روس۔ اٹلی وغیرہ وغیرہ ممالک کے کمرے تھے۔ انگلستان کے کمرے میں جنرل بوتھ کا ایک نقشہ لنڈن کے مفلسوں کے مقام نمایاں کرنے والا بڑا دلچسپ تھا جس میں رنگوں کے ذریعہ سے دکھلایا گیا تھا کہ فلاں کوچہ میں کتنے محتاج۔ کتنے متوسط الحال اور کتنے غنی رہتے ہیں۔ امریکہ کے مکان میں وہاں کی محافظ لیڈی سے میں نے طلب کرنے پر ایک سلسلہ مندرجہ بالا مطالب کے پندرہ رسالوں کا دیا۔ جو خاص اسی نمائش میں مفت تقسیم کرنے کے لئے امریکہ کے وزیر تعلیم نے لکھوائے تھے۔ لیکن جب میں نے ادا کرنے کے لئے اُنکی قیمت دریافت کی تو اُس عورت نے کہا کہ ہم انہیں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ اور کہا کہ ہمارے لئے یہی امر خوشی کا موجب ہے کہ اس خاص مسئلہ سے لوگ دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایک دو کمروں میں کھیتی باڑی کے جانوروں کے فوٹوگراف موٹوسکوپ میں لگا کر رکھے ہوئے تھے۔ اور اوپر کی منزل میں جو (۳۳۰) فیٹ لمبا (۴۰) فیٹ چوڑا ہال کانگرس کے لئے

نمونہ ہال برائے مضمون پر لکچر

اس میں فرانس کی آبادی کے مختلف سوشل حالات کے متعلق نہایت عمدہ اعداد و شمار کے بڑے بڑے نقشے آویزاں تھے۔ مثلاً جن سے سرسری نظر سے معلوم ہوسکتا تھا کہ فرانس میں یتیم کتنے ہیں۔ یا سارے ملک میں مفلس کتنے ہیں۔ اور وہ کہاں کہاں رہتے ہیں۔ گونگے اور بہرے کتنے ہیں سکول اور ہسپتال کتنے اور کہاں کہاں ہیں۔ اس مکان میں ایک ہزار آدمی بغرض بحث میز کے گرد بیٹھ سکتے تھے اور ان معاملات کو سن سکتے تھے کہ جن کے لئے یہ کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں۔ کل (۱۲۷) ایسی کانفرنسیں مختلف تاریخوں میں اس عالی شان مکان میں ہوئیں۔ جن میں سے بعض میں سپیکروں نے میجک لینٹرنوں کے ذریعہ سے بھی اپنے مطالب حاضرین کے ذہن نشین کئے۔

آرسٹیہ مضامین نمائش گاہ کی تعلیمی اغراض کا یہ جلسہ بہت بڑا جزو تھا۔ اور پہلے سے ہی انتظام کیا گیا تھا کہ صرف دنیا کے وہ مختلف علما جو مختلف علوم و فنون اور ترقی کے مسائل میں دستگاہ رکھتے ہوں۔ ان مسائل پر بحث کریں کہ جن کی تحقیقات اور تلاش میں ان کی عمریں صرف ہوچکی تھیں۔ یورپ کے مختلف ممالک میں بسر پرستی منتظمان نمائش اس غرض کے لئے متعدد کمیٹیاں قائم ہوئی تھیں۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے سپیکر نامزد کئے تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آرسٹیہ مضامین پر کورس لکچروں کے نمائش گاہ میں دیئے جانے قرار پائے۔ اور یہ کل مضامین۔ آرٹس صنعت و حرفت۔ حفظان صحت۔ تعلیم طب اور پولٹیکل اور سوشل اکانومی پر مشتمل تھے۔

سائنس آرنی تھالوجی (پرندوں کا علم)۔ میٹی آرولوجی (علم حوادث موسم)۔ علوم طبعی۔ علوم ریاضی۔ جیالوجی (طبقات الارض)۔ علم برق۔ انتھروپالوجی اور آرکیالوجی (انسان کی طبعی ساخت اور اشیاء قدیم کا علم)۔ سائیکالوجی (علم دل و دماغ)۔ اتھنوگرافی (علم خصوصیات

نسل انسان)۔ کمسٹری (کیمیا)۔ باٹنی (علم نباتات)

عملی علوم اور متعلقہ حرفتیں	باغبانی۔ جنگلات۔ کانیں اور معدنیات۔ کاشت انگور۔ بیمہ مال وجان۔ بیمہ زندگی کے کاروبار کے

حسابات۔ زراعت۔ میٹیریل کی آزمایش۔ دخانی انجن اور مشینری۔ عملی جر ثقیل۔ فن عمارت اور بحری تعمیرات۔ فوٹو گرافی۔ عملی کمسٹری۔ جہازرانی۔ دواسازی۔ تجارتی اور مادی پیداوار کا جغرافیہ۔ ٹرامو سے کاشت میوجات۔ ریلیں۔

طب اور حفظان صحت تعلیم	پیشہ طبابت۔ علم طب۔ ڈرماٹولوجی (علم امراض جلد) دندان سازی۔ حفظ صحت۔ ہپناٹزم (مقناطیس حیوانی) جدید زبانوں کا سکھلانا۔ اعلیٰ تعلیم۔ سوشل سائنس کی تعلیم

پرائمری تعلیم۔ سیکنڈری تعلیم۔ ٹکنیکل اور انڈسٹریل تعلیم۔ تعلیمی کتابیں اور رسالے۔ ببلوگرافی۔ نقشہ کشی کی تعلیم۔ پاپولر ایجوکیشن۔ فن زراعت کی تعلیم۔

سوشل اور پولیٹکل ایکانومی	سستے مکانات۔ کنٹمپوریری ہسٹری (معاصرانہ تاریخ)۔ عورتوں کا کام اور زنانہ انسٹی ٹیوشن۔ زراعتی سنڈیکیٹ۔

قرضہ کے بینک (کریڈٹ بینکس)۔ کوآپریٹو پروڈکشن۔ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں۔ کوآپریٹو سوسائٹیاں۔ انٹرنیشنل کوآپریٹو الائنس تجارت اور حرفت۔ کولونیل سوشیالوجی۔ امداد مفلسان (پور ریلیف)۔ اندھے۔ گونگے بہرے۔ خلاف بردہ فروشی۔ نوآبادیاں۔ تاریخ مذاہب عورتوں کے حقوق۔ سوشل تعلیم۔ امن۔ بحری قانون۔

جتنا مجھے یورپ کے مختلف ممالک کی زبانیں نہ سمجھنے کا اس مکان میں افسوس ہوا کہیں نہیں ہوا۔ میں ان مضامین کے متعلق مختلف ملکوں کے حالات دیکھنا چاہتا تھا۔ جن کی کتابیں یہاں بکثرت میزوں پر پڑی تھیں اور

زنجیروں یا میخوں سے اُن کے مقبرے میزوں سے جڑے ہوئے تھے۔

پیرس قدیم

اس سے آگے دریا کے کنارے پر ایک لمبا چوڑا مکان کئی حصوں میں قدیم پیرس کے نام سے موسوم تھا۔ اس میں قدیم زمانہ کے شہر پیرس کی خاص خاص اور نمونہ کے مکانات کی ٹھیک نقل اتاری گئی تھی یوروپ کے زمانہ وسطی اور بعد کے زمانہ رینیسنس (ترقی) اور ۱۷ و ۱۸ ویں صدی کے پیرس کے الگ الگ نمونے دکھلائے گئے تھے۔ اندر کے لوگوں کے لباس اسی زمانہ کے تھے۔ عورتیں مرد دوکاندار ملازم نوکر آقا سب کے اسی زمانہ کے لباس اور لمبے بال پوڈر آلودہ تھے۔ یہانتک کہ مکان بھی اسی زمانہ کی طرز کے اور اسی مصالح سے تعمیر کئے گئے تھے جو اسوقت مروج تھا۔ حال کے پیرس اور اسوقت کے پیرس میں زمین و آسمان کا فرق ہے جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ کہ مرور زمانہ کے بعد قومیں کس قدر بدلجاتی ہیں۔ اسکے اندر متعدد ریسٹارنٹ ایک تھیئیٹر اور اَور بھی تماشا گاہیں تھیں۔ کہ جہاں تھیئیٹر اور موسیقی کے اُستاد آکر کمال فن دکھلاتے تھے۔ اسی مکان میں پیرس کے قدیم تعلیمی حرفتی سکولوں سے لے کر آج تک کی ترقی دکھلائی گئی تھی۔ قدیم زمانہ کی باغبانی کا نمونہ بھی دکھلایا تھا۔ جو آج بعید عروج کو پہنچ گئی ہے۔

پودوں اور جانوروں کی نسل کی ترقی

کیسی عجیب بات ہے کہ قطع نظر پھولوں اور پھلوں کے درختوں کی ٹہنیاں صرف ایک طرف یا دوسری طرف کی قطار ہی میں سدھائی جاسکتی ہیں۔ مثلاً ایک پھل کے درخت کی صرف اس شکل کی ٹہنیاں ہیں اور دوسرے کی صرف اس شکل کی ہیں۔ کہ جنکو پہلے بانس کی کھپچیاں باندھ کر ان صورتوں میں سدھایا جاتا ہے۔ اور پہلی قسم کے شاخوں والے درختوں کی قطار میں ہر درخت کی شاخیں ساتھ کے درخت سے اس طرح ملا دی ہیں کہ شاخوں اور پتوں کی اس شکل کی

ایک لمبی جالی نظر آتی ہے۔ ان لوگوں نے پھولوں پھلوں۔ درختوں اور ترکاریوں تک کو اپنے مطلب کے مطابق عمدہ بنا لیا ہے۔ نباتات کو ہی نہیں بلکہ حیوانات کو بھی اپنے ڈھب کا بنا لیا ہے۔ یہاں ہل جوتنے اور بوجھ کی گاڑیاں کھینچنے والے گھوڑوں کی نسل گاڑی کے تیز رفتار گھوڑوں سے علیحدہ ہے۔ پہلی قسم موٹی بھدّی اور بارکش ہے۔ دوسری تیز اور خوبصورت ہے۔ بھیڑ، بیل اور سور کو چونکہ یہ لوگ صرف گوشت کے لئے پالتے ہیں اسلئے یہ جانور ایسے موٹے تازے اور صرف گوشت کے مربع لوتھڑے ہوتے ہیں کہ جنکے نیچے صرف ٹانگیں اور سامنے چھوٹے چھوٹے سر نظر آتے ہیں۔ اب ان کی نسلیں ہی اس ڈھب کی ہو گئی ہیں جنکے تیار کرنے میں اس قسم کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ جس گھوڑے کو بھدا اور بارکش پایا۔ اُسکو اُسی صفت کی گھوڑی سے ملا کر بچہ لیا۔ اور پھر اگلی نسل میں بھی یہی امر مدنظر رکھا تو چند پشتوں میں یہ ایک علیحدہ نسل قائم ہو گئی۔ اس قسم کا ذرہ ذرہ سا فرق بہت بڑا نتیجہ پیدا کرتا ہے۔

اب نمایش کے باقی دو بڑے حصوں یعنی پنجم و ششم میں کل ایشیائی اور افریقن اقوام اور کل دُنیا کی بہترین کلوں اور تعمیر و تعلیم کے طریقوں کا سامان جمع کیا گیا تھا۔ جو کچھ ان کلوں کی عظیم الشان عمارتوں میں میں نے علم برق اور مکینکس کے شعبدات اور عجائبات دیکھے ہیں وہ میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ واقعی علم بہت بڑی طاقت ہے۔ کتنے کتنے عظیم الشان لوہے کے مینار اور پل اور پہیئے برمے۔ برقی دُخانی اور مکینکل طاقتوں سے کیسی سُرعت اور سہولیت سے چل رہے ہیں کہ جنکے سامنے ہاتھی بھی چیونٹی کی طرح پس جائے۔ مگر ایک آٹھ دس سال کا بچہ بھی انہیں مناسب مقام سے تھام کر روک سکتا ہے۔ واقعی علم بڑی طاقت ہے۔ اور جہالت کی طاقت اسکے مقابلہ میں ایسی ہی بے حقیقت ہے جیسے کہ سوڈان کے ہزار ہا درویشوں کے ڈنڈے انگریزی میکسم

توپوں کے مقابلہ میں ثابت ہوئے۔

نمایش کا پانچواں حصہ

نمایش گاہ کو میں نے اپنی تجویز میں جن چھ حصوں پر تقسیم کیا تھا ان میں سے چار کا مختصر بیان ہو چکا ہے۔ اب شکار اور ماہی گیری کے سامان کی عمارت کو دیکھ کر باہر نکلنے کے وقت دریا تمہارے بائیں طرف ہوگا۔ اور پیرس کا مشہور آہنی مینار (ایفل ٹاور) تمہارے دائیں طرف۔ بائیں طرف دریا کے پار ٹراکوڈیرو کی خوبصورت عمارات مختلف طرز تعمیر کی موجود ہیں جن میں مراکو اور الجیریا مصر اور ٹیونس کی عربی طرز تعمیر کی عمارتیں چینی جاپانی جاوی وغیرہ ملکوں کی تعمیرات کے پہلو بہ پہلو دل لبھا رہی ہیں۔ یہ ممالک یورپ کے مقبوضات اور نو آبادیوں کا سکشن ہے۔ اور انہیں میں ہندوستان اور سیلون کی عمارات بھی ہیں۔ یہ چھٹا حصہ نمایش کا ہے۔ لیکن ایفل ٹاور کی دوسری طرف جو عظیم الشان عمارات دونوں طرف دور تک چلی گئی ہیں اور آخری حصہ پر قصر برق اور سبایہ آب کے محل نے انہیں ملحق کر دیا ہے یہ ہر قسم کی صنعت و حرفت اور علوم و فنون کے شعبوں اور کلوں کی عمارات ہیں جو پانچواں حصہ نمایش کا ہیں۔ علاوہ علوم و فنون کے انہیں دونوں حصوں میں دل بہلاؤ کے سامان بھی زیادہ ہیں۔ کہ جن میں نہ صرف تھئیٹر اور قہوہ خانے شامل ہیں بلکہ پینورامہ وڈایوراما مینار ایفل وغیرہ دوسری دلچسپی کی چیزیں ہیں کہ جنکا حال اخیر میں درج کیا جائیگا موجود ہیں۔ پانچویں حصہ کی بھی عمارتیں کہ جن میں کان کنی۔ کپڑا بننے کی کلوں۔ زراعت صنعت گستری۔ سول انجنیری اور ریلوں۔ فن تعلیم۔ لٹریچر سائنس و آرٹ و برق وغیرہ علوم اور دیگر فنون کے سامانوں اور کلوں اور نمونوں کے رکھنے کے

لئے وسیع جگہ تیار کی گئی تھی۔ دراصل نمائشگاہ کہلانے کے لائق تھیں۔ اور یہ اتنی وسیع اور اتنے سامان سے پُر تھیں کہ انہیں کو پورے طور پر دیکھنے کے لئے مدت درکار تھی۔ یہ سب عمارتیں اندر سے آپس میں ملحق تھیں۔ صرف جہاں ایک صیغہ کی نمائش کی چیزیں ختم ہو جاتیں۔ وہاں سے دوسری صیغہ کی شروع ہو جاتیں۔ اگر قصر برق کو سینہ یا سر قرار دیا جاوے کہ جسکے سامنے دلکش فواروں اور آبشاروں کے لئے "شاٹو ڈاأو" کے نام سے ایک تماشاے آب کا حوض اور آبشار تھے تو دونوں طرف کی صنعت و حرفت اور علوم و فنون کی عمارات بمنزلہ دونوں بازوؤں کے نظر آتیں کہ جنکے خاتمہ کے قریب سر بفلک ایفل ٹاور واقع تھا۔ یہہ قصر برق رات کے وقت روشنی کرنے کے کام آتا تھا کہ جسکے ہزاروں برقی چراغان کے ایک طرفۃ العین میں روشن ہو جانے سے تمام نمائش گاہ عالم نور ہو جاتی۔ اور جو فوارے اور آبشار دن کو معمولی لطف دکھلاتے تھے اب ہزارہا مختلف الالوان برقی لمپوں کے سامنے واقع ہونے کی وجہ سے ان پر قوس قزح کے تمام رنگ منعکس ہوتے۔ اور یہ دور تک پھیلے ہوئے نور کے مشعلے بلا مبالغہ ایک ایسا فوق العادہ نظارہ پیدا کرتے کہ بلا اسکے دیکھنے کے اُسکا قیاس میں لانا مشکل ہے۔ ہر شب کو تو اس قصر برق کو روشن نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن جس شب کو یہ روشن کیا جاتا۔ نمائش گاہ کے اس وسیع میدان میں جو عجائب گاہ ٹراکوڈیرو تک چلا گیا تھا۔ دن سے زیادہ رونق ہوتی۔ اسی قصر آب کے پیچھے وہ برقی روشنی بھی تیار ہوتی تھی جو نمائش کی دوسری عمارتوں میں استعمال کی جاتی تھی۔ قصر برق کی شناسائی کے لئے اسقدر اور بتلا دینا مناسب ہے کہ اسکی چوٹی پر ایک "برق" کا قیاسی بُت ایک چُرٹ میں بٹھلایا گیا تھا جسے ہمارے ہاں اور ڈراگن دو دیوتا کھینچتے تھے۔ دن کو تو یہ شیشے اور لوہے کا بُت معلوم ہوتا تھا کہ جسکے عقب میں شیشہ کا ایک بڑا آفتاب بنا

ہوا تھا جسکی ہزاروں بلوریں کرنیں آفتاب سے جا ملتی تھیں۔ لیکن رات کے وقت اسکے پانچ ہزار رنگین لیمپوں کی روشنی قابل دید ہوتی تھی۔ علم برق کو جان بوجھ کر نمایش کے عین وسط میں عزت کی جگہ دی گئی تھی۔ کیونکہ یہہ پہلا موقع تھا کہ کسی نمایش میں اسپر پوری توجہ کی گئی ہو۔ اور علاوہ اس کے برق کو بیسویں صدی کے عجائبات کا منبع سمجھا جاتا ہے۔ اور اس نمایش کی حیات کا نو واقعی یہی قصر برق منبع تھا۔ کیونکہ یہیں سے تمام کلوں کو چلانے کے لئے برقی طاقت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ اور تمام نمایش کے لاکھوں برقی لمپ اسی سے روح حیات پاتے تھے۔ سینکڑوں میل برقی تار اس عجائب گاہ کے چپہ چپہ پر زیر زمین اور زیر دریا سے یہاں پھیلی ہوئی تھی جو ایک بٹن کے دبانے سے اس تمام نمایش کے ہزارہا کمروں اور حجروں اور مکانوں کو روشن کر دیتی تھی۔ مگر یہہ روشنی صرف راتوں کو ہی اپنے جلوے نہیں دکھاتی تھی بلکہ دن کو بھی ایک جگہ کام آتی تھی۔ ١٦ اگست کی دوپہر کو میں کلوں کے سکشن میں طرح طرح کی کلوں

شعبۂ برق

کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ برقی سامان کے صیغہ میں پہنچگیا۔ یہاں پہنچکر دیکھا کہ برقی طاقت سے ایسے ایسے عجیب و غریب کام لئے جاتے ہیں جنسے گمان ہوتا ہے کہ وہ زمانہ دور نہیں ہے جبکہ انسان کی ہر ضرورت کا انصرام برقی طاقت سے ہی ہوا کریگا۔ یہاں میں نے دیکھا۔ کہ صدہا مرد اور عورتیں ایک سیڑھی کے راستے سے دوسری منزل پر بھاگے جا رہے ہیں۔ اور اتنے دنوں کے تجربہ سے یہ بات مجھے بخوبی معلوم ہو گئی تھی۔ کہ نمایش میں جدہر بہت سے زن و مرد جا رہے ہوں اُدھر ضرور کوئی قابل دید چیز ہوتی ہے۔ میں بھی اُسی ہجوم کے ساتھ ایک بہت بڑے

جادو کا کمرہ

شش پہلو کمرہ میں داخل ہو گیا جس کی پیشانی پر موٹے حروف میں Salle de Illusion (سال ڈا الیوزیان) یعنے دھوکے کا کمرہ لکھا ہوا تھا۔ اور واقعی یہہ عجیب کمرہ تھا جب وہ میں

ہزار مرد اور عورتیں اس میں سما گئے تو کمرہ کا دروازہ بند کیا گیا۔ اور اس میں اندھیرا چھا گیا۔ مگر ایک آن واحد میں بیشمار برقی لیمپ اس میں روشن ہو گئے اور مکان جگمگا اٹھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس میں چھ بہت لمبی گیلریاں دور تک بنی ہوئی تھیں۔ اور ان میں ہر طرف ستونوں کی قطاریں انتہا تک چلی گئی تھیں۔ یہ ستون بھی چھوٹی چھوٹی برقی لیمپوں سے ڈھنپے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ان میں سے بعض لیمپوں کا رنگ سرخ اور بعض کا سبز اور ایک دم زدن میں سب کا نیلگوں اور کبھی سفید براق ہو جاتا۔ اور کبھی ایک دم کے لئے سب لیمپ گل ہو جاتے اور کمرہ میں اندھی تاریکی چھا جاتی۔ لیکن جب سب لیمپ مختلف رنگوں کے تشیم زدن میں روشن ہو جاتے تو اس شیشہ کے مکان میں عجیب سماں نظر آتا۔ جو ہر فرد بشر کہ جس نے ایک دفعہ اسے دیکھ لیا ہے عمر بھر کبھی فراموش نہ کریگا۔ ناظرین مندرجہ بالا سطور کے معائنہ کے بعد اپنے واہمہ کو کھلا چھوڑ دیں تو کچھ اندازہ اس عجیب کمرے کا لگا سکتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ کمرہ اتنا وسیع نہیں تھا اور نہ اس میں اتنے لیمپ اور اتنے ستون تھے کہ جتنے نظر آتے تھے۔ اسکی تمام دیواریں اور چھت سالم شیشہ کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی تھیں کہ جن میں ۲ سے ۳ برقی لیمپ لگے ہوئے تھے۔ اور چھ ٹکڑوں میں چھ ستون برقی لیمپوں سے سجے ہوئے نصب تھے۔ برقی لیمپوں کے یکایک روشن ہو جانے سے جہاں تک نظر جاتی تھی معلوم ہوتا تھا کہ کمرہ کے ہر طرف گیلریاں اور ہزاروں ستون چلے گئے ہیں۔ اور حد نگاہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ لیکن دراصل نگاہ کو شیشہ محل کی وجہ سے دھوکا ہوتا تھا۔ تماشہ کے خاتمہ پر سب ناظرین و حاضرین نے خوب تالیاں بجا کر داد دی۔

برقی سامان

اس کمرے کے قریب دوسری منزل پر یورپ کے مختلف ممالک کے برقی سامان کی دکانیں تھیں۔ اور ان میں جو جو برقی شعبدے

نہیں سنے دیکھے وہ بیان کرنے مشکل ہیں۔ جرمنی آسٹریا انگلستان اور اضلاع متحدہ امریکہ کے برقی آلات کی دوکانیں بہت زیادہ اور پر رونق تھیں ان میں انواع و اقسام کی طاقت کی بیٹریاں طبی عمل روشنی اور طاقت حاصل کرنے کے لئے موجود تھیں۔ سینکڑوں قسم کے فونوگراف اور گریفوفون اور ٹیلیفون اور روشنی کے لیمپ اور طاقت کے اکامولیٹر جمع تھے۔ ان میں سے بعض مشینیں عمل کر رہی تھیں جنہیں ہزار ہا تماشائی مکھیوں کی طرح جمع ہو جاتے تھے یہ تمام کارخانہ جادو کا کھیل معلوم ہوتا تھا۔ اور جبکہ تمام یورپ اور امریکہ کے موجدوں نے لوگوں کو حیران کرنے کا ایکا کر لیا ہو تو کوئی دانا سے دانا آدمی بھی اس برقی ذخیرہ کے شعبدات کو دیکھ کر حیرت زدہ ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ ؎

حیرت ہر کس دریں عالم بقدر بینش است — ہر کہ دانا تر دریں ہنگامہ حیران بیشتر

برقی موجدوں کے شعبدے

اس سے نیچے کے کمرہ میں بڑے بڑے برقی ڈائنیمو جو پانچ ہزار کیلوگرام طاقت سے لے کر ذرا ذرا سے کھلونوں تک اور ہر قسم کے بھاری اور ہلکے موٹر اور بڑی بڑی مشینیں تھیں۔ برقی ٹرامویں اور برقی ریل گاڑیاں۔ برقی کشتیاں اور لائٹ ہوسوں کے استعمال کے لئے برقی سرچ لائٹ۔ غرض بڑی بڑی طاقت کی برقی روشنی اور قوت کا سامان تھا۔ ایک جگہ اضلاع متحدہ ٹسلا اور ایڈیسن کی آخری برقی ایجادیں دکھلا رہا تھا۔ جرمنی ڈاکٹر رونتجن کی ایکس شعاعیں۔ رنگین فوٹوگرافی اور پروفیسر ہیلمہولٹ کی ایک سیکنڈ میں پانچ ہزار مرتبہ برقی رو کی رکاوٹ نمایاں کر رہا تھا۔ اٹلی مارکونی کے بے تار کی برقی خبر رسانی کا سامان۔ اور سوئٹزرلینڈ ایم ڈوسانڈ کی برقی ایجادیں بلند بولنے اور آواز لکھنے والے ٹیلیفون کہ جو ایک بات کو ایک مرتبہ کہہ دینے کے بعد بار بار بتلا سکتے تھے نمائش کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ برقی گھڑیاں۔ طبی برق۔ کیمیاوی برق۔ کان کنی وغیرہ مختلف اقسام کے برقی

کے جا بجا تجربے نمایاں کئے گئے تھے۔ اگر صرف اس نمائش کے سامانِ ترقی کے حالات بھی کسی قدر تفصیل سے لکھے جائیں تو تمام کتاب کے پُر کر دینے کے لئے کافی ہیں۔

اب میں اُن عظیم الشان عمارات کی اشیائی نمائش بہت اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ لیکن بوجہ اشیا کے بے اندازہ ہونے کے میں کسی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھ سکتا۔

کان کنی و معدنیات

کان کنی اور معدنیات کے صیغہ میں تمام بڑی معدنیات اور پتھر کے کوئلہ کی کانوں کے نمونے دکھلائی گئے تھے۔ اور کان کنی کے تمام آلات اور سامان مثل بارود اور ڈائنا میٹ وغیرہ کے موجود تھا۔ آرٹیزین کنووں کے کھودنے اور مٹی کے تیل کے لئے زمین میں سوراخ کرنے کے آلات اور طریق اور کانوں میں آمد و رفت کے سامان نمایاں کئے گئے تھے۔ غرض کان کنی کے متعلق جتنی کلیں اور دستی آلات۔ کانوں کی پیداوار کے نمونے اور کام کے طریقے اب تک ایجاد ہوئے ہیں ہر ایک کا نمونہ یہاں موجود تھا۔ سیفٹی لیمپ اور مختلف اقسام کی کان کنی کی زندگی کی حفاظت کی تدابیر۔ چھکڑے اور دستی گاڑیاں معدنیات ڈھونے کے لئے۔ موٹے رستے اور کرینیں وغیرہ لادنے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ انواع و اقسام کے پتھر اور سنگ مرمر تراشیدہ اور ناتراشیدہ عمارت کے کام کے اور چونہ اور سمینٹ بنانے کے الگ الگ چنے ہوئے تھے۔ ریت کٹھالیاں بنانے کے لئے اور دیگر مصالحے بھٹیاں اور مٹی اور چینی کے برتن بنانے کے موجود تھے۔ معدنی کھادیں مثل فاسفیٹ وغیرہ کے اور معدنی ایندھن مثل پتھر کے کوئلہ اور پیٹ کے دکھلایا گیا تھا۔ اور معدنیات کے کئی عجیب و غریب نمونے اسفالٹ۔ ایمبر۔ پٹرولیم۔ بٹومن راک اور منگینیز کے صندوق کی قسم سے موجود تھے۔ آسٹریا کی کان کنی کی نمائش میں بتوں کا ایک گروپ

نمک میں سے تراشا گیا تھا اس سے آگے مختلف دھاتوں کی بنی ہوئی
چھوٹی چھوٹی چیزیں مثل گھنٹیوں۔ زنجیروں۔ باغبانوں اور دیگر حرفت پیشہ
لوگوں کے اوزاروں۔ گھر کے برتنوں اور چاندی سونے کی اشیا کے
جمع کی گئی تھیں۔ اس میں اٹلی جرمنی روس۔ انگلستان۔ سوئیڈن ناروے۔ بلجیم
اضلاع متحدہ امریکہ اور آسٹریا ہنگری نے مختلف معدنی اور آہنی چیزیں اور کلیں
اور انجن دکھلانے میں کافی حصہ لیا تھا۔ اس صیغہ کے شروع میں بعض آہنی

نب بنانا

کارخانوں نے اپنی بنائی ہوئی آہنی چیزوں کو سجا کر ان سے
بڑے بڑے دروازے بنا دیے تھے۔ یہیں میں نے نب بنانے کی
دو تین مشینیں دیکھیں جن پر سوٹزرلینڈ کی عورتیں اپنی وطنی لباس میں نب
بنانے میں مصروف تھیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی دستی مشینیں تھیں۔ پہلے ان میں
سے ایک میں ایک لوہے کے باریک پتره کو بمقدار نب کے کاٹا جاتا تھا
دوسری میں اسکو نب کی شکل میں ٹیڑھا کیا جاتا تھا۔ تیسرے میں شگاف دیا
جاتا۔ اور چوتھی میں اس پر حروف وغیرہ چھاپے جاتے تھے۔ گویا ایک
ہی پریس میں مختلف چار ڈائیاں لگانے سے یہ کام چل سکتا ہے۔ اور اس
طرح نب بنانے کی مشین پر پانچ سات سو روپے سے زیادہ خرچ نہیں
پڑیگا۔ البتہ نب بنانے کے لئے لوہے کو کمانا اور نب کو کافی آب دینا
تجربہ سے سیکھا جا سکتا ہے۔

کپڑے۔ سوت اور تاگے کے صیغہ میں ہر قسم کی اون۔ ریشم۔ روئی
السی اور سن وغیرہ کے موٹے اور پتلے کپڑے اور تاگے موجود تھے۔ اور
ریشم وغیرہ ریشوں کے تیار کرنے کی مختلف منزلیں نمونوں سمیت دکھلائی
گئی تھیں۔ یعنی ریشم کے کیڑے کی ابتدائی حالت سے لے کر ریشم کے

لباس وغیرہ

پھولدار کپڑے اور اسکے بہترین سلے ہوئے لباس تک
پہلو بہ پہلو رکھے گئے تھے۔ فرانس ریشم کی عمدگی کے لئے خاصکر مشہور ہے

ورزی کے کام اور سلائی کی مختلف شاخوں زردوزی وغیرہ کا کمال بھی نمونوں کے نمونے دکھلا کر نمایاں کیا گیا تھا۔ مختلف ملکوں کی روئی کے ریشوں کی طوالت کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ اونی۔ سوتی کپڑے سفید چھاپے ہوئے اور رنگے ہوئے۔ دھونے اور رنگنے کے مصالحے غرض کپڑے کی متعلق جو امر اعلیٰ سے اعلیٰ خیال میں آسکتا ہے یہاں موجود تھا۔ اور اس کے علاوہ مختلف قسم کے کپڑے اور جالیاں اور لیسیں اور فیتے اور فیتیاں اور گوٹے بننے اور کاتنے کی مشینیں بھی پہلو بہ پہلو رکھی گئی تھیں جو کام کر کے دکھلا رہی تھیں۔ ایک مکمل مشین کپڑا بننے۔ روئی دھننے سے لے کر کپڑا تیار کر دینے تک کی یہاں پڑی تھی جسے روس کے ایک ٹیکنیکل سکول کے لئے خرید لیا گیا تھا۔ ریشمی منسوج کی کلیں اور جرابیں اور بنیان بننے کی کلیں بھی یہاں کام کر کے دکھلا رہی تھیں۔ ہر قسم کے زنانہ بیش قیمت کپڑے ٹوپیاں دستانے دستی چھتریاں اور بوٹ انواع و اقسام کے تھے تاگے اور باریک اور موٹے رسے بٹنے کی کلیں اور سامان اور مال کے نمونے الگ تھے۔ اور جس طرح کہ ہر صیغہ کے ساتھ ایک "ریٹرو سپکٹو" یعنی گذشتہ زمانہ کی اسی خلاف کی چیزوں کی نمایش اس نمایشگاہ میں دکھلانے کا انتظام کیا گیا تھا کپڑوں کے صیغہ میں یہ بڑی تیاری سے دکھلائی گئی تھی یورپ کے ہر عہد اور خصوصاً فرانس کے عروج سلطنت کے زمانہ کے کپڑوں کے فیشن اور نامور بادشاہوں بیگمات اور امرا کے کپڑوں ٹوپیوں اور چھتریوں وغیرہ کے نمونے اور ان کی تصاویر جمع کی گئی تھیں۔ پوشاکوں کے بعض نمونے نمایش کے ایک دوسرے حصہ میں موم کے بتوں کو پہنا کر دکھلائے گئے تھے۔ اور بعض کو پینوراما بنا کر دکھلایا گیا تھا۔

خوشبوئیں وغیرہ اسی صیغہ کے ساتھ خوشبوؤں کا صیغہ تھا۔ فرانس عطریات کے لئے بڑا مشہور ملک ہے۔ مختلف اقسام کے عطریات کی خوبصورت

شیشیاں۔ عطر کشید کرنے کے سامان اور مختلف خوشبودار پودے اور پھول کہ جن سے عطر کشید کیا جاتا ہے نمایاں کئے گئے تھے۔ دانت صاف کرنے کے سفوف۔ صابن۔ انواع و اقسام کے چہرے پر ملنے کے غازے اور بالوں کے سفوف اور رنگ اور ٹائلیٹ کے بیسیوں دیگر سامان اکٹھے کئے گئے تھے۔ یہاں ایک شخص دانتوں کے سفوف کی خوبصورت ڈبیاں ہر تماشائی کو مفت بانٹ رہا تھا۔ اور اگر اُس نے نمایش کی تمام مدت یعنی چھ ماہ یہی عمل مفت ڈبیاں بانٹنے کا جاری رکھا ہے تو خدا جانے کتنے لاکھ ڈبیاں بانٹ گیا ہوگا۔

انجن اور آہنگری صیغۂ مکینیکل انجنیری میں دخانی انجن۔ مختلف قسم کی موٹر مشینیں متفرق قسم کی کلیں اور مکینیکل اوزار تھے۔ ان میں سے بعض انجن گاس۔ بعض دخان۔ بعض گرم ہوا۔ اور چند مٹی کے تیل سے چلتے تھے۔ اور بہت سی ہائڈرالک پریس۔ پون چکیاں۔ ہوا ناپنے کے پیمانے۔ پانی سے چلنے والی کلیں۔ سال امونیا۔ کاربونک ایسڈ وغیرہ وسائل سے چلنے والی کلیں جمع کی گئی تھیں۔ کاٹنے والی چھید نے والی اور دبا کر چھاپنے والی مشینیں بھی بہت سی تھیں۔ دخانی منفوڑ سے پانی نکالنے کے انواع و اقسام کے پمپ اور پون چکیاں (مگر یہ سب تھوڑی گہرائی سے پانی نکالتی تھیں)۔ میخیں ٹھونکنے والی مشینیں اور لوہے کو کھینچنے اور موڑنے والی کلیں۔ تولنے کے کلنٹے۔ لوہا کاٹنے کے گول آرے۔ تیز کرنے صاف کرنے اور اور طرح طرح کے آہنی اعمال کی الگ الگ انواع و اقسام کی مشینیں پڑی تھیں۔ گیس موٹر نصف ہارس پاور سے دو سو ہارس پاور تک بہت اچھا کام کرتے تھے۔ اور دخانی انجنوں میں دکھلایا گیا تھا کہ پچھلے دس سال کی نسبت ایندھن میں کس قدر کفایت ہوئی ہے۔ ایک فرانسیسی کارخانہ نے نمونہ کی چھنی روغنی کام کی نمایش میں تعمیر کی تھی

جسکا خرچ دو لاکھ دس ہزار فرانک اندازہ کیا گیا تھا +

نجاری

نجاری کی بہت سی کلیں بھی لکڑی کے ہر عمل کے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ اور ان کا کام دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ انسان کے دستی کام کو ان سے کیا نسبت ہے۔ ایک کل بوتلوں کے کاگ کھولنے کے آلے بناتی تھی۔ لکڑی کے دستے پاس تیار پڑے تھے۔ لوہے کی ایک موٹے تار کو ایک مشین میں ڈال کر اس دستہ کے گرد ایسی طرح پیچ دیا جاتا کہ دم زدن میں ایک آلہ کاگ کھولنے کا تیار ہو جاتا۔ اور ہزار ہا شوقین معلوم نمایش گاہ کی یادگار کے ایک ایک ڈیڑ سنٹیم کا سکہ پھینک کر لیتے جاتے یہ مشین بھی سات آٹھ سو روپیہ سے گراں نہ تھی۔ یہیں مشین سی باورچی خانہ کے برتن بنانے کی کلیں بھی تھیں۔ مگر یہ ایسے ہی برتن بناتی تھیں۔ جیسے کہ امرتسر اور دہلی میں برتن بنانیوالی مشین تھی۔ جو فیل ہو چکی ہیں۔

زراعت اور کلیں

زراعت کا حصہ بہت وسیع تھا۔ اور بخیال سہولیت کئی شاخوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اسی میں غلوں اور خوراک کی شاخ شامل تھی۔ آٹا پیسنے کی چکیاں۔ غلہ کو صاف ستھرا کرنے کی کلیں۔ روٹی پکانے کے تندور اور چولھے۔ شکر بنانا۔ قہوہ۔ عرقیات اور شراب کشید کرنیکا سامان مکمل تھا۔ شرابیں۔ مٹھائیاں گرم مصالحے۔ انگور کی پیداوار اور کشیدہ انگور کی بیماریاں۔ کھیتوں کے مکان۔ نالیاں۔ کلیں۔ غلہ کے کوٹھار۔ دودھ دہی اور مکھن تیار کرنا۔ کھیتی باڑی کے دوسرے کام۔ فصل کے مضر اور مفید کیڑے۔ پودوں کے مضر کیڑوں کا استیصال۔ سبزی ترکاریاں۔ غلے۔ چارے۔ ترپزرو کئی ہوئی مچھلی گوشت بقولات اور میوجات علاوہ خوراک کے زراعتی پیداوار میں۔ حیوانی خوراک۔ اصول زراعت کی تحقیقات کا سامان۔ مویشی کتوں اور مرغیوں کے مکانات۔ فرانس اور یورپ کے تمام ممالک سے جمع کئے گئے تھے۔ مختلف ملکوں نے

اپنے یہاں کے ہر قسم کے غلے اور زراعتی پیداوار کی چیزیں مع زراعتی کلوں کے نمایاں کی تھیں۔ امریکہ کے ہل کئی قسم کے تھے۔ ایک ہل جس جوں تخم بوتا جاتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ کھاد بھی کھیت میں ڈالتا جاتا تھا۔ مگر ایسے طور پر کہ کھاد اور تخم مل نہ جائیں۔ امریکہ نے دو سو قسم کے گیہوں اور ڈیڑھ سو قسم کی مکی کے تخم نمایاں کئے تھے۔ اور گھاس کے تخم بھی دکھلائے تھے بلجیئم۔ ہالینڈ۔ ہنگری سوئٹزرلینڈ اور فرانس کی زراعت کی مشینیں بکثرت تھیں اور سوئٹزرلینڈ ہی کی دودھ مکھن اور پنیر کی مشینیں بھی زیادہ تھیں۔ جنیوا کی ایک برف کی قفلیاں بنانے کی مشین بہت عمدہ تھی۔ ایک دو منٹ میں دودھ منجمد ہو جاتا تھا۔ اور ساتھ ساتھ لوگ یہ قفلیاں لے کر کھاتے جاتے تھے۔ یہ مشین بھی اگر کوئی انٹر پرائیزنگ ہندوستانی کسی بڑے شہر میں منگوائے تو فائدہ اُٹھائے۔ ہنگری کے غلوں۔ اٹلی کی سیویوں (ماکرونی) اور شراب کی نمائش زیادہ تھی۔ جاپان ہسپانیہ اور پرتگال تینوں ملکوں نے غلوں اور شرابوں کی نمائش کافی کی تھی۔ ہل تو خیر دو دو تین پھالوں کے اور بھارے بھی تھے۔ اور سراونیں طرح طرح کی تھیں۔ مگر کھیت سے غلہ نکالنے کی مشینیں ریل گاڑیوں کے برابر اور ران سے بھی بڑی تھیں صرف بڑے بڑے تنا ور جانوروں سے صاحب مقدور زمیندار ہی انہیں استعمال کرتے ہونگے۔ ان مختلف یورپین ممالک کی صدہا کشتکاری کی کلوں کو دیکھ کر خیال ہوا کہ جب ان چھوٹے چھوٹے یورپین ممالک میں اس قدر کثرت سے کھیتی باڑی کے آلات اور کلیں بنتی ہیں تو اگر کبھی ہندوستانی کاشتکاروں کو ہوش آیا۔ اور وہ اصلاح یافتہ آلات زراعت استعمال کرنے لگے تو ہندوستان میں بے شمار ایسے آلات کی کھپت ہوگی۔ اس وقت بھی تمام ہندوستان کے ایک سو بڑے سے بڑے شہروں میں اگر آلات زراعت کی دو دکانیں کھولی جائیں تو یقیناً ان دو دکانوں کا ہی کام چل جائیگا

بلکہ کاشتکاروں کو ان اچھے آلات سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ کھیتی باڑی کرنے اور دودھ دہی وغیرہ کے متعلقات کی کلیں اس قدر جمع تھیں۔ اور بعض ایسی دلچسپ تھیں کہ اگر بہت سا وقت ملتا تو انہیں غور سے دیکھنا ضروری تھا۔ مگر وقت کی تنگی سے میں اور دوسرے تمام دیکھنے والے ان اشیا کی قطاروں میں سے عموماً گذرتے ہی رہتے تھے۔ اور بہت کم ٹھہر کر کسی چیز کو زیادہ غور سے دیکھ سکتے تھے۔ یہاں کھیتی باڑی پر کتابیں اور زراعتی مدرسوں کے نصاب بھی مختلف ملکوں نے رکھے ہوئے تھے۔

شراب مٹھائیاں وغیرہ

شراب کشید کرنے کا ایک بہت بڑا کارخانہ اسی نواح میں جاری کیا گیا تھا۔ اور بنت عنب کے خاطر مدارات کے سامان یعنی کشید کی کئی کلیں چاروں طرف پڑی تھیں۔ ایک چاکولیٹ بنانے کا فرانسیسی کارخانہ عملی کام کر کے دکھلا رہا تھا۔ اس کی ترکیب بڑی دلچسپ تھی۔ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کوکا کے بیجوں کو بھون کر پیستے۔ اور پھر گوندھ کر سانچوں میں ڈالتے۔ یہ سانچے چھوٹی چھوٹی ریل کی سڑکوں پر رکھے جاتے اور خود بخود بھٹی میں داخل ہو کر پک کر نکل آتے۔ اس تمام کارروائی میں ہاتھ کہیں نہیں لگانا پڑتا تھا۔ اور یہ سب کام کل کے ذریعے سے ختم ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کی مٹھائیاں مربے اور جام دکھلائے گئے تھے۔ اور سرکہ بھی ایک طرف بنتا تھا۔ ایک طرف سوڈا واٹر اور شمپین بنانے کی کلیں کام کر رہی تھیں۔

ڈیری و پولٹری ہندوستان میں

ہندوستان بہت بڑا زراعتی ملک ہے اور یہاں مویشی بھی زراعت کے لئے رکھنے ضروری ہیں۔ مکھن اور پنیر بنانے کے سامان کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ جبکہ یورپ میں سوئٹزرلینڈ جیسا چھوٹا سا ملک لاکھوں روپیہ کا مکھن اور پنیر ہر سال غیر ممالک کو بھیج سکتا ہے۔ اور انڈے مرغیاں اسی قدر قیمت کے اس کے

علاوہ ازیں تو معلوم نہیں ہندوستان کیوں اس طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ میں نے سنہ ۱۹۰۰ء کے آخر میں لکھنؤ میں جا کر معلوم کیا کہ وہاں لاہور سے بالائی بہت ارزاں ملتی ہے۔ سنا تھا کہ لکھنؤ میں پنہاری کو بھی ایک پیسہ کی ملائی کھائے بغیر چین نہیں آتا۔ میرا خیال تھا کہ وہاں دودھ بہت سستا ہے۔ اس صورت میں وہاں یا جہاں کہیں ہندوستان میں دودھ سستا ہو ڈیری کی مشینوں سے ضرور کام لینا چاہیئے۔ اور اسی طرح مرغی انڈا بھی وافر تیار کرنا چاہیئے۔ انگریزوں میں ان چیزوں کی بہت قدر ہے گو ہندوستانی بھی انہیں خوشی سے خریدتے ہیں۔ اول اول اندرون ملک کی ضرورت کے لئے یہ چیزیں تیار کرنی چاہئیں اور بتدریج یہ تجارت غیر ممالک سے بھی ہو سکتی ہے۔

عظیم الشان کمرہ زراعت کے صیغے کو دیکھتے دیکھتے میں ایک ایسے عظیم الشان کمرے میں داخل ہو گیا کہ جس کا ثانی نہ پہلے دیکھا ہے اور شاید پھر بھی دیکھنا نصیب نہ ہو۔ یہ نمائش گاہ کا سب سے بڑا کمرہ سال ڈافیٹ Salle de fete تھا۔ یہ کمرہ جو چوہتر ہزار (۷۴۰۰۰) مربع گز زمین پر گول بنا ہوا ہے اس میں پچیس ہزار آدمی بآسانی بیٹھ سکتے تھے۔ اس کی چھت شیشہ کی تھی۔ اور بڑے بڑے جلسوں اور ناچوں کے لئے اسے تعمیر کیا گیا تھا۔ پریسیڈنٹ فرانس نے اسی میں بیٹھ کر اس نمائش کا افتتاح کیا تھا۔ اس کے وسط میں آٹھ آہنی ستونوں پر نوے میٹر وسعت کا شیشہ کا گنبد تھا۔ فرانس کے چار نامور مصوروں کو اس عظیم کمرہ میں زراعت صنعت و حرفت اور برق وغیرہ کی بیس بیس میٹر کی لمبی لمبی کئی تصاویر نقش کرنے کے لئے ۲۰-۲۸ ہزار فرانک گورنمنٹ فرانس نے دیئے تھے۔ ان کے علاوہ کل تیس اقوام کہ جنہوں نے اس نمائش میں کچھ نہ کچھ چیز بھیجی ہے ان کے ایک ایک آدمی کی تصویر آٹھ آٹھ فیٹ بلند اس کی دیواروں میں الگ الگ کاریگروں نے کھودی تھی۔ مثلاً انگلستان کو ایک ملاح سے تعبیر کیا ہے۔ ترک کو سپاہی

اضلاع متحدہ امریکہ کو کام کرنے والا لڑکا - جرمنی طالب علم - سٹوٹنزرلینڈ - کڈریا ناروے ماہیگر اور برلیجٹم کان کن وغیرہ - اس کمرہ کو ضرورت کے وقت بتیا لیس سو برقی لیمپوں سے روشن کیا جاتا تھا -

موسیقی تعلیم اور علوم و فنون کا صیغہ مختلف مزامیر اور باجوں سے شروع ہوتا تھا - گو ان سے مجھے دلچسپی نہ تھی اور نہ کچھ سمجھ میں آتے تھے تاہم سینکڑوں قسم کے پیانو - آرگن - سارنگیاں طنبورے اور منہ سے بجانے والے باجے فونوگراف اور گریفوفون تھے - انہیں کے قریب ایک کانسرٹ کا کمرہ تھا جس میں پانچ سو آدمی بیٹھ کر موسیقی سن سکتے تھے - اسکا دوسرا حصہ فوٹوگرافی اور چھپائی کا ہے - فوٹوگرافی کے متعلق مقامی اور مسافرانہ کیمرے جیبی کیمرے - فوٹوگرافی کے تمام کیمیائی اجزا اور حساس کاغذ جمع کئے گئے تھے - رنگین فوٹوگرافی - فوٹو تھیوڈو - لائٹ - سینو میٹوگراف - فوٹو ہیلیو گراف - سٹیریوسکوپ اور فوٹوسکوپ مختلف روشنیوں میں لئے ہوئے گراف بڑے بڑے اُستادوں کی دستکاری کے چیدہ نمونے - شیشے کپڑے لکڑی اور انامل پر عکسی تصاویر کے پروف اجرام آسمانی کے عکس تصاویر - اور ایکس شعاعوں کے آلات بھی نمایاں کئے گئے تھے - انہیں کے

جغرافیہ اور نقشے قریب ایک کمرہ میں جغرافیہ اور طبقات الارض کے نقشے اور اٹلس جمع تھے - اور اٹلس چھاپنے والے کئی فرانسیسی وغیرہ کارخانوں کا اسباب پڑا ہوا تھا - ایک کرہ ارض ربڑ کا بنا ہوا تھا جس میں ہوا پھونکنے سے وہ پھیل کر گول ہو جاتا تھا - میں نے اسے چھ سات فرانک کو خرید کر وہیں سے لاہور کو روانہ کرا دیا - یہ کرہ ارض بوقت ضرورت ہوا بھر دینے سے گول ہو جاتا ہے - اور ہوا نکال لینے سے لپیٹ کر جیب میں ڈالا جا سکتا ہے - اسی اٹلس بیچنے والے کارخانے کے ایجنٹ نے کہا کہ انگلستان کے اٹلس اور کُرّے بیچنے والے بعض کارخانے ہمیں سے نقشے چھپواتے

پاتے

ہیں۔ تھیٹر بھی یورپ میں تعلیم کا ایک صیغہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیئے تعلیم کے ضمن میں تھیٹر کے بڑے بڑے سبق آموز نظارے اعلٰے درجے کے اُستادوں نے ۱۲×۱۸ فیٹ کے پردوں پر کھینچکر لٹکائے ہوئے تھے۔ تھیٹر کی سینیری کھینچنے میں حد کر دی گئی تھی۔ اسکے علاوہ تھیٹر میں پہنے جانے والے جھوٹے جواہرات اور چمکدار زیورات خوبصورت لباس جنہیں بدلنے کے کپڑے اور ٹوپیاں اور رغازے اور پوڈر سامنے گلاس کیسوں میں پڑے تھے۔ تھیٹر میں کام آنے والے اعلیٰ درجہ کے فوٹوگراف اور پچھلی صدی کے تھیٹر اور ڈراما کے نامور آدمیوں کی تصویریں بھی یہاں رکھی گئی تھیں۔ ناچنے کی تاریخ بعض خوبصورت مومی بتوں کو لباس میں آراستہ کر کے دکھلائی گئی تھی۔

جراحی طبابت وغیرہ

اسی کے قریب ایک حصہ ڈاکٹری اور جراحی سے مخصوص تھا۔ یہاں ہر قسم کی جراحی اور میڈیسن کے آلات قدیم و جدید لوہے چاندی اور سونے کے چمک رہے تھے۔ جراثیم کے نمونے بھی دکھلائے گئے تھے سروں اور دماغ کے نمونے۔ اعمال جراحی کی تصویریں اور بُت۔ دندان سازی کے آلات۔ مختلف امراض کے نمونے۔ جنہیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ اور مصنوعی ٹانگیں مریضوں کے بستر فوجی زخمیوں کی مدد کا سامان۔ جابجا پڑے ہوئے تھے۔ اسی کے قریب عینکوں و عربینوں خوردبینوں آلات نقاشی و انجنیری وجہازرانی وغیرہ کا سیکشن تھا۔ بڑی بڑی دوربینیں۔ گز گز بھر قطر کے محدب اور مقعر شیشے چھ چھ انچ موٹے موجود تھے۔ عینک لگانے کے لئے امتحان کرنے کی کلیں۔ اور عینکوں کے پتھر کے شیشے رگڑنے کی کلیں۔ لیکن سب سے عجیب کل مجھے وہ معلوم ہوئی کہ جسکے ذریعے سے کوئی جمع تفریق کا سوال صحت سے حل ہو سکتا ہے یا جو کسی لمبی چوڑی رقم کی صحت سے میزان کر سکتی ہے۔ لیبورٹریوں اور

ابزرویٹریوں کے استعمال کے آلات مختلف ممالک کے اور ان وہاں ایم گاٹیر کی ۱۹ فیٹ لمبی دوربین بھی یہیں تھی ۔

تعلیم تعلیم کے مضمون کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا ۔ جیسا کہ (۱۲۱) شعبوں کی تفصیل میں بیان ہو چکا ہے ۔ (۱) معصوم بچوں کی تعلیم اور پرائمری تعلیم (۲) سیکنڈری تعلیم (۳) اعلےٰ اور علمی تعلیم (۴) خاص فنون کی تعلیم (۵) خاص زراعتی تعلیم (۶) دستکاری اور تجارت کی تعلیم ۔

ابتدائی تعلیم طریق تعلیم میں سنہ ۱۹۰۰ء تک دنیا نے جو ترقی کی ہے وہ سب نمایاں کی گئی تھی ۔ پہلے معصوم بچوں کی تعلیم کے متعلق مدرسہ کا کمرہ اور کھیل کی جگہ دکھلائی گئی تھی ۔ کاغذ کی کترین کاٹ کر ان سے ٹوکریاں بنانا ۔ اور بچوں کی تصویروں کی کتابیں ۔ سکول کا کمرہ (۴۳۰) فیٹ مربع ہے بنایا گیا تھا ۔ اس کی دیواروں پر ٹھیک موقع پر تصاویر نقشے استاد کی میز لڑکوں کی بنچیں کتابیں اور پلاسٹر کے ماڈل اور بلیک بورڈ تھا ۔ لوئر پرائمری کے بچوں کی ماہانہ مشقی کاپیاں ۔ مضمون نویسی حساب اور ڈرائنگ وغیرہ کی دکھلائی گئی تھیں ۔ اپر پرائمری سکولوں کی لڑکیوں کا کشیدہ لیس بنانا ۔ زردوزی اور کپڑوں وجرابوں کی مرمت کرنے کے نمونے اور لڑکوں کا لکڑی اور لوہے کا کام ۔ اسکے بعد پیشے کے مدارس میں ابتدائی تعلیم کی کیا ن پوری ہو جانے کے نمونے تھے ۔ زنانہ ومردانہ نورمل سکولوں کی تعلیم اور لکچروں کا نتیجہ ۔ ماسٹروں کے بھیجے ہوئے اپنے مدارس کے سامان اور جماعتوں کے فوٹو گراف کہ جن میں سے بعض کو بڑا کرکے دکھلایا گیا تھا ۔ جادو کی لالٹین کے سلائڈ ۔ نائٹ سکولوں کا سامان اور مدارس کی لائبریریوں کے نمونے ۔

سیکنڈری تعلیم کے متعلق فرانس اور دیگر ممالک کے سرکاری اور پرائیویٹ مدارس کے لڑکوں کی کاپیاں ۔ نصاب کی کتابیں جو بلحاظ مضمون

امتحانات کے پرچے مدارس کے شمار و اعداد، مطابع کی خاص خاص تعلیمی کتابیں نمایاں کی گئی تھیں۔ تاریخ الحیوان کی تعلیم کا سامان آلات ڈرائنگ اور سائنس پڑھانے کے لئے آلات مختلف کارخانوں نے دکھلائے تھے۔ لڑکیوں کے کام میں سوزن کاری اور زردوزی کے نمونے بہت اعلیٰ تھے۔ رسائل کہ جن سے اُستادوں کی تعلیمی قابلیت بڑھائی جا سکتی تھی۔ نصاب اور اوقات تعلیم۔ سکاٹلینڈ کے سیکنڈری سکولوں میں علاوہ ڈرائینگ کے (ا) لکڑی کا کام (ب) لوہے کا کام (ج) تانبے اور پیتل پر کندہ کرنا (د) ڈھالے ہوئے لوہے کا کام (ھ) نجاری (و) مٹی کے ماڈل بنانا۔ سیکنڈری تعلیم کی طرح ہی اعلیٰ تعلیم کی کیفیت ہے۔

زراعتی تعلیم کے متعلق زراعتی علاج المویشی اور باغبانی کے مدرسوں کے نقشے نمونے پودوں غلوں ٹڈیوں پتھروں شہد کے چھتوں۔ ریشم کے کیڑے کے کویوں وغیرہ کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔ حیوانات کی امراض کے نمونوں کا عجائب گاہ کیسا عجیبانک نظارہ پیش کرتا تھا پتوں اور بوٹیوں پر ٹڈوں اور اُن کے انڈوں اور نیچرل ہسٹری کے دیگر نمونوں کا مجموعہ مکمل تھا۔ کاشت زمین اور پودوں اور حیوانات کی امراض اور بہبود کے لئے یہ آلات جو یہاں دکھلائے گئے تھے کس قدر دلچسپ اور مفید تھے۔ اور مویشی پالنے اور کشتکاری کی عام اصلاح کی تدابیر میں ان سے کس قدر مدد مل سکتی تھی۔ ایسے مدارس فرانس میں بہت ہیں اور یوروپ کے دیگر ممالک میں بھی ان کی کمی نہیں۔ بارہ سال پہلے کے ایک کاغذ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یوروپ کے بعض ممالک میں ایسے مدارس کس قدر تھے کہ جن سے کاشتکاروں کو مدد ملتی ہو۔

ٹیکنیکل تعلیم کی ہر شاخ کے متعلق کافی مصالحہ موجود تھا۔ ہاں یا پرائمری سکولوں کی تعلیم میں جو خامی رہ جاتی ہے یہ صنعت و حرفت اور پیشہ سکھلانے

کے سکول پوری کر دیتے ہیں۔ ڈرائینگ ایک ایسا مضمون معلوم ہوتا ہے
جو تمام المنٹری پرائمری سکنڈری اور ٹکنیکل مدارس میں سکھلایا جاتا ہے
ٹکنیکل سکولوں کے طلبا کے کام جو دکھلائے گئے تھے ان میں دخانی انجن
فٹنگ کے پرزے۔ اور لوہے اور لکڑی کا ہر قسم کام کا تھا۔ گھڑی سازی
زیورات رمی ٹیشن جیولری کے مدرسے کے بنے ہوئے نقلی جواہرات
اور زیورات۔ سناروں کے مدرسہ کے زیورات اور آرٹ کے سامان۔
لڑکیوں کے مدرسہ کی زردوزی اور لیس۔ پیرس کی پدرانہ مدد کی سوسائٹی
کاپروں اور پھولوں کا کام۔ پیپر مینوفیکچر کے پروفیشنل سکول کا ڈبوں وغیرہ
کا کام۔ کپڑے کے رنگین پھول جو لیڈیوں کی ٹوپیوں وغیرہ پر استعمال
ہوتے ہیں نمایش میں ایک جگہ بنا کر دکھلائے جاتے تھے۔ انکا سارا
کام چھوٹی چھوٹی مشینوں سے ہوتا ہے۔ خاص خاص پھولوں کے رنگ
کے کپڑوں کو خاص خاص پیٹرنوں کے برابر مشینیں کاٹ دیتی ہیں۔ وہی
ابھار دیتی ہیں۔ اور گول یا ٹیڑھا بنا دیتی ہیں۔ اور پھر عورتیں انہیں سوئی
سے کہیں کہیں ٹانکے لگا کر جوڑ لیتی ہیں۔ یہ بہت تھوڑی توجہ سے سیکھا
جا سکتا ہے۔ مَیں نے اپنے دوست کی مدد سے فرانس کے ہر قسم کے
ٹکنیکل سکولوں کے تیس چالیس پروگرام جمع کر لئے۔ جن میں فرانس کی
زراعت و باغبانی کے مدارس بھی شامل ہیں۔ سکاٹلینڈ کے دستی کام
سکھلانے کے مدرسوں میں بید سے بننا۔ برش بنانا۔ ڈرائنگ اور چیزوں
کی ڈیزائن بنانا سنجاری اور ورزش جسمانی سکھلائی جاتی ہے۔ اور پرائمری
سکولوں میں چھوٹے بچوں کو (۱) قدرتی اشیا مثلاً پھل پھول اور پتوں وغیرہ
کی برش (مو قلم) سے نقل اتارنا (۲) سہل اور سادہ چیزوں کی کاغذ کی شکلیں
کاٹنا (۳) بید گھاس یا پرال وغیرہ کی ٹوکریاں ٹوپیاں اور کرسیاں وغیرہ
بُننا (۴) بڑھئی کا سہل کام۔ آلات اور سامان جو جماعت میں کام آتے ہیں

اُن کے ماڈل بنانا (۵) مٹی کے بُت بنانا۔ غرض امریکہ اور یورپ کے اکثر ابتدائی مدارس میں بچوں کو دستی کام کا ڈھنگ سکھلایا جاتا ہے۔ اور دستکاری کا میلان ان میں پیدا کیا جاتا ہے۔

چھوٹے بچوں کی تعلیم کنڈر گارٹن کا سامان بھی دکھلایا گیا تھا۔ یہ دو جرمنی زبان کے لفظوں کنڈر (طفل) اور گارٹن (باغ) سے مرکب ہے کہ جسکا عمدہ ترجمہ حدیقۃ الصبیان ہو سکتا ہے۔ اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ بذریعہ کھلونوں اور تصویروں کے کھیل اور بات چیت میں چھوٹے بچوں کو تعلیم دی جائے۔ ایک برلٹرز کا طریقہ جسمانی تربیت کا بھی دکھلایا گیا تھا۔ اور اندھوں اور بہروں اور گُنگوں کی تعلیم کے طریقے بھی دکھلائے گئے تھے۔ قریب ہی ایک شخص اپنی مجوزہ ایک عالمگیر زبان کی اشاعت کے لئے اسی کے متعلق مختلف زبانوں میں کتابیں بانٹ رہا تھا۔ جیسے کہ وولاپک بین الاقوام کاروبار چلانے کے لیئے ایک سہل زبان اختراع کی گئی تھی ویسے ہی اسپرانٹو بھی اور پیرس میں اس کا مسودہ اور دفتر اشاعت موجود ہے۔

مطابع اور متفرق تعلیم حرفت

اسی صیغہ تعلیم کے متعلق چھاپنے کے کام کا ہر پہلو دکھلایا گیا تھا۔ چونکہ اس کام سے مجھے کچھ خصوصیت ہے اسلیئے اگر اسکا ذکر کسی قدر طویل ہو جائے تو معاف کیا جاؤں۔ نقاشی اور مصوری رنگوں کا چھاپنا۔ مختلف چھاپنے کے رنگ۔ تصاویر چھاپنا۔ اخبارات۔ مطابع کی کلیں۔ جلد بندی کی کلیں اور سامان مختلف ممالک کی مطبوعہ کتابیں اور رسالے دیکھے۔ ایک بہت بڑی مشین پر دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا پوسٹر کئی رنگوں میں چھپ رہا تھا۔ اور مختلف پتھروں پر سے ایک ایک رنگ چھاپا جاتا تھا۔ انگلستان کی ایک بہت پیچیدہ مشینیں آٹھ دس رنگ کا پوسٹر ایک آن واحد

میں چھاپ رہی تھی۔ مگر دریافت کرنے پر اسکا دام کم و بیش بیس ہزار روپیہ معلوم ہوا۔ جرمنی کی کئی ایک اعلے درجے کی ٹائپ کی مشینیں موجود تھیں جو زمین سے چار چار پانچ پانچ گز بلند کھڑی تھیں۔ کراموفتوچھاپنے اور جلدبندی کی کلیں بھی کئی ایک تھیں۔ ایک ایسی مشین بھی نمایاں کی گئی تھی۔ جو کتابوں کے فرموں کی خود بخود سلائی کرتی جاتی تھی یعنے دفتری کا کام کرتی تھی۔ ایک شخص نے حروف کو اُبھارنے اور کاغذ پرا بھروان (یعنے Embossed) تصویریں چھاپنے کی کل بھی مجھے دکھلائی۔ میری اونی اور گارٹ وغیرہ کا رنمانوں کے چھاپنے اور کاغذ توڑنے کی مشینیں گھنٹہ میں سات آٹھ ہزار کاغذ کا فرمہ چھاپ کر توڑ موڑ سکتی تھیں۔ روس۔ فرانس۔ بلجیم۔ سوٹزرلینڈ۔ جرمنی۔ آسٹریا انگلستان اور جاپان نے چھاپنے کے کام میں بڑا حصہ لیا تھا۔ انگلستان اور آیرلینڈ کی پبلشرس ایسوسی ایشن نے بہت عمدہ چھپی ہوئی کتابوں کا ایک ذخیرہ نمایش کو بھیجا تھا۔ اخبار لنڈن گرافک کا دفتر بھی مع چھاپنے اور حروف جوڑنے کی کل کے یہاں موجود تھا انگلستان کے تمام ماہوار رسالوں ہفتہ وار اور روزانہ اخباروں کے سرورق ایک جگہ چسپاں کئے ہوئے تھے جو بہت خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ اسی طرح روسی آسٹرین اور فرانسیسی و جرمنی اخباروں رسالوں کے سرورقوں کے مجموعے بھی میں نے دیکھے۔ ایک جگہ انگلستان نے تعلیم کے سامان کی نمایش میں مسٹر گلیڈسٹون کی طالب علمی کے زمانہ کا ایک امتحان کا پرچہ بھی دکھلایا تھا۔ جاپان کے تعلیمی سکشن میں کئی ٹکنیکل تعلیم کی رپوٹیں جاپانی کلوں کے نمونے اور عمدہ جلدوں کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ بلجیم نے زنانہ اور مردانہ تعلیم کے سامان اور اعداد و شمار کے جدول مع تصاویر طلبار کے دکھلائے تھے۔ سوٹزرلینڈ نے کنڈرگارٹن

(حدیقۃ الصبیان) کے سامان کی نمائش بھی کی تھی۔ جن میں ہمارے یہاں کے بچوں کی سی کاغذ کی کشتی اور کاغذ کا بنا یا ہوا رات دن کا کھلونا اور معمولی لکڑی کی جھنجھیری بھی اُن کے کھیلوں میں تھیں۔ سوئٹزرلینڈ کے مجموعہ میں آلات ڈاکٹری کے علاوہ ایک بارش کا اندازہ بتلانے کی نئی طرح کی کل تھی۔ اور ایک برقی مشین موسم کی کیفیت بتلاتی تھی۔ ہنگری کے نابیناؤں کے مدرسہ سے کچھ چیزیں مثل ریشم کے بوٹ۔ بیدکی بوتلوں کے غلاف گھاس کے صندوق برش اور تکیے وغیرہ کے رکھی ہوئی تھیں۔ جو اندھوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اندھوں کو بھی کچھ کام سکھلایا جاوے تو بالکل ناکارہ نہیں رہتے۔ بڈا پسٹ (ہنگری) کے ٹکنیکل سکول کی تیار کی ہوئی وجواہرات کے علاوہ سوئٹزرلینڈ اور جنیوا کے انڈسٹریل آرٹس سکولوں کی بنی ہوئی چیزیں بھی بہت عمدہ تھیں۔ آخرالذکر مدرسہ نے ایک کھانے کا کمرہ نہایت عمدہ فرنیچر سے سجا کر دکھلایا تھا۔ آسٹریا کے سکول آف گریفک آرٹس کے فوٹوگراور بہت پسند کئے جاتے تھے۔ اضلاع متحدہ امریکہ نے علاوہ کئی دلچسپ تعلیمی اشیا کے دندان سازی وفن بیطاری کے آلات کی اعلیٰ درجہ کی نمائش کی تھی۔ دوسری طرف فرانس کے آرٹس سکولوں کے طلبا کے تیار کئے ہوئے سامان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب سے گوئے سبقت لیجا چکے ہیں۔ فرانس کے مدارس نقاشی مصوری ثبت تراشی اور کشیدہ کاری وتعلیم ٹکنیکس کے کام کے نمونے بکثرت نمایاں کئے گئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تصویر کھینچنے۔ نقاشی کرنے لکڑی پلاسٹر اور لوہے کے پھول پتے بنانے کپڑے پر کشیدہ کاڑھنے اور گابلن یعنی موٹے کپڑے پر تصویر بننے یا کاڑھنے کے کام میں انہیں بڑی مہارت ہے۔ سوئیڈن کا ایک مکمل پرائمری سکول مع جماعتوں دستکاری کی تعلیم امور خانہ داری اور کھانا پکانے کے برتنوں باورچی خانہ اور

پھولوں وغیرہ کے تھنے سجنے نمونے بنا کر دکھلائے گئے تھے اور اسی طرح ناروے نے ابتدائی سکولوں کی حالت اور ایک مکمل کھانا پکانے کے مدرسہ کی کیفیت دکھلائی تھی۔

روس کے مطابع اور ٹکنیکل سکولوں کا کام بھی کسی ملک سے پیچھے معلوم ہوتا تھا۔ روس کے چھاپنے کی مشینیں چھپی ہوئی تصویریں رنگین اور عکسی فوٹو زنکو اور دیگر تمام وسایل سے چھپا ہوا۔ خوبصورت جلدبندی کے نمونے اور عمدہ چھپی ہوئی کتابیں ٹین پر رنگین چھپا ہوا۔ نقاشی نقشہ کشی اور مصوری کے آلات۔ نجاری اور آہنگری کے اوزار اور سینکڑوں ازیں قبیل دوسری چیزیں دیکھیں۔ روسی زنانہ و مردانہ پیشوں کے مدرسوں۔ قومی ٹکنیکل سکولوں اور اعلٰے علمی مدارس کے مکانات کے نقشے نمایاں کئے گئے تھے۔ ایک روسی نقشہ سے معلوم ہوتا تھا کہ فلم وسے روس میں ایک ہزار انڈسٹرئل سکول ہیں۔ روسی اخبارات کا ریڈنگ روم بھی موجود تھا۔ اور روسی اخبارات اور رسالجات کے جو سرورق چھپان تھے اپنے ڈایزائن کے لحاظ سے انگریزی سرورقوں سے کم نہیں تھے۔ ایک مشین اس وقت تصاویر چھاپ رہی تھی۔ جنہیں دیکھ کر مجھے قائل ہونا پڑا کہ چھاپنے کے معاملہ میں روس دیگر ممالک یوروپ سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں۔

ایک جگہ فرانس اور یوروپ کی پرانی کتابوں اور پرانی تصویروں اور قدیم زمانہ کی بیش قیمت جلدبندی کے نمونوں کی نمائش کی گئی تھی۔ پہلے زمانہ کے بھدے پریس دیکھے۔ علم جغرافیہ کی قدیم زمانہ کی کتابیں اور نقشے اسطرلابیں اور سکسٹائیل پرانے زمانہ کے کرہ ہاے ارضی۔ طبعی۔ بحری متعلق ہیئت اور شمار و اعداد وغیرہ ہر قسم کے نقشے جمع کئے گئے تھے یہیں ایک پرانی خطوط کا مجموعہ تھا جس میں ہر زمانہ کے یوروپ کے سلاطین قدیم کے خط تھے۔ مشہور لوگوں کی دستخطی کتابیں اور ایک ہزار جیبی کتابوں کی لائبریری

بھی بہم پہنچائی گئی تھی جن کی تقطیع ۲×۳ - انچ سے زیادہ نہ ہوگی - پوسٹر یعنے دیواروں پر چسپان کرنے والے بڑے بڑے رنگین چھپے ہوئے اشتہارات کی بھی ایک بڑی دلچسپ نمایش کی گئی تھی - جس میں سینکڑوں ایسی ڈیزائنیں تھیں جو مُنہ سے بول کر ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں - پوسٹر ابھی سے یورپ اور امریکہ کی تجارت کی ترقی میں اشتہار دینے کا بہت عمدہ ذریعہ ثابت ہوا ہے - اور آئندہ زمانہ میں اس سے اور بھی بہت کچھ امید کی جاتی ہے -

فرانس کے سکوں اور تمغوں کی نمایش بھی خاص تھی - قریب ہی ایک کل سکے ضرب کر کے دکھلا رہی تھی - اور جو شخص چاہتا اس نمایش کی یادگار کا تمغہ جس پر اُسی روز کی تاریخ چھاپی جاتی وہاں سے گرما گرم خرید لیتا -

فرانسیسی اخبارات کے ریڈنگ روم میں سب سے زیادہ رونق تھی - فرانس کے ماہوار رسالے انگریزی رسالوں سے کسی طرح پیچھے رہے ہوئے معلوم نہیں ہوتے - ان میں بھی ایسی ہی تصویریں اور ایسے ہی مضامین ہوتے ہیں جیسے کہ انگریزی رسالوں میں ہوتے ہیں - فرانس کے بعض نامور رسالوں کی کُل جلدوں کے مجموعے لوگوں کے استعمال کے لئے فراہم کر دیئے تھے - اور بعض اعلےٰ درجہ کی چھپی ہوئی تصاویر کی کتابیں اور البم بھی - تاکہ اگر کوئی شخص پڑھنا نہ چاہے یا پڑھنا نہ جانتا ہو مگر یہاں آ کر بیٹھ جائے تو تصویریں تو دیکھ سکے - فرانس کے بہت سے کتب فروشوں نے اپنی کتابوں کی دُکانیں بھی یہاں سجا رکھی تھیں - جنہیں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اکثر کارخانے اور مطابع علم کی ایک ایک شاخ کی طرف متوجہ ہیں - مثلاً ایک کارخانہ صرف ٹیکنیکل تعلیم پر کتابیں چھاپتا ہے - ایک صرف مدارس کی تعلیم کے لئے - ایک صرف ناول یا تاریخ جغرافیہ - اور اس وجہ سے وہ اپنی اپنی شاخ کو تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں - کیونکہ اُن کی تمام کوششیں

ایک حلقہ میں محدود ہوتی ہیں۔ بعض مطابع نے اپنی چھپی ہوئی رنگین تصویریں اور لیبل ہی دکھلائے تھے۔ جن سے رنگ کا ہر ممکن شیڈ نظر آتا تھا۔ یہ تصویریں فوٹوگرافی۔ فوٹو زنگوگرافی۔ فوٹوکرامو گرافی۔ ٹائپوکرومو اور لتھوکرومو گرافی اور دیگر تمام ترکیبوں سے چھپی ہوئی تھیں۔ اور یہیں چھاپنے کے رنگوں سیاہیوں اور روپہلی سنہری وغیرہ انواع واقسام کے برادوں کے نمونے بھی دکھلائے گئے تھے۔

اس نمائش گاہ میں کس قدر چیزیں ہر قسم کی جمع کی گئی تھیں ان کا اندازہ جرمنی کے کاریگروں کی خوردبینوں۔ دوربینوں۔ عینکوں اور دیگر آلات معاون نظر کے مجموعہ سے ہوسکتا تھا کہ جن کی فہرست کی ضخامت چار پانچ سو صفحہ سے کم نہ ہوگی۔

فن زراعت کے مدرسہ کے متعلق فرانس نے تمام کھیت کو جانوروں کی اناٹومی (تشریح)، مومی بتوں کے ذریعے دکھلائی تھی۔ جس میں عجیب الخلقت بچے۔ مریض اعضا اور مریض جانوروں کی حالت سب کچھ تفصیل کے ساتھ نمایاں کیا گیا تھا۔ باوجودیکہ میں بڑے التزام سے ہر چیز دیکھتا تھا مگر مکان اتنے وسیع تھے اور اشیا کی یہ کثرت تھی کہ سینکڑوں چیزیں بلا دیکھے رہ جاتی تھیں۔

اسی حصہ میں ٹائپ اسٹر بھی طرح طرح کے تھے جنہیں چلا کر دکھلایا جاتا تھا

انواع واقسام کی گاڑیاں

سول انجنیرنگ اور باربرداری کے سامانوں کے سکشن میں ریلگاڑیوں کے سوائے باقی ہر قسم کی سڑک پر چلنے والی گاڑیاں رکھی گئی تھیں۔ لیکن یہاں موٹر کار یا آٹوموبیل گاڑیوں کا بڑا زور تھا۔ آٹوموبیل وہ گاڑی سہ پہیہ اور چار پہیہ ہوتی ہے جو بلا مدد کسی گھوڑے ٹٹو یا انسانی طاقت کے دخانی یا برقی طاقت سے چلے۔ اسکا آجکل پیرس میں بعید رواج تھا۔ ہر چند کہ یوروپ کے ہر شہر میں ایسی گاڑیاں کم وبیش موجود تھیں مگر

پیرس میں تو ان کا شمار ہونا مشکل تھا۔ چنانچہ اس وقت ان گاڑیوں کے
بنانے میں پیرس تمام دنیا میں سر برآوردہ ہے۔ اور امریکہ اور جرمنی میں بھی
یہیں سے زیادہ تر خریدی جاتی ہیں۔ شاید پیرس کے پچاس ساٹھ کارخانوں
نے تو نمایش کی ہوگی۔ ابھی اس گاڑی کے بہت ہر دلعزیز ہونے کی امید
کی جاتی ہے۔ سستی سے سستی قیمت دو آدمیوں کے بٹھانے کے لایق
آٹوموبیل کی اس وقت ڈیڑھ ہزار روپیہ کے قریب مجھے بتلائی گئی تھی۔ برقی
طاقت والی گاڑی کے بار بار بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسلئے گاس
سے چلنے والی پسند کی جاتی تھی۔ پیرس میں نمایش گاہ کے دونوں میں
یہ کرایہ پر بھی چلتی تھیں۔ البتہ دوسری گاڑیوں سے ان کا کرایہ کسی قدر زیادہ
ہوتا تھا۔ یہ عجیب چیز ہیکہ چپ چاپ مگر بڑی تیزی سے بازاروں میں دوڑ رہی
ہے۔ اور بائسکلوں کی جگہ لیتی جاتی ہے۔ اس صیغہ میں بائسکل بھی انواع
و اقسام کے تھے۔ چو پہیہ گاڑیوں چھکاڑوں توپوں کی گاڑیوں۔ باربرداری
کی گاڑیوں۔ بچوں کی گاڑیوں۔ ٹریم گاڑیوں پٹھوں۔ غرض ہر قسم کی گاڑیوں
اور گاڑی کے متعلق فرانسیسی سامان کی نمایش مکمل تھی۔ ایک جگہ دو سو سال
کی پرانی گاڑی اور کوچبانوں کا لباس دکھلایا گیا تھا۔ پالکی کا بھی اس
وقت رواج ہوتا ہوگا۔ ایک پالکی ایران کے تخت رواں کی طرح دونوں طرف
خچروں پر لدی ہوئی چلتی تھی۔ اور ایک بادشاہ لوئس پانزدہم کی گاڑی تھی
سنہ ۱۷۹۰ء کا ایک بائسکل دکھلایا گیا تھا جو نہایت بھدا تھا۔ اور پیدل چلنے
سے اسپر سوار ہونے میں ذرا ہی فرق ہوگا۔ گاڑیوں کا تکلف اور معمولی سائز
بھی دکھلایا گیا تھا۔ اور برف پر چلنے والی بلا پہیوں کی دو ایک گاڑیاں بھی
تھیں۔ اسکے قریب ہر قسم کا ساز زینیں۔ لگامیں اور چابک دکھلائی گئی تھیں۔

سڑکیں اور پل

اسکے بعد ایک صیغہ میں سڑکوں نہروں پلوں اور عمارت
کی تعمیر کے متعلق کلیں اور مصالحے تھے جو زیادہ تر پیشہ ور انجینیروں اور معماروں

کے کام کے تھے ۔ سیمنٹ ۔ چونہ ۔ پلاسٹر وغیرہ مصالحے بھی تھے ۔ جن پتھروں سے مختلف قسم کا سیمنٹ بنایا جاتا ہے وہ بھی دکھلائے گئے تھے مصالح پیسنے ۔ مختلف مصالحوں کی طاقت معلوم کرنے اور اوراِن پیشوں کے متعلقہ اوزار اور لمپ جمع کئے گئے تھے ۔ بڑے بڑے پلوں پشتوں اور ورکشاپوں وغیرہ کے نقشے اور نمونے بھی موجود تھے

غبارہ بازی غبارہ بازی کا سامان بھی جمع کیا گیا تھا ۔ اس میں ایک موجد کی اُڑنے کی کل بہت دلچسپ تھی جو ایک بہت بڑے چمگادڑ کے اصول پر بنائی گئی ہے ۔ اور اسکی پسلیاں اور جوڑ ایسے لچکدار ہیں کہ ایک موٹر جو اسکے اوپر لگا ہوا ہے وہ سہولیت سے انہیں کھولتا اور بند کرتا رہتا ہے ۔ اور اس طرح یہ بڑی بڑی چادریں ہوا کے اوپر پھیلتی ہوئی بلند ہوتی جاتی ہیں ۔ اس موٹر کو ایک شخص چلاتا ہے جو چمگادڑ کے جسم کی جگہ ایک پنجرے میں بیٹھا رہتا ہے سنہ ۱۸۹۷ء میں اسکے تجربات میں کئی حادثات واقع ہوئے اسلئے بالفعل اس کے تجربات روک دیے گئے ہیں ۔ اور کئی قسم کے غباروں میں بیٹھ کر فوٹوگراف لئے ہوئے جمع کئے گئے ہیں چونکہ پہلے پہل غبارہ سنہ ۱۷۸۳ء میں دو فرانسیسی بھائیوں نے ایجاد کیا تھا اسلئے اس وقت سے آجتک اُس کی ترقی کی تاریخ کا متفرق سامان بھی فراہم کیا گیا تھا ۔

اسی صیغہ کی ایک مشق یعنے ریلوں اور ٹریموے گاڑیوں کی نمایش ایک دوسرے مقام ونسینیر میں کی گئی تھی ۔ کیونکہ ایسی بڑی چیزوں کی نمایشگاہ میں کافی گنجایش نہ تھی اور یہاں چند چیزیں دکھلائی گئی تھیں ۔ ایم باڈری کا ایک ریل کا برقی انجن تھا جس نے سنہ ۱۸۹۷ء و سنہ ۱۸۹۸ء کے تجربات میں (۱۲۰) کیلومیٹر (ایک کیلومیٹر = ⅝ میل) فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کر لی تھی ۔ اور پھر ایک سوٹن کا وزن رکھ کر سو کیلومیٹر بسہولیت جا سکا تھا ۔ بعض

شہر ممو سے کمپنیوں کی برقی گاڑیاں دکھلائی گئی تھیں۔

کمسٹری

علوم و فنون متعلقہ کمسٹری کے صیغہ میں علاوہ اجزاء و آلات کمسٹری کے کاغذ چمڑا دیا سلائی و تمباکو وغیرہ کے سامان دکھلائے گئے تھے۔ ایم ڈار بلے کی کاغذ بنانے کی دلچسپ مشین قابل دید تھی کہ جس میں ایک طرف کاغذ سازی کا خام مصالحہ ڈالدیا جاتا تھا اور دوسری طرف کاغذ بنا ہوا نکلتا آتا تھا۔ گلاس کیسوں میں انواع واقسام کے کاغذ تھے جن میں فوٹوگرافی کے کاغذات سے لیکر بینک نوٹ کے کاغذ تک موجود تھے۔ اور قریب ہی ایک کاغذ کا مجموعہ ایسا تھا کہ جس میں ابتدا سے زمانہ کے کاغذ کے نمونوں سے لے کر اب تک جمع کئے گئے تھے۔ ایک جگہ فارمیسی یعنی دواسازی کی بھی نمایش تھی۔ جہاں ہر رنگ کی گولیوں اور ہر قسم کے پوڈروں کو جمع کیا گیا تھا۔ دوایاں کوٹنے کے آلات سے لیکر گولیاں خوبصورت بوتلوں میں بند کرنے تک سب سامان اور آلات دکھلائے گئے تھے۔ ایک دانتوں کے منجن والا کارخانہ بے محابا منجن کے ٹین کے بکس مفت تقسیم کر رہا تھا۔ جاپانی باریک رومال کے کاغذ کے بیسیوں قسم کے سادہ اور رنگین چھپے ہوئے نمونے رکھے ہوئے تھے۔

دیاسلائی و سگرٹ

دیاسلائی اور سگرٹ کا جو تعلق کاغذ اور کمسٹری سے ہے وہ ظاہر ہے۔ اسلئے ان دونوں چیزوں کو بھی یہیں رکھا گیا تھا۔ دیاسلائی کی تیلیوں کو بنتے دیکھنا تو بڑا دلچسپ نظارہ ہے لیکن تمباکو کی تاریخ بھی کچھ کم دلچسپ بناکر نہیں دکھلائی گئی تھی۔ اس کی زندگی کی ہر منزل بونے کے دن سے لیکر سگار و سگرٹ بنانے یا پائپ میں ڈالنے اور ناس بنانے تک بذریعہ نمونوں کے مشاہدہ میں لائی گئی تھی۔ ایفل ٹاور کے قریب بھی ایک علیحدہ مکان میں دیاسلائی اور سگرٹ بنانے

کی مشینیں نصب تھیں۔ دیاسلائی کی مشین میں کاٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے رکھ دیتے تھے۔ اسپر ایک سوراخدار تختی میں خود بخود ایک ایک تیلی ہر سوراخ میں داخل ہوجاتی۔ اور یہ تختی ان تیلیوں سمیت ایک طرف کو گھومتی جہاں سب تیلیوں کے دونوں سروں پر ایک جگہ سے مصالحہ لگ جاتا جو گھول کر تیار رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور تھوڑی دور گھوم کر جانے میں خشک ہوجاتا ہے۔ اسپر یہ تیلیاں بیچ میں سے کٹ کر دو دو ہو کر ایک گہری جگہ میں گر جاتیں۔ صرف ایک بوڑھیا عورت اس مشین میں کٹی ہوئی تیلیوں کے گٹھے کھول کر رکھتی جاتی تھی۔ باقی سب کام آخر تک مشین کرلیتی تھی۔ سگرٹ بنانے کی مشین اس سے کم دلچسپ نہ تھی۔ ایک طرف باریک کاغذ کا گولا لگا ہوا تھا۔ اور ایک طرف کٹا ہوا تمباکو۔ اس کی بٹی ہوئی رسی پر باریک کاغذ لپٹتا جاتا۔ اور خود بخود مناسب مقدار کے سگرٹ کٹ کر نیچے گرپڑتے۔ گو سگرٹ مصر میں بہت بنتے ہیں۔ اور وہاں کے بڑے مشہور ہوتے ہیں۔ لیکن وہاں یہ سب کام لپیٹنے کا میں نے دو تین فیکٹریوں میں ہاتھ سے کیا جاتا دیکھا ہے۔ اسی طرح سگرٹوں کی ڈبیاں خود بخود مشین سے بنجاتیں اور جب سگرٹ ہاتھ سے ان میں ڈالے جاتے تو پھر لیبل ان پر مشین سے چسپاں ہوتے۔

ایک صیغہ میں لیبورٹری میں کام کرنے کے تمام آلات جمع کئے گئے ہیں جیسے کہ بیکر۔ بوتلیں۔ مرتبان۔ سپرٹ لیمپ۔ ریٹارٹ۔ پچکنی۔ فلٹر۔ بھٹی۔ خوشبوئیں۔ دافع بدبو دوائیں۔ وارنش۔ انڈیا ربر۔ گٹاپرچا۔ مختلف قسم کی دھاتیں۔ ریڈ اکسایڈ آف لیڈ۔ کروم ییلو۔ کروم اور سنج اور پتھروں کی بعض قسمیں بڑے سلیقہ سے رکھی گئی تھیں۔ یہاں علم کیمسٹری کی منزل بمنزل ترقی دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اور پورانے اور بیکار آلات کہنے اور کارآمد آلات کے ساتھ پہلو بہ پہلو رکھ کر دکھلایا

گیا تھا۔ تیزاب مختلف قسم کے نمک اور شورا معہ گندھک اور فاسفورس کے مختلف اشکال کے اور کیمیائی حرفتیں۔ موم۔ موم بتی۔ صابن گلیسرین کول تار وغیرہ بھی سجا کر رکھی ہوئی تھیں۔ اور ان کے پاس وہ خام مصالحہ کہ جن سے یہ چیزیں تیار ہوتی ہیں نظر آتے تھے۔ مختلف رنگ سریش جیلاٹین۔ وارنش۔ بوٹ کی سیاہی اور چھاپنے کی سیاہی وغیرہ چیزیں بھی مختلف ممالک نے اسی ضمن میں دکھلائی تھیں۔ یہاں کئی پرانے آلات کمسٹری ایسے بھی تھے جنہیں اپنے وقتوں میں بڑے بڑے استادان کمسٹری نے استعمال کیا تھا۔ مثلاً لیوازیر نے جس آلہ سے پانی میں آکسیجن دریافت کیا تھا وہ بھی موجود تھا۔ اور پاسٹیور نے جس خوردبین کی مدد سے پہلے پہل بکٹیریا (جراثیم) معلوم کئے تھے کہ جنہوں نے دنیا کی تشخیص امراض میں حیرت انگیز تغیر پیدا کیا ہے وہ بھی یہیں رکھی ہوئی تھی۔

چمڑہ کھال اور چمڑے کی حرفت کی بہت سی مشینیں دکھلائی گئی تھیں کہ جنکے ذریعہ سے چمڑے کی دباغت مکمل ہوتی ہے۔ اسی کے متعلق زمانہ قدیم و جدید کی جوتیوں اور بوٹوں کے بھی بہت سے نمونے جمع کئے گئے تھے۔ اسی ضمن میں انگلستان نے رنگ اور وارنش وغیرہ دکھلائے تھے۔ روس نے کاغذ اور کاغذ بنانے کی لکڑی اور جرمنی اٹلی آسٹریا سویڈن وغیرہ نے بھی مختلف اشیا اسی مادہ کے متعلق دکھلائی تھیں۔

قصر آب قصر برق کہ جسکا پہلے ذکر ہوچکا ہے اسکے سامنے قصر آب ایک خوبصورت عمارت تھی۔ ۸۰ فیٹ چوڑی جگہ سے ۳۶ فیٹ کی بلندی کی آبشاروں سے چھ نالیوں سے پانی گرتا تھا۔ اور آبشاروں اور نیچے کے فواروں کی بہار قابل دید ہوتی تھی۔ رات کو قصر برق کے ہزارہا برقی لیمپ ان فواروں پر قوس قزح کے رنگ ڈالتے

تھے۔ اس پانی کے زور سے نمائش گاہ کی کئی مشینیں چلتی تھیں۔ اس عظیم الشان آبی تماشا کا نظارہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔

حصہ شانڈامار کی صنعت و حرفت اور تعلیم کا صیغہ تو یہاں ختم ہوتا ہے۔ اب اس حصہ کی کچھ دل بہلاؤ اور تماشے کے لایق عمارات باقی ہیں جن میں سے ضروری ضروری عمارات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دُنیا میں بلندترین مینار مشہور ایفل ٹاور شانڈامار کے داخلہ پر آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ دنیا میں انسان کے ہاتھ کا بنایا ہوا کوئی مینار اتنا بلند نہیں۔ اس کی (۹۸۵) فیٹ کی بلندی کے مقابلہ میں مصر کا سب سے بڑا مخروطی مینار (۵۲۰) فیٹ بہت پست معلوم ہوتا ہے۔ ایفل ٹاور تمام لوہے کا بنا ہوا ہے کہ جو انسان کے لوہے کے فن میں کمال حاصل کرنے کا ایک عمدہ نمونہ ہے دراصل یہ آہنی مینار ۱۸۸۹ء کی نمائش گاہ پیرس کے لئے کارخانہ ایفل کے دانشمند انجنیر مسٹر روکیر کے دماغ نے تجویز کیا تھا۔ جنوری ۱۸۸۷ء سے لیکر مارچ ۱۸۸۹ء تک اسکی تعمیر ختم ہوئی جس میں (۷۳۰۰۰۰۰) تہتر لاکھ کیلوگرام لوہا صرف ہوا۔ اور اڑھائی کروڑ میخوں کے ذریعہ سے اسے جوڑا گیا تھا۔ جب سے یہ تعمیر ہوا ہے اسے ایک دفعہ دوبارہ رنگا گیا ہے جسپر ساٹھ ہزار پیپنٹ رنگ ایک لاکھ فرانک کا خرچ ہوا ہے۔ نمائش کی راتوں میں سات ہزار برقی لمپوں سے کہ جن میں سے ہر ایک میں دس بتیوں کی روشنی ہوتی تھی اسے روشن کیا جاتا تھا۔ اور اسکی چوٹی پر گیارہ بارہ بجے شب تک برقی روشنی چاروں طرف گھوما کرتی تھی اور کئی کئی میل تک عکس ڈالتی تھی کہ جسکا نظارہ بڑا دلچسپ ہوتا تھا۔ ۹۰۵ فیٹ کی بلندی سے

ایفل ٹاور واقعہ پیرس ۹۸۵ فیٹ۔ واشنگٹن امریکا کی ایک پتھر کی لاٹ ۵۵۵ فیٹ۔ عظیم مخروطی مینار قطر ۵۲۰ فیٹ۔ کولون (جرمنی) کا گرجا ۵۱۵ فیٹ۔ پیٹرسبرگ کا گرجا ۴۶۲ فیٹ۔ گرجا سینٹ پیٹر (واقعہ روم) ۴۲۵ فیٹ۔ سینٹ پال گرجا لنڈن ۴۰۴ فیٹ۔ سالسبری کتھڈرل انگلستان ۴۰۰ فیٹ۔

ایفل ٹاور کی عظمت کیا ذہن نشین ہو سکتی ہے۔ بمقابلہ اس کے کہ کوئی شخص اس عظیم الشان آہنی برج کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ یا اسکی چوٹی تک چڑھ جائیے۔ ہرچند کہ اسکے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں کہ جنکے ذریعہ سے اسکی چوٹی تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ اسکے چاروں پہلوؤں میں اوپر جانے کے لئے لفٹ بھی لگے ہوئے ہیں۔ اسلئے لوگ لفٹوں کے ذریعے چڑھنا ہی پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ لفٹ کے ذریعے چڑھو یا سیڑھیوں کی راہ سے۔ مینار والے کرایہ یکساں لیتے ہیں۔ یہ لفٹ خاصے معمولی کمرے کے برابر ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک میں ایک سو آدمی بآرام بیٹھ سکتا ہے۔ پہلی منزل پر جانیکا کرایہ دو فرانک۔ دوسری تک اور دو فرانک۔ اور تیسرے تک اور دو فرانک اور وہاں سے چوٹی تک اور ایک فرانک۔ مگر ایک ہی دفعہ سب بلندی کے لیئے پانچ فرانک کرایہ مقرر تھا۔ ہزارہا لوگ ہر وقت لفٹوں کے ذریعے سے چڑھتے اُترتے رہتے تھے۔ لفٹ میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا اور دم زدن میں اوپر کی منزل پر جا پہنچے۔ پہلی منزل پر جگہ بڑی کشادہ ہے۔ مینار کی چاروں طرف ایک چھوٹی سی ہر طرف ۶-۷ گز سڑک سمینٹ یا اسفالٹ کی بنی ہوئی ہے۔ کئی قسم کے "پینی ان دی سلاٹ" مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ ان میں آنہ یا دو آنہ کے برابر ایک سکہ ڈالنے سے کوئی نہ کوئی چیز خود بخود باہر نکل پڑتی ہے۔ یا مشین تھوڑا سا باجا سنا دیتی ہے۔ یا اس میں سے کچھ خوشنما نظارے سامنے آجاتے ہیں۔ یہاں ایک کھانا کھانے کا رسٹارنٹ بھی ہے۔ دوسری منزل پر جگہ تنگ ہو جاتی ہے۔ مگر رسٹارنٹ یہاں بھی ہے۔ جو جی میں آئے کھا پی سکتے ہو۔ ان دونوں منزلوں پر کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں اور یادگاریں بیچنے کی دوکانیں بھی ہیں۔ پوسٹ کارڈوں پر ایفل ٹاور کی تصویر چھپی ہوئی یا رومالوں پر ایفل ٹاور چھپا ہوا اور کاڑھا ہوا۔ یا شیشہ کے گلاسوں اور رکابیوں پر یہ ٹاور نقل کیا ہوا

یا اس کی چھوٹی سی پیتل کی نقل لوگ اس پر چڑھنے کی یادگار میں خرید لیتے تھے
ہر چند کہ پہلی اور دوسری منزلوں سے بھی شہر پیرس اور نمایش گاہ کا نظارہ بڑا
عجیب معلوم ہوتا تھا۔ شہر کی سطح کی بلندی اور پستی ٹھیک معلوم ہوتی تھی۔
پیرس کی جانب جنوب پہاڑ بھی اور بلند زمین نظر آتی تھی۔ لیکن تیسری منزل پر
تو نیچے دیکھنے سے طبیعت گھبراتی تھی۔ دریا سے سین پاؤں کے نیچے ایک
چھوٹی سی پانی کی نالی نظر آتی تھی۔ ایسا اچھا برڈز آئی ویو کسی دوسرے شہر کا
تو غبارہ میں بیٹھ کر ہی دیکھا جاسکتا ہوگا۔ پیرس کی اُن عالی شان عمارات مثل
نوٹرڈام۔ لوور۔ سینٹ جرمین ڈاپرے۔ سینٹ سلفیس اور پنتھیئن جیسی
عالی شان عمارات کہ جن کی شہرت عالمگیر ہے گنبد مینار اور کلس نیلگوں
آسمان پر کیسے صاف نقش کئے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہاں جابجا دوربینیں
بھی تماشائیوں کے لئے لگی ہوئی تھیں۔ جب میں تیسری منزل پر گیا تو آندھی
زور سے چل رہی تھی۔ اور مجھے گمان ہوتا تھا کہ اگر یہ ایفل ٹاور کو نہیں گرا سکے گی
تو میں پھوس کی طرح یہاں سے اُڑ کر نیچے جا پڑوں گا۔ اسلئے مجھے چوٹی تک
جانے کی ہمت نہ پڑی اور میں نیچے اتر آیا۔ کوئی اور شخص بھی اسوقت اوپر نہ
جاتا تھا کیونکہ شام کا وقت تھا۔ جس طرح کسی انسان کے چہرہ پر ناک ہوتی ہے
ایسے ہی نمایش گاہ پیرس کے میدان میں ایفل ٹاور تھا

مناظر و مرایا کے شعبدات	ایک مکان بنام اوپٹیکل پولیٹن (Oalazio de optiques)

مناظر و مرایا کے سامان سے پُر تھا۔ یہ عالی شان مکان جو ایفل ٹاور کے متصل تھا
اِسکے دروازہ کے گرد علم قصص الاصنام کے بُت اور منطقۃ البروج کی شکلیں
بنی ہوئی تھیں۔ اسکا گنبد بھی جو زمین سے ۳۲ میٹر بلند تھا ایک طاقتور برقی
روشنی سے مسلح تھا۔ ڈیڑھ فرانک اسکا داخلہ مقرر تھا۔ وہ عظیم الشان

دنیا کی سب سے بڑی دوربین۔	ساٹھ میٹر (۱۹۵ فیٹ) لمبی اور ۲۰ ٹن بھاری دوربین کہ جس سے بڑی دوربین کبھی نہیں بنی۔ اسی مکان میں

رکھی ہوئی تھی۔ اسکے شیشے ایسے طاقتور تھے کہ ان کے ذریعہ سے چاند صرف چند میل دور نظر آتا تھا۔ اسکے ایک طرف ایک نئی مشین لوکالٹ کی بیٹھی سٹاک رکھی ہوئی تھی کہ جسکے ذریعہ سے ہر وقت ایک سیارہ نظر میں رہ سکتا ہے۔ اور یہ اُسے نظر سے غائب نہیں ہونے دیتی ہرچند کہ بڑی دوربین اپنی پوزیشن نہیں بدل سکتی۔ اسکا وزن ۲۰ ٹن ہے۔ اور اسکے شیشے ایک میٹر ۲ سنٹی میٹر قطر کے رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب تماشائیوں کی ایک پارٹی اس مکان میں جمع ہو جاتی تو ایک ہیئت دان پروفیسر فرانسیسی زبان میں اس دُوربین کے مقصد پر لکچر دیتا۔ پھر سب لوگ ایک تھئیٹر کی گیلری میں جاکر بیٹھ جاتے جہاں غالباً لائم لائٹ کے ذریعے سے چاند اور دیگر سیاروں کی وہ صورت سامنے کی دیوار پر منعکس کی جاتی کہ جو اس عظیم دوربین میں سے نظر آسکتی تھی۔ یعنی چاند کے فوٹوگراف بڑے کرکے دیوار پر ڈالے جاتے جس سے صاف طور پر چاند کے مختلف حصوں کی سطح کے فراز و نشیب نظر آتے تھے۔ چاند کی سطح بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ میں نے ٹرپٹو (برلن) کی بڑی دوربین سے دیکھی تھی۔ لیکن یہ ایسی روشن نہ تھی جیسی کہ اصلی چاند کے مشاہدہ سے معلوم ہوتی تھی۔ ظاہرا یہ ٹرپٹو کی دوربین سے تگنی سے بھی لمبی دوربین ہوگی۔ اسکے علاوہ ساٹھ اور قابل دید نظارے اور چیزیں اس عمارت میں تھیں۔ ایک نیچے کے کمرے میں تین بہت بڑے محدب شیشے دکھائے گئے جن میں سے ایک کا قطر اڑھائی گز سے کم نہ ہوگا۔ وہ کا وزن پانچ پانچ ٹن (۷۰ من) سے زیادہ بتلایا گیا تھا جس سے ان کی جسامت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اسی کمرہ میں امریکہ کے ایک ہر دلعزیز ایکٹرس (تماشا گاہ میں ناچنے والی عورت) کا خالص سونے کا ٹھوس بُت کھڑا تھا۔

خالص سونے کا ٹھوس قد آدم کا بُت

ایک ایکٹرس کا خالص سونے کا ٹھوس قد آدم بُت اسکی تعریف کرنے والوں نے امریکہ کی ایک سونے کی کان والے شہر سے بھیجا

تھا۔ آج کل کی تہذیب کے بھی عجیب وغریب کرشمے ہیں۔ ایک جگہ سمندر کی تہ کے جانور اور سمندر کے جنگل اور پہاڑ شیشوں کے پیچھے دکھلائے گئے تھے ایک جگہ زمانہ قدیم کے جانور عظیم الجثہ مثل سلامثہ۔ ڈوڈو نامی اور مچھلیوں کے دکھلائے گئے تھے جواب دنیا سے معدوم ہو چکے ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ مفقودوں کی شکلیں کاٹ کر اُن کے پیچھے مدہم روشنی رکھدی ہے۔ اور شیشوں کی اوٹ سے یہ کیسے مہیب معلوم ہوتے تھے۔ ایک جگہ شیشہ کی دیواروں سے بھول بھلیاں بنادی گئی تھی۔ جسکے اندر داخل ہونے سے ہر طرف اپنی شکل نظر آتی تھی۔ اور بار بار شیشوں سے ماتھے ٹکراتے تھے اور لیڈیاں اور جنٹلمین ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے۔ بعض برقی اور شیشہ کے شعبدات ایسے تھے کہ دیکھنے والوں کو کبھی فراموش نہ ہونگے۔ ایک کمرے میں تماشائیوں کی جماعت کو داخل کر کے وہاں تاریکی کردی گئی۔ ایک لکڑی ایک میخ سے میز پر جڑی ہوئی تھی۔ برقی طاقت سے یہ میخ کے گرد ایسے زور سے گھومتی اور چمکتی تھی کہ رعد کی گرج معلوم ہوتی تھی۔ ایک کمرہ میں ہیضہ اور طاعون کے کیڑے ایک میگنی فائینگ (بڑا دکھلانے والے) شیشہ کے پیچھے دیوار پر منعکس کر کے دکھلائے گئے۔ ایک جگہ قد آدم اور مقعر شیشے ایسے رکھے تھے کہ اُن کے سامنے جانے سے دیکھنے والوں کی صورتیں کیسی کیسی مسخ ہو جاتی تھیں۔ کہیں بہہ دیوزاد لمبے اور کہیں بالشتیوں کی طرح پست قامت ہو جاتے تھے۔ ایک میم بہت موٹی اور پست قد تھی۔ اور پست قامت بنانے والے شیشے کے سامنے جاکر جو اُسکی گت بنی تھی وہ اس پر خود ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ ایک اَور کمرے میں پہلے تاریکی کر کے ایک سیاہ کپڑے پر برقی فوٹو گراف کا عمل اس طرح دکھلایا گیا کہ جو لفظ حاضرین میں سے کوئی بولتا وہ ایک عورت ایک شیشے پر لکھ دیتی اور وہ خط شعاع میں کمرہ کی دیوار پر جو سیاہ کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی روشن ہو جاتا۔ ایک

اور کمرہ میں دو شیشہ کی پون پون گز کی لمبی اور معمولی لاٹھی کے برابر موٹی نالیوں کو صرف برقی باٹری سے چھو دینے سے ایسا روشن کیا گیا کہ ان میں سرخ آگ کی لپٹیں نکلتیں۔ مگر ہاتھ لگانے سے نالیاں سرد معلوم ہوتیں۔ ایک کمرہ میں چند شیشہ کی صراحیوں میں ایک ایسا مرکب دیکھا جو ہلانے سے بالکل روشن ہو جاتا تھا۔ اور کسی کمرہ میں مدھم سی روشنی کر لینے کے لئے اس صراحی کا رکھ دینا کافی تھا۔ اسی اصول پر بنے ہوئے چند چھوٹے چھوٹے شیشہ کے لیمپ دیکھے جو صرف شیشہ کی نلکیاں تھیں اور ان میں یہ مرکب پڑا ہوا تھا۔ روغن زیتون میں اگر فاسفرس کو حل کر لیں اور اسے شیشی میں ڈال کر تاریک کمرہ میں رکھیں تو وہاں ایسی ہی روشنی ہو سکتی ہے۔ اور غالباً ان شیشوں میں بھی مرکب فاسفورس تھا۔ ایک اور کمرہ میں ایک شخص باجا بجاتا تھا تو ساتھ ہی کمرہ کے چاروں طرف بعض برقی لمپ خود بخود جلنے اور بعض بجھنے جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چابی کا کسی نہ کسی برقی لیمپ سے تعلق تھا۔ غرض علم مناظر و مرایا کے بہت سے عجیب و غریب شعبدات یہاں دکھلائے جاتے تھے۔

سر نیچے ٹانگیں اوپر

اور ایک مکان کا نام "مانو آرڈا آنور" یعنے "الٹ پلٹ کا مکان" تھا۔ جسکا داخلہ ایک فرانک تھا۔ اسکے اندر داخل ہو کر ہر چیز الٹی نظر آتی تھی۔ میں خود بمجرد اندر پہنچنے کے اپنی ٹانگیں چھت سے لگی ہوئی اور سر فرش پر دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اندر جتنی لیڈیاں اور جنٹلمین تھے سب کی یہی گت نظر آتی تھی۔ میزیں چھت سے لٹکی ہوئی تھیں اور جھاڑ فانوس زمین سے لگے ہوئے تھے۔ اس کے اندر سر کٹے کے اور اور کئی قسم کے تماشے تھے۔ اور کھانے پینے کا سامان بھی بکتا تھا۔ کھانے پینے سے ان لوگوں کی کوئی جگہ خالی نہیں ہو سکتی۔ ایک فوارہ ایسی طرح چلتا ہوا نظر آیا جسکا پانی چھت سے نیچے آکر پھر چھت پر جا گرتا۔ یہ سب

کام تھا بڑی کاریگری سے کیا ہوا - مگر تمام دیواریں اور چھت شیشے کے بنے ہوئے تھے جسکا یہ نتیجہ ہوگا - تیسری منزل پر ایک شیشہ کا محل ایسا بنا ہوا تھا کہ جو اس میں داخل ہو فوراً اسکے سینکڑوں سر اور سینکڑوں ٹانگیں اور بازو نظر آنے لگیں -

سفر گرد زمین

ٹور راؤنڈ دی ورلڈ (سفر گرد زمین) ایک اور دلچسپ تماشا تھا - اس عمارت کی بیرونی شکل چینی جاپانی کمبودیا اور ہندوؤں کی طرز تعمیر سے مرکب تھی - باہر سے ایک بلند چینی مینار معلوم ہوتا تھا - اور اندر داخل ہوتے ہی بودھ کے کئی بتوں سے آراستہ نظر آتا تھا پینورا ما دروازہ ٹوکیو کے ایک مندر کے دروازے کی نقل تھی - اسی کے قریب ایک چینی مینار راج نیکو کے مینار کی نقل بنایا گیا تھا - ڈیڑھ فرانک داخلہ نصف فرانک کا پینورا ما کا گایڈ اور ۰ اسٹیم چھاتا رکھنے کو دئے - اندر داخل ہوکر دیکھا تو پینورا ما کو واقعی دلچسپ پایا - اس سے بڑھ کر مصوری کا کمال کیا ہو سکتا ہے - ویانا میں قیصر فرانس جوزف کے حالات زندگی کا جو پینورا ما دیکھا تھا اسکے سامنے وہ ہیچ ہے - اس میں یونان شام پورٹ سعید - سیلون - سیام - چین - جاپان اور ہسپانیہ کے سین دکھلائے گئے تھے - اور ہر ملک کے نظارہ میں جیسی کہ توقع کی جاسکتی تھی وہاں کی عمارات وہاں کے درخت بلکہ وہاں کے آسمان کی مختلف شکلیں بلکہ مختلف موسم تصویر کی خوبی اور مضافات کا اثر پیدا کر کے دکھا دیئے گئے تھے - لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ ہر ملک کے سین میں وہیں کی عورتیں اور مرد لاکر سامنے بٹھلائے گئے تھے - دو جاپانی عورتیں بید و کے گلابی رنگ کے آسمان کے نیچے پر شگوفہ سیب کے پودوں کے پاس بیٹھی ہوئی اپنا قومی شربت ساکی پینے میں مصروف تھیں - چین کے شہر شانگھی کے خوشنما فصیل دار باغات اور چینی میناروں کے قریب چینی مرد

اور عورتیں کسی قومی کھیل میں مصروف تھیں۔ عورتوں کے پاؤں بھدے سے
گیندوں کی طرح گول اور مردوں کے ناخن درندہ جانوروں کے ناخنوں کی
طرح بڑھے ہوئے تھے۔ نہر سویز کے ریگستانی نظارہ کے قریب پورٹ
سعید کا مصری گلگو مٹی کے برتن بنا رہا تھا۔ اور اُسکی بیوی انھیں ٹکیہ سے بہال
رہی تھی۔ شام کے یہودی زیور بنانے میں مصروف تھے۔ قسطنطنیہ میں
آبنائے باسفورس کا خوبصورت نظارہ دکھایا تھا جسکے دونوں طرف
کے مساجد کے مینار نیلگون آسمان کے مقابل نہایت دلکش معلوم ہوتے
تھے اور ایک طرف ترکوں کا بڑا قبرستان دکھلایا تھا جسکے بید مجنوں کے
درخت اور قبروں کے مرمر کے کتبے برابر شناخت ہوسکتے تھے یہ اصلی
اور جاندار نظاروں کو تصویر کے پردہ سے ایسی عمدگی سے ملحق کیا گیا تھا کہ
تماشائیوں کے لئے باوجود جستجو کے یہ دریافت کرسکنا مشکل تھا کہ کہاں سے
تصویر شروع ہوتی ہے اور کہاں مادی حصہ ختم ہوتا ہے۔ نمائش کے زندہ
نمونوں میں دو ہسپانی عورتیں اور دو مرد بھی دکھلائے گئے تھے جو ویسے
ہی سرخ و سپید تھے جیسے فرانسیسی ہوتے ہیں۔ اور اُن کی سرحد بھی
فرانسیسوں سے ملتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ سیر و سیاحت کے بہت کم
شایق ہیں ان کے نمونے بھی یوروپ میں کم لوگوں نے دیکھے ہونگے۔ یہی
ان کی خانہ نشینی اب اس قوم کی نکبت کا موجب ثابت ہورہی ہے سیلون

ہندوستانی بھان متی

کے نظارہ میں دو بمبئی کے مسلمان بھان متی مع
ایک چھوٹی سی لڑکی کے بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے سیلون والوں
کی سی پگڑیاں باندھ رکھی تھیں۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ چار ماہ میں جیسے
یہ یہاں بیٹھے ہیں تم پہلے ہندوستانی یہاں آئے ہو جس سے اپنی بولی میں
بات کر کے خوش ہوئے ہیں۔ ورنہ ایک طرف چینی اور دوسری طرف مصری
ہمسایہ ہیں جن کی ایک بات سمجھ میں نہیں آتی اور جو لوگ ہمیں دیکھنے آتے

ہیں۔ اُن کی بھی ایک بات نہیں سمجھی جاتی۔ کہتے تھے کہ ہم نے لنڈن میں بھی تماشا کیا ہے اور آگرہ کے منشی عبدالکریم صاحب کی معرفت ملکہ معظمہ وکٹوریا کی حضور میں بھی تماشا دکھلایا ہے۔ چلتے ہوئے اُنہوں نے مجھ سے سوال کیا اور میں نے ایک فرانک دیا۔ میں نے دل میں کہا کہ اچھا ہے کہ اہل یوروپ ان کی بات نہیں سمجھتے۔ نہیں تو یہ کمبخت ہر وقت اُن سے بھیک مانگتے رہیں۔

سیام کی عمارت سیام کی قومی عمارت اس مُلک کے مندر کی شان میں بہت خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ سامنے پتھر کے سیامی شیر کھڑے تھے۔ اور عمارت کی چوٹی پر ایک گھنٹہ گھر تھا۔ اِسکے اندر دیسی لکڑیوں خصوصاً ٹیک کی لکڑی کی نمائش تھی جو دو لاکھ پونڈ سالانہ کی سیام سے باہر جاتی ہے۔ اور گیلریوں میں دیسی صنعت وحرفت کی چیزیں تھیں مختلف قسم کے غلے اور میوجات اور اسباب فرنیچر اور کٹلری (چھری چاقو وغیرہ) سامان زردوزی۔ جواہرات تراشیدہ وناتراشیدہ اور چینی کے برتن تھے سیامیوں کے قومی چہرے عجب شکلوں کے تھے۔ ساتھ کے سیامی رسٹارنٹ میں اس مُلک کا اکل وشرب مِل سکتا تھا۔

سوئٹزرلینڈ کا گاؤں ایفل ٹاور کے قریب ہی سوئٹزرلینڈ کی قومی طرز کی چھوٹی سی عمارت تھی جو ایک خوبصورت دیہاتی جھونپڑی کی نقل تھی لیکن سوئٹزرلینڈ کے ایک گاؤں کا پورا نمونہ ایک دوسری جگہ آباد کیا گیا تھا۔ جسکا داخلہ ایک فرانک تھا۔ اس گاؤں میں جو پیرس کے ایونیو ڈوسفرن کے ۱۲ ہزار میٹر زمین پر پھیلا ہوا تھا سوئٹزرلینڈ کے خوبصورت بلند پہاڑوں اور ایک ۴۳ میٹر بلند آبشار کی نقل بنا کر دکھلائی گئی تھی۔ یہ گاؤں قرون وسطی کے ایک سوس موضع کی نقل تھی اور اس میں ایسا نظارہ بہم پہنچایا گیا تھا کہ جسکے دیکھنے کے لئے ہر سال لاکھوں یوروپین سیاح سوئٹزرلینڈ میں

جاتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کا مشہور شہر ایک ڈبری میں بنا کر دکھلایا جاتا تھا۔ ایک چھوٹی سی جھیل میں اس مُلک کی ایک مشہور سرائے کی شیشہ دار دیواروں کا عکس پڑتا تھا کہ جس میں اس مُلک کی شرابیں چکھ کر لوگ خوش ہوتے تھے۔ ساقینیں اور دودھ دوہنے اور مکھن نکالنے والی عورتیں ہمیشہ سفید براق۔ گاؤنوں اور مخمل یا ساٹن کی کرتیوں میں ملبس رہتیں۔ بورگ سینٹ پیٹر کی مشہور سرائے میں تماشائی اُسی قسم کی میز پر کھانا کھاتے کہ جس پر نپولین اعظم نے کوہ سینٹ

کوہستان الپس کی نقل

برناڈ کی چوٹی سے گذرتے ہوئے کھایا تھا۔ برابر تین سال تک تین سو مزدور اس وسیع نقلی سلسلہ کوہستان الپس کی ڈھانچ کو بناتے رہے کہ جس پر دس لاکھ فرانک سے زیادہ خرچ ہو گیا تھا۔ اور اس پر کوہ الپس کا گھاس پودے۔ صنوبر کے درخت اُسی مُلک کی مٹی میں بوئے گئے تھے۔ اور جہاں کہیں چٹان ٹوٹا ہوا اور برہنہ نظر آتا تھا وہ بالکل کوہ الپس کی چوٹیوں کے پتھر کا نمونہ تھا۔ اس سے اس خرچ اور کوشش کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جو یورپ اور امریکہ والے اور خصوصاً اہل پیرس نمایشگاہ کو دلکش اور کامیاب بنانے کے لئے کرتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کے اس موضع پر کل تیس لاکھ فرانک خرچ ہوئے تھے۔ پہاڑ کی بلندی پر کہ جہاں سے آبشار سیدھی نیچے کو گرتی تھی کوہستان سوئٹزرلینڈ کی دائمی برفانی چوٹیوں کا نظارہ دکھلایا گیا تھا۔ کہ جنہیں دیکھ کر ذرہ بھی شک نہیں رہ جاتا تھا کہ نقل بالکل قدرت کا نمونہ تھی۔ ایک مکان میں سوئٹزرلینڈ کے موجد ایم ڈسوڈ کا ایجاد کیا ہوا ٹیلیفون رکھا ہوا تھا جو علاوہ بولنے کے وہی پیغام لکھ بھی دیتا تھا۔

کوہ الپس کی سیر

چونکہ یورپ کے سیاحوں کو کوہ الپس کی چوٹیوں پر چڑھنے اور وہاں کے خوشنما نظارے دیکھنے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ اسلئے ایک "الپائن کلب" بھی ایفل ٹاور کے نواح میں تعمیر کیا گیا تھا کہ جسکی عمارتیں فرانسیسی حصہ الپس کی چوٹیوں کی عمارتوں کا نمونہ تھیں۔ اور زرد لکڑی سے بنی ہوئی تھیں۔

اس کی نچلی منزل میں کوہ الپس کی چوٹیوں پر چڑھنے کے سامان کے نمونے مثل رسیوں، سیڑھیوں اور نوکدار لاٹھیوں کے موجود تھے۔ برفباری کی صورتوں میں جن مکانات میں مسافر پناہ لیتے ہیں اُن کے ماڈل۔ اور کوہ الپس کی بوٹیوں اور پتھروں کے نمونے بھی جمع کئے گئے تھے۔ اور اُس نواح کے باشندوں کی خوبصورت پوشاکیں بھی دکھلائی گئی تھیں۔ دوسری چھت پر کوہ الپس کے خوبصورت اور خوفناک منظروں کے مرقعے اور فوٹوگراف تھے۔ اور وہاں کی نہایت دشوار گذار چوٹیوں راستوں اور خندقوں اور وادیوں کے آٹھ ڈایوراما تھے اور ایک پینورامہ تھے۔ ان میں سے ایک ڈایوراما ڈار جیلنگ کے گراٹو کا تھا کہ جس سے کہری نظیر دنیا میں دوسری نہیں۔

خالص شیشہ کا مکان | پونس کے پیلیس آف لائٹ کا نام قصر الزجاج رکھنا مناسب ہوگا۔ کیونکہ یہ مکان ازسرتاپا کانچ اور شیشہ کا بنا ہوا تھا۔ اس میں سوائے مختلف قسم کے شیشہ کے کوئی دوسری چیز استعمال ہوئی ہوئی مجھے تو نظر نہیں آتی تھی۔ اور اسی لئے اسکے کسی ٹکڑے یا کونے میں ذرہ بھی تاریکی داخل نہیں ہوسکتی تھی۔ نیچے کی منزل میں شیشہ بنانے کی ایک بھٹی تھی کہ جس میں شیشے کے مختلف آلات اور ظروف تماشائیوں کے سامنے صبح سے شام تک لوگ بناتے رہتے تھے۔ اور لوگ چھوٹی چھوٹی چیزیں مومنٹو (یادگار) کے طور پر خریدتے رہتے تھے۔ اسکے قبہ نما چھت سے شیشہ کی نوکدار شاخیں نکلی ہوئی تھیں جو قدرتی حالت میں بلور کی معدنوں میں پیدا ہوجاتی ہیں۔ باہر کی طرف فراخ سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں۔ جو مع اپنے شبکہ دار دیوار کے بالکل میلے شیشہ کی بنی ہوئی تھیں۔ دوسری منزل میں ایک بڑا کمرہ اور ایک برآمدہ تھا۔ ان کے فرش چھت اور دیواروں میں بیسویں صدی کے انتہائی زمانے کی شیشہ گری کے کمال دکھلائے گئے تھے۔ فرش پر شیشہ کے رنگوں میں سمرنا کے قالین اور سنہری ستاروں کی نقل اُتاری گئی تھی۔ دیواروں میں

بڑے سورج مکھی کے پھولوں وغیرہ کی ڈیزائنیں کٹ گلاس میں بنائی گئی تھیں۔ ہر قسم کے شیشہ کا نمونہ اس تعمیر میں صرف کر دیا گیا تھا جس سے اس میں جا بجا ہیروں لعلوں اور نیلموں کی جھلک پڑتی تھی۔ اس مکان کی سجاوٹ بھی شیشہ آلات سے کی گئی تھی اور اس میں جو ایک دو دکانیں تھیں وہ بھی صرف جواہرات کی اقسام بیچتی تھیں۔ اور اس میں بیٹھنے کے دو تین کوچ بھی خالص شیشہ کے بنے ہوئے رکھے تھے۔ اسکا داخلہ ایک فرانک تھا رات کو اس عمارت میں صدہا برقی چراغ روشن ہو جاتے اور تمام عمارت دور سے ایک نور کا حباب نظر آتی۔ اس کی چوٹی پر ایک شیشہ کا بُت یونانی مائیتھالوجی کے مطابق آفتاب کی بیٹی الکٹروشن کا لگایا گیا تھا۔ اس خوبصورت مکان کا بانی ایم بونس افسوس ہے کہ اس کی تکمیل تک پہنچنے سے پہلے مر چکا تھا۔

لباسوں کا عجائب خانہ | پیلیس آف کاسٹیوم یعنی لباس کا محل بھی نمائش پیرس کی اُن تعلیم اور دلچسپی کی متعدد نمائشوں میں سے تھا کہ جس پر پانی کی طرح بے دریغ روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔ اور لباس کے پہلو میں جو چیز کسی خرچ اور کوشش سے دستیاب ہو سکتی تھی یہاں فراہم کی گئی تھی۔ خصوصاً فرانس اور عموماً یورپ کی تاریخ سے بڑے واقعات اور شاہی درباروں اور نامور تاریخی لوگوں کی تصاویر بہم پہنچا کر اُن سے بڑی احتیاط کے ساتھ اُس عہد کے نئے لباس تیار کرائے گئے تھے۔ اور موم کے بتوں کو ان میں ملبس کر کے کھڑا کیا گیا تھا۔ انکے دیکھنے سے حیرت ہوتی تھی کہ لباس کس قدر تغیر پذیر چیز ہے۔ اور ایک زمانہ میں امرا اور سلاطین جس لباس کو شاندار اور شریفانہ سمجھتے ہیں دوسرے زمانہ میں اُسے بے رحمی سے متروک کر دیا جاتا ہے۔ داخل ہوتے ہی مصری سپاہی وغیرہ تھے۔ اور سامنے طرف اہل روما کی زندگی کے نظارے دکھلائے گئے تھے۔ دربار سلاطین بازنطین بھی بنایا گیا تھا۔ قرون وسطی کے یورپ کے سرداروں کے لباس اور اُن کے بھالے اور نیزے بھی ایک جگہ آراستہ کئے گئے تھے معلوم

ہوا کہ ایک زمانہ میں یوروپ کی امیر عورتیں صبح کو بہت عمدہ لباس پہنکر اپنے بستر ہی پر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ اور وہیں زن و مرد ملاقاتی انسے آکر ملتے تھے۔ بجالیکہ آج کل کسی کے بستر کا کمرہ دیکھنا بھی معیوب بات سمجھی جاتی ہے۔ لیکن آسٹریا کی مشہور ملکہ اپنی چونکہ بڑی سست تھی اور وہ بستر پر بیٹھ کر اپنے امرا و وزرا کے ساتھ امور سلطنت کے احکام نافذ کیا کرتی تھی اسلئے یہ رسم پھیل گئی تھی۔ نپولین اعظم کی بیوی تاجپوشی لبادہ پہن رہی تھی۔ اور مختلف زمانوں کے لباس جابجا اکھٹے کر دیئے گئے تھے۔

قصر نسوان پیلیس آف ویمن ہڈ" یعنی قصر نسوان کی غرض یہ تھی کہ عالم نسوان کی ہر زمانہ کی تاریخ اور سلسلہ وار ترقی کو نہ صرف فرقہ اناث کی دستکاری میں بلکہ اس کی ذہنی ترقی اور خانگی فرایض کی کامیابی اور اس کی زندگی اور لیاقت کے ہر پہلو میں دکھلایا جاوے۔ اس مکان کی سطح کی گیلری پر فرانس اور بعض دیگر ممالک یوروپ کی عورتوں کے پیشے اور خاص خاص پوشاکیں جو وہ پہنتی ہیں دکھلائی گئی تھیں۔ اور اسکے پہلو کے چاروں کونوں میں وہ نئے پیشے جو جدید سائنس نے زمانہ حال میں عورتوں کے لئے پیدا کئے ہیں مثل ٹیلیفون اور ٹائپ رائٹر وغیرہ کے دکھلائے گئے تھے۔ بیچ میں یوروپ کی اُن نامور عورتوں کے قد آدم بُت اُن کے خاص لباسوں میں کھڑے کئے گئے تھے۔ کہ جنہوں نے اپنے عصر میں بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ان میں جان آف آرک۔ روس کی ملکہ کیتھرائن۔ انگلستان کی ملکہ الیزبیتھ اریبلا آف کیسٹل میریا تھرلیسیا آف آسٹریا۔ امریکہ کی مسز بیچر سٹو جس نے انکل ٹام کیبن ایسا مشہور ناول لکھا تھا۔ اور اور کئی عورتیں تھیں۔ دوسری منزل پر عورتوں کی دستکاریوں کے نمونے اور عورتوں کے لئے مخصوص کانفرنس ہال اور تھیئٹر۔ اور عورتوں کے لکھنے پڑھنے کی اپارٹمنٹ اور سنگار کے کمرے۔

روس کی شرابیں روس الکوہال شرابوں کا مکان کہ جس میں پولینڈ اور ریگا

کی شرابیں مقطر کرنے کا سامان رکھا گیا تھا۔ اور شراب بنانے کا طریقہ دکھلایا جاتا تھا اگرچہ کی صورت کا لمبا چوڑا مکان تھا۔ آسٹریا کے پہاڑی صوبہ ٹائیرول کی پیداواروں اور منظروں کی تصویروں وغیرہ کے لئے ایک الگ خوبصورت مکان تھا۔ اور سینٹ مارین کی چھوٹی سی جمہوری ریاست کی نمائش کا خوشنما مکان اسی نواح میں علیحدہ تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے مگر پرتکلف مکانوں کی نفاست اور سجانے کا سلیقہ اور ان میں جو چیزیں دکھلائی گئی تھیں ان کا اہتمام دیکھ کر مجھے خیال ہوتا تھا کہ ان کی یہی مثال ہے کہ اگر کلکتہ یا دہلی میں نمائش ہو تو نہ ہندوستان کے ہر صوبہ کی نمائش علیحدہ ہو بلکہ تمام چھوٹی بڑی دیسی ریاستیں اپنے یہاں کے اسباب کی علیحدہ علیحدہ یا دو دو چار چار ملکر نمائش کریں۔ مگر یہہ ابھی بہت دور کی بات ہے۔

یوروپ اور افریقہ کی سیر کا دھوکہ

بیلون سینوراما ایک اور نہایت عجیب کشش اس نمائش گاہ میں تھی۔ ایک دلکش پینوراما کے اندر ایک بہت بڑے غبارے کی گاڑی پر لوگوں کو سوار کیا جاتا تھا۔ اور غبارہ ایسی طرح فضا میں چلتا ہوا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سینکڑوں میل کی مسافت طے کر رہا ہے ابھی ناپیداکنار پرتلاطم سمندر پر گذر رہا ہے۔ اور تھوڑی دیر میں یوروپ میں نائیس کا کارنیوال (میلا) نظر میں پھر جاتا ہے۔ اس سے آگے دو فوجوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ توپیں چل رہی ہیں۔ بندوقیں چلتی ہیں۔ اور متخاصمین ایک دوسرے پر حملے کر رہے ہیں۔ ذرہ آگے ہسپانیہ کے پرانے قصبات کی منڈیوں کی رونق نظر آتی ہے۔ اور اہل ہسپانیہ کا مرغوب کھیل بیلوں (یا سانڈوں) کی لڑائی ہو رہی ہے۔ تھوڑا اور آگے بڑھ کر افریقہ کے لق و دق ریگستان میں قافلوں کی قطاریں آ رہی ہیں۔ اور ایک عرب سواروں کا دستہ کسی رقیب قبیلہ کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے سرپٹ گھوڑے دوڑائے جاتا ہے اور پھر لوٹ کر غبارہ ایک یوروپ کے پررونق شہر پر آکر ٹھیر جاتا ہے۔ گویا

کہ ہزاروں میل کی سیر و سیاحت میں جو نظارے انسان کو یاد رکھنے کے قابل نظر آتے ہیں وہ یہاں چند منٹ میں آنکھوں کے سامنے پھر جاتے تھے۔ اور اس صفائی اور خوبی سے کہ اس امر کا باور کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا کہ یہ مصنوعی نظارے ہیں۔ اور گو ظاہرا یہ کھیل تماشا ہی تھا تاہم اس تکمیل میں سائنس کی بہت سی آخری ترقیوں سے مدد لی گئی تھی۔ یعنی خاص قسم کے سینو میٹوگراف کی بہت سی تصویروں کو ملا کر ایک خاص طرز کے پہیے کے گرد کہ جسکے یکساں دورانے اُس کی حرکت میں ذرہ بھی وقفہ نہیں ہونے دیتے تھے ۲۵ ہزار سے ۴۰ ہزار تصویریں ایک منٹ میں نظر کے سامنے سے گذر جاتی تھیں۔ واضح رہے کہ سینو میٹوگراف کے تماشہ میں زندہ اور متحرک تصویریں چلتی پھرتی اور کام کرتی نظر آتی ہیں۔ اور فوٹو گرافی کی ایک خاص تدبیر سے کسی متحرک چیز کے سینکڑوں فوٹوگراف کہ جن میں سے ایک دوسرے میں بمشکل فرق نظر آتا ہے ایک منٹ میں سینکڑوں لئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک دوڑتے ہوئے گھوڑے کے ایک قدم اٹھا کر دوسری جگہ رکھنے کے درمیان اگر اسکے دس پندرہ فوٹوگراف مختلف حالتوں کے لے لئے جائیں تو ان میں آپس میں بہت کم فرق معلوم ہوگا۔ پھر انہیں تصویروں کو قریب قریب جوڑ کر اگر جلدی سے نظر کے سامنے سے گذرا جاوے تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے نے بعینہ ایک قدم اٹھا کر دوسری جگہ رکھدیا ہے۔ یہ سینو میٹوگراف کے تماشہ کی تفصیل ہے۔ لیکن بعض اور سائنٹفک تدابیر کی مدد سے اس سینیوراما کو اشیا کا قدرتی رنگ بھی ایسی اچھی طرح حاصل ہوگیا کہ اسکے منظروں کے قدرتی ہونے میں شک باقی نہ رہ جاتا تھا۔ اور اس طرح یہ سینو میٹوگراف اور سینیوراما کا مجموعہ ایک ہزار میٹر (فی میٹر ۳۹،۳۷ - انگریزی انچ) لمبا نظارہ دکھلا کر ساری دنیا کو حیران کر رہا تھا۔ دو فرانک داخلہ تھا۔

بحری سفر کا نمونہ | سیپوراما سے مراد بحری نظارہ ہے۔ اسی نواح میں ایک فرانک لیکر اس پینورا ما کے اندر مارسیلز سے قسطنطنیہ تک بحری سفر کا نظارہ دکھلاتے تھے۔ راستہ میں الجیرز نیپلز اور وینس کے خوبصورت منظر نظر آتے تھے تماشائی اپنے آپ کو ایک سچ مچ کے جہاز کے صحن میں بیٹھا ہوا پاتے۔ اور یہ جہاز کسی ذریعہ سے اسی طرح ہچکولے بھی کھاتا تھا جیسے کہ طوفانی سمندر میں سچ مچ کا جہاز ڈگمگاتا ہے۔ جہاز کے نلوں سے دھواں نکلتا تھا۔ خانی ہوسل دسیٹیاں بجتی تھیں ، پال پھیلے ہوئے تھے۔ اور سمندر اور کنارہ کے متنوع نظارے آنکھوں کے سامنے سے گذرتے جاتے تھے۔ دور سے بجلی کڑکتی اور چمکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ آندھی کا سماں بھی پیدا ہوتا تھا اور سمندر میں طلوع و غروب آفتاب کے خوشنما نظارے بھی دکھلائے جاتے تھے۔ ایک دوسری جگہ ایک ٹرینس اطلانٹک پینوراما دکھلایا جاتا تھا۔ جس میں بحیرہ روم کی بارہ خوبصورت منظر ساحل افریقہ کے بحری سفر کے دوران میں نظر آتے تھے۔ الجیرز میں فرانسیسی شہر۔ ٹیونس کا نظارہ ایک عربی حمام اور بیابان میں چلتا ہوا کاروان وغیرہ ایک فرانک لیکر دکھلاتے تھے۔ ایک جگہ" وینس و پیرس" کا پینوراما بھی بنایا گیا تھا مگر وینس در ویانا کا جو ویانا کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے وہ اس سے بہت اعلیٰ تھا۔

علم ہیئت کا خلاصہ | آسمانی کرہ۔ یہ سرخ رنگ کا عظیم الشان کرہ جسکے اوپر دور سے منطقۃ البروج کی شکلیں بنی ہوئی نظر آتی تھیں اس غرض سے بنایا گیا تھا۔ کہ اسکے اندر علم ہیئت کے اکثر بڑے بڑے مسئلے عام لوگوں کو سمجھائے جائیں نظام شمسی بنا کر دکھلایا جاوے۔ اور لوگ اپنی آنکھ سے دیکھ کر سمجھ لیں کہ آفتاب کے گرد کون کون سے سیارے کس طرح حرکت کرتے ہیں۔ اور زمین پر رات دن کیوں ہوتے ہیں اور موسم کیوں بدلتے رہتے ہیں۔ تمام ستاروں کے اجرام میں ان کے حجم کی باہمی نسبت قایم رکھی تھی۔ اور

اس طرح کرہ ارض آٹھ میٹر قطر کا بنایا گیا تھا۔ خود یہ بڑا کرہ یا ہیئت کی نمایش کا مکان ۸۰ میٹر قطر کا تھا۔ مگر افسوس کہ کسی وجہ سے ان دنوں بند تھا کہ جب ہیں نمایش میں تھا۔

وسطی امریکہ کی جمہوری ریاستیں

جمہوریہ اکیواڈور اور وسطی امریکہ کی دیگر جمہوری ریاستوں نکاراگوا گوئٹی مالا۔ کوسٹاریکا۔ ہانڈورس اور سالویڈور کی پیداوار اور وطنی حرفتوں کی نمایش کے لئے یہ دو منزلہ عمارت تعمیر کی گئی تھی۔ ان سب ریاستوں کی پیداوار اور حرفت قریبًا یکساں تھی۔ مثلاً خام قہوہ۔ کوکوا۔ گٹاپرچہ تمباکو اور زیادہ تر جنوبی افریقہ کے وسیع جنگلات کی لکڑیوں کے نمونے تھے۔ اور دستکاریوں میں شکر سفید قالین۔ روئی۔ کپڑا۔ اون۔ زردوزی اور لیس کے نمونے اور کھجور کے ریشوں کے جہازی بستر (Hammock) تھے۔

مراکش کی عمارت

مراکش کا مکان بھی نواح ایفل ٹاور کے دلکش نظاروں میں بڑا عجیب تھا۔ چونکہ مراکو ایک آزاد سلطنت ہے اسلئے دریا کے اس طرف اسکا مکان بنایا گیا تھا۔ ورنہ الجیریا۔ ٹیونس اور مصر وغیرہ اسلامی ممالک کے مکانات دریائے سین کے مقابل کی طرف سے کہ جنہیں نمایش کے چھٹے حصے کے ذیل میں بیان کرونگا۔ یہ مکان فیض کے عمدہ مکانات کا نمونہ بنایا گیا تھا۔ اور اس میں تمام شان عربی تعمیر کی موجود تھی۔ پیشانی پر مغربی خط میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور "سلطان عبد العزیز سلطان المغرب" وغیرہ چینی کے حروف میں لکھا ہوا تھا۔ اور ایک نہایت خوبصورت اذان کا مینار بھی ایک کونہ پر روغنی تعمیر میں بنایا گیا تھا۔ مکان کے اندر داخل ہو کر صحن میں ایک فوارہ جاری تھا۔ پہلوؤں میں ستون اور برآمدے تھے جنہیں مراکو نمونہ پر موزائیک کا کام کیا گیا تھا۔ مکان کے اندر مراکو کی صنعت کے طور پر اچھے اچھے رباط کے قالین اور کئی رنگوں کے چمڑے کے کام کے نمونے تھے کہ جن کاموں میں اب تک مراکو مشہور ہے۔ عنابی اور چمڑے کے بہت بڑی بڑے پنجہ والے جوتے اور سلیپر تھے

بعض پر طلا کا کام تھا۔ کھجور کے پنکھے اور کھجور کے تھیلے۔ پرانی طرز کے چینی مٹی کے برتن۔ نیلگون رنگ کے مرتبان تھے جیسے ہندوستان میں بھی ہوتے ہیں۔ ریشمی کپڑے پر ریشم اور طلا کا کشیدہ۔ پیتل کے برتن خصوصاً مجمعے جن میں عربی نقاشی کا سیدھے خط کا کام تھا۔ کچھ عجیب قسم کے چار جامہ کی قسم کی زینیں طلائی کام کی تھیں۔ توڑہ دار بندوقیں اور چھرے بارود کی کپیاں جن پر سنہری کام تھا۔ اس نمایش گاہ میں بارہا یہ دلچسپ بات یاد آتی تھی کہ ایک طرف تو یورپ اور امریکہ کی اعلےٰ درجہ کی ترقی یافتہ صنعتیں اور بیس بیس گز لمبی جنگی توپیں اور پیچیدہ کلیں پڑی تھیں اور دوسری جانب مراکو اور سوڈان کی صنعتیں موجود تھیں۔ مکان کے اندر دو قومی ہیکل مسلمان عربی شکل کے بُجبّے اور عمامے پہنے ہوئے اسباب کے محافظ تھے۔ ان کے رنگ بالکل گورے تھے۔ عموماً اہل مراکو سرخ و سپید رنگ کے ہوتے ہیں۔ مکان کی دیوار و نپر مراکو کے مختلف منظروں کی فوٹوگراف تھے۔ اسکے متصل مراکو کے رسٹارنٹ اور قہوہ خانہ سے پلاؤ اور مراکو کی مٹھائی معہ وہاں کے قہوہ کے مل سکتی تھی۔ اس مکان کے گرد کوئی پچاس چھوٹی چھوٹی دُکانوں میں یہودی چھوٹی چھوٹی چیزیں پیرس ہی سے خرید کر فروخت کر رہے تھے۔ ایک یہودی کی دُکان پر ایک بہت عمدہ زندہ اشتہار تھا۔ یہہ ایک حبشی سے فرانسیسی لفظ کہلواتا تھا۔ جوان کا تلفظ بہت غلط کرتا تھا۔ اور بہت لوگ اسے سنکر ہنستے تھے۔ یہیں ایک دوسرے دکاندار نے پانی کے نلکے سے ایک چھوٹی سی کل بنا رکھی تھی۔ نلکے کے پانی کی دھار ایک پنکھے پر پڑتی تھی۔ جو پن چکی کے پنکھے کی طرح تھا۔ اسکے ایک طرف چار کوڑیاں بندھی تھیں جو گھوم کر چار گلاسوں کو لگتی تھیں۔ اور ان سے خاصی سریلی آواز پیدا ہوتی تھی۔ بہت لوگ تھوڑی دیر کے لئے اس چھوٹی سی دُکان پر یہی تماشا دیکھنے کو کھڑے ہو جاتے تھے۔

نمایش کا چھٹا حصہ

اب میں نمایش گاہ کے چھٹے اور آخری حصہ کے کچھ حالات لکھتا ہوں جو شانڈ مارس کے مقابل دریا کی دوسری طرف باغات ٹراکوڈیرو میں اُن کے متصل واقع تھا۔ اس حصہ میں زیادہ تر ممالک یوروپ کی نوآبادیوں اور مقبوضات کی نمایش اور کچھ تماشہ اور دلچسپی کے مکانات تھے۔ بائیں طرف کی جگہ فرانس کی نوآبادیوں کو دی گئی تھی۔ اور دائیں طرف انگلستان اور روس پرتگال۔ ڈچ مقبوضات اور چین جاپان روسی سائبیریا اور ٹرنسوال وغیرہ تمام متفرق ممالک تھے۔

میڈیغاسکر

جزیرہ میڈیغاسکر کی نمایش ایک دہ میٹر قطر کے گول مکان میں تھی۔ نیچے سطح پر ایک جزیرہ بنایا گیا تھا جس پر میڈیغاسکر کے درخت اور پودے لگے ہوئے تھے۔ اور اس جزیرے کے زندہ پرند اور جانور یہاں لاکر رکھے گئے تھے۔ اسکے گرد پانی کا ایک گول قطعہ تھا۔ جس میں وہیں چھوٹی چھوٹی اہل میڈیغاسکر کی کشتیاں پڑی تھیں اور کئی زندہ گھڑیال پانی میں چھوڑے گئے تھے جو کبھی کبھی مُنہ کھول دیتے تھے۔ دوسری منزل پر اس وسیع جزیرہ کی مختلف قوموں کی روزمرہ زندگی کے عملی کام اور پیشے دکھلائے گئے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہاں سونا کیسے نکالتے ہیں اور وہاں کے کھیتوں کو پانی کیسے پہنچاتے ہیں۔ اور چونکہ فرانس کو منظور ہے کہ اس کے اس نومفتوحہ مُلک میں فرانسیسی نوآبادگاروں کو جاکر بسنے کی ترغیب ہو اسبارہ میں مکمل واقفیت بہم پہنچانے کا ایک دفتر یہاں رکھا ہوا تھا۔ یہیں جزیرے کے حیوانات نباتات اور اقوام کی نمایش تھی اور یہیں چاول قہوہ اور دوسرے

تھلے مع ریشم اور روئی کے لمبے لمبے ریشوں کے پڑے تھے۔ اسکے علاوہ بیتھروں اور جواہرات کے اقسام پوشاکیں زیورات تاریخی معلومات غرض اس جزیرہ سے واقفیت بڑھانے کی ہر چیز موجود تھی۔ ایک جگہ مومی بتوں کا ایک موضع بنا ہوا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر کوئی فرانسیسی جزیرہ کے اندر غیر آباد جگہ میں جانا چاہے تو اُسے کیا کیا سامان از قسم اسلحہ و خوراک وغیرہ کتنے دیسیوں کے سروں پر اٹھوا کر لیجانا چاہیئے۔ اور کس طرح اہل میڈیغاسکر فرانسیسی افسروں کی ڈولیاں اُٹھاتے ہیں۔ یہیں ۲۵ میڈیغاسکری باجا بجانی والے اپنی تہذیبی بانسریاں اور نقارے بجانے کیلئے مقرر تھے تیسری منزل پر ایک پینورا ما فتح میڈیغاسکر کا بنایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح فرانسیسی فوج نے تاناناریوو پر قبضہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور یہاں کی سیاہ چہرہ ملکہ کو فرانسیسی وظیفہ خور بنایا گیا۔ اسی کے قریب ایک عمارت میں کرنل مارچنڈ فرانسیسی افسر کے مہم سوڈان کا (کہ جسکے متعلق انگریزوں اور فرانسیسوں کی لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی) پینوراما بنایا گیا تھا۔ جسکا داخلہ ایک فرانک تھا۔ اس میں اس مہم کے راستہ میں جس قدر واقعات پیش آئے تھے اصلی قد کی تصاویر میں نمایاں کیا گیا تھا۔

دو عجائب گاہیں

قصر ٹراکوڈیرو ایک ایسا مکان ہے جو اس نمایش سے پہلے کا بنا ہوا ہے۔ اور جو اسکے بعد قایم رہے گا۔ اس میں علوم انتھناگرپفی (اقوام عام کی اشکال) اور کمپرٹیو سکلپچر یعنی پیاسکی دو عجائب گاہیں قایم ہیں۔ اول میں جو سنہ ۱۸۷۸ء سے قایم ہے امریکہ افریقہ اور اوشیانا کی قدیم و جدید شایستگی کے متعلق الفسہ اور دیگر اشیا کا مجموعہ ہے۔ اور مقابلہ کے لئے قبل از تاریخی یورپین تہذیب کی چیزیں بھی فراہم کی گئی ہیں۔ یہاں رومی اور یونانی سنگین مُبت اور مٹی کی نقلیں رکھی ہوئی تھیں۔ دوسری میں جو سنہ ۱۸۸۲ء سے قائم ہے گیارھویں صدی سے زمانہ حال تک تعمیرات کے خاص خاص نمونے جمع کئے گئے

تھے کہ جن سے اس فن کی تاریخ سلسلہ وار اب تک معلوم ہوتی ہے۔ خدا جانے ہزاروں مختلف ذریعوں سے اس عجائب گاہ کے لئے کس کس تلاش اور محنت اور کتنے خرچ سے یہ چونے اور پتھر کے ٹکڑے بہم پہنچائے گئے ہونگے۔ خواہ ہمیں اس خشک مضمون سے ذرا بھی دلچسپی نہ ہو۔

کیوبا و ہوائی — کیوبا اور ہوائی دونوں اضلاع متحدہ امریکہ کی نوآبادیاں ہیں۔ کیوبا نے دو سو چیزیں نمائش کو بھیجی تھیں۔ اس جزیرہ کی آمدنی کا بڑا ذریعہ شکر ہے۔ لیکن تمباکو یہاں کا بہت ہی مشہور ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ قہوہ تیسرا زرعی غلہ میوجات تانبا خوشبوئیں قیمتی پتھر چینی کے برتن اور زردوزی کا کام تھا۔ ہوائی کی بھیجی ہوئی چیزوں میں لاوا کے کچھ نمونے تھے جو اس جزیرہ میں آتشی مادہ سے نکلتا ہے۔ صندل کے صندوق۔ گودنے کے کئی نمونے اور کئی چھوٹی چھوٹی عجائبات مثل وھیل مچھلی کے دانتوں کے زیورات اور باشندوں کے بھدے مزامیر وغیرہ کی تھیں۔

آسٹریا کی دستکاریاں — آسٹریا ہنگری یورپ میں ایک ایسا ملک ہے کہ جسکی کوئی نوآبادی یا مقبوضہ ملک یورپ سے باہر نہیں تاہم آسٹریا بہت سی صنعت و حرفت کی چیزیں بنا کر دیگر ممالک کی نوآبادیوں کو بھیجتا ہے۔ اسلئے اس نے نوآبادیوں سے اپنا تعلق اس طرح ظاہر کیا ہے کہ یہاں ایک مکان میں اُن تمام اشیا کے نمونے رکھ دیے ہیں جو کہ یہاں سے غیر ممالک میں بھیجی جاتی ہیں۔ خصوصاً آسٹریا کے تمباکو اور بینٹ وڈ کی کرسیاں وغیرہ یہاں نمایاں کی گئی ہیں۔

گرین لینڈ — مقبوضات ڈنمارک کے خوبصورت مکان میں زیادہ تر گرین لینڈ کی چیزیں ہیں۔ جہاں بہت سی بھیڑیں پالی جاتی ہیں کہ جن سے عمدہ قسم کی پشم حاصل ہوتی ہے۔ قطب شمالی کے وحشی جانوروں مثل ریچھ۔ رینڈیر ہرن اور سیل مچھلی وغیرہ کی کھالیں بہت عمدہ تھیں۔ سمندر

اور ندیوں کے پرندوں کا مجموعہ بہت دلکش تھا۔ جزیرہ آئس لینڈ کی پیداوار بھی یہیں دکھلائی گئی تھی۔ گو یہ جزیرہ بنجر اور آتش خیز ہے مگر اس میں مچھلیاں اور جانور انواع و اقسام کے ہیں اور معدنی دولت بھی کئی قسم کی ہے۔

بلجیئم کی نوآبادی کانگو فری سٹیٹ جنوبی افریقہ میں دراصل بلجیم کی ایک ریاست ہے۔ اور ایسی آزاد نہیں جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے۔ بلجیم کے سوداگروں کی کمیٹی نے یہاں کی کچھ نمایش بہم پہنچائی ہے۔ جس میں شیشہ اور معدنیات کے کام کے نمونے اور سوتی کپڑے تھے۔ اور اس ملک کے دیسی باشندوں کے کام کے بھی نمونے دکھلائے تھے۔

الجیریا کی نمایش جیسا کہ میڈیغاسکر کی نمایش سے معلوم ہوتا ہے اور فرانس کی دیگر نوآبادیوں کی نمایش سے معلوم ہوگا فرانس نے اپنی نوآبادیونکی نمایش کرنے میں بڑا زور لگایا تھا۔ ہر ملک کی ہر قسم کی پیداوار اور آمدنی کے ابواب تفصیل سے دکھلائے تھے اور ان کے متعلق بہت سی مطبوعہ واقفیت بہم پہنچائی تھی۔ خصوصاً الجیریا کی نمایش پر بہت زور دیا گیا تھا۔ دو بڑے بڑے عالی شان مکانات مکان ٹیونس کے مقابل اور عجائب گاہ ٹراکوڈیرو کے سامنے تعمیر کئے گئے تھے۔ اور تمام نمایش گاہ میں کسی مسلمان کو بلحاظ شکل و صورت کے اور کوئی مکان ان سے زیادہ دلچسپ نہیں معلوم ہوتا ہوگا۔ انہیں میں سے ایک کے رسٹارنٹ میں کم از کم دن میں ایک بار میں عربی کھانے کھایا کرتا تھا۔ ان میں سے بڑی عمارت میں الجیریا کی سرکاری نمایش تھی۔ اور دوسرے مکان میں اس ملک کے منظروں کے تماشے اور چھوٹی چھوٹی دکانیں اور پیشہ وروں کے مکان تھے۔ الجیریا کی کئی قدیم اور عالی شان عمارات کے بعض حصوں کی اس عمارت میں نقل اتاری گئی تھی۔ ایک عالی شان مینار اور ان کے سلطان پاشا کی مسجد کی نقل پر بنایا گیا تھا۔ اور پیشانی پر عربی کا ایک لمبا کتبہ کندہ کیا گیا تھا۔ اس عمارت میں کئی گنبد اور چھت اور دروازے

خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ رات کو جب تین ہزار بجلی لیمپوں سے یہہ عمارت
روشن کی جاتی تو بہت خوبصورت معلوم ہوتی۔ اور اسکا بڑا گنبد جو الجیرز
کے ماہی گیروں کی مسجد کے گنبد کا نمونہ تھا اس قدر روشن کیا جاتا جیسا کہ
الجیرز کی مسجد کا ماہ رمضان میں کیا جاتا ہے۔ اس عمارت کا بڑا کمرہ جو موریش
روم (عربی کمرہ) کے نام سے نامزد تھا (۱۲۴) مربع میٹر تھا کہ جس پر فن تعمیر و
آرایش کا بڑا زور خرچ کیا گیا تھا۔ یہ الجیریا کے عجائب خانہ اشیاے عتیق
کی نقل تھا۔ اور اس میں بہت سی تاریخی یادگار کی چیزیں۔ پلاسٹر کے بنے
ہوئے نمونے طلسان اور طبیشہ کے کھنڈرات اور الجیرز اور شرسل کے عجائب
خانوں کے بتوں کے اور ہر قسم کے سکیچ اور نقشے تھے۔ ساتھ کے کمرے کی
چھت کی الجیرز کی مسجد ماہیگیراں کے "مقبرہ قاضی" سے نقل رکی گئی تھی۔ لو طلسان
کے قریب سدی بن ادہم سے کئی پلاسٹر کے نمونے یہاں بھی رکھے گئے تھے
اس ملک میں معلوم ہوتا ہے انگور بہت پیدا ہوتا ہے اور انگور اور انگور
کی شراب اور کشید کے طریقوں کے لئے ایک کمرہ مختص کیا گیا تھا۔ اور
کمرہ میں جنگلات کی پیداوار سرکاری اور پرائیویٹ نمایش کرنے والوں نے
جمع کی تھی۔ کارک کے درخت کی چھال اور صنوبر اور اسکے رس کے یہاں
بہت سے نمونے تھے۔ لکڑی پتھر اور معدنیات کے یہاں کئی نمونے تھے
ایک درخت کی موٹائی اتنی تھی کہ اسکا کٹا ہوا سکشن کھڑے ہوئے میرے
سر تک پہنچتا تھا۔ ایک کمرے میں تعلیم کا سامان سجایا گیا تھا۔ عربی اور فرانسیسی
کتابیں جو الجیریا کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ بچوں کی مشق کی کاپیاں
اور قلم دوات کی قسم کا سامان یہاں موجود تھا۔ یہیں الجیریا کے کئی فرانسیسی
اور دو ایک عربی اخبار بھی پڑے تھے۔ دو ایک فرانسیسی رسالے فن زراعت
کے تھے جو الجیریا میں چھپتے ہیں۔ اور دو ایک عربی کتابیں بھی تھیں میں
انہیں دیکھ رہا تھا کہ محافظ لینے جو ایک نوجوان الجزائری عرب تھا مجھ سے

پتہ پوچھا - اور یہ معلوم کر کے کہ میں مسلمان ہوں - مجھ سے ہندوستان کے
متعلق کئی باتیں پوچھتا رہا - اسکا نام خواجہ سید علی بن مصطفےٰ جزائری تھا - ہر چند
کہ یہ تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن مجھ سے مسلمانان ہندوستان کی تعداد
دریافت کر کے حیران ہوا - اس نے کہا کہ میرا بھائی الجیریا کے اخبار "المبشر"
کا ایڈیٹر ہے - پھر اس نے حقوق نسوان کے متعلق ایک کتاب دکھلائی جو
اسکے بھائی نے لکھی تھی - مجھے تعجب ہوا کہ مصر اور ہندوستان کی مسلمانوں
میں بھی اسی زمانہ میں حقوق نسوان پر کتابیں لکھنے کا خیال پیدا ہوا ہے - جو
زمانہ کا ایک بدیہی اثر ہے - وہاں الجیریا کے مسلمانوں کے متعلق فرانسیسی
زبان میں ایک رپورٹ پڑی تھی - میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کہاں سے
ملیگی - تو اسنے مجھے یہ اور اسی طرح تیرہ چودہ اور فرانسیسی رسالے الجیریا
کی زراعت جغرافیہ تاریخ مذہب اور دستکاریوں وغیرہ پر لا دیئے - اور کہا
کہ ہماری سرکار نے یہ خاص خاص واقف کار اشخاص سے مفت تقسیم کرنے
کے لیئے لکھوائے ہیں - جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کس تیاری سے الجیریا کی
نمایش کی گئی تھی - ایک کمرہ میں صرف تصاویر تھیں جو اس ملک کے متعلق
فرانسیسی اور عرب مصوروں نے ہاتھ یا کیمرہ سے کھینچی تھیں - ایک کمرہ کی
چھت کا گنبد مشہور شیخ عبد القادر الجزائری کی مسجد مسکارا سے نقل کیا گیا تھا -
اس کمرے میں الجیریا کی کشتکاری کی پیداوار اور آلات کے نمونے ہیں گیہوں
بہت اعلیٰ قسم کا تھا - مکئی - جو - جوار - جئی - ماش - مٹر غرض سب غلے
عمدہ تھے - دیواروں پر بونے کاٹنے غلہ نکالنے ہلیانے کے فرانسیسی اور
عربی طریقوں کی تصویریں آویزاں تھیں - انگور سنگترے زیتون بیلنے - کھجور
اور سنگتروں کی فصل جمع کرنے جنگل میں آرٹیزین کنوئیں کھودنے اور
فاسفیٹس وغیرہ نکالنے کی تدبیریں بھی نمایاں کی گئی تھیں - وہاں کی زراعتی
سوسائٹیوں نے ایک جگہ اپنی نمایش کی تھی جس میں تمباکو کے اقسام - اور حجیری کے

اور ریشم کے نمونے تھے۔ (ہندوستان میں جہاں تک میں جانتا ہوں کہ کہیں بھی پرائیویٹ زراعتی سوسائٹی اتنے بڑے ملک میں نہیں) اور اسی کے قریب ویسی دستکاریوں کی نمائش تھی۔ چاندی اور تانبے کا کام بہت تھا۔ کپڑوں پر زردوزی اور کشیدے بہت اچھے تھے۔ اور قالین اور زیورات بھی تھے۔ دو تین کمرے صرف کشیدوں اور زردوزی کے نمونوں سے سجائے گئے تھے۔ جن میں دیواروں اور چھت پر ایک انچ جگہ خالی نہ تھی۔ ستونوں تکیہ کے غلافوں اور دیواروں کے سجانے والے کپڑوں پر نہایت نفیس

سوزن کاری تحریریں عربی خط میں اچھے اچھے دعا مبارکباد اور نصیحت کے فقرے اور عبارتیں کاڑھی ہوئی تھیں۔ میرا جی بہت چاہا کہ ہندوستان کی شریفوں کے گھروں میں بھی لڑکیاں کپڑوں پر ایسے کشیدے کاڑھا کریں۔ قسطنطنیہ میں برابر یہی رواج ہے کہ خواندہ مسلمان خاتونیں کپڑوں پر بہت خوش خط عبارتیں سوت ریشم اور طلا سے کاڑھتی ہیں۔ اس مکان کی پچھلی طرف ایک سیٹورا ما اور ایک ڈایورا ما میں ساحل الجیریا کے مختلف بحری منظر اور صفا اور بسکارا کے مابین بیابان کی خشکی کے سفر کی خصوصیات نمایاں کی گئی تھیں۔ اور قبائل کی آپس کی چھیڑ چھاڑ کا نمونہ دکھلایا گیا تھا۔

ٹیونس ٹیونس کا مکان الجیریا کے عین بالمقابل ہے جہاں وہ عربی رسٹارنٹ بھی تھا کہ جہاں کھانا کھانے کے لئے نہ صرف مصر مراکو اور ٹیونس کے عرب اور یہودی اور حبشی زن و مرد ہی آتے تھے بلکہ بہت سے فرانسیسی زن و مرد بھی آتے رہتے تھے۔ کیونکہ کھانا بھی ارزاں اور مطبوع بھی تھا۔ گو ایسے تکلف پیرایہ میں نہ دیا جاتا تھا جیسا کہ دوسرے رسٹارنٹوں میں دیا جاتا تھا۔ اسی احاطہ کے اندر ٹیونس کا ایک بادیہ نشین عرب مع اپنی بیوی اور بچہ کے ایک سیدھے سادے خیمہ میں بیٹھا رہتا تھا اور کبھی وہ میاں بیوی اپنا ایک موٹا سا کپڑا بھی لوگوں کو دکھلانے کے لئے بُنا کرتے تھے کہ جسکا

کر کہ خیمہ کے اندر تھا اور ان کا بچہ تماشائیوں سے پیسے مانگنے کا عادی ہو گیا تھا۔ پاس کے قہوہ خانہ میں سیاہ اور تلخ الجیری قہوہ کی ذراسی پیالی ایک ایک آنہ کو بکتی۔ ہر ایسی قہوہ کی پیالی ایک چھوٹے سے ٹین کے برتن میں کہ جسے لمبی دستک لگی ہوتی تھی ہر مرتبہ الگ الگ آگ پر گرم کرنا پڑتی تھی۔ اس قہوہ کی فروخت کی رونق کے لئے اُس مکان میں دو ایک یہودنیں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ناچا کرتی تھیں۔ دو تین مرد بھی اِن کے ہمراہ ہوتے۔ یہ عجیب قسم کا فحش ناچ ہوتا ہے۔ صرف کمر کے حصہ کو ہلایا اور تھرکایا جاتا ہے اور سینہ اور چھاتیاں قریبًا برہنہ ہوتی ہیں۔ پہلے تو یہ حرکت دیکھ کر میں متعجب ہوا۔ لیکن اسکے بعد ٹرکی اور مصر کی عمارات میں یہودنوں کے اسی قسم کے ناچ دیکھ کر میں نے سمجھا کہ اُن ملکوں کا یہی فیشن ہے۔ اور یقینًا اسکے مقابلہ میں ہندوستان کی رنڈیوں کا ناچ نہایت مہذبانہ ہے۔ اس ناچ کو دیکھنے کے لئے جوق جوق یوروپین اس قہوہ خانہ میں آکر گرتے اور تلخ قہوہ کا مزہ چکھتے تھے۔ اِسکے سامنے ٹیونس کی مٹی کے برتنوں کی دُکان تھی۔ پشت کی طرف ٹیونس کا بازار تجارت تھا۔ چھوٹی چھوٹی دوکانوں میں بہت سے زردوزی کے کپڑے اور رومال عربی بولنے والے یہودی بیچ رہے تھے۔ اور بعض کچھ بنا بھی رہے تھے قالین اور کچھ چمڑے کا سامان بھی تھا۔ ایک حلوائی ایک موچی اور ایک درزی بھی کام میں مصروف تھا۔ ان کے سروں پر ٹیونس کی ٹوپیاں تھیں الجیریا مراکو اور ٹیونس کی ٹوپیاں گو عام شکل میں ترکی ٹوپی کی طرز کی اور سرخ رنگ کی ہوتی ہیں۔ لیکن ترکی ٹوپی ذرا زیادہ چُست اور چھوٹی ہوتی ہے اور اول الذکر ٹوپیاں تھوڑی بلند اور کھلی یعنے پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اُن کے پھندنے بھی بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ میری ترکی ٹوپی دیکھ کر بعض نے مجھے بلایا بھی۔ مگر میں کوئی سودا نہیں خریدنا چاہتا تھا۔ ٹیونس

کا بازار بہت تنگ تھا۔ دوسری منزل کے مکانوں کے بڑھاؤ ایک دوسرے سے بہت قریب تھے۔ اور بعینہ وہاں کے ایک بازار کا نمونہ بنایا گیا تھا۔

ٹیونس کی اشیاء نمایش جس عمارت میں رکھی گئی تھیں وہ طیبہ کی دو مساجد مسجد سیدی بن سید اور مسجد مہرینہ کی نقل تھیں۔ اور اسی طرح ایک اور مشہور مسجد کا مینار ایک طرف تعمیر کیا گیا تھا۔ مسجد سیدی مہرینہ اور دوسرے مکان میں روغنی غلے اور جو چیزیں ان سے تیار کی جاتی ہیں مثلاً صابن رنگ خوشبوئیں عطریات اور ریشم۔ سوت کی السی۔ کارک نرکاریاں دمیوجات وغیرہ رکھے گئے تھے۔ آثار قدیمہ کے ماڈل اور آرٹس کو نمونے بہت سے موجود تھے۔ سرکاری محکموں کے علاوہ پرائیویٹ لوگوں کی چیزیں بھی موجود تھیں۔ جیسے ٹیونس کے تاکستانوں کی پیداوار۔ روغن زیتون وغیرہ کاسا اور قیروان مقدس کے قالین اور کمبل۔ جربا اور ساحل صفا کے اسفنج اور ٹیونس کے مشہور برتن۔ یہودن عورتیں نہ صرف ناچتی تھیں بلکہ الجیریا اور ٹیونس کے تماشہ کے مکانات کے دروازوں میں کھڑی ہو کر خوب دفیں بجائیں اور لوگوں کو تماشا دیکھنے کی ترغیب بڑی کامیابی سے دیتی تھیں۔ کہیں کہیں اپنے شوہروں کی دکانوں پر سودا بھی بیچتی تھیں۔ کچھ عربی کتابیں اور ٹیونس کی جامع مسجد کے عربی کتب خانہ کی قلمی کتابوں کی مطبوعہ فہرست بھی موجود تھی۔ مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ٹیونس کو خط لکھنے پر مل سکے گی۔

اندلس عہد عرب میں | "اندلس عہد عرب میں" ایک علیحدہ دلچسپ تاریخی تماشا تھا۔ عمارت کی شان باہر سے ہی عربی تھی اور بادیہ نشین عرب شہسواروں کی تصویریں باہر بنی ہوئی تھیں۔ لیکن اندر کی خوبصورتی اور تاریخی دلچسپی سے باہر کو کیا نسبت تھی ہسپانیہ کے زمانہ حکومت اہل اسلام اور بعد کے

کئی نندہ نظارے دکھلائے جاتے تھے۔ سویل کے دروازہ الکزار (القصر) سے داخل ہوکر تماشائی غرناطہ کے قصر الحمرا کے مشہور و دلکش صحن میں جا پہنچتے تھے کہ جہاں فوارہ چل رہا تھا اور چاروں طرف ستونوں کے غلام گردش محیط تھے۔ جنکے خوبصورت دریچوں میں خوبصورت عربی سکلپچر کا کام نیلگون اور سنہری رنگوں میں دل لبھا رہا تھا۔ غرض الحمرا کی یہ نقل بھی دنیا کو دنگ کر رہی تھی۔ خواہ اصل سے اسے کوئی نسبت نہ ہوگی۔ ایک طرف سویل کا گھنٹہ گھر عربی طرز تعمیر کا ستر میٹر بلند تھا جس پر اندر سے سیڑھیاں چلتی تھیں قرون وسطیٰ کا ایک عربی موضع "عزبی" کے نام سے آباد کیا گیا تھا۔ جس کی مسجد کا کلس سنہری تھا۔ اور گو باشندے غریب نظر آتے تھے مگر ان کی دستکاری کے قالین چمڑے کی چیزیں اور اسلحہ اعلےٰ درجہ کی کاریگری کا ثبوت دیتے تھے۔ غرناطہ کے باب الانصاف سے گذر کر جہاں سلاطین اسلام عدالت کیا کرتے تھے تماشائی ٹولیڈو کے ایک عجیب سے کوچے میں پہنچ جاتے تھے۔ جہاں زمانہ رومن اور رینیسنس کی دستکاریوں اور حرفت کی چیزوں سے دکانیں پُر تھیں۔ ایک طرف ایک ہسپانی تھیئٹر تھا جس میں اب تک ہسپانی لڑکیاں کوئی کوئی عربی ناچ ناچا دیتی تھیں۔ اور دوسری طرف ہسپانیہ کی مشہور و مرغوب کھیل سانڈ لڑانے کے دکھلائے جاتے اور اسی طرح ایک جگہ بدوی شہسواروں کے گھوڑے دوڑانے کا راستہ بنا ہوا تھا۔ گویہ دونوں آخری نظارے میں نے نہیں دیکھے۔ داخلہ اڑھائی فرانک تھا۔

کانگو فرنچ کانگو کی عمارت جو لکڑی اور لوہے کی تھی اور بعد میں ٹکڑے کرکے کانگو کو بھیجی گئی ہوگی کہ جہاں اس میں ڈاک خانہ بننے والا تھا اس علاقہ کی بیش قیمت لکڑی کے کندوں سے پُر تھی۔ علاوہ اسکے اس میں ہاتھی دانت انڈیا ربڑ۔ معدنیات اور نباتات کے نمونے۔ دیسی

باشندوں کے برتن اسلحہ۔ کپڑے اور اس ملک کو بھیجے جانے کے لائق چیزیں جمع کی گئی تھیں۔ دو نقشوں میں ۱۸۸۹ء اور ۱۹۰۰ء میں کانگو کی ترقی دکھلائی گئی تھی۔

نیو کیلیڈونیا نیو کیلیڈونیا کے خوشنما مکان میں قہوہ انڈیا ربڑ تمباکو ونیلا ادرک اور گوندیں جو اس علاقہ کی پیداوار ہیں موجود تھے۔ معدنیات کے نمونے اور نکل تانبے کوبالٹ کے نکالنے کے طریقے دکھلائے گئے تھے۔ گورنمنٹ فرانس کو توقع ہے کہ اس سرزمین سے سونا جست۔ چاندی۔ پارہ۔ لوہا۔ سرمہ مینگنیز اور سیسہ بھی ضرور برآمد ہونگے۔ پتھر کا کوئلہ ابھی سے نکلنے لگا ہے۔ صندل۔ شاہ بلوط اور روزووڈ وغیرہ لکڑی کی قسمیں نہ صرف تعمیر کے کام آتی ہیں بلکہ ان سے ست نکالے جاتے ہیں جنکے نمونے یہاں رکھے ہوئے تھے اور یہ مکان بھی نیو کیلیڈونیا کی لکڑیوں سے ہی بنایا گیا تھا۔

فرانسیسی نوآبادیوں کے متعلق۔ فرانس کی نوآبادیوں کا دفتر بڑا عالی شان تھا۔ یہ نوآبادیوں کے پودوں سے خوب سجایا گیا تھا۔ اور فرانسیسی نوآبادیوں کے متعلق تمام تحریری واقفیت کی کتابیں اور تصویریں یہاں موجود تھیں۔ غرض فرانس کی نوآبادیوں کی تاریخ کے متعلق ہر قسم کی کتابیں رسالے اور تحریریں یہاں جمع کی گئی تھیں۔ جغرافیہ کی سوسائٹی نے بھی اس خاص صیغہ کے متعلق اپنی کتابیں یہاں دکھلائی تھیں۔ جس سے معلوم ہوسکتا تھا کہ افریقہ میں خصوصاً نائیجر کے دہانہ پر شمالی سوڈان صحرائے اعظم نیو گنی یا فرنچ کانگو میں فرانس نے نوآبادیاں بسانے میں کتنی ترقی کی ہے۔ ایشیا کے متعلق کولونیل آفس نے صرف انڈو چائنا پنینشولا۔ دریائے میکانگ اور یونن کی مہم ریلوے کی بابت کتابیں رکھی تھیں۔ اس مکان کے ایک کمرے میں آٹھ ہزار کتابوں کا کتبخانہ ہے۔ فرانس کی نوآبادیوں کے متعلق کوئی قابل ذکر رپورٹ یا کتاب سرکاری یا پرائیویٹ نہ ہوگی جو یہاں نہ ہوگی۔ غنیمت ہے کہ اب لارڈ کرزن بہادر نے

کلکتہ کے وکٹوریا ہال میں ہندوستان کے متعلق ہر قسم کی کتاب یہاں جمع کرنیکا قصد کیا ہے۔ جس سے اہل ہند کو ہر قسم کی ہندوستانی واقفیت کے ایک جگہ جمع ہو جانے سے بڑا آرام ملیگا۔ ایک دوسرے کمرے میں ایسے افسر ہر وقت حاضر رہتے تھے جو نو آبادیوں کے متعلق ہر قسم کی واقفیت تجارتی ہو یا کسی اور نوع کی ہر شخص کو بہم پہنچاتے تھے۔ کیا ہندوستان میں ایک ایسے سنٹرل آفس کی ضرورت نہیں ہے جو رعایا کی سہولیت کے لئے اسے کم از کم ہر قسم کے تجارتی اور تعلیمی معاملات پر (اگر دیگر امور کو چھوڑ دیا جاوے) عام معلومات بہم پہنچایا کرے جو ہر شخص کے لئے معلوم کرنا ممکن نہیں۔ اگر سرکار ایسے کام کو اپنے ذمہ نہیں لے سکتی تو کسی تجارتی یا علمی مجلس کو یہ کام اپنے ذمے لینا چاہئے۔ پھر معلوم ہو جائیگا کہ کس قدر فائدہ ایسے دفتر سے لوگوں کو پہنچ سکتا ہے۔ علاوہ تاریخی مطلب کے فرنچ کولونیل آفس ایک خاصا تجارتی عجائب خانہ جمع کر دیا تھا۔ ایک کمرہ میں اُن نامور فرانسیسیوں کے بُت تھے کہ جنہوں نے فرانسیسی نو آبادیوں کی توسیع میں مدد دی ہے۔

گائنا فرنچ گائنا کی چھوٹی سی عمارت میں یہاں کی معدنی اور جنگلی پیداوار کے نمونے ہیں۔ چوب مہاگنی یہاں کی مشہور پیداوار ہے اور اس مکان کا فرنیچر اسی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ زرد خاکی اور سبز آبنوس اور کئی دوسری لکڑیاں جو اسی ملک سے مخصوص ہیں۔ کئی قسم کی گوند۔ کپڑے بنانے تیل اور رنگنے کے مصالحے وغیرہ تھے۔ اس ملک میں سونا بہت نکلتا ہے۔ اسلئے کچا سونا اور رفاسفیٹ اور سونے کے پتھر ہر قسم کے اور خالص بنے ہوئے سونے کے نمونے سب پہلو بہ پہلو دکھائے گئے تھے۔ یہاں ایک چھوٹا سا سونے کا مینار رکھا ہوا تھا۔ جسکے مختلف ٹکڑوں سے اس ملک کے ہر سال کے سونے کی پیداوار معلوم ہوتی تھی

ایک جگہ سونے کی ایک کان کا نمونہ رکھا تھا۔ پرند جانور اور کیڑے مکوڑے بھس بھر کر رکھے ہوئے تھے اور مختلف غلے بھی دکھلائے گئے تھے۔ اور ایک خاص باتصویر ہینڈبک اس عمارت کی اشیار کے مفصل حالات کی چھاپی گئی تھی۔

سینی گال سینی گال اور فرانسیسی سوڈان۔ یہ علاقہ نہایت زرخیز اور سرسبز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں کے انواع و اقسام کے غلے اور دیگر نباتاتی پیداوار اسکے مکان میں دکھلائی گئی تھی۔ باجرا مکئی اور چاول لوگوں کی خوراک ہے۔ روئی کے ریشے خوب مضبوط تھے۔ اس سے کپڑا عمدہ بنایا جاتا ہے۔ نیل اور کئی قسم کے درخت دکھلائے گئے تھے۔ اس علاقہ سے ایک لاکھ اسی ہزار پونڈ سالانہ کا صرف گوند غیر ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔ انڈیا ربڑ اور گراؤنڈ نٹ وہ اور غیر ممالک کو بھیجنے والی چیزیں ہیں۔ انڈیا ربڑ کے جمع کرنے اور بنانے کے طریقے بھی دکھلائے گئے تھے۔ جو بہت دلچسپ تھے۔ دیسی باشندے ربڑ کے درختوں میں چاقو سے شگاف دیکر ان کے نیچے برتن رکھ کر ان میں رس یا دودھ جمع کر لیتے ہیں۔ اور اس سے انڈیا ربڑ بنتی ہے۔ ان وحشی اور کم مہذب ملکوں کے اسلحہ زیورات کپڑے اور دیگر دستکاریاں دیکھ کر کبھی دنگ ہونا پڑتا ہے کہ مدت کی کوشش کے بعد یہ بھی بعض چیزیں کیسی صفائی سے بنا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کے فیٹش اور دیوتا اتنے تھے کہ اُن کا حصر کرنا مشکل ہے۔ ہر چیز لکڑی وغیرہ کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں۔ انہیں کو فیٹش کہا جاتا ہے۔ اشانٹی کے باشندوں کو جولاہے کا کام کرتے بھی دیکھا۔ کیسا ادنیٰ قسم کا کارگہ اور کپڑا اچھا۔ ان لوگوں کی عورتیں بھی یہاں تھیں۔ جو بالکل گائے بھینسوں کی طرح بے پرواہ معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی بولی بھی جانوروں کے چیخنے کی طرح عجیب قسم کی تھی۔ اس مکان کی ایک طرف سینی گال کے نہایت سیاہ باشندے بھدے مٹی اور چھپر کے مکانات میں کپڑا بنتے چاندی

کے چھلّے بناتے اور لوہا کا کام کرتے تماشائی دیکھتے تھے۔ بلکہ کئی لوگ اُن سے چھلّے خریدتے تھے۔ اور ان میں کا ایک حبشی فرانسیسی زبان میں دام وغیرہ لوگوں کو سمجھا سکتا تھا۔

فرانسیسی ہند — فرینچ انڈیز کے نام سے جو تھوڑا سا فرانسیسی علاقہ ہندوستان میں ہے اس کی نمایش علیحدہ تھی۔ قدیم ہندو طرز تعمیر کا ایک مکان معلوم ہوتا تھا جس میں ہندوستان کی دستکاریاں رکھی ہوئی تھیں۔ اور ہندوستانی جواہرات بیچنے والے ریشم کے کپڑے اور بٹنوں وغیرہ کے سوداگروں کی دوکانیں تھیں۔ اسی میں لاہور کے بابو محمد بخش صاحب نے اپنے جواہرات کا پودا بغرض فروخت رکھا تھا۔ ایک مندر خالص ہندو طرز تعمیر کا اسکے قریب تھا۔ ایک ہندو تھیئیٹر بنایا گیا تھا جس کی پیشانی سے ہندو طرز تعمیر عیاں تھی۔ اور ایک تنگ کوچہ ہندوستان کی دُکانوں کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ اسی ہندو تھیئیٹر میں الہ آباد کی ہندوستانی تھیئیٹریکل

ہندوستانی کمپنی کا تماشا — کمپنی کو تماشے کرنے کی اجازت ملی تھی۔ مگر تعجب ہے کہ اس تھیئیٹر کے ختم ہونے میں اتنی دیر لگی تھی کہ جب مجھے نمایش گاہ میں پہنچے ہفتہ عشرہ گذر چکا تھا تو اس مکان کی تعمیر ختم ہوئی اور اس میں جو پہلا تماشا ہندوستانیوں نے کیا اتفاقاً اس وقت میں موجود تھا۔ سورت کا ایک مسلمان جو میڈیغاسکر میں دُکان کرتا تھا اور فرانسیسی خوب بولتا تھا اس وقت مجھے یہاں لے آیا تھا۔ تھیئیٹر کے ایک ہندوستانی ملازم نے چاہا کہ ہمیں مفت تماشا دکھلائے لیکن ہم نے منظور نہ کیا۔ ایک ایک فرانک کا ٹکٹ تھا۔ گو مجمع ٹرانہ تھا۔ لیکن حاضرین کی داد دینے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ تماشا بخوبی پسند کیا گیا تھا۔ بنگالی میجک پروفیسر۔ دو ہندوستانی بھان متی۔ دو تین جمناسٹک کے کرتب کرنے والے پوربئے۔ لٹو گھمانے والا بنگالی جو تار پر لٹو چلاتا تھا۔ دو لکھنؤ کے ستار بجانے والے۔ پانی کے بھرے

پیالوں سے لکڑی سے سریلی آواز پیدا کرنے والا۔ ایک شخص بھوسہ اور کپڑا کھانے والا۔ مُنہ میں تلوار گھونپنے والے۔ بازیگر جو تلواروں اور چھریوں کے تنگ جھروکے سے کود جاتا تھا۔ اور بید کے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں سر اور پیر داخل کر لیتا تھا۔ سات فیٹ کچھ انچ لمبا ہندوستانی اگر بہت دُبلا نہ ہوتا تو خاصہ دیوزاد تھا۔ (یہ یہاں تک کمزور معلوم ہوتا تھا کہ صاف بات اسکے مُنہ سے نہ نکلتی تھی جس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ اتنا طویل القامت ہونا اس کا مرض ہوگا) اور اخیر میں ایک پنجابی اور دو ہندوستانی رنڈیاں سٹیج پر ناچیں۔ مجھے یہاں آکر معلوم ہوا کہ پنجاب اور ہندوستان کی رنڈیوں کے ناچنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک پہلیتن ترک پہلوان نے غلام محمدؒ مرحوم امرتسری سے لڑنا قبول کیا۔ کیونکہ ہندوستانی کمپنی نے اخبارات میں مشتہر کر دیا تھا کہ جیتنے والے پہلوان کو وہ معلوم انعام دے گی۔ لیکن کشتی جس روز ہوئی ہے میں اس وقت لنڈن کو چلا گیا تھا۔ پیرس میں واپس آیا تو معلوم ہوا کہ پنجابی پہلوان وطن کو واپس چلے گئے ہیں۔ اور غلام اور زغار اعلیٰ کی کشتی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اور دونو برابر رہے تھے کہ پہلے روز انکی کشتی دوسرے روز کے وعدہ پر چھوڑ دی گئی۔ اور دوسرے روز ایک پہلوان کے میدان میں نکلنے سے انکار کر دینے کے سبب کشتی نہ ہوئی۔

شب کی روشنی اور کرسیاں

میں ہمیشہ نمائش گاہ سے سویرے ہی تھک کر مکان کو لوٹ جاتا تھا اور کبھی وہاں دیر تک ٹھیر کر نمائش کو شب کی روشنی میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ۲۹ جولائی کو جو چلتے ہندوستانی کمپنی کے کرتب دیکھے تو اس میں دیر ہو گئی تھی۔ باہر تمام نمائش برقی روشنی سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ شاٹو ڈو (قصر آب) پر قصر برق کی روشنی منعکس ہوتے اور سامنے قصر ٹراکوڈیرو کی پانی کی روشنی عجیب دلچسپ تھی ایفل ٹاور کی روشنی میں علیحدہ ہی شان تھی۔ دریا کی دورو یہ تمام عالی شان عمارات

برقی روشنی سے جگمگاتی ہوئی کیسی بھلی معلوم ہوتی تھیں اور باغات کے چراغان بوقلموں رنگوں کے جگنوں کی طرح کیسی بھلی معلوم ہوتی تھی ۔ نمایش گاہ کے اس تمام وسیع میدان میں جو شانڈمار اور ٹراکوڈیرو میں قصر برق کے مقابل تھا ہزارہا کرسیاں پڑی ہوئی تھیں ۔ دن کو بھی کبھی تھکے ماندے لوگ انپر بیٹھ جاتے تھے ۔ لیکن جس شب کو بڑی روشنی ہوا کرتی تھی اس شب کو تو یہ شام سے ہی پُر ہوجاتی تھیں ۔ اور جوں جوں لوگ ان کرسیوں پر بیٹھتے جاتے ان کرسیوں کی محافظ عورتیں فوراً کرایہ کے پیسے لینے اور ٹکٹ دینے کو آموجود ہوتیں ۔ یہ پیسے دے کر خواہ تم آدھی رات تک بیٹھے رہو اور خواہ فوراً اٹھ جاؤ ۔ یہی حال پیرس کے بڑے بولوارشانزلیزی کی کرسیوں کا تھا ۔

گواڈی لوپ گواڈے لوپ ایک پرانی فرانسیسی آبادی کے مکان میں شکر کی بہت عمدہ نمایش تھی جو اس علاقہ کی سب سے بڑی پیداوار معلوم ہوتی ہے ۔ یہاں شکر بنانے کی بڑی بڑی کلیں نصب کی گئی ہیں اسلئے شکر بہت عمدہ قسم کی (سفید اور بھوسلی) تیار ہوتی تھی ۔ کافی کوکو اونیلا گرم مصالحے وغیرہ اس نوآبادی کی دوسری پیداواریں دکھلائی گئی تھیں ۔ اناناس ۔ کیلا اور آم کی چند اقسام بھی اس مکان میں نمایاں کی گئی تھیں جو اس نوآبادی میں پیدا ہوتے ہیں ۔ اور فرانس میں بذریعہ خاص میوہ جات کے جہازوں کے صحیح وسلامت پہنچ جاتے ہیں ۔ کیونکہ ان جہازوں میں اسی غرض کے لئے ریفریجریٹنگ چیمبرس (Refrigerating Chambers) یعنے ٹھنڈا رکھنے والے کمرے ایزاد کئے گئے ہیں ۔ کیا ہندوستان کے آم اور کیلے فرانس اور انگلستان وغیرہ ممالک میں اسی قسم کے جہازوں میں ولایت تک تازہ نہیں پہنچ سکتے ؟ ضرور پہنچ سکتے ہیں ۔ بشرطیکہ کوئی اولوالعزم میوہ کا تاجر یا تاجروں کی جماعت اِدھر متوجہ ہو اور کسی انگلستان

کی جہازراں کمپنی کو ادھر متوجہ کرے۔ ہندوستان میں جتنے میوے اب
پیدا ہوتے ہیں اس سے بہت زیادہ ہو سکتے ہیں اور لاکھوں روپیہ کے
یوروپ میں آب سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ چند دستکاریاں اور ملک کے
جانوروں وغیرہ کے نمونے دکھلائے گئے تھے۔ نمایش گاہ کی اکثر عمارات
کی طرح یہاں کے منظروں کے فوٹوگرافوں کا ایک گھومنے والا اسٹینڈ
یہاں بھی رکھا ہوا تھا۔

ایک اور فرانسیسی بستی | مارٹینیک اگرچہ سنہ ۱۹۰۲ء کے زلزلے سے سخت صدمہ
پہنچا ہے تاہم بھی ایک قدیم فرانسیسی نوآبادی ہے جس پر بعض اوقات ۱۶۶۲ء؁
اور ۱۸۱۵ء؁ کے مابین انگریزی قبضہ بھی ہو چکا ہے۔ یہ بڑا سرسبز جزیرہ ہے
اور یہاں بھی قہوہ نیشکر اور ونیلا کی زیادہ کاشت ہوتی ہے۔ اس مکان میں
قہوہ کی تمام صورتیں خام بھنا ہوا اور پسا ہوا جا بجا دکھلائی گئی تھیں۔ جزیرہ کے
پانچویں حصہ میں نیشکر بویا جاتا ہے۔ اسلئے نیشکر سے اور اسکے رس کی
ہر صورت یعنی شیرہ شکر اور رم (شراب) وغیرہ علیحدہ علیحدہ نمایاں کی
گئی تھیں۔ کوکو اکے دانے اور مٹھائی بنانے کا طریق دکھلایا جاتا تھا روئی
بھی بادام کیلا اور معدنیات کے نمونے بھی تھے۔ دیسی باشندوں کی
عکسی تصاویر کے علاوہ اس ملک کا ایک خاص ناچ "بمبولا" مومی بتوں کے
ذریعے سے دکھلایا گیا تھا۔ ایک فونوگراف میں یہاں کے باشندوں
کے گیت بھی بند کئے گئے تھے۔

ری یونین | لاری یونین ایک اور فرانسیسی نوآبادی کا مکان وہاں کی
زراعتی اور جنگلات کی پیداوار کے نمونوں سے پُر تھا۔ یہاں بھی گنا زیادہ ہوتا
ہے۔ نیشکر ونیلا قہوہ کوکوا۔ تمباکو۔ گرم مصالحے۔ کونین۔ ربڑ وغیرہ کے نمونے
نمایاں کئے گئے تھے۔ اس جزیرہ میں بھی گاٹنا کی طرح ہندوستانی قلی بہت
ہیں کہ جن میں سے بعض وہیں مقیم ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ پہلے نیشکر کے کھیتوں

ہیں کام کرنے کے لئے گئے تھے۔ اب گورنمنٹ ہند نے سوائے انگریزی مقبوضات کے ہندوستانی قلیوں کا بھرتی ہو کر جانا بند کر دیا ہے۔

مختلف نوآبادیاں ایک اور مکان میں فرانس کی کئی ایک چھوٹی نوآبادیوں مثل سینٹ پیٹر۔ میکلن۔ فرانسیسی سمالی لینڈ۔ مڈوٹ اور اوشینیا وغیرہ کی پیداواریں اور دستکاریاں دکھلائی گئی تھیں۔ یہی سینٹ پیٹر ہے جو ۱۹۰۲ء کے زلزلہ کے صدمے سے برباد ہو گیا ہے۔ یہاں جزائر کھورو کے ایک کارخانہ شکر کا ڈایورام بہت دلچسپ تھا۔ ہر چند کہ ہندوستان میں کئی جگہ کھانڈ بنتی ہے۔ مگر سب جگہ وہی پورانا طریق چلا آتا ہے۔ جیسا کہ روہیلکھنڈ میں میں نے دیکھا ہے۔ لیکن اگر ایسی مشینری استعمال کی جاتی تو یقیناً کم خرچ سے عمدہ شکر تھوڑے عرصہ میں تیار ہو سکتی۔ فرانسیسی سمالی لینڈ کے بندرگاہ جبوتی سے جو مال تجارت مثل سونے ہاتھی دانت قہوہ چمڑہ اور (Frankincense) ابی سینیا کے لئے اور اسلحہ روئی اور دیگر ریشے اور موتی وغیرہ یورپ کے لئے گذرتا ہے دکھلایا گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی پتھر کی سیڑھی میں ہاتھی دانت کا کام سمالی لینڈ کا کیسا خوشنما تھا۔

ڈھومی کی کھوپریوں کا مینار ڈھومی بھی فرانسیسی مقبوضہ ہے۔ اسکے مکان کا دروازہ ایک بلند مینار کے بیچ میں سے نکالا گیا تھا جو یہاں کے بڑے شہر ابومی کی "قربانی کے مینار" کی صحیح نقل تھا۔ اور اسکے چھپر کی چھت پر جو سونٹیوں کے سروں پر انسانی کھوپریاں رکھی ہوئی تھیں یہ واقعی ڈھومی کے غلاموں کی تھیں کہ جنہیں بادشاہ نے ایک روز قتل کیا تھا۔ اندر سے بھی اس مکان کو آرایش کے انہیں نمونوں سے سجایا گیا تھا جو اہل ڈھومی میں مروج ہیں اور اسی لئے مکان کیسا بھدا معلوم ہوتا تھا۔ اس مکان میں اس ملک کی معلومات کے متعلق کئی کتابیں رپورٹیں اور نقشے اور فوٹوگراف رکھے ہوئے تھے۔ ساتھ کے کمرہ میں اس ملک کے لوگوں کے تفتیش پرستی کا اچھی خاصی عجائب گاہ تھی

یہ لوگ ہر ایک بے شکل سی چیز کو قابل پرستش سمجھ کر پرستش کرنے لگتے ہیں - خواہ لکڑی کا ٹکڑا ہو یا پتھر کا کوئی نمونہ - ان چیزوں کو دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انسان کی عقل کہاں تک ادنیٰ ہو سکتی ہے - یہاں شاہ اپومی کا تخت اور اسکے کپڑے اور سزا دینے کے اوزار بھی رکھے ہوئے تھے - کبھی کبھی اس ملک کا جادو کے زور سے علاج کرنے والا حکیم بھی آکر اپنی بیہودہ رسمیں دکھلاتا تھا - مگر میں نے نہیں دیکھا - ان کی تین چار عورتیں اور مرد بھی یہاں موجود تھے -

آیوری کوسٹ آیوری کوسٹ کے لئے ایک علیحدہ عارضی مکان بارک کی طرح بنا ہوا تھا - جو نمایش کے بعد کھول کر اس علاقہ میں کام آنے کے لئے بھیج دیا گیا ہوگا - اس ملک میں مہاگنی کی نہایت مضبوط لکڑی - انڈیا ربڑ - کھوپرے کا تیل اور سونا ہی زیادہ پیدا ہوتا ہے - اور انہیں چیزوں کی نمایش کی گئی تھی - مہاگنی کی لکڑی کے طرح طرح کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے - دیسی باشندوں کے سونے کے بھدے سے زیورات کا اچھا خاصہ مجموعہ تھا - دیسی باشندوں کی شکلوں اور صورتوں سے تماشائیوں کو واقف کرنے کا بھی اچھا سامان کر دیا تھا - دیواروں پر بہت سے نقشے آویزاں تھے جن میں سے ایک میں مختلف رنگوں میں بتلایا گیا تھا کہ اس ملک کے کس کس حصہ میں کیا کیا پیداوار ہوتی ہے -

فرنچ گنی فرنچ گنی کا مکان اس ملک کے اصلی باشندوں کی گول جھونپڑوں کی طرح دو دو منزلہ گول جھونپڑے چھپر کے چھت کے تھے - جو چھپر سر پر ایک نوک میں ختم ہوتا تھا - سپاریاں کولانٹ مختلف قسم کی لکڑیاں Caoutchouc سونے کی ریگ - ہاتھی دانت اور سپار ٹو گھاس کی چیزیں بطور پیداوار اور دستکاری کی دکھلائی گئی تھیں - اس مکان کے سامنے ایک مٹی کا بلند تودہ ڈھیروں سے قلعہ کی طرح بنا کر اس میں دو ناریل کے درختوں اور پشتہ پر چھپر ڈال کر گائنا کی پولیس اور ملیشیا کا نمونہ دکھلایا تھا

سامنے ایک کھیتی میں ویسیوں کی کھیتی باڑی اور فصل کا نمونہ دکھلانے کے لئے۔ باجرا۔ کیلے کے پورے۔ چاول۔ قہوہ۔ کوکوا انڈیا ربڑ اور کوبھی کے پودے بور رکھے تھے۔

انڈوچائینا فرانسیسی افریقن نوآبادیوں کے مکانات کی صورتیں ہر چند کہ متنوع بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن اُن کے اندر بہت سا بھدا پن اور یکسانیت تھی۔ لیکن فرانسیسی انڈوچائینا کی عمارات کیا بلحاظ ظاہری صورت کے دلکش ہونے اور کیا اندر کی حالت کے بہت دلچسپ تھیں فرانسیسی علاقہ انڈوچائینا جو ایک گورنر جنرل کے ماتحت ہے کسی ایک مقام کا نام نہیں۔ بلکہ اس میں کوچن چائینا۔ کمبوڈیا۔ لاؤس۔ انام اور ٹانکین شامل ہیں۔ اور فرانس نے انڈوچائینا کی نمائش کے لئے پانچ ہی مکانات بھی تعمیر کئے تھے (۱) انڈوچائینا کی پیداوار کا مکان چولون کے پگوڈا کی نقل تھا (۲) فنون و دستکاری کا مکان کولوا (ٹانکین) کے محل کا نمونہ تھا (۳) جنگلات کی پیداوار کا مکان ایک انامی گھر کی صورت کا تھا۔ (۴) نوم پینھ اس نام کے پہاڑی اور شاہی مندر کی نقل تھا۔ اور (۵) انڈوچائینا تھیئٹر

(۱) انڈوچائینا کے بڑے آباد چینی شہر چولون میں یہ مندر عجائبات سے سمجھا جاتا ہے۔ اس میں تمام فرانسیسی علاقہ کی زراعتی پیداوار اور دستکاریوں کے نمونے جمع کئے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔ چاول۔ چائے۔ قہوہ کوکوا۔ موم۔ شہد۔ نیشکر۔ نیل۔ رنگدار لکڑیاں۔ ردی۔ تیل۔ اخروٹ۔ مچھلی ہاتھی دانت۔ ہڈی۔ مختلف سوتی کپڑے۔ پودے۔ کچا ریشم۔ افیون تمباکو دیاسلائی۔ نمک۔ مچھلی۔ سیپ۔ چٹائیاں۔ اسلحہ۔ سونا چاندی۔ تانبا۔ ٹین۔ پتھر کا کوئلہ۔ گاڑیاں۔ پالکی۔ باجے۔ پروغیرہ۔ دیواروں پر کئی نقشے ان ممالکت کے شہروں اور اس میں فرانسیسی ترقی کے تھے (۲) فنون اور دستکاری کی عمارت میں انڈوچائینا کے ڈرائینگ کے تصویر۔ کتابیں اور تصویریں

چھاتے۔ پنکھے۔ چلمنیں۔ ریشم پر کام۔ زردوزی کام۔ کچھوے کے چھلکے پر کام۔ فرنیچر۔ کھلونے۔ لیکر (ایک قسم کا جاپانی روغن) کے برتن۔ پردل کی چیزیں۔ چینی اور مٹی کے نفیس برتن۔ ٹوکریاں۔ لباس اور ساز وغیرہ گلاس کیسوں میں تھے (۳) جنگلات کے سامان کا انامی شکل کا مکان واقعی انام میں بنایا گیا تھا جو یہاں ٹکڑے کر کے لایا گیا۔ ایسے مکانات دولتمند انامی سوداگروں یا حکام کے ہوتے ہیں۔ انگریزی نوآبادی سنگاپور کی طرح یہاں کی سرکاری آمدنی کا بھی بہت سا دار جنگلات کی پیداوار پر ہے۔ مگر لکڑیوں کے سب نمونے ایسے تھے جو ہم لوگ نہیں جانتے۔ (۴) پنوم پینے مینار کی عمارت واقعی بڑی عجیب تھی۔ ایک دومنزلہ مکان کے برابر بلند پہاڑی پر ایک بہت بلند گنبد بنایا گیا تھا جو ظاہرا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پتھر سے کھود کر بنایا گیا ہوگا۔ کونوں پر چار بڑے بڑے عفریت بنائے گئے تھے۔ دہلیز کے قریب ایک چھ فیٹ بلند بودھ کا سنہری بُت نروان کی حالت میں رکھا ہوا تھا۔ بہت سی سیڑھیاں چڑھ کر اس دروازہ تک پہنچتے تھے۔ مکان کے اندر کی تعمیری آرایش میں جنگلات کے پھل اور پھول اور بودھ کی مورتیں بنائی گئی تھیں۔ اور وسط میں ایک غار رکھا گیا تھا جسکے اندر کمبودیا کے کئی نظاروں کو ڈایوراما اور ایک سینو میٹوگراف رکھا گیا تھا۔ یہیں وہاں کے باشندوں کے چند موم کے بت ویسی لباس میں رکھے گئے تھے۔ اور وہاں کے جانوروں کے نمونے بھی تھے۔ کچھ مذہبی رسوم کی متعلقہ چیزیں۔ موم بتیاں اور کچھ اور موٹے موٹے بت بُدھ کے تھے۔ پجاریوں کے چھوٹے سے مکان کے پاس چند بانس کے کھمبوں کے چھپر ایک کمبودیا کا موضع دکھلانے کے لئے بنائے گئے تھے۔ لیکن ایک اور نہایت عجیب چیز وکھلائی گئی تھی۔ یہ ایک چھوٹا

سفید ہاتھی

سا سفید ہاتھی تھا جو گورنر جنرل انڈوچائینا کی درخواست پر ایک فرانسیسی سوداگر نے لوگوں کو دکھلانے کے لئے یہاں لا رکھا تھا۔ گو

اسکا رنگ سفید تو کسی طرح نہیں کہلا سکتا تھا بلکہ زردی مائل بھوسلا سا تھا۔ مگر کہتے ہیں کہ سچ کا سفید ہاتھی کہیں ہوتا بھی نہیں۔ جس سفید ہاتھی کی بابت انام۔ کوچن چائنا اور کمبودیا کے بادشاہوں تک پرستش کرتے تھے اور اُسے سونے کے برتنوں میں کھانا دیتے تھے۔ اور وہاں کے باشندے ابتک اُسے بادشاہ سے بھی زیادہ بودھ کا مقرب سمجھتے ہیں وہ ایسا ہی ہوتا ہے چنانچہ اسکی زیارت سے نمایش پیرس کے دیکھنے والے بھی محروم نہ رہے۔ انڈو چائنیز تھیئٹر میں کمبودیا کے زن و مرد تماشے کرتے تھے جو میں نے نہ دیکھے لیکن اِسکے قریب ہی ایک جگہ انام کین کے رہنے والوں کے آٹھ دس جھونپڑے تھے جن میں یہ مرد اور عورتیں چٹائیاں بنانے۔ ریشم بُننے۔ زردوزی اور سیپ کھودنے کے کام میں مصروف پائے جاتے تھے۔ یہ انامی بہت چھوٹے قد کے اور دُبلے پتلے تھے مگر ان کے چہروں سے ذہانت نظر آتی تھی۔ ان کے مقابلہ میں کمبودیا کے لوگ گو قدآور تھے مگر بھدے معلوم ہوتے تھے۔ انامیوں کا لکڑی میں سیپ آمودہ کرنے کا کام بہت عمدہ تھا۔

ہندوستان کا محل انگریزی مقبوضات اور آبادیوں میں ہندوستان کا محل بہت خوبصورت اور عالی شان عمارت عربی اور ہندوستانی طرز تعمیر کی تھی۔ اِسکے داخلہ کے دروازہ کے گرد دو گول گنبدوں والے مینار تھے۔ میں نے اس مکان کو دو تین دفعہ دیکھا۔ نچلی منزل میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی دستکاریوں کے نمونے سجائے ہوئے تھے۔ برہما کا بہت بڑا لکڑی کا کھدا ہوا دروازہ بہت دلچسپ تھا۔ سورت کا لکڑی کا کام بھی عمدہ تھا۔ پنجاب کا پیپر میشی اور کشمیر کا چاندی اور تانبے اور مینا کاری کا کام آگرہ اور کشمیر وغیرہ جگہوں کے قالین۔ جودھپور کا ہاتھی دانت کا کام۔ میسور کی چوبی میزیں ہاتھی دانت کا باریک کام۔ بھاؤ نگر اور مدراس کی چاندی کی چیزیں سب خوشنما تھیں۔ بنگالہ کی سوزن کاری۔ ملتان اور راونکور کے مٹی کے روغنی برتن کا نمونہ

اور میرٹھ کا صابن۔ اور سیلون کے موتی بھی منجملہ اور چیزوں کے موجود تھے۔ ہیئت مجموعی ہندوستان کا لکڑی پر کھودنے کا کام کئی یورپین ممالک سے بھی اچھا تھا۔ گو ڈیزائنین اچھی نہ ہوں۔ داخلے کے قریب ہی کئی قد آدم بُت ہندوستان کے فوجی سپاہیوں کے کھڑے تھے۔ جو بہت شاندار اور قد آور معلوم ہوتے تھے۔ مکان کے بیچ کے حصہ میں ہندوستان کے جنگلی جانوروں کا ایک جنگل بنایا گیا تھا۔ جس میں ہاتھی شیر چیتے ریچھ بھیڑیے لومڑی وغیرہ جانور کے بُت بھُس سے بھرے ہوئے قدرتی ہیئت میں کھڑے تھے۔ چند ہندوستانیوں کی دُکانیں بھی تھیں۔ ایک پارسیوں کے کپڑے اور دھات کے برتنوں یعنی انڈین کیوریاسی ٹیز (Indian Curiosities) کی۔ ایک آچار اور چٹنیوں کی تھی۔ میں نے یہ بھی سُنا تھا کہ یہ پارسیوں کی دُکانیں بیس بیس سال سے لنڈن میں ہیں۔ مگر انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ ٹامس لپٹن اور انڈین ٹی ایسوسی ایشن کی چاے کی دُکانیں تھیں۔ اس ایسوسی ایشن نے جو ہندوستان کے یورپین باغات چاے کے مالکان کی قائم مقام ہے یہاں چاے پلانے کا ایک قہوہ خانہ کھول رکھا تھا۔ جس میں یورپین عورتوں نے اپنے سروں پر چھوٹی چھوٹی پگڑیاں ہندوستان سے تعلق ظاہر کرنے کے لیئے باندھ رکھی تھیں۔ اگر ایسوسی ایشن کو سیانی ہندوستانی نوکر یا نوکرنیں اس کام کے لئے ملتے تو وہ خوشی سے رکھتی۔ چنانچہ انہیں میں ایک شخص گلاب شاہ نامی پنجابی چاے پلانے پر ملازم تھا۔ وہ کہتا تھا میری ماہوار تنخواہ تقریباً سوا سو روپے اور جو لوگ چاے پیتے ہیں وہ بطور ٹپ کے اور بھی کچھ دیجاتے ہیں۔ یہ لنگی اور کلاہ بڑے فخر سے باندھتا تھا۔ اور زیادہ لوگ اُسی سے آکر چاے مانگتے تھے۔ ایک کلکتہ کی رسوں کی دُکان بھی تھی جس نے ہر قسم کے موٹے اور باریک رسوں سے ایک محراب بنا رکھا تھا۔ ایک فرخ آباد کا بنیا پردے چھاپنے کی دُکان لیگیا تھا۔ وہ باپ بیٹا دو تھے اور

ایک پردے چھاپنے والا نوکر ساتھ تھا۔ چونکہ کوئی سامان اور مشین پردے چھاپنے کے لئے اسے درکار نہ تھی اور نہ سوائے تین آدمیوں کی روٹی کے اسے کچھ اور خرچ پڑتا تھا اسلئے یہ کہتا تھا کہ میرا کام اچھا چل رہا ہے۔ کچھ لودیانہ سے بھیجی ہوئی پھلکاریاں اور موٹا پشمینہ کا سامان بھی ساتھ تھا۔ چونکہ یہ بنیا تھا اور سوائے پیرس سے آلو خریدنے اور وہاں کا پانی پینے کے باقی ہر کھانے کی چیز فرخ آباد سے منگواتا تھا اور خود کھانا پکاتا تھا اسلئے بھی اسکا خرچ غیر معمولی طور پر کم ہوتا ہوگا۔ ہندوستانی تھئیٹر کمپنی کا خرچ تنخواہوں کا بہت زیادہ تھا۔ مثلاً ایک پہلوان کو ہزار اور ایک اور کو سات سو روپیہ ماہوار اور ایک ایک رنڈی کو آٹھ آٹھ دس دس سو روپیہ ماہوار دیتے تھے۔ ایک کھلاڑی کو سو روپیہ۔ ہاں یہ کمپنی کچھ کاریگر بھی ساتھ لے گئی تھی جو فرنچ انڈیا بازار میں بیٹھے کام کرتے دیکھے گئے۔ ان میں سے ایک مٹھائی بناتا تھا۔ ایک مٹی کے کھلونے۔ ایک میاں نذیر حسین دہلی کا مصور تھا جو ہاتھی دانت کی پلیٹ پر بہت عمدہ منی ایچر (Miniature) یعنی چھوٹی سی تصویر بناتا تھا۔ اور اُسکے کام کو اچھے اچھے یورپین مصور پسند کرتے تھے۔ اسکے علاوہ بھی کچھ لوگ تھے۔ بلکہ یہ کمپنی مراد آباد بنارس و کشمیر کے پیتل و رانجے کے برتن خورجہ اور بلند شہر کا آبنوس و ہاتھی دانت کا کام اور کچھ اور ہندوستانی سامان بھی لے گئی تھی۔ مگر میں نے اسکے ملازموں سے یہی شکایت سنی تھی کہ کچھ بکری ہی نہیں ہوتی۔ ہندوستان کے قصر نمائش کی دوسری منزل پر ہندوستان کی زراعت معدنیات و جنگلات کی پیداوار کی نمائش تھی۔ ابرق کے بڑے بڑے ٹکڑے آدھ گز تک کے میں نے یہیں دیکھے ہیں۔ سیٹر مصیوں کے مقابل دہلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کا نظارہ مع امام صاحب کی تصویر کے ایک اچھا مرقع تھا۔ اور چند ہندوؤں کے دیوتاؤں کی بھی تصویریں تھیں۔ اگر نہیں تھی تو اس مکان میں ایک

بھی مشین کسی قسم کی نہ تھی۔

سیلون ہندوستان کے قریب سیلون کی علٰحدہ عمارت میں بہت سی بیش قیمت اور خوبصورت چیزیں اس جزیرہ کی پیداوار سے تھیں۔ جواہرات اور زیورات خصوصاً سیلون کے موتیوں کا عمدہ مجموعہ تھا۔ قریب کے قہوہ خانے سے سیلون کی چاے کا پیالہ بھی مل سکتا تھا مگر بلا قیمت نہیں۔

کینیڈا کینیڈا اور آسٹریلیا کی قابل نمایش چیزیں ایک ہی عمارت میں رکھی گئی تھیں جسے کولونیل بلڈنگ کہتے تھے۔ اور اسی میں جبرالٹر برٹش ہانڈورس۔ ونڈورڈ آئیلینڈس۔ ٹرینی ڈاڈ۔ ٹوباگو فاکلینڈ آئیلینڈس سیرالیون۔ گولڈ کوسٹ۔ لاگوس۔ سینٹ ہلینا۔ ملاکا۔ ہانگ کانگ۔ نیوگنی۔ اور جزائر سینڈ وچ وغیرہ کی کوئی کوئی چیز ہوگی۔ فرانس کی طرح انگلستان اگر ہر نو آبادی یا مقبوضہ علاقہ کے لئے الگ الگ مکان بناتا اور اسی کوشش سے ان میں وہاں کی چیزیں لاکر رکھتا تو نمایش میں اور کسی ملک کے لئے مکان ملنا مشکل ہوجاتا۔ کینیڈا میں بالکل یوروپ کی طرح اشیا سے صنعت وحرفت بنتی ہیں۔ بائیسکل ٹائپ رائیٹر۔ باجے وغیرہ معدنی اور زراعتی پیداوار علٰحدہ علٰحدہ تھی۔ گیہوں کا بہت بڑا ڈھیر ایک شیشہ کے صندوق میں پڑا تھا۔ ایک میں آٹا بھی تھا۔ کیونکہ گذشتہ چند سال میں کینیڈا میں گیہوں کی پیداوار بہت بڑھ گئی ہے۔ اور کینیڈا بھی اضلاع متحدہ امریکہ کی طرح گیہوں غیر ممالک کو بہم پہنچاتا ہے۔ کینیڈا کے جنگلی جانور بھی بھس بھر کر دکھلائے گئے تھے۔ سفید بھیڑیا۔ سفید ریچھ اور کئی قسم کی مچھلیاں تھیں۔ وھیل مچھلی یعنی دریائی بچھڑا اس سے پہلے سوائے تصویر کے میں نے نہیں دیکھا تھا۔ اسکا سر باقی جسم سے خاصا الگ اور اونچا اٹھا ہوا ہوتا ہے۔ جنگلی جانوروں کے چمڑوں پوستینوں اور سموروں کی بھی کثرت تھی۔ چونکہ کینیڈا ابھی بہت سا غیر آباد

ملک ہے اور گورنمنٹ برطانیہ اور نیز گورنمنٹ کنیڈا چاہتی ہیں کہ نوآباد وہاں بسانے والے وہاں جاکر آباد ہوں۔ گورنمنٹ نوآبادگاروں کو طرح طرح کی ترغیبیں زمین مفت دینے وغیرہ کی دیتی ہے۔ یہاں کنیڈا کے متعلق ایک خاصی ریفرینس کی لائبریری جمع کی گئی تھی۔ جس سے خصوصاً کنیڈا میں جاکر آباد ہونے والوں کو ہر قسم کی واقفیت حاصل ہوسکتی تھی۔ کنیڈا کی ریلوں اور جہازی کمپنیوں کے راستے نقشوں پر دکھلائے تھے۔

آسٹریلیا — آسٹریلیا کی اشیا سے نمایش میں معدنیات کے نمونے بہت تھے۔ سونا۔ چاندی۔ جست۔ ٹین کے نمونے نمایاں کئے گئے تھے گذشتہ پچاس سال میں اس نوآبادی سے کسقدر سونا پیدا ہوا ہے۔ تیل اور چوب کے نمونے بھی تھے۔ خصوصاً پشم کے کہ جو گوشت کے علاوہ اس ملک کی بڑی پیداوار ہے۔

جاوا اور سماٹرا — ڈچ انڈیا کا مکان پچیس سو مربع گز رقبہ میں تھا۔ اور ہالینڈ نے اس میں اپنے مشرقی مقبوضات جاوا اور سماٹرا وغیرہ کی نمایش کے لئے تین مکان بنا رکھے تھے۔ ان میں سے جاوا کے مندر چاندی ساری کی نقل بودہ طرز تعمیر کا اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھا۔ جاوا میں اس مندر سے پلاسٹر کے ٹھیک نمونے اُتار کر یہ مکان بنایا گیا تھا۔ اور جاوا کے بورو بدھور کے مشہور مندر سے بودھ دیو کی زندگی کی مختلف حالتوں کی ساٹھ میٹر لمبی باس ریلیف (فراز نشیب) تصاویر کا مجموعہ نقل کیا گیا تھا۔ اِسکے احاطہ کی دیوار پر بودھ کی بہت سی بُت بنا کر جا بجا رکھے ہوئے تھے جس سے دور سے دیکھنے والوں کو اس مکان کے اندر داخل ہونے کی بڑی ترغیب ہوتی تھی۔ مکان کے اندر نہ صرف دشمن اور شوکے بہت سے بُت رکھے ہوئے تھے بلکہ ہندؤں کی طرز تعمیر کے عمارت کو بھی سجا آراستہ کیا گیا تھا۔ اس عمارت کے دونوں پہلوؤں میں دو مکانات اہل سماٹرا کی رہایشی مکانات کی طرز کے جنگلی پیشانی

پر لکڑی کی کھدائی کے کام نمایاں ۔ چھپروں سے مسقف تھیں لیکن یہ چھپر کسی باریک سی روئیدگی یا گھاس سے بنائے گئے تھے جسے میں شناخت نہ کر سکا ۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ۔ کہ یہ گھوڑے کی دم یا لکڑی کے موٹے موٹے بال ہیں ۔ ان مکانات کے اندر کچھ ہوئے ان ملکوں کے باشندوں کے خس پوش مکانات کے نقشے جو کھجور کے پتوں کے چھپر معلوم ہوتے تھے ۔ ان مکانات میں سے ایک میں ہالینڈ کے کونسل قلعہ بندی کے نقشے ۔ جنگی ہسپتال ۔ بحری اور فوجی سامان تھے ۔ اور بہت سے چارٹ اور فوٹوگراف آویزاں تھے ۔ دوسرے میں مقبوضات ڈچ کی زراعت معدنیات اور اشکال الاقوام کے نمونے اور بہت ہندو دیوتاؤں کے مٹی کے بت تھے ۔ پاس ہی جاوا کے ناچ لیلا کے شائقین کے پہنیں اور لینے کے بھدے سامان ۔ اور کاغذ اور سنہری پیتل کے ٹکٹ جمع کئے گئے تھے ۔ اہل جاوا اور سماٹرا کی بھی تیسری چوتھی انگلی اور انگوٹھے کے ناخون چینیوں کی طرح بڑھے ہوئے دیکھے گئے ۔

ٹرینسوال ۔ ٹرینسوال کا بھی نواح میں ایک خوبصورت بنگلہ تھا ۔ جس پر بوئروں کا جھنڈا اڑ رہا تھا ۔ اور چونکہ وہ جنگ کے شروع ہونے سے پیشتر بنا ہوا تھا اسلئے علاحدہ مکان بنا ورنہ ضرور انگریزی نوآبادیوں اور مقبوضات میں ہی ٹرینسوال کی اشیا بھی رکھدی جاتیں ۔ یہ دو منزلہ مکان ۱۰ سو مربع گز پر تھا ۔ لیکن اسکے علاوہ اور بہت سی جگہ پر ٹرینسوال کے متعلق مکانات تھے ۔ ایک مکان بوئروں کے فارم کے نمونہ کا تھا کہ جن فارموں کا حال چند سال سے لوگ اخبارات میں بکثرت پڑھ چکے ہیں ۔ بوئر فارم اور بڑے سے مکان کے مابین بوئروں کے آلات کشتکاری رکھے ہوئے تھے ۔ اور ساٹھ چالیس سال پہلے کے بھدے آلات اور چھکڑے نمایاں کئے گئے تھے ۔ مگر سب سے دلچسپ ٹرینسوال کا وہ مکان تھا جس میں سونا نکالنے کی

ترتیب دکھلائی جاتی تھی۔ اسکا ذکر ذرا آگے چلکر آئیگا۔ ٹرینسوال کی نمائش کے مکان میں زیادہ تر اس ملک کے غلوں اور نباتات و معدنیات کے نمونوں کا مجموعہ تھا۔ اور بھیڑیوں وغیرہ جنگلی جانوروں کی کھالوں کا۔ اس ملک کے اصلی باشندوں کی چیزیں مثل ڈھال اور تیر و کمان کے اور ان کے بت تھے۔ ایک جگہ بوئروں کے سررشتہ تعلیم کے نقشے آویزان تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ ٹرینسوال میں تعلیم خاصی بڑھ رہی تھی۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں کل اٹھارہ ہزار طلبا ٹرینسوال کے مدارس میں ہر قسم کے مضامین پڑھتے تھے۔ جن میں مُردہ زبانیں عبرانی اور یونانی بھی چندکس سیکھتے تھے۔ اور فزک کمسٹری اور جیالوجی سیکھنے والے طلبا بھی تھے۔ لیکن سارے مکان میں دلچسپ بات یہ تھی کہ

کروگر کا بُت

بڑے کمرے کے عین وسط میں پریسیڈنٹ کروگر کا ایک بُت ایک پیڈسٹل پر رکھا ہوا تھا۔ اور بوجہ جنگ کے اسکے گرد پھول اور پتے بکثرت لٹکا دیے گئے تھے۔ لوگ اس پر پھول کے ہار بھی چڑھاتے تھے جیسے کہ مُردہ کے عزیز مُردہ کی قبر پر چڑھاتے ہیں۔ اور سینکڑوں نام کے کارڈ ان پتوں کے ساتھ یوروپین تماشائیوں نے ٹانکے ہوئے تھے ان میں سے اکثر کارڈوں پر فرانسیسی اور ایک جگہ انگریزی میں بھی لکھا ہوا تھا "شاباش بہادر" "تمہاری بہادر قوم زندہ رہے"۔ اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ یوروپ میں جنگ ٹرینسوال کی وجہ سے بوئروں سے بہت لوگوں کو اور خصوصاً فرانسیسیوں کو ہمدردی تھی اور انگریزوں سے اسی قدر بغض و حسد تھا۔ ہندوستان کی مکی ٹرینسوال میں چھوٹی مکی کہلاتی ہے۔ وہاں کی بڑی مکی کا دانہ بہت چوڑا اور بڑا تھا میری نوٹ بک میں اسکا اتنا بڑا خاکہ کھینچا ہوا ہے۔



سونے کی کان کی سیر

چونکہ ٹرینسوال کی نامور ی اور دولت کا تمام مدار سونے کی برآمد پر ہے۔ اسلئے سونے کی ہر قسم تفصیل کے ساتھ دکھلائی گئی تھی اور سونا نکالنے

کی ہر منزل کو دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ سونے کی کانوں کی پوری کیفیت ذہن نشین کرنے کے لئے ایک زیر زمین لمبی چوڑی کان کھود کر اُس میں ٹرانسوال سے لائے ہوئے سونے والے پتھر کا چورہ جا بجا پھیلا دیا گیا تھا ایک خرانک کا ٹکٹ لے کر میں بھی کان میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے چھاتا لیکر رکھ لیا اور مجھے ایک ایسی لکڑی پر بٹھلا کر کہ



جس کی صورت کچھ اس طرح ڈھلوان تھی اور جسے سلائیڈ کہتے تھے۔ نیچے کو دھکیل دیا۔ اس لکڑی کا ڈھلوان بارہ چودہ گز سے کم نہ ہوگا۔ اور بوجہ ڈھلوان اور پھسلنی ہونے کے جس شخص کو گھوڑے کی طرح دونوں ٹانگیں اس کی دونو طرف کرکے بٹھلا دیا جاتا وہ دم زدن میں کان کی سطح پر جا کر کہ جہاں تک یہ لکڑی جاتی تھی رُک جاتا۔ وقتًا تو مجھے نیچے پھسلتے ہوئے خطرے کا خیال ہوا۔ لیکن ابھی یہ خیال ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ میں نیچے پہنچکر زمین پر کھڑا ہو گیا۔ جو کانیں زیادہ گہری نہ ہوں اُن میں نیچے اُترنے کا اس سے سہل طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے نیچے ایک پارٹی پہلے ہی ایک گائیڈ کے ہمراہ جسکے سر پہ ٹوپی میں چراغ جڑا ہوا تھا کان کو دیکھنے کو جا رہی تھی۔ میں بھی شریک ہو گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ پوری طور پر زبان نہ جاننے کی وجہ سے تھوڑا بہت مطلب سمجھا۔ گائیڈ آگے آگے کان میں مختلف طریقے کھودنے کے دکھلاتا جاتا تھا۔ جا بجا کان کنوں کے بُت بنا کر رکھے ہوئے تھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کیسی کیسی مشکل جگہوں سے کسطرح کھودا جاتا ہے۔ قریب نصف میل کے پیچ در پیچ راستہ زیر زمین گھومے ہونگے۔ ایک جگہ کان کے بارود کے ساتھ اُڑ جانے کے حادثہ سے کئی آدمی مرے پڑے تھے۔ جوہانسبرگ کی سونے کی ایک کان میں بوڑھے حبشی مزدور دل سے کام لے رہے تھے ہر راستہ میں ٹریموے کی سڑک تھی۔ جا بجا چھوٹی چھوٹی دستی گاڑیاں زرد لو پتھروں سے بھری ہوئی ہیں ایک جگہ

ایک برقی ٹریم سے مع انجن اور چند گاڑیوں کے دور تک ایک حلقہ کے گرد چلا کر دکھلائی گئی۔ راستہ میں کئی جگہ دونوں طرف لکڑیاں کھڑی کر کے اور بیچ میں لکڑیوں کا چھت ڈال کر بنایا تھا تاکہ کان کی اور خندق میں نہ گر جائیں۔ یا کان کا ملبہ راستہ نہ روک دے۔ سب جگہ برقی لیمپ روشن تھے۔ ایک جگہ اتنا تنگ راستہ تھا کہ کُبڑے ہو کر بمشکل گذر سکے۔ کان کے اندر داخل ہوتے ہی خاصی سردی معلوم ہونے لگی تھی۔ کئی لیڈیوں نے اپنے گاؤن پچھلی طرف سے اُلٹ کر سر پر اوڑھ لیئے۔ کئی جگہ کان کے پہلوؤں میں زر اندود Auriferous پتھر کی دھاریاں دکھلائی گئی تھیں۔ اور انہیں جگہوں سے پتھر کھود کر کچلا جاتا ہے کہ جس سے سونے کی ریگ برآمد ہوتی ہے۔ ایک جگہ گندھک اور نمک کی کان کا نمونہ بھی تھا۔ جہاں سے ہم کان میں داخل ہوئے تھے اُس سے بہت دور باہر جا نکلے۔ یہاں ایک بھاری مشین لگی ہوئی سونے والے پتھر کچل رہی تھی۔ خود بخود پانی اس گلی اور سنگین مادہ کو دھوتا اور چھانتا جاتا تھا۔ اور جو اس میں سونا ہوتا تھا وہ علیحدہ ہو جاتا تھا۔ اسکے بعد ایک لیبوریٹری بنا کر دکھلائی گئی تھی کہ جس میں سونے کا میل صاف کیا جاتا۔ یہاں ایک مینار بنا کر اسپر نشان لگائے گئے تھے۔ جس سے ٹرینسوال کے سونے کی سالانہ برآمد کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں ٹرینسوال کی (۱۰۵) کانوں پر چھ کروڑ پونڈ سرمایہ خرچ ہوا تھا۔ مگر اس سے چھ گنا قیمت کا اس سال میں سونا برآمد ہوا۔ یہاں سے کسی قدر مشکل سے تلاش کر کے میں پھر اُسی مقام پر پہنچا کہ جہاں سے کان کے اندر داخل ہوا تھا اور اپنا چھاتا حاصل کیا۔

قدیم غاریں — لیکن اس جگہ سے قریب ہی ایک مقام میں ایک اور غار تھی۔ جس میں قدیم تاریخی غاروں اور کانوں کے نمونے اور زیر زمین اشیا کی کیفیت دکھلائی گئی تھی۔ اسکا نام انڈر ورلڈ (نچلی دنیا) تھا۔ لوگ ایک فرانک

دیگر اندر داخل ہوتے تھے۔ اس میں زمین کی ساخت کے مختلف طبقات کی ماہیت دکھلائی جاتی تھی۔ بعض کانوں مثل بلور وغیرہ کے نمونے بھی نیچے دکھلائے گئے تھے۔ ایک قدیم زمانہ کی کھودی ہوئی کان تھی۔ ایک مصری ممی (حنوط کی ہوئی لاش) کی خندق تھی جسکے محافظ ایک مصری دیوتا اور اسکی بیوی تھی ایک ٹراجن مقبرہ میں اگی ممنن اور کساندرا کی قبریں تھیں۔ کئی اور قدرتی خندقوں اور غاروں کے نمونے دکھلائے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک میں فاسفورس کی وجہ سے روشنی نظر آتی تھی۔

روسی مقبوضات | ایشیائی روس کی کئی عالی شان اور خوشنما عمارتیں ٹراکوڈیرو کے فواروں کے سامنے تھیں۔ ان کی تعمیر میں بانی رنگین طرز تعمیر کے بہترین نمونے صرف کئے گئے تھے۔ جس طرح روس کے گرجوں اور زار روس کو عالیشان محلات کریملن وغیرہ کی تصاویر میں ہم نوکدار اور رنگین مینار دیکھا کرتے ہیں میں نے روس میں گئے بغیر ہی یہاں ان خوبصورت میناروں کو دیکھ لیا۔ ان کی نوکدار چھتیں زرد سبز اور نیلگوں جابجا مطلا کی ہوئی بہت شاندار معلوم ہوتی تھیں روس کے پاس پاس چار پانچ مکان تھے۔ جن میں سے ایک جو بخارا کی اشیاء سے نمایش کے لئے مخصوص تھا وہ اندر سے سمرقند کی جامع مسجد کے نمونے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ ان مکانات میں سائبیریا وسط ایشیائی روس اور بخارا کی تمام پیداواریں اور دستکاریاں جمع تھیں۔ اکثر نام روسی خط اور زبان میں

بخارا کی نمایش | تھے اسلئے سب چیزوں کو میں نہ سمجھ سکا۔ وسط کے بڑے کمرے میں تمام سامان زیورات زینیں لگامیں۔ قالین۔ ریشم کے کپڑے اور کچھ درختوں اور جانوروں کے نمونے امیر صاحب بخارا کا ذاتی مجموعہ تھا بخارا کا ریشم مشہور ہے اور واقعی یہ نمونے اعلےٰ درجے کے تھے۔ یہاں تین چار اہل بخارا محافظ تھے۔ ان میں سے دو سے فارسی میں باتیں ہوتی رہیں۔ کہیں کہیں فارسی بھی کام آجاتی ہے۔ ایک دن شاہ کجکلاہ ایران کے

بعض ہمراہیوں سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ ایک دوسرے کمرے میں روس کی پیداوار بہت سے قیمتی پتھروں اور جواہرات کے نمونے تھے۔ اس میں روس کے مختلف اقوام قلماق اور گلیاک وغیرہ کے دیوتا اور دیگر اشیا بھی تھیں۔ روسی ڈیول ڈانس (شیطانی ناچ) کے بُت بھی ایک جگہ تھے۔ روسی رعایا کی مختلف قوموں کے قدآدم بُت بھی کئی ایک تھے۔ ایک نہایت حسین جارجیا کی عورت کا سومی بُت میں گویا باتیں کرنے کی کسر تھی۔ روس کے پشم اور پوستینوں والے جانوروں، ریچھ اور کئی قسم کی بلیوں اور لومڑیوں اور چوہوں اور مچھلیوں اور بارہ سنگوں کی کھالیں اور بھُس سے بھرے ہوئے نمونے ایک کمرہ میں تھے۔ یہ پوستینیں اور سمور روس کی سرکاری محاصل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ کیسی کیسی خوبصورت پوستینیں روس میں پیدا ہوتی ہیں۔ سبحان اللہ لیڈیاں تو ان پر فریفتہ ہو جاتی تھیں۔ دو بہت بڑے سفید ریچھوں کے بُت رکھے۔ ان میں سے ایک تو خاصا معمولی گائے کے قد کے برابر تھا۔ روس کے مختلف مقامات کی پیداوار اور خصوصاً سائبیریا کی لکڑی کے کئی نمونے تھے۔ تاتاریوں کی خانگی زندگی کے سامان جا بجا پڑے تھے۔ ان میں ایک جگہ ایک قرآن کی جلد بھی تھی۔ روس کے دونوں طویل ریلوے سلسلوں یعنی ٹرینیں کا کیشیا اور سائبیریا ریلوں اور کئی دوسرے انجنیری کاموں کے نقشے اور فوٹو گراف رکھے ہوئے تھے۔ اور بعض جہازوں کے ننھے ننھے ماڈل (نمونے) تھے۔ غرض روس کا بڑا حصہ دل وغیرہ اشیا سے نمایش کا تھا۔

سائبیریا کی ریل — پچھلی طرف ان عمارات کی ایک جگہ سائبیرین ریلوے کا پینورا ما تھا جس میں اس دُنیا کے سب سے لمبے ریلوے سلسلہ کے راستہ کا متنوع نظارہ دکھلانے کے لئے لوگوں سے ایک یا دو فرانک فیس لیکر انھیں ریل کی سچ مچ کی گاڑیوں میں بٹھلا دیا جاتا۔ اور پھر اُن کی آنکھوں کے سامنے ان نظاروں کی تصاویر ایسی کاریگری سے پھیرتے کہ لوگوں کو گمان

ہوتا کہ وہ سچ مچ سائبیریا کی ریل میں سوار ہو کر سفر کر رہے ہیں اور کہیں جنگل اور کہیں بیابان اور کہیں دریا اور کہیں کسی خانہ بدوش قوم کا قافلہ اُن کے سامنے سے گذر جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ مَیں نے اس تماشا کو نہ دیکھا جس وقت میں اس جگہ کے اندر داخل ہونے کے لئے ٹکٹ لینے لگا تو ایک انگریز عورت ٹکٹ دینے والے سے جھگڑنے لگی کہ تم نے محض دھوکا کر رکھا ہے۔ کچھ بھی سائبیریا کے سفر کا مزہ نہیں آیا۔ اور ریل کی گاڑیاں ذرا نہیں چلتیں۔ مجھے بھی اس عورت نے اسباب کا یقین دلایا۔ اور مَیں نے اسکے دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ورنہ جس طرح اور بعض ملکوں کے پینورامو نکی خواب آنکھیں بند کر کے دیکھ لیا کرتا ہوں سائبیریا کے بھی دیکھ سکتا۔ سائبیریا کا علاقہ تمام یورپ کے برابر ہے۔ اور اب تو ویران اور غیر آباد ہے لیکن اس ریلوے لائن سے اس علاقہ کی آبادی میں ضرور بڑا تغیر ہوگا۔ ساتھ ہی اہل یورپ چین اور جاپان کو جانے کے لئے اسی راستہ کو ترجیح دیا کرینگے۔ آجکل فرانس یا انگلستان سے جلدی سے جلدی اٹھائیس روز میں جاپان میں پہنچ سکتے ہیں اور تیس روز میں چین میں۔ لیکن اس لائن کی تکمیل کے بعد انگلستان یا فرانس سے لوگ سولہ روز میں جاپان میں اور سترہ روز میں چین میں پہنچ جایا کرینگے۔ کیونکہ ۱۱ روز میں موسکو سے ولیڈی ورسٹاک تک اس لائن کی گاڑیاں پہنچیں گی۔ اور اڑھائی روز میں اب لنڈن سے ماسکو تک پہنچ جاتی ہیں۔

چین کے مکانات چین کی نمایش پانچ چھوٹے چھوٹے مکانات میں تھی جو ایک دوسرے کے متصل تھے۔ سنہ ۱۸۸۹ء کی پیرس کی نمایش میں چین نے روس کے قریب بعض پولیٹکل وجوہات سے مکان بنانے سے انکار کیا تھا مگر اب کے اس نے روس کے قریب اپنے مکانات تعمیر کر لئے۔ مگر گورنمنٹ چین نے معقول مقدار روپیہ کی اس کام پر خرچ نہیں کی ہوگی۔ کیونکہ مکانات

چھوٹے چھوٹے بنائے گئے تھے۔ تاہم ان میں چین کی مشہور عمارات کی نقلیں اتاری گئی تھیں۔ ایک میں پیکن کے نو دروازوں کی نقل تھی۔ اور چومنزلہ مکان تھا۔ ایک جگہ چین کے مشہور دیوار کے پیکن سے ۳۱ میل کے فاصلہ پر ایک دروازہ کی نقل کی گئی ہے۔ کہ جس پر چھ زبانوں میں کچھ کندہ ہے لیکن ان میں سے اس وقت ایک کا بھی مطلب کوئی نہیں سمجھ سکا۔ چینی مکانات کے چھتوں کے کونے اسی طرح مڑے ہوئے تھے جیسے کہ چینیوں کے ہوتے ہیں۔ ایک مکان کے عین وسط میں ایک درخت اگا ہوا تھا اور اس کی شاخیں چھت سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ایک عمارت میں پیکن کے کونفوشش کے مندر کے مشہور دروازہ کا نمونہ بنایا گیا تھا۔ جس کی تہ سفید سنگ مرمر کی تھی اور اوپر سے زرد اور سبز دو رنگوں کی چینی سے بنا ہوا تھا۔ ایک مکان فغفور چین کے محل کے ایک حصہ کی نقل تھا۔ جس کے چھت کی کھپریلیں سبز اور سنہ ون نہایت ہلکے پھلکے تھے۔ یہ مکان ایک چھوٹی سی جھیل کے کنارے پر ایک چینی پودوں کے باغ کے اندر بنایا گیا تھا۔ چینی زراعتی پیداوار میں گو گیہوں اور چری بھی بوئی جاتی ہے اور شہد بھی یہاں دکھلایا گیا تھا۔ لیکن چاول ہی دراصل ضروری چینی غلہ ہے چاول کے سوا سب چینی ہیچ ہیں۔ اور اسکے کاغذ پر یہاں کے نقاشش اور مصور بیش قیمت تصاویر بنانے میں مشاق ہیں۔ اسکے علاوہ چاہ چین کی دولت کا بڑا ذریعہ ہے۔ گو پوست کی کاشت کا بھی شوق کیا جاتا ہے اور اسی لئے ان سب فصلوں کے کچھ کچھ نمونے دکھلائے گئے تھے۔ لیکن جس چیز پر چینی ناز کرتے ہیں وہ اُن کے ملک کی پیداوار نہیں بلکہ اُن کے ہاتھوں کی پیداوار ہے۔ چینی دستکار یہاں بھی پتھر اور ہاتھی دانت کے کھود نے عجیب الخلقت عفریتوں کی کاغذ پر تصویریں بنانے (یا اگر آپ پسند کریں تو اسے نقاشی کہئے) اور چاندی سونے پر مینا کاری کرنے۔ جوتے

بنا سکتے اور ریشم بنتے ہیں۔ وہ تمام مصنوعات پاس سے جاسکتے تھے۔ یہاں ہر درجہ
کے چینیوں کے قد آدم تصویر رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے پہلی جس
چیز پر نظر پڑتی تھی۔ وہ یہاں کے لوگوں کے بڑے بڑے بڑھے ہوئے مکروہ
ناخن ہوتے تھے۔ خدا کی شان کہ ایسی مہذب قوم اور ایسے کریہ ناخن آدھ آدھ
انچ سے زیادہ بڑھے ہوئے باعث فخر و ناز سمجھے جاتے ہیں۔ میں نے بعض یورپین
ممالک مثلاً آسٹریا اور زیادہ جرمنی میں دیکھا ہے کہ لوگ یوں تو سب انگلیوں
کے ناخن ذرا بڑے رکھتے ہیں۔ مگر چھنگلیا (خنصر) کے تو بہت بڑھا لیتے
ہیں۔ چینیوں کا لکڑی میں سیپیا کا کام اور ریشم کے کپڑے اور ریشم پر کشیدہ
اور نقاشی دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کیسی اعلیٰ درجہ کی صنعت مروج کی
اور ان کی جفاکشی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لیکن خود ایسے بے تمیز
ہیں کہ حالات ذاتی کی ہوا انہیں نہیں لگی۔ نمائش گاہ کے ایک کمرہ میں ایک چینی
عورت کی لاش کو سامان عروسی پہنا کر تابوت میں رکھا ہوا تھا۔ اور شوہر پاس بیٹھا
ہوا بین کر رہا تھا۔ عورت کے دونوں کانوں کے قریب اور سینہ پر سونے کے
دیا ڈالر ہوتے تھے، ڈبوں میں بھرے ہوئے رکھے تھے۔ جو مردہ کا زاد راہ
سمجھا گیا تھا۔ بلحاظ مقدار اور زیبائش کے اس نمائش سے زیادہ چینی سامان
میں نے برلن کی عجائب گاہ میں دیکھا تھا۔

پرتگال
پرتگالی نوآبادیوں کا بھی مکان علیحدہ تھا۔ اور اس پر پرتگالی
قومی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ لیکن اسباب نمائش بہت کم تھا۔

کوئلہ کی کانیں
فرانسیسی کوئلہ کی کانوں کی عالی شان عمارت میں پتھر کی کوئلہ
کی کان کنی کے متعلق تمام کوئلہ کی کانوں سے سامان نمائش جمع کیا تھا۔ یہاں
بڑے بڑے گیس انجن برقی ڈائنمو چلا رہے تھے اور نیز زیر زمین جگہوں میں ہوا پہنچانے
کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر علم طبقات الارض کے نمونے اور کان
کنی کے انجنوں کے ماڈل تھے۔ دوسرے چھت پر کانوں کے تمام موسمی نمونے

اور ہوا پہنچانے والے سامانوں کے نمونے تھے۔ عمارت کے پیچھے ایک کان کھدی ہوئی تھی جو ٹرینسوال کی سونے کی کان سے جاملتی تھی۔ اس کان میں جانے کا اُسی قسم کی لکڑی کا ڈھلوان راستہ بھی تھا۔ دستی ٹھیلوں پر بھی جاسکتے تھے اور جس طرح کان کن ایک ٹوکری کی طرح کے پنجرے میں بیٹھ کر جاتے تھے اس طرح بھی داخل ہو سکتے تھے۔ اندر کوئلے لوہے نمک جست اور سونے کی کانوں کی سیر کی جاتی تھی۔

لائٹ ہوسوں کی نمائش

لائٹ ہوسوں یعنی روشنی کے میناروں کی نمائش بھی ایک خاص مکان میں کی گئی تھی۔ فرانس کے ساحلوں پر ۳۴۲ روشنی کے مینار ہیں جو تاریکی کے وقت جہازوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ اور اگر ہو سکے تو مصیبت کے وقت اُن کی تھوڑی بہت مدد بھی کرتے ہیں اسلئے فرانس لائٹ ہوسوں کی نمائش کس طرح فراموش کرسکتا تھا۔ یہاں قدیم تاریخی بحری میناروں کے نمونے جو دستیاب ہو سکتے تھے رکھے گئے تھے۔ سب سے قدیم لائٹ ہوس قبل مسیح آٹھ نو صدیوں سے بننے شروع ہوئے تھے۔ پاٹیرنس کے مشہور لائٹ ہوس کا ماڈل بھی رکھا تھا کہ جو قدیم زمانہ میں بندر اسکندریہ کے داخلہ پر نصب تھا۔ یہ پانچ سو میٹر بلند ایک تنگ ولمبی مینار تھا کہ جس کی چوٹی پر ہر شب آگ روشن رہتی تھی۔ اسی طرح روڈس کا مشہور معدنی بُت بھی صرف ایک لائٹ ہوس تھا کہ جس کی چوٹی پر رات کو آگ روشن رہتی تھی اور اسکے دونوں ٹانگوں کے درمیان سے جہاز گذر جاتے تھے۔ فرانس کا سب سے مشہور اور بلند (۱۸۰ فیٹ) انکمل کا مینار ہے جس پر تیس لاکھ بتیوں کی برقی روشنی جلتی ہے۔ جو ساٹھ پینسٹھ میل سے نظر آتی ہے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۳۳۵ میل کی مسافت سے بھی دیکھی گئی ہے۔

پادریوں کے کارنامے

مشنری یعنی فرانس کے عیسائی مشنوں کا مکان تھا جس میں تمام دنیا کی ردمن کیتھولک مشنوں نے اپنی اشاعت دین اور اشاعت تہذیب

کے کام کو دکھلایا تھا۔ مشنوں کی تاریخ کی منزلوں کے نمونے دکھلائے تھے کہ کیسے انہیں غیر مہذب ممالک میں سابقہ پڑتا ہے۔ پادریوں نے جو علمی دریافتیں اور تحقیقاتیں غیر معلوم مقامات میں کی ہیں۔ جو انہوں نے کتابیں رپورٹیں اور رسالے لکھے ہیں اُن سب کے نمونے یہاں رکھے گئے تھے انہیں میں امریکہ کے نہایت قدیم نقشے بھی تھے جو روم کے کتب خانوں سے منگوا کر رکھے گئے تھے۔ اس مکان کی پہلی منزل میں مشنریوں کے افریقہ، چین اور بعض جزائر میں لوگوں کو جا کر تعلیم دینے کی کیفیت مومی بُت بنا کر دکھلائی گئی تھی۔ ان میں ایک نظارہ ایک مشنری لیڈی کا تھا۔ جو جزامیوں کو مرہم پٹی کر رہی تھی۔ واقعی ایسی قربانی کی نظیریں دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ مذہب عیسوی خواہ کچھ ہو۔ لیکن ان لوگوں میں خلوص ضرور بہت ہوتا ہے۔ دوسری منزل میں مشنریوں کی دنیا میں کارگزاری اور رومن مشنوں کے کام کے نقشے اور جن قوموں کے اندر وہ کام کرتے ہیں اُن کے بُت تھے۔ مشنریوں کی ہندوستان چین افریقہ وغیرہ مختلف ملکوں کی زبانوں اور مشنوں کے متعلق تصنیفات۔ اور مشنوں سے کام سیکھنے والوں کے کشیدے اور کام۔ بعض بڑے پادریوں کے بُت۔ پادریوں کے کھینچے ہوئے فوٹوگراف۔ پادریوں کے مرکزوں کی قابل نمایش چیزیں۔ ایک حصہ میں مشنوں کے متعلقہ کارخانوں اور دستکاری کے مدرسوں کے بنے ہوئے بوٹ۔ چھوٹی چھوٹی مشینیں۔ کپڑے خوراکی اشیا کی نمایش تھی۔ میں اس حصہ کو دیکھ کر عیسائی پادریوں کے ایثار نفس کشی اور مفید کام کا ہمیشہ سے زیادہ قائل ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ پادریوں میں بعض مکار طالبان جاہ اور عیش ہوں۔ لیکن بہت سے ایسے روشن ضمیر لوگ ہیں کہ قطع نظر مذہب کے وہ دنیا میں شائستگی پھیلانے اور نوع انسان کی خدمت کرنے کا بہت نیک کام کرتے ہیں۔

مصر کا قومی مکان	مصر کے مکان کے تین حصے تھے۔ جدید مصری بازار۔ قدیم

مصر کے بت اور قبریں اور مصر کا نقشہ تھا۔ اس لمبے بڑے مکان کے باہر اور اندر ہر جگہ مصری بتوں کی تصویریں تھیں۔ مصری ہائروگلیفک (تصویری حروف) کی شکلیں اور نوبیا اور کارناک کی قدیم تعمیر کے نمونے نمودار تھے۔ دور سے ہی اس مکان کا دروازہ دیکھ کر ہر شخص سمجھ جاتا تھا کہ یہ تو قدیم مصر کا کوئی مندر ہوگا۔ ایک مکان میں مصر کی ساخت کے کپڑوں مصری غلوں اور کپاس کے نمونے تھے واقعی مصر کی مشہور کپاس کے ریشے کتنے لمبے ہوتے ہیں۔ بوٹے معمولی اور سیاہ رنگ کے تھے مگر پودے میرے قد سے دو بالشت بلند تھے۔ کئی مصری ساخت کے نئے اور پرانے قالین بھی دیواروں پر آویزاں تھے کئی کپڑوں پر جلی عربی حروف سفید کپڑے کی رنگین زمین پر ٹنکے ہوئے بھلے معلوم ہوتے تھے جو دیواروں پر بطور قطعات کے لٹکائے گئے تھے بیچ کے مکان میں مصری دوکاندار قریب سب یہودی (ایک نے کہا تھا کہ وہ مسلمان ہے۔ اور ہندوستان سے ہو گیا تھا اور کچھ اردو بول سکتا تھا) چھوٹے چھوٹے زیور رومال اور طلادار کپڑے صدریاں وغیرہ بیچ رہے تھے۔ اسی مکان کے ساتھ ایک کھانا کھانے کا رسٹورنٹ ہے جس کی چھت پر چاندنیاں لگی ہوئی تھیں۔ اور سب پر جا بجا خوش خط عربی حروف کپڑے پر ٹانکے ہوئے تھے۔ اس کے اندر کے مکان

مصری تھیٹر

میں مصری تھیٹر تھا۔ درجہ دوم کے لئے نصف فرانک دیکر میں بھی داخل ہوا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ آدمی ساٹھ ستر سے زیادہ نہ ہونگے۔ تماشا والے کسی قدر اور آدمیوں کا انتظار کرنا چاہتے تھے کہ لوگوں نے زور زور سے لکڑی کے فرش پر بوٹ مارنے شروع کئے۔ اس پر تماشا شروع ہوا پہلے ایک مصری عورت نے ناچ دکھلایا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ ٹرکی تھیٹر میں اور ہیرشینس کے قہوہ خانہ میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ ناچتے وقت بعض عورتیں ہاتھ کی دو دو انگلیوں سے دو دو پیتل کے گھونگرو آرسی کی شکل کی بجاتی جاتی ہیں

اوران کی سر تال کو ناچ کے مطابق رکھتی ہیں۔ ہر چند کہ ان کا ناچ جیسا کہ کاہوتا ہے تاہم بادی النظر سے بھی قائل ہونا پڑتا ہے کہ انھوں نے اسی طریقہ کو اعلےٰ درجہ کی آرٹ تک پہنچادیا ہے جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کرتا ہوں۔ اسلئے کہ ان کی کمر کا ملنا صفائی سے معلوم ہوسکے ان کے گلے میں صرف ایک بنیان ہوتا ہے۔ اور صرف کندھوں پر تھوڑا سا فینسی کپڑا اوڑھا ہوتا ہے۔ اس عورت نے دانتوں میں ایک ہلکی سی کرسی اٹھاکر بھی ناچ کیا۔ ایک دوسری عورت کچھ دیر اسی طرح ناچ دکھلا کر ایک گاؤ تکیہ پر لیٹ گئی۔ اور چار شیشہ کے گلاس اپنے سینے پر رکھ لئے۔ یہ سینہ ایسی صفائی سے ہلاتی تھی۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ سینہ کے مختلف حصے باری باری سے ایسے طور پر ہلاتی تھی کہ چاروں گلاسوں کے آپس میں ٹکرانے سے بالکل موزوں اور ہم آہنگ سریلی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ اس قدر کاریگری کا کام سمجھا گیا کہ لوگ دمبدم اسپر داد دیتے تھے۔ اسکے بعد حبشی زن و مرد کا بھنگم سا ناچ دکھلایا گیا۔ پھر ایک شادی کا سین دکھلایا گیا۔ جس میں عورتوں نے ملکر دردناک سریلی آواز میں عربی گیت گائے۔ پہلے دولہا لاکر بٹھلایا گیا۔ پھر زرق برق کے لباس میں دلہن لائی گئی۔ اور بہت سی عورتوں نے ایک دوسری کی کمر میں ہاتھ ڈال کر حلقہ بنا کر گھومنا شروع کیا۔ سروں پر دو مرد تھے جو ساتھ ساتھ تلواریں گھماتے جاتے تھے۔ اور حلقہ کے بیچ میں ایک شخص بانسری بجاتا جاتا تھا۔ اسکے بعد دولہ کے بدوی لباس پہنکر آئے اور گدکا کھیل گئے۔ پھر بہت سی عورتیں دلہن کو ساتھ لیکر قطار بنا کر آئیں۔ یہ پہلو بہ پہلو دو عورتوں کی قطار تھی۔ اور کچھ عربی گیت گاتے ہوئے پردوں کے پیچھے چلی گئیں۔ اور تماشا ختم ہوگیا۔

ان مکانات کی پچھلی طرف قدیم بادشاہان مصر کی قبریں اور عتیق مصری چیزیں تھیں۔ لیکن ایک شخص نے مجھے صاف جواب دیدیا کہ اسوقت

نہیں دکھلاتے شاید کچھ مانگتا ہوگا۔ اس مکان میں ایسی ہی بدانتظامی معلوم ہوتی تھی۔

جاپان

جاپان کے چھوٹے چھوٹے مکانات مصر کے پیچھے تھے جو ایک باغ کے درمیان بنائے گئے تھے۔ اس چھوٹے سے باغ میں ٹوکیو پایہ تخت جاپان کے شاہی باغ سے بہت سے پودے اور پھول مثل درخت کافور شہتوت۔ موسا۔ بانس کے اقسام اور وارنش کا درخت لاکر یہاں بوئے گئے تھے۔ گل داؤدی اور بعض دوسرے مشہور جاپانی پھولوں کے بھی نمونے تھے۔ وسط میں ایک چھوٹی سی جھیل میں جاپانی مچھلیاں چھوڑی گئی تھیں۔ ان میں سے بڑا مکان مندر کوڈو کی نقل بنایا گیا تھا۔ جو جاپان کے بدھوں کا نہایت مقدس مندر سنہ ۵۹ء سے بنا ہوا ہے۔ جاپان نے گو بہت کم چیزیں نمائش کی تھیں لیکن اسکی صنعت کا ثبوت دینے کو بھی کافی تھیں۔ آرٹ کے چند نظارے پینل پر کھدے ہوئے۔ اور کچھ جاپانی بت تھے۔ جاپانی چائے کا ایک علیحدہ مکان تھا جہاں پکی ہوئی چائے بھی بانٹی جاتی تھی اور دوسرے مکان میں ساکی (چاولوں سے بنی ہوئی ایک قسم کی ہلکی شراب) جاپانی چائے کا پودا بہت نازک ہوتا ہے۔ جسے دھوپ اور جاڑے سے دونوں سے ڈھانپ کر رکھا جاتا ہے۔ اور جاپانی بچے ہاتھوں میں دستانے پہنکر اس نازک پودے سے پتے توڑتے ہیں۔ جاپان کے ریسٹورنٹوں میں یورپین مرد جاپانی لباس پہنکر جاپانی سارنگیاں بجا رہے تھے اور یورپین عورتیں جاپانی لباس میں چائے پلا رہی تھیں۔ جاپانی بازار میں جاپانی ریشم کے نمونے بھی پنکھے اور چھتریوں کے تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جاپان نے گذشتہ پچیس تیس سال میں جو ترقی علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں کی ہے اس سے یہ قوم اہل یورپ کی نظروں میں قابل عزت قرار پاگئی ہے۔ جولائی سنہ ۱۸۹۰ء کو ابھی زیادہ مدت نہیں گذری جبکہ جاپان کی متواتر

درخواستوں پر دول یورپ نے جاپان کو اپنے برابر شائستہ تسلیم کیا تھا۔ اس سے پہلے یورپ کے لوگوں کے مقدمات جاپانی مجسٹریٹوں کے سامنے پیش نہیں ہو سکتے تھے اور نہ جاپانی پولیس اہل یورپ مجرموں کو پکڑ سکتی تھی۔ لیکن فروری سنہ ۱۹۰۲ میں انگلستان ایسی سلطنت نے جاپان کو اپنا خاص دوست اور قوت بازو تسلیم کر لیا۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ چند سال کی لگاتار کوشش سے ایک قوم جو کہ سنجیدگی سے کچھ کرنا چاہے اگر اسے اسباب موافق پڑیں تو کیا کچھ کر سکتی ہے۔ جاپان نے صنعت و حرفت میں بھی بہت ترقی کی ہے لیکن کتنے دنوں میں۔ ذرا ان اعداد کو ملاحظہ کیجئے۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں جاپان نے صرف (۴۷۱۰۰۰۰۰) فرانک کا مال ممالک غیر کو بھیجا تھا۔ اور سنہ ۱۹۰۰ میں (۹۵۰۰۰۰۰۰) فرانک کا۔ سنہ ۱۸۹۵ء اس کا کل سرمایہ جو حرفت میں مصروف تھا (۱۲۵۰۰۰۰۰) فرانک سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن سنہ ۱۸۹۵ میں (۲۷۵۰۰۰۰۰) فرانک کو پہنچ گیا۔ پہلی سوت کاتنے کی مل سنہ ۱۸۹۴ء میں اوساکا میں قائم ہوئی لیکن سنہ ۱۹۰۰ء میں جاپان میں ستر ملیں قائم تھیں۔ اور گذشتہ دس سال میں سوت اور سوتی کپڑا ایک سے اسی ملین گنا بڑھ گیا ہے ✣

ناچ کا پیلیس

یوں تو نمائش گاہ میں ناچ اور تماشا دکھلانے کے کئی مکان تھے۔ لیکن اس مکان میں ناچ کی فلاسوفی دکھلانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک تھئیٹر کی سٹیج پر مختلف زمانوں کے یوروپین ناچ کی تاریخ اور مختلف ممالک اور اقوام کے عجیب و غریب ناچوں کے نمونے دکھلائے جاتے تھے۔ ممالک مشرق کے مذہبی ناچ بھی فراموش نہیں کئے تھے۔ چینیوں کا پنی ودن ناچ ہندوؤں کے فرقہ شوجی کا بیاوری ناچ۔ مصریوں کا مکھی کا ناچ۔ قدیم یونان و روم کے مذہبی اور جنگی ناچوں میں آس کا ناچ۔ مرہٹ کا ناچ اور بیکا نیلیا کا ناچ تھا۔ اسی سے قدیم زمانہ اور زمانہ موجودہ کے یوروپ کی بعض قوموں کے ناچ (جو انہیں قوموں کے لباس میں کئے جاتے تھے) بہت دلچسپ تھے۔ اور

معلوم ہوتا تھا کہ فرانس نے بھی دنیا کی تاریخ میں خصوصاً ممالک یورپ میں بڑا حصہ لیا ہے ✦

نقل مطابق اصل اس مکان میں بیس بیس انچ کے بلند چند آٹومیٹن (خود بخود حرکت کرنے والے بت) بنا رکھے تھے۔ جنہیں بہت عمدہ لباس پہنایا گیا تھا اور دیکھنے میں ان میں اور آدمیوں میں بمشکل تمیز ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ فونوگراف کے ذریعے سے یہ بول بھی سکتے تھے۔ ان کے ذریعے سے زمانہ حال کی یورپین زندگی کا خاکہ اُڑایا جاتا تھا۔ بعض اوقات کسی فیشن ایبل ڈرائینگ روم میں چند لیڈیاں اور جنٹلمین بیٹھے ہوئے خوش گپی میں مصروف ہوتے اور ناچتے اور گاتے تھے۔ یا ایک رجمنٹ مع اپنے افسر کے کوچ کرتی نظر آتی تھی۔ فرانس کے پریسیڈنٹ کی سواری گذرتی اور ایک فوج کا دستہ سلامی اتارتا اور ہرّہ کا نعرہ بلند کرتا۔ یہ دراصل سب ایسے ہی مصنوعی آدمی ہوتے لیکن برابر چلتے پھرتے اور بولتے چالتے تھے۔

قہقہ خانہ "میزون ڈوریر" یعنے ہنسی کا گھر ایک علیحدہ خوشنما مکان تھا جس کی غرض ہر طرح ہنسانا تھا۔ اس کی عمارت کی فرینہ میں "کارنیوال" یعنی یورپ کی مہندبانہ ہولی کے نظارے تھے۔ اس مکان کے اندر ہر چیز ہنستی نظر آتی تھی۔ یہاں ہنسی مخول ہزل ٹھٹھا ظرافت ہکو مست کرتے تھے اور فرانسیسی مسخر کی تصنیفات کا مجموعہ یہاں جمع کیا گیا تھا۔ اس مکان کے اندر کے تھیٹر میں پیرس کے بہترین کومیڈی کا تماشا کرنے والے لوگوں کو ہنساتے تھے جبکہ ان کے گرد و پیش ہر ایک مرقع ہر ایک تحریر اور ہر ایک حرکت انہیں ہنسی کی ترغیب دیتی تھی ✦

ہنڈولا یہ بہت بڑا ہنڈولا جسے "بگ وھیل" کہتے تھے ٹوکیو کی نمایش سے نقل کیا گیا تھا۔ اس کا قطر (۱۰۶) میٹر تھا اور (۱۶۰۰) تماشائی ایک وقت اس کی گاڑیوں میں بیٹھ کر زمین سے بلندی کے سفر پر روانہ ہوتے تھے۔ گویا یہ غبارہ کے سفر کا کام دیتا تھا۔ اور انجن سے چلتا تھا۔ اتنا ہی بڑا وھیل دنیا میں پہلے بھی دیکھا تھا

قاہرہ کا بازار ایک جگہ قاہرہ کے ایک بازار کی نقل اتاری گئی تھی - جہاں کئی
ایک مصری عورتیں اور مرد پھرتے تھے اور عمارتوں کی صورت بالکل مصری تھی۔ سنہ ۱۸۷۰
کا پیرس - اپی سائیکل کا عجیب تماشا - سنیڈ ٹم - بحری جنگ - کوہ وسووی اس کی آتش
فشانی اور شہر پومپی اور ہرکولینیئم کا آتشی مادہ کے نیچے دب جانے کا پینوراما - اور اور
کئی پینورامے - تھیئٹر - ڈرامے - تصویر خانے اور تماشے اس عظیم الشان نمائش گاہ
کے متعلقات سے تھے کہ جنکے ذکر کی گنجائش نہیں +

شہر پیرس کی عمارت اگر نمائش میں نہ ہوتی تو نمائش نامکمل رہ جاتی - اس کی
دونوں منزلوں اور زیر زمین تہ خانہ میں شہر پیرس کے خوشنما وجود کی بہت عمدہ تفصیل
بیان کی گئی تھی - اسکے صحن میں ایک خوبصورت باغ میں پیرس کے تمام باغات کے
پودے جمع کئے گئے تھے - وسط باغ میں ایک خوبصورت فوارہ کی ڈیزائن میں پیرس
کی آبرسانی کے تمام نمونے دکھلائے گئے تھے - اور پیرس کی میونسپلٹی نے گذشتہ
گیارہ سال میں جس قدر بت شہر میں نصب کرنے اور عجائب گاہوں کے
لیئے خریدے تھے - وہ سب اسی باغ میں جا بجا ڈالدئے گئے تھے - مکان
کے اندر محکمہ پولیس نے اپنا عجائب گھر اور صیغہ شناخت لا رکھا تھا - جس
میں انتھرو پومیٹری (مجرموں کی شناخت کے طریقہ) کا سامان تھا - یہ طریقہ
ایم برٹیلان ایک فرانسیسی نے ایجاد کیا ہے - مفلسوں کو مدد دینے کا صیغہ -
چیزیں گرو رکھنے کا سرکاری صیغہ - امور میونسپل مثل حفظان صحت وغیرہ مع
ڈایاگراموں اور عکسی تصاویر کے - سینوماٹوگراف جس سے میونسپلٹی کے صیغوں
کی کارروائی دکھلائی جاتی تھی - بازاروں اور کوچوں کے صیغہ میں روشنی پتھر کاٹ
اور موریوں وغیرہ کی صفائی کا سامان تھا - دوسری منزل پر پیرس نے گیارہ سال
میں جو تصاویر خریدی ہیں آویزاں کی گئی تھیں - اور علاوہ اسکے پیرس کی تاریخ اور
دیگر حالات کے متعلق قومی کتب خانہ اور عجائب گاہ سے بیش قیمت
کاغذات لاکر رکھے گئے تھے - ایک طرف شہر پیرس کی پرائمری

اور ٹکنیکل تعلیم کے لیئے مخصوص تھی۔ کہ جہاں فرنیچر اور آرائشی سامان کے ٹکنیکل سکولوں کا بنایا ہوا سامان جمع کیا گیا تھا۔ اور پیرس کی بڑی بڑی عمارات کے نقشے دیواروں پر آویزاں کیئے گئے تھے۔

ضمیمہ نمایش

جس طرح کسی کتاب یا اخبار کے ساتھ ضمیمہ لگایا جاتا ہے ویسا ہی سن ۱۹۰۰ء کی نمایش پیرس کے ساتھ بھی ایک ضمیمہ لگایا گیا تھا۔ شہر کے اندر جن مقامات میں نمایش گاہ کے لیئے عالی شان قصر اور وسیع مکانات تعمیر کیئے گئے تھے وہاں بعض بڑی بڑی اشیا سے نمایش کے لیئے کافی جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ جیسے کہ ریل کی گاڑیاں اور انجن۔ ٹریموے گاڑیاں۔ گھوڑے ٹٹو وغیرہ زندہ جانور۔ اور گھوڑدوڑوں اور ورزشوں کے مقابلوں کے لیئے نمایش کے اندر جگہ نکلنی نہایت مشکل تھی۔ اسلیئے نواح پیرس میں ایک بڑے جنگل میں اس کام کے لیئے جگہ نکالی گئی تھی جسکا نام ونسینیز تھا۔ بذریعہ ریل یا گھوڑے گاڑیوں کے لوگ وہاں تک پہنچتے تھے۔ اور نمایش کے ٹکٹ کے ذریعہ سے اس کے اندر داخل ہو سکتے تھے۔ یہاں ایک

ریلوے گاڑیاں و انجن

بہت بڑے شیڈ کے نیچے میں ریلوے لائنیں تھیں کہ جن پر میں قطاروں گاڑیوں اور انجنوں کی کھڑی کی گئی تھیں جیسے کہ بعض بڑے بڑے سٹیشنوں پہ گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں۔ روس کی ٹرین ڈالکس (یعنی اور آرام و آسایش کی گاڑیاں جن میں مکلف گدیلے وغیرہ سامان آرایش و آسایش ہوتا ہے) کی گاڑیاں سب ملکوں سے عمدہ تھیں۔ اس سے بعد امریکہ کی اضلاع متحدہ امریکہ کے بڑے بڑے ریلوے انجن تھے جن میں سے بعض کے پہیوں کے قطر تین تین گز تھے۔ یہ مٹی کے تیل سے

چیتے ہیں۔ اضلاع متحدہ امریکہ نے ایک بیالیس گز اونچا اور ساٹھ گز چوڑا اس ملک کی ریلوے لاینوں کا نہایت عمدہ نقشہ ریلیف میں بنوایا تھا۔ جس میں ہر لاین کو برقی روشنی کے سلسلے سے ظاہر کیا گیا تھا۔ اٹلی نے کچھ کوہستانی ریلوں کے انجن دکھلائے تھے۔ انگلستان فرانس جرمنی آسٹریا کے بھی انجن تھے۔ ہسپانیہ اور انگلستان کی زراعتی مشینوں کی نمایش بھی یہیں تھی ✦

غبارے اور موٹر کار ایک بہت بڑا اسکان موٹر گاڑیوں کی نمایش کے لئے موضوع تھا۔ موٹر گاڑیوں کی ایک دوڑ بھی ہونے والی تھی۔ مگر میرے سامنے نہ ہوئی۔ غبارے بھی یہاں نمایاں کئے گئے تھے۔ اور بعض مقررہ ایام پر غبارے ہوا میں اُڑتے تھے۔ نمایش کے قریب شہر میں ایک قیدی غبارہ ہمیشہ ہوا میں لٹکا رہتا تھا۔ او جو لوگ غبارہ کے سفر اور خوف و خطر کا مزا چکھنا چاہتے تھے۔ وہ تھوڑی سی اُجرت دے کر اس غبارہ پر دس بارہ منزلوں کی بلندی تک جا سکتے تھے ✦

خانگی حیوانات یہیں خانگی حیوانات مثل مویشی۔ گھوڑے۔ بلیاں۔ کتے۔ سور۔ مرغ۔ اور کبوتر وغیرہ دکھلائے گئے تھے۔ کچھ کاشت انگور کی اور امریکہ کی لکڑیوں اور جنگلی پیداوار کے نمونے بھی یہاں تھے۔ امریکہ کے جنگلات میں بڑی دولت بھری ہوئی ہے ✦

انطفائے آتش آگ بجھانا بڑے بڑے شہروں میں کس قدر ضروری کام ہے یہاں آگ بجھانے کے انجنوں۔ آگ بجھانے والوں کی گاڑیوں سیڑھیوں۔ پائپوں پمپوں اور جلے ہوئے مکانات کا مصالحہ اُدھیڑنے وغیرہ کے سامان جمع کئے گئے تھے ✦

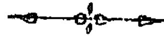
ورزشیں اور کھیلیں اگر جسمانی ورزشوں اور کھیلوں کا انتظام نمایش گاہ کے متعلق دیکھا جاتا تو کھیلوں کے شیدا بہت ناراض ہوتے۔ گو سیر و شکار کے سامان کے بڑے بڑے مجموعے تو شہر کے اندر کی نمایش میں تھے۔ لیکن دوڑوں کے مقابلے اس مقام میں ہوتے تھے۔ کہ جن کے لئے مختلف تاریخیں

مقرر تھیں۔ بیسیل دوڑ جو مختلف اقوام مثلاً انگریزوں اور جرمنوں یا انگریزوں اور فرانسیسیوں اور سوئٹزرلینڈ والوں میں ہونے کو تھی اور فٹ بال اور لان ٹینس کے مقابلوں میں سولہ سولہ ہزار فرانک اول رہنے والوں کو دیا جانا مقرر ہوا تھا۔ اسی طرح گدکا بازی جمنیسٹک چھوٹے شکار کی نشانہ بازی۔ تیر اندازی کے لئے پانچ سو سے پندرہ ہزار فرانک تک مختلف انعام تھے۔ (دیگر میں بوجہ قلت وقت پیرس میں زیادہ ٹھہر نہ سکتا تھا) پانی میں تیرنے میں اول رہنے والوں کے لئے دو سو سے دو ہزار تک انعام تھا۔ اور ڈوبتے ہوئے آدمیوں کی جان بچانے کے مقابلہ کے لئے بھی انعام مقرر کیا گیا تھا۔

خاتمہ غرض بیسویں صدی ہی کے آخر تک کوئی دنیا کا خیال یا علم یا فن نہیں تھا کہ جس کا اظہار یا مقابلہ یہاں نہیں کیا گیا تھا۔ انسان نے اپنی طبعی لالچ میں آ کر ہر صیغہ میں اس قدر چیزیں جمع کر دی تھیں۔ کہ کوئی شخص بھی ان سب سے پورے طور پر فایدہ نہیں اٹھا سکا ہوگا۔ تاہم دنیا نے یہاں سے بہت فایدہ اٹھایا ہوگا۔ اور یہ بہت سادہ فہرست جو میں نے نہایت اختصار کے ساتھ اس عظیم الشان مجموعہ سے (کہ جن کے ساتھ کا دنیا نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا اور شاید اس سے بعد بھی نہ دیکھے۔ کیونکہ بوجہ بہت بڑا ہونے کے نمایش کو مالی کامیابی نہیں ہوئی تھی) تیار کی ہے۔ اگر آپ نے بھی غور سے دیکھی ہوگی۔ تو آپ کا وقت بھی ضایع نہیں ہوا ٭

شہر پیرس کے حالات

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است



میں ۱۵۔ جولائی کو بلجیئم سے پیرس میں پہنچا تھا۔ اور ۹۔ اگست کو پیرس سے لنڈن کو روانہ ہو گیا۔ اس پچیس روز کے زمانہ میں میں نے بہت زیادہ وقت نمائش میں اور تھوڑا سا شہر پیرس کے قابل دید مکانات کے دیکھنے میں صرف کیا۔ اسلئے پیرس کے وہ حالات جو مجھے پیش آئے یہاں لکھنے مناسب ہیں :-

چونکہ مجھے پیرس کے ایک واقف کار شخص نے مکان کرایہ پر لے دیا تھا۔ یہ باوجود نمائشگاہ سے قریب ہونے کے میرے فلاکت مجسم کی رہائش منظور کر لینے کے باعث نسبتاً بہت سستا تھا۔ نمائش سے دور اور نا ذمہ دار شخصوں کے مکانات میں جگہ اس سے بھی نصف یا ثلث کرایہ پر مل سکتی تھی۔ مگر میں نے اُسکو نا منظور کیا۔ لاہور سے رخصت ہونے سے پہلے میرے معزز دوست شیخ عمر بخش صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے مجھے ایک نہایت دوراندیشی کی صلاح سفر کے متعلق دی تھی۔ جس کو میں نے اس تمام عرصے میں سفر یورپ میں پختہ تجربہ پر مبنی پایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمیشہ اول درجے کے ہوٹل یا مکان میں رہو۔ خواہ کفایت شعاری کے خیال سے وہاں کا سب سے سستا کمرہ ہی لو۔ جو ہمیشہ اوپر کی منزلوں میں ملتا ہے اول درجے کے ہوٹلوں کو اپنی عزت قائم رکھنی پڑتی ہے۔ اور یہاں مال یا جان کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ ورنہ یورپ میں بعض بدمعاشوں نے بھولے بھالے مسافروں کو لوٹنے کا بھی ڈھنگ نکال رکھا

سے کہ سستی فرودگاہیں یا دوم درجے کے ہوٹل بنا لئے ہیں۔ جہاں مسافروں کے سامان چرائے جاتے ہیں +

خوب گت بنی جس روز میں نے نمایش کے قرب کے خیال سے پانچویں منزل پر مکان لیا تھا۔ اُس سے دوسرے روز ایک بڑا دلچسپ واقع پیش آیا۔ میں اپنے کمرہ سے نکل کر صبح پاخانہ میں گیا تو اپنے کمرہ کے کواڑ کو بند کر گیا۔ چابی مکان کے اندر تھی۔ اور مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ دروازہ مقفل ہو جائیگا لیکن یہ تالے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ اگر زور سے دروازہ بھیڑا جاوے تو اندر سے خود بخود تالا لگ جاتا ہے۔ پھر جب تک باہر سے چابی سے نہ کھولا جاوے دروازہ نہیں کھلتا۔ جب میں فارغ ہو کر آیا تو دروازہ بند تھا۔ ہر چند کہ میں نے پورے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے۔ اور اس حالت میں سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر جانا بدتہذیبی میں داخل تھا مگر مجھے مجبوراً جانا پڑا۔ اور میں نے کونسی ارژ (دربان عورت) سے اس کمرے کی دوسری چابی مانگی۔ لیکن جب میں اسے لیکر دروازہ کھولنے کے لئے پانچویں منزل پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ چابی دروازہ نہیں کھول سکتی یہ اُس نے غلطی سے دیدی ہے۔ میں دوبارہ نیچے گیا۔ اور اب کے درست چابی لاکر دروازہ کھولا۔ اور اس ذرا سی غلطی سے مجھے چار مرتبہ پانچ پانچ سیڑھیوں پر اُترنا اور چڑھنا پڑا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ اتنی ورزش کسی پہلوان کے لئے بھی تھوڑی نہیں۔ اس مکان کا کرایہ دو ہفتہ کا پیشگی دیدیا تھا البتہ جو نوکرانی میرے کمرے کو صفا کرتی ہر روز بستر بچھاتی اور تازہ پانی بھر دیتی اُسے ایک فرانک روزانہ کے حساب سے انعام میں دیا۔ اور اسی طرح

دودھ والا لڑکا ایک دودھ والے کارخانہ کا لڑکا جو ہر صبح ایک روٹی اور دودھ کا لوہے کا لوٹا میرے دروازے کے باہر کھونٹی سے لٹکا جاتا تھا۔ وہ ہفتہ وار چھپا ہوا بل لاتا۔ اور حساب لیجاتا۔ دودھ کے خراب ہونے کی مجھے ایک روز بھی شکایت نہ کرنی پڑی۔ ایک روز ایں دودھ لانے والے لڑکے

نے دیکھا کہ مجھے ہندوستان سے بہت سے خطوط آتے ہیں۔ تو اس نے درخواست کی کہ اسے ہندوستان کے کچھ مستعمل ٹکٹ دوں۔ کیونکہ اُسے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے۔ یورپ میں بچوں تک ٹکٹ جمع کرنے کا مشغلہ رکھتے ہیں۔ اور ہندوستان میں بوڑھوں تک نہیں جانتے کہ مستعمل ٹکٹ لوگ کیوں جمع کرتے ہیں +

پیرس میں کھانا مکان کی طرف سے بے فکر ہو کر میں کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ میری طبیعت کھانے کے معاملے میں دنیا بھر سے نرالی واقع ہوئی ہے خواہ کھانا کیسا ہی سادہ ہو۔ مجھے پسند ہے۔ لیکن اُسی طرز کا پکا ہوا ہو جیسا کہ ہندوستان میں ہمارے گھروں میں پکتا ہے جس میں ہلدی اور گرم مصالحہ ہوتا ہے۔ اور جو میں نے بچپن سے آج تک کھایا ہے۔ اس کے علاوہ میری طبیعت میں تنک بہت ہے اور میں گوشت کھانے کا بڑا شایق بھی نہیں ہوں۔ اس لئے مینے ہفتوں گوشت نہیں کھایا۔ جب تک کہ کوئی مناسب موقع نہیں ملا مگر پیرس میں قسمت نے ایسی یاری کی کہ نمایش میں وارد ہونے کے پہلے ہی روز مجھے معلوم ہو گیا کہ وہاں ٹیونس کے عربوں نے ایک رسٹارنٹ کھول رکھا ہے۔ وہاں کے کھانے ہندوستان کے کھانوں سے بہت ملتے تھے۔ اُن میں کم وبیش نمک مرچ بھی ہوتا تھا۔ اور چونکہ یہ بہت سستے بھی بکتے تھے۔ اسلئے مراکو۔ ٹیونس۔ الجیریا۔ مصر اور ٹرکی کے معدودے چند مسلمان اور تمام یہودی یہیں آکر کھانا کھاتے تھے۔ بلکہ بہت سے یوروپین لوگ بھی یہاں آتے تھے۔ یہ کھانے بالکل ہندوستانی طرز کے تو نہ تھے۔ تاہم ہندوستان کے طرز طبخ سے بہت ملتے تھے۔ زیتون کے تیل اور سرکہ سے ایک سلاد بنایا جاتا ہے۔ جو مجھے بالکل مرغوب تھا۔ ایک نیا کھانا "کسکس" کے نام سے مشہور تھا۔ جو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ جوار یا باجرہ کا دلیا دل کر غریب لوگ کھاتے ہیں۔ اور یہ چاولوں کا قایم مقام تھا۔ گو کبھی کبھی غریبانہ قسم کا

پلاؤ بھی مل جاتا تھا۔ لیکن میرے ایک خط سے میرے نمک مرچ کی شکایت دیکھ کر مجھے لاہور سے کچھ سرخ مرچ بھیجدی گئی تھی جس نے کبھی کبھی یوروپ میں بھی ہندوستان بنا دیا تھا۔ ایک دفعہ مجھ سے غلام پہلوان مرحوم نے تقاضا کیا کہ اس کے مکان پر کھانا کھاؤں۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایک کھانا پکانے والا آدمی تھا۔ اور وہاں بہت دنوں کے بعد چپاتیاں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک ہندوستانی نے مولیاں پکوا کر کھلائیں۔ جو پیرس کی تمام نعمتوں سے مزیدار معلوم ہوتی تھیں کیونکہ ان میں نمک مرچ کافی تھا۔ پیرس کی مولیاں سرخ رنگ کی چھوٹے چھوٹے شلجموں کی طرح ہوتی ہیں۔ اور اکثر لوگ کھانے کے ساتھ ایسی ایک دو کچی مولیاں مع پتوں کے کھاتے ہیں +

لیکن دو ہفتہ کی تعطیل کے بعد میرے دوست مسٹر مین صاحب مفصلات سے پیرس میں آ گئے تھے۔ وہ مجھے کرایہ کے مکان سے اٹھا کر اپنے گھر میں لے گئے۔ اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان کے گھر میں ایک ہفتہ عشرہ مجھے بڑا آرام ملا۔ مسز مین خصوصیت سے میرے کھانے پینے کی بڑی توجہ سے خبرگیری کرتیں۔ اسی عرصہ میں ان کے دو تین دوستوں نے ان کے یہاں میرے مہمان ہونے کی وجہ سے ان کی دعوتیں کیں۔ جن میں میں بھی شریک ہوا۔ یورپین لوگوں کے کھانے کے میز پر یہ معلوم کرکے عموماً تعجب سا پیدا ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص کسی قسم کی ہلکی سے ہلکی شراب بھی نہیں پیتا۔ اور جبکہ وہ گوشت کی کئی قسمیں بھی نہ کھاتا ہو۔ اور پھر خاتمہ پر سگار یا چرٹ (تمباکو) بھی نہ پیئے۔ تو اس نے حد ہی تو کر دی۔ میرے میزبانوں اور آشناؤں کی اس قسم کی حیرت دیکھنے کا مجھے بارہا موقع ملا ہے۔ مگر یہ لوگ بوجہ اپنی تعلیم اور تہذیب کے نہایت شریف ہوتے ہیں۔ اگر تم نے کہدیا ہے کہ فلاں کھانے سے مجھے نفرت ہے یا رغبت نہیں تو پھر کیا مجال ہے تم سے اصرار یا حجت کریں۔ یا غلطی سے بھی وہ چیز تمہاری طرف آنے دیں۔ بلکہ

میں نے دیکھا ہے کہ جتنے روز میں ان کے مکان پر رہا ہوں۔ یا ان کی دوستوں کی دعوتوں میں شریک ہوا ہوں۔ ایک روز بھی خنزیر کا گوشت ان کی میز پر نہیں آیا۔ اسکی وجہ انہوں نے یہ بتلائی کہ اسے غریب لوگ زیادہ کھاتے ہیں۔ اور نیز یہ سردی کے موسم میں زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس موقع پر مجھے اپنے نہایت متشرع اور پرہیزگار ہم مذہب اہل وطن سے معذرت کرلینی چاہئے کہ وہ مجھے یا میرے دوسرے بھائیوں کو جو میری طرح مجبوریوں میں مبتلا ہوں جب تک کہ اپنی طرف سے ہر طرح کا حفظ ما تقدم اور پرہیز کرتے دیکھیں۔ ہدف تیر ملامت نہ بنائیں۔ بلکہ اُن کی مشکلات کو سہل کرنے کی صورتیں پیدا کریں۔ اسلام کی نہایت جید تعریف یہ ہے کہ یہ نہایت سہل مذہب ہے۔ اور اگر مجھ سے یہ صاحب اتفاق نہ کرسکتے ہوں تو خاموش رہیں۔ واذا مرّوا باللغو مرّوا کراماً ؎

حافظ بخود نپوشید این خرقۂ می آلود ‎ ‎ ‎ ‎ اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

کچھ نرالے کھانے

ایک موقع پر ایک میزبان کے لڑکے نے مجھ سے پوچھا کہ تم مچھلی تو کھا لیتے ہو میں نے کہا بیشک۔ اتنے میں ایک سُرخ سی چیز رکابیوں میں تقسیم ہونے لگی۔ جو کریب یعنے کیکڑا تھا۔ میں نے اس کے قبول کرنے سے معذرت کی۔ تو صاحب خانہ کی بیوی نے مجھے بتلایا کہ فرانس میں تو یہ نہایت لذیذ کھانا شمار ہوتا ہے۔ بلکہ صرف دعوتوں میں بطور پُر تکلف کھانے کے لوگ اسے استعمال کرتے ہیں۔ اور ہم کو اس سے نفرت ہے۔ میں نے اُس سے سوال کیا کہ لیڈی صاحبہ تم کو کُتّے کی ران اور بلی کی زبان تو بہت لذیذ معلوم ہوتی ہوگی۔ اُس نے نہایت نفرت ظاہر کرکے کہا کہ مجھ کو تو اس سے گھن معلوم ہوتی ہے۔ مگر میں نے کہا کہ چینی تو نہایت رغبت سے ان کھانوں کو کھاتے ہیں۔ اسی طرح بعض چیزیں جن کو آپ لوگ پسند کرتے ہیں۔ مجھے اُن سے گھن معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیل اُس پر موثر ثابت

وئی۔ اِسنتے میں صاحب خانہ نے کہا کہ مجھے بینڈ کوں کی رانیں بہت مرغوب ہیں۔ کیا تم بھی انہیں پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا اگر واب مجلس مانع نہ ہو۔ تو میں ان کا نام سُنکر ہی نے کر دینے کو آمادہ ہوں۔ اس پر ایک فرمائشی قہقہ ملبند ہوا۔ جس میں سب لیڈیاں اور جنٹلمین شریک تھے۔ اہل یورپ میں دستور ہے کہ جب بیٹھنے کے کمرے سے کھانے کے کمرے کو جاتے ہیں تو اُس شب کا مہمان سب سے پہلے میزبان کی بیوی کی بانھ میں ہاتھ ڈال کر اُسے کھانے پر لیجاتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے جنٹلمین حسب مدارج دوسری لیڈیوں کو لاتے ہیں۔ اور میز پر بیٹھنے کے وقت بھی مہمان کو اچھی جگہ دی جاتی ہے۔ مگر یہ تو سب وہی رسمیں ہیں جو ہندوستان میں بھی انگریز برتتے ہیں۔ دراصل یورپ کی تمام عیسائی قومیں عام ظاہری باتوں میں اس قدر یکساں ہیں کہ اُن کی طرز معاشرت اور پوشش و غیرہ سے اُن کی قوم معلوم ہونی مشکل ہے۔ جنٹلمین کی پوشاک کوٹ۔ پتلون اور ٹوپی یورپ بھر میں ایک ہی ہے۔ اسی طرح لیڈیوں کا فیشن جو پیرس ہر سال اختراع کرے۔ تمام یورپ کی لیڈیاں اسکا تتبع کرتی ہیں۔ لیکن جیکٹ۔ گاؤن (سایہ) اور ٹوپی قریب قریب سب یورپین قوموں کی عورتیں یکساں پہنتی ہیں +

انگلیوں سے کھانا کھانا

ایک دفعہ کھانے پر ایک لیڈی کو یہ معلوم کرکے بڑا تعجب ہوا کہ اہل ہندوستان ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ اور جبتک میرے مُنہ سے اس کی تصدیق نہ ہو چکی اُسکو باور کرنے میں تامل رہا کہ میں بھی اُنگلیوں سے کھانا کھایا کرتا ہوں۔ مگر اُنگلیوں سے کھانا کھانا اُن لوگوں کے خیال میں خواہ کیسا ہی مکروہ معلوم ہو جو لوگ انگلیوں سے کھانا کھاتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ اور مخصوصاً ناخن عموماً صاف رہتے ہیں۔ اور وہ ناخن کٹواتے بھی جلد ہی جلد ہی رہتے ہیں۔ لیکن بوجہ انگلیوں سے کھانا کھانی کے یورپ کے مختلف ملکوں خصوصاً آسٹریا و جرمنی میں میں لوگوں

کے ناخن بہت ہی بڑھے ہوئے دیکھے ہیں۔ کم ازکم ایک دو انگلیوں کے تو ارادتاً یہ لوگ بڑھا رکھتے ہیں۔ اور جو غریب ہوتے ہیں چونکہ وہ ناخن صاف نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے اُن کے ناخن سخت کروہ معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے تو ہاتھ دھونے سے ناخن ضرور صاف رہتے ۔

ایک آزاد خیال جنٹلمین کیساتھ پیرس کی سیر

میرے پیرس کے دوست نے اپنے ایک نہایت آزاد خیال دوست سے میری ملاقات کرادی اور اس جنٹلمین نے جو یورپ کی سات زبانوں سے واقف اور بڑا آزاد خیال آدمی تھا۔ مجھے شہر کے بہت سے مقامات کی سیر کرائی۔ ایک روز ہم یونیورسٹی کے ریسٹارنٹ میں کھانا کھانے گئے۔ اسی دوست نے کھانے کی قیمت نو دس فرانک اور گاڑی کا کرایہ پانچ فرانک بھی اپنی گرہ سے دیا۔ جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ باوجود ہر قسم کی آزاد خیالی اور یوروپین لوگوں کی خشک مزاجی کے بھی اتنی تواضع اور لحاظ اُن میں ہوتا ہے کہ باوجود میرے اصرار کے میرے رفیق نے ہی کرایہ اور کھانے کے دام دیئے۔ اس ریسٹارنٹ میں بہت سے طالب علم کھانا کھا رہے تھے۔ اور وہ ایسے ہی اُجلے اور پُر تکلف لباس میں تھے۔ جیسے کہ کوئی اور دولتمند آدمی ہوگا۔ کیونکہ یہاں غریب پڑھ ہی نہیں سکتے۔

طالب علموں کی عورتیں

یہاں کئی خوبصورت عورتیں طالب علموں سے ناز و ادا میں مصروف تھیں۔ میرے رفیق نے بتلایا کہ یہ طالب علموں سے نخرے کرنے والی عورتیں یونیورسٹی کے قریب رہتی ہیں۔ اور یونیورسٹی کے طالبعلموں سے مخصوص ہیں۔ دوسرے لوگوں سے انہیں سروکار نہیں ہوتا۔ اُس نے کہا کہ تمہارے ملک میں تو ایک آدمی کئی عورتیں رکھتا اور رکھ سکتا ہے۔ لیکن یہاں کئی کئی مرد مل کر ایک عورت کو رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں عورتوں پر بہت کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ ایک ایک پوشاک پر تین تین چار چار ہزار فرانک خرچ آجاتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ عورتیں پہن کر لوگوں کو

دکھلاتیں کہ وہ کیسی خوبصورت ہیں ؞

معاش کی تنگی میرے رفیق نے کہا کہ زمانہ حال کی شائستگی ہمیں بجائے آرام کے بہت تکلیف پہنچا رہی ہے۔ اور بجائے روشن ضمیری کے ہمیں جہالت کی طرف لیجا رہی ہے۔ تمہارے ہندوستان میں ابھی تک اصلی شائستگی موجود ہے۔ مگر شاید دن بدن وہ بھی خراب ہو رہی ہے۔ فرانس میں جبتک کوئی شخص کم از کم چار یا پانچ فرانک روزانہ نہ کما لے۔ وہ دو وقت کا کھانا اطمینان سے نہیں کھا سکتا۔ گویا ہر شخص کو صبح سے شام تک پیٹ کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔ بحالیکہ ہندوستان میں پیٹ بھرنے کو دو آنہ کافی ہیں۔ برائے نام شائستگی کے آنے اور ریلوں وغیرہ کے جاری ہونے سے پہلے فرانس میں بھی اصلی شائستگی یعنے کھانے کی ارزانی اور مشقت اور مصیبت کی کمی تھی۔ اور کھانا سستا مل سکتا تھا۔ غریبوں کا یہاں بہت بُرا حال ہے۔ فرانس کے بعض دیہات کی نسبت قصہ مشہور ہے۔ کہ غریب لوگ گھر کے اندر ڈورے سے ایک مصری کی ڈلی لٹکا رکھتے ہیں۔ اور تلخ قہوہ پی کر گھر کا ہر شخص اس ڈلی کو باری باری منہ میں ڈال کر اُس سے اپنا منھ میٹھا کر لیتا ہے۔ مذہبی تعلیم کی نسبت بتلایا کہ یونیورسٹی میں کوئی مذہب شامل نہیں۔ البتہ چونکہ رومن کیتھالک فریق کا زور ہے۔ اس کے پادریوں نے یونیورسٹی سے علیحدہ ہفتہ میں بصفت یوم طلبا کو اپنے عقاید سکھلانے کا بندوبست کر رکھا ہے۔ کھانے پر یہاں بہت دیر تک باتیں کرتے ہیں۔ اور بہت اطمینان سے کھانے کو ختم کرتے ہیں۔ ہم نے کھانا خربوزہ کی ایک پھانک سے شروع کیا اور ختم چیریوں پر کیا۔ جو یوروپ کا عام اور سستا میوہ ہے۔ بعض لوگ یہاں شفتالو یا انگور پر کھانا ختم کرتے تھے۔ مگر ایک اچھے اور بڑے شفتالو کی قیمت تین چار آنے تھی۔ اس جگہ سے قریب ایک جگہ لکڑی کے جوتے بکتے تھے۔ جو شکل میں ایک بھدے بوٹ کی طرح تھے۔ اور نمناک مکانات

میں انہیں پہنکر غریب لوگ کام کرتے ہیں ؛

پیرس کی ایک شادی کی رسوم

میں پیرس میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایک شادی کی محفل میں بھی شریک ہوا۔ خصوصاً جبکہ نکاح کا وقت آیا اور دولہا دلہن مع اپنے عزیزوں اور دوستوں کے گرجا میں گئے۔ تو میں بھی ایک طرف جا ڈٹا۔ میری نرالی ٹوپی کو دیکھ کر بعض لیڈیاں دنگ تھیں کہ شادی کی محفل میں یہ غیر کون آگھسا ہے۔ چونکہ یہ شادی رومن کیتھالک طریق پر کی گئی تھی۔ جو زیادہ حصہ اہل فرانس کا مذہب ہے۔ اس کی رسوم نکاح بڑی عجیب تھیں۔ جب دولہا دلہن کہ جن کی عمر بترتیب ۳۵ و ۲۵ سال تھی۔ دونوں آلٹر (مذبح) کی طرف بڑھے تو پادری صاحب نے مذبح کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ پڑھنا شروع کیا۔ پہلے دولہا دلہن کو شادی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر لکچر دیا۔ پھر نکاح کا ایجاب و قبول شروع ہوا۔ لیکن اس رسم کی ابتدا اس طرح شروع ہوئی ہے کہ دولہا ایک انگشتری دلہن کی بنصر انگلی میں پہنانا چاہتا ہے۔ اب اس انگشتری کی نسبت عام خیال یہ ہے کہ اگر دلہن اسکو بلا تامل انگلی میں داخل ہو جانے دی تو عمر بھر گھر میں مرد کا دباؤ رہے گا۔ لیکن اگر کسی قدر توقف اور حیص بیص کے بعد انگلی انگوٹھی میں داخل ہو تو عورت کا دباؤ رہے گا۔ لیکن چونکہ ہماری طرف اُن کی پُشت تھی ہم یہ بات دیکھ نہ سکے کہ دولہا یا دلہن میں سے کون جیتا ؛

رومن کیتھالک گرجا

مذہب رومن کیتھالک گرجوں میں ایک عجیب کبوتر خانہ ہوتا ہے۔ اس گرجا میں اس کی دو تین منزلیں تھیں۔ بیچ کی منزل میں حضرت مسیح کا بُت اور اس کی دونوں طرف چھ چھ حواریوں کے بُت تھے۔ اُسکے اوپر ایک اور قطار خاتونوں اور کنگریوں کی تھی۔ حضرت مریم کے بُت کے سوا روح القدس کے کبوتر اور فرشتوں وغیرہ کے کئی بُت اور بھی تھے۔ اور ان سب کے آگے بہت سی موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ان کی نسبت معلوم ہوا کہ یہ اصلی موم بتیاں نہیں تھیں۔ بلکہ سفید مٹی کی نلکیوں

سے گیس جل رہا تھا۔ میرے ایک دوست نے اس کی یہ تاویل کی کہ لوگ خدا سے بھی فریب کرنے سے نہیں چوکتے۔ چونکہ قدیم الایام سے گرجوں میں موم بتیاں جلانے کی رسم چلی آتی ہے اسلئے اب گیس اور برقی روشنی کے زمانہ میں موم بتیاں تو استعمال سے چھوٹ گئیں مگر ان کی ظاہری شکل ابتک قائم ہے۔ یہ تو سامنے طرف کا حال تھا۔ گرجا کے دونوں اطراف اور کونوں میں بھی کئی بت نصب تھے۔ اور اطراف میں یعنی چپ و راست دونوں طرف تین تین چار چار چھوٹے چھوٹے مکان لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ سال تمام میں رومن کیتھولک عقیدہ کے ہر زن و مرد پر واجب ہے کہ پادری کے سامنے اپنے سال بھر کے گناہوں کا اقرار کرے۔ اور ان پر افسوس کرے۔ اسے اصطلاح میں "کونفشنل" (اقرار) کہتے ہیں اور رومن کیتھولک عقیدہ کے مطابق جن گناہوں کا اقرار کرلیا جائے وہ بخشے جاتے ہیں۔ ان لکڑی کے چھوٹے چھوٹے مکانوں میں سے ایک میں پادری بیٹھ جاتا ہے۔ اور دروازہ بند کرلیتا ہے۔ لیکن ہوا کے لئے ایک روزن کھلی رہتی ہے۔ باہر ایک پہلو میں گنہگار کا سٹول ہوتا ہے۔ اور ایک چھوٹی سی موری کی راہ سے وہ پادری سے جو اس ڈربہ کے اندر ہوتا ہے اپنے تمام گناہوں کا ذکر کرتا جاتا ہے۔ بعض نالائق پادریوں نے اس اقرار کو بعض گنہگاروں کے خلاف بھی استعمال کیا ہے۔ مگر عموماً ایسے اقراروں کو محفوظ رکھنے کی سخت تاکید ہے۔ شاید کسی شخص نے اپنی زناکاری یا چوری یا خون کا افشا کردیا ہے۔ گرجا کے ایک اندر کونے میں دو ایک اور بتیاں بھی روشن تھیں۔ یہاں جو لوگ مراد مانگتے ہیں کچھ پیسے دیکر گرجا میں ایک بتی روشن کرادیتے ہیں۔ اسکے مقابل میں ایک بُت سینٹ انطونی کا کھڑا تھا جس کے ہاتھ پر ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ اصل میں مرادیں پوری کرنے کا عام اجارہ اسی ولی کو حاصل ہے۔ اس بُت کے

دونوں طرف دو بکس لکڑی کے موجود تھے۔ مثلاً جو لوگ کوئی مرادیں مانگتے ہیں مثلاً تجارت میں نفع یا تنخواہ کی ترقی ہو تو وہ اپنا مافی الضمیر لکھ کر اس بکس میں ڈال دیتے ہیں جس میں اپنا وعدہ درج کرتے ہیں کہ اگر وہ کامیاب ہوئے تو فلانہ رقم نذرانہ کی اس سینٹ کے پیش کریں گے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ ہر دس مراد مانگنے والوں میں سے دو تین کامیاب بھی ہو جائیں۔ تو وہ رقم موعودہ لا کر دوسرے بکس میں جو ولی کی بائیں جانب ہے ڈال دیتے ہیں۔ غرض رومن کیتھولک پادریوں نے بھی کمانے کھانے کے عجیب ڈھنگ نکالے ہوئے ہیں۔ عموماً رومن کیتھولک لوگ حضرت مریم کے پاک دل سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اور ان کا عقیدہ ہے کہ مریم عذرا کے دل کا ٹکڑا ان دعاؤں کو قبول کر سکتا ہے۔ ہر رومن کیتھولک گرجا میں ایک جگہ دروازہ کے قریب زمین سے ایک گز بلند پایہ پر ایک برتن میں پانی رکھا رہتا ہے۔ ہر شخص جو اندر جاتا ہے۔ اس مقدس پانی میں انگلی ڈبو کر اپنی پیشانی پر صلیب کی صورت بنا لیتا ہے۔ بلکہ پیرس کے سب سے بڑے گرجا میڈلین میں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اُس نے اس پانی میں انگلی بھگو کر ایک اور عورت اور ایک مرد کی انگلیوں سے لگا دی۔ اور انہوں نے اس سے ماتھوں پر صلیب کا نشان بنا لیا +

شادی کے باقی حالات یہ تو گرجا کی کیفیت تھی۔ اب شادی کی کیفیت اس سے بھی دلچسپ تھی۔ گرجا کے آلٹر کے سامنے جس قدر چوکیاں ہوتی ہیں۔ ان کا کرایہ ایک روز کا وہ لوگ دیتے ہیں کہ جن کے یہاں شادی ہوتی ہے۔ اور اُن کے عزیز اور رفیق اُن پر آکر بیٹھتے ہیں۔ پہلوؤں میں دوسرے لوگ بھی اگر چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔ ہر شخص شادی کے وقت گرجا میں داخل ہو سکتا ہے۔ بلکہ امریکہ میں تو دستور ہے کہ شادی کے روز گرجے کے دروازے پر لکھ کر لگا دیا جاتا ہے کہ "سہرا پکڑو گھر آنے کے لئے مرجھا رہا ہے" قریب گھنٹہ

سوا گھنٹہ کے شادی کی رسم میں صرف ہؤا ہوگا۔ پہلے پہل جب دولہا دُلہن گرجا کے اندر داخل ہوئے تھے۔ تو گرجے کا بڑا باجہ بجا تھا۔ اور اسکے سوا جب کبھی پادری گھنٹی بجاتا تو باجا بجتا۔ پادری صاحب اس تمام عرصہ میں کبھی دولہا دُلہن کی طرف پیٹھ کرکے مذبح پر دُعا مانگتے روح القدس نے کبوتر کی صورت میں اس وقت واقعی اُن میں حلول کرکے شادی کو برکت دی۔ کبھی گھٹنوں کے بل بیٹھتے۔ کبھی کھڑے ہوتے۔ کبھی پچھلی طرف منہ پھیر کر دونوں ہاتھ پھیلا کر ملا دیتے۔ جیسے کہ افسوس یا حیرت کے وقت ہاتھ ملائے جاتے ہیں۔ غرض ایسی عجیب حرکات اس بندہ خدا نے کیں کہ مجھے تو دیکھ کر ہنسی اور تعجب معلوم ہوتا تھا کہ انیسویں صدی مسیحی کے خاتمے پر یورپ کی تہذیب کی روشنی میں ابھی تک ان مُلکوں میں ایسی حرکات مذہب کے پیرایہ میں روا رکھی جاتی ہیں۔ اثنائے نکاح میں پانچ چھ دفعہ حاضرین کو کھڑا ہونا پڑا۔ پادری صاحب نے ایک ڈلی کے کیسٹر کے ٹکڑے کو دولہا دلہن سے بوسہ دلایا اور نکاح ختم ہوا۔ ہر گرجا میں کئی ایسے تبرکات ولیوں اور حواریوں کے ہوتے ہیں۔ بلکہ بقول ایک آزاد خیال عیسائی دوست کے ان گرجاؤں میں حضرت مسیح کی صلیب کے اتنے ٹکڑے موجود ہیں کہ ان کے جمع کرنے سے ایک گاؤں کو مکانات تعمیر ہو سکتے ہیں۔ نکاح ختم ہونے کے بعد حاضرین میں سے چار خوبصورت عورتیں مع چار مردوں کے اٹھیں۔ اُن کے ہاتھوں میں خوبصورت تھیلیاں تھیں۔ یہ حاضرین میں پھر کر سب سے کچھ نہ کچھ نقدی ان تھیلیوں میں جمع کرنے لگیں۔ ہر ایک جو مناسب سمجھتا تھیلی میں ڈال دیتا اور کسی دوسرے کو پتہ نہ لگتا کہ اس نے پیسہ ڈالا ہے یا روپیہ۔ گرجا کا نقیب ان کے ہمراہ تھا۔ جب روپیہ جمع ہو چکا تو گرجا کا نقیب گرجا کے پہلو کی ایک کوٹھڑی میں جا کر حاصلات جمع کر آیا۔ اس نقیب کی پوشاک بھی عجیب بہنگم تھی جو نہیں

سو سال پہلے سے اختیار کی ہوئی چلی آئی ہے۔ دوران نکاح میں دس دس سال کے دو لونڈے جنکے سرخ کرتوں پر سفید ململ کے کرتے تھے۔ پادری صاحب کو ادھر اُدھر سے چیزیں لا دینے میں مدد دیتے تھے۔ دُلہن نے ایسا باریک نقاب چہرہ پر ڈالا ہوا تھا کہ جس کے اندر سے اُسکا چہرہ نظر آتا تھا۔ اور اُسکا گون دو گز سے زیادہ پیچھے زمین پر گرتا جاتا تھا۔ دولہا دلہن مع اپنے رشتہ داروں کے گرجا کی بائیں جانب کے ایک بڑے کمرہ میں چلے گئے۔ اور ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ سب دوست زن و مرد ان کے پاس ایک ایک کرکے جاتے تھے اور اُن سے ہاتھ ملا کر انہیں مبارکباد دیتے تھے۔ میرے دوست نے مجھے کہا کہ بہتر ہے ہمارے ساتھ چل کر تم بھی انہیں مبارکباد دو۔ یہاں سے فارغ ہو کر اکثر لوگ مع دولہا دلہن کے دُلہن کی والدہ کے مکان پر گئے جہاں ضیافت کا سامان مہیا تھا۔ مگر میں اپنے دوست کے مکان پر چلا گیا۔ جس پر دُلہن کی والدہ نے مجھے موجود نہ پاکر میرے دوست کو ایک گاڑی پر سوار کرکے بھیجا کہ فوراً ہندوستانی مہمان کو بھی اُس جلسہ میں شریک ہونے کے لئے لاوے۔ ہم اُس کی تواضع کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک عالی شان کرایہ کا مکان تھا جو ایسی ہی تقریبوں کے لئے بنا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک لمبی میز پر خورد و نوش کا سامان رکھا ہوا تھا۔ دو تین شخص مہمانوں کو جو کھانے کو وہ مانگتے تھے دیتے جاتے تھے اور وہ میز پر کھڑے کھڑے کھا کر ہٹ جاتے تھے۔ مجھے انہوں نے جو چیز سب سے پہلے کھانے کو پیش کی اس میں ممنوع چیز کی ملاوٹ تھی۔ میں نے اپنے دوست کو سمجھا دیا تھا۔ اُس نے ایسے روک کے مجھے تھوڑی سی روٹی اور چند سادہ سموسے لے دیئے۔ پورک اور بیکن (خنزیر کے گوشت زیادہ تر شادیوں اور جلسوں کے موقع پر کھائے جاتے ہیں) اب اور مشکل یہ پیش آئی کہ سوا شراب کے یہاں پانی

نہیں تھا۔ مگر تلاش سے لیپو نیڈ نکل آیا میرے دوست نے یہاں کئی اچھی اچھی لیڈیوں اور جنٹلمینوں سے مجھے انٹروڈیوس کرا دیا منجملہ ان کے ایک اخبار نویس لیڈی بھی تھی۔ اور ایک سکول کے پروفیسر سے بھی ملا جس کا نام اڈولف ڈوکر وے (Adophe Ducmet) تھا۔ دستور ہے کہ جب دو آدمی ملاقات کرتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کو اپنے نام کا کارڈ نکال کر دیدیتا ہے۔ اس کارڈ بدلنے میں بڑا فائدہ یہ ہے دونوں شخص اس ملاقاتی کا نام جب چاہیں کارڈ سے دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں کئی لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے کہ جنکے پورے نام اور پتے اکثر فراموش ہو جاتے ہیں +

ایک بیمار عورت میں ایک روز پروفیسر اڈولف ڈوکر وے سے کہ جس سے ایک شادی کی مجلس میں ملاقات ہوئی تھی ملنے گیا۔ اس بچارے کی بوڑھیا بیوی بخار سے بیمار اور بہت کمزور تھی۔ اس نے خادمہ کے ہاتھ معذرت کر بھیجی کہ تم ذرا کمرہ میں بیٹھو میں چند منٹ میں آتا ہوں۔ پہلے مجھے اس گھر کے ڈرائینگ روم میں اور پھر پروفیسر صاحب کی سٹڈی میں بٹھلایا گیا۔ یہ گھر پانچویں منزل پر تھا۔ سٹڈی کے کمرے میں علاوہ کتب و اسکول وغیرہ سامان کی چار بند قلیں دیوار سے آویزاں تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر صاحب نے آکر کہا کہ اگر میری بیوی بیمار نہ ہوتی تو ہم تمہیں سیر کے لئے باہر ہمراہ لے جاتے۔ لیکن اب میں مجبور ہوں۔ میں نے افسوس ظاہر کیا اور کہا ایسی حالت میں میں تمہیں زیادہ دیر مصروف نہیں کرونگا مگر پروفیسر نے کہا میری بیوی تم سے مصافحہ کرنا چاہتی ہے۔ اور بیمار کی آرزو پورا کرنا ضروری ہے۔ وہ انگلش رومن ہے۔ اور گو جسم اسکا کمزور ہے لیکن طاقت ارادی بہت زبردست ہے۔ میں نے جا کر دیکھا تو بچاری بہت بیمار اور فرش بستر بنی ہوئی تھی۔ ہمارے بیماروں کے کمرے

ان بیماروں کے کمرے میں بہت فرق ہوتا ہے - بستر بہت گدگدا اور ستھرا تھا۔ اسپر کئی ایک تکئے تھے - پاس ایک چھوٹی سی میز پر کئی ایک دوائی کی بوتلیں پڑی تھیں - پروفیسر صاحب نے کہا کہ میری لڑکی جو بہت خوبصورت اور جوان ہے ابھی اُس کی شادی کو تھوڑی ہی مدت گذری تھی کہ وہ بیوہ ہوگئی اس سے اُس کی والدہ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ اُسکا سر پھر گیا - کہ جس سے یہہ بہکی باتیں کرتی ہے - تاہم پروفیسر کی بیوی نے میرے رخصت ہونے کیوقت شوہر کو تاکید کی کہ مہمان کو ضرور اپنے ہمراہ سیر کو لے جائے - گویا یہ مہمانوں کی مدارات اور تفریح کا دستور ہے ۔

سررشتہ تعلیم فرانس پروفیسر صاحب سے میں نے فرانس کے سررشتہ تعلیم کے متعلق چند متفرق سوالات کئے - جنکے جوابات کا خلاصہ یہہ ہے - فرانس میں ایک پرائمری (ابتدائی) تعلیم ہے - جو زمانہ اصلاح سے پہلے رومن کیتھولک پادریوں کے ہاتھ میں تھی - مگر سرکار نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر کئی مدرسے قائم کر دیئے ہیں - جن میں ہر شخص کے بچے کو بلا فیس تعلیم دی جاتی ہے - جو قانوناً قلمرو فرانس میں ہر بچے کے لیئے حاصل کرنی لازمی ہے اس میں نوشت خواند - حساب اور تاریخ فرانس لازمی مضمون ہیں - اِسکے بعد سیکنڈری تعلیم ہے جو مفت نہیں دی جاتی - کیونکہ اسکا حاصل کرنا ہر شخص پر لازمی نہیں ہے - صرف اہل مقدرت لوگوں کے بچے ہی اسے حاصل کرتے ہیں - اس لئے ہر طالب علم کو تیس سے چالیس فرانک تک ماہوار فیس دینی پڑتی ہے - جو ہندوستان کے سکہ میں اٹھارہ سے پچیس روپے تک کے برابر ہوتی ہے - مگر اس سے بھی مدرسہ کے تمام اخراجات نہیں چل سکتے - اسلیئے گورنمنٹ کچھ اپنی گرہ سے بھی خرچ کرتی ہے - فیس کی کمی بیشی طالب علم کی عمر اور جماعت پر منحصر ہے - بعض اہل مقدرت لوگ جو اعلےٰ

سوسائٹی کے ارکان کہلاتے ہیں وہ پرائمری انسٹرکشن اور تعلیم کے لئے بھی اپنے بچوں کو سیکنڈری سکولوں میں بھیجتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ابتدائی سکولوں میں غریب اور محنت پیشہ لوگوں کے بچوں کے ساتھ اُن کے بچے بھی تعلیم پائیں۔ اور قصابوں یا دیگر پیشہ ور لوگوں کے بچوں کے ساتھ ملکر اُن کے بچے بیٹھیں۔ غنیمت ہے کہ ہندوستان کے ارس سرکاری میں اس قسم کی کوئی قید نہیں رہی۔ اور ہر وضیع و شریف کے بچے ایک ساتھ ملکر پڑھتے ہیں۔ اگر اُستاد بچوں کے اخلاق اور تربیت کا پورا خیال رکھیں تو دولتمندوں کے بچوں کو غریبوں کے ساتھ ملکر پڑھنے سے بجائے نقصان کے فائدہ ہوگا۔ انگلستان میں بھی امرا کے بچوں کے لئے ایٹن وغیرہ مدرسے علٰحدہ ہیں کہ جن میں غریبوں کے بچے تعلیم نہیں پاسکتے مگر امریکہ میں سب لوگوں کے بچے ملکر پڑھتے ہیں۔ اور کوئی امیر یا غریب کی تمیز مدرسہ میں نہیں کی جاتی۔ کیونکہ اس ملک کے تمام کروڑپتی اور نامور لوگ قریب قریب مفلس اور محتاج والدین کی اولاد ہیں۔ پروفیسر ڈمکروسٹے صاحب جس مدرسہ کا پروفیسر ہے وہ پیرس میں اپنی قسم کا اول درجہ کی سرکاری تعلیم گاہ ہے۔ یہ پہلے بطور ایک پرائیویٹ مدرسہ کے جاری تھا لیکن آخر گورنمنٹ نے ایک معقول قیمت دے کر اسے خرید لیا۔ اور اس میں اس وقت دو درجن سے زیادہ اُستاد ہیں۔ یہہ پروفیسر صاحب زبان انگریزی کے اُستاد ہیں۔ دوران گفتگو میں انہوں نے کہا کہ انگریزی جو مجبُر ملک کی اور بہت مشکل زبان ہے تم کس طرح صحت اور روانی سے بول سکتے ہو۔ میں نے کہا ہندوستان میں ہزارہا لوگ مجھ سے اچھی طرح یہ زبان بول سکتے ہیں کیونکہ مدارس میں اسکی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے)۔ پھر پروفیسر صاحب نے کہا کہ سیکنڈری تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد امیدوار ونکو کالج کی تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے۔ جس میں علاوہ مردہ کلاسک زبانوں کے

زبانوں کے اول جرمن دوم انگلش اور سن بعد بر اعظم یوروپ کی کسی زبان کا سیکھنا ضروری ہے۔ جو لوگ یونیورسٹی کی ڈگری کے امتحانات کی تیاری کرتے ہیں انہیں ایک سال تک اعلےٰ درجے کے پروفیسروں کے لکچر سننے پڑتے ہیں۔ یہہ پروفیسر کسی مدرسہ یا کالج میں لکچر نہیں دیتے۔ بلکہ یہ پبلک لکچر شہر کے عام مقامات میں ہر کس و ناکس کے لئے کھلے ہوتے ہیں ❊

تعلیم حرفت — اس شاخ تعلیم کے مدرسے علیحدہ ہیں کہ جن میں گورنمنٹ فرانس معقول روپیہ خرچ کرتی ہے۔ ان تمام مدارس کی ضرورت تعلیم جو ساٹھ ستر سے زیادہ تھے نمایش گاہ میں ایک بجن ہول کے خانوں میں سجے ہوئے تھے۔ اور جو شخص چاہتا ان میں سے ہر ایک کو جمع کرکے لیجا تا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی ایک مجموعہ لے لیا۔ جس سے کسی ملک کی ٹکنیکل تعلیم کے لئے اعلیٰ درجہ کا نصاب مرتب ہو سکتا ہے ❊

جیسزوایٹ — مجھے کسی لایق اور واقف آدمی سے فرانس کے مشہور پولٹیکل اور مذہبی فرقہ جیزوایٹ کے حالات دریافت کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ میں نے پروفیسر صاحب سے جیزوایٹ فرقہ کی کچھہ دریافت کی یہ در اصل رومن کیتھولک عیسائیوں کا ایک مذہبی فرقہ ہے۔ لیکن یہ لوگ سخت مکار اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی رکن اگر مکار اور بدطبیعت نہیں تو پورے طور پر "جیزوایٹ" نہیں ہو سکتا۔ بعد ابتدائی آزمائشی امتحانوں میں کامیاب ہونے کے بڑے بڑے لایق لوگ اس گروہ میں شامل کئے جاتے ہیں۔ یونیورسٹی کے پروفیسروں کو یہ لوگ کم شریک کرتے ہیں۔ کیونکہ یہہ نادار لوگ ہوتے ہیں۔ جیزوایٹ فرقہ کی بڑی غرض پولٹیکل طاقت حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ کئی مرتبہ ان لوگوں کو فرانس میں اس قدر طاقت حاصل ہوگئی کہ انہوں نے بادشاہوں کو نامزد کیا ہے۔ لیکن کئی مرتبہ یہہ لوگ فرانس سے جبراً نکالے بھی گئے۔ مگر ایسے طور پر کہ اگر گھر کے دروازہ سے

انہیں نکالا تو یہ کھڑکی کی راہ سے پھر اندر گھس آئے۔ ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جن کی نسبت کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ جیزوایٹ ہیں۔ لیکن دَر پردہ وہ جیزوایٹ ہوتے ہیں۔ اور اپنی جماعت کی خوب خدمت کرتے ہیں۔ لیکن بعض دیگر برملا جیزوایٹ کہلاتے ہیں۔ پیرس کے سکنڈری تعلیم کے دو اعلیٰ مدارس جیزوایٹ لوگوں کے ہاتھ میں ہیں کہ جن میں اعلیٰ سوسائٹی کے لوگوں کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ چونکہ اُن مدارس میں مذہبی تعلیم بھی ہوتی ہے جو سرکاری مدارس میں نہیں ہوتی۔ اسلئے یہاں بہت لوگ اپنے بچے بھیجتے ہیں۔ جیزوایٹ ایسے ہوشیار ہیں کہ فوجی خدمت میں داخل ہونے والے قریباً تمام لڑکوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں۔ اور اُن کے دلوں میں بچپن ہی میں اپنے فرقہ سے ہمدردی کا خیال پیدا کر دیتے ہیں۔ اسلئے فوج میں اکثر جنرلوں سے لے کر ادنےٰ افسروں تک ان کے ہمدرد ہوتے ہیں۔ غرض یہ ایک ایسی خفیہ جماعت پولیٹکل خیالات کے مذہبی لباس میں موجود ہے کہ جسکے ہاتھ میں عجیب طاقت ہے۔ اور جو فرانس کے لئے بڑے اندیشہ کی بات ہے +

پیرس کتنا غدار شہر ہے

مَیں یوں تو اکیلا یا اور لوگوں کے ہمراہ کئی مرتبہ ادھر اُدھر شہر میں گذرا تھا۔ مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ جب تک مَیں گاڑیوں یا ٹریم پر سوار ہو کر یوروپ کے شہروں میں پھرا ہوں۔ مجھے اُن کی جہتوں اور رستوں کا کچھ پتہ نہیں لگا۔ اور جب پیدل چلا ہوں مجھے گلیوں اور بازاروں کی کیفیت برابر سمجھ میں آگئی ہے۔ چنانچہ میں نے یوروپ کے سب شہروں میں ایسا کیا ہے کہ گائیڈ بک ہاتھ میں لے کر کہ جس میں ہر گلی اور ہر کوچہ کا نقشہ ہوتا ہے ایک طرف چل پڑا۔ اور گائیڈ بک کی مدد سے جس طرف جانا چاہا عموماً وہاں پہنچ گیا۔ ۲۷ جولائی کو ۳ بجے سے ۷ بجے شام تک مَیں پیرس میں پیدل پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ بہت تھک گیا۔

مگر سوائے ایک کونے کے شہر کی ساخت کا پتہ نہ لگا جو میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ اور جس میں پچیس تیس ہزار باشندے آباد ہیں۔ جدھر چلے جاؤ عالی شان سربفلک کشیدہ مکانات آتے جاتے ہیں۔ ہزاروں گلیاں اور بازار یکساں بارونق ہیں۔ سب میں عالی شان مکانات۔ سب مکانات پر یکساں مکلف حروف میں نوٹس بورڈ اور اشتہارات لگے ہوئے ہیں۔ اس قدر آمد و رفت پیدلوں اور گاڑیوں کی شہر میں ہوتی ہے کہ الاماں۔ علاوہ ٹریمو ے اور آمنی بس کے کئی لائینوں کے شہر میں کئی ہزار ٹیکسی گاڑیاں ہیں۔ بعض بڑے بڑے چوکوں میں پولیس میں کھڑے رہ کر باری باری سے دونوں طرف سے آنے جانے والی گاڑیوں اور آدمیوں کو گذرنے کا اشارہ کرتا رہتا ہے۔ جب تھوڑی دیر میں ایک طرف کی گاڑیاں اور آدمی دوسری طرف کو گذر چکتے ہیں۔ تو پھر دوسری طرف سے کہ جدھر اس عرصہ میں ہجوم جمع ہو گیا تھا اُدھر کو گذرتا ہے۔ دوکانوں میں سودا اس قدر ہے کہ تعجب ہوتا ہے اسے کون خریدتا ہوگا۔ رستارنٹ۔ قہوہ خانے اور شراب خانے تو چپہ چپہ پر ہیں۔ یہ لوگ دن میں بار بار کھاتے پیتے ہیں۔ اس شہر میں دفاتر سرکاری خصوصاً مختلف وزارتوں کے دفاتر تو اتنے عالی شان اور وسیع اور پر تکلف ہیں کہ شاہی قصر معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت پیرس میں تعمیر مکانات کی طرف بیحد توجہ کی گئی ہے۔ بڑے بڑے محلات کے آہنی جنگلوں کے بعض حصوں کو سنہری گلٹ کیا جاتا ہے۔ عام کرایہ کے مکانات بھی نہایت عالی شان پانچ پانچ سات سات منزلوں کے ہوتے ہیں۔ ایک روز ایک صاحب کے ساتھ میں سائنس اینڈ آرٹس میوزیم کے پاس سے گذر رہا تھا کہ جس میں تمام نئی ایجادیں رکھی جاتی ہیں اور کمشری اور سائنس کے آلات دکھلائے جاتے ہیں اور موسم سرما میں ان علوم پر لکچر دیئے جاتے ہیں۔ راستہ میں میرے رفیق نے بتلایا کہ ان کوچوں میں جو مکانات

ہیں ان میں دو ڈیڑھ سو سال پہلے تمام امراء رہتے تھے - مگر اب سب مفلس لوگ کرایہ پر رہتے ہیں - کیونکہ اب امیروں کے مکانات اعلیٰ سٹائل پر بنتے ہیں - روٹی اور شراب بیچنے کی دکانیں چپہ چپہ پر دیکھ کر کہا کہ ہرچند ان میں سے آدھی دکانیں ہمیشہ نقصان اٹھا کر بند ہوتی رہتی ہیں مگر پھر بھی لوگ انہیں جاری کرتے رہتے ہیں - کیونکہ بہت لوگ اور کوئی کام نہیں جانتے - ایک شخص سے راستہ میں ملاقات ہوئی جو بہت اچھا لکھا پڑھا اور لٹریری آدمی تھا - مگر اُسے کھانا پکانے میں اس قدر مہارت تھی اور اس کام کا اتنا شوق رکھتا تھا - کہ تمام پیرس میں اس فن کا اُستاد سمجھا جاتا ہے - اور اخبارات اور رسالجات میں طباخی پر مضمون لکھ کر سات آٹھ سو پونڈ سالانہ کما لیتا ہے - تمام بڑی بڑی دعوتوں کے موقعوں پر ہوٹلوں وغیرہ میں اُسے بلایا جاتا ہے - یوروپ کا دستور ہے کہ جب کسی کو کوئی دعوت دینی منظور ہوتی ہے تو کسی ہوٹل والوں سے انتظام کر لیتا ہے - اور سوائے روپیہ دیدینے کے اور اُسے کوئی تکلیف یا کشمکش نہیں ہوتی ٭

پیرس کی آزادی پیرس میں دو تین ہفتے رہنے کے بعد مجھے معلوم ہونے لگا کہ یہاں کسی قدر کم خرچ سے بھی آدمی گذارہ کر سکتا ہے بشرطیکہ یہاں کے حالات سے واقف ہو جائے - بجائے کیب گاڑیوں پر سوار ہونے کے آدمی بس گاڑیوں دریائے سین میں چلنے والے جہازوں پر لمبے فاصلے طے کر سکتا ہے - ایک پینی (آنہ کے پیسے) دیکر جہاز پر جتنی دور چاہیں چلے جائیں جو شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دریا میں دونوں طرف چلتے ہیں - اور خواہ پہلے ہی سٹیشن پر اتر پڑیں - بجائے گراں ریسٹارنٹوں اور ہوٹلوں کے غریبانہ ریسٹارنٹوں میں کھانا کھا سکتا ہے - ارزاں روٹی خرید کر گذارہ کر سکتا ہے - دوکانداروں اور سستی گاڑی والی عورتوں سے سستی ترکاریاں اور میوجات خرید سکتا ہے - نو آنک ڈیڑھ فرانک روزانہ کے

ارزاں مکان میں گذارہ کر سکتا ہے - آمنی بس گاڑی کے اوپر پندرہ سنیٹم یعنے تین پیسے دے کر چڑھ بیٹھو اور جہانتک گاڑی جاتی ہے چڑھے جاؤ یا جہاں جی چاہے اُتر جاؤ - اگر گاڑی کے اندر بیٹھو تیس سنیٹم یعنی ڈیڑھ آنہ دو - یہاں آمنی بس یا ٹریم میں کنڈکٹر کو ٹپ دینے کا رواج نہیں - ایک روز میں نے جس فاصلہ کے تین فرانک بس گاڑی والے کو دیئے تھے دوسرے روز اس سے تگنے فاصلہ کے لئے ۸ سنیٹم برقی ٹریو سے پر دیئے ؟

مہمانی

میں قریب دو ہفتہ کے کرایہ کے مکان میں رہ چکا تھا کہ مسٹر ہیمن جو پیرس کے مشہور دوا فروشان گریلٹ کمپنی کے ایجنٹ ہیں جب ساحل سمندر سے شو پیرس میں مع مسز ہیمن آگئے تو اُنہوں نے مجھے تقاضا کیا کہ میں اس مکان سے اٹھ کر اُن کے مکان میں جا ٹھیروں - کیونکہ اس سے مجھے آرام ملیگا - اور جب میں نے اُن کی اس مہربانی آمیز درخواست کے قبول کرنے میں تامل کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اُسی کی دوستی سے کیا فائدہ اگر اُس سے کچھ بھی نفع نہ حاصل ہو - چنانچہ میں نے اُس مکان کا کرایہ نوکرانی کی تنخواہ اور دودھ وغیرہ لانے والوں کے حساب شام کو چکا دیئے اور گاڑی میں اسباب رکھ کر مسٹر ہیمن کے مکان پر لیگیا - اس مکان میں لفٹ لگا ہوا تھا - میں نے خود ہی اپنے دونوں ٹرنک لفٹ میں رکھ کر لفٹ کو اُٹھا دیا - اور جب تیسری منزل پر پہنچا کہ جہاں ان کا مکان تھا تو ہمسایہ کی گھنٹی بجا دی - ہمسایہ کی نوکرانی نے نکلکر مجھے بتلایا کہ ساتھ کی گھنٹی بجاؤ - غرض مسز ہیمن بہت مدارات سے پیش آئیں - اور مجھے میرے رہنے کا کمرہ دکھلا دیا - نوکرانی نے میرا اسباب اُٹھا کر اُسکے اندر رکھ دیا - آج شام کو ایک لیڈی اخبار نویس جو بچوں اور خانہ داری کے مضمون کا رسالہ نکالتی ہے - ایک آرٹسٹ (مصور) اور ایک شخص مارشیلس کا سوداگر اِن کے ہاں کھانے پر مدعو تھے - شام کو جب سب ملکر کھانے

پر بیٹھے تو باتوں چیتوں میں دو گھنٹوں میں کھانا ختم ہؤا - اور مہمانوں کے رخصت کرنے میں گیارہ بج گئے - میرے کمرے میں مسز میسن صاحبہ نے سب ضروریات رکھدی تھیں - اور بار بار مجھے کہتی تھیں کہ گھر کی طرح بے تکلف ہوکر رہو - اور جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بتلا دو - مجھے غسل خانہ پاخانہ اور ہاتھ منہ دھونے کے مکان دکھلا دیئے - غسل خانہ میں گیس کے ذریعے سے ایک دو منٹ میں پانی گرم ہو جاتا تھا - مسز میسن صاحبہ نے آج شام کو مجھے اپنا فوٹو گرافوں کا البم بھی دکھلایا تھا - یورپ میں فوٹو گرافوں کا البم ہر کنبہ میں ایک ضروری چیز سمجھی جاتی ہے کہ جس میں کنبہ کے ممبروں کے مختلف عمروں اور حالتوں کے فوٹو گراف اور ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے فوٹو گراف بھی شامل ہوتے ہیں - اور بیشک ان کے دیکھنے سے بہت دلچسپی اور لطف پیدا ہوتا ہے - ان کے دو خوبصورت بچے ہیں - ایک لڑکی اور ایک لڑکا - جو دونوں اس وقت ساحل سمندر پر بغرض تفریح گئے ہوئے تھے - میم صاحبہ اپنی لڑکی کی خوبصورتی کی تعریف کرتی رہیں - اور انہوں نے مجھے بھی اپنے کنبے کے دو چھوٹے فوٹو گراف دیئے - اور مجھے کہا کہ تمہارے پاس بھی اپنے بچوں کے فوٹو گراف ہیں - میرے انکار کرنے پر تعجب کیا اور ہنسکر کہا کہ تم اچھے باپ نہیں ہو - مسٹر میسن نے بھی آج کھانے پر تعجب کیا کہ میں کیوں اپنے بچوں کا ذکر نہیں کرتا - کیا وہ اچھے نہیں - میں نے کہا بیشک وہ بہت اچھے ہیں - تو انہوں نے کہا کہ تم نے انہیں لاہور میں بھی مجھے نہیں دکھلایا - اور اب بھی ان کا ذکر نہیں کرتے - بہ الیکہ میں اپنے بچوں پر ناز کرتا ہوں - اور اپنی لڑکی کا فوٹو گراف اپنے پاکٹ بک سے نکال کر اپنے مہمانوں کو دکھلایا - اور کہا کہ کیا یہ خوبصورت نہیں - سب نے اس نوجوان لیڈی کی خوبصورتی کی تعریف کی - کہ جس پر یہ میاں بیوی بہت خوش ہوئے - مسز میسن صاحبہ بڑی معقول اور آزاد خیال عورت ہیں - جتنی مدت میں ان کے

گھر میں مہمان رہا مجھ سے بڑی مہربانی اور شفقت سے پیش آتی رہیں۔ اور ہمیشہ میرے آرام اور کھانے پینے کا بڑا خیال رکھتیں۔ کہ جسکے لئے مَیں ان کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ ان کے گھر میں رہنے کے زمانہ میں ان کے دو تین دوستوں نے ہماری دعوت بھی کی۔ اور ان کے ہمراہ بعض اوقات جاکر پیرس کے بعض مقامات دیکھے *

ایک سٹارینٹ میں کھانا | ایک روز مسٹر ہیبن کے ساتھ ایک ریسٹارینٹ میں کھانا کھانے گیا۔ وہاں اُن کے تین اَور دوست بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک فرنچ اور دو ڈچ تھے۔ اور اتفاق سے سب انگریزی بول سکتے تھے۔ انہیں سے ایک سے میری پہلے ملاقات تھی۔ اور باقی دونوں سے اس نے تعارف کرادیا۔ اور ہم نے ایک دوسرے سے کارڈ بدل لئے۔ یہ دونوں ریشم کی تجارت میں تھے اور فرانس کا ریشم امریکہ کو روانہ کرتے تھے۔ کھانے میں حسب معمول بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ یہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات ہندوستان کی اور ہندوستان کے مذاہب کی نسبت کرتے رہے۔ کبھی گورنمنٹ ہند کے انتظام کی نسبت بھی بات آجاتی۔ یہ بات سُنکر کہ مسلمان ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں یہ حیران ہوتے تھے۔ مَیں نے انہیں یقین دلایا کہ عملاً برائے نام فائدہ اس اجازت سے اُٹھایا جاتا ہے۔ عورتوں کے پردہ میں رہنے سے بھی تعجب کرتے تھے۔ ان چار یورپینوں سے جو میرے ہمراہ کھانا کھا رہے تھے سوائے مسٹر ہیبن کے کہ جنکے دو بچے ہیں۔ اور کسی کے بچے تو کہیں رہے اُن کی بیویاں بھی نہیں تھیں۔ حالانکہ یہ معزز لوگ ہیں اور متوسط درجہ کی کلاس کہلاتے ہیں۔ مگر بوجہ خانہ داری کے اخراجات کی زیادتی کے بیوی رکھنے کا بکھیڑا انہیں سہیڑ نے۔ ہر روز کھانے کا دام انہیں اتنا دینا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں ایک غریب آدمی اس پر مہینہ بھر گذارہ کرسکتا ہے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں یہاں سوائے بوتلوں میں بھری ہوئی پینے کی

پانی کی اور پانی موجود ہی نہیں ہوتا۔ میں تو اس سے یہی نتیجہ نکالتا ہوں کہ باوجود مجبوری کے بھی یہاں زندگی کا معیار بہت اعلیٰ ہوتا ہے۔ آج کھانے پر مجھ سے ایک بڑی مضحکہ انگیز بات ہوئی۔ سبز بادام چھلکے سمیت میز پر لائے گئے تو میں ایک بادام توڑ کر اُس کا چھلکا کھانے لگا۔

پولیٹیکل بحث

کھانے پر منجملہ دیگر امور کے جنگ ٹرینسوال کے متعلق بھی باتیں ہونے لگیں۔ مسٹر میسن جب انگریزوں کی طرفداری کی بات کرتے تو ان کا ڈچ دوست جو ہالینڈ کا رہنے والا ہے اُن سے بہت بگڑتا۔ اور کہتا کہ ان لوگوں نے ٹرینسوال میں بیر اہم قوموں کو بہت اذیت پہنچائی ہے۔ یہ بہت کمینے ہیں۔ مجھ سے پوچھا کہ انکا ہندوستان میں کیسا سلوک ہے۔ میں نے کہا کہ ہندوستان میں تو ہم لوگ کبھی انگریزوں کا احسان اُتار نہیں سکتے۔ کیونکہ انہیں کی بدولت ہم تک مغربی علوم کی روشنی پہنچی ہے۔ اور یوروپین انسٹی ٹیوشنوں کا حال معلوم ہوا ہے۔ ہالینڈ کے جنٹلمین نے جواب دیا کہ اگر روس بھی ہندوستان میں جاتا تو یہی نتیجہ نکلتا۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا ہندوستانی روس کی حکومت پر خوش ہونگے۔ میں نے کہا مجھے اس کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ البتہ ہم اپنی حالت میں بہت مطمئن ہیں۔ پھر کہا کیا روس کا قصد ہندوستان پر تاخت کرنے کا نہیں۔ میں نے کہا نہیں تو صرف انگریزی گورنمنٹ کے روک تھام کے کاموں سے روس کے حملہ کا قصد معلوم ہوتا ہے۔ آج کل بوجہ جنگ ٹرینسوال کے براعظم یوروپ کے اور سب ملکوں میں بھی کہ جہاں مجھے جانیکا اتفاق ہوا ہے لوگ انگریزوں کو نظر حسد و عداوت سے دیکھتے ہیں ؛

پیرس کا صرافہ

پیرس کا بورس یعنی صرافہ راستہ میں آیا۔ یہ مشہور صرافہ کہ جو یوروپ کے مالی معاملات کا تھرما میٹر ہے اسکے بڑے ہال میں اس وقت دو تین ہزار سے کم آدمی نہ ہونگے۔ یہ بعض کمپنیوں کے حصوں کے نرخ کی بولی دینے میں اس قدر شور مچا رہے تھے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ بعض

لوگ تو سخت جوش وخروش سے اپنی اپنی بولی کی جانب توجہ دلانے کے لئے لاٹھیاں کھڑی کر رہے اور ہاتھ اُٹھا رہے تھے۔ اسی طرح صبح سے شام تک صرافہ میں ہر روز کئی غریب سے امیر اور کئی مفلس قلاش ہو جاتے ہیں۔ مسٹر مین نے بتایا کہ یہاں جتنے لوگ جو بولی دیتے ہیں یا جو کچھ خرید تے ہیں وہ صرف ایک پرزہ کاغذ پر بطور یادداشت کے لکھ دیتے ہیں۔ یا زبانی کہدیتے ہیں۔ اور خواہ دس لاکھ روپیہ کے نقصان کا معاملہ ہو اُس سے نہیں پھرتے۔ اس مکان سے زیادہ شور میں نے یورپ یا ایشیا میں کبھی نہیں سنا +

سیّد خلیل آفندی سے ملاقات

یہ وہی شخص ہے جسکو کسی زمانہ میں اخبار کریسنٹ میں مسٹر کوئیلیم کے مسلم انسٹی ٹیوٹ میں فرانسیسی اور ترکی زبانوں کا پروفیسر مشتہر کیا جاتا تھا۔ میرے سفر یورپ پر روانہ ہونے سے پہلے یہ صاحب ہندوستان سفر کرتے ہوئے لاہور پہنچ گئے تھے۔ اور اثنائے قیام لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے مکان میں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں دنیا کے مسلمانوں کی حالت پر ایک لکچر بھی دیا تھا۔ یہ لاہور میں ایک حد تک میرے مہمان بھی رہے تھے۔ اور آجکل پیرس میں سکونت رکھتے تھے۔ سید گلاب شاہ افغان سے میرا ذکر سنکر مجھے بڑے تپاک سے ملے۔ پہلے روز ملکر بغلگیر ہوئے اور میرے سینہ کی دونو طرف بوسہ دیا۔ یہ اپنے آپ کو ترک کہتے ہیں۔ اور بتلاتے ہیں کہ ٹانگ میں گولی لگنے کی وجہ سے جو لنگ ہو گیا اسلئے فوجی ملازمت کو ترک کر دیا۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتلایا تھا کہ میں دمشق کے خاندان عظم زادگان سے ہوں۔ لیکن دمشق میں جاکر معلوم ہوا کہ اس نام کا اس خاندان میں کوئی شخص نہیں۔ بہرحال پیرس میں خلیل آفندی مجھے ملکر بہت خوش ہوئے۔ ایک روز نوجوان ترک طرابلسی عبدالقادر نامی بھی جوان کا دوست تھا ایسے ہی محبت سے ملا۔ خلیل آفندی کا مکان عین وسط شہر میں ایک اچھے موقع پر رو سینٹ میشل میں تھا۔ اُس نے افسوس کیا کہ اگر آپکے میرے یہاں آنے کی خبر پہلے ملتی تو سستا مکان کرایہ پر

لینے دینے کے علاوہ اور ہر ایک کام میں مجھے مدد دیتا۔ چنانچہ اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اور میری بہت تواضع کی۔ اور میرے لئے تکلف کا کھانا گھر میں تیار کرایا۔ اسی کمرہ میں ایک اور شامی مسلمان کھانا پکا رہا تھا۔ پکانے کا چولہا گیس سے گرم ہوتا تھا اور دیگچیاں ایسی صاف کہ ان سے کمرہ کی آرائش میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔ ایک قسم کے چاول "شعریہ" نامی جو میرے لئے عجیب چیز تھے اور شکل میں جو دانہ کے برابر تھے۔ بلکہ سویوں اور چاولوں کے مابین ایک چیز معلوم ہوتے تھے اور قسطنطنیہ ہی میں پیدا ہوتے ہیں پکائے گئے۔ ایک بکرے کی ران بھی میز پر لائی گئی۔ اور خلیل آفندی نے مجھے بتلایا کہ یہ ایک مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے۔ پیرس میں ایک ٹیونسی مسلمان خاندان ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ اپنے لئے ایک بکرا ذبح کرتا ہے۔ اور یہ ران ایک ڈبل روٹی پکانے کے تنور میں کچھ پیسے دے کر ثابت پکوائی گئی ہے۔ کھانے کی میز پر ہمارے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کی عورت بھی تھی جو کہتی تھی کہ انگلستان کی رہنے والی ہے مگر اب فرانسیسی بھی خوب بولتی ہے اور آفندی کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ کھانے کے بعد حسب معمول کچی ہولیاں اور میوجات آئے اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اسکے بعد بھی خلیل آفندی نے ایک مرتبہ مجھے کھانے پر بلایا۔ اور بہت کچھ التفات کا اظہار کیا۔ پہلے روز مجھے اپنے نوجوان دوست عبدالقادر سے انٹروڈیوس کر کے کہا کہ یہ فرانسیسی خوب بولتا ہے۔ پہلے ایک پیرس کے رئیس کا ملازم (خدمتگار) تھا۔ مگر اب ایک فرانسیسی لیڈی سے شادی کر لی ہے اور کچھ اپنا کاروبار کرتا ہے۔ یہ پیرس کے چپہ چپہ سے واقف ہے اسلئے تمہیں خوب سیر کرا سکتا ہے۔ میں نے اسے غنیمت سمجھا اور ہم فوراً پیرس کا چکر لگانے اور بعض مقامات دیکھنے کو چلے گئے۔ میرا شفیق فرانسیسی اور عربی دونوں مادری زبانوں کی طرح بے تکان بولتا تھا۔ مگر ناخواندہ تھا۔ پورا فرانسیسی جنٹلمین تھا۔ کہتا تھا فرانس بہت اچھا ملک ہے۔ اور فرانسیسی بہت اچھے

لوگ ہیں۔ اور کہتا تھا فرانسیسی عورتیں کیسی خوبصورت اور موٹی تازی ہوتی ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں انگریز عورتیں لکڑی کی طرح سوکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ غرانسیسیوں میں انگریزوں کی طرف سے نفرت کا عام خیال ہے۔ اور ایسے ہی جرمنی کی طرف سے +

پیرس کا چڑیا گھر

پیرس کا چڑیا گھر جسے یارڈین ڈے پلانٹ کہتے ہیں ور اصل صرف چڑیا گھر نہیں۔ بلکہ علاوہ زو لاجیکل گارڈن یعنے چڑیا گھر کے اس وسیع مکان میں اناٹومی کا عجائب گھر۔ باٹنیکل گارڈن (نباتات کا باغ)۔ زوآلوجی (تاریخ الحیوان) جیالوجی (طبقات الارض) منرالوجی (معدنیات) انتھروپولوجی (علم ترکیب انسان) کی گیلریاں۔ پودوں کے لئے ہاٹ ہوس۔ ان علوم کے متعلق ایک مکمل کتب خانہ اور ایک علوم حیوانات نباتات اور معدنیات کے متعلق لکچر دینے کے لئے امفی تھئیٹر ہے۔ جس میں بڑے بڑے سائنس دان لکچر دیتے ہیں۔ بخلاف برلن کے چڑیا گھر کے یہاں داخلہ کا ٹکٹ مفت ملتا ہے۔ مختلف جانوروں کے پنجرے اور مکان دیکھے۔ شیر کئی قسم کے تھے ہر شیر کو آٹھ دس پونڈ روزانہ گوشت ملتا تھا۔ بندر ایسے ایسے عجیب اور مختلف اقسام کے تھے کہ میں نے ایسے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اسکے قریب دریائی گھوڑے۔ گینڈے۔ ہاتھی اور اونٹوں کے مکان تھے۔ پرند آٹھ سو قسم کے اور سانپ اڑھائی سو قسم کے جمع تھے۔ ان میں بڑے بڑے اژدہا نہایت خوفناک معلوم ہوتے جو موٹے شیشے کے بکسوں میں بند تھے۔ ایک اژدہا کے دھڑ کا محیط ایک گز سے کم نہ ہوگا۔ سبز رنگ کی زہریلی چھپکلیاں۔ زہریلی مینڈکیں۔ اور پانی کے سانپ بھی موجود تھے۔ تماشائیوں کی نظر میں یہاں یہہ بات بہت اچھی معلوم ہوتی تھی کہ جس طرح برلن کے زولکر گارڈنے عجائب گاہ میں مختلف ممالک کی اشیا سے نمایش کے ہمراہ اُن ممالک کا نقشہ آویزاں ہوتا تھا کہ جس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ ملک اور مقام دنیا کے نقشہ میں کس جگہ واقع ہے جہاں کی یہ اشیا ہیں ویسے ہی ان جانوروں کے پاس ان اہل کی تختیوں پر ایسے

نقشے آویزاں تھے کہ جس پر اس جانور کا وطن سرخ رنگ میں دکھلایا گیا تھا۔ اس سے ہر ایک دیکھنے والے کو ایک آن واحد میں ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ کہ یہ شیر وسط افریقہ کا ہے۔ یہ ریچھ قطب شمالی کا اور یہ دو کوہان والا اونٹ ترکستان کا ہے۔ یہاں لوگ بندروں۔ ہاتھیوں اور بکریوں کو بڑی عجیب چیزیں سمجھتے تھے ہاتھی پر کچھ پیسے (دیکر) بچے سوار ہو رہے تھے۔ سگ آبی کے یہاں بڑے غول تھے نیل گاؤ کے متعدد اقسام تھے۔ بارہ سنگا بہت بلند دیکھا گیا۔ ایسے جانور تھے جن کے ہمیں نام معلوم نہیں۔ یہاں لوگوں میں جانوروں کو روٹیاں خرید کر پھینکنے کا بڑا رواج ہے۔ بعض جانوروں کے کمروں کو سرد رکھنے کے لئے اُن میں پانی کے حوض اور بعض کے کمروں کو گرم رکھنے کے لئے ان میں انگیٹھیاں بنی ہوئی ہیں۔ یہ چڑیا گھر پہلے پہل ۱۶۳۵ء میں قایم ہوا تھا اور ۵۷ ایکڑ میں واقع ہے۔ پیرس میں ایک اور چڑیا گھر بھی ہے ٭

باغ ٹولیریز ٹولیریز سلاطین فرانس کا ایک قدیم اور شاندار محل تھا جس میں نپولین اول بھی اپنی بیوی جوسفین کے ساتھ رہ چکا ہے لیکن ۱۸۷۱ء میں کمیونسٹ لوگوں نے اسے جلا دیا۔ اب یہاں ایک نہایت خوشنما باغ ہے۔ جہاں ہفتہ میں تین دفعہ سہ پہر کو فوجی باجا بجتا ہے۔ آج یہاں باجہ کا دن تھا اور بہت بڑا ہجوم سننے والوں کا تھا۔ پیرس میں ہر روز کسی نہ کسی باغ اور پارک میں سرکاری باجا بجتا رہتا ہے۔ [illegible] وسط میں نہایت خوبصورت تالاب ہے۔ اطراف میں روشیں ہیں اور ان پر بہت سے بُت بڑے بڑے کاریگروں کے بنائے ہوئے کھڑے ہیں۔ یہ باغ خوبصورتی اور صفائی کے لحاظ سے آئینہ کی طرح صاف اور ستھرا نظر آتا تھا۔ اور ہزاروں آہنی کرسیاں پبلک کے آرام کے لئے پڑی تھیں۔

وِنڈوم مینار وِنڈوم پیلس پیرس میں ایک چوک ہے جہاں ایک عالیشان مینار کھڑا ہے جو نپولین اعظم نے ۱۸۰۵ء کی فتح [illegible] یادگار میں [illegible] کے

تراجن کے مینار کی نقل کے طور پر اسے تعمیر کرایا۔ اور دشمن سے جو توپیں جنگ میں چھینی تھیں پگھلا کر پتھر کے مینار کے گرد اُن کے پترے چڑھا دیئے۔ جنگ بولون سے لے کر آسٹرلٹز کے معرکہ تک کے تمام جنگی واقعات اور مشہور اشخاص کی ابھرواں تصویریں اس مینار پر بنی ہوئی بطور ایک پیچ کے چوٹی تک چلی گئی ہیں۔ اور چوٹی پر نیپولین کا بُت نصب ہے۔ اِسے بھی کمیونسٹ باغیوں نے گرا دیا تھا۔ مگر یہہ ۱۸۷۵ عیسوی میں پھر وہیں کھڑا کر دیا گیا ہے۔

بون مارشے Bon Marché

اگر کسی شخص نے پیرس میں جا کر بون مارشے (یعنے اچھا سودا) یا اسی قسم کے دو دو دوسرے تجارتی مخزن نہ دیکھے تو گویا اُس نے پیرس کا ایک بہت ضروری جزو نہیں دیکھا۔ میں نے سنا ہے کہ اب سب سے بڑی دکانیں نیو یارک اور شکاگو میں ہیں کہ جن میں ایک ایک وقت میں کئی کئی کروڑ روپیہ کا ہر قسم کا مال تجارت بکثرت جمع رہتا ہے اور جنہیں سٹور کہتے ہیں۔ لیکن پیرس کے مگاسین (مخزن) اور لنڈن وایم واٹلی کی دُکان بھی امید ہے کہ امریکہ کے سٹوروں سے کسی نہج سے کم نہ ہوگی۔ البتہ برلن کی جس بڑی دُکان کو میں نے اس سے پہلے دیکھا ہے وہ باوجود اپنی عظمت کے بون مارشے سے بڑی نہیں ہے۔

۱۸۵۲ بون مارشے ایک عظیم الشان دُکان پیرس میں اس قسم کی ہے کہ جس میں انسانی ضرورت کی ہر چیز بکثرت مہیا رہتی ہے۔ ۱۸۵۲ء میں ایک غریب آدمی کے بیٹے ارسٹائیڈ بوسی کاٹ نے بیالیس سال کی عمر میں اس دُکان کو بالکل سرمایہ کے بہت حقیر پیمانہ پر جاری کیا۔ لیکن اس شخص کے پاس ہرچند کہ دولت نہ تھی مگر ایک ایسا دماغ ضرور تھا کہ جس میں بھُس نہیں بھرا ہوا تھا۔ اُس نے وہ تین ایسے اصول اپنی دُکان کے لئے مقرر کئے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں گاہک اُسکی دُکان کی طرف جھُک پڑے۔ اور

دکان دن بدن ترقی کرتے کرتے عظیم الشان مخزن بنگئی۔ اسکا پہلا اصول یہ
تھا کہ "نفع تھوڑا ہو اور سودا بہت بکے" "اسباب سب اعلیٰ درجہ کا ہو"
اور "قیمتیں مقرر ہوں" تاکہ بغیر سر دردی کے ہر شخص کو اچھی چیز مناسب قیمت پر
مل جائے۔ اسکے علاوہ اُس نے یہہ طریقہ بھی اختیار کر لیا کہ جس کسی کو سودا
خریدنے کے بعد کوئی چیز پسند نہ آئے وہ واپس کر دے اور اپنے دام لیلے۔
ان باتوں کے ساتھ اُس نے اپنے مال کا اشتہار بھی بہت عمدہ پیرائے
میں دینا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۲ء سے ۱۸۶۳ء تک اُس کی بکری
ساڑھے چار لاکھ فرانک سے ستر لاکھ فرانک تک بڑھ گئی۔ اس شخص کے
مرنے پر اُس کی بیوی نے دکان کا کاروبار سنبھالا۔ اور ہرچند کہ وہ ایک عام
ناتعلیم یافتہ عورت تھی مگر اُس کی نگرانی میں بھی کارخانہ نے بڑی ترقی کی۔ اس
میاں بیوی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی نے اپنے مرنے کے وقت دکان
کی ملکیت اُن ملازموں اور کلرکوں میں تقسیم کر دی جو اس وقت اس کارخانہ
میں تھے۔ چنانچہ اس وقت اس دکان کے مالک پانچ سو حصہ دار ہیں جو
سابق کلرک یا اُن کے وارث ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں اس دکان کے ہر حصہ کی
قیمت پچاس ہزار فرانک قرار پائی تھی۔ لیکن دن بدن ایسے اس قدر
کامیابی ہو رہی ہے کہ اب ہر حصہ تین لاکھ بیس ہزار کا ہو گیا ہے۔ اور
اٹھارہ ہزار فرانک سالانہ اُسکا منافع ہے۔ پانچ سو سودا بیچنے والی عورتیں
اس دکان میں ملازم ہیں کہ جن میں سے چوتھا حصہ اسی مکان میں رہتی ہیں۔
اور انہیں خوراک پوشاک سرما میں آگ اور تفریح کا سامان دکان کی طرف
سے دیا جاتا ہے۔ جو لوگ اس دکان کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ اگر ساڑھے
تین بجے شام کے دکان کے متعلقہ ریڈنگ روم میں جہاں ہر قسم کے
اخبار پڑے رہتے ہیں۔ آ بیٹھیں تو ایک ترجمان اُن کے ساتھ چلکر انہیں تمام
دکان دکھلا دیتا ہے۔ ۲۴ نومبر کو ہر سال کا مال کم قیمت پہ نکال دیا جاتا ہے۔

گراں مگاسین دو لوور اسی پیمانہ کی اور اسی اصول کے ایک دوسری بڑی دوکان پیرس میں اس نام کی ہے جو عجائب گاہ موور کے قریب واقع ہے۔ اس میں بہتر صیغے ہیں کہ جن میں مختلف اقسام کا مال بکتا ہے اور اس میں بھی سودا بیچنے والی تقریباً سب عورتیں ہی ہیں۔ یہ ۱۸۵۵ء میں شراکت تین شرکا کے قائم ہوا۔ پہلے سال کے اخیر میں نفع صرف پانسو فرانک ہوا۔ ایک شریک چھوڑ گیا۔ باقی دو شرکا نے پندرہ لاکھ کے سرمایہ سے مشترکہ کمپنی بنائی۔ جس کا ہر حصہ پانچ ہزار فرانک کا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں ایسے ہر حصہ سے ۱۹ ہزار فرانک یا قریب چار سو فیصدی کے منافع ہوا۔ اور کل سالانہ بکری بارہ ۱۲ کروڑ فرانک کو پہنچ گئی۔ یہاں بھی موور کی طرح علاوہ لفٹ کے اوپر کی منزلوں پر چڑھنے کے لئے ایسے متحرک پلیٹ فارم تھے کہ جن کا نمایش گاہ پیرس کے متعلق ذکر ہو چکا ہے۔ میں نے اس وقت اندازہ کیا تھا کہ شاید پچاس ہزار کل گاہک اور تماشبین اور ملازم دوکان کی سب منزلوں میں ہوں گے۔ شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ کھلونے زیور گھڑیاں کپڑے قالین غرض ہر چیز جو خیال میں آسکتی ہے یہاں بکتی تھی۔ میرا ارادہ صرف سیر کرنے کا تھا۔ مگر میں نے یہاں سے نصف درجن کالر اور چوتھائی درجن کفیں ۸ فرانک ۱۵ سینٹم کو خریدیں یہ لوگ دکان کے اندر جانے سے کسی کو منع نہیں کرتے اور ایسا کم اتفاق ہوتا ہے کہ جو لوگ صرف سیر و تماشا کی غرض سے دکان کے اندر گھستے ہیں کوئی نہ کوئی چیز نہ خریدلیں ۔

بازار ہوٹل ڈاویل پیرس میں اور بھی کئی ایک بڑی بڑی دوکانیں ہیں لیکن اُن میں سے بازار ہوٹل ڈاویل" میں ایک خصوصیت ہے۔ اور ہر ایک ظاہری لحاظ سے یہ بھی لون مارشے اور مگاسین ڈالوور کی طرح بہت بڑا مال تجارت کا مخزن ہے۔ مگر اس میں اس امر کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ غریب لوگوں کی ضرورت کی سب چیزیں یہاں مہیا کی گئی ہیں۔ گو وہاں کے غریب لوگوں کی استعمال کے قابل چیزیں ہمارے یہاں کے امرا کے سامان

سے اچھی ہیں۔ یہ مکان بھی چار پانچ منزل کا ہے۔ اور اس میں ہر ایک چیز بہتات سے جمع کی گئی ہے۔ زیورات برتن کھلونے۔ کپڑے اور ہر ایک ضروری اور غیر ضروری چیز موجود ہے۔ لیکن سب سستی قیمت کی چیزیں ہیں۔ مگر بالکل خوشنما اور ستھری بنی ہوئی ہیں۔ یہاں میں نے ایک پرند شکار کرنے کی نرالی چیز دیکھی۔ اس میں چھوٹے چھوٹے چمکدار شیشے جڑے ہوتے ہیں۔ اس کو دھوپ میں ہاتھ میں لے کر گھمانے سے کھیت کے جانوروں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور وہ گرنے لگتے ہیں جبکہ آسانی سے انہیں شکار کر سکتے ہیں۔ اس دوکان کے مالک نے بھی میں نے سنا کہ بہت دولت کمائی تھی۔ ہوٹل ڈاویل؛ فرانسیسی زبان میں ٹاون ہال کو کہتے ہیں اور چونکہ یہ دوکان پیرس کے ٹاون ہال کے متصل واقع ہے اسلئے اس کا یہ نام مشہور ہے۔

پیرس کے زیر زمین ریلوے میرے دوست کے ایک دوست نے وعدہ کیا کہ وہ مجھے خلطرا اور پیپ اور ونڈ ملین نواح پیرس کے ایک گاؤں میں لیجا کر دکھلا لائے گا ہر چند کہ میں وقت مقررہ پر اسکے پاس نہ پہونچ سکا۔ بلکہ وقت مقررہ سے گھنٹہ بھر بعد پہنچا تاہم وہ جنٹلمین میرے ساتھ چلنے کو اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے پیرس کے راستے کافی طور پر نہ جاننے کا عذر کیا۔ ٹاون ہال کے پاس پیرس کے نئی زیر زمین ریلوے میں سوار ہو کر میں بولاڈابولوں کو گیا تھا۔ یورپ میں یہ پہلی زیر زمین ریلوے تھی جس پر میں سوار ہوا تھا۔ اور پیرس میں یہ لاین حال میں نئی ہی بنی ہے جو برقی طاقت سے چلتی ہے۔ زمین کے اندر اتر جانے سے آگے ایک بہت بڑا اسٹیشن اور کھلا پلیٹ فارم نظر آتا ہے۔ ہر طرف برقی روشنی سے دن چڑھا ہوا ہے۔ ہزاروں عورتیں مرد بھاگ بھاگ کر گاڑیوں پر سوار ہو رہے تھے۔ غرض میں بھی بیٹھ گیا۔ اور انسانی صنعت کی ترقی پر عش عش کرنے لگا۔ زمین کے اندر جو راستہ بنایا گیا ہے۔ اس میں چھت اور پہلوؤں میں سفید چینی سے

روغن کی ہوئی اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ اِس سے پہلے انگلستان وغیرہ ممالک میں جہاں زیر زمین ریلیں چلتی تھیں بوجہ انجنوں کے دھوئیں کے اُن کے راستے ڈٹنل بہت میلے ہو گئے تھے۔ مگر برقی طاقت سے چلنے والی لائنوں کی سڑکیں ہمیشہ ستھری رہیں گی ✤

فلٹر یہ صاحب خود ایک فلٹروں کا کارخانہ رکھتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے فلٹر بنانے کے علاوہ شہروں کی آبرسانیوں کے لئے بڑے فلٹر بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اسکا نام مسٹر ماورڈسن ہے۔ اُس نے مجھے کئی طرح کے فلٹر دکھلائے۔ اور اُن کے پانی صاف کرنے کی قابلیت کا اس طرح امتحان کرایا کہ ایک ٹب میں کچھ مٹی اور کوڑا کرکٹ ڈالدیا۔ اور اس گدلے پانی میں ایک فلٹر مع پمپ کے لگا دیا۔ پانی پمپ کے راستہ سے اوپر چڑھتا تھا اور فلٹر اُسے صاف اور پینے کے قابل بنا کر نیچے گراتا جاتا تھا۔ ہندوستان میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں لوگوں کو جوہڑوں اور تالابوں کا گدلا پانی پینا پڑتا ہے کہ جس سے رشتہ وغیرہ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر سارے گاؤں میں ایک ایک ایسا فلٹر بھی رکھدیں تو کافی ثابت ہو۔ ایسے ایک فلٹر کی قیمت آٹھ دس روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ فلٹر دیکھنے کے بعد ہم بوآڈا بولون سے گذر کر ایک قریب کے گاؤں کو گئے ✤

وِنڈلیبن اور پمپ بوآڈا بولون پیرس کا مشہور پارک ہے۔ اور ویانا اور برلن دونوں شہروں کی پارکوں سے بڑا اور بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ عالیشان درختوں کی قطاروں کے درمیان سے کیسی خوبصورتی سے سڑکیں نکالی ہیں۔ اسی میں ایک طرف پیرس کی گھوڑ دوڑ کا میدان ہے۔ اور گرینڈ سینڈ کتنا بڑا ہے۔ دوسری طرف پانی کا ایک قطعہ ہے۔ آبشار کتنا بڑا ہے۔ باوجود موسم درست نہ ہونے کے کس قدر شوقین لیڈیوں اور جنٹلمینوں کی گاڑیاں اوپر سے گذرتی ہیں۔ بیسیوں ریسٹورانٹ اور بہت سے قہوہ خانے ہر طرف

ہیں۔ یہاں کے مزدوری پیشہ اور دستکار لوگوں میں رسم ہے کہ شادی کے
بعد سب سے پہلے اس پارک میں میاں بیوی ضرور گلگشت کریں اور یہاں کے
کسی رسٹارنٹ میں کھانا کھائیں اسلئے جمعہ ہفتہ اور اتوار کو یہاں بہت سے
نئے بیاہے ہوئے جوڑے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ عموماً ہفتہ کے انہیں
دِنوں میں شادی کرتے ہیں۔ ہم نے منزل مقصود پر پہنچ کر ایک کارخانے
میں مختلف قسم کے واٹر پمپ دیکھے۔ ہمیں ایک ونڈمل (ہوا سے چلنے
والی کل) کام کرتی ہوئی دکھلائی گئی۔ جو زمین پر تیس گز کی گہرائی سے پمپ کے
ذریعے پانی کھینچ رہی تھی۔ ونڈمل کے صرف آہنی پنکھوں کی قیمت علاوہ
قیمت فریم کے سات سو فرانک اور پمپ کی قیمت دو سو فرانک تھی پانی
ایک معمولی کوئیں سے نکال کر ایک زمین سے دس بارہ گز بلند حوض میں انچ
ڈیڑھ انچ کی نالی کے ذریعے ڈالا جاتا تھا۔ ایک دوسرا ہاتھ سے گھمانے والا
پمپ میں نے پسند کیا جس کی قیمت پچھتر فرانک تھی۔ اور اس کی زنجیر اور
ربڑ کے لاٹوؤں کی قیمت ۱۱ فرانک فی گز۔ میرا اب تک یہ خیال ہے کہ ونڈمل
ہندوستان کے زمینداروں کو کوؤں سے پانی نکالنے میں بڑی مدد دیگی۔
اور اگر اس میں کامیابی ہوگئی تو ملک میں ہزاروں ونڈملیں لگ جائینگی۔ اس
وقت اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان میں ہوا بہت کم اور نہایت غیر
مقرر طور پر چلتی ہے۔ کبھی تو آندھی آجاتی ہے۔ اور کبھی پتا تک نہیں ہلتا۔
پہلے تو مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے میدانوں میں بھی ونڈمل بہت
کام دے سکتی ہے۔ بالفرض اگر ہر روز ہوا موافق نہ ملے تو بھی دوسرے تیسرے
دن یا رات میں جب ہوا ذرا تیز ہوئی اور ونڈمل خود بخود پانی بلندی پر پہنچانے
لگی۔ لیکن اگر میدانوں میں کامیابی نہ ہوئی تو سمندر کے کنارے اور پہاڑوں کے
دامنوں میں جہاں پانی کی ضرورت ہوئی وہاں یہ صنعت کا خدمتگار کام دیگا۔
نہ اس میں بیل جوتنا پڑیگا نہ انجن کی طرح ایندھن ڈالنا پڑیگا سوائے ابتدائی

خرچ کے جو اس کی قیمت ہو گی میرے خیال میں اگر کوئی ایک صاحب یا چند صاحب مل کر چھ سات سو روپیہ چندہ جمع کر کے تجربہ کے لئے ایک فونڈیل منگالیں تو وہ ملک کے زمینداروں اور کاشتکاروں پر بڑا احسان کریں گے ۔

یورپ کے ملاقاتی ٹکنیکل تعلیم اور چھپائی کی کلیں اور اخباروں اور کتابوں کے سامان دیکھنے میں مجھے خوش نصیبی سے پیرس کے ایک ایسے شخص سے مدد ملی جو وہاں کے باتصویر اخبارات کی سوسائٹی کا سکرٹری اور ایک فیشن کے تصاویر کے رسالہ کا ایڈیٹر تھا۔ مجھے اتفاق سے اس کے نام ایک ایسی معرفت کی چٹھی مل گئی تھی کہ جس سے وہ خود میرا خاصا دوست بن گیا۔ اور اس نے نمایش گاہ کے اندر اور باہر ہر قسم کے چھپائی کے کام دکھلانے میں مجھے بیش قیمت مدد دی۔ اس میں شک نہیں کہ یورپ میں لوگ کو بہت ہوتے ہیں تاہم یہ لوگ بڑے بااخلاق اور بامروت بھی ہیں جن لوگوں کے پاس ان کے دوستوں یا عزیزوں کی انٹروڈکشن کے خطوط لیکر میں گیا۔ وہ ہمیشہ مجھ سے اخلاق اور مہربانی سے پیش آئے۔ ایک آدھ وقت کھانے یا چائے پر بلا لینا ایسی ملاقات کے قدردانی کے لئے مناسب سمجھا جاتا ہے اور اگر ان کی رفاقت میں کسی ہوٹل یا رسٹارنٹ میں کھانا کھانا پڑے تو قیمت وہ اپنی گرہ سے دیتے ہیں۔ اور گاڑی وغیرہ کا کرایہ بھی خود دیتے ہیں لیکن زیادہ دیر کے لئے ان پر بوجھ ڈالنا نامناسب ہوتا ہے جینٹلمین جس کا نام مسٹر ایپاس تھا۔ ۲۰۔ اگست کو فارسی نستعلیق ٹائپ کی تلاش میں مجھے فرانس کے سرکاری مطبع کی شاخ نمایش میں لے گیا۔ یہاں میں نے کئی عربی فارسی خوشخط ٹائپ میں چھپی ہوئی کتابیں دیکھیں جو فرانس کے گورنمنٹ پریس میں چھپتی ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ ان میں سے بعض بالکل فروخت نہیں کی جاتیں اور نستعلیق ٹائپ ہی فروخت کیا جاتا ہے۔ جو اس پریس میں بنتا ہے۔ اس پر مجھے اس پریس کے دیکھنے کا شوق ہوا

اس کے دیکھنے کی اجازت کا ٹکٹ یہیں سے ملتا تھا۔ ہم یہ ٹکٹ لیکر پیرس کے ایک دور دراز حصہ میں اس مطبع میں پہنچے۔

پیرس میں مستعمل کتابوں کی منڈی۔ راستہ میں پیرس کا مشرقی زبانوں کا مدرسہ دیکھا اور نیز پیرس کی پرانی کتابوں بیچنے والوں کا بازار آیا۔ کہ جہاں اس کے بعد دو تین مرتبہ پہنچکر میں نے کتابیں تلاش کیں۔ میرے رفیق نے جو بڑا علم دوست آدمی ہے۔ یہاں دو جلدیں علم تمدن کی پرانی کتابوں کی دو فرانک میں خریدیں اور مجھے کہا کہ یہاں لوگوں کو پڑھنے کا اتنا شوق نہیں جتنا انگلستان میں ہے اور جو اہل فرانس پڑھتے بھی ہیں وہ پرانی کتابوں کا شوق نہیں رکھتے۔ پیرس کی مستعمل کتابوں کا بازار علم دوست لوگوں کی نظر میں بڑے مشہور جگہ ہے۔ اس کا نام سینٹ میشل ہے اور اسی نواح میں پیرس کے تمام کالج اور سکول اور زیادہ تر دوسرے کتب فروشوں کی دوکانیں ہیں مستعمل کتابوں کی کاکانیں دراصل دوکانیں نہیں۔ دریا جو اس بازار کے بیچ سے گذرجاتا ہے۔ اس کے ایک کنارہ پر بازار کی حفاظت کے لئے جو دیوار کمر تک بلند کھڑی ہے اس کے سرے پر دور تک سینکڑوں صندوق جڑے ہوتے ہیں۔ بس یہی مستعمل کتابوں کی دوکانیں ہیں۔ کیسی بوڑھیا عورتیں اور ہر عمر کے مرد ان میں سے ایک یا دو یا چار صندوقوں کے مالک ہوتے ہیں۔ جن میں پورا آتا کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہوتا ہے گو اسی کوڑے میں بعض جواہرات بھی چھپے رہتے ہیں۔

پیرس کا سرکاری مطبع۔ غرض جب ہم امپریمری نیشنال Impremerie National مطبع سرکاری کے صحن میں پہنچے تو ہم سے پہلے ایک خاصا مجمع تماشائیوں کا یہاں موجود تھا۔ جو ہماری طرح نمائش گاہ سے اسی جگہ کے دیکھنے کے ٹکٹ لے آئے تھے صحن میں گٹن برگ سیسہ کے حروف کے موجد کا رویں بُت نصب تھا۔ یہ اتنا بڑا مطبع تھا۔ کہ دو گھنٹہ میں بمشکل اس کی

سب شاخوں میں پھر سکتے تھے۔ ہر مشرقی اور مغربی زبان کے ٹائپ یہاں موجود تھے۔ بوجہ تنگیٔ وقت ہم نے صرف عربی فارسی ٹائپوں اور کتابوں اور چھاپنے کی کلوں کا دیکھنا کافی سمجھا۔ یہاں ایک قرآن شریف خوشخط ٹائپ میں چھپ رہا تھا۔ جسکے گرد بہت بھاری مینا کاری اور سنہری بیل چھپ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ دو سال میں ختم ہوگا۔ معلوم ہوا کہ جو کتابیں گورنمنٹ فرانس فروخت نہیں کرتی وہ اُس کے مقبوضاتِ اسلامی کے دفاتر اور حکام کے استعمال کے لئے چھاپی جاتی ہیں۔ منجملہ قابل فروخت کتابوں کے یہ بھی تھیں:-

کرامو لیتھو مطبع یہاں سے ایک اور پتھر پر رنگین چھاپنے کا مطبع دیکھنے گئے۔ جہاں کلیں انجن سے کئی پریس اور مشینیں چل رہی تھیں۔ اور کئی رنگین کام چھپ رہے تھے۔ ایک کاغذ پر گیارہ رنگ چھاپے گئے تھے۔ مینیجر نے کہا اس قسم کا اچھا کام ایک دن میں پانچ چھ سو سے زیادہ نہیں چھاپ سکتا۔ اکثر پوسٹروں اور تصویروں کے ڈیزائن بجائے کاپی پر بنا لینے کے پتھروں پہ ہی بناتے ہیں۔ اور بعض اوقات کاغذ پر بنا کر پتھر پہ منعکس کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے یہاں پتھر کے چھاپہ خانہ میں ہر جگہ بلکہ ہر کاتب خود کاپی کا کاغذ آہار کر لیتا ہے وہاں ایسا نہیں کرتے۔ اس کام کا ایک علیحدہ کارخانہ ہے۔ کاپی لکھنے کی سیاہی کا کارخانہ علیحدہ ہے۔ اس سے غرض یہہ ہوتی ہے کہ جتنا کام کسی کارخانہ کی "سپیشلٹی" کا ہوتا ہے اس میں وہ خوب ترقی کرتا ہے۔ یورپ میں لوگ اس اصول کو خوب سمجھتے ہیں کہ کسی کام کا جتنا چھوٹے سے چھوٹا جزو ہو سکے اُسے اختیار کر کے اس میں اصلاح اور ترقی کریں۔ میرے رفیق نے کہا کہ جتنے نفیس یورپ کے چھپے ہوئے کام دیکھا کرو سمجھ لیا کرو کہ بڑی محنت۔ توجہ اور زیادہ خرچ سے تیار کئے گئے ہیں۔ کچھ کاغذ عمدہ ہوگا۔ کچھ سیاہی اچھی ہوگی اور کچھ مصالح اچھا ہوگا۔ یہہ مطبع چھاپنے کی سیاہی کا وارنش بھی خود نہیں پکاتا۔

بلکہ بنی بنائی سیاہی خریدتا ہے جو لامحالہ اپنی بنائی سے اچھی ہوتی ہے۔ میں نے مینجر سے درخواست کی کہ مجھے اپنی کاپی کے کاغذ پر اپنی سیاہی سے کچھ لکھنے دو اور میرے سامنے اُسے پتھر پر چسپاں کرو۔ کیونکہ اُس نے کہا تھا کہ ہم لوگ کاپی جمانے کے لئے پتھر گرم نہیں کرتے۔ اسنے کہا پرسوں تمہارے سامنے ایسا تجربہ کی فرصت ہوگی۔ چنانچہ ۱۸ اگست کو ہم پھر وہیں پہنچے۔ مینجر نے مجھے تھوڑا سا آہار شدہ کاغذ دیا۔ جو معمولی سریشم اور ذرا سے میدہ کی مایہ سے رنگا ہوا تھا۔ کاپی کی سیاہی بھی میرے سامنے بلا گرم کرنے کے گھولی گئی۔ میں نے ایک فارسی زبان کا شعر لکھا۔ اور اُسی وقت ایک مختصر سے دستی پریس میں جو اسی کام کے لئے مخصوص تھا اور جس کی داب صرف ایک شخص دبا سکتا تھا بلا پتھر گرم کرنے کے اُسے پتھر پر جما دیا گیا۔ مینجر نے کہا پتھر گرم کرنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ حالانکہ تمام ہندوستان کے پتھر کے چھاپہ خانوں میں ہر روز پتھر گرم کئے جاتے ہیں۔ ترشی کے لئے بجائے اچور یا کیشٹا کے پانی کے گندھک کا نہایت پتلا کیا ہوا تیزاب استعمال کیا گیا جس سے چھاپا بہت نفیس آتا ہے۔ پھر رنگین تصویروں کے رنگ ٹھیک نیچے اوپر چھاپنے کی تدبیر بتائی گئی۔

رنگ چھاپنے کی مزید حالات

رنگ چھاپنے کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے مسٹر امپاس نے نمایش گاہ کی رنگین تصاویر کے سکشن میں مجھے اپنے رسالہ کے فیشن کی تصاویر بھی دکھلائیں۔ یوروپ کی کاریگروں اور کارخانہ داروں نے جس کوشش سے اپنی اپنی چیزیں دکھلائی تھیں اسکا کسی قدر اندازہ اسی میرے دوست کے کارخانہ کی نمایش سے کیا جاسکتا ہے۔ اس کارخانہ سے ایک ہفتہ وار لیڈیوں کے فیشنوں کا باتصویر رسالہ اور ایک اعلیٰ درجہ کا ماہوار رسالہ دس رنگین تصاویر سمیت شائع ہوتا ہے۔ یہ آخری رسالہ دُنیا بھر کے فیشن کے رسالوں میں فرد ہے۔ اور یوروپ کی ملکہ اور شہزادیاں

اس کی سرپرست ہیں۔ چونکہ پیرس فیشن کے معاملہ میں تمام یورپ اور امریکہ کا لیڈر ہے اور فیشن کے ہر سال بدلنے اور ہر ماہ اس میں ایجادیں اور اختراعیں ہونے سے پیرس اور تمام یورپ کے لاکھوں درزیوں کے کارخانے مصروف رہتے ہیں اور کروڑوں روپیہ یورپین عورتوں کے اس پر ہر سال خرچ ہو جاتے ہیں۔ اسلیئے اس کارخانہ کی ذمہ واری کچھ کم نہ تھی اور اس نے اُسے اس طرح پورا کیا کہ سنہ ۱۸۰۱ء سے لیکر سنہ ۱۹۰۱ء تک ہر سال کے پیرس کی عورتوں کی پوشش کی عمدہ تصاویر بہم پہنچا کر نمایش میں رکھیں۔ اس ایک سو سال میں جسقدر یورپ کی عورتوں کے لباس کی قطع وضع میں فرق آیا ہے اور کسی بات میں نہیں آیا ہوگا۔ یہ فیشن کا مظاہر دیکھکر مجھے اُن مطابع کے دیکھنے کا شوق ہوا کہ جہاں ایسی خوبصورت تصاویر چھپتی تھیں۔

رنگین فوٹوگرافی | چنانچہ ایک روز میرے دوست نے مجھے وہ بھی چھپتی دکھلائیں یہاں ایک تصویر تین رنگوں میں پلیٹ پر چھپ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ فوٹوگراف میں رنگین مثلاً زرد شیشہ رکھکر پہلے ایک پلیٹ لیتے ہیں۔ جس میں سب کچھ آجاتا ہے۔ مگر زرد شعاع نہیں آتا۔ پھر اسیطرح نیلگوں شیشہ رکھکر ایک اور پلیٹ لیتے ہیں اور پھر سرخ شیشہ رکھکر اور لیتے ہیں۔ ان تینوں پلیٹوں کو اپنے اپنے رنگوں سے ایک دوسرے کے اوپر چھاپتے ہیں۔ تو تصویر مکمل ہو جاتی ہے۔ یہ نہایت عجیب ایجاد ہے۔ ان مشینوں پر ہر کاغذ میں پن لگاکر ٹھہلاتے تھے تاکہ کوئی رنگ سرک نہ جائے۔ اور گھنٹہ میں پانسو کاغذ سے زیادہ نہیں چھاپ سکتے تھے۔

ہاتھ سے تصویریں رنگنا | ایک دوسری جگہ جاکر ہمنے ہاتھ سے رنگی جاتی ہوئی فیشن کی تصویریں بھی دیکھیں۔ مجھے اس بات کا خیال بھی نہیں گذر سکتا تھا کہ پیرس یا لنڈن کے کسی رسالہ میں ہاتھ سے رنگی ہوئی تصاویر بھی آجتک پڑت کھا سکتی ہیں لیکن واقعی ایسا ہوتا ہے۔ پیتل کی ایک باریک پلیٹ میں تصویر کا اتنا حصہ کہ جس پر

کوئی خاص رنگ کرنا مطلوب ہو کاٹ دیا جاتا ہے جیسی کہ سٹنسل پلیٹ ہوتی ہے اور پھر لڑکے ساتھ عورتیں اور لڑکے اس پلیٹ کو چھپی ہوئی تصویر پر رکھ کر ایک بڑے سے برش سے رنگ پھیرتی جاتی ہیں۔ اس طرح ایک ایک تصویر پر دس دس رنگ کر لئے جاتے ہیں۔ یہ رنگ بہت عمدہ تھے اور بڑی جلدی بھی ہو رہے تھے۔ ان رنگ کرنے والی عورتوں اور لڑکوں کو ہر ہزار کاغذ پر ایک رنگ کا واش دینے کی اُجرت صرف ایک پینی (ایک آنہ) دی جاتی تھی۔ یورپ میں جہاں دولت اور شان و شوکت بے حد ہے افلاس اور مصیبت کی بھی انتہا نہیں۔ اسی مکان کے نچلی منزل میں ایک شخص ایسی ہی ٹوکریاں بنا رہا تھا کہ جیسے لاہور میں لیچی کی شاخوں کی بنتی ہیں میرے رفیق نے کہا کہ کیا تمہیں کبھی اس بات کا بھی خیال آیا تھا کہ پیرس ایسے شاندار شہر میں ایسے ایسے غریب لوگ بھی بسر کرتے ہیں۔ کہا غریبوں کا بُرا حال ہے۔

بہت بڑا کتب فروش راستہ میں ایک کتابوں کی بہت بڑی دکان آئی معلوم ہوا کہ یہ کارخانہ پیرس میں سب سے بڑا کتب فروش ہے۔ اس کے مالک ہی فلیمرین اور اسے ولوٹ ہیں۔ اس دکان کی بدولت پیرس میں کتابیں سستی بکنے لگی ہیں یہ کتابیں خود چھاپتے ہیں اور دوسروں کی چھپی ہوئی بھی بیچتے ہیں ایک مربع مکان کے چاروں طرف بازار ہے کہ جہاں اسی دوکان کی کتابیں بکتی ہیں اور مکان کے اندر تھیٹر ہے۔ شہر میں متفرق مقامات میں اس دوکان کی بارہ شاخیں ہیں۔ یہاں سے میں نے دو چھپی فرانسیسی ڈکشنریاں اور ایک جنتری المینک ہاسٹ نامی خریدی کہ جس میں فرانس اور دنیا کے ہر قسم کے حالات اور اعداد درج تھے ہر چند کہ انگلستان کی مشہور وہٹاکر المینک اپنی جگہ نہایت کارآمد ریفرنس کی کتاب ہے اور المینک ڈی گوتھا جو فرانسیسی زبان میں انگریزی کتاب سٹیٹسمین ییر بک کی طرح ہر سال چھپتی ہے تمام یورپ میں معتبر اور مستند سمجھی جاتی ہے لیکن المینک ہاسٹ ان سب سے کسی نہ کسی پہلو میں فائق ہے ۔

فوٹو پراسس سے تصویروں کے بلاک

مجھے فوٹو پراسس کے معلوم کرنے کا بھی شوق تھا۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے سے یوروپ کے اخبارات میں خوبصورت دانہ دار تصاویر فوٹوگرافوں سے نقل کرکے چھاپی جاتی ہیں۔ برلن میں بھی میں نے اسبارہ میں استفسار کئے تھے۔ لیکن برسلز کے اخبار پیٹی بلؤ کے دفتر کے مصور نے مجھے پتہ دیا کہ میں پیرس یا لنڈن میں اے ڈبلیو پیسرو اینڈ کمپٹی کی دکانوں سے اس بارہ میں مدد طلب کروں۔ میں نے اپنے دوست مسٹر ایماس سے اس بارہ میں بھی مدد طلب کی۔ اور اُسکی معرفت پیٹے پیروز کمپنی کے مینجر سے ملاقات کی۔ اس نے بتلایا کہ اگر میں ۱۱×۹ انچ کی پلیٹ کے ہاف ٹون یعنی عکسی تصاویر کی نقل کرنا چاہتا ہوں۔ تو اسکے کل سامان پر چار یا پنچ ہزار فرانک سے کم خرچ نہ ہونگے۔ اور علاوہ اسکے چونکہ میں فوٹوگرافی بھی نہیں جانتا مجھے اس کام کے سیکھنے میں دو تین مہینے لگ جائیں گے۔ گو اس جواب سے میری ہمت ٹوٹ گئی تاہم میرے دوست نے بذریعہ ٹیلیفون ایک کارخانہ کو مجھے کام سکھلانے پر آمادہ کردیا۔ لیکن جب پیرس کے پرلے سرے پہ ہم اُن کے مکان پر پہنچے اور اُنہوں نے مجھے ہاف ٹون کا سامان دکھایا اور بتایا کہ اس کی قیمت آٹھ دس ہزار فرانک ہے اور طریق سمجھایا تو مجھے خیال ہوا کہ کلوں کی قیمت کے علاوہ اور کوئی مشکل اس کام کے ہندوستان میں جاری ہونے کے راستہ میں نہیں ہے۔ لیکن میرے حالات نے مجھے اس سفر میں ادہر توجہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ اور میرے دوست نے صلاح دی کہ بہتر ہے ہندوستان جاکر کسی دوسرے شخص کو اس کام کے سیکھنے کے لئے یوروپ کو بھیجو۔ بہرحال اب میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان میں آٹھ دس انگریزی اور دیسی کارخانے ہاف ٹون تصاویر چھاپنے لگے ہیں ❊

فرانس میں آرٹ کی ترقی

فرانس میں گورنمنٹ کو آرٹس (فنون) کی ترقی کی طرف بڑی توجہ اور گورنمنٹ اس بارہ میں تین مختلف صورتوں میں اپنا

فرض ادا کرتی ہے۔ اوّل بحیثیت استاد کے گورنمنٹ بہت سے آرٹس کے مدارس چلاتی ہے۔ اور بعض جو پرائیویٹ کوشش سے چلتے ہیں انہیں مالی امداد دیتی ہے۔ پیرس کا مشہور نیشنل سکول آف فائن آرٹس جسے واقفکار لوگ یونیورسٹی سے تشبیہ دیتے ہیں ۱۶۴۸ء سے جاری ہے۔ نقاش سنگتراش۔ بت ساز۔ انگریور (کندہ کرنے والے) اور معمار وہاں ایسی تعلیم حاصل کرتے ہیں کہ جسکے ذریعے سے فرانسیسی آرٹ یوروپ کے ممالک میں سر برآوردہ ہے۔ اس عظیم الشان مدرسہ میں ایک بیش قیمت کتبخانہ خصوصًا فنون نفیسہ کے متعلق اور ایک بہت بڑا مجموعہ فنون نفیسہ کے نادر نمونوں کا جمع کیا گیا ہے۔ جو طالب علم نیشنل سکول آف فائن آرٹس سے نقاشی مصوری اور بت سازی وغیرہ سے فارغ ہو چکتے ہیں ان میں تکمیل تعلیم کے لئے روم (اٹلی) کے اکیڈیمی آف فرانس میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ اکیڈیمی گورنمنٹ فرانس کے خرچ سے اٹلی میں قائم ہے۔ کیونکہ اٹلی ابھی تک مصوری اور سنگتراشی وغیرہ میں یوروپ کا استاد سمجھا جاتا ہے ٭

اسی طرح گورنمنٹ فرانس چینی کے کام کے اور ٹیپسٹری کی قسم کے قالین بنانے والے مشہور کارخانوں سرویس۔ لے گوبلین۔ اور بووے کو مالی امداد دیتی ہے۔ کیونکہ ان کارخانوں سے صرف یہ مقصود نہیں ہے کہ یہاں سے بیش قیمت چینی برتن اور ٹیپسٹریاں یوروپ کے سلاطین اور امرا کو تحفے دینے کے لئے بنتی رہیں۔ بلکہ یہ کارخانے چینی برتنوں اور ٹیپسٹری قالینوں کے مدرسے کا کام دیتے ہیں۔ اور فن کی اس شاخ کا معیار بلند رکھنا ان سے مقصود ہے ٭

فرانس کے ۱۷۸۹ء کے مشہور انقلاب سلطنت کے زمانہ سے کونسیرواتوار دا موزیک اے دا ڈیکلامیشون" (زبانی اور مزامیر کی موسیقی کا مدرسہ) جاری ہے۔ کہ جہاں سرکار کی طرف سے لوگوں کو زبانی اور مزامیر کے ذریعے سے علم موسیقی میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اور جو لڑکے یہاں تعلیم ختم کرتے ہیں وہ روم

اکیڈمی آف فرانس میں تکمیل تعلیم کو بھیجے جاتے ہیں اور فارغ ہونے کے بعد ان میں سے ان لوگوں کو کہ جنہوں نے اپنے فن میں انعام حاصل کیے ہیں فرانس کے ان تھیٹروں میں نوکر رکھنے میں ترجیح دیجاتی ہے کہ جنہیں سرکار مالی امداد دیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ پیرس کچھ بھی نہیں ہے اگر وہاں آرٹ نہیں ہے۔ بازار یا گلی میں سے گذرتے ہوئے آپ کی نظر جس در و دیوار پر پڑے گی آپ کو وہیں فنون نفیسہ کے آثار نظر آجائینگے۔ ہر کوچہ و برزن آرٹس کے دلفریب نظاروں سے پر ہے اور اگر تمہیں نقاشی اور مصوری کا ذرا بھی شوق ہے تو تم عجائب گاہ لوور یا سوسائٹی لوور یا سوسائٹی ڈا آرٹس فرانسی یا سوسائٹی نیشنل ڈ ابو آرٹس وغیرہ میں چلے جاؤ تو مصوری۔ نقاشی اور بت تراشی کے بے انتہا عجائبات میں محو ہو جاؤ گے۔

آرٹ کے عام اور اعلے مدارس کے سوائے اسکی منتہا اکیڈمی ڈے بو آرٹس پر ہوتی ہے۔ فرانس میں یونیورسٹیوں سے فراغت حاصل کر کے ہر ایک فرانسیسی عالم کو انسٹیٹیوٹ آف فرانس کے ممبر بننے کا شوق ہوتا ہے اور فرانس میں یہ درجہ کسی کی لیاقت کا اعلے درجہ کا تمغہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف فرانس کے ماتحت پانچ اکیڈمیاں ہیں (۱) اکیڈمی فرانسی۔ (۲) اکیڈمی دی سائنس (۳) اکیڈمی دی انسکرپسیاں اے بل لیٹرس (۴) اکیڈمی ڈے بو آرٹس (۵) اکیڈمی دے سائنس مورل اے پالی ٹیک۔ ان میں سے ہر ایک اکیڈمی کے چالیس ممبر ہوتے ہیں کہ جنہیں انہیں کے برادر ممبر منتخب کرتے رہتے ہیں۔ سائنس اور ڈاکٹری کے اکیڈمیوں کے ممبر چالیس سے زیادہ ہوسکتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ممبر اپنے نام کے آخر میں اپنی اکیڈمی کی ممبری کے حروف بطور سند یا ڈگری کے لکھتا ہے اور جب کوئی شخص اکیڈمی کا ممبر منتخب ہوتا ہے تو تمام ملک اسے اس امتیاز پر مبارکباد دیتا ہے۔

غرض فرانس میں منجملہ دیگر اقسام تعلیم حرفت کے آرٹ کی تعلیم پر بھی خاص توجہ کیجاتی ہے اور طلبائے آرٹ کی امداد کے لئے قوم کی گویا خاص توجہ

نافذ ہے +

اور سوم سلطنت نے خود بہت سی پبلک عمارات تعمیر کرائی ہیں۔ اور جو عمارات اُس کی نگرانی اور انتظام میں ہیں اُن کی مکمل آرائش تعمیر اُسکا فرض ہے۔ اس سے مختلف معماروں اور کاریگروں کے مابین آپس میں مقابلہ کا خیال ترقی کرتا ہے جو آرٹ کی ترقی کے لئے بہت ضروری ہے +

فرانسیسیوں اور جرمنوں کا مقابلہ

ایک روز اثنائے گفتگو میں ایک تجربہ کار انگریز سے کہ جس نے پیرس کی سکونت اختیار کی ہے۔ لیکن اپنے آپ کو اہل امریکہ کی نیچرلائزڈ رعایا بنایا ہوا ہے (کیونکہ یوروپ میں جو شخص جس ملک کی رعایا بننا چاہیے بعض معمولی قواعد کی پابندی سے بنسکتا ہے) اہل جرمنی کا ذکر آیا۔ اور جو خیالات ایک ایسے تجربہ کار شخص نے اہل جرمن اور فرانس کی نسبت ظاہر کئے مناسب معلوم ہوا کہ میں بھی نوٹ کرلوں متکلم کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اہل جرمن نہایت بدباطن بلکہ شیطان ہیں۔ گو آئندہ زمانہ میں محض محنت اور سخت جانی کی وجہ سے وہ ایک بڑی قوم ہوجانے والے ہیں۔ جرمن بڑے مکار اور ظالم ہیں۔ ان میں دل ہی نہیں کہ ظلم کی تمیز کرسکیں اور اس بات کی تائید میں یہہ مثال بیان کی۔ کہ مثلاً ایک فرانسیسی اور ایک جرمنی جنرل لاکھ لاکھ آدمی کی فوج میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں لاتے ہیں۔ فرانسیسی جنرل جب دیکھے گا کہ اس مقابلہ میں اُسکے ایک ہزار آدمی تلف ہوجاوینگے تو وہ ایسا نرم دل ہے کہ وہ مناسب سمجھے گا کہ بہتر ہے کہ میں شکست مان لوں بہ نسبت اسکے کہ ایسے ایک ہزار آدمی مارے جائیں کہ جنکے بال بچے اور بیویاں زندہ ہیں۔ لیکن جرمن جنرل اگر دیکھے گا کہ اُسکے نوے ہزار آدمی مارے جانے کے بعد ایک ہزار آدمی فتح حاصل کرلینگے تو وہ اپنے نوے ہزار آدمیوں کے کٹوا دینے میں ذرا تامل نہیں کریگا۔ چونکہ ان لوگوں میں محنت کرنے آگے بڑھتے چلے جانے اور آئندہ نسل کی ترقی کی امید پہ محنت شاقہ کرنے کی

کافی سمجھ موجود ہے۔ یقین ہے کہ یہ ناگکار قوم ایک وقت صرف اپنی استقلال اور محنت کی وجہ سے دنیا کی سب قوموں سے آگے نکل جائیگی۔ ہر چند کہ اہل جرمن بڑے کوڑہ مغز اور بھدی طبیعت والے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے سامنے بڑی ایجاد پیش نہیں کی۔ مگر لگاتار محنت اور معمولی لیاقت سے انہوں نے یہ درجہ حاصل کر لیا ہے اور فرانسیسیوں کی نسبت کہا کہ ان کی قسمت میں تو بربادی لکھی جا چکی ہے۔ مگر یہ بڑے نیک طینت اور رحمدل لوگ ہیں ؛

انگریزوں کی حالت انگریزوں کی نسبت اثنائے گفتگو میں یہ ریمارک نہایت بیحوداری سے کیا۔ کہ اس قوم کی اول درجہ کی سلطنت کی شہرت تو یقیناً آئندہ چند سال میں تباہ ہو جائیگی۔ کیونکہ ان کی تباہی شروع ہو چکی ہے۔ (یہ وسط ۱۹۰۰ء زمانہ جنگ ٹرینسوال کے وقت ان کے خیالات ہیں۔ ایڈیٹر) ۔ اگر تیس سال اس سے پہلے انہیں ایک اچھی سی شکست مل جاتی تو وہ اسوقت دنیا میں بڑی زبردست قوم ہوتی۔ مگر بوجہ زیادہ دولتمند ہو جانے کے ان کے فوجی دل پر چربی چڑھ گئی ہے۔ اور اب سوائے ان کے دنیا میں ہسپانیہ کی طرح ذلیل ہو کر رہنے کے اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ ٹرینسوال میں اس قدر تکلیف اٹھانے پر بھی اکثر انگریز اپنے زعم باطل میں اپنے آپ کو فاتح سمجھتے ہیں۔ میں پندرہ سال سے ان کے زوال کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ اور اس میں زیادہ قصور مسٹر گلیڈسٹون کا ہے جو بڑا ریاکار اور طالب شہرت تھا۔ میں باوجود انگریز ہونے کے اسی زمانہ سے انگلستان کی سکونت چھوڑ کر امریکہ کی نیچرلائیزڈ رعایا بنگیا ہوں ؛

ایک سوشلسٹ سے گفتگو پیرس کے رہنے کے دنوں میں اتفاقاً ایک روز کھانے پر ایک سوشلسٹ خیالات کے شخص سے بہت لمبی چوڑی گفتگو چھڑ گئی۔ یورپ کی سوشلسٹوں کے جو قصے اخباروں اور کتابوں میں پڑھے تھے آج ان کی تصدیق کا موقع ملگیا۔ یہ شخص بڑا تعلیم یافتہ اور نیک محضر

معلوم ہوتا تھا - میں اس کی گفتگو کا خلاصہ اپنی یادداشت سے نقل کر دیتا ہوں
اسکا خیال تھا کہ دُنیا میں کسی شخص کے پاس کوئی ذاتی جائیداد نہیں ہونی چاہیئے
اور نہ لوگ جائداد پیدا کرنے کے لئے محنت اور مشقت کی تکلیف گوارا کیا
کریں - ہر شخص اس قدر سمجھدار ہو جاسکے کہ اپنی روٹی کمانے کی ضرورت کے مطابق
تین چار گھنٹے کام کرے - اور پھر فارغ رہے - سچی خوشی جس چیز کا نام ہے وہ
اسی طرح حاصل ہوتی ہے - نہ کہ بہت سا روپیہ کما لینے سے جو دوسروں کا حق
غصب کر کے جمع کیا جاتا ہے - اگر سب لوگ ان خیالات سے متفق ہو جائیں
تو نہ سوسائٹی کو کسی عدالت کی ضرورت رہیگی نہ پولیس اور قیدخانہ کی
اور سب آزاد آدمی رتبہ میں ایک دوسرے کے برابر ہو جائیں گے - اسپر
میں نے اعتراض کیا کہ اگر عدالتیں نہ رہیں تو فرض کرو کہ ایک شخص کی خوبصورت
لڑکی یا دلربا بیوی جو اُس کی جائداد نہیں ہے - ان میں سے ایک کو کوئی شخص
چھین کر لیجائے - تو اُسے کون سزا دیگا - اس نے کہا اگر عورت اس مرد سے
محبت رکھتی ہے کہ جسکے ساتھ وہ بھاگ جاتی ہے تو دوسرے مرد کا اسپر کوئی
حق نہیں ہے - کہ جس سے اُسے محبت نہیں اور جس سے کہ اُس نے بے
وفائی کی ہے - اور اگر وہ شخص جبراً اُس عورت کو چھین کر لے گیا ہے تو وہ
سوسائٹی کا ایک مریض ممبر ہے - اور ہم اسکے دماغ کا علاج کرنا چاہتے ہیں -
میں نے کہا یہ جیلخانے ایسے ہی مریض ممبروں کے دماغوں کے علاج کے لئے
تو ہیں کہ جن کی آپ ضرورت نہیں دیکھتے - ایک دوسرے سوشلسٹ صاحب
نے جو پاس بیٹھے تھے کہا کہ ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہیئے تاکہ سوسائٹی اُس سے
نجات پا جائے - میں نے کہا تم لوگوں کا آپس میں بھی تو اتفاق نہیں ہے -
اس پر پہلے سوشلسٹ صاحب نے کہا کہ ہاں ابھی کئی امور ایسے ہیں کہ جن میں
ہم سب متفق نہیں - یہ شخص فلاسفی پڑھتا ہے اور خوب سوچتا ہے - کہتا
ہے کہ امریکہ میں جا کر میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ انسان رہنے کے لئے ایسے

مکانات بھی بنا سکتا ہے کہ جن میں پاخانہ وغیرہ اُٹھانے کے لئے نوکر کی ضرورت نہ رہے۔ جن میں واٹر ورکس کے پانی کی طرح آگ کی بھاپ بھی تقسیم ہوا کرے تاکہ لوگ اسپر کھانا پکالیں۔ کوئی کسی کا نوکر نہ ہو۔ سب لوگ اپنا کام خود کر لیا کریں۔ میں نے کہا ظاہرا دُنیا تو ہر روز اسکے خلاف ترقی کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا نہیں لوگ سچی خوشحالی کی حقیقت کو سوشلزم میں تسلیم کرنے لگے ہیں۔ میں نے کہا جمہوری سلطنتوں کا امپیریلسٹ ہو جانا تو اسکے خلاف دلیل ہے۔ انہوں نے کہا اصل میں سلطنتیں اور قومیں دو الگ چیزیں ہیں۔ قوموں کو بعض بے اصول اخبار نویس جو چاہتے ہیں سمجھا کر پھیر لیتے ہیں۔ مثلاً انگلستان میں چند آدمی جنوبی افریقہ کے جنگ کے خواہاں تھے۔ اخبارات نے حب الوطنی کا نام لے کر سب کو گرما دیا۔ قوم گو پہلے جنگ نہیں چاہتی تھی۔ مگر آخر جنگ پر آمادہ ہو گئی۔

انگریزوں کا ہندوستانیوں سے سلوک

پھر ذکر آ گیا کہ انگریز ہندوستان میں دیسیوں سے کیسا سلوک کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص نے جو سیاح بھی تھا بتلایا کہ میں نے دہلی کے ایک ہوٹل میں کھانے کی فہرست کے اخیر میں چھپا ہوا دیکھا ہے کہ جنٹلمینوں کو چاہیئے کہ زیادہ سخت نہ مارا کریں۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ تھوڑا بہت نوکروں کو بے شک مار لیا کریں۔ یہ بات سنکر سوشلسٹ صاحب نے کہا تمہیں چاہیئے کہ ہندوستانیوں کو سمجھاؤ کہ اگر کوئی انگریز تم سے سختی سے پیش آئے اور تم پر حملہ کرے تو تم بھی ترکی بترکی جواب دیا کرو۔ میں نے کہا مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے زمانہ سب سے اچھا اُستاد ہے لیکن جب ہندوستان میں پہنچکر میں نے ایک دوست سے دہلی کے ہوٹل کا یہ قصہ سُنایا کہ جسے بارہا دہلی کے ہوٹلوں میں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔ تو اُس نے کہا کہ میں نے کبھی دہلی کے کسی ہوٹل میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔ بلکہ ہوٹلوں کے خدمتگار صاحب لوگوں کو

اس قدر دھوکے دیتے ہیں اور دِق کرتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں انگریزوں کا تحمل قابل تعریف نظر آتا ہے۔ ایک اور قصہ اثناء میں سیاح صاحب نے انگریزی افسروں کے مغرور ہونے کی تصدیق کے طور پر سُنایا کہ ایک مرتبہ میں جاپان کو گیا تو ہندوستانی فوج کا ایک انگریز لفٹنٹ بھی میرے ہمراہ تھا۔ سب سے پہلے جاپانی بندرگاہ میں پہنچکر جب ہم نے جن رکشا گاڑیاں کرایہ کیں۔ تو گاڑی میں بیٹھکر انگریز نے قلی کو ٹھوکر ماری۔ غالباً اُسکا مطلب یہہ تھا کہ قلی جلدی نہیں چلتا تھا۔ اسپر جاپانی قلی نے گاڑی رکھدی اور لفٹنٹ صاحب کو گاڑی سے باہر نکال کر ایسا مارا کہ دُھنک کر رکھ دیا۔ اور پھر گاڑی میں بٹھا کر لے چلا۔ اس فوجی افسر کا ہندوستانی قلیوں کا تجربہ جاپانیوں پر قابل افسوس ناکامی ثابت ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانیوں کے ادنےٰ درجہ کے لوگ بھی سلف رسپکٹ کو بخوبی سمجھنے لگے ہیں +

خوبصورت پیرس اور با اخلاق اہل پیرس

شہر پیرس بجائے خود دنیا کا بہشت ہے۔ نہیں میں نے اسکے لئے ایک نئی تعریف تجویز کی ہے۔ قدیم زمانے میں رومۃ الکبرےٰ کو دُنیا کی ملکہ کہا کرتے تھے۔ میں چاہتا ہوں پیرس کو دُنیا کے شہروں کی دُلہن کہا جائے۔ واقعی بلحاظ اپنے بازاروں کی آراستگی اور صفائی اور اپنی عمارتوں کی عظمت اور خوبصورتی کے یہ شہروں میں نئی نویلی دُلہن کی طرح ممتاز ہے۔ لنڈن اس سے بہت بڑا شہر ہے۔ مگر ایسا خوبصورت۔ ایسا سُتھرا اور ایسا دلکش نہیں۔ پیرس کے چند بازار جو بہت کھلے ہیں۔ اور جن میں میلوں تک دو رویہ سر سبز شاندار درخت چلے گئے ہیں کہ جنہیں اونیو (Avenue) کہتے ہیں۔ اِس دُلہن کے خوبصورت چہرے کی ناک ہیں۔ پیرس کی ہر بات میں سلیقہ اور نفاست ہے۔ لنڈن میں بڑائی اور عظمت ہے۔ ہر چند کہ بجائے خود پیرس ایسا دولتمند شہر نہیں جیسا کہ لنڈن ہے۔ لیکن تمام یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے دولتمند لوگ ہر سال لاکھوں اور کروڑوں روپے [illegible]

پیرس کے لہو لعب پر خرچ کر کے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ گویا پیرس ایک بازاری عورت ہے کہ جس کا حسن ہمیشہ یکسار رہتا ہے۔ اہل پیرس کیسے زندہ دل کیسے خوش طبع اور کیسے ملنسار اور مہربان ہیں۔ مجھ پر کیا حصر ہے۔ کوئی شخص جو پیرس میں چند روز رہ آیا ہو۔ اسے کبھی بھول نہیں سکتا کہ ہر ایک مرد یا عورت جس سے تمہاری ملاقات ہو چکی ہر ایک نہایت منکسار عورت یا راستہ چلتا بچہ تمہیں "موسیو" (صاحب میاں صاحب) کہہ کر بات کریگا۔ اور اُن کے منہ سے یہ لفظ کیسا پیارا معلوم ہوتا ہے۔ ایک روز ایک چھوٹے سے لڑکے سے میں نے راستہ پوچھا اور اُس نے ٹوپی اُتار کر جیسی متانت اور ادب سے مجھ سے باتیں کیں میں دنگ ہو گیا۔ مگر اس پر بھی عقلمندوں اور زمانہ کے تیور پہچاننے والے عاقبت اندیشوں کا خیال ہے کہ فرانسیسی قوم دُنیا میں اب زیادہ ترقی نہیں کرے گی۔ یہ لوگ زیادہ عیش میں ڈوب گئے ہیں۔ طبعاً فرانسیسی سہولیت اور آرام طلب ہیں۔ محنت کرنے کے لئے اینگلوسیکسن قومیں بنی ہیں۔ جفاکشی میں جرمن اور امریکن ممتاز ہیں۔ اور ایک انگریز جنٹلمین نے ایک روز اثناے گفتگو میں نہایت مؤثر پیرایہ میں مجھے بتلایا تھا کہ آئندہ زمانے میں جرمن سب سے بڑی ہونے والی قوم نظر آتی ہے۔ گو وہ جرمنوں کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ مگر ان میں استقلال سے محنت کرنے کی صفت عجیب ہے۔ بقول اس انگریز کے جرمنوں میں رحمدلی تو کیا دل ہی نہیں ہے البتہ فرانسیسی نہایت نیکدل اور رحمدل لوگ ہیں ٭

اولاد کی قلت

فرانس میں بڑی قباحت مجھے قومی نظر سے یہ معلوم ہوئی کہ بوجہ گرانی اسباب معاشرت کے لوگ زیادہ اولاد پیدا کرنا پسند نہیں کرتے۔ اور مصنوعی وسائل سے صرف ایک یا دو بچوں سے زیادہ توالد روک دیتے ہیں۔ ایک شخص نے ہنسکر اپنی بیوی کے سامنے مجھ سے کہا کہ اگر میں صاحب قدرت ہوتا۔ تو میری بیوی مجھے ہر سال ضرور ایک بچہ نذر کیا کرتی۔ ہم ہندوستانی

لوگوں بلکہ تمام اہل مشرق کو اولاد اور ثروت دنیاوی کے درمیان کبھی کوئی تعلق معلوم کرنے کا خیال بھی نہیں ہوا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو خدا منہ پیدا کرتا ہے ۔ وہ اُن کے کھانے کو بھی دیتا ہے ۔ بیچارے ہندوستان کے قحط کی نسبت ذکر کرتے ہوئے ایک یورپین نے مجھے کہا کہ اگر ہندوستانی ذرا صبر کر کے نسل بڑھائیں تو قحط سے تو نہ مرا کریں ۔ اُس کا خیال ہے کہ جو لوگ ابھی روٹی بھی نہیں کما سکتے ۔ وہ شادی کر کے بچے پیدا کرنے شروع کر دیتے ہیں ۔ تو سوسائٹی (زندگی) پر ظلم کرتے ہیں ۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ عیش پسند فرانسیسی ہندوستانیوں سے زیادہ ظلم تمدن پر کرتے ہیں ۔ سنہ ۱۸۹۹ء کی اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ کُل ملک فرانس میں سال بھر میں کُل (۲۷۲۴۴۸) بچے تولد ہوئے ۔ جو پچھلے دس سالوں کی اوسط سے قریب دس ہزار کے کم ہیں ۔ اور اسی سال میں (۳۲۲۶۱۸) فرانسیسی مرے ۔ اور (۲۹۵۷۹۳) شادیاں ہوئیں ۔ گو سنہ ۱۸۸۶ء سے اب تک کسی سال میں اتنی نہیں ہوئی تھیں ۔ گو فرانس کی تمام آبادی اُنتیس ملین ہے ۔ اور جرمنی کی چھپن ملین ۔ لیکن جرمنی میں ایک سال کے اندر (۱۳۳۴۵۹۱) بچے پیدا ہوئے ۔ جس سے بآسانی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگر اہل فرانس نے عقل سے کام نہ لیا اور بچے پیدا ہونے کے قدرتی طریقہ کی بدستور مخالفت کرتے رہے تو ایک روز اُن کی قوم بہت گھٹ جائے گی ۔ اور اہل جرمنی بڑھتے بڑھتے فرانس پر قابض ہو جائینگے ۔

عجائب گاہ لوور

پیرس میں بہت سے عجائب خانے ۔ بہت سی عالی و بلند تاریخی عمارات ۔ بہت سے تصویر خانے ۔ چڑیا گھر ۔ بوڈی ہالیوگو ناہی بہت بڑا پارک ۔ نپولین کی قبر اور اور بے شمار و عجیب چیزیں ہیں ۔ اور میں نے اُنکا بہت سا حصہ دیکھا ہے ۔ لیکن اُن سب کا مختصر ذکر کرنا بھی یہاں ممکن نہیں میں دو تین چوٹی کے مقامات کا ذکر کرتا ہوں ۔ لُوور ایک عظیم الشان اور نہایت شاندار سلسلہ عمارات بلکہ محلات کا پیرس میں واقع ہے ۔ جو سنہ ۱۸۷۰ء تک بادشاہ الخ

پیرس نے تعمیر کرا کر ختم کیا۔ اور نپولین اعظم نے اس قصر میں مع اپنے
خدم و حشم کے سکونت اختیار کی۔ یہ محل تمام یوروپ میں بلحاظ خوبی تعمیر ممتاز
مکان سمجھا جاتا ہے دونوں پہلوؤں پر عالی شان سہ منزلہ عمارات ہیں اور بیچ
میں کھلا صحن اور باغ ہے۔ اب اسکے ایک حصہ میں تو بعض سرکاری محکمہ جات
ہیں اور ایک حصہ میں تصویر خانہ یعنی پکچر گیلری ہے جو ۱۷۹۳ء میں یہاں کھولی
گئی ہے۔ اس ایک تصویر خانہ میں اتنی تصویریں ہیں کہ بقول ہینڈ بک گائیڈ بک
کے مشہور بیان کے کہ اگر دو گھنٹے متواتر چلتے رہیں تو صرف لوور کی تصویروں
کے سب کمروں سے سرسری نظر مار کر نکل سکتے ہیں۔ ہاشٹ کی اینگلو امریکن
گائیڈ بک میں لکھا ہے کہ لوور کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے پورے آٹھ روز درکار ہیں
یوروپ کے چوٹی کے مصوروں اور اُستادوں نے جو صدہا سال میں نگارکاری
کی ہے اور کلیجے نکال کر رکھ دیئے ہیں۔ کوئی کیسا ہی نا قدردان بھی کیوں نہ ہو
ممکن نہیں کہ جا بجا کھڑا ہو کر کسی دردناک نظارہ۔ کسی منہ سے بولتے ہوئے مرقع
کسی حسن و عشق کے واقعہ کسی رزم یا بزم کے نقشے کو نہ دیکھے۔ اور کہیں کہیں
اُس کی موٹی بے حس جلد کے نیچے اسکے دل کی حرکت تیز نہ ہو جائے خلاصہ
یہ ہے کہ نپولین اور اُس کی سپاہ اپنے عروج کے زمانے میں تمام یوروپ
کے بڑے بڑے شہروں خصوصاً روم (اٹلی) کے عجائب خانوں اور پرائیویٹ
مجموعوں سے تمام اعلے درجے کی تصویریں چھاپن جھپٹ لائے تھے۔ جو نپولین
کے تنزل کے بعد بھی تاجداران یوروپ کو پیرس سے سب تصویریں چھیننے
کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر اسکے علاوہ جمہوریہ فرانس نے نہ صرف ورسائی کے
محلات سے یہاں تصویریں لاکر رکھیں بلکہ بہت سا روپیہ بھی اچھی تصویریں
اضافہ کرنے پر خرچ کیا۔ اور کئی محب الوطن فرانسیسیوں نے اپنے بیش قیمت مجموعے
لوور کی نذر کر دیئے۔ لوور میں علاوہ تصویر خانہ کے بہت بڑا عجائب خانہ عجائبات
چین و نمونہ ہائے سامان بحر و نمونہ ہائے جہازات جنگ کا بھی موجود ہے پہلی

منزل میں بُت تراشی کی صنعت کے اعلےٰ نمونے جمع ہیں۔ ایک جگہ سلاطین فرانس کے تمام شاہی زیورات اور نادرالوجود قیمتی سامان مع جواہرات رکھا ہوا ہے۔ ایک تاج میں بڑے بڑے ہیرے جڑے ہیں۔ ایک دستہ شمشیر بھی چھوٹے ہیروں سے مرصع تھا۔ برٹش میوزیم کہ جسکا ذکر میں آگے کروں گا بہت بڑا عجائب گھر ہے لیکن آرٹ کی خوبی کے لحاظ سے لوور کو ہرگز نہیں پہنچ سکتا کہ جس میں تمام یوروپ کے اُستاد مصوروں کی کاریگری کے نمونے جمع کئے گئے ہیں۔

ورسیلز کے عجائبات لوور تو بیشک پیرس کی ناک ہے۔ لیکن شہر پیرس سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر شہر ورسیلز میں (جسکو فرنچ ورسائی کہتے ہیں) اور جہاں فرانس کے بادشاہوں کے شہر سے باہر کے محلات کئی پشتوں تک رہے ہیں۔ تصویروں اور بتوں کا مجموعہ اور بھی بے نظیر ہے۔ یہ شاہی محلات بڑے رفیع اور وسیع ہیں۔ انہیں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بادشاہان فرانس کیسے عیش اور آرام سے زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ان کی ہستی بھی بے ثبات ہوتی ہے۔ ان عالی شان عمارتوں کے سینکڑوں کمرے بڑی بڑی قیمتی تصویروں سے سجے ہوئے ہیں۔ جو زیادہ تر فرانس کی تاریخ کے متعلق ہیں۔ جس طرح برلن کے زیوگ ہاؤس میں چند تصاویر میں جرمنوں کی فتوحات جنگ دکھلائی گئی ہیں۔ یہاں صدہا تصاویر میں فرانس کے میدان کارزار کی کامیابیاں دکھلائی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سی تصاویر میں مسلمان صورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ کیونکہ صلیبی جنگوں سے لے کر اہل فرانس نے جس جنگ میں شرکت اختیار کی ہے اُس کی تصویر یہاں موجود ہے۔ نپولین کی مصر پر چڑھائی اور فرانسیسیوں کی مسلمانان الجیریا سے لڑائیاں سب آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ ایک جگہ نپولین کی شاہ پرشیا کی بیوی سے ملاقات کی تصویر دکھلائی گئی ہے۔ جسے نپولین نے کہا تھا کہ میں تمہاری بیوی سے ہم بستری کروں گا۔ اور ایسا ہی کیا۔ مجھے میرے رفیق نے بتلایا کہ جرمن اس

کینہ کو اب تک فراموش نہیں کر سکتے۔ علاوہ نپولین کے مصر اور شام کی فوج کشی کے صلیبی جنگوں کی تصاویر بھی بہت ہیں۔ جن میں عموماً عیسائیوں کو مسلمانوں پر کامیاب دکھلایا گیا ہے۔ ایسے کہنے ہیں ع ولیکن قلم در کف دشمن است ۔ نپولین کی زندگی کے آخری سالوں میں سے تو ۱۸۰۱ء سے کہ ہر سال کے لئے ایک کمرہ تصاویر کا مخصوص ہے۔ اور تاریخ فرانس کے قریب قریب ہر نامور شخص ۔ بادشاہ ۔ وزیر یا سپہ سالار کے بُت نچلی منزل کے برآمدوں میں رکھے ہیں۔ لیکن مکان کے باہر وسیع حوض اور فوارے کہ جنکا پانی برنجی مچھلیوں مینڈکوں ۔ کچھوؤں اور گھڑیالوں کے منہ سے نکلتا ہے۔ مع سبز روشوں اور سر بفلک درختوں کی قطاروں کے عجیب بہار دکھلاتے ہیں۔ جس نظارہ کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں سادہ لفظ بمشکل اس کی ہیئت کا کچھ خیال پیدا کر سکتے ہیں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے محل کے سامنے دونوں طرف درختوں کے گھنے جنگل کے درمیان ایک راستہ سبزہ زار کا چلا گیا ہے۔ جس کے دونوں طرف قدیم قوموں کے دیوتاؤں اور ناموروں کے بہت سے بُت نصب ہیں اور بیچ میں پانی کی جھیل ہے۔ ان بڑے محلات سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر جنگل میں دو چھوٹے محلات موجود ہیں کہ جن میں سے ایک لوئیس چہاردہم شاہ فرانس نے اپنی مسٹرس داشتنا میڈم ڈامینٹی نان کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ یہ مکان اتنا عالی شان نہیں جیسے بیش قیمت فرنیچر سے سجایا گیا ہے۔ اور جو اس زمانہ سے لے کر اب تک اصل میں احتیاط سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ پیٹر اعظم ۱۷۱۷ء میں۔ لوئیس پانزدہم اور شہنشاہ نپولین نے ۱۸۰۹ء میں اس محل میں فروکش رہے۔ آج بوجہ اتوار کے ہجوم تماشائیوں کا بے حد تھا۔ اور فوارے بڑا لطف پیدا کر رہے تھے۔ پیرس سے یہاں جس ریل میں آئے تھے اس کی گاڑیاں دو منزلہ تھیں +

پیرس کی گاڑیاں اب ایک ذراسی جھلک پیرس کی عام زندگی کی دکھلانا چاہتا ہوں۔ ان شہروں میں اس بات سے میری طبیعت بہت اکتاتی تھی۔ کہ یہ اتنے وسیع ہیں کہ دو مختلف مکانوں کے درمیان کئی کئی میل کی مسافت حائل ہے۔ تاہم یہاں کے طے مسافت کے سامان یعنی گھوڑوں سے چلنے والی آمنی بسیں اور ٹریموے گاڑیاں اور یہاں کی برقی اور دُخانی ٹریموے اور ریلوے گاڑیاں۔ جو زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے یکساں چلتی ہیں۔ فاصلہ کے قطع کرنے میں نہایت کارآمد چیزیں ہیں۔ اسی لئے ان بڑے بڑے شہروں خصوصاً لنڈن اور پیرس اور برلن کے بہت لوگ بوجہ سکنی مکانات کے کرایہ کی زیادتی کے شہروں سے باہر مضافات میں رہتے ہیں۔ دن کو شہر میں کام کاج کرکے شام کو سستی ریلوں پر سوار ہوکر پانچ پانچ۔ دس دس۔ پندرہ پندرہ میل شہر سے دور چلے جاتے ہیں اور رات کو گھر میں سوکر صبح پھر کام کاج یا ملازمت کے لئے شہر میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے ان شہروں کی دن کی آبادی اور رات کی آبادی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ پیرس کے کھلے بازاروں میں گو گھوڑا گاڑیوں کا دستور عام ہے جو ہزارہا وکٹوریہ گاڑی کی قسم کی ہیں۔ تاہم شوقین اہل پیرس موٹر کار کے بڑے فدائی ہیں۔ یہ گاڑی گیس کے انجن یا برقی طاقت سے چلتی ہے۔ اور ایک منٹ نہیں گذرتا کہ کسی مشہور سڑک پر تمہارے سامنے سے دو چار موٹر کار گاڑیاں فر فر کرتی اِدھر اُدھر نہ گذر جائیں۔ لنڈن میں تو ان کا سواں حصہ بھی موٹر گاڑیاں نہیں دیکھیں عام گاڑیبانوں کی پوشاک ایسی ستھری اور کالر اور نک ٹائی ایسے صاف ہوتے ہیں کہ اُن پر کبھی گاڑیبان ہونے کا ظن نہیں ہو سکتا۔ اگر گاڑی سے دور ہوں۔ یہ سب پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ تم نے جہاں جانا ہو انہیں کہدو یا اگر تم اجنبی ہو اور نام کا بخوبی تلفظ نہیں کر سکتے تو لکھکر نام دیدو یہ تمہیں لیجائینگے مجھے زبانی نام بتلانے میں ایک دفعہ بڑا دھوکہ ہوا تھا۔ جرمنی سے مجھے ایک

صاحب نے اپنے پیرس کے ایجنٹ کے نام چٹھی دی کہ وہ مجھے کسی قسم کی مدد دیگا۔ اُسکا مکان پیرس کے ایک بازار "روشاتوڈان" میں تھا "شاتوڈون" لکھنے میں "شاتوڈن" (Chateaudun) ہوتا ہے اور پیرس میں ایک دوسرا بازار جو پہلے سے بہت دور ہے "روشاتوڈو" نامی ہے جو فرانسیسی زبان میں شاتوڈو (Chateau d'eau) کی طرح لکھنے اور بولتے ہیں۔ میں نے گاڑیبان کو بلاکر کہا کہ مجھے "روشاتوڈن" میں لے چلو۔ اس کمبخت نے "روشاتوڈو" سمجھا۔ اور ۲۵ نمبر کے مکان کے سامنے اُتار کر دو فرانک کرایہ لے کر چلا گیا۔ پیرس میں دستور ہے کہ کسی گاڑی پر ایک جگہ سے دوسری جگہ خواہ کتنی دور یا قریب ہو جاؤ تو ڈیڑھ فرانک کرایہ اور نصف فرانک گاڑیبان کا ٹپ جو بمنزلہ کرایہ کے ہو گیا ہے۔ دے دو۔ لیکن اگر گھنٹہ بھر کے لئے گاڑی کرایہ کرو۔ تو دو فرانک کرایہ اور نصف فرانک ٹپ یعنی بخشیش دو۔ جب میں مکان کے اندر گیا تو معلوم ہوا کہ یہ روشاتوڈو ہے اور روشاتوڈون وہاں سے بہت دور ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے گاڑیبان کو گھنٹہ کے حساب سے لے کر وہاں گیا۔ زمین کے نیچے چلنے والی برقی ریل میں بھی میں پہلے پہل پیرس میں سوار ہوا +

مزید غلطی

آمنی بس گاڑیاں

پیرس کی آمنی بس گاڑیوں کے کرائے لمبے فاصلوں کے لئے لنڈن سے بہت ارزاں ہیں۔ ایک شخص پندرہ سنیٹم یعنے ڈیڑھ پنس دیکر گاڑی کے چھت پر سوار ہو سکتا ہے اور تین پنس دے کر گاڑی کے اندر بیٹھ سکتا ہے۔ اور جہانتک وہ گاڑی جائیگی بخلاف لنڈن وغیرہ شہروں کے اس سے پھر کرایہ نہیں مانگا جائیگا۔ بلکہ جو لوگ گاڑی کے اندر بیٹھتے ہیں انکا یہ بھی حق ہوتا ہے کہ جہاں وہ گاڑی رکے اسی طرف اُس سے آگے جانے والی دوسری گاڑی کے لئے انہیں ٹکٹ مفت دیدیا جائے۔ کہ جسے "کارسپانڈنس" کہتے ہیں۔ چنانچہ کنڈکٹر مانگنے پر یہ ٹکٹ دیدیتا ہے۔ لنڈن اور پیرس دو ایسے قریب قریب شہر ہیں تاہم ان میں بعض باتوں میں عجیب اختلاف پایا

جاتا ہے۔ لنڈن کی آمنی بس گاڑیوں میں بخلاف پیرس کی گاڑیوں کے جو لوگ چھت کے اوپر بیٹھتے ہیں۔ اور جو اندر بیٹھتے ہیں اُن سے ایک ہی کرایہ لیا جاتا ہے ایک اور نرالی رسم پیرس کی آمنی بس ٹریمو ے گاڑیوں کے اڈوں پر یہ دیکھی گئی کہ گاڑی کے آنے سے پہلے جتنے لوگ جمع ہو جاتے ہیں وہ اس آمنی کے سٹیشن سے گاڑی میں سوار ہونے کا حق پیدا کرنے کے ٹین کے ٹکٹ لے لیتے ہیں ٹکٹ سو تک نمبروار بکسوں میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جو شخص آتا ہے وہ پہلے ایک ٹکٹ ان میں سے اٹھا لیتا ہے۔ جس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جب گاڑی یہاں آکر کھڑی ہوگی تو جنکے ٹکٹوں کے کم نمبر ہونگے وہ پہلے سلسلہ وار اس میں سوار ہونگے۔ کنڈکٹر سلسلہ وار ٹکٹوں کے نمبر پکار کر اور ٹکٹ کو پیسے لیکر لوگوں کو اندر داخل کرتا جاتا ہے۔ عموماً لوگ پہلے اوپر جا کر بیٹھتے ہیں۔ اور جب وہ جگہ بھر جاتی ہے تو پھر دو چند کرایہ دیکر نیچے بیٹھتے ہیں۔ صرف مسافروں کی کثرت کی وجہ سے پیرس کی آمنی بسوں کو یہ طریق اختیار کرنا پڑا ہے۔ بعض انگریزوں نے خود میرے سامنے تسلیم کیا کہ پیرس کا یہ طریقہ لنڈن سے بہت اچھا ہے۔ آمنی بسوں کی کنڈکٹروں اور گھوڑا گاڑیوں کے کوچمینوں کے پاس تمام شہر کے گلی کوچوں کی فہرست ہوتی ہے۔ تاکہ ناواقفوں کو راستہ بتلا سکیں پیرس میں بعض ٹریمو ے گاڑیوں کو پہلو بہ پہلو تین گھوڑے جوتتے ہیں۔ اور کبھی حسب ضرورت اور دو گھوڑے اُن کے آگے لگا لیتے ہیں۔ بارکشی کی بھاری گاڑیوں کے آگے کبھی وہ تین تین گھوڑے ایک دوسرے کو آگے پیچھے جوڑ دیتے ہیں ؎

مزدور

مزدور یا خدمتگار اپنے کپڑوں کے اوپر ایک نیلا یا میلا کرتہ پہنے رکھتے ہیں۔ جو ٹخنوں تک پہنچا ہوتا ہے۔ ایسا ہی نیلا کرتہ کئی غریب مائیں اپنے بچوں کو کپڑے پہنا کر اوپر سے پہنا دیتی ہیں کہ کپڑے میلے نہ ہوں۔ یہاں صرف پھول بیچنے کی بہت سی دکانیں اجنبی کو نرالی نظر آتی ہیں۔ اور ان کے علاوہ

کئی عورتیں ہاتھوں میں پھول یا گلدستے لیکر بازاروں میں بیچتی پھرتی ہیں - پیرس کے مزدور بخلاف لنڈن کے مزدوروں کے کام کرنے کا لباس علیحدہ رکھتے ہیں اور جو زیادہ ستھرا بھی نظر آتا ہے ۔

کوشک بڑے بازاروں میں جابجا لوہے کے ہشت پہلو یا شش پہلو قدآدم سے دو چند بلند مینار سے بنے ہیں - جو اندر سے خالی ہیں اور کوشک کہلاتے ہیں - ان میں اخبار بیچنے والی عورتیں اپنے اخباروں کی دکان لگاتی ہیں - لیکن بعض دو پہر سے جو اخبار بیچنے کے کام نہیں آتے اُن کے پہرے کے قریب شیشے

اشتہارات کے کوشک لگے ہیں - جن کے اندر روشنی رکھ دینے سے شیشوں کے اشتہار پڑھے جاتے ہیں - اشتہاروں کا کچھ نہ پوچھو کہ کتنے اور کیسے ہوتے ہیں - دیواروں پر بے انتہا پوسٹر لگائے جاتے ہیں - مگر ہر دیوار پر نہیں - بلکہ صرف اُسی پر جو اس مطلب کے لئے کرایہ پر لی جائے - اخباروں کو اشتہاروں کا طریقہ بھی نرالا تھا - ایک بہت بڑے ورق پر کئی رنگوں سے کچھ دلکش تصویریں چھاپی جاتی ہیں - اور اس کی پشت پر ایک حیرت انگیز ناول سے دو ایک باب چھاپ دیئے جاتے ہیں - اور اُسکے اخیر میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہہ ناول سلسلہ وار فلاں تاریخ سے فلاں اخبار میں چھپنا شروع ہوگا - جس کی یہہ قیمت ہے - پھر یہہ خوشنما ورق لاکھوں بازاروں میں بانٹ دیئے جاتے ہیں - بازار میں جابجا مردوں اور عورتوں کے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے حجرے بھی بنے ہوئے ہیں - جن میں ایک وقت پانچ چھ آدمی ہر طرف کھڑے ہوکر پیشاب کر سکتے ہیں - اور اوپر سے ہر وقت پانی بہکر ان لوہے یا پتھر کی سلوں کو صاف کرتا رہتا ہے - اور پانی نیچے کی بدرروں میں چلا جاتا ہے - ان پیشاب خانوں میں خفیہ قسم کی بیماریوں کے علاج کے اتنے اشتہارات چسپاں ہیں کہ تل رکھنے کو جگہ نہیں - برلن کی دکانوں کی طرح مختلف رنگوں کے برقی نوٹس بورڈ تو یہاں معمولی بات ہے - مکانوں کے نوٹس بورڈوں کے انواع اقسام کے سُنہری اور شیشہ اور پتھر اور

اشتہار کا عجیب طریقہ اناٹل کے حروف کو چھوڑ کر سب سے عجیب طریقہ اشتہار کا - میں نے آج تک اپنی آنکھ سے یوروپ میں دیکھا ہے۔ وہ بھی سنئے - ایک شخص بوقت شب ایک دو منزلہ مکان کے دریچہ سے موٹوسکوپ کی تصویریں ایک پردہ پر ڈالتا ہے - جو حرکت کرتی معلوم ہوتی ہیں - جب دس پندرہ منٹ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں راہ گیر یہ مفت کا تماشا دیکھنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں - تو وہ کمبخت اُن تصویروں کے بجائے آٹھ دس مختلف کارخانوں کے اشتہاروں کا عکس اُس پردہ پر ڈالنے لگتا ہے - اور لوگ صبر سے اُنہیں کو اس امید پر دیکھ رہے ہیں کہ ابھی پھر کوئی دلچسپ متحرک تصویر نظر آئے گی - اس سے بہتر طریقہ اشتہار کا اور کیا ہو سکتا ہے - پیرس کے ایک چوک میں ایک بہت بڑا عمدہ فی مینار کھڑا ہے جو نپولین نے اپنے دشمنوں سے توپیں چھین کر بنایا تھا - اور اُس پر اس کی سب جنگوں کی تصویریں کندہ ہیں ٭

فرانسیسی اخبارات پیرس سے اخبارات بھی بہت سے نکلتے ہیں - روزانہ اخبارات لنڈن سے بھی تعداد میں زیادہ ہونگے - گو ہفتہ وار اخبار پیرس سے شاذ و نادر نکلتے ہیں - ظاہری حیثیت - شکل و صورت اور مقدار مضامین میں انگلستان کے اخبارات فرانس کے اخبارات سے بہت آگے ہیں - اور اسی طرح مضامین کی مقدار - اُن کے حصول و سائل - مضامین کی ماہیت اور خبروں کے ماخذ کے لحاظ سے پیرس کے اخبارات لنڈن کے اخبارات سے بہت پیچھے ہیں - اور بلحاظ مقدار اشتہارات کے تو مقابلہ انگلش اور امریکن اخبارات کے کوئی درجہ نہیں رکھتے - پیرس کا لی پیٹی جرنل لنڈن کے تمام اخبارات سے اشاعت میں زیادہ یعنی پندرہ لاکھ بتلایا جاتا ہے - کیونکہ یہ دس سنٹیم یعنی نصف پینی کا اخبار ہے - لیکن لنڈن میں بھی اب نصف پینی کے اخبارات میں ڈیلی اکسپریس جو سنہ ۱۹۰۰ء میں جاری ہوا ہے - کہا جاتا ہے کہ بہت بڑی اشاعت رکھتا ہے اور ڈیلی میل کی اشاعت بھی اتنی ہی بڑی ہے - لیکن

میں نے دیکھا ہے کہ پیرس میں لوگ اخبار پیٹری (حب وطن) کو جو زیادہ جوشیلا ہے۔ اور اخبار ماٹین (صبح) کو بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ دونوں نصف پینی کے اخبار ہیں۔ مگر "فگارد" یا "گالوا" یا "ٹام" جو ڈیڑھ ڈیڑھ پینی کے پرچے ہیں۔ یا جرنل ڈے ڈیبیٹ جو دو پینی یعنی بیس سنیٹم کا ہے۔ اول درجہ کے اخبار شمار ہوتے ہیں "آردر"۔ "انخار یٹی"۔ "سیاکل"۔ ریڈیکال"۔ "ایکوڈاپاری" وغیرہ بہت سے دوسرے مشہور اخبار ہیں۔ کیونکہ شہر پیرس میں ۱۶۳ پولیٹیکل اخبارات چھپتے ہیں۔ جن میں سے ۷۹ روزانہ۔ ۷۳ ہفتہ وار۔ ۶ پندرہ روزہ اور ۳ ماہوار ہیں۔ ان کے علاوہ ۱۶۶ ریویو یعنی رسالے چھپتے ہیں۔ لیکن بخلاف لنڈن کے پیرس کے دو اخبارات کے ہفتہ وار ایڈیشن پیٹی پیرزین اور لی پیٹی جرنل رنگین تصاویر سے مزین چھپتے ہیں۔ اور وہ بھی دس سنیٹم یعنے نصف پینی یا ہندوستان کے دو پیسے کو بکتے ہیں۔ ان کی ارزانی قابل تعریف ہے۔ پیرس کے اخبارات میں یہ بڑا عیب ہے کہ بوجہ زیادہ آزادی کے بد لگام اور منہ پھٹ زیادہ ہیں۔ آپس میں بھی ایک دوسرے کے منہ آتے رہتے ہیں۔ اور پولیٹکل پارٹیوں اور دولتمند ریڈروں کے پولیٹیکل رسوخ بڑھانے کے لئے روپے کی مدد حاصل کرتے ہیں۔ ورنہ مجھے ایک صاحب نے تبلایا تھا کہ یہ اپنا خرچ نہیں چلا سکتے۔ فرانسیسی زبان میں کتابیں ایسی ہی اچھی چھپتی ہیں۔ اور صدہا اور ہزارہا قسم کی چھپتی ہیں۔ جیسی کہ انگریزی میں چھپتی ہیں۔ نمائشگاہ میں بہت سے پیرس کے کتب فروشوں اور اہل مطابع نے اپنی کتابوں کے نمونوں کی نمائش کی ہوئی تھی۔ کیا لحاظ چھپائی۔ جلدبندی اور آرٹ کے کام کے فرانس بہت بڑھا ہوا ہے۔ اور کلوں اور دستکاری اور صنعت و حرفت میں تو اتنا بڑھا ہوا ہے کہ مجھے اسکا کوئی علم نہ تھا ۔

جرنل لی پیٹی پیرس میں بھی میں نے دو تین اخبارات کے دیکھے۔ جن میں سے جرنل لی پیٹی (Journal le petite) کے کچھ حالات بیان کرنے

ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ میں اس مطبع میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابھی ایک گھنٹہ کے بعد یعنے پانچ بجے شام کے پیرس ایڈیشن چھاپنے کے لئے مشینیں چلیں گی واضح رہے کہ دن میں اس عظیم الشان اخبار کے چھ ایڈیشن چھپتے ہیں۔ ان میں سے پہلے ایڈیشن تو بذریعہ ریل اور ڈاک کے فرانس کے دور دراز مقامات کو روانہ کئے جاتے ہیں۔ مگر شام کا ایڈیشن جس میں خبریں زیادہ ہوتی ہیں۔ پیرس میں تقسیم ہوتا ہے۔ جرنل لی پیٹی کی روزانہ اشاعت ڈیڑھ ملین یعنے پندرہ لاکھ کاپی بتلائی جاتی ہے۔ اور یہ اشاعت تمام دنیا کے اخبارات سے زیادہ ہے۔ مگر اس اشاعت کو حاصل کرنا اور اُسے قائم رکھنا نہایت مشکل کام ہے۔ اس کارخانہ میں تیس مختلف صیغے ہیں کہ جن کی مدد سے ہر کاپی جرنل کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور انیس ہزار عورتیں مرد ان سب صیغوں میں کام کرتے ہیں۔ تین چیف ایڈیٹر ہیں جنہیں مختلف صیغے سپرد ہیں۔ کئی نائب ایڈیٹر اور کئی ہزار نامہ نگار فرانس اور دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ دفتر شب و روز کھلا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اتوار کو بھی بند نہیں ہوتا۔ کیونکہ اتوار کو بھی جرنل لی پیٹی برابر چھپتا ہے۔ بارہ مشینیں اسکو چھاپتی ہیں۔ ہر مشین چالیس ہزار کاپی فی گھنٹہ کے حساب سے چھاپتی ہے۔ اور تین سو سٹیریو پلیٹیں بنانے پر بارہ ہنڈرڈ ویٹ سیسہ ہی خرچ ہوجاتا ہے۔ ایک لاکھ بیس ہزار کاپی ہر روز مقررہ خریداروں کو جاتی ہیں جنپر چالیس ہزار پونڈ سالانہ یعنے قریب چھ لاکھ روپیہ کے محصول ڈاک دینا پڑتا ہے۔ اور باقی کاپیاں جو ریل کے ذریعہ سے ملک کے ہر حصہ میں بنڈل باندھ کر بھیجی جاتی ہیں۔ ان پر ساٹھ ہزار پونڈ یعنے نو لاکھ روپیہ صیغہ ریلوے کو دیا جاتا ہے۔ ۶۵ مرد ریل کے لئے اخبار کے بنڈل بناتے ہیں۔ اور سو عورتیں ڈاک کے لئے اخبار لپیٹتی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی مشتاق ہوگئی ہیں کہ بحساب فی گھنٹہ ایک ہزار کاپیاں لپیٹ کر اُن پر ٹکٹیں چسپاں کر دیتی ہیں۔ ہر روز ایک چھوٹی سی جھیل لئی کی خرچ ہوجاتی ہے۔ اتنی بڑی

اشاعت والے اخبار پر جسقدر کاغذ خرچ ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد سے آپ اسکا اندازہ کرسکتے ہیں سالتمام میں ستاون کروڑ کاپیاں جرنل کی چھپتی ہیں۔ اسکے علاوہ پانچ چھ اور ہفتہ وار اخبار بھی اس دفتر سے نکلتے ہیں۔ جن میں ایک ہفتہ وار جرنل لی پیٹی رنگین تصاویر کا پرچہ ہے۔ ایک زراعت کے لئے مخصوص ہے۔ ایک علمی مذاق کا پرچہ ہے۔ غرض ان سب کی مجموعی سالانہ اشاعت دس کروڑ تیس لاکھ ہے۔ تو کل ستسٹھ کروڑ تیس لاکھ کاپیوں پر ۹ ہزار ٹن (یا دو لاکھ اٹھاون ہزار من) کاغذ سالتمام میں صرف اس ایک اخبار کے کارخانہ میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ کاغذ لکڑی سے بنتا ہے۔ اس لئے جنگلوں کے جنگل صرف ایک اخبار کے کاغذ کے لئے صاف ہو رہے ہیں۔ ریلوں کے مختلف سٹیشنوں پر اٹھارہ ہزار ایسے ایجنٹ موجود ہیں جو اخبار کے گٹھے پہنچنے کے بعد فوراً پیدل یا گھوڑا گاڑی یا بائیسکل کے ذریعے اپنے علاقہ میں اخبار تقسیم کرنے کو دوڑ جاتے ہیں۔ اس طرح فرانس کے ہر کونے اور گوشے میں جرنل لی پیٹی ہر روز ہر امیر سے غریب تک کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔ اسکے دفتر میں ایک نہایت مکلف کمرہ کونسل کے لئے بنایا گیا ہے۔ جب کوئی پیچیدہ معاملہ آتا ہے تو چیف اڈیٹر شہر کے بعض بارسوخ آدمیوں کو بلا کر ان سے بحث کر کے فیصلہ کرتا ہے اور جب مضامین ایسی تحقیقات سے لکھے جائیں تو پبلک ان پر کیوں اعتبار نہ کرے گی۔ غرض اس کارخانہ سے مالکوں کو بھی خوب منافع حاصل ہوتا ہے۔

پیرس کے تھیٹر اگر کسی چیز کو میں نے سب سے کم دیکھا ہے تو وہ تھیٹر ہیں میں نے صرف دو مرتبہ پیرس کے تھیٹر دیکھے۔ وہ بھی صرف اس خیال سے کہ پیرس میں کوئی ہر روز تھوڑا ہی آتا ہے۔ میں ایک شام کو پیرس کے مشہور تھیٹر لا ٹرو سینٹ مارٹن میں گیا جہاں عموماً تاریخی ڈراما پبلک کے پیش کئے جاتے ہیں اور فرانس کا چوٹی کا ایکٹر جو انگلستان کے مشہور ایکٹر

ہنری اِرونگ کے پایہ کا ہے اکثر یہاں اپنا پارٹ ادا کرتا رہتا ہے۔ یہ اعلٰے پایہ کا تھیئیٹر ہے گو میں نے بوجہ زبان کی اجنبیت اور پلاٹ کی ناواقفیت کے بہت کم قصہ سمجھا۔ البتہ حرکات وسکنات اور سامان کی صفائی اور سادگی قابل تعریف تھی۔

ایک دوسری شام کو لنڈن سے واپس آنے کے بعد میں پھر ایک تھیئیٹر میں گیا۔ اور سب سے پچھلی قطار میں چار فرانک کا ایک ٹکٹ خریدا۔ تھیئیٹر کی تمام نشستوں کی ایک چھوٹی سی نقل بنا کر رکھی ہوئی تھی۔ اور اس پر سب نشستوں کے نمبر لگے ہوئے تھے۔ ہر شخص اِن نشستوں کو دیکھ کر جسکو پسند کرتا اگر وہ خالی ہوتی تو اُسکا ٹکٹ خرید لیتا۔ لیکن ٹکٹوں کی قیمت کھیل کے شروع ہونے تک ہر لحظہ بڑھتی جاتی تھی۔ لنڈن میں ایک شام کو میں ایک تھیئیٹر کے دروازہ پر بھیڑ دیکھ کر اندر گیا تھا تو دربان نے کہہ دیا تھا کہ اب جگہ خالی نہیں۔ رائے بہادر مدن گوپال صاحب بیرسٹرایٹ لا نے مجھے لنڈن میں کہا تھا کہ یہاں کا تھیئیٹر بھی ضرور دیکھو تاکہ معلوم ہو کہ کیوں یہ لوگ ایک ہی تماشا اسّی اسّی راتوں تک کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور لوگ ہر شب کو بکثرت اِسے دیکھنے آتے ہیں۔ پیرس کے اِس رات کے ناٹک میں ایک پارٹ میں انگریزوں کا خوب خاکہ اُڑایا گیا تھا۔ ایک انگریز کا سوانگ بھرا گیا تھا جو اپنی جوان بیٹی کی شادی کرنے کے لئے اسے پیرس میں لایا تھا۔ اور سوائے یس (yes ہاں کے اور کوئی جواب نہ دیتا تھا۔ جہاں نو (no نہیں) کی ضرورت ہوتی وہاں بھی وہ یس ہی کہتا اور اُس کی بیٹی بھی جو ابھی فرانسیسی زبان نہیں جانتی تھی ایک فرانسیسی بول چال کی کتاب کی مدد سے باتیں کرتی تھی۔ اور جب اُس کا فرانسیسی تلفظ (جو انگریزوں کے فرانسیسی تلفظ کی طرح غلط ہوتا تھا) نہ سمجھا جاتا تو وہ جھٹ اپنی کتاب کا وہ فقرہ پیش کر دیتی۔ میں نے فرانس میں ایک دو ہی تماشے دیکھے تو معلوم ہوا کہ انگریزی قوم کا یہ لوگ کتنا مضحکہ اُڑاتے ہیں +

ڈانسنگ ہال | ایک دوست کے ساتھ ایک شام کو جاردان داپاری نامی ایک

ڈانسنگ ہال بھی دیکھا جو آجکل بوجہ نمائش کے جوبن پر تھا - اور اس میں علاوہ اہل فرانس وجرمنی کے انگلستان اور امریکہ کے تماشائی بھی بکثرت تھے تین فرانک واخلہ کا ٹکٹ تھا۔ نو دس بجے شب کو ہم لوگ اس احاطہ میں داخل ہوئے - تو دیکھا کہ سینکڑوں مرد اور بہت سی عورتیں چھوٹی چھوٹی میزوں پر بیٹھے ہوئے کھانے پینے میں مصروف ہیں - ہم بھی ایک میز پر جا بیٹھے اتنے میں سامنے ایک مکان میں باجا بجنے لگا - اور کچھ عورتیں سٹیج پر جا کر ناچ کے کرتب دکھلانے لگیں - تھوڑی دیر میں سٹیج کے مقابل ایک گول مکان میں کہ جس کی چھت ستونوں پر قائم تھی کچھ اور لڑکیاں ناچنے لگیں۔ یورپ کے ناچ کی بڑی خوبصورتی اور بڑی کاریگری یہ ہے کہ ناچنے والی ایک ٹانگ کو بلند کرے کہ وہ سر تک پہنچ جائے - یا ٹانگ کو بڑی پھرتی سے ہلائے اور ایک پاؤں پر گھومتی پھرے - اسی بڑے اصول سے ناچ کی بیسیوں قسمیں انتراع کی گئی ہیں - جب اس گول مکان میں ناچ شروع ہوتا تو سب لوگ اس کے گرد گھوم کر دیکھتے۔ کئی عورتیں جو لیڈیوں کی طرح ملبوس تھیں۔ میرے رفیق نے بتلایا کہ صرف ایک اشارہ کی منتظر ہیں - بلکہ کئی دوسری خود عشوہ گری سے تھک کر زبان اور ہاتھ کی مدد پر آمادہ پائی گئیں۔ جوان میں سے اس حلقہ کے اندر جا کر خوب ناچتی - جب وہ باہر آتی تو بہت سے نوجوان امریکن اور انگریز ٹوپی اُتار کر اُس کی ناچنے کی داد دیتے - اور تھوڑی دیر میں وہ عورت اُن میں سے کسی مرد کے ساتھ گم ہو جاتی - مجھے یہ کیفیت دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ کیوں پیرس کے بازاروں میں رنڈیاں دن بھر دریچوں میں نہیں بیٹھتیں - گو میں نے سُنا ہے کہ گیارہ بارہ بجے شب کے بعد پیرس کے بعض بڑے بازاروں میں یہ لیڈیاں اکثر راہ چلنے والوں کو بلا انٹروڈیوس کئے جانے کے ملاقات کا شرف بخشنے پر آمادہ ہوتی ہیں۔ اس تماشاگاہ میں بعض چالاک عورتیں ایسا بھی کرتی ہیں - کہ جب کسی

اجنبی کو تنہا کسی میز پر بیٹھا ہوا دیکھتی ہیں تو اس کے پاس اُسی میز پر جا بیٹھتی ہیں۔ اور ویٹر سے کھانا یا شراب وغیرہ منگواتی ہیں۔ اور جب دیکھتی ہیں کہ ویٹر دام وصول کرنے کو قریب آرہا ہے۔ تو چُپ چاپ اُس میز پر سے اُٹھ جاتی ہیں۔ اور اجنبی جنٹلمین سے جب ویٹر اُس لیڈی کے کھانے کا بھی بل وصول کرتا ہے تو تب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت اُسے احمق بنا گئی ہے۔ یہ تماشا صرف اسی ڈانسنگ ہال میں ہی ہر شب بار بار نہیں کیا جاتا بلکہ پیرس کے اور کئی میوزک ہالوں اور اسی قسم کے مکانوں میں دوہرایا جاتا ہے۔

فرانس میں شادیاں فرانس کی شادیوں کے متعلق امریکہ کی ایک میم صاحبہ نے جو مدت سے پیرس میں سکونت رکھتی ہیں ایک روز بسبیل تذکرہ بیان کیا تھا کہ پیرس میں شادیاں زیادہ تر سوسائٹی کی خاطر کی جاتی ہیں۔ تاکہ مرد کو جو رتبہ حاصل ہے اِس سے عورات کو بھی حصہ ملے۔ ورنہ در اصل فرانس میں ہر جنٹلمین کی داشتہ اور ہر لیڈی کا آشنا علیحدہ ہوتا ہے۔ فرانس میں بھی شادی کے وقت اہل بنگالہ کی طرح لڑکی والوں کو ایک معقول رقم بطور جہیز دینا پڑتی ہے۔ اس جہیز کے سوائے لڑکیوں کو اچھے شوہر مشکل مِل سکتے ہیں۔ گو بعض صورتوں میں دولہا کے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہوتی لیکن عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ جس قدر رقم دُلہن اپنے والدین کے یہاں سے لائیگی اتنی ہی جائداد دولہا کے پاس بھی ہوگی۔ فرانس میں ہر چند کہ عام لوگ متوسط درجہ کا گذارہ رکھتے ہیں اور بمقابلہ دیگر ممالک یوروپ کے غریب ہیں تاہم اکثر مائیں اپنی لڑکیوں کو ایک ٹانکا تک لگانا نہیں سکھلاتیں۔ بحالیکہ امریکہ میں دولتمند مائیں بھی اپنی لڑکیوں کو سب کام کاج سکھلاتی ہیں۔

فرانس میں شادی کی اصلیت پیرس کی عام عورتوں کی زندگی پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب سے چند اقتباس یہاں جمع

نہ معلوم ہونگے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیرس میں شریف لوگ اپنی لڑکیوں کو اِسی طرح حفاظت اور نگرانی میں رکھتے ہیں جیسے کہ ممالک مشرق میں لڑکیوں کو پردہ میں رکھا جاتا ہے۔ اگر ایک روز بھی کوئی ماں اپنی لڑکی کو کسی غیر آدمی کے ساتھ گھر سے جانے دے تو کہا جائیگا کہ اس ماں نے اپنی بیٹی کو ذلیل کر دیا۔ اور اور پھر اُس لڑکی کی شریفانہ شادی ہو جانے کا اتفاق کم باقی رہ جائیگا۔ پیرس کی سوسائٹی میں شادی سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ دو آدمی آپس میں محبت کرتے ہیں تو اُن کا اتحاد ہو جائے۔ بلکہ وہاں دنیاوی اغراض کو زیادہ مدنظر رکھا جاتا ہے۔ ایک دولتمند شخص نے ایک صراف کو جا کر کہا "میں تمہاری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میری جائداد کے کاغذ ہیں" اور کسی بات کی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ فوراً لڑکی اس شخص کے حوالے کر دی گئی"۔ دوسری طرف لڑکیوں کے والدین کو اپنی حیثیت سے زیادہ جہیز دینا پڑتا ہے۔ تب اُن کی بیٹیاں قبول کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک دہقان ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کرنے والا تھا۔ لڑکی کے باپ نے داماد سے کہا "میں تمہیں جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ باغ میں وہ بڑا چیری کا درخت میرا رہیگا" "داماد نے کہا نہیں یہ میرا ہوگا" "خسر نے کہا یہ ضرور میرا رہے گا" اِسپر داماد نے کہا "تو میں تمہاری لڑکی سے شادی نہیں کرونگا"۔ پیرس میں عموماً شادی کا سودا محبت کے اصول پر مبنی نہیں ہوتا۔ اور اسی لیئے بہت سی عورتیں اور مرد ناپاک اور بدکار زندگی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پیرس کے مشہور مصنف ڈوما کی نسبت یہ قصہ مشہور ہے کہ جس میڈازل (مس) آڈا سے ڈوما کی شادی ہوئی تھی۔ اُس کے باپ کا ڈوما بہت قرضدار تھا۔ مگر ڈوما کے پاس روپیہ ادا کرنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ آخر قرضخواہ نے ڈوما کو قید کرانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن آخر وقت میں اُسے ایک نرالا خیال پیدا ہوا۔ اُس کی لڑکی مس آڈا نہ تو حسین تھی اور نہ نیک چلنی میں ہی شہرت رکھتی تھی۔ اُس نے ڈوما کو کہا

اگر تم میری لڑکی سے شادی کر لو تو سب قرض معاف کر دونگا۔ آخر ڈوما نے قید پر اس زندگی کو ترجیح دی۔ اور مس آڈا سے شادی کر لی۔ لیکن وہ شادی کس قسم کی تھی۔ اس کا ذیل کے واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

ڈوما کی بی بی ایک شام کو ڈوما ناگہاں اپنے گھر میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ اسکے گول کمرہ میں ایک اجنبی شخص اُس کی بیوی کا منہ چوم رہا ہے۔ ڈوما نے کچھ دیر تک اجنبی کی طرف تعجب اور حیرت سے تاک کر کہا " تعجب ہے اجبکہ تمہیں کسی نے اس کام پر مجبور بھی نہیں کیا" یعنی مجھے تو اس کے باپ نے اسکا شوہر بننے پر مجبور کیا ہے۔ اور تمہیں اس نیک بخت کی ملاقات کے لئے کس نے مجبور کیا ہے۔

اپنی بیوی کے بچے "میڈم ڈرا گو پیرس میں ایک مصنفہ اور فیشن کی سر پرست لیڈی گذری ہے۔ اُس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہو گئی جو کتابوں کا کیڑا تھا۔ اور جسے سوائے اپنے کتب خانہ کے دنیا و مافیہا کی کچھ خبر تک نہ تھی بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کے بچے کتنے ہیں۔ اور یہ بُدھا فلاسفر اس بارہ میں اس قدر بے پروا تھا کہ جب کوئی اجنبی اُس کے گھر میں آتا تو وہ بے تکلفی اور بے ریائی سے اُسے ان لفظوں سے اپنے کُنبہ سے ملاقات کراتا کہ میں اپنی بیوی کے بچے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں "۔

"فرانس کی عورتوں پر غیر مردوں سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا جاتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ فرانس میں شادی دل سے نہیں بلکہ جیب سے تعلق رکھتی ہے تاہم فرانس کی عورتیں طبعاً ذہین اور سیانی ہوتی ہیں۔ اور وہ تعلق بھی معقول پیدا کر نا پسند کرتی ہیں۔ انگلستان میں سُنا جاتا ہے کہ ایک نوجوان لڑکی اپنے باپ کے سائیس کے ساتھ روپوش ہو گئی۔ اور ایسی ہی باتیں امریکہ میں سُنی جاتی ہیں۔ مگر فرانس کی عورت اپنے سے کمتر درجہ کے آدمی سے کبھی سازش کرنا پسند نہیں کرتی "۔

عورتوں کے ہتھکنڈے

بقول پیرس گائیڈ کی پینتیس ہزار عورتیں جو پیرس میں ناجائز وسائل سے روزی کماتی ہیں ان میں صرف پانچ ہزار کا نام پولیس کی کتابوں میں درج ہے۔ اور ان پانچ ہزار میں سے بھی اٹھارہ سو باضابطہ لائسنس یافتہ مکانوں میں رہتی ہیں۔ اور باقی اپنے گھروں میں سکونت رکھتی ہیں۔ اب یہ عورتیں لوگوں کو اور خصوصاً اجنبیوں اور ناواقفوں کو کس طرح مونڈتی ہیں۔ ذیل کے حالات سے معلوم ہوگا جو متذکرہ بالا کتاب سے اخذ کئے جاتے ہیں +

بعض رسٹارنٹوں میں کئی عورتیں نصف رات کے بعد تک کھانے کی منتظر رہتی ہیں۔ فرض کرو ایک شخص سے ایک خوبصورت عورت دوچار ہوتی ہے۔ اور جھٹ اُسے کھانے کی فرمائش کرتی ہے۔ کھانا دو کے لئے منگوایا جاتا ہے۔ اتنے میں ایک گل فروش عورت ایک گلدستہ لاکر اُس شخص کے پیش کرتی ہے اور اُس کی خوبصورت رفیق اُسے ترغیب دیتی ہے۔ کہ گلدستہ خرید لو۔ چنانچہ جب یہ گلدستہ خریدا جاتا ہے تو بہت دیر نہیں گذرتی۔ کہ فوراً یہ گلدستہ اُسی گل فروش کے ہاتھ پھر بک جاتا ہے۔ اور اسی طرح کئی مرتبہ ایک ایک گلدستہ بکتا رہتا ہے۔ اور بشرطیکہ شکار کافی سادہ لوح ہو تو ایک کوچیں فوراً دن بھر کی گاڑی کے کرایہ یا الفرض بیس فرانک کا ایک بل لے آتا ہے۔ اور تقاضا کرتا ہے۔ تو عموماً یہ بھی سادہ لوح شکار ادا کر دیتا ہے۔ اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے۔

"فرض کرو کسی بال میں ایک خوبصورت عورت تم کو مفتون کر لیتی ہے۔ تھوڑی دیر میں اُس کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے ایسی جگہوں میں جانے کی عادت نہیں ہے۔ صرف آج رات کو پہلی دفعہ وہ چھپ کر یہاں آ پہنچی ہے۔ اُس کا شوہر کسی ڈنر کی پارٹی میں گیا ہے اور نصف شب کے بعد ہی آئیگا۔ رخصت ہونے سے پہلے تم خوش نصیبی سے اُسے قائل کر لیتے ہو کہ تم دوسرے روز اُس کے مکان پر ایک بجے شب کو پہنچو گے۔ اُس کا شوہر صرافہ میں جاتا ہے

اور بارہ بجے سے تین بجے شب تک وہیں رہتا ہے۔ تم قرارداد کے مطابق اس مکان پر پہنچتے ہو۔ تمہیں ایک سجے ہوئے کمرے میں بٹھلا دیا جاتا ہے اور ہر طرح کی ہنسی مخول کی گفتگو ہونے لگتی ہے۔ شائد تم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔ اور وہ لپک کر سامنے کے آتش دان سے جا لگی ہے۔ اوپر ایک خوبصورت چینی کا برتن پڑا ہوا تھا جو اس ٹھوکر سے گرتے ہی ہزار ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

"یا اللہ! یہ کیا مصیبت ہے! اب کیا ہوگا۔ میرا شوہر اسے کل ہی خرید کر لایا تھا۔ وہ تو سخت ناراض ہوگا"

"کچھ پرواہ نہیں۔ اس کی قیمت کیا تھی؟" شائد تم بیساختہ کہدیتے ہو:۔

"صرف پچاس فرانک! اگر تم جانتے ہو کہ شوہر کیسے سخت گیر ہوتے ہیں!"

"ظاہر ہے کہ تمہیں خیال آئیگا کہ تمہاری بدولت تمہاری میزبان کیوں تکلیف ہو۔ اسلئے تم ذرا سے تامل کے بعد پچاس فرانک گن کر چینی پیس پر رکھدیتے ہو"

"اب پھر وہی پہلے کا سا ہنسی مخول شروع ہونے والا تھا کہ گھڑی تین بجا دیتی ہے۔ ایک نوکرانی جلدی سے آ کر کہتی ہے کہ ایک دو منٹ کے اندر ہی میاں گھر میں پہنچ جائیگا۔ اور میز پر دسترخوان بچھانے لگتی ہے۔"

"اور لاریب بلا ایک دم کے وقفہ کے تمہیں دروازہ سے باہر کر دیا جاتا ہے اور اس طرح اس ملاقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جو ایک صراف کے شخص کی بیوی سے تمنے پیدا کی تھی۔ وہ چینی کا برتن جو کسی معمولی دکان سے دو فرانک کو خریدا گیا تھا دوسری صبح پھر لا کر وہیں رکھدیا جاتا ہے۔ تاکہ کسی اور شخص سے اسکے لئے پچاس فرانک وصول کئے جائیں۔

"ایسا اور مشہور ہتھکنڈا یہ ہے۔

"علی الصباح کوئی شخص زور سے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو تم اپنی محبوبہ کے گھر سے خواب سے بیدار ہوتے ہو۔ ایک نوکرانی ایک کاغذ کا پرزہ دیکر

اپنی مالکہ کو لا دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ایک شخص اُس کا جواب ابھی مانگتا ہے۔ صاحب خانم کہتی ہے "کیسے افسوس کی بات ہے وہ کیسے شخص ہیں جو اس وقت میں آ رہا ہے۔ اس سے پوچھو کہ وہ ایک دن کے بعد نہیں آ سکتا؟" نوکرانی لوٹ کر جاتی ہے اور تھوڑی دیر میں یہ جواب لاتی ہے کہ وہ کہتا ہے میں آج ہی حساب لے کر جاؤنگا لیڈی بہت پریشان معلوم ہوتی ہے۔ اور تم باوجود اس امر کے اندیشے کے کہ تمہاری بات دخل در معقولات نہ سمجھی جائے۔ اسکی وجہ پوچھتے ہو۔ وہ کہتی ہے موسیو کچھ بڑی بات نہیں ہے تاہم کسقدر پریشانی ہوتی ہے۔ جب تم کسی کام کے لئے آمادہ نہ ہو۔ اور جھپک کر صد فرانک کا بنک نوٹ تمہارے ہاتھ میں دیدیتی ہے۔ جو اس نے لکھا ہوا ہے۔ اور آج واجب الادا ہے۔ اتنے میں لیڈی کو کچھ خیال آتا ہے اور وہ کہتی ہے۔ ٹھیرو میرے پاس پچاس فرانک ہیں۔ اس شخص کو بولو کہ یہ رقم علے الحساب لے جائے۔ اور باقی کے لئے کل صبح آ جائے۔ نوکرانی اسی طرح کرتی ہے۔ اور واپس آکر کہتی ہے کہ کوئی بات نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے یا تو کل رقم مل جائیگی ورنہ نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ شاید تم نہیں دیکھ سکتے کہ خوبصورت لیڈی اس قدر پریشان کیوں رہے۔ تم فوراً اپنی گرہ سے نوٹ دینے کی تجویز پیش کرتے ہو۔ اور وہ بڑے تامل اور انکار کے بعد آخر اس رقم کو شکریہ کے ساتھ تمہاری فیاضی کی تعریف کرتے ہوئے قبول کر لیتی ہے۔

ایک اور خوبصورت بالاخانہ میں تمہارا داخلہ ہوتا ہے۔ وہاں کئی نوجوان بیٹھے ہوئے پاتے ہو۔ اور وہ ایسی ہوشیار ہوتی ہے کہ فوراً تاڑ جاتی ہے کہ مسافر اور سادہ لوح ان میں سے کون شخص ہے۔ اُسکے کندھوں پر خوبصورت کشمیری شال ہوتی ہے۔ وہ اس نوجوان کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ تم ذرا میری شال اُتار کر پڑوس کے کمرے میں [illegible] آؤ گے؟ [illegible] کپڑے رکھنے کا [illegible] ان کے [illegible] ہیں۔ اور [illegible] دیکھتا ہے [illegible]

عورت کی ایسی درخواست کو یورپ میں نامنظور کرنا بدتہذیبی میں داخل ہے اس لئے نوجوان جھٹ وہ شال لے کر کلوک روم میں جمع کرا آتا ہے۔ اور لیڈی کو ٹکٹ دینا چاہتا ہے۔ مگر وہ کہتی ہے کہ نہیں ایسے اپنے پاس رکھو مجھ سے کھو جائیگا اور سوائے اسکے میرے پاس جیب بھی نہیں ہے۔ کچھ دیر کے بعد جب سب لوگ رخصت ہونے لگتے ہیں۔ اور وہ لیڈی اپنی شال مانگتی ہے تو نوجوان کلوک روم سے ایک بہت پورانا سا لکڑا شال کا لے آتا ہے جسے دیکھ کر وہ شور مچانے لگتی ہے کہ یہ تو ہرگز میری شال نہیں ہے۔ سب لوگ بھی تعجب کرتے ہیں۔ اجنبی نوجوان اپنے آپ کو عجیب حالت میں پاتا ہے۔ اور طوعاً کرہاً وہ شال کی قیمت ادا کر دینا چاہتا ہے۔ جو دو سکنڈ کے تامل کے بعد منظور کر لی جاتی ہے۔ اصلی شال اس لیڈی کا کوئی سازدار کلوک روم کے ملازم سے ساز باز کر کے بدل دیتا ہے"۔

یہ اور اسی قسم کے کئی فریب پیرس اور یوروپ کے اور کئی بڑے بڑے شہروں میں اکثر عورتوں کی چالاکی سے ہوتے رہتے ہیں۔

موت کا قہوہ باوجودیکہ اہل پیرس کی تفریح کے لئے بہت سے تھیٹر میوزک ہال اور ڈانسنگ ہال علاوہ سینکڑوں کافی شاپوں کے موجود ہیں۔ لیکن اہل پیرس کی تفریح اور دلبستگی صرف عیش و عشرت کے سامانوں اور ناچ رنگ تک محدود نہیں۔ بلکہ اُن میں عجائبات اور نرالی باتوں کے دیکھنے کا شوق اس حد تک ترقی کر گیا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اچنبا کی تلاش میں رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے ایسے ڈراؤنے نظارے لوگوں کو کھینچنے کے واسطے اختراع کئے جاتے ہیں کہ جن سے بجائے تفریح کے سنگینی اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مقامات کو کیباریٹ کہتے ہیں۔ ان میں کیباریٹ ڈونیانٹ" یعنے موت کا قہوہ سب سے مشہور ہے۔ اس مکان کے دروازہ پر سیاہ پردہ لٹکا رہتا ہے جو ماتم کی علامت ہے۔ اور جب اندر داخل ہوتے ہیں تو تمام دیواریں

اور چھت سیاہ کپڑے سے منڈھا ہوا نظر آتا ہے۔ بیچ میں چند میزیں تابوتوں کی شکل کی رکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تابوتوں کے گرد بہت سی کرسیاں قرینے سے لگی ہوئی ہیں۔ کمرہ سبز لیمپ کی روشنی سے نہایت بھیانک صورت پیدا کرلیتا ہے۔ کمرہ سے کافور کی بو آتی آتی ہے۔ دماغ پراگندہ ہوتا ہے دیواروں پر انسانی کھوپریاں لٹک رہی ہیں جو اس کمرہ کی آرائش ہے۔ سیاہ پوش ویٹر جو تمہارے لئے شربت وغیرہ لاتا ہے تو تمہارے کان میں آہستہ سے کہتا ہے کہ اس میں ہیضہ کے جراثیم (جو بمنزلہ زہر ہلاہل ہیں) ملے ہوئے ہیں۔ ایک شخص پادریوں کے سے کپڑے پہنے ہوئے آتا ہے۔ اور حاضرین میں سے گذرتا ہوا یہ دعا مانگتا جاتا ہے کہ خدایا یہ سب لوگ یہاں سے جانے سے پہلے مر جائیں جب یہ پہلا کمرہ تماشائیوں سے پُر ہو جاتا ہے تو حاضرین کو ایک گنبد کے نیچے لے جاتے ہیں۔ سامنے سٹیج پر ایک تابوت پڑا ہوا ہوتا ہے۔ ہر شخص سے درخواست کی جاتی ہے کہ اگر تم تابوت میں داخل ہو کر مشت استخوان بنجانا چاہتے ہو تو آؤ۔ اگر حاضرین سے کوئی نہیں اُٹھتا تو موت کے قہوہ والے کسی اپنے آدمی کو تابوت میں داخل کرکے روشن ساحب کی کرنوں یا کسی اور روشنی کے دھوکا سے لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص کو مشت استخوان بنا دیتے ہیں۔ پہلے اس کے کپڑے آہستہ آہستہ اس کے بدن سے غائب ہوتے ہیں۔ پھر گوشت پوست بوسیدہ ہو کر ہڈیوں سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور صرف ہڈیوں کا ڈھیر نظر آنے لگتا ہے کہ دیکھ کر حاضرین کو عجب عبرت ہوتی ہے۔ لیکن پھر تھوڑی دیر میں بتدریج ہڈیوں پر گوشت پوست اور اسپر کپڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور آدمی ہنستا ہوا صندوق سے نکل آتا ہے۔

دوزخ کا قہوہ موت کے قہوہ کے ٹھیک مقابل دوزخ کا قہوہ (لا انفر آسمانی عجائبات (لا یال) اور دنیا کا خاتمہ (لا فین ڈو مونڈ) ہیں۔ دوزخ کے قہوہ خانہ میں ویٹر شیطان کا لباس پہنتے ہیں اور تمام مہمان کو جہنم کے نمونہ پر سجایا

جاتا ہے۔ اور مجالس رقص وسرود جہنمیوں کے پیرایہ میں برپا کی جاتی ہے۔ اسی طرح خیالی طور پر دنیا کے خاتمہ اور آسمانی عجائبات کے قہوہ خانوں کو آراستہ کیا گیا ہے۔ کہ معمولی دل وگردہ کا آدمی تو پہلے پہل انہیں دیکھ کر سہم جائے۔

کیٹے کومب شہر پیرس کا بہت بڑا حصہ نیچے سے کھوکھلا ہے۔ اور مردوں کی ہڈیوں سے بھرا ہوا ہے۔ قدیم اہل روما کے زمانہ میں یہاں سے پتھر کھودا گیا تھا اور سینکڑوں سال تک یہ لمبی چوڑی غار خالی پڑی رہی۔ لیکن اٹھارہویں صدی کے آخر میں جبکہ بعض جگہ مکانات کے بوجھ سے یہ غار گرنے لگی تو نیچے ستون کھڑے کئے گئے اور اسپر سنہ ۱۷۸۶ء میں اہل پیرس کو خیال آیا کہ بعض بڑے بڑے قبرستانوں کو جو شہر کے اندر ہیں حفظان صحت کے خیال سے اٹھا کر ان کی ہڈیاں یہاں بھر دی جائیں۔ صرف سنہ ۱۷۹۲ء اور سنہ ۱۸۱۴ء کے مابین سولہ قبرستانوں کی ہڈیاں یہاں لنبار کی گئیں۔ اسکے بعد فرانس کے انقلاب عظیم میں جو بے شمار آدمی گلوٹین اور دوسرے طریقوں سے مارے گئے ان کی ہڈیاں بھی یہیں پھینکی گئیں۔ لیکن اسوقت تک یہ سب ہڈیاں بلالحاظ کسی ترتیب اور قاعدہ کے بطور انباروں کے پڑی ہوئی تھیں۔ مگر سنہ ۱۸۱۰ء میں انہیں ایک ترتیب سے رکھنے کا انتظام شروع ہوا۔ اس طور پر کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قبرستان سے یہ ہڈیاں لائی گئیں ہیں یا کس جنگ یا فساد میں ان لوگوں کی جانیں تلف ہوئی تھیں۔ اس لمبی چوڑی غار میں ہڈیوں سے مختلف گیلریاں اور قطاریں بنائی گئی ہیں۔ اور شہر کا جو کوچہ اس مقام کے اوپر آباد ہے اسی کے نام سے نیچے کے اس شہر خموشاں کے کوچے نامزد کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں فرانسیسی مزدوروں اور کاریگروں نے ان ہڈیوں کو ایسی ترتیب اور سلیقہ سے سجایا ہے کہ ان سے مختلف ڈیزائنیں اور نقشے بنا دیئے ہیں۔ کہیں صرف کھوپریاں چن دی ہیں۔ صرف ایک گیلری میں اتنے آدمیوں کی ہڈیاں ہیں کہ دنیا کے اور کسی حصہ میں اور کوئی اتنی بڑی قبر نہ ہوگی۔ کہ جس میں اس سے زیادہ آدمیوں کی ہڈیاں آرام کرتی ہوں۔ اور اس لئے اس شہر خموشاں کے اندر گھسنے کے وقت

کس قدر خاموشی اور حزن وملال دیکھنے والوں پر طاری نہ ہوتا ہوگا۔ لیکن دراصل یہ بات درست نہیں۔ ہر مہینہ کے پہلے اور تیسرے ہفتہ کو پیرس کے کیٹاکومب دیکھنے کی اجازت سین کے پریفکٹو رسے ملتی ہے۔ اور جب سب لوگ اکٹھے ایک وقت اس قبر کے منہ میں داخل ہوتے ہیں تو اُن میں سے بعض اجنبیوں پر تو خاموشی طاری ہوتی ہے لیکن زیادہ تر فرانسیسی ہنستے کھیلتے ہوئے ان انسانی ہڈیوں کی چار سے چھ فیٹ تک بلند دیواروں میں سے گذرتے چلتے ہیں۔ گویا کہ کسی میلہ سے گذر رہے ہیں۔ داخلہ کے دروازہ پر پنس یا دو پنس کی موم بتی ہر شخص کو خریدنی پڑتی ہے کہ جسے وہ اندر جاکر روشن کرتا ہے اور اپنے ہاتھ میں لئے پھرتا ہے۔ اس مجمع کے ہمراہ کچھ فرانسیسی سپاہی بھی چلتے ہیں۔ اور کئی جگہ راستہ میں مزدور ہڈیوں کو چنتے اور سینتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ مزدور بھی ان ہڈیوں کو ایسی بے پرواہی سے چھلتے اور چھنتے ہیں کہ گویا وہ لکڑیاں یا پتھر چن رہے ہیں۔ اس شہر خموشاں کی سیر کرکے دوسری طرف باہر نکلتے ہیں تو سامنے بہت سے لڑکے اور فقیر جمع ہوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ لڑکے تو پیسے مانگتے ہیں۔ منگے اپاہج اور بوڑھی عورتیں اور مرد تم سے اُن موم بتیوں کے ٹکڑے مانگتے ہیں جو باقی بچے ہیں۔ کیونکہ فرانس میں موم بتی بہت مہنگی چیز ہے۔ اور سلطنت فرانس کے اجارہ میں ہے۔ اور یہ لوگ اتنی بتیاں کے سرے روشنی کے لئے جمع کر لے جاتے ہیں جو انہیں کیٹاکومب کی سیر کے اگلے دن تک کافی ہوں۔

پیرس میں ٹپ جیسا کہ میں ویانا اور برلن کے بیان میں لکھ چکا ہوں ہوٹلوں کے خدمتگار و نوکر صرف کام کرنے کی اجازت حاصل کرسکنے کے لئے مالکوں کو کچھ اپنی گرہ سے دینا پڑتا ہے۔ یہی حال پیرس کا ہے اور ہر صبح ویٹروں کو کام شروع کرنے سے پہلے مقررہ رقم ہوٹل یا ریسٹوران کے مالک کو ادا کر دینی پڑتی ہے۔ تب وہ اُس کے یہاں مفت کی خدمت پر مامور ہو سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک زمانہ میں "کافی ڈو لا پے" اسی آمدنی سے اپنے کرایہ کی سنگین رقم ادا کیا کرتا تھا۔ اس لئے ہر شخص جانتا ہے کہ پیرس کے ہر ریسٹوران اور ہوٹل میں

جو ویٹر تمہارے سامنے کھانا وغیرہ لاکر رکھتا ہے اُسے اُس کی خدمت کا معاوضہ تمہارے سوا
اور کہیں سے نہیں ملیگا۔ گویا ٹپ جسکا مطلب "بخشیش" کا ہے ایسے پیرس کے مزدور
اور خدمتگار اپنا حق سمجھنے لگے ہیں جیسے کہ تم کسی کیب گاڑی پر سوار ہوتے ہو تو گاڑیبان
کو علاوہ مقررہ کرایہ کے جو گھنٹہ اور کورس کے لئے بترتیب پانچ پنس واڑھائی پنس ملنا
چاہئے۔ اگر گاڑی والا تمہیں کسی وجہ سے دق کرے تو تم اُسے صرف یہی کہدو کہ قریب
کی پولیس کی چوکی میں پہنچکر تمہیں کرایہ دیا جائیگا۔ اس سے وہ بہت چپکا ہو جائیگا۔ کیونکہ قانوناً
اُسے لازم تھا کہ تمہارے سوار ہوتے ہی تمہیں ایک چھپا ہوا ہدایت کا پرچہ دیتا۔ جو وہ
عموماً دینا بھول جاتا ہے۔ کیونکہ یہ زیادہ اُسکے حق میں نہیں ہوتا۔ اور اس پرچے کے نہ
دینے کی صورت میں پولیس اسے سخت جرمانہ کرتی ہے۔ ہر دفعہ کسی رستوران میں شربت
کا گلاس پینے کے بعد قیمت کے علاوہ ایک پینی ویٹر کا حق ہو گیا۔ لیکن اگر چٹھی لکھنے
کا کاغذ یا لفافہ تمہیں درکار ہو تو یہ مفت بہم پہنچانا اُس کا فرض ہے۔ بلکہ اگر کوئی
اشیاء تم مانگو اور وہ موجود نہ ہو تو خواہ اُسے خریدنا بھی پڑے اُسے تمہیں لاکر دینا چاہئے۔
ریفریشمنٹ کی قیمت ادا کرنے کے بعد فوراً برتن اُٹھوا دو۔ ورنہ تمہیں دوبارہ قیمت
دینی پڑ جائیگی۔ کھانے پر عموماً دو پنس ہر شخص کو ویٹر کو دینے مناسب ہیں۔ اور جب
دو فرانک سے کھانے کی قیمت زیادہ ہو۔ تو ایک پنس فی فرانک دینا مناسب
ہے۔ اگر ویٹر کو یقین ہو جائے کہ تم ہر روز اُسے اسقدر ٹپ دیتے ہو تو وہ تمہارے
لئے گوشت کا اچھا ٹکڑا لائیگا۔ اور تمہارے حکم کی ضرورت سے اچھی تعمیل کریگا۔

مشروبات کی قیمت پیرس کے بعض رستورانوں میں یہ بہت اچھا دستور ہے کہ وہاں
سے جو پینے کی چیز مثل شربت یا چائے وغیرہ کے طلب کی جائے۔ اسکی قیمت دریافت
نہیں کرنی پڑتی۔ ویٹر اس گلاس یا پیالہ کو ایک ایسی چینی کے ساسر (رکابی) میں
رکھ کر لاتا ہے کہ جس میں بیس یا تیس یا چالیس یا پچاس کا ہندسہ چھپا ہوا ہوتا ہے
اور اسے دیکھکر پینے والا خود سمجھ لیتے ہی منظم قیمت ادا کر دیتا ہے۔ بعض اعلےٰ درجہ
کے رستورانوں میں کھانے اور پینے کے سامان میں نفاست کو بہت بڑھا دیا گیا ہے۔

بجائے ٹھنڈے پانی کے برف کی بوتلیں جمائی جاتی ہیں جو سوائے اس جگہ کے پینے کہیں نہیں دیکھیں۔

پیرس کی صفائی یوروپ میں چونکہ لوگ عموماً رات کو دیر سے سوتے ہیں اس لئے صبح بھی دیر کرکے اُٹھتے ہیں۔ لیکن یہاں کی ایک جماعت کہ جس کے ذمہ ان شہروں کی صفائی ہوتی ہے وہ ضرور سویرے جاگ کر صفائی کے کام میں مصروف ہو جاتی ہے۔ خصوصاً پیرس صفائی کے لحاظ سے سب شہروں میں ایک نمونہ ہے پیرس کے سب مکانات کئی کئی منزل کے ہیں۔ اور عموماً یہ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان میں سے بڑے بڑے گھر دس بیس تیس تیس کرایہ دار رہتے ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کے پاس کئی کئی کمرے ہوتے ہیں۔ ان گھروں کے وسط میں ایک صحن ہوتا ہے اور اس کے چاروں طرف سر بفلک مکان چلے جاتے ہیں۔ ساڑھے نو اور دس بجے شام کے درمیان ان سب مکانوں کا دن بھر کا کوڑا کرکٹ جمع کرکے نیچے صحن میں اُن آہنی ٹوکروں میں لاکر ڈالا جاتا ہے جو اسی غرض سے رکھے رہتے ہیں۔ چونکہ بطور قاعدہ کلیہ کے پیرس کے سب لوگ دوپہر کا کھانا ایک بجے اور شام کا سات بجے کھاتے ہیں۔ اس لئے نو دس بجے کے درمیان سب گھروں سے کوڑا جمع کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ ان سب گھروں میں ایک عورت یا مرد جسکا کونسی آرژ کے نام سے نوکر ہوتا ہے۔ عموماً یہ کام عورتیں کرتی ہیں۔ کونسی ارژ کا فرض یہ ہوتا ہے کہ اس مکان کے متعلق کرایہ داروں کے لئے چھٹیاں اور پیغام لے رکھے۔ شاہ بلوط کی لکڑی کی سیڑھیوں کو زمین سے آخری منزل تک مل مل کر چمکائے رکھے۔ اور ہر روز صحن کو گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دھوئے اور جھاڑ کر صاف رکھے۔ کونسی ارژ عموماً سب سے پہلے صبح کے پانچ بجے اُٹھ کر کوڑے کی گاڑی والوں کو کوڑا الٹ کر دیا کرتے ہیں۔ ان گاڑی والوں کے پیچھے سڑکوں کو جھاڑنے اور دھونے والے لوگوں کی ایک جماعت ہوتی ہے جو نظاہر اتنی گرمجوشی سے کام جلد ختم کرنا چاہتی ہے تاکہ لوگوں کے بکثرت بازاروں

میں نکل آنے سے پہلے کام ختم ہو جائے چھڑکاؤ کا طریقہ خصوصاً دلچسپ ہے
واٹر ورکس کے نلکوں کا پانی ایک قسم کے ٹاٹ کے نلکوں کے ذریعے سڑکوں
پر دور دور تک چھڑکا جاتا ہے۔ اس ہوس کے نلکے کے نیچے
ایسے لوہے کے کوے لگے ہوتے ہیں جو پھوہار کا کام دیتے ہیں۔ غرض سات
بجے صبح تک سر تا پا پیرس کی گلیوں کی اہل پیرس کے محاورے میں کنگھی چوٹی
ہو چکتی ہے۔

ہندوستان میں مروج ہونے کے لائق پیشے اور حرفتیں

بدست آہنگ تفتہ کردن خمیر
بہ از دست بندی بہ پیش امیر
(سعدی)

میں نے پیرس سے ایک خط میں اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ میں نمائش پیرس میں اور اس کے باہر دیکھ رہا ہوں کہ کون کون سی چیزیں اور پیشے کم استطاعت ہندوستانیوں کے لئے مفید ہو سکتے ہیں کہ جو پانچ پانچ روپے کی نوکری کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور کامیاب نہیں ہوتے۔ چنانچہ پیشے بیادہ میں چند نوٹ کرتے گئے تھے۔ اور انہیں ان اوراق میں شائع کرنے کا ارادہ تھا کہ اتفاقاً مجھے معلوم ہوا کہ مہاراجہ صاحب بڑودہ کے ٹکنیکل سکول کے پرنسپل صاحب صرف اس غرض سے سرکاری خرچ پر نمائش پیرس میں بھیجے گئے تھے کہ وہ اس نمائش کو دیکھ کر اپنی ریاست کو مشورہ دیں کہ کون کون سے ایسے پیشے عام لوگ اختیار کر سکتے ہیں کہ جن میں ہمارے ملک کا خام مصالح خرچ ہوتا ہے اور جن کے سیکھنے میں بہت وقت اور محنت صرف نہیں ہوتی۔ چنانچہ مسٹر ایم سی ویسائی۔ بی۔ ایس۔ سی نے جو رپورٹ نمائش پیرس سے واپس آ کر اس غرض سے لکھی ہے۔ اس میں وہ مندرجہ ذیل پندرہ خانگی دستکاریوں اور آٹھ بڑی حرفتوں کے اپنی ریاست میں داخل کرنے کی صلاح دیتے ہیں۔ میں پہلے انہیں کی تجاویز کو پیش کرتا ہوں۔

اوّل خانگی دستکاریاں کہ جنکو ہر شخص اپنے گھر میں سہولیت سے بلا کسی بڑی

مشین یا سرمایہ کی مدد کے اپنی دستی محنت سے چلا سکتا ہے اور کنبہ کے دوسرے ممبروں سے مدد لے سکتا ہے یہ ہیں:-

(۱) سادہ کپڑا بننا (۲) قالین بننا (۳) ٹیپسٹری بننا (۴) غالیچہ بننا (۵) بٹن بنانا (۶) لیس بنانا (۷) زردوزی (۸) ریشمی فیتے بننا (۹) کراچیٹ ورک (کروشیا) (۱۰) برش بنانا (۱۱) بید اور بانس کا فینسی ورک (۱۲) چمڑے پر ٹھپا لگانا اور ابھارنا (۱۳) لکڑی کھودنا (۱۴) نگلگوری (۱۵) پائروگرافی یا لکڑی پر جلا کر نقش کرنا۔

دوسرا اور دوسری قسم کی بڑی بڑی حرفتیں کہ جنکے وسیع پیمانہ پر چلانے سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ اور تھوڑے سرمایہ سے نقصان کا اندیشہ ہے یہ ہیں۔

(۱) ٹب بنانا (۲) دیا سلائی کی ڈبیاں معہ دیا سلائی بنانا (۳) چمڑے کی دباغت (۴) شکر بنانا (۵) کاغذ بنانا (۶) شیشہ بنانا (۷) موم بتی بنانا (۸) صابن بنانا۔

ولایتی صابون | مندرجہ بالا رائے ایک پیشہ ور واقف کار اور عالم شخص کی ہے اسلئے میرا اس میں دخل دینا مناسب نہیں۔ البتہ میرے خیال میں دوسری قسم کی حرفتوں میں سے ٹب بنانا اور صابن بنانا بھی پہلی قسم کی دستکاریوں میں داخل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ ان میں تھوڑا سا سرمایہ لگا دیا جاوے۔ ہر چند کہ ہندوستان کے کئی شہروں میں مثل لاہور، بمبئی، میرٹھ اور کانپور وغیرہ کے صابن بنتا ہے۔ لیکن ابھی اسکی بڑی ضرورت ہے۔ اور تھوڑا تھوڑا صابن بنانے والے بہت روپیہ نہ کما سکیں لیکن بڑے سرمایہ کے کارخانوں کے لیئے ابھی اس کام میں بڑی دولت ہے۔ اسکے اجزا تیل اور سجی یا سوڈا اور پوٹاش سب بکثرت ہندوستان میں ملتے ہیں۔ پھر ولایتی صابنوں کے لیئے لاکھوں روپیہ سالانہ کیوں ہندوستان سے باہر جانے دیا جاتا ہے۔ یوروپ میں صابن سب سے زیادہ بکنے والی چیز ہے۔ صابن سے زیادہ انگلستان اور امریکہ میں کسی چیز کا اشتہار نہیں دیا جاتا۔ لیکن صابن بنانا یہ لوگ خوب جانتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ زیادہ مشق سے یہاں کے لوگوں کو بھی اچھے صابن بنانے کا ڈھنگ آ جائیگا۔ اور دوسری قسم کی حرفتوں میں پنسل بنانا بڑھایا جاوے۔

نب بنانا نب بنانے کی جو مشین میں نے نمائش میں دیکھی تھی - وہی مسٹر دیسائی نے دیکھا۔ اس کی قیمت دریافت کی تو چھ سو روپیہ معلوم ہوا - یہ مشین بہت سہل قسم کی ہے - لیکن نب بنانے کے لئے پہلے لوہے کے پتروں میں خاص لچک پیدا کرنی چاہئے - مسٹر دیسائی کی رائے میں پیتل کے بھی ویسے ہی نب بن سکتے ہیں - یہ سب کام تجربہ اور مشق کے سامنے سیدھے ہو جائیں گے - باقی چھ حرفوں کی نسبت میں یہاں کچھ نہیں کہنا چاہتا - کیونکہ وہ بڑے سرمایہ سے چل سکتی ہیں - باقی رہیں سہل قسم کی پندرہ دستکاریاں - ان میں سے ۱ - ۵ - ۶ - ۸ - ۱۰ اور ۱۴ میری فہرست میں بھی داخل تھے - اور ان کے علاوہ جو دستکاریاں میں نے تجویز کی تھیں اُن کی فہرست حسب ذیل ہے -

(۱) سویاں اور پنیں بنانا (۲) سگرٹ بنانا (۳) جرابیں بنانا (۴) بنیان بنانا (۵) گلوبند بُننا (۶) کارک نکالنے کے سکرو بنانا (۷) انگریزی سیاہی بنانا - (۸) برقی کال بل اور باٹریاں بنانا (۹) جوتے سیاہ کرنے کی سیاہی بنانا (۱۰) ربر کی مہریں بنانا (۱۱) گلٹ کرنا (۱۲) تالے بنانا (۱۳) شیشوں (کانچ) پر نام کھودنا (۱۴) لکڑی کا وارنش (۱۵) چھاپنے کی سیاہی (۱۶) کنڈر گارٹن کا سامان (۱۷) اچار چٹنیاں بنانا (۱۸) میوے پر بزرو کرنا (۱۹) شیشے قلعی کرنا و گلٹ کرنا (۲۰) دانت بنانا (۲۱) عمدہ تخم محفوظ رکھنا (۲۲) کھاد بنانا (۲۳) بطخوں اور مرغیوں کے پروں کے تکئے (۲۴) مرغیوں کے انڈے (۲۵) رسے بٹنے کی مشین - تاگے کی گولیاں (۲۶) پردے چھاپنا (۲۷) کپڑے کے پھول بنانا (۲۸) گیہوں کے ڈنٹھلوں سے فینسی ٹوکریاں (۲۹) سٹیشنری (۳۰) لفافے بنانا (۳۱) کاپی لینے کی ربڑ پریس (۳۲) اشتہارات اور پوسٹر لگانا (۳۳) اخبارات کے خریدار پیدا کرنا اور کتابیں سبسکرپشن کے طریقہ پر بیچنا (۳۴) عینکیں بیچنا اور مصنوعی آنکھیں لگانا (۳۵) دیسی کپڑے کی دکانیں (۳۶) سن وغیرہ (۳۷) سوت کی گولیاں (۳۸) کھلونے - (۳۹) لکڑی کے خلال بنانا (۴۰) بلا چمنی کا بے دود لیمپ (۴۱) سادہ کپڑا بُننا -

(۴۲) بٹن بنانا (۴۳) لیس بنانا (۴۴) فیتے بُننا (۴۵) بُرش بنانا (۴۶) گلگوٹی -
اب ان میں سے ہر ایک کے متعلق میں کچھ اشارات لکھتا ہوں جن سے غرض صرف اس طرف توجہ دلانے کی ہے نہ کوئی مکمل ہدایات دینا مقصود ہے -

(۱) سوباں اور سوئیاں - پیرس نمائش میں ایک مشین سوباں بنانے کی دیکھی تھی جس کی قیمت بھی زیادہ نہ تھی - سوئیوں کی کھپت کی کچھ فکر نہیں - البتہ یہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ سوئی کے لئے لوہے کی تار میں ایک خاص درجہ تک لچک ہونی چاہیئے جو ناواقف نہیں جانتا مگر تجربہ سکھلا دیگا -

(۲) سگرٹ بنانا - سگرٹ بنانے کی چھوٹی چھوٹی مشینیں بھی میں نے دیکھی ہیں - جو دس بیس روپیہ کی ہونگی - ان کا کام صرف کٹے ہوئے تمباکو کے گرد باریک کاغذ لپیٹ دینا ہوتا ہے - یہ کام مصر میں بہت لڑکے ہاتھ سے کرتے دیکھے ہیں اس لئے بلا اس مشین کے بھی ہو سکتا ہے - مصری سگرٹ میں مصر میں بھی ٹرکی کا تمباکو استعمال ہوتا ہے مگر چونکہ سگرٹ مصر سے باہر بھیجنے میں ان پر چار شلنگ فی کیلو محصول لگتا ہے - اس لئے اگر کوئی شخص کچھ روپیہ خرچ کر کے ٹرکی سے تمباکو منگوائے - اور ہندوستان میں اس سے سگرٹ بنوائے تو فائدہ میں رہیگا - اب بھی بمبئی میں بعض کارخانے ایسا کرتے ہیں -

(۳) جورابیں بنانا - اس وقت لاہور میں اور ہندوستان کے کئی دوسرے حصوں میں جورابوں کی مشینیں جورابیں بنانے میں مصروف ہیں - لاہور میں بہت لوگ اب انہیں کی بنی ہوئی جورابیں پہنتے ہیں - کیونکہ یہ ولایتی جورابوں سے بہت مضبوط ہوتی ہیں - ایک صاحب جو اس کام سے خوب واقف ہیں دعوے سے کہتے ہیں کہ ایک ہوشیار آدمی یا لڑکا ایک روپیہ روزانہ اس کام سے کما سکتا ہے مشین کم و بیش سو روپیہ کی ہوتی ہے جورابیں کثرت سے ہندوستان میں آتی ہیں -

(۴) بنیان بنانا - بنیان بنانے کی مشین میں نے قسطنطنیہ میں کام کرتے دیکھی ہے - جورابوں کی مشین کے اصول پر ہوتی ہے - مگر اس سے بڑی - ابھی تک یہ مشین

ہندوستان میں منگوائی نہیں گئی۔ مگر میں نہیں جانتا اس میں کیوں کامیابی نہ ہوگی۔ بیشک شائد اتنے سستے بنیان نہیں بنا سکیگی جو اب آسٹریا اور جرمنی سے آتے ہیں۔ لیکن اُن سے بہت مضبوط بھی تو بنائے گی۔

(۵) گلوبند بنانا سستے رنگین گلوبند جو عام لوگ پہنتے ہیں۔ لاکھوں روپے کے ہندوستان میں جرمنی سے آتے ہیں۔ اوران کی مشین بھی بیننے دیکھی ہے چھوٹی سی ہے۔ گو میں نے اس کی قیمت نہیں دریافت کی تھی۔ مگر بہت گراں نہ ہوگی۔

(۶) کارک سکریو کی مشین میں نمائش پیرس کے ذکر میں اس مشین کا قصہ بیان کرچکا ہوں شائد سات آٹھ سو روپیہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ مگر ایک منٹ میں پانچ چھ بوتل سے کارک نکالنے کے سکریو بنا دیتی ہے جنکے دستے لکڑی کے علیحدہ بنتے ہوتے ہیں۔ یہ صرف ایک لوہے کی تار کو دوہرا کرکے تیار بنا دیتی ہے۔ اور ضرور فائدہ کی چیز ہے۔

(۷) انگریزی سیاہی بنانا میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ ہندوستان میں صرف سیاہی کئی لاکھ روپیہ سالانہ کی خرچ ہوتی ہے۔ سرکاری دفاتر میں انگریزی سیاہی عموماً ولایت سے آئی ہوئی استعمال کی جاتی ہے۔ انگریزی سیاہی کے نسخے کئی کتابوں سے مل سکتے ہیں۔ بنانے سے تجربہ اور مشق کے ساتھ جو لوگ اچھی سیاہی بنانے لگینگے اُنہیں کچہری دفتروں اور نیز سکول کے طالب علموں وغیرہ کے کام جہانگی توجہ شرط ہے۔ سیاہی کے مصالحے سب دیسی ہیں۔ اور کثرت سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کاپی کرنے کی سیاہی اور رنگین روشنایاں بھی ہوں۔ کارخانہ پیسہ اخبار میں مختلف روشنائیوں کے نسخوں کی ایک کتاب حال میں شائع ہوئی ہے۔

(۸) برقی کال بل باٹری بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ ذرہ سی توجہ سے ہر ایک نوشت خواندہ آدمی ایک معمولی خشک یا تر باٹری بنا سکتا ہے اور کال بل کا اگر لکڑی اور پیتل کا کام خود بنالے یا بنوالے اور ریشم لپٹی ہوئی تار ولایتی بنی ہوئی خرید

تو ایک قیمتی آلہ بن سکتا ہے۔

(۹) جوتا سیاہ کرنے کی سیاہی ہزاروں روپے کی یہ سیاہی ولایت سے آتی ہے۔ اسکے بھی نسخے کتابوں میں بہت ملتے ہیں۔ ویسے سب کام کچھ توجہ کچھ محنت کچھ تجربے کے محتاج ہیں۔ میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ انگلستان کے ایک مشہور بوٹ کی سیاہی بنانے والا کارخانہ جواب لاکھوں روپے سالانہ کی بوٹ کی سیاہی بیچتا ہے اس کے مالک نے ایک پیاسے سپاہی کو ٹھنڈا پانی پلایا تھا جس کی شکرگذاری میں سپاہی نے وہ نسخہ سیاہی کا اُسے دیدیا جس سے وہ لاکھوں روپے کما رہا ہے یہ بھی اُن چیزوں میں سے ہے کہ جنپر خرچ بہت کم ہوتا ہے۔

(۱۰) ربر کی مہریں یہ بہت سہل کام ہے۔ ہندوستان میں پہلے بھی کئی لوگ بناتے ہیں لیکن ابھی سیانے اور دیانت دار نوجوان کے لئے اس میں وئی بہت ہے کیسی قیمتی مشین کے خریدنے کی ضرورت نہیں۔ مصالحہ ولایتی ملتا ہے وہ کسی جاننے والے سے دو چار روز میں طریقہ سیکھا جا سکتا ہے۔

(۱۱) گلٹ کرنا میں نے امریکہ کی ایک مشین گلٹ کرنے دیکھی ہے جس میں چاندی سونا وغیرہ کی بجائے خاص خاص دھاتیں استعمال کی جاتی تھیں۔ بہت تھوڑے خرچ میں ہر شخص صرف ایک دفعہ دیکھکر گلٹ کرنے لگے گا مشین دوسو روپیہ کی ہوگی۔ اس مشین کے سوا بھی گلٹ ہو سکتا ہے۔

(۱۲) تاگے بُننا جولوہار یا کوئی دوسرا سمجھدار شخص تالوں میں بہت سے ہیوڑ ڈالنے میں اپنی طبیعت کو لڑا سکے۔ اُسکے لئے اس کام میں بہت روپیہ پڑا ہے۔ اور کوشش کے ساتھ ولایت جیسے اعلیٰ قسم کے تالے بن سکتے ہیں۔

(۱۳) شیشوں پر نام کھودنا کلیسج کے شیشوں پر بعض کھودنے والے تیزابوں سے لکھنے سے شیشے کی سطح کھد جاتی ہے۔ اور جب اِس شیشے کے نیچے قلعی چڑھی ہوئی ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کھودی ہوئی جگہ میں چاندی بھر دی گئی ہے میں نے ایک دو شخصوں کو یہ کام کرتے دیکھا ہے۔ بہت منافع کا کام ہے۔

(۱۴) وارنش۔ اگر کوئی شخص مختلف قسم کی وارنشیں لکڑی اور لوہے وغیرہ پر لگانے کے لئے اچھی طرح بنا سکے تو یقیناً اُس کا تیار کیا ہوا مال بکتا رہے گا۔ ولایت میں مختلف قسم کے رنگ وارنشوں میں ملا کر لاکھوں روپیہ کے بکتے ہیں۔ اور لوگ انہیں فرنیچر وغیرہ رنگنے میں استعمال کرتے ہیں۔

(۱۵) چھاپنے کی سیاہی۔ اگر کوئی شخص بڑی احتیاط سے پتھر پر چھاپنے کی سیاہی بنانے لگے تو سب مطابع والے اُسی سے خریدیں۔ کیونکہ ولایت کی سیاہی گراں بہت ہوتی ہے۔ مگر یہ اُس سے ارزاں اور ویسی ہی اچھی ہوگی۔ اصلی ذودہ حاصل کرنے کا انتظام کرے جو باوجود تلاش کے بھی مشکل سے ملتا ہے۔

(۱۶) کنڈرگارٹن۔ گو کرکٹ بیٹ اور بیڈمنٹن وغیرہ انگریزی کھیلوں کا سامان اب سیالکوٹ وغیرہ مقامات میں بہت اچھا بنتا ہے۔ لیکن مدارس کے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے کنڈرگارٹن یعنی حدیقۃ الصبیان اور آبجکٹ لیسن یعنی اسباق الاشیا کا سامان بنانے اور بہم پہنچانے میں بھی کئی شخص مصروف ہو سکتے ہیں۔ لکڑی اور کاغذ کے مقووں سے اس غرض کے لئے کئی چیزیں بن سکتی ہیں۔

(۱۷) اچار چٹنیاں وغیرہ۔ یوروپ سے لاکھوں روپے کی چٹنی اور اچار مربے ہندوستان میں آتے ہیں۔ ہندوستانی چٹنی کے نام سے کئی چٹنیاں انگلستان اور دیگر ممالک میں بنتی ہیں۔ بعض چٹنی اور اچار مربے کے کارخانوں نے میلوں میں اپنے میوہ جات کے باغات لگا رکھے ہیں۔ ہندوستان میں بھی دہلی کٹھمنڈو اس وغیرہ مقامات میں بعض لوگ اچار اور چٹنیاں بناتے ہیں اور ہندوستانیوں اور انگریزوں میں بکثرت فروخت کرتے ہیں لیکن ابھی اس کام میں بہت لوگوں کی شریفانہ روٹی کما سکنے کی گنجائش ہے۔ البتہ ہندوستانی اور انگریز گاہکوں کے مذاقوں کا الگ الگ خیال رکھنا چاہئے۔ اور سلیقہ کے ساتھ صاف ستھری بوتلوں میں خوشنما لیبل لگا کر بیچنا چاہئے۔

(۱۸) میوے پیرنڈ کرنا۔ پیشہ نہا ئش پیریں کے بہاں میں میوے پیرنڈ کرنے کا ذکر

کیا ہے۔ہندوستان سے لاکھوں روپے سالانہ کے مختلف میوہ جات یوروپ کو جاسکتے ہیں۔جہاں ان سے بہت نفع حاصل ہوسکتا ہے۔جہاں دو آنہ کا ایک شفتالو اور چھ آنہ کا سنگترہ بکتا ہے۔آم اگر بکثرت جاسکے تو بڑے نفع کی چیز ثابت ہوسکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ہندوستان سے یوروپ تک پندرہ سولہ روز کے سمندر کے سفر میں میوجات سڑنے نہ پائیں جس جہاز پر میں گیا تھا اس پر ایک پارسی پانچ چار آموں کے صندوق یورپین دوستوں کو تحائف دینے کے لئے لے گیا تھا۔ہر چند کہ صندوقوں میں چاروں طرف ہوا کے لئے موریاں تھیں تاہم ٹریسٹ میں پہنچکر چند ہی سڑنے سے بچے تھے۔فرانس کی بعض نوآبادیوں سے خاص قسم کے میوجات کے جہازوں کے برفانی کمروں میں پیرس تک آم وغیرہ میوجات سلامت پہنچتے ہیں۔آسٹریلیا سے برف میں دبا ہوا گوشت یوروپ میں بلا سڑنے کے پہنچ جاتا ہے۔مگر اس کے علاوہ کچھ اور تدبیر بھی بعض نازک میوجات کو سلامت پہنچانے کی کرنی چاہئے۔کہتے ہیں کہ شہد یا شیرہ میں اگر آم ڈالا جاوے۔ایسے طور پر کہ بالکل اُس میں چھپ جاوے تو مدت تک تازہ رہتا ہے۔نمائش پیرس میں مجھے کلکتہ کے انڈسٹریل ایسوسی ایشن کے قائم مقام بابو سریندرو ناتھ دت نے یہ دو طریقے نمائش کے لئے میوے تازہ رکھنے اور کھانے کے لئے تازہ رکھنے کے بتلائے تھے۔جو وہ کہتا تھا کہ اُسے بڑی مشکل مگر اتفاق سے ایک امریکن میوجات کے سوداگر نے بتلائے تھے۔(۱) کھانے کے لئے میوے پریزرو کرنے کا طریق یہ ہے جو اہل امریکہ استعمال کرتے ہیں۔پھلوں کا چھلکا اُتار کر اُس کو رس اور پانی اور شکر مساوی الوزن کے شیرہ (قوام) میں ہر چھوٹے سے ٹین میں ایک ثابت پھل مثلاً آم رکھدو۔اسکے بعد ٹین کا ڈھکنا قلعی سے بند کیا جاوے۔تب ایک پلیٹ پر کئی ایسے ڈبے پھلوں کے رکھ کر ایک کھولتے ہوئے پانی کے دیگ میں یہ پلیٹ دو تین منٹ کے لئے ڈالو اور نکال کر اور ٹھہر کے سر کے پر سوئی کے برابر چھید کر دو تو گرم ہوا گھس کر کے نکل جائیگی۔یہ چھید پھر قلعی سے بند کردو۔

تو ایسے ڈبوں میں میوجات دو سال تک نہیں بگڑتے (۲) البتہ نمائش کے لئے میوجات تازہ رکھنے ہوں تو پتلے سلفیورک ایسڈ۔ پانی اور گلیسرین مساوی الوزن میں ڈالدو۔ یہ مدت تک ٹھیک حالت میں رہیں گے۔ مگر کھانے کے کام کے نہ ہونگے سپرٹ میں بھی نمائش کے لئے میوجات تازہ رہ سکتے ہیں۔ بعض جگہ میں نے چھلکے اور گٹھلیاں نکالکر پنیر روکئے ہوئے میوجات دیکھے۔ اِن طریقوں سے نہ صرف غیر ممالک میں بھیجنے کے لئے میوجات تازہ رہ سکتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان میں بھی غیر موسم میں بہت فائدہ سے بک سکتے ہیں۔ فروری گذشتہ میں ایک مریض کے لئے طبیب نے انگور نہایت ضروری بتلائے تھے۔ مگر باوجود تلاش کے بھی ہندوستان کے اکثر شہروں میں نہ ملے۔ بے موسم چیزیں بہت بہت اچھا دام پاسکتی ہیں۔ اسی ضمن میں مجھے ایک اور بات کا ذکر یاد آگیا ہے۔ جو لاہور کے کسی اخبار میں کسی دانشمند شخص نے غریب لوگوں کو ایک پُر نفع تجارت بتلانے کی غرض سے لکھی تھی۔ اس سے اُس کی مراد سرسوں کے ساگ کی تھی۔ اور اس میں شک نہیں کہ کئی کم مایہ لوگ صرف اسی ذرا سی بات سے آسودہ ہو سکتے ہیں۔ سرسوں کے موسم میں اس کی گندلیں بہت ارزاں بکتی ہیں۔ جو شخص دس بیس روپیہ کا یہ ساگ خشک کر کے رکھے گا موسم گذر جانے کے بعد یقیناً یہ خشک کیا ہوا ساگ کم از کم پانچ چھ گنا قیمت پر بیچ سکے گا۔ اسی طرح خشک کئے ہوئے شلجم اور گاجریں بے موسم بہت غنیمت سمجھے جائینگے۔ یہ سطور لکھ چکنے کے بعد معلوم ہوا کہ بمبئی کے کسی لوائزم پارسی نے یوروپ کو آم وغیرہ میوجات خاص قسم کے جہازوں میں بھیجنے شروع کر دئے ہیں۔

(۱۹) شیشے قلعی کرنا — پُرانے دیسی طریقے پر نہیں بلکہ نئے انگریزی گلاس سلورنگ کے عمل سے بڑے بڑے شیشے سہولیت سے قلعی کئے جاتے ہیں۔

(۲۰) دانت بنانا — گو کسی فن میں چابکدستی اور کاریگری حاصل کرنے کے لئے تو مدت درکار ہوتی ہے۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ ایک شخص نے چند روز میں ہی یہ فن ایک دوسرے شخص کو سکھلا دیا تھا جو اب نہایت عمدہ دانت لگاتا ہے۔ اور اس پیشہ سے

معقول آمدنی رکھتا ہے۔ امریکہ میں دانت بنانے کے کام میں بڑی ترقی ہو رہی ہے اور کئی رسالے اس فن کے نکلتے ہیں۔ اور باضابطہ مدرسے جاری ہیں۔

(۲۱) عمدہ تخم محفوظ رکھنا | کون تجربہ کار زمیندار اور باغبان ہے جو اس چھوٹے سے جملہ کی قدر نہیں جانتا۔ مگر افسوس ہے کہ پھر بھی اس پر بہت تھوڑوں کا عمل ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ عمدہ تخم سے عمدہ فصل پیدا ہوگی جیسے کہ اچھے سانڈ کے بچے اچھے ہونگے۔ سرکار نے مہربانی کر کے اچھے سانڈ تو محکمہ افزائش نسل اسپاں کے متعلق بہت سا روپیہ خرچ کر کے جا بجا ملک میں رکھوا دیئے ہیں کیونکہ سرکاری فوجوں کے لئے ہمیشہ گھوڑوں کی ضرورت رہتی ہے۔ لیکن ہندوستان کے اسّی فی صدی زراعت پیشہ آبادی کی بہتری کے لئے اُسے ابھی ملک میں اچھے تخموں کے ڈپو بنانے کا خیال نہیں آیا۔ یوروپ میں دستور ہے کہ بعض لوگ ہر قسم کی تخم ریزی کے غلوں اور ترکاریوں اور میوجات کے عمدہ تخم بہم پہنچانے کا پیشہ رکھتے ہیں۔ انگلستان میں ایک سٹن اینڈ سنز کا کارخانہ نہایت مشہور ہے۔ یہ لوگ نہ صرف دوسرے مقامات سے ہی اچھے تخم منگوا کر بیچتے ہیں کہ جن سے فصل بہت عمدہ پیدا ہو۔ بلکہ خود سینکڑوں ایکڑ اراضی پر مختلف غلوں اور ترکاریوں اور پھولوں کے عمدہ سے عمدہ تخم پیدا کرتے ہیں اور بڑے سے بڑے تخم بہم پہنچانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ لیکن جبکہ لوگ اُن سے گراں قیمت پر تخم لے کر کھیت میں بوتے ہیں تو اس سے فائدہ بھی بہت حاصل ہوتا ہے۔ کون نہیں چاہتا کہ اس کے آلو ایک ایک لوٹے کے برابر ہوں۔ اس لئے وہ تخم فروش کارخانہ سے آلو کا بیج خریدتا ہے جس کا اتنے بڑے آلو پیدا کرنے والا تخم بیچنے کا دعوےٰ ہوتا ہے۔ مجھے بارہا خیال ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بیسیوں ایسے کارخانوں کی ضرورت ہے جو غلوں ترکاریوں پھولوں اور میووں کے عمدہ تخم بہم پہنچائیں۔ ہینگن گھاٹ کی کپاس پنجاب سے دوگنی ڈیوڑھی پیدا ہوتی ہے۔ مصر کی کپاس ہندوستان کی کپاس سے کیا بلحاظ ریشہ کے طوالت اور کیا بلحاظ پیداوار کی زیادتی کے عمدہ ثابت ہوئی ہے۔ بمبئی کے محب الوطن

مرحوم مسٹر ٹاٹا نے اس کپاس کے تجربات کر کے مفید نتائج شائع کئے ہیں۔ امریکہ کی مکی ہندوستان سے بہت اچھی ہوتی ہے بلحاظ مقدار پیداوار کے۔ ایک ایک پودے میں پانچ چھ بھٹے پیدا ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ ٹرنیسوال کی مکی کے دانہ کا حجم اسی کتاب میں بینے نمائش پیرس کی کیفیت میں بتلایا ہے۔ پاگسن صاحب کی کتاب زراعت ہند میں فلسطین کے گیہوں کے تخم کی پیداوار کی بیحد تعریف کی گئی ہے۔ یہ اور اور کئی عجائبات ہر شخص جو ذرا بھی شعور رکھتا ہو اس خاص صیغہ میں دکھلا سکتا ہے۔ بعض چارہ پیدا کرنے والے گھاسوں مثل گنی گھاس اور جریوں مثل سورگم کے تخم بھی رکھنے چاہئیے۔

(۲۲) کھاد بنانا — یہ بھی زراعت کے متعلق ایک ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی ہمارے ملک کے کسان کھاد کی بہت قدر نہیں جانتے۔ ورنہ وہ اُپلے نہ جلایا کریں۔ اور کروڑوں من مویشی کی ہڈیاں جو کھاد کے حق میں اکسیر کا حکم رکھتی ہیں مفت یوروپ کو نہ جانے دیں۔ تاہم کئی معدنی اور نباتاتی ستھری کھادیں۔ اگر کوئی شخص تیار کرنے کا التزام کرے تو کیا سرکاری فارموں اور انگریزوں کے باغات اور کھیتوں میں اور کیا سمجھدار ہندوستانیوں کے کھیتوں اور باغوں میں بک سکتی ہیں۔ گو آج اس میرے اشارے کی قدر نہ ہو۔ مگر ممکن نہیں کہ کچھ مدت کے بعد اسی غرض سے بہت سی دکانیں ہندوستان میں قائم نہ ہو جائیں۔

(۲۳) بطخوں اور مرغیوں کے پروں کے تکئے — گو بگلوں وغیرہ کے قیمتی پر تو اب بھی بہت قیمت سے یوروپ کو بھیجے جاتے کے لئے بکتے ہیں۔ لیکن اُن لاکھوں کروڑوں مرغیوں اور بطخوں کے پروں کی بہت قدر نہیں کی جاتی جو ہندوستان میں کھائی جاتی ہیں۔ کیوں نہ لوگ اُن پروں کو جمع کر کے تکئے بھرا کریں۔ اگر ہندوستانی انکی قدر نہ کرینگے تو انگریز جو آرام کے قدرشناس ہیں اچھی قیمت پر انہیں خرید لینگے۔

(۲۴) مرغیوں کے انڈے اور بچے — مُرغیاں پالنا بھی ایسا سہل کام ہے کہ جس میں نہ بڑا سرمایہ

ل؎ بلکہ آجکل سرکار کی توجہ سے سندھ میں مصری روئی کے کاشت میں بہت کامیابی ہو رہی ہے۔

اور نہ کچھ لیاقت اور محنت درکار ہے۔ مگر اس میں ابھی نفع بہت ہے۔ ہندوستان میں انگریز رہتے ہیں جو مرغی اور انڈے کی اچھی قیمت دینے کو راضی ہیں۔ گو ہندوستانی بھی بہت سے اس نعمت کے قدردان ہیں۔ اگر کوئی شخص زیادہ مُرغیاں بطور تجارت کے پالے تو اُسے بہت منافع کی امید ہو سکتی ہے۔ یہ مال بہت جلد بڑھتا ہے۔ عمدہ یورپین قسموں کی مرغیوں کے انڈے انگریز بہت شوق سے بچے نکالنے کے لئے خریدتے ہیں۔ ایک ایک ٹرکی مرغ بڑے دنوں (کرسمس) میں دس بارہ روپے کو سہل سا بک جاتا ہے۔ اس کام کے کرنے والے کو انڈوں سے بچے نکالنے والی مشین (انکوبیٹر) کو نہیں بھولنا چاہئے۔

(۲۵) رسے بٹنے کی مشین

یہ بہت سادہ مشینیں بان اور رسے بٹنے کی بھی بہت مفید ثابت ہونگی۔ تمام ملک میں بان اور رسے ہر قسم کے استعمال ہوتے ہیں۔ پیکٹ باندھنے کے ڈوریوں سے لیکر بڑے بڑے رسوں تک بنائے جائیں۔

(۲۶) پردے چھاپنا

اضلاع مغربی وشمالی میں بہت اچھے پردے چھپتے ہیں۔ لکھنؤ کے لحافوں اور توشکوں کے ابرے بہت نفیس ہوتے ہیں۔ فرخ آبادی پردوں کی نمائش پیرس میں خاصی بکری ہوتی تھی۔ مگر نوچندی میرٹھ کے میلے پر جیسے چھپے ہوئے دسترخوان میں نے دیکھے تھے کہ جنپر کوئی ایک موزون شعر چھپے ہوئے تھے ہر ایک شریف اور خواندہ ہندوستانی ایسے دسترخوان کو پسند کریگا۔ پھر ابروں اور چھینٹوں پر اچھے اچھے پرمطلب شعر چھاپے جائیں تو یقیناً بامذاق لوگ مانچسٹر کی چھینٹوں پر انہیں ترجیح دینے لگیں گے۔

(۲۷) کپڑے کے پھول بنانا
(۲۸) گیہوں کے ڈنٹھلوں سے فینسی ٹوکریاں

میں انکی کیفیت نمائش پیرس کے حالات میں کافی لکھ چکا ہوں۔ اس مصالح سے جو معمولی بھدی سی ٹوکریاں بنتی ہیں انکی انگریزوں میں خاص قدر ہے۔ بعض میمیں انہیں ورک باسکٹ کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یوروپ اور امریکہ میں کئی قسم کے گھاسوں سے ایسی ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں سٹرہیٹ (ٹوپی) انگلستان اور دیگر بلاد یوروپ میں جس

ڈنٹھل کی بنتی ہے وہ میں نے سُنا ہے کہ ہندوستان کے گیہوں کے ڈنٹھل سے نرم اور نازک ہوتا ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اچھی دستکاری سے اس سے بھی ویسا ہی کام بن سکتا ہے۔ اور ہر ایک دیہاتن غریب عورت اور لڑکی بھی ایسے کر سکتی ہے۔ اسی طرح کاغذ کی کترن سے فینسی ٹوکریاں بن سکتی ہیں جسے یورپین اور ہندوستانی یکساں پسند کرینگے۔

(۲۹) سٹیشنری — میں سیاہی کی کیفیت پہلے بیان کر چکا ہوں سٹیشنری کے باقی اجزا کے متعلق بڑا میدان خالی ہے بلاٹینگ پیڈ۔ کاغذ فائل کرنے کی تاریں گوندوانیاں سیکیلی ٹن فائل۔ رولر۔ قلموں کے ہولڈر۔ پیپر ویٹ۔ ٹیگ وغیرہ وغیرہ چیزیں کسی قدر ذہانت سے تیار کر کے بہم پہنچانی چاہیئے۔ جو لوگ ادھر توجہ کریں گے بشرطیکہ اُنکی طبیعت اس میں لڑتی ہو کئی چیزیں ایسی وضع کر سکیں گے کہ جنہیں لوگ پسند کرینگے۔

(۳۰) لفافے بنانا — لفافے بنانا بھی سٹیشنری کا ایک جزو ہے۔ لفافے بنانے کی مشین جو میں نے دیانا میں دیکھی ہے وہ دو حصوں پر مشتمل تھی جنپر چھ سات سو روپیہ خرچ ہوگا۔ اگر اُسی اصول پر ہندوستان میں کوشش کی جائے تو دوسو روپیہ لوہار دیسی مشین بنا سکینگے۔ اب جبکہ کاغذ پر رول کھینچنے۔ کاغذ پر فوریٹ کرنے اور لیمونیڈ وغیرہ بنانے کی مشینیں لاہور اور امرتسر میں بننے لگی ہیں تو یہ سادہ مشین بھی ضرور بن سکے گی جس میں ایک لٹ پریس مختلف نمونوں کے لفافوں کے لئے کاغذ کاٹنے کا۔ اور ایک لفافے کو گوند لگنے کے بعد جوڑنے میں مدد دینے کا ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اُسیقدر کاٹنے والی چھُریاں ہوتی ہیں جتنے نمونوں کے لفافے بنانے مطلوب ہوں۔ کام بہت سہل ہے۔

(۳۱) کاپی لینے کی ربڑ پریس — یورپ اور امریکہ میں تو کئی نمونوں کے بنتے رہتے ہیں لیکن ایک قسم کی جو جیلاٹین یا آئزنگ گلاس کے بنتے ہیں۔ اور اُنکی روشنائی گلیسرین ملا کر بنائی جاتی ہے۔ بنانے بہت سہل ہیں۔ اور ابھی سستی قیمت پر بہت بک سکتے ہیں

(۴۳) اشتہار اور پوسٹر چپکانا — یوروپ اور خصوصاً امریکہ میں تو دیواروں پر پوسٹر چپکانا ایک بہت بڑا پیشہ بن گیا ہے کہ جس میں ہزاروں لوگ مصروف ہیں۔ انکا کام یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ اُجرت پر خاص خاص حلقوں میں اشتہار دینے والوں کے بڑے پوسٹر چپکاتے اور اشتہار تقسیم کرتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس کام میں بڑا میدان خالی ہے۔ کوئی معمولی سمجھ کا شخص اس کام کو چلا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اشتہار دینے والوں کو اطمینان دلادے کہ اُنکے اشتہار اور پمفلٹ ضائع نہیں ہونگے۔ بلکہ مناسب مقامات پر دیانت داری سے پہنچ جائینگے اور پوسٹر واقعی چپکا دیئے جائینگے۔ اس کے ساتھ میں ایڈورٹائیزنگ ایجنٹوں کا ذکر کردیتا ہوں۔ ان لوگوں کے بڑے کارخانے ہوتے ہیں۔ جن کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اچھے اچھے پیرایہ میں اور خوبصورت سے خوبصورت اور دلکش ڈیزائن میں اُن بڑے بڑے اشتہار دینے والوں کے اشتہار اپنی پسند کے اچھے اخبارات اور رسالجات میں چھپوائیں یا دیگر وسائل سے مشتہر کریں کہ جن سے زیادہ سے زیادہ کامیابی کی امید ہو۔ اشتہار دینے والے انکے اعتبار پر ایک مقررہ رقم پچاس ہزار یا لاکھ یا دو لاکھ پونڈ کی جیسی کہ کسی کی حیثیت یا کام کی حالت ہو۔ انکے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ اور یہ اپنی نیکنامی اور شہرت کو قائم رکھنے کے لئے اُس رقم سے بہتر سے بہتر کام لیتے ہیں۔ ایسے کارخانے ابھی ہمارے مُلک میں مدت کے بعد پیدا ہونگے۔

(۴۴) اخبارات کے خریدار پیدا کرنا — ممالک یوروپ و امریکہ میں کہ جہاں اخبارات عروج پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اخبارات بیچنے کا بڑا ذریعہ نیوز ایجنٹ اور نیوز بائز ہیں۔ لاکھوں کاپیاں اخبارات کی چھپ کر نیوز ایجنٹوں کے پاس بھیج جاتی ہیں۔ انکے سینکڑوں بڑے اور چھوٹے دفتر اور دکانیں ہر شہر میں ہوتی ہیں۔ ٹھیک وقت پر دکانوں پر اخبارات اور رسالجات پہنچائے جاتے ہیں۔ اور یہیں سے یا اخبارات کے دفتروں سے نیوز بائز یعنی اخبار بیچنے والے لڑکے اخباروں کے پشتارے پکڑ کر گلیوں اور بازاروں میں اخبار کا نام یا اسکے کسی بڑے مضمون کا

عنوان چلاتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اِس کام کی اخبارات کو سخت ضرورت ہے۔ اور اس کام میں بھی ہر شہر میں کئی دوکاندار اور سینکڑوں لڑکے مصروف ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اخباروں اور رسالوں کی قیمتوں پر انہیں معقول کمیشن ملتا ہے۔ لیکن جب تک یہ طریق ہمارے ملک میں جاری ہو خوانده اور ہوشیار شخص مختلف اخبارات کے لئے خریدار پیدا کرنے کے لئے مختلف مقامات میں سفر کر کے لوگوں کو اخبارات اور رسالوں کی خریداری پر آمادہ کر سکتے ہیں سامنے جا کر کسی شخص کو چرب زبانی یا لسانی یا ادب اور معقولیت سے کسی کام پر آمادہ کر لینا بھی ایک لیاقت ہے۔ اور جن لوگوں میں یہ لیاقت موجود ہے۔ یورپ اور امریکہ میں وہ بڑے کامیاب کنویسنگ ایجنٹ بن جاتے ہیں۔ اِس کام کے لئے ایک یا چند اخبارات کے معاوضہ میں ایک ہوشیار سرگرم نوجوان کافی روپیہ کما سکتا ہے۔ اضلاع متحدہ امریکہ میں اِس طرح بڑی بڑی کتابیں فروخت کرنیکا بڑا رواج ہے مثلاً ایک دو چار یا دس جلد کی کتاب کی قیمت دس یا بیس یا تیس روپے ہے۔ کنویسنگ ایجنٹ کا کام ہے۔ کہ وہ خوشحال لوگوں کے پاس جا کر کتاب کے خوبصورت نمونے دکھلائے اور اس کے مطالب کی عمدگی اور تصاویر اور جلد کی خوبی کی تعریف کے طومار باندھ دے۔ گو میں کسی نوجوان کو یہ صلاح نہیں دونگا کہ کسی چیز کی نفس الامر تعریف سے زیادہ مبالغہ کرے۔ ایسی کتابوں کی فروخت پر ایجنٹ کو معقول کمیشن ملتی ہے۔ اور اس طریقہ کو کتابوں کا سبسکریپشن پر فروخت کرنا کہتے ہیں۔

(۴۳) عینکیں بیچنا یہ بھی ایک ایسا کام ہے کہ تھوڑی سی کوشش سے ایک تعلیم یافتہ نوجوان سیکھ سکتا ہے۔ آنکھ کی ساخت اور اس کی ضروری امراض کا علم حاصل کر کے آنکھیں ٹسٹ کرنے اور انکو مناسب اور موزون عینکیں لگانے کا طریقہ سیکھ لے۔ آجکل تو ٹسٹ کرنے کے بہت سہل طریق ایجاد ہوئے ہیں۔

لنڈن

نشانۂ صاحب نام نکو شد رنج نادیدہ
نگیں ہرگز نگر دید است سنگ ناتراشیدہ

پیرس سے لنڈن کو روانگی۔

۷۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء کی صبح کو میرا قصد پیرس سے لنڈن کو روانہ ہو جانے کا تھا کہ صبح اُٹھکر ہم ناشتہ پر بیٹھے۔ اور میری مہربان میزبان بیگم نے مجھے تاکید کی کہ اس وقت اچھی طرح پیٹ بھر کر کھا لو کیونکہ پھر تین بجے تک کہ جب تک ریل سے اتر کر انگلش چینل کے جہاز میں سوار نہ ہو جاؤ کھانا نہیں ملے گا۔ اور پھر جہاز میں کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اتنے میں آج کا نیو یارک ہیرلڈ (پیرس ایڈیشن) آ گیا۔ اور میں نے اُس میں دیکھا کہ رودبار انگلستان میں کل سخت طوفان رہا ہے۔ یہاں تک کہ فرانس اور انگلستان کے مابین ڈاک تک رُکی رہی ہے۔ اور رودبار کے دونوں طرف کے ہوٹل مسافروں سے پُر ہو گئے ہیں۔ اس لئے میرے میزبانوں نے صلاح دی کہ آج کا دن یہیں ٹھیر جاؤ۔ شام نمائش گاہ میں اتفاقاً ایک ایرانی اہلکار سے ملاقات ہوئی۔ اور اُس نے کہا کہ شاہ کجکلاہ سے اگر چاہو تو مل سکتے ہو۔ کل صدر اعظم سے آکر ملو تو ملاقات ہو جائیگی۔ چنانچہ ۸۔ اگست کو علے الصباح یعنے ساڑھے سات بجے جبکہ پیرس میں بمشکل دس فیصدی آدمی بیدار ہوئے ہونگے۔ میں گاڑی کرایہ کر کے حضرت شاہ مظفرالدین کے فرودگاہ پر پہنچا۔ اس مکان کا نام پیلے ڈا سوورا ن (Palais de Sovereigns) یعنے بادشاہوں کا محل ہے اور اس میں فرانس کے شاہی مہمان ٹھیرا کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ابھی بہت سویرا تھا۔ گارڈ کے فرانسیسی سپاہیوں اور مکان کے کونسئیرژ (دربان) نے کہا کہ شاہ کے

ملازم تو نو بجے اُٹھتے ہیں۔ اور اُسی وقت مکان کا دروازہ بھی کھولا جاتا ہے۔ میں ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد واپس چلا آیا۔ کیونکہ مجھے اس بات کا بھی پختہ یقین نہیں تھا کہ ملاقات ضرور ہو جاتی۔ کیونکہ جب سے ایک فرانسیسی نے اُنپر پیرس میں وار کیا ہے۔ وہ ملاقات سے زیادہ حذر کرنے لگے ہیں۔ غرض میں مکان پر پہنچکر مسز میسن صاحبہ کے ہمراہ گار رسان لازار ریلوے سٹیشن کو روانہ ہوا۔ میم صاحبہ نے مجھے ٹکٹ لے دینے اور بوجھ بک کرا دینے میں بڑی مدد دی۔ پیرس سے لنڈن تک نیٹو ہیون ڈیپ کی راہ سے دوم درجہ کا ریل اور جہاز کا کرایہ بتیس تینتیس فرانک کے درمیان تھا۔ اسباب کا کرایہ علیحدہ تھا۔ قلیوں کو بوجہ واقف ہونے کے مسز میسن صاحبہ نے ایک فرانک ہی دیا جو اُمید تھی کہ وہ دو فرانک لیکر بھی بمشکل خوش ہوتے۔ ابھی ریل کے چلنے میں کچھ وقت باقی تھا۔ میں نے میم صاحب کو بہتیرا کہا کہ آپ چلی جائیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ جب تک تم سوار نہیں ہو جاؤ گے میں نہیں جاؤنگی۔ کیسی معقول کیسی سیانی اور کیسی معاملہ فہم عورتیں ان ملکوں میں ہوتی ہیں جو شوہروں کی پوری مددگار اور رفیق ہوتی ہیں۔ اور اُنکے کام میں ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ راستہ میں کئی گاؤں پڑے۔ یوروپ کے گاؤں سے ہندوستان کے سرراہ مواضعات کو کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ یہ پختہ اور خوبصورت مکانات صاف ستھری سبزہ زار میں بڑے سلیقے سے مذاق کے ساتھ الگ الگ بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ بیچ میں سے سیدھی سڑکیں گذرتی ہیں۔ مکانات کی کھڑکیوں کے شیشوں کے اندر سے سفید پردے اور گملوں میں پھلواڑیاں نظر آتی ہیں۔ دونوں طرف علاقہ بڑا سبز اور شاداب تھا۔ گویا کہ نیچر کا جوبن اور بہار پر تھا۔ راستہ میں کئی جگہ ٹنل آئے اس لئے گاڑی میں لیمپ پہلے ہی روشن کر دیئے گئے تھے۔ سڑک بہت دور تک دریا کے ساتھ ساتھ چلی گئی۔ ڈیپ کے سٹیشن پر پہنچتے ہی لوگ فوراً جہاز کو بھاگے جو تیار کھڑا تھا۔ چونکہ چار گھنٹہ کا جہاز کا سفر

تھا سب لوگ جہاز کے برامدہ میں بنچوں پر بیٹھ گئے۔ صبح دس بجے سے چلکر گاڑی تین بجے یہاں پہنچی تھی۔ اس لئے اس وقت خوب بھوک لگی ہوئی تھی۔

جہاز میں ناگوار کھانا

مینے دیکھا کہ جہاز میں بعض آدمی کھانے کی طرف لپکے ہیں۔ میں بھی وہاں جا بیٹھا۔ اور ویٹر سے کھانا مانگا۔ اور اُسے تاکید کردی کہ "پورک" مت لانا۔ وہ دور کابیوں میں دو چیزیں لے آیا۔ ایک مٹن تھا۔ اور دوسرا کچھ اور جب میں گوشت گوسپند کھا چکا تو میں نے غور سے دوسرے گوشت کو دیکھا اور چھری سے کاٹا تو معلوم ہوا کہ وہ قدرتی گوشت نہیں ہے۔ بلکہ ایک مصنوعی چیز ہے۔ مجھے کچھ شک ہوا تو مینے ویٹر کو بلاکر پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اُس نے کہا کچھ نہیں۔ یہ صرف گیلنٹائن ہے۔ میرے پاس ایک آئرش لیڈی اور جنٹلمین بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ گیلنٹائن کیا چیز ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس سے واقف نہ تھے۔ پھر ویٹر سے پوچھا کہ یہ کس چیز کا گوشت ہے تو اُس نے کہا یہ ویل ہے۔ (ویل بچھڑی کے گوشت کو کہتے ہیں) جس میں انڈے اور ہیم ملا ہوا ہے۔ اور بڑی نعمت شمار ہوتا ہے۔ مجھے ہیم کا نام سنکر بڑا افسوس ہوا۔ مینے ویٹر کو ملامت کی۔ اور کھانا لوٹا دیا۔ مگر اس کے دام بھی دینے پڑے۔ مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ اگر میں زیادہ محتاط نہ ہوتا تو گیلنٹائن کے کھا لینے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ میں گھر میں بھی بہت کم گوشت کھاتا ہوں۔ اس لئے میں بآسانی اس امر کا متحمل ہوسکتا تھا۔ کہ مینے یوروپ کے اکثر شہروں میں ہفتہ ہفتہ بھر تک گوشت نہیں کھایا۔ اور عموماً یہودیوں کے کھانے کے دوکانوں کو تلاش کرکے وہاں سے دلجمعی کے ساتھ کھانا کھایا ہے۔ کیونکہ یہودی بھی مسلمانوں کی طرح خنضیر کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور ذبیحہ بھی نہایت احتیاط سے کرتے ہیں کہ جسے وہ "کوشر" کہتے ہیں۔

سوراہمپٹن انگلستان

انگلش چینل میں جہاز دور نہیں گیا تھا کہ موجوں کے تھپیڑوں

ڈگمگانے لگا۔ اور کئی مردوں اور خصوصاً عورتوں کی حالت بگڑنے لگی۔ انگلش چینل ہمیشہ کم و بیش متلاطم رہتی ہے۔ چنانچہ میری بھی طبیعت متلانے لگی۔ میں ایک بستر پر لیٹ گیا۔ اور بہت جلد سو گیا۔ جب جہاز انگلستان کے ساحل پر لگا تو میں بیدار ہوا۔ لیٹ جانے سے متلی کم ہوتی ہے۔ بہرحال میں نے خدا کا نام لیکر انگلستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اس عجیب سرزمین پر کہ جس کے سپوت ہم پر حکومت کرتے ہیں۔ اور بوجہ اپنی عقل اور دانش کے آج فرمانروا روزگار شمار ہوتے ہیں۔ میں اس مردم خیز زمین کو دیکھنے کا مدت سے مشتاق تھا۔ اور اسکے باشندوں کو اُنکے گھروں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اُن کی طرز معاشرت اُنکی انسٹی ٹیوشنوں اور اُنکے تجارتی کارخانوں کو بچشم خود دیکھنے کی آرزو رکھتا تھا کہ جن کے حالات میں نے اور لوگوں کے دیکھے ہوئے اکثر شوق سے سُنے تھے۔ نیو ہیون کے سٹیشن پر کسٹم کے افسروں نے اُن لوگوں کے اسباب کا معائنہ کیا جو لنڈن سے پہلے ادھر اترنے والے تھے۔ لیکن جو لنڈن کے وکٹوریا سٹیشن تک جانے والے تھے۔ اُن کے اسباب وہیں پہنچکر دیکھے جاتے تھے۔ سب لوگوں نے یہاں سے اخبار خریدے۔ اور میں نے لنڈن کی ایک گائیڈ بک خریدی۔ اور اُس میں سے کوئی مناسب ہوٹل تلاش کرنے لگا۔ پیرس سے جب میں سوار ہوا تھا تو گاڑی کے جس کمرہ میں میں بیٹھا تھا اُس میں سب مسافر الگ الگ اخبار پڑھ رہے تھے۔ بعض فرانسیسی بعض جرمنی اور بعض انگریزی زبانوں کے تھے میں نے بھی جرنل لی پیٹی اور نیو یارک ہیرلڈ خرید لئے۔ یہاں دستور ہے کہ جب لوگ اخبار پڑھ چکتے ہیں تو اُسی گاڑی میں پھینک کر چلے جاتے ہیں چنانچہ جب ہم گاڑی سے لنڈن میں نکلے تو سب لوگوں نے اپنے اخبار وہیں پھینک دیئے۔

انگلستان کا شاندار میوزیم

میں نے ایک قلی کو بلایا۔ اور اُس نے میرے ٹرنک نکال کر پلیٹ فارم پر رکھ دیئے کہ جہاں چونگی کے افسر آکر دیکھنے والے تھے چونگی

کے افسر نے مجھے آتے ہی پوچھا کہ تمہارے پاس تمباکو شراب یا کوئی اور قابل محصول چیز تو نہیں ۔ میں نے کہا نہیں۔ تو اس نے بلا ٹرنک کھلوائے مجھے رخصت کر دیا۔ میں اٹلی آسٹریا جرمنی بلجیم اور فرانس کے علاقوں سے گذر کر انگلستان میں پہنچا تھا۔ اور سب ملکوں کی سرحدوں پر ریل کو روک کر سب لوگوں کے ساتھ میرے ٹرنک کھلوا کر دیکھے گئے تھے۔ لیکن انگلستان میں صرف میری بات پر اعتبار کیا گیا۔ انگلستان کی غیر معمولی آزاد خیالی اور شائستگی کا یہی ثبوت کافی ہے۔ جو مجھے یہاں ریل سے اترتے ہی مل گیا۔

لندن میں پہلی رات قلی جو میرے ہمراہ تھا اس نے میرا اسباب ایک دستی گاڑی پر رکھ لیا۔ اور میری ہدایت کے مطابق وہ مجھے ایک بہت قریب کے ہوٹل میں لے گیا۔ یہاں صرف ایک چھوٹا سا کمرہ خالی تھا۔ جو ساڑھے تین شلنگ (عہ۲) میں مجھے رات بھر ٹھیرنے کے لئے دیا گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی میز ایک غسل کے لئے حمام اور ایک الماری دیوار میں لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس عجیب الماری کے تختے کھولنے سے ایک چارپائی اس میں سے نکل آتی تھی جس کے دوسرے سرے پر دو پائے تھے جو زمین پر بچھ جاتے تھے۔ صبح اس چارپائی کو اٹھا کر الماری کے سرے سے اٹکا دیا جاتا تھا اور اس کے پٹ بند کر دیئے جاتے تو چارپائی کا کہیں نشان باقی نہ رہ جاتا تھا۔ غالباً یہ چھوٹا سا کمرہ غسل خانہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ لیکن پیچھے سے اس چارپائی کا کام لیا جانا تجویز ہوا ہوگا۔ سوائے چارپائی پر بیٹھنے کے ڈائری لکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ اس لئے میں نے ہوٹل کے ریڈنگ روم میں جا کر ڈائری لکھی۔ مجھے اس بات میں دلچسپی نظر آئی کہ دنیا کے اس سب سے بڑے شہر میں مجھے پہلی رات کو شائد شہر کے سب سے تنگ مکان میں گذارہ کرنا پڑا ہے۔ کھانے کے لئے قریب ہی ایک رسٹورنٹ تلاش کر لیا۔

لنڈن میں پہلا دن

۹۔ اگست کو صبح ضروریات سے فارغ ہو کر میں بے صبری کے ساتھ لنڈن کو دیکھنے کے لئے پیدل نکل پڑا۔ میری عادت یہ ہے کہ جب تک میں کسی شہر میں پیدل پھر کر نہ دیکھوں مجھے اس کی سمتوں اور گلی کوچوں کی کچھ سمجھ نہیں آتی۔ بمدد ایک پاکٹ گائڈ کے کہ جس میں لنڈن کے تمام بازاروں اور گلیوں کے نقشے بنے ہوئے تھے۔ بازاروں کو دیکھتا ہوا وکٹوریا سٹریٹ سے گذر کر ویسٹ منسٹر ایبی اور ہاؤس آف پارلیمنٹ کے پاس سے ہوتا ہوا وائٹ ہال سے ہو کر چیرنگ کراس میں جا پہنچا۔ وہاں سے سٹرینڈ اور فلیٹ سٹریٹ سے گذرتا ہوا لڈگیٹ سرکس سے ٹامس کک کے دفتر کے پاس سے ہوبرن ویاڈکٹ گذر کر برٹش میوزیم کے پاس پہنچ گیا۔ بخلاف یورپ کے دیگر شہروں کے لنڈن میں مجھے یہ بڑی دلچسپی تھی کہ یہاں کے مشہور بازاروں اور عمارتوں کے ناموں سے انگریزی اخبارات میں بار بار دیکھنے کی وجہ سے میں ایسا مانوس تھا کہ گویا پہلے ان مقامات کو دیکھا ہوا تھا۔ لنڈن کے اکثر بڑے بڑے اخبارات اور رسالجات کے دفتر اور کتب فروشوں کی دوکانیں فلیٹ سٹریٹ اور سٹرینڈ میں ہی ہیں۔ بلکہ مفصلات کے بہت سے اخبارات کے لنڈن کے دفاتر بھی یہیں تھے مستعمل کتابیں بیچنے والوں کے بھی کئی دوکانیں یہاں تھیں۔ اور جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا یہاں ایک پوری گلی مستعمل کتابیں بیچنے والوں کی دوکانوں کے لئے فلیٹ سٹریٹ میں مخصوص ہے۔ جسے بک سیلرس رو کہتے ہیں۔ اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان دوکانوں میں میں گھنٹوں کھڑا ہوا الماریوں سے کتابیں نکال نکال دیکھا کرتا تھا۔ مجھے پیرس میں ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا کہ برٹش میوزیم کے پاس مانٹیگو ہوٹل میں رہنا اچھا ہوگا۔ اور اگر اس ہوٹل میں جگہ نہ ملے تو اس کے گرد و پیش کئی لاجنگ ہوس ہیں۔ کہ جن میں عموماً امریکن مسافر فروکش ہوتے ہیں میں ان میں سے تین لاجنگ ہوسوں میں گیا۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ امریکن

مسافر اس قدر وارد ہیں کہ کوئی جگہ خالی نہیں۔ اتنے میں برٹش میوزیم سامنے آگیا۔ اب کوئی ترغیب ایسی نہ تھی جو مجھے برٹش میوزیم کے دیکھنے سے روک سکے۔ میں جھٹ دنیا کے سب سے بڑے عجائب خانہ میں داخل ہوگیا۔ برٹش میوزیم کے عجائبات اور خصوصاً یہاں کے عربی فارسی کے قلمی کتابوں کے کتب خانہ کی شہرت مدت سے سُنی ہوئی تھی۔ دروازہ پر کئی قسم کے گائیڈ اس عجائب خانہ کے بک رہے تھے۔ میں ایک گائیڈ بک خرید کر اندر گھس گیا۔ اور لگاتار چار، پانچ گھنٹے اس عظیم الشان عمارت کے بیشمار کمروں میں پھرتا رہا۔ مجھے اس وقت یہ بات بالکل بھول گئی تھی کہ مینے ابھی رات کے بسیرے کی فکر نہیں کی۔ اور اگر کوئی اور ہوٹل تلاش نہ کیا تو شب گذشتہ والی سوراخ میں ہی رات کاٹنی پڑیگی۔ غرض جب عجائب خانہ بند ہوا تو میں بھی باہر نکلا۔

انگلستان کا ایک اور نشان تمیزی

جیسا کہ یوروپ کے سب عجائب خانوں میں دستور ہے کہ یہاں بھی لوگوں کی لاٹھیاں اور چھاتے دروازہ پر ایک شخص لیکر رکھتا جاتا ہے۔ اور ٹین کے پتروں پر چھپے ہوئے نمبر کہ جن میں ایک ڈورا پرو یا ہوا ہوتا ہے۔ ایک تو چھتری یا لاٹھی سے لٹکا دیتا ہے اور دوسرا اُس کے ساتھ کا اُس کے مالک کے حوالہ کر دیتا ہے۔ جب میں نے اپنے چھاتے کا نمبر واپس دیکر چھاتا لیا تو مینے یوروپ کے دوسروں شہروں کے تجربہ کی بنا پر جیب سے ایک پینی نکال کر چھاتوں کے محافظ کو دینی چاہی بجائے اس کے کہ وہ بھوکی گدھ کی طرح جھپٹ کر پینی لے لیتا۔ اُس نے میرے چہرہ کی طرف دیکھا۔ اتنے میں میری نظر سامنے ایک پیتل کے پترہ پر جا پڑی جس پر موٹے حروف میں لکھا ہوا تھا کہ تماشائی ملازمان عجائب خانہ کو کچھ ٹپ وغیرہ نہ دیں۔ یہ بات مینے یوروپ میں پہلی دفعہ دیکھی۔ اور اس سے مجھے لنڈن میں آنے کے دوسرے ہی دن ایک دفعہ پھر یہ بات سوجھی کہ انگلستان

بلحاظ شائستگی و ہلہ لانے یوروپ سے کہیں قدم آگے ہے۔ گو برلن کی بڑی کا لاک بل پر بھی باریک حروف میں یہی بات چھپی ہوئی دیکھی تھی۔ لیکن ان دونوں چیزوں کی حیثیتوں اور حالتوں میں لاکھوں کوس کا فرق تھا۔ عجائب گاہ سے نکلنے کے بعد معلوم ہوا کہ ٹھیک برٹش میوزیم کے دروازہ کے مقابل سڑک کی دوسری طرف مانینگو ہوٹل کا دروازہ ہے۔ کہ جس کی میں تلاش کر رہا تھا۔ میں نے بہت غنیمت سمجھا کہ برٹش میوزیم کے روبرو ہوٹل ملے۔ اور اندر جا کر ایک کمرہ تیسری چھت پر لے لیا۔ گو یہ بہت بڑا نہ تھا۔ مگر اس میں برقی روشنی اور لفٹ وغیرہ کی آسائش سب مہیا تھی۔ اور غسل خانہ کا بھی بڑا آرام تھا۔ یہاں بکثرت گرم پانی ملتا تھا۔ (دیکھیے یہاں کے ٹھہرنے کے بعد بعض بعض صاحبوں نے کہا کہ یہاں خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ کسی لاجنگ میں چلے چلو۔ لیکن چونکہ یہ مقام لنڈن کا نہایت پررونق حصہ تھا۔ میں یہیں ٹھہرا رہا) اسی وقت ایک کیب گاڑی کرایہ کر کے میں وکٹوریا سٹیشن کے قریب کے ہوٹل سے اپنا اسباب اٹھا لایا۔

دنیا کا سب سے بڑا شہر — واقعی یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا شہر نہ صرف براعظم ایشیا میں واقع نہیں کہ جو دنیا کی تمام گذشتہ تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ اور جہاں کہ دنیا کے تمام مشہور مذاہب کے پیغمبر پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ براعظم یوروپ سے بھی پرے سمندر کے ایک جزیرہ میں واقع ہے۔ خدا کی شان ہے کہ دنیا کے ایک دور کے کونے میں سمندر کے ایک جزیرہ میں ایک چھوٹی سی قوم کو آباد کیا۔ کیونکہ انگریز بلحاظ تعداد اور وسعت ملک دنیا کی دوسری قوموں سے بہت چھوٹی قوم ہیں۔ اور پھر اس قوم کو یہاں تک ترقی اور عظمت بخشی کہ اس کا شہر دنیا بھر میں بڑا شہر بنا دیا۔ جو دنیا بھر کی تجارت کی منڈی علم و ہنر کا مرکز اور دولت کی کان ہے۔ اس کے انسٹیٹیوشن دنیا کے دوسرے شہروں کے انسٹیٹیوشنوں سے بہت بڑے

ہیں۔ اگر چین۔ امریکہ یا ہندوستان کا کوئی شہر دنیا میں بڑا ہوتا تو عجیب بات نہ تھی۔ کیونکہ یہ ملک بھی بہت بڑے بڑے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا شہر انگلستان میں ہونا البتہ عجیب ہے۔ ہر چند کہ انگریزی قوم کئی باتوں پر ناز کر سکتی ہے۔ لیکن کیا یہ اُن سب میں نمایاں اور ممتاز نہیں ہے۔ کہ جتنا بڑا شہر اُسکا مرکز حکومت ہے اتنا بڑا دوسری کسی قوم کے پاس نہیں ہے۔ لنڈن کے بعد بلحاظ آبادی دوسرا درجہ نیویارک کو حاصل ہے۔ اس لئے اگر لنڈن کا کوئی حریف ہے تو وہ وہی شہر ہے کہ جسے لنڈن کے بیٹوں نے آباد کیا تھا اور جس میں اب تک لنڈن کی بولی بولی جاتی ہے۔ یوروپ کے بعض دار الخلافے ہر چند کہ بجائے خود بڑے بڑے شہر ہیں۔ لیکن اُن کی لنڈن سے برابری کر سکنے کی کوئی امید نہیں۔

چار بڑے دار الخلافے یوروپ کے چار بڑے دار الخلافوں نے گذشتہ صدی میں آبادی کے لحاظ سے جو ترقی کی ہے اس کا مقابلہ کرنے سے کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ لنڈن نہایت سرعت سے آبادی میں ترقی کر رہا ہے انیسویں صدی کے شروع میں اُس کی آبادی دس لاکھ کے قریب تھی۔ مگر صدی کے خاتمہ پر پچاس لاکھ کو پہنچ گئی۔ مندرجہ ذیل اعداد سے نمایاں ہے کہ پیرس برلن اور ویانا میں سے اور کسی شہر نے اس نسبت سے ترقی نہیں کی۔

سنہ ۱۸۰۰ء میں لنڈن کی آبادی (۹۵۸۸۶۳) تھی۔ پیرس کی (۵۴۷۷۵۵) ویانا کی (۲۳۱۰۵۰) اور برلن کی (۱۸۲۱۵۷)۔

سنہ ۱۸۴۰ء میں لنڈن کی آبادی (۱۹۴۸۴۱۷) تھی۔ پیرس کی (۹۳۵۲۵۱) ویانا کی (۳۵۷۸۷۰) اور برلن کی (۳۲۲۶۲۰)

اور سنہ ۱۹۰۰ء میں لنڈن کی آبادی (۴۴۱۱۲۷۱) پیرس کی (۲۵۱۱۰۵۵) برلن کی (۱۶۷۷۳۰۴) اور ویانا کی (۱۵۰۳۹۷۲) ہو گئی۔

لنڈن کی آبادی اور رقبہ ہر چند کہ ہندسوں کی قطاریں بڑا خشک مضمون سمجھا

جاتا ہے۔ مگر چونکہ واقعات کے بیان کرنے کا اور کوئی ذریعہ اس سے معتبر نہیں مجبوراً مجھے لنڈن کی عظمت بیان کرنے کے لئے بہت سے ہندسے درج کرنے پڑتے ہیں۔ شہر لنڈن شرقاً غرباً تخمیناً چودہ میل لمبا اور شمالاً جنوباً دس میل چوڑا ہے۔ جس کا کل رقبہ (۱۱۸) مربع میل ہے۔ اس میں (۴۵۳۶۰۶۳) آدمی (۶۰۸۰۰۰) مکانات میں سکونت پذیر ہیں۔ مگر معہ مضافات کے شہر کی آبادی سنہ ۱۸۹۶ء کے تخمینہ کے مطابق (۶۲۹۱۶۷۷) آدمی کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پیرس برلن اور ویانا کی آبادی ملاکر شہر لنڈن میں سما سکتی ہے۔ اسی طرح امریکہ کے تین بڑے شہروں نیویارک۔ شکاگو اور فلاڈیلفیا کی آبادی ملاکر لنڈن میں لا بسائیں تب بھی اور پانچ لاکھ آدمیوں کے لئے گنجائش باقی رہے گی۔ شہروں کو چھوڑکر ملکوں کی طرف دیکھئے۔ شہر لنڈن جو انگلستان کی کل آبادی کے ساتویں حصہ کا ذمہ وار ہے۔ اس میں سکاٹلینڈ یا ہالینڈ یا پرتگال یا سویڈن کے برابر اور ڈنمارک اور یونان دونوں کو ملاکر ان کے برابر آبادی ہے۔ میٹروپولیٹن اور سٹی پولیس کے لحاظ سے لنڈن کا رقبہ (۷۵۴۴۲) ایکڑ ہے۔ مگر چیئرنگ کراس کو مرکز قرار دیکر پندرہ میل کے فاصلہ پر جو دائرہ کھینچا جائے اس کے اندر اندر سب مضافات شہر لنڈن میں شامل ہیں۔ اور اسی کو گریٹر لنڈن یعنے لنڈن کلاں کہتے ہیں۔ یہ ۴۴۳۴۲۱۔ ایکڑ یا ۶۹۳ مربع میل ہے کیلیز لنڈن پوسٹ آفس ڈائرکٹری نے لکھا ہے کہ مئی سنہ ۱۸۹۱ء میں خاص شہر لنڈن میں گھروں کی دن کی آبادی (۳۰۱۳۸۴) مئی سنہ ۱۸۹۱ء کو لنڈن کے کوچوں میں جو ۲۴ گھنٹوں میں مردم شماری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہر میں اسکے مختلف راستوں سے پیدل یا گاڑیوں میں (۱۱۲۱۷۰۸) آدمی اور (۹۲۴۸۸) گاڑیاں داخل ہوئیں۔ علاوہ اسکے بہت لوگ ریلوے سٹیشنوں سے بھی شہر میں داخل ہوئے۔

تجارت اور دولت لنڈن کا بندرگاہ تمام دنیا کے بندرگاہوں سے بڑا ہے۔ صرف لورپول بلحاظ مال تجارت کی برآمد کی مالیت کے اس سے بڑا ہے۔ باقی ہر طرح

لنڈن بڑا بندرگاہ ہے۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں لنڈن سے (۹۶۷۰۸۸۱) پونڈ کا مال باہر گیا۔ اور (۱۴۵۰۴۷۴۴۵) پونڈ کا داخل ہوا۔ اسی سال میں (۵۳۹۱۶) جہاز بندرگاہ لنڈن میں داخل ہوئے۔ نوے لاکھ پونڈ سالانہ صرف لنڈن کا محاصل چونگی ہے۔ غرض انگلستان کے سب بندرگاہوں میں جس قدر مال داخل ہوتا ہے۔ اس کا پانچواں حصہ دریائے ٹیمز کے کنارہ پر لنڈن میں اترتا ہے۔ لنڈن میں تجارت ہی بیحد نہیں بلکہ شراب شکر معدنیات گھڑی سازی کپڑے بُننے اور جوتے بنانے کے کئی بڑے بڑے کارخانے بھی قائم ہیں۔ انجنیری اور کیمیکل اجزا کے کارخانے بھی یہاں کے مشہور ہیں۔ مگر چھاپہ خانہ اور اخبارات کا مرکز ہونے کے لحاظ سے لنڈن دنیا بھر میں ممتاز ہے۔ دریائے ٹیمز نے شہر کو جن دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ ان میں سے جنوبی نصف میں زیادہ تر صنعت و حرفت کے کارخانے گودام اور پرائیویٹ مکانات ہیں شمالی نصف میں ہاؤس آف پارلیمنٹ سرکاری محلات و دفاتر بینک۔ اور جہاز سازی کے کارخانے ہیں۔ لنڈن کے بیمہ کی ہوئی جائداد کی قیمت (۹۲۲۵۹۸۶۶۱) پونڈ ہے۔ اور بہت سی جائداد ہوگی کہ جس کا بیمہ نہیں ہوا۔ انگلستان کی پارلیمنٹ کے ہوس آف کامنز میں کل قریباً سات سو ممبران پارلیمنٹ نشست کرتے ہیں جن میں سے اکسٹھ اکیلا شہر لنڈن منتخب کرتا ہے۔ سنٹ پال کا گرجا ناف شہر میں بڑا مکان ہے۔ ہائڈ پارک اور ریجنٹ پارک بڑے رمنے اور نزہت گاہ ہیں۔ ٹیمز کے کنارہ کے سنگین بند خیرسایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ چلنے کے لئے نہایت خوبصورت روشیں ہیں۔ اور جب یہ تکمیل ہو جائینگے تو یورپ بھر میں بے نظیر سڑکیں مانی جائینگی۔

لنڈن کی ریلیں اتنے لمبے چوڑے اس قدر آباد شہر میں ہر چند کہ آمد و رفت کی سہولیت ہمارے خیال کے مطابق پہلے ہی بہت زیادہ ہے لیکن ہمیشہ اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ لنڈن شہر کے اندر چودہ ریلوے اسٹیشن مشہور

اطراف سے گذرتی ہیں۔ اور شہر کے اندر ۱۹۰۰ء میں کہ جبکہ میں وہاں تھا دو سو ستر ہ ریلوے سٹیشن تھے۔ ان ریلوں میں سے بعض برقی طاقت سے بھی چلتی ہیں۔ مگر زیادہ تر دخانی انجنوں سے چلتی ہیں۔ گو زیادہ تر زمین کے اوپر چلتی ہیں۔ لیکن کئی ایک زمین کے اندر ٹنلوں کے بیچ سے بھی گذرتی ہیں۔ اور بعض جگہوں میں زمین کے اوپر پُلوں کے ذریعہ سے سڑکیں بلند بھی بنائی گئی ہیں۔ غرض جس طرح راستہ ملاہے سڑکیں نکالی گئی ہیں جب سٹیشنوں پر پہنچتے ہیں۔ تو اُن میں لوہے کی سڑکوں کا جنگل نظر آتا ہے۔ اور تعجب ہوتا ہے کہ لنڈن کے بڑے بڑے سٹیشنوں پر ہر روز ریلیں کیوں نہیں ٹکراتیں۔ کوئی شخص جبتک مدت تک لنڈن میں نہ رہے ہرگز اس بات سے واقفیت حاصل نہیں ہوسکتی کہ فلاں طرف جانے کے لئے کس ریلوے لائن کے کس سٹیشن سے جانا چاہئے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شہر لنڈن میں ریلوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔

برقی لائنیں۔ گو لنڈن میں ابھی برقی طاقت کا زیادہ استعمال نہیں ہونے لگا کیونکہ یہاں ٹرمبوے گاڑیاں گھوڑوں سے چلتی ہیں۔ بحالیکہ پیرس برلن اور ویانا کو چھوڑ کر بوڈاپسٹ اور قاہرہ میں بھی سب ٹرمبوے برقی طاقت سے چلتی ہے۔ تاہم امید ہے کہ ایک زمانہ میں لنڈن کی اکثر ریلیں برقی طاقت سے چلنے لگینگے۔ حال ہی میں چند زیر زمین ریلوے لائنیں برقی طاقت سے چلنے لگی ہیں۔ اور اُن میں بڑی کامیابی ہوئی ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۰ء میں لنڈن میں چالیس میل زیر زمین برقی ریلوے لائنیں زیادہ تر زیر تعمیر اور کسیقدر مکمل ہوچکی تھیں۔ سٹی اور سوتھ لنڈن ½۶ میل جاری تھی۔ واٹرلو اور سٹی ½۱ میل جاری تھی۔ سنٹرل لنڈن ریلوے ۶ میل قریباً مکمل۔ چیرنگ کراس یوسٹن اور ہمپسٹڈ پانچ میل (اجازت مل چکی تھی) گریٹ ناردرن اور سٹی ½۳ میل (زیر تعمیر) بیکر سٹریٹ اور واٹرلو ۳ میل (اجازت مل چکی تھی)۔ برامپٹن

اور پکاڈلی سرکس ۲ میل (اجازت مل چکی تھی) ڈسٹرکٹ ریلوے ڈیپ لیول ۴ میل (اجازت مل چکی تھی) وائٹ چیپل اور بو ۲ میل (زیر تعمیر) بار وانیڈ اسلنگٹن ۲ میل (زیر تعمیر)

ٹپنی ٹیوب یعنے دو پنس کو بولنے میں ٹپنی کہتے ہیں اور ٹیوب انگریزی میں نلکے کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد ایک خاص زیر زمین ریلوے لائین کی ہے۔ جو اسی زمانہ میں جاری ہوئی تھی۔ جبکہ میں لنڈن میں پہنچا تھا۔ چونکہ اس تمام قریباً چھ میل لمبی برقی ریلوے لائن کا کرایہ صرف دو پنی مقرر کیا گیا تھا اس لئے اسے عام طور پر لوگ اس نام سے پکارتے تھے۔ لنڈن بینک سے لیکر جو لنڈن کا نہایت پُر رونق حصہ ہے شیپرڈ بش تک اس پر تیرہ سٹیشن ہیں۔ خواہ کوئی شخص دو سٹیشن جائے یا تیرہ سٹیشن سفر کرے۔ اُسے وہی دو پینی کرایہ دینا پڑتا ہے۔ اس سے پہلے سوا گھنٹہ میں آمنی بس گاڑیاں اس راستہ کو طے کرتی تھیں۔ اب پچیس منٹ میں یہ راستہ طے ہو جاتا ہے۔ لنڈن ایسے شہر میں جہاں وقت بہت کفایت شعاری سے خرچ کیا جاتا ہے ان باتوں کو نہایت غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ یہ لائن سطح بازار سے سو فٹ گہری زمین کے نیچے کھودی گئی ہے۔ ½۱۱ فٹ کی دو متوازی لائینیں آمدورفت کے لئے الگ الگ بنائی گئی ہیں۔ تاکہ ٹرینوں کے ٹکرانے کا اندیشہ بھی نہ رہے۔ کمپنی نے پارلیمنٹ سے ان ٹنلوں کے کھودنے کی اجازت لی تھی اور ان کی زمین کی کچھ قیمت نہیں دینی پڑی۔ کیونکہ یہ لوگوں کے گھروں سے سو فٹ گہری جگہ ہے۔ البتہ سٹیشنوں کے لئے کمپنی نے بازار میں جگہ خریدی۔ ایسی دوہری سڑک پر فی میل کھودنے اور لوہے سے تعمیر کرنے کا خرچ تین لاکھ اور پانچ لاکھ پونڈ کے درمیان ہوا۔ دونوں لائنیں سٹیشنوں کے سوائے علیحدہ علیحدہ پہلو بہ پہلو جاتی ہیں۔ کہیں انکے سٹیشن بھی نیچے اوپر ہیں۔ دونوں راستوں کو ڈھلوان رکھا ہے تاکہ طاقت کم خرچ ہو۔ ہر تین منٹ پ

ٹرین چلتی ہے۔ اور ہر وقت مسافروں سے پٹی رہتی ہے۔ تخمیناً لاکھ مسافر اس سے ہر روز گذرتے ہیں۔ میلوں وغیرہ کے تقریبوں پر دو لاکھ سے بھی زیادہ گذر جاتے ہیں۔ اس کی رفتار فی گھنٹہ چودہ میل کے حساب سے رکھی گئی ہے جس میں سٹیشنوں کا وقفہ بھی شامل ہے۔ بیس سکینڈ ہر سٹیشن پر ٹھیرتی ہے۔ اس لئے چوبیس سے ۲۸ میل کی رفتار قائم رکھتے ہیں۔ چونکہ انجن برقی ہیں کہ جن سے دھواں نہیں نکلتا۔ اس لئے بخلاف دوخانی ریلوں کے سیاہ ٹنلوں کے اس ریل کا راستہ بڑا صاف اور خوشنما ہے سفید چینی کے روغن کی اینٹوں سے سٹیشن بنائے گئے ہیں۔ جو بڑے وسیع اور پر فضا معلوم ہوتے ہیں۔ اسپر برقی روشنی سے ہر وقت دن چڑھا رہتا ہے۔ اس لائن پر مسافر ٹکٹ نہیں لیتے۔ داخلہ پر دو پینی حوالہ کرنے سے ہر مسافر کو ایک کمرہ میں داخل کر دیتے ہیں۔ جو در اصل لفٹ ہوتا ہے۔ اور وہ ایک دم زدن میں سو فٹ زمین کے نیچے پہنچ جاتا ہے۔ اور اسی طرح نیچے سے اوپر آجاتا ہے۔ ہر سٹیشن پر تین تین لفٹ ہیں۔ زمین کے نیچے خاصی سردی تھی۔ سٹیشنوں کی چھت بڑے بڑے آہنی گرڈروں پر محرابی صورت کے بنے ہوئے تھے۔ ٹرین نہایت نفیس اور ستھری گاڑیوں کی ہوتی تھی۔ ذرہ سی دیر میں اُترنے والے مسافر جو پہلے سے تیار ہوتے تھے اُتر جاتے تھے۔ اور چڑھنے والے چڑھ جاتے تھے۔ اور گاڑی زمین کے نیچے ایک اور سوراخ میں گھس جاتی تھی۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تمام لنڈن اوپر آباد ہے دریا ٹیمز اوپر بہتا ہے۔ اور ہم جس گاڑی میں جا رہے ہیں وہ نیچے سے جاری ہے۔

زیر زمین لنڈن مگر لنڈن کی زمین کو تو پہلے ہی ریلوے لائینوں پینے کے پانی گیس اور گندے پانی کے نلکوں سے اس قدر چھید رکھا ہے کہ اس میں اور زیادہ سوراخ کرنے کی گنجائش نہیں نظر آتی۔ چونکہ زمین ہر جگہ نہیں ملتی۔ اس لئے

زمین میں گہرے سے گہرے سوراخ کھودے جاتے ہیں۔ اور بے انداز روپے کے خرچ سے حیرت ناک عجائبات تیار کی جاتی ہیں۔ پچھلے دنوں بعض انجنیروں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ شہر لنڈن کا سب سے بڑا اور عظیم الشان گرجا سینٹ پال اس لئے معرض خطر میں ہے کہ اُس کے نیچے سے ریلوں اور پانی کی نالیوں کے لئے کئی سوراخ زمین میں کھودے جا چکے ہیں۔ جس سے گرجا کی بنیادوں کو نقصان پہنچا ہے۔ جس پر تمام لنڈن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کیونکہ سینٹ پال کوئی ایسی عمارت نہیں ہے جو پھر سہولیت سے بن سکے۔ اسی بارہ میں لنڈن کے اخبار ڈیلی میل نے سینٹ پال کے قریب لڈگیٹ ہل کے نیچے سو اسو فیٹ گہرا زمین کے ایک سکشن نقشہ دکھلایا تھا۔ جس میں تین زیر زمین ریلیں ایک دوسرے کے اوپر نیچے سے گذرتی ہیں پٹنی ٹیوب کہ جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ اور جس کا نام سنٹرل لنڈن ریلوے ہے وہ بازار کی سطح سے سو فیٹ گہری تھی۔ ایک اور برقی لائن اُس سے اٹھارہ فیٹ اوپر سے گذرتی تھی۔ اور اس سے ۲۵ فٹ اوپر ایک دخانی ریلوے لائن جاتی تھی۔ اِن کے درمیان کے خالی جگہ گیس کی نالیاں۔ تار برقی کی بڑی بڑی شاخیں اور اِن سب کے اوپر دوکانداروں کے گودام اور غریب لوگوں کے رہنے کے تہ خانے تھے کہ جن میں کبھی آفتاب کی روشنی نہیں پہنچتی اِنکے اوپر بازار میں شب و روز بھیڑوں اور بسوں سے تلاطم بحر کی کیفیت رہتی ہے۔ یہ تو ایک جگہ کی کیفیت ہے۔ باقی کئی جگہ اس سے بھی بُرا حال ہو گا۔ شہر لنڈن میں جہاں دریائے ٹیمز کے اوپر پندرہ سولہ پُل بنے ہوئے ہیں۔ دریائے ٹیمز کے نیچے بھی کئی ٹنل کھودے ہوئے ہیں جن میں سے آدمی اور ریلیں گذرتی ہیں۔

بلیک وال ٹنل لنڈن کونٹی کونسل نے بلیک وال ٹنل حال ہی میں پوپلر اور گرینچ کے درمیان دریائے ٹیمز کے نیچے کھودا ہے جو پانچ سال میں ختم ہوا

اور ۲۲ مئی ۱۸۹۷ء کو بادشاہ سلامت نے اس وقت بحیثیت پرنس آف ویلز ہونے کے اس کو کھولا تھا۔ یہ ٹنل سوا میل لمبا ہے۔ جس کے بیچ میں سے ۱۶ فٹ گاڑی کا راستہ اور کناروں پر تین تین فیٹ پیدلوں کے لئے راہ بنائے گئے ہیں۔ اس کے اندر بھی سفید روغن کی اینٹیں لگائی گئی ہیں اور تین قطاریں برقی لمپوں کی لگائی گئی ہیں۔ جن کا ہر لمپ دس دس فیٹ کے فاصلہ پر ہے۔ کونٹی کونسل جو لنڈن کی میونسپل کمیٹی ہے اس نے محض شہر کے اس طرف کے گذرنے والے لوگوں کے اور گاڑیوں اور چھکڑوں کے سہولیت کے لئے تیرہ لاکھ ساڑھے تراسی ہزار پونڈ کے خرچ سے اس ٹنل کو تیار کیا ہے۔ اس سے پہلے گرنیچ سے پاپلر تک پہنچنے میں بہت فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ مگر اب یہ چند منٹ کی راہ رہ گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی انہیں اطراف میں دریا کے نیچے دو اور راستے کونٹی کونسل تیار کر رہی ہے۔ جننے لوگوں کے لئے سہولیت بہم پہنچانے اور کم وقت صرف ہونے کے سوا اور کوئی مقصود نہیں۔ سب سے پہلا ٹنل جو دریائے ٹیمز کے نیچے لنڈن میں کھودا گیا تھا وہ ۱۸۴۳ء میں اٹھارہ سال کی محنت کے بعد (۶۱۴۰۰۰) پونڈ کی لاگت سے تیار ہوا تھا۔ مگر اس میں سے صرف آدمی گذر سکتے تھے۔ اور گاڑیاں وغیرہ نہیں گذر سکتی تھیں۔ ہر چند کہ یہ ٹنل اس وقت بہت مفید نہ ثابت ہوا۔ تاہم اس زمانہ کے لحاظ سے ایک عجیب چیز سمجھا جاتا تھا۔ مگر کچھ مدت بعد ایک ریلوے کمپنی نے ریلوے لائن اس میں سے نکال لی۔ اور یہ خوب کام آنے لگا۔ اس طرح شہر لنڈن میں نہ صرف ریلوے لائنیں گھروں اور تہ خانوں کے نیچے سے ہی گذرتی ہیں بلکہ دریائے ٹیمز کے نیچے سے بھی کئی سڑکیں گذرتی ہیں۔

دنیا کی سب سے بڑی میونسپلٹی اور شہر کی صفائی

اب جبکہ لنڈن کونٹی کونسل کا ذکر آ گیا ہے تو اسکے قابل داد کارناموں کی بھی تھوڑی سی تفصیل کر دینی

چاہیئے۔ ۱۸۸۸ء میں لوکل گورنمنٹ ایکٹ کے رو سے لنڈن کونٹی کونسل قائم ہوئی۔ اس کے (۱۳۷) ممبروں کو پبلک تین سال کے لئے منتخب کرتی ہے۔ اور کونسل (۱۹) ایلڈرمین چھ سال کے واسطے منتخب کرتی ہے۔ اس میں وزیراعظم تک ممبر اور عہدہ دار رہ چکے ہیں۔ اور کئی ممبران پارلیمنٹ ہمیشہ رہتے ہیں۔ کونسل کا سب سے اہم کام لنڈن ایسے بڑے شہر کے گندے پانی کی نالیوں کی صفائی ہے۔ سال مختتمہ ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۰ء میں (۹۳۲۵۷۰۸۱۳۰) گیلن گندہ پانی شہر سے باہر نکالا گیا۔ مگر اتنا گندہ پانی کہ جس سے ہر سال ایک بڑی جھیل بن سکتی ہے کہاں پھینکا گیا۔ اس مسئلہ کو لنڈن کونٹی کونسل نے اس طرح حل کیا ہے کہ سب پانی کو ایک جگہ جمع کر کے چونے اور لوہے کے پروٹوسلفیٹ کی لاگ سے صاف کیا جاتا ہے۔ اُس کی تمام میل نشین ہو جاتی ہے۔ جسے جمع کر کے سمندر میں پھینکا جاتا ہے۔ اور صاف پانی شہر سے گیارہ میل کے فاصلہ پر دریائے ٹیمز میں ڈالا جاتا ہے۔ اچھے اچھے سائنس دانوں نے بخوبی آزما لیا ہے کہ یہ صاف شدہ پانی بالکل بے ضرر ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے دریا میں گذشتہ چند سال سے مچھلی بہت زیادہ پیدا ہونے لگی ہے۔ میل جو اس سال میں بائیس لاکھ اٹھاسی ہزار ٹن نکلی تھی۔ اسے چھ خاص جہاز سال بھر سمندر میں لیجا کر پھینکنے میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ اس سال میں ہزار ہزار ٹن وزن کے ۲۲۸۸ سفر ان جہازوں کو کرنے پڑے۔ پہلی نالیاں کافی نہ ہونے کی وجہ سے تیس لاکھ پونڈ کے صرف سے کچھ اور نالیاں تیار ہو رہی ہیں۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ کمیٹی ایک ٹنل دریا کے نیچے چودہ لاکھ پونڈ کے خرچ سے بنا چکی ہے۔ اور دو دوسرے اکیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے بنا رہی ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے ٹیمز پر واکسل برج نامی ایک عظیم الشان پل بنایا ہے۔ اور لیمبتھ برج عنقریب تعمیر کرنے والی ہے۔ مگر اس سے بھی بڑا کام وہ ہے جو تخمیناً

پینتالیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے سٹرینڈ اور ہوبرن کے مابین ایک نیا اور خوبصورت بازار بنانے والی ہے کہ جس سے اس نواح میں شہر کی خوبصورتی بہت بڑھ جائیگی۔ ٹیمز کے کنارہ پر جو خوبصورت بند بنایا گیا ہے وہ بھی کونٹی کونسل کا کام ہے۔ سال گذشتہ میں اس کمیٹی نے شہر کے باسٹھ مقامات پر تیس لاکھ پونڈ کے خرچ سے اصلاح کی ہے۔

پارک اور تفریح کے سامان

اور گذشتہ بارہ سال میں شہر کی پارکوں اور تفریح گاہوں کی تعداد چالیس سے سو تک بڑھا دی ہے۔ اور ابھی چند پارک ایسے ہیں کہ جنکا انتظام اس کمیٹی کے ہاتھ میں نہیں۔ ان نزہت گاہوں سے شہر کی خوبصورتی اور اہل شہر کی صحت اور دلچسپی پر کتنا بڑا اثر پڑتا ہے۔ علاوہ بڑے بڑے پارکوں کے جو گھروں سے کسیقدر دور ہیں۔ اور جہاں لوگ زیادہ تر شام کے وقت کام سے فارغ ہوکر جاتے ہیں چھوٹے چھوٹے سبزہ زاروں میں دن بھر عورتیں اور بچے زندگی کا لطف اُٹھاتے رہتے ہیں۔ کونٹی کونسل نے بعض رمنوں میں ہرن اور جنگلی پرند بھی جمع کر دیئے ہیں۔ اور لوگوں کی دلچسپی اور تعلیم کے لئے پرندوں کے چڑیا خانے بنوا دیئے ہیں اہل شہر کے مزید دلچسپی کے لیئے اس سال میں (۳۷۴۷) پونڈ کے خرچ سے (۹۸۵) بینڈ کے تماشے کرلئے اور کرکٹ کے پندرہ ہزار گیم کھیلنے کا اپنی زمینوں پر کرکٹ کھیلنے والوں کو انتظام کر دیا۔ دو پارکوں کے بڑے بڑے حصوں میں ریت بچھوا دی گئی ہے تاکہ غریب لوگوں کے بچے کہ جنہیں کبھی سمندر کے کنارہ پر جاکر ریت میں کھیلنے کا موقع حاصل نہیں ہوتا یہاں لطف حاصل کریں۔ موسم گرما میں کونسل کے نالاوں اور جھیلوں پر لوگوں کے نہانے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ اور مختلف پارکوں میں چالیس جمنیزیم لوگوں کی ورزش کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ کونسل کے کل پارکوں اور نزہت گاہوں کا رقبہ اب چالیس ہزار ایکڑ کے قریب ہو چلا ہے۔ حالانکہ اصل شہر لنڈن کا رقبہ

ساڑھے چھ سو ایکڑ ہے۔ اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ یوروپ کے شہروں میں باوجود زمین کے اس حد تک گراں ہونے کے پارکوں کے لئے جگہ خالی رکھنی کتنی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ اور انہیں واقعی شہروں کی صحت کے لحاظ سے شہر کے جسم کے پھیپھڑے مانا جاتا ہے۔ بحالیکہ ہمارے شہروں میں چپہ چپہ نزول کی سفید زمین بذریعہ نیلام فروخت کر کے روپے سرکار کے خزانہ میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ کاش ہمارے شہروں کے اندر بھی خالی زمین سبزہ زار کے لئے چھوڑی جائے۔

غریب لوگوں کے مکانات

لنڈن جیسے دولت مند اور بڑے شہر میں غریب لوگوں کے مکانات کیسے تنگ و تار اور مضر صحت ہونگے۔ شہر کی میونسپلٹی نے یہ بھی اپنا فرض سمجھا ہے کہ غریب لوگوں کو عمدہ عمدہ مکان بہم پہنچائے کہ جن میں اُنکی صحت کو نقصان نہ پہنچے۔ لنڈن میں آٹھ لاکھ آدمی نہایت گنجان مکانوں میں رہتے تھے۔ اور ہر مکان میں آٹھ آدمیوں سے کم کی اوسط نہ تھی۔ اِنکے لئے زمین خرید کر ابتک چھیالیس بڑی بڑی لمبی عمارتیں اور سات کوٹھی نما مکانات تعمیر کی گئی ہیں جو ہمارے ملک کے امیروں کے مکانات سے بھی بلحاظ صفائی اور حفظان صحت کے اچھے ہیں۔ انپر کونسل کے (۶۵۳۰۸۰) پونڈ خرچ آئے ہیں۔ اور (۳۸۲۶۰) پونڈ سالانہ کرایہ ہے جو اس رقم کا کافی منافع ہے۔ اور بھی اسی طرح کئی جگہ مکان بنائے گئے ہیں جن میں اب تک (۳۱۲۰۵) آدمی سکونت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ سب شائستہ قوموں کے ارکان ہونے کا ایک ادنےٰ فائدہ چھیالیس ہزار آدمیوں کی رہائش کے لئے ایک نیا گانوں پندرہ لاکھ پونڈ کی لاگت سے تعمیر ہوگا۔ جس کے گھروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے باغات اور چاروں طرف پر فضا سایہ دار سڑکیں ہونگی۔ لنڈن کاؤنٹی کونسل نے کچھ عرصہ سے شہر لنڈن کی ٹریموے کمپنی سے کل ٹریموے لائینیں خرید لی ہیں۔ اور تب سے

ٹرامیوے کا کرایہ کم اور آسائش پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے۔

فائر بریگیڈ لنڈن ایسے بڑے شہر میں آتش زدگیاں ہر سال بتیس سو تخمینہ کی گئی ہیں۔ جن میں سے دو سو بہت شدید ہوتی ہیں کہ جن میں لاکھوں روپیہ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ اس لئے اطفائے آتش کا محکمہ اس شہر میں خصوصیت سے مستعد اور کیل کانٹے سے تیار رہتا ہے۔ جسپر کونٹی کونسل کو تین لاکھ پونڈ سالانہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جو اس کے ہر پونڈ میں سوا پنس کا خرچ ہے۔ اس صیغہ میں ۶۳ خشکی پر فائر انجنوں کے سٹیشن (۱۰۴) چھوٹے سٹیشن (۷۰) سٹیم فائر انجن خشکی اور تری پر۔ ۱۳۱ دستی طاقت سے چلانے والے انجن۔ اٹھائیس میل لمبے ہوس کے نلکے (۶۲۴) فائر الارم جس سے آگ لگنے کی خبر ملتی ہے (۲۵۳۰۶) پانی لینے کی جگہیں۔ ۲۳۵ گھوڑے۔ اور ۱۱۳۹ کل افسر اور آدمی

ایک روز پکاڈلی سرکس کے قریب ایک یہودی رستوران میں میں دوپہر کو کھانا کھا رہا تھا کہ یکایک سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی گئی۔ اور سب لوگ مکان کے اندر سے بھاگ کر سڑک پر چلے گئے میں بھی جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ قریب کے ایک مکان میں آگ لگ گئی تھی جسکی خبر پہنچنے پر دم زدن میں فائر بریگیڈ کا ایک دستہ دو گاڑیوں پر سوار معہ فائر انجنوں کے پہنچ گیا تھا۔ ان گاڑیوں کے گھوڑے اعلےٰ درجہ کے ہوتے ہیں۔ ہر گاڑی پر پانچ سوار ہوتے ہیں۔ جن میں ایک ڈرایور ہوتا ہے سواروں کی نشستیں گاڑیوں کے پہلوؤں کی طرف ہوتی ہیں۔ تاکہ انہیں چڑھتے اُترتے دیر نہ لگے۔ اور وہ لٹکتے ہوئے دستے پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی وردی نہایت چست ہوتی ہے۔ اور ایسے کپڑے سے بنائی جاتی ہے کہ جسے یکایک آگ نہ لگے۔ ٹوپی خود کی قسم کی پیتل کی ہوتی ہے۔ جو بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے بعض سٹیشنوں پر یہ گاڑیاں اور اُنکے سوار ہر وقت تیار اور مسلح رہتے ہیں خبر آنے کی دیر لگتی ہے۔ اور انکی گاڑی دوڑتی ہوئی آتش زدگی کے مکان کو جا ہی

ہوتی ہے۔ اِس گاڑی کے بگل کی آواز سے سڑک صاف ہوتی جاتی ہے۔ اور کوئی چیز اسے راستہ میں روک نہیں سکتی۔ برلن میں تو حکم ہے کہ شاہی سواری بھی آگ کی گاڑی کا راستہ چھوڑ دے۔ ساتھ ہی مکانوں پر چڑھنے کی سیڑھیاں۔ آتشزدہ مکانوں سے آدمی اور اسباب نیچے پھینکنے کے لئے ربڑ کی جالیاں اور زمین پر بچھانے کے موٹے گدیلے وغیرہ سامان رہتا ہے۔ یہ لوگ بے تکلف اپنا فرض ادا کرنے کے لئے جان جوکھوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اپنی جان سے بے فکر ہو کر بے بس عورتوں مردوں اور بچوں کی جانیں شعلوں سے بچاتے ہیں۔ اِن کی مستعدی اور بہادری دیکھکر خیال ہوتا ہے۔ کہ بیشک انہیں صفات سے قوموں کی عظمت کی عمارت چنی جاتی ہے۔ شہر لنڈن میں جابجا لوہے کے چھوٹے چھوٹے ستون کھڑے ہیں۔ جنکے منہ میں شیشہ لگا ہوا ہے۔ جب کہیں آگ لگتی ہے تو قریب کے ستون کا شیشہ توڑ کر اُس کے اندر کی گھنٹی بجا دی جاتی ہے۔ جو قریب کی پولیس یا فائر سٹیشن میں لگی ہوئی ہوتی ہے۔

لنڈن کا کانسٹبل لنڈن کی پولیس کا انتظام گورنمنٹ کے ہوم سکرٹری کے ہاتھ میں ہے۔ شہر لنڈن کی حفاظت اور انتظام کے لئے (۱۵۸۴۷) کانسٹبل موجود ہیں۔ جو فی سو ایکڑ کے لحاظ سے ۲½ کانسٹبلوں کی آبادی کے ہر ہزار آدمی پیچھے تین اور ہر سو آباد گھروں کے پیچھے دو کانسٹبلوں کی اوسط پڑتی ہے۔ اہل لنڈن اپنی حفاظت پولیس کے لئے ۱۳ لاکھ پونڈ سالانہ خرچ کرتے ہیں۔ گو لنڈن کی آبادی بہت ہے۔ لیکن پولیس کے عمدہ انتظام سے جرائم بہت زیادہ نہیں ہوتے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں (۱۰۸۲۶۷) آدمی مجرم قرار پائے اور ۳۸ ہزار سزایاب ہوئے۔ (۲۱۲۳۴۰) پونڈ کا مال چوری گیا تھا جس میں سے پولیس کی کوشش سے ۳۹ ہزار پونڈ کا مال سراغ رسانی کے بدولت مالکوں کو مل گیا۔ ایک سال میں سنتیس ہزار ریورٹیں اس قسم کی

پولیس میں لکھوائی گئیں کہ فلاں شخص گم ہوگیا ہے - ان میں سے اٹھارہ ہزار آدمی پولیس نے تلاش کر دیئے - گاڑیوں سے ۴۱ ہزار چیزیں جمع کرکے گم شدہ مال میں داخل کیں - جن میں سے (۲۰۵۵۰) اصلی مالکوں کا پتہ لگا کر انہیں پہنچائی گئیں - جن کی تفصیل یہ ہے (۱۸۰) جیب گھڑیاں - ۳۴۹ بٹوے - اور (۱۹۰۷۷) چھڑیاں - غرض لنڈن کا پولیس مین ایک نہایت مفید چیز ہے خصوصاً اُن مسافروں کو جو لنڈن میں نووارد ہوتے ہیں اور راستہ نہیں جانتے - کانسٹبل بہت اچھی طرح راستہ سمجھا کر بتلاتا ہے - بلکہ مجھے تو ایک دو مرتبہ چند قدم ساتھ بھی چلکر موڑ سے دوسری طرف کا راستہ دکھلا دیا - لنڈن کے لئے خصوصیت سے تمام ملک سے تنا ور اور طویل القامت کانسٹیبل چنا جاتا ہے - اور تمام پولیس کی فوج میں ایک بھی چھوٹے قد کا آدمی نہیں - جب یہ از سرتاپا سیاہ وردی پہنے ہوئے بھیڑ کے درمیان کھڑا ہوا ہوتا ہے - تو تمام راہ گذروں سے ایک آدھ بالشت سر بر آوردہ (بلند) نظر آتا ہے - یہ لنڈن کی گلیوں کا ایک خاص زیور ہے - ہزاروں لوگ اس سے راستہ پوچھتے ہیں - مگر یہ نہیں اکتاتا یہ بالکل اکھڑ اور بدمزاج نہیں ہوتا - بلکہ تعلیم یافتہ اور معقول شخص ہوتا ہے - بدمعاش اس سے بھاگتے ہیں - کیونکہ ہندوستان کے اکثر جاہل اور نادان کانسٹبلوں کی طرح یہ کبھی بدمعاشوں سے سازباز نہیں کرسکتا - اس کی تنخواہ پینتیس شلنگ یا دو پونڈ ہفتہ وار ہے جو ہندوستان کے چار کانسٹبلوں کی ماہوار تنخواہ کے برابر ہے - زیادہ بارونق بازاروں میں گاڑیوں کے ہجوم کا بھی کانسٹبل ہی انتظام کرتے ہیں کہ جس کا ذکر آگے آئیگا -

لنڈن کونٹی کونسل کا تعلیمی کام

لنڈن کونٹی کونسل کے ٹکنیکل تعلیم کے بورڈ نے در اصل لنڈن یونیورسٹی کی طرز تعلیم کی اصلاح کر دی ہے - اور ایسا اچھا اثر پایہ تخت انگلستان کی تعلیم پر ڈالا ہے کہ ایک غریب سے غریب بورڈ سکول کا لڑکا سکالرشپوں اور مدد معاش کے ذریعہ سے یونیورسٹی کے اعلےٰ

ترین اعزاز تک حاصل کر سکتا ہے اور اپنے ملک کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ کونسل کی زیر نگرانی کئی قسم کے انڈسٹریل سکول جاری ہیں۔ جن کی غرض یہ ہے کہ لوگ اُنکے ذریعہ سے ہر پیشہ میں جاکر روٹی کمانا سیکھ جائیں۔ لنڈن کے سکولوں میں ساڑھے سات لاکھ طلبا درج رجسٹر ہیں۔ اوسط روزانہ حاضری چھ لاکھ سے زائد ہے۔ بورڈ سکولوں کے طلبا کی تعلیم پر پینتیس لاکھ پونڈ سالانہ صرف ہوتا ہے۔ سال گذشتہ میں (۳۹۵) مدرسوں میں رات کو بھی تعلیم ہوتی رہی۔ جن میں اسی ہزار طلبا حاضر ہوتے تھے۔ ساڑھے پندرہ لاکھ سالانہ تعلیم حرفت پر صرف ہوتا ہے۔ لنڈن میں ۵۹ کتب خانے ایسے ہیں جن میں کتابیں پڑھنے کے لئے کچھ دینا نہیں پڑتا۔ اور ان میں چھ لاکھ سے زیادہ کتابیں ہیں۔ جن میں سے ساڑھے چالیس لاکھ ایک سال کے اندر پڑھنے کے لئے طلب کی گئیں۔ ان کتب خانوں پر اکسٹھ ہزار پونڈ سالانہ صرف ہوتے ہیں جس نواح میں میں رہتا تھا وہاں آکسفورڈ سٹریٹ کے ڈاک خانہ کے پاس ایک ایسا کتب خانہ تھا۔ جہاں ہر قسم کے اخبارات لنڈن ٹائمز سے لیکر چھوٹے چھوٹے ہفتہ وار پرچوں اور مختلف پیشوں کے رسالوں تک تھے۔ اور ڈکشنریاں اور ہر قسم کی ڈائرکٹریاں اور کچھ منتخب کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ دن بھر یہ بند رہتا تھا لیکن شام کو مزدور وغیرہ لوگ جب اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر آتے تو یہ کھل جاتا۔ اور سینکڑوں لوگ آکر اخبارات پڑھنے لگتے۔ اخبارات کو بلند ڈسکوں پر ایسے طور سے جڑا جاتا تھا کہ لوگ کھڑے کھڑے پڑھتے تھے۔ اسیطرح ہمین رونق والے موقعوں پر اس نواح کے لوگوں میں علم اور شائستگی پھیلانے کے لئے ایسے ایسے مفید انتظام کئے گئے ہیں۔

لنڈن میونسپلٹی سے سبق

ان فرائض کے علاوہ کونٹی کونسل کے اور بھی کئی کام ہیں مثلاً ماپ تول کی نگرانی۔ روئی اور کوئلہ کی فروخت اور

گیس اور آبرسانی کی اجرا کی نگرانی معصوم بچوں کی حفاظت ۔ دھوئیں کا انسداد وغیرہ ۔ مگر ان کے یہاں درج کرنے کی گنجائش نہیں ۔ میں نے جو کسی قدر تفصیل سے اس دنیا کی سب سے بڑی میونسپلٹی کے حالات لکھے ہیں (ہر چندکہ وہ بجائے خود نہایت مختصر ہیں) اُس سے غرض یہ ہے کہ ہندوستان کی میونسپلٹیوں کو معلوم ہو کہ وہ رفاہ عام کے کاموں میں کہاں تک مدد کر سکتی ہیں ۔ بدنصیبی سے ہمارے یہاں اکثر ممبران میونسپلٹی اپنی تمام گرمجوشی اور محنت اپنے انتخاب کے وقت ہی صرف کر چکتے ہیں ۔ اس لیے اُنکا ذخیرہ کام کرنے کا ختم ہو جاتا ہے ۔ افسوس ہے کہ ہم نے لوکل سلف گورنمنٹ ایسی نعمت کی ہندوستان میں بالکل قدر نہیں کی ۔ اور اس تجربہ میں بہت کچھ مایوسی ہوئی ہے ۔ جس سے ہندوستانیوں نے عملاً ثابت کر دیا ہے کہ ابھی بہت مدت تک وہ اپنے گھروں کا انتظام کرنے کے لائق بھی نہیں ۔

لنڈن کی دوسری انتظامی جماعتیں

گو کونٹی کونسل ہی شہر لنڈن کی میونسپلٹی کہلا سکتی ہے ۔ تاہم شہر کے بعض انتظام بعض دوسری مجالس کے بھی سپرد ہیں ۔ مثلاً محتاجوں اور مفلسوں اور بوڑھوں معذوروں وغیرہ کی دستگیری کے لئے کہ جو اپنا انتظام خود نہیں کر سکتے ۔ غریب خانے بنانے کا انتظام پور لا گارڈئینس کے سپرد ہے کہ جن کی لنڈن میں تیس ۳۰ یونین یعنے مجالس ہیں جو ہر علاقہ شہر میں پور ریٹیں وصول کر کے محتاجوں کا انتظام کرتی ہیں ۔ شہر کے مختلف حصوں کی مقامی سڑکوں کی درستی اور چھڑکاؤ ۔ اُن حصوں کی حفظان صحت کا انتظام اور پبلک کے لئے جا بجا غسل خانے اور حسب ضرورت کتب خانے قائم کرنے کا بندوبست سنہ ۱۸۹۹ء سے بورو کونسلوں کے سپرد ہے ۔ جو لنڈن میں اٹھائیس ہیں ۔ کیونکہ شہر اٹھائیس علاقوں پر منقسم ہے ۔ اہل شہر کے بچوں کی تعلیم کا انتظام ایک

دوسری جماعت کے سپرد ہے کہ جس کا نام لنڈن سکول بورڈ ہے۔ اور جو ۱۸۷۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس میں پچپن ممبر ہیں۔ اور انہیں بھی بورڈ کونسلوں اور کونٹی کونسل کی طرح ریٹ پیئرس یعنے ٹکس دینے والے تین تین سال کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ واقعی تعلیم کا کام اتنا بڑا ہے۔ کہ یہ کسی دوسری مجلس کے سپرد رہنے کی حالت میں ایسی عمدگی سے نہ ہو سکتا۔ جیسا کہ اب لنڈن سکول بورڈ کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔

لنڈن کی رونق اور گاڑیاں

ہرچند کہ لنڈن و نواح میں دو سو سے زیادہ ریلوے سٹیشن ہیں تاہم یہاں کی آبادی کے لئے بہت سے گھوڑا گاڑیاں مطلوب ہوتی ہیں۔ ایک قسم کی ایک گھوڑی والی دو پہیہ گاڑی کا کہ جسے کیبر یالیٹ یا کیب کہتے ہیں۔ بہت رواج ہے۔ اسے ہنسم کیب بھی کہتے ہیں۔ چیرنگ کراس سے چار میل کے حلقہ کے اندر اندر اس کا کرایہ چھ پنس فی میل ہے۔ اور اس سے باہر ایک شلنگ فی میل ہے۔ لیکن مختلف مقامات کے لئے کرایہ کی شرح ایسی پیچیدہ ہے کہ اجنبی عموماً کوچبین کے رحم کا منتظر رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ ابتک انگلستان کی گاڑیوں کو ویانا اور برلن کی گاڑیوں کی طرح ٹکسا میٹر نہیں لگائے گئے۔ نومبر ۱۸۹۹ء کے ایک شمار کے مطابق لنڈن میں سولہ ہزار سے زیادہ لائسنس دار گھوڑا گاڑیاں ہیں۔ جو چیرنگ کراس کے ہر طرف پندرہ پندرہ میل کے فاصلہ میں گشت کرتی ہیں۔ ان میں (۷۹۹۵) ہنسم کیب (۳۵۸۳) چوپہیہ (۳۱۹۰) آمنی بسین اور (۱۳۷۸) ٹریموے گاڑیاں ہیں۔ اس کے علاوہ چھ ہزار ریل کی گاڑیاں اور چھکڑے ہیں۔ جو شہر میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے سوا ننے لاکھوں لوگ شہر میں پیدل چلتے ہیں۔ بازاروں کے بیچ میں گاڑیوں کیلئے سڑکیں چھوڑی ہوئی ہیں۔ اور دونوں طرف ذرہ بلند پٹریاں بنائی گئی ہیں کہ جنپر پیدل چلتے ہیں۔ یہ پیدل بھی اتنے ہوتے ہیں کہ کئی بازاروں میں یہ

پٹریاں لبالب بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ لوگ چھاتے یا لاٹھیاں ہاتھ میں لئے اتنی جلدی چلتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے شائد کہیں بھاگے جا رہے ہیں۔ ہر صورت میں ان لوگوں کو وقت کی کفایت کرنا مدنظر ہے۔ کوئی ایک شخص بھی آرام سے ٹہلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ بعض بڑے بڑے چوکوں میں دونوں طرف سے گذرنے والی گاڑیوں کے بعض اوقات اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ اگر اُنکے گذارنے کا انتظام نہ کیا جائے۔ تو پیدل مسافروں کی سلامتی کا اندیشہ رہے۔ اور گاڑیاں بھی آپس میں ٹکرا کر ٹوٹتی رہیں۔ اس لئے ایک کانسٹبل جو ہر چوک میں کھڑا رہتا ہے۔ ہاتھ سر سے بلند کرکے اشارہ سے ایک طرف کی گاڑیوں کو روک دیتا ہے۔ تو دوسری طرف کی گاڑیاں اور آدمی گذرنے لگتے ہیں۔ اور جب اُدھر کی بھیڑ کم ہوجاتی ہے تو اتنے میں دوسری طرف بھیڑ لگ جاتی ہے۔ اور پھر اشارہ سے پولیس مین اُن کو گذرنے کی اجازت دیتا ہے۔ بعض بڑے بڑے چوکوں مثل چیرنگ کراس لڈگیٹ سرکس۔ بینک سرکس میں تو یہ نظارہ صبح سے لیکر شام تک ہر دم جاری رہتا ہے۔ اگر پولیس مین یہ کام نہ کریں تو ایک طرف کی گاڑیوں اور پیدلوں کے گذرنے کی تو نوبت ہی نہ آئے۔ اب مینشن ہوس کے قریب ہی بنک کے سرکس میں بھیڑ کی کثرت کی وجہ سے ایک زیر زمین راستہ بنا دیا گیا ہے جس کا مُنہ چار پانچ بازاروں کی طرف کھلا ہے۔ چونکہ اس چوک میں ہر طرف سے بھیڑ زیادہ رہتی ہے۔ اس لئے لوگ عموماً سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر دوسری طرف بازار میں جا نکلتے ہیں۔ یہ در اصل نئی زیر زمین برقی ریلوے کا ایک سٹیشن ہے۔ صرف لنڈن کی جنرل امنی بس کمپنی سال میں پانچ کروڑ مسافر لے جاتی ہے۔ ٹرمویے کی سڑکیں شہر کے باہر کی طرف ہیں۔ وہ تنگ بازاروں میں نہیں گذرتیں۔ دریائے ٹیمز میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جہاز چلتے ہیں جو جا بجا ٹھہرتے ہیں۔ جیسا کہ

میں پیرس کے حالات میں بیان کر چکا ہوں کہ پیرس کے امنی لبس کی چھت پر بیٹھنے والے گاڑی کے اندر بیٹھے والوں سے نصف کرایہ دیتے ہیں۔ اور گاڑی کے اندر بیٹھنا باہر کی نسبت معزز سمجھا جاتا ہے۔ لنڈن کی بسوں میں گاڑی کے اندر بیٹھنے یا چھت پر بیٹھنے کا ایک ہی کرایہ ہے۔ بلکہ اندر کی نسبت لنڈن کے لوگ چھت کو اسقدر پسند کرتے ہیں کہ اگر کسی گاڑی کی چھت پر جگہ رُک گئی ہو مگر اندر جگہ کافی ہو تو بعض لوگ اس گاڑی پر بیٹھتے ہی نہیں لنڈن اور پیرس جیسے دو نہایت قریب شہروں میں ایسا اختلاف واقعی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کو عجیب بنانے والے زیادہ تر اہل لنڈن ہیں جو بعض باتوں میں تمام یوروپ سے نئی چال چلتے ہیں۔ مثلاً تمام یوروپ میں گاڑی چلانے کا قاعدہ یہ ہے کہ گاڑیبان ہر دوسری گاڑی سے جو اُسے سامنے ملے اپنی گاڑی دائیں ہاتھ کو رکھے۔ پیرس برلن ویانا اور قسطنطنیہ غرض سارے یوروپ میں یہی قاعدہ ہے۔ مگر انگلستان میں ہر کوچبین اپنی گاڑی کو بائیں ہاتھ رکھے گا جیسا کہ ہندوستان میں بھی گاڑی کا قاعدہ ہے۔ اور یہ انگریزوں کا ہی جاری کیا ہوا ہے۔

لنڈن کے بازار — لنڈن کے اکثر بڑے بڑے بازار بہت کشادہ اور خوشنما ہیں گو بعض تنگ اور ٹیڑھی گلیاں بھی اُنکے پہلوؤں میں ہیں۔ مگر وہ دِن بدن مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ اور اُنکے بجائے خوبصورت بازار بنتے جاتے ہیں۔ پہلے پہل جب کوئی اجنبی اس شہر میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کے مکانات کی رفعت دوکانوں میں مال کی کثرت بازاروں کی صفائی اور آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھکر دنگ ہو جاتا ہے۔ بے ارڈ ٹیلر نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص خاموش کھڑا ہوا دیکھتا ہے۔ کہ بیپایاں انتہا مخلوق جو اُس کے چاروں طرف گذر رہی ہے۔ اس میں ایک فرد واحد بھی اُسے نہیں جانتا اور نہ اُس کی پرواہ کرتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو کیسا تنہا پاتا

ہے۔ لیکن وہ ہزارہا لوگ جو اس کے پاس سے گذرتے ہیں۔ اُنکی نسبت وہ بھی کیا جانتا ہے۔ دوسری طرف بعض ایسے کوچے بھی ہیں کہ جہاں ایک آدمی گذرتا ہوا بھی نظر نہیں آتا۔ شہر لنڈن کو اینٹوں کا جنگل کہا گیا ہے۔ مکانات اینٹ پتھر ہی کی بنی ہوئی ہیں۔ لنڈن کے گھروں کے ساتھ ایسے برآمدے نہیں ہوتے جیسے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی کوٹھیوں کے ساتھ بنائے جاتے ہیں۔ البتہ وہ دلکش سب پر ہوتے ہیں جس نے پیرس اور ویانا وغیرہ جیسے شہر دیکھے ہوئے ہوں۔ وہ لنڈن کے مکانات کی بیرونی حالت کو بہت دلچسپ نہیں پاتا۔ کیونکہ مکانات دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ البتہ اندر سے نہایت صفا اور آراستہ ہوتے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے عالیشان مکانات پانچ پانچ سات سات منزلوں کے میلوں تک چلے گئے ہیں۔ دنیا میں صرف نیویارک ایک ایسا شہر ہے جس کے مکانات اس سے رفیع ہوتے ہیں۔ لنڈن میں موسم بھی اکثر دھندلا رہتا ہے۔ موسم گرما میں بھی سورج دیوتا کے درشن مغتنمات سے سمجھے جاتے ہیں۔ موسم سرما کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ کبھی کبھی یکایک ایسا کالا بادل گھر کر شہر کو گھیر لیتا ہے کہ گھروں میں چراغ جلانے پڑتے ہیں۔ اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ مگر جلدی ہی گذر بھی جاتا ہے۔ ہندوستان میں جب انگریز ملاقاتیوں سے پہلے پہل پوچھتے ہیں کہ موسم کیسا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ دفع الوقتی کرتے ہیں۔ میرے خیال میں شاید یہ اُنکی عادت ہو۔ لنڈن میں جب کبھی اچھا دن ہوتا تھا تو کئی لوگ ہمیں بھی کہتے تھے آج دن تو خوب ہے۔ یورپ کے باقی شہروں کی طرح یہاں کی دوکانوں میں بھی ہر قسم کی اسباب تجارت بڑے بڑے شیشوں والے دروازوں کے پیچھے قرینے سے ایسے طور پر سجائے جاتے ہیں کہ راستہ چلتے ہوئے لوگ دیکھ سکیں۔ ہر دوکان اپنی جگہ ایک چھوٹی سی نمائش گاہ ہوتی ہے۔ خصوصاً جبکہ شام کو ان میں برق اور بتیاں

کی روشنی ہوتی ہے۔ لنڈن کے بہت سے بازاروں میں پتھر کے فرش ہیں یا پتھر کوٹے ہوئے ہیں۔ لیکن بعض بڑے بڑے بازاروں میں لکڑی یا اسفالٹ کا فرش بھی ہے۔ کہ جس پر گاڑی کے پہیوں کی آواز نہیں ہوتی جیسا کہ میں پیرس یا برلن کے بیان میں ذکر کر چکا ہوں۔ بازاروں میں گیس اور کہیں کہیں برقی روشنی بھی کی جاتی ہے۔ شہر لنڈن کو بلحاظ مختلف قسم کے ساکنین کے چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) ویسٹ اینڈ میں شاہی محلات۔ امرا کے مکانات اور بڑے بڑے پارک ہیں۔ (۲) کاروباری حصہ میں لاکھوں سوداگروں کے دفاتر اور دوکانیں ہیں۔ (۳) ایسٹ اینڈ میں ملاحوں۔ مزدوری پیشہ لوگوں اور بہت غریب لوگوں کے مکانات ہیں۔ (۴) نواح میں بیشمار مکانات کی قطاریں اور بازار اور مکانات متوسط الحال لوگوں کے ہیں۔

لنڈن کیا کھاتا ہے جس شہر میں نصف کروڑ سے زیادہ آدمی رہتے ہوں ان کے کھانے کو کسقدر سامان درکار ہوگا۔ میں گارڈن صاحب کی کتاب ہاؤ لنڈن لِوز سے چند اعداد کا اقتباس کرتا ہوں۔ یہ اعداد ۱۸۸۷-۸۸ء کے ہیں۔ اور اس وقت سے ابتک لنڈن کی آبادی میں بحساب ۴۲ ہزار سالانہ کی ترقی ہوئی ہے (بقول لنڈن اٹلس اینڈ گائیڈ) تاہم اگر وہی چودہ سال پہلے کے کھانے پینے کا خرچ صحیح صحیح مان لیا جائے تو اس کی مقدار بھی حیرت انگیز ہے۔ تین لاکھ۔ اسی ہزار ٹن (ایک کروڑ ساڑھے چھ لاکھ من) سالانہ ہر قسم کا حیوانات کا تازہ گوشت لنڈن میں کھپتا ہے۔ جو (۱۰۳۸) ٹن روزانہ یا نصف پونڈ سے کم کچا گوشت اور ہڈیاں ہر شخص کے حصہ میں آتا ہے۔ اس کے سوا بہت سا خشک اور نمکین گوشت آسٹریلیا اور اضلاع متحدہ امریکہ سے ہر سال لنڈن میں آتا ہے۔ صرف امریکہ سے ایک سال میں ایک لاکھ بارہ ہزار ٹن ہر قسم کا گوشت آیا۔ ۱۸۸۷ء میں

بلجیم سے ساٹھ ہزار خرگوش جنکا وزن (۷۵۰) ٹن تھا آئے۔ اور (۲۵۵۰) ٹن مرغیاں اور شکار وغیرہ۔ غرض علاوہ تازہ گوشت کے ہر قسم کا دوسرا گوشت اور شکار ۲۳ ہزار ٹن کو پہنچ جاتا ہے۔ اور ابھی انڈے اس میں شامل نہیں جو ۱۸۹۷ء کے ہاؤس آف کامنز کی ایک نقشہ کے مطابق غیر ممالک سے انگلستان میں (۱۰۸۸۳۸۰۴۴۰) داخل ہوئے تھے۔ جن میں لنڈن کا ساتواں حصہ یعنے پونے چودہ کروڑ ایک خاص مقدار ہے۔ اس میں سے جرمنی نے تیسرے حصے سے زیادہ۔ فرانس نے تیسرا حصہ اور بلجیم نے چھٹا حصہ بہم پہنچائے تھے۔ اضلاع متحدہ امریکہ تک سے انڈے لنڈن کے استعمال کے لئے جہازوں میں لدکر آتے ہیں۔ میں یہاں صرف اتنی بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں مرغیاں اور انڈے اتنے سستے اور اس قدر زیادہ پیدا کئے جا سکتے ہیں کہ ان سے اہل ہند کو بہت سا روپیہ ہر سال وصول ہو سکتا ہے۔ مگر ادھر ابھی تک کچھ توجہ نہیں کی گئی۔ لنڈن کے شکار کی بڑی منڈی ہی لیڈن ہال کی ایک سال کی رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اٹھارہ مختلف قسم کی مرغابیاں۔ بطخیں۔ مرغیاں۔ تیتر۔ بٹیر۔ لقلقیں اور خرگوش وغیرہ تعداد میں ایک کروڑ اسی لاکھ انسٹھ ہزار فروخت ہوئے۔ دس ہزار ٹن مکھن انگلستان کا اور اسی قدر غیر ممالک سے آیا ہوا ایک سال میں اس شہر میں کھپا۔ اور ابھی مارگرین اور جانوروں کی چربی جس کا زیادہ استعمال ہوتا ہے اس کے علاوہ ہے۔ لنڈن میں ایک لاکھ پچیس ہزار گیلن دودھ کا روزانہ خرچ جو عموماً ریلوں میں لدا ہوا ہر روز مضافات سے ایک خاص قسم کے آہنی مٹکوں میں بھرا ہوا آتا ہے۔ اور ہر شخص جو لنڈن کے کسی سٹیشن سے ریل پر سوار ہوتا ہے۔ دن بھر ان خالی مٹکوں کو واپس جانے کے منتظر پڑے ہوئے ضرور دیکھتا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ ڈبے خشک دودھ کے اور (۱۱۴۶۰) ٹن پنیر لنڈن ہر سال استعمال کرتا ہے۔ مچھلی کے مختلف اقسام کی

بابت کچھ نہ پوچھو کہ کسقدر اس شہر میں صرف ہوتی ہے۔ مچھلی کی مشہور منڈی بلنگس گیٹ میں جا کر دیکھو کہ سینکڑوں قسم کی مچھلیوں کے ہر روز کتنے بڑے ڈھیر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ایک مصنف نے بڑی محنت سے حساب پھیلا کر ایک ارب اسی کروڑ مچھلیوں کا سالانہ خرچ لنڈن کے ذمہ لگایا ہے میوؤں کو جو علاوہ انگلستان کے دنیا کے ہر حصہ سے اس ملک میں آتے ہیں۔ اور ترکاریوں اور چائے اور شکر وغیرہ چیزوں کو چھوڑ کر غلہ کی طرف دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ (۸۲۷۵۲۰۰۰) سیر سیر بھر کی روٹیاں سال تمام میں لنڈن میں بڑی کفایت شعاری سے خرچ ہوتی ہیں۔ اس تمام آٹے میں سے تہائی سے بھی کم انگلستان میں پیدا ہوئی ہوئی گیہوں کا ہوتا ہے۔ اور دو تہائی سے زیادہ دنیا کے دور دست ممالک مثل اضلاع متحدہ امریکہ کینیڈا۔ ہندوستان روس۔ چلی۔ جرمنی۔ آسٹرلیشیا۔ رومانیا اور مصر وغیرہ ممالک سے لایا جاتا ہے۔ لنڈن کی طرح باقی تمام ملک بھی غیر ممالک سے آئے ہوئے غلہ پر گذارہ کرتا ہے۔ اور یہ ایک مسئلہ ہے کہ جس پر انگلستان کے مدبر کبھی کبھی حیران ہو جاتے ہیں۔ کہ اگر خدا نخواستہ کوئی دوسری قوم بحری طاقت میں انگلستان کو زک دے سکے اور انگلستان کا محاصرہ کر کے باہر سے غلہ نہ آنے دے تو چند روز میں اہل انگلستان بھوک کے مرنے لگیں۔

لنڈن کا اتوار اجنبی کے لئے لنڈن کا اتوار بھی دلچسپ نظارہ ہوتا ہے۔ پہلے اتوار کو میں مکان سے دس بجے صبح کے باہر نکلا تو بازاروں کو سنسان پایا۔ سوائے کسی کسی آمنی بس گاڑی کے جو کبھی گذر جاتی تھی اور کوئی شخص نہیں ملتا تھا۔ دوکانیں سب بند کر دی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کھانے کے رستوران اور میوہ کی دوکانیں بھی بند ہو جاتی ہیں۔ جو ایک بجے دوپہر کو (یعنی عبادت کا وقت ختم ہو جانے کے بعد) کھلتی ہیں۔ عبادت کا وقت اتوار کے روز صبح سے ساڑھے بارہ بجے تک اور شام کے چھ بجے سے ۹ بجے تک مقرر ہے۔ اسکے

بعد کھانے کے بعض بعض مکانات کھلتے ہیں۔ مگر کھانے کے سوائے باقی سب دوکانیں) اتوار کو قانوناً بند رہتی ہیں۔ بلکہ ڈاک کی تقسیم بھی اتوار کو بند رہتی ہے۔ اور ریلیں بھی ایک بجے تک نہیں چلتیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ لنڈن کے لوگ اس قدر پکے عیسائی اور دیندار ہیں کہ سب گرجوں میں عبادت کے لئے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ گرجوں میں بہت کم لوگ جاتے ہیں۔ ہرچند کہ پادری صاحبان عمدہ سے عمدہ باجے بجانے اور گانے والے گرجوں میں مہیا کرتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض لوگ خصوصاً عورتیں بجائے شوق عبادت کے زیادہ تر اچھے کپڑے دکھلانے دوستوں اور ہمسائیوں سے ملاقات کرنے اور کسی اچھی تقریر کے سننے کے لئے جاتے ہیں۔ ورنہ زیادہ تر لوگ شہر سے باہر مضافات میں بغرض تفریح چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک اتوار کی شام کو میں کیو گارڈن کی طرف گیا تھا جو کئی میل لمبا چوڑا باغ ہے۔ اور علم نباتات کے نمونوں کے لحاظ سے دنیا بھر میں اول درجے کا باغ شمار ہوتا ہے۔ وہاں ہزارہا زن و مرد تھے۔ اور یہی حال دیگر مضافات خصوصاً ہائیڈ پارک اور ریجنٹ پارک وغیرہ کا اتوار کو اور ہر شام کو ہوتا ہے۔ ویانا میں صرف سال کے چند ماہ میں اتوار کو دوکانیں بند کرتے ہیں۔ لیکن کھانے پینے اور تمباکو وغیرہ کی دوکانیں کھلی رہتی ہیں۔ مگر لنڈن کے لوگ ڈاک تک کی تقسیم بند کر دینے میں ساری دنیا میں بے نظیر ہیں۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں بعض چلتے پرزے اخبارات کے مالکوں نے امریکہ کی طرح لنڈن میں بھی اتوار کو اخبار نکالنا چاہا تھا۔ لیکن پادریوں کی مخالفت سے انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ انگریز لوگ خیالات میں زیادہ کنسرویٹو (قدیم باتوں کے پسند کرنے والے) ہیں۔ اس لئے پادریوں کے کہنے سے ایسی رسمیں چلی چلتی ہیں۔

لنڈن کے اخبارات لنڈن کے اخبارات کا مجھ سے کچھ حال نہ پوچھو۔

ایک شاعر اپنے معشوق کی نسبت لکھتا ہے۔

گر کسے وصف او زمن پرسد
بیدل از بے نشاں چہ گوید باز

گو میرا معشوق تو بے نشان نہیں لیکن اس کے متعلق میں ضرور بیدل ہوں۔ لنڈن میں سب سے زیادہ دلچسپ چیز میرے لئے اخبارات تھے یہاں اخبار فروشوں کی دوکانوں پر ہر قسم کے اخبار بکتے ہیں۔ دوکان کے ہر طرف دیواروں پر اخباروں اور خوبصورت رسالوں کے سرورق سجے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر ایک اخبار خریدنے کا ارادہ ہو تو ایسا دلچسپ مجموعہ دیکھکر دو چار خریدنے کو دل للچا آتا ہے۔ ان لوگوں کو نیوز ایجنٹ کہتے ہیں یہ خود بڑے نیوز ایجنٹوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں کہ جنکے پاس براہ راست اخباروں اور رسالوں کے دفتروں سے صدہا بلکہ ہزارہا اور لاکھا پرچے ایک ایک اخبار کے آتے ہیں۔ اور وہ اپنے یہاں سے چھوٹے ایجنٹوں کے پاس تقسیم کرتے ہیں۔ یا ڈاک میں مختلف ممالک کو روانہ کرتے ہیں۔ کیا انگلستان اور کیا یوروپ کے دیگر ممالک میں اخبارات براہ راست بذریعہ ڈاک خریداروں کے نام بہت کم جاتے ہیں۔ زیادہ تر پرچے اسی طرح ایجنٹوں اور نیوز بائز (پھیر کر اخبار بیچنے والے لونڈوں) کے ذریعہ سے انہیں اپنے شہروں یا دوسرے شہروں میں نقد قیمت پر بکتے ہیں۔ اخبار چھپنے کے وقت اخبارات کے دفتروں سے گاڑیاں لد کر لوکل یا مضافات کے نیوز ایجنٹوں کے پاس اخبار لے جاتے ہیں شہر سے باہر دیگر مقامات کو اخبار بھیجنے کے لئے لنڈن سے صبح اور شام کو خاص ریلوے ٹرینیں چلتی ہیں۔ جن کا نام "اخباروں کی ٹرین" ہوتا ہے۔ ہر سٹیشن پر ایجنٹ یا انکے ملازم حاضر ہوتے ہیں۔ ہر اخبار یا رسالہ کے جتنے جتنے پرچوں کا انہوں نے آرڈر بھیجا ہوا ہوتا ہے اتنے پرچوں کا بنڈل وہ ٹرین پھینکتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اور یہ ایجنٹ

اپنے شہر اور نواح کے دیہات میں پرچے فروخت کر دیتے ہیں۔ جب تک ہندوستان میں بھی اخبارات کے بیچنے کا یہی سلسلہ قائم نہ ہوگا اخبارات کی اشاعتیں بہت زیادہ نہ ہو سکینگی۔ اس میں علاوہ اس بات کے کہ اخبار لوگوں کے دروازوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ہر شخص کو اس کے خریدنے کی ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ اخبار کے کارخانہ کے لیئے ایک یہ بڑی سہولت ہے کہ اس کے پاس ہر روز کی بکری پہنچ جاتی ہے۔ اور ہندوستان کے خراب طریقہ کی طرح کئی کئی سال کی قیمتیں گاہکوں کے پاس نہیں رہ جاتیں۔ لنڈن میں اخبار بیچنے کے لیئے نیوز بائز بھی ایک بڑا انسٹی ٹیوشن ہیں۔ اخبار شائع ہونے کے وقت یہ چند ستے اخبارات لیکر ہر طرف بھاگتے پھرتے ہیں۔ جتنی دفعہ کسی اخبار کے دن میں تازہ ایڈیشن نکلتے ہیں اتنی ہی دفعہ اُسے لونڈے بیچتے پھرتے ہیں۔ اور منہ سے اخبار کا نام یا اُس روز کا کوئی بڑا واقعہ جس کی نسبت اس اخبار میں تازہ خبر درج ہوئی ہوتی ہے۔ چلاتے پھرتے ہیں۔ تمام روزانہ اخبارات ہر پرچے کے تازہ خبروں اور ضروری مضامین کا خلاصہ جلی حروف میں ایک بڑے پوسٹر پر چھاپتے ہیں۔ بعض نیوز بائز کسی چوک کے کونے یا دوکان کے سامنے ایسے بہت سے پرچوں کو جما کر مختلف اخبارات رکھکر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر نیوز بائز نہ ہوں تو لنڈن کے اخبارات آدھے بھی نہ بک سکیں۔ کچھ عرصہ سے لنڈن میں نصف پینی کے اخبارات نکلے ہیں۔ جن میں ڈیلی میل اور ڈیلی اکسپرس قابل ذکر ہیں۔ گو ڈیلی ہیرلڈ اور مارننگ بھی کم دلکش نہیں۔ سن اور سٹار اور ایوننگ نیوز اور ایکو بھی نصف پینی کے روزانہ ہیں لیکن پہلے چار پرچوں سے حجم میں بہت کم ہیں۔ پہلے دو پرچوں یعنے ڈیلی اکسپرس اور ڈیلی میل نے تو نصف پینی کی اخبار نویسی میں کمال کر دیا ہے۔ ان میں پڑھنے کا مصالح اور تار برقیاں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ خصوصاً ڈیلی میل باوجود قیمت نصف پینی۔ شائد صرف نصف پینی سن کر میرے

ہموطن ہنستے ہیں کیونکہ نصف پینی بھی تو نصف آنہ ہے۔ سچا لیکہ ہندوستان میں پیسہ اخبار بھی چلتا ہے۔ جس کی ارزانی پر لنڈن اور برلن کے بعض ایڈیٹروں نے بھی تعجب کیا ہے۔ لیکن یورپ اور خصوصاً لنڈن میں نصف پینی بہت بے حقیقت چیز ہے۔ یہاں دولت اتنی زیادہ ہے کہ پینی جو ہندوستان کا ایک آنہ ہے۔ یہاں تھوک کے برابر عزت نہیں رکھتی۔ ہم ہندوستان میں ایک پیسہ ایسا بے محابا خرچ نہیں کرسکتے جس طرح لنڈن میں ۶ پینی یا ۱۲ پینی کا سکہ خرچ کیا جاتا ہے۔ بہرحال لنڈن کے اخبارات کے عجائبات نے مجھے وہاں بہت خوش وقت رکھا۔ میں دن میں دس دس بارہ بارہ اخبارات خرید تا تھا۔ جن کو پڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن ان کی شکل صورت دیکھنے کے لئے لے لیتا۔ یہاں کا ہر شخص اخبار پڑھتا ہے۔ قلی اور سائیس اور کوچوان اور خدمتگار ہر زن و مرد نصف پینی کا اخبار لے کر پڑھ لیتا ہے ایک روز میں لنڈن کے ایک نواح کو جا رہا تھا۔ ٹرموے کے کنڈکٹر نے ایک جگہ گاڑی کھڑی کی۔ اور دوڑ کر اخبار فروش کی دوکان میں جا کر ڈیلی ویکلی کا ایک پرچہ پینی کو خرید لایا۔ اور پھر گاڑی چلنے لگی۔ جیسے کھانے کی بھوک محسوس ہوتی ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں کو اخبار کی اشتہا معلوم ہوتی ہے۔ ان کے ہوٹلوں اور ریسٹارنٹوں میں بھی ہر قسم کے اخبار موجود ہوتے ہیں۔ جو لوگ یہاں کھانا کھانے یا چاء پینے آتے ہیں وہ ساتھ ساتھ اخبار بھی پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن اس بارہ میں میں نے برلن اور ویانا کے ریسٹارنٹ لنڈن سے آگے نکلے ہوئے پائے ہیں۔ جہاں نہ صرف جرمنی بلکہ نصف درجن دوسری زبانوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ اخبارات موجود ہوتے ہیں۔ اور جس قوم کا آدمی آئے اپنی زبان کا اخبار چاہے پڑھ لے لنڈن میں سستے اخبارات کی فروخت کے مقابلہ میں مہنگے اخبارات بہت کم بکتے ہیں۔ یہاں تک کہ لنڈن ٹائمز روزانہ جس کی قیمت تین پنس ہے۔ بیٹھے کہیں دوکان پر یا

لونڈوں کے ہاتھ میں بکتا نہیں دیکھا۔ البتہ پال مال گزٹ سینٹ جیمس گزٹ ڈیلی ٹیلیگراف۔ ڈیلی نیوز۔ سٹینڈرڈ گلوب وغیرہ ایک پنس کے پرچے بہت بکتے ہیں۔ تاہم اتنے نہیں بکتے جتنے کہ نصف پینی کے بکتے ہیں۔ ڈیلی ٹیلیگراف میں گو اشتہارات بہت ہوتے ہیں۔ تاہم یہ پینی کا سب سے بڑا پرچہ لنڈن کا ہے۔ اور اس کا دعوےٰ ہے کہ ہر ایک دوسری صبح کے چھپنے والے اخبار سے دنیا بھر میں اس کی اشاعت ۵ لاکھ کاپی زیادہ ہے اور اس مطلب کے بڑے بڑے پوسٹر اور اشتہارات لنڈن میں چسپان ہیں۔ لیکن ڈیلی نیوز کا دعوےٰ ہے کہ وہ سب سے زیادہ چھپتا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے اب لنڈن کے نصف پینی کے اخبارات میں ڈیلی میل سب سے زیادہ چھپتا ہے۔ اور اُس کے ایک ہی وقت میں تین یکساں ایڈیشن لنڈن برمنگھم اور پیرس میں شائع ہوتے ہیں۔ کیونکہ بذریعہ تاربرقی تمام مضامین اور خبریں لنڈن سے دوسرے دو مقامات کو بھیجکر یکساں اخبار تیار کیا جاتا ہے۔ جو انٹرپرائز کی انتہا ہے۔ اور ہفتہ وار پینی کے اخبارات میں لائڈس ویکلی سب سے آگے ہے۔ گو "رینلڈس ویکلی" اور "دی پیپل" بھی اس کے قریب قریب پہنچے جاتے ہیں۔ ڈیلی اکسپرس جو ۱۹۰۰ء کے شروع ہی میں نکلا تھا اس کے پہلے پرچہ میں قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی کا ایک پیغام اہل انگلستان کے نام بذریعہ تاربرقی چھپا تھا اس کے اولوالعزم مالک نے صرف اس ایک تدبیر کے ذریعہ سے اپنے اخبار کو اسقدر مشہور کر لیا کہ تمام دنیا کے اخبارات میں اس روز یہ کیفیت چھپ گئی کہ ڈیلی اکسپرس میں جو آج ہی جاری ہوا ہے۔ قیصر ولیم نے یہ محبت آمیز پیغام اہل انگلستان کو بھیجا ہے اور ڈیلی اکسپرس کا پہلا پرچہ دس بارہ لاکھ چھپ گیا۔ کاش میں نیویارک میں جاکر وہاں کے اخبارات بھی دیکھ سکتا۔ کیونکہ وہ لنڈن سے بھی دو قدم آگے ہیں۔ لیکن قطع نظر امریکہ کے یورپ میں سب سے آگے انگلستان

کے اخبارات ہیں۔ لنڈن کے علاوہ مانچسٹر وغیرہ مفصلات کے مقامات کے روزانہ اخبار ان کا مقابلہ دوسرے ممالک کے اخبارات نہیں کر سکتے۔ یہ تو روزانہ اخبارات کی حالت ہے۔ رسالجات میں فرانس کے رسالے انگلستان سے کم نہیں۔ گو روزانہ اخبارات میں سب سے زیادہ چھپنے والا اب تک پیرس کا اخبار "جرنل لاپاٹی" سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پیرس ایک بات میں لنڈن سے بہت آگے ہے۔ یعنی یہاں قریب ڈیڑھ دو درجن کے ایسے ہفتہ وار اخبارات چھپتے ہیں۔ جن میں رنگین تصاویر ہوتی ہیں جیسے کہ جرنل لاپاٹی کا ہفتہ وار باتصویر ضمیمہ۔ "ڈالا پریزین کا ہفتہ وار باتصویر ضمیمہ۔ "لاپیٹنال" اور "لاریڈ" وغیرہ اور پھر یہ اکثر پانچ سنٹیم یعنی نصف پینی کے پرچے ہیں۔ جو بہت ہی ارزاں ہیں۔

لنڈن کی علمی زندگی میں اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ سب سے پہلے روز جس اتفاق سے میرا گذر جس بازار میں ہوا وہ فلیٹ سٹریٹ اور سٹرینڈ تھا جو لنڈن کے اخبارات کا معدن اور کتاب فروشی کا مرکز ہے۔ جس کے ہر دریچہ پر کسی نہ کسی اخبار یا رسالہ کا نام موٹے حروف میں لکھا ہوا آویزاں ہے۔ اور جس کے ہر دروازے سے کسی سہ پہر کو ڈھیروں کے ڈھیر تازہ چھپے ہوئے اخبارات کے دنیا بھر میں تقسیم ہونے کے لئے بسرعت تمام نکل رہے ہیں۔ جلی حروف کے پوسٹروں میں حیرت انگیز خبریں درج ہیں اور اخبار بیچنے والے لونڈے سرپٹ دوڑتے ہوئے اخباروں کا گٹھا کندھے پر ڈالے کوئی ضروری خبر چلاتے جاتے ہیں۔ انگلستان کے مشہور لغات نویس ڈاکٹر جانسن نے اسی کے قریب ٹمپل بار کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھے ہوئے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ جہاں ہم اس وقت بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس سے دس میل کے دائرہ کے اندر باقی تمام مملکت سے زیادہ علم و فن موجود ہے" اور واقعی ڈاکٹر جانسن نے درست کہا تھا۔ لنڈن کے

تمام اخبارات اور رسالجات ہر وقت کوشاں رہتے ہیں کہ عمدہ سے عمدہ مضمون اور تازہ سے تازہ خبر حاصل کریں۔ اور وہ اس کام کے لئے علمی خدمات کرنے والوں کو معقول اجرتیں بھی دیتے ہیں۔ لنڈن کے ایک نصف پینی کے روزانہ اخبار نے ایک روز پبلک کو اطلاع دی تھی کہ اُس کے ہر روز کے پرچہ پر مالک کے اڑھائی سو پونڈ خرچ ہوتے ہیں۔ اور اسمیں ذرہ بھی تعجب نہیں ہے۔ کہ علاوہ چھپائی اور کاغذ وغیرہ کے خرچ کے ایک بہت بڑی رقم مضمون نگاروں اور خبریں پہنچنے والوں کو دی جاتی ہیں۔ جو لوگ ہندوستان کے روزانہ انگریزی اخبارات میں ایک دو کالم تار کی خبریں دیکھنے کے عادی ہیں۔ انہیں کیا معلوم ہے کہ لنڈن کے روزانہ اخبارات میں اِن سے دس دس گنا زیادہ تار کی خبریں درج ہوتی ہیں جن کا بڑا حصہ اُنہیں اخبارات کے خاص نامہ نگار دنیا کے ہر حصے سے بھیجتے ہیں

مضمون نگاروں کا معاوضہ

جو اُجرتیں مضمون نگاری کی لنڈن کے اخبارات او رسالے دیتے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ڈیلی میل ڈیلی ایکسپریس اور دوسرے نصف پنس قیمت کے صبح کے چھپنے والے اخبارات ڈیڑھ گنی (قریباً چوبیس روپے) فی کالم کے لئے مضمون کا معاوضہ دیتے ہیں۔ ڈیلی نیوز اور دوسرے ایک پینی قیمت کے اخبارات دو گنی فی کالم۔ مگر لنڈن ٹائمز جس کی قیمت فی پرچہ تین پنس ہے ایک آرٹیکل کے عوض میں دس گنی کا چک بھیجتا ہے۔ ایوننگ سٹینڈرڈ دو گنی۔ ویسٹ منسٹر گزٹ ڈیڑھ گنی فی کالم اور پال مال گزٹ دو گنی یا اسے چھوٹے چھوٹے پیراگرافوں کی اُجرت بحساب ایک پنس۔ سوا پنس یا ڈیڑھ پنس فی سطر دیجاتی ہے۔ ہفتہ وار اخبار ورلڈ البتہ چھ پنس فی سطر دیتا ہے۔ اور اسیقدر ٹروتھ بھی دیتا ہے۔ مگر ماہوار رسالوں مثل سٹرینڈ پیرسنز جنٹلمین اور پال مال میگزین کے بڑی معقول اجرتیں ملتی ہیں جنکا اندازہ کسی آرٹیکل کی خوبی اور مقدار سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً [illegible]

کہانی کے لئے دس گنی تک دیدیتا ہے۔ نائنٹینتھ سنچری اور فورٹ نائٹلی
ریویو بھی اسی نرخ سے دیتے ہیں۔ پنچ بار ایک چھوٹے سے مضمون کے
لئے پانچ پونڈ نذر کرتا ہے۔ رائل میگزین جو چار پنس فی پرچہ ہے اور ہارمس
ورتھ بھی اسی قیمت کا ہے۔ دو گنی فی صفحہ کے حساب سے اجرت دیتے
ہیں۔ ٹٹ بٹس اور انسرز جو دو بہت بڑی اشاعت والے ہفتہ وار
پرچے ہیں۔ ہر ہزار لفظوں کے کالم کا معاوضہ ایک گنی دیتے ہیں۔ گرافک
السٹریٹیڈ لنڈن نیوز اور دوسرے اسی قسم کے اعلےٰ درجہ کے باتصویر اخبارات
اس سے زیادہ اجرت دیتے ہیں۔ کوئین ایک گنی فی کالم اور لیڈیز پکٹوریل
نصف گنی۔ سپکٹیٹر یا سیٹرڈے ریویو میں جو مضمون قبول کیا جائے اسکا
معاوضہ پانچ پونڈ ملتا ہے۔ اور جو خوش نصیب لوگ ان اخباروں اور
رسالوں کے منظور شدہ نامہ نگار ہیں انہیں روپے پیسہ کی پرواہ نہیں ہوتی
بڑے بڑے مشہور لوگوں سے یہ اخبارات اور رسالے التجائیں کر کے
مضمون لکھواتے ہیں۔ مثلاً مسٹر رڈیارڈ کپلنگ یا کینن ڈائل وغیرہم۔
مسٹر کپلنگ کو بعض اوقات اتنی اجرت دیجاتی ہے کہ اسے ایک ایک
لفظ کا ایک ایک شلنگ پڑ جاتا ہے۔ گو اسی انگلستان میں ایک زمانہ
تھا کہ ملٹن جیسے مصنف کو اس کی کتاب پیراڈائز لاسٹ (رضوان باختہ)
کی قیمت پانچ پونڈ پیش کی گئی تھی کہ جبکہ اُس نے اپنی کتاب جلا دی تھی۔
تاہم غیر مشہور یا مبتدی اہل قلم کو اپنے مضامین مشہور پرچوں میں درج
کرانے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور وہ انہیں بار بار مختلف
ایڈیٹروں کے پاس بغرض منظوری بھیجتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک نوجوان
مضمون نگار نے اپنی مضمون نگاری کی زندگی کے پہلے سال کے تجربات کو
اخبار "ویکلی سن" میں اس طرح بیان کیا تھا۔ اپنی فہرست کے حوالہ سے
میں بتلا سکتا ہوں کہ میں نے کل (۱۳۴) آرٹیکل لکھے تھے کہ جن میں سے

(۸۴۳) منظور ہوئے اور (۵۱) مسترد کئے گئے۔ منظور شدگان میں سے (۴۴۲) تو پہلی دفعہ جہاں بھیجے تھے وہاں رکھ لئے گئے (۱۸) دوسری دفعہ۔ اور (۱) ساتویں دفعہ بھیجنے پر منظور ہوا۔ اس سے یہ تو ظاہر ہے کہ میری ہٹ دھرمی کو اس جنٹلمین سے کچھ نسبت نہیں ہے کہ جس نے حال ہی میں اخبار آتھر (مصنف) میں اپنے تجربات میں بیان کیا ہے۔ کہ اس کا ایک مضمون انچاسویں دفعہ بھیجنے پر منظور کیا گیا۔ بعض غریب عورتوں اور مردوں کو جنہیں سوائے علمی پیشہ قبول کرنے کے اور کوئی راستہ روٹی کمانے کا نظر نہیں آتا۔ خدا جانے اپنے مضامین کو ایڈیٹروں کی نظروں میں قبول کرانے کے لئے کیا کیا تکلیفیں اُٹھانا پڑتی ہیں۔

کتابوں کے مصنف

مگر یہ سب مصنف صرف اخبارات کے لئے مضمون لکھنے پر ہی مصروف نہیں رہتے بلکہ کتابیں لکھنے میں بھی ہمیشہ ایک بڑی جماعت مشغول رہتی ہے۔ ایک بڑی ڈکشنری اور سائیکلوپیڈیا کے مرتب کرنے کے لئے جو سٹاف ایڈیٹروں کا مامور کیا جاتا ہے۔ اُس میں ہزار ہزار اور اس سے بھی زیادہ اہل قلم جمع کئے جاتے ہیں۔ اور چھوٹی موٹی کتابوں پر اور ہزارہا لوگ مصروف رہتے ہیں۔ ہر پبلشر کے پاس ایک یا زیادہ مبصر صرف اس کام کے لئے ملازم ہوتے ہیں کہ وہ دیکھیں اور پرکھیں کہ فلاں کتاب کا مسودہ جو اُنکے پاس بھیجا گیا ہے وہ کس قابلیت کا ہے۔ اس لئے غور کرنے کے بعد مبصر ہر مسودہ کے متعلق ایک رپورٹ لکھتے ہیں۔ اور مالک اس سے اندازہ لگاتا ہے کہ وہ اس مسودہ کے متعلق کسقدر رقم دے سکتا ہے انگلستان میں کتابیں چھاپنا یا صحافی ایک بہت بڑا دولتمندی کا کام ہے بعض بڑے پبلشر مثل مری کیسلز، رٹلیج، چیٹو اینڈ ونڈس، لونگمین اینڈ گرین، سمتھ اینڈ ایلڈر، چیمبرز برادران وغیرہ دولت اور ناموری کما چکے ہیں۔ لیکن وہ سب گراں قیمت پر کتابیں۔ اخبار ہیں۔ اور رسالے چھاپتے تھے۔ مگر اب سستے لٹریچر کا دور دورہ ہے۔

سستا اور دلچسپ لٹریچر

گو مسٹر نائیٹ اور مسٹر کیسل انگلستان کے دو مشہور پبلشر اپنے اپنے وقتوں میں کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے لٹریچر کو ارزاں کرنے میں بہت کوشش کر گئے ہیں۔ لیکن زمانہ حال میں ایک شخص مسٹر (حال سر) جارج نیونس کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ انگلستان بلکہ انگریزی زبان کے لٹریچر پر ارزانی کے مُہر لگائے۔ جارج نیونس نے مانچسٹر میں ایک چھوٹا سا ہفتہ وار رسالہ بنام ٹِٹ بٹس نکالا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اس میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ اسے لنڈن کی سرزمین میں لاکر بونا پڑا۔ اور جیسا کہ اُس کے بعد ساری دنیا نے دیکھا ہے۔ اس نرالے پودے کو یہ زمین نہایت موافق پڑی۔ گو اس سے پہلے انگریزی زبان میں ہر قسم کے اخبار اور رسالے نکلتے تھے۔ بلکہ "مسلینی" (متفرقات) "گلیننگس" (انتخاب) "ہاف آورس ود دی بسٹ آتھرس" (بہترین مصنفین کے ساتھ آدھ گھنٹے) وغیرہ متفرق مضامین کے انتخاب بھی چھپتے رہے۔ لیکن ایسے دلچسپ پیرایہ میں معلومات اور دلچسپی کے مضامین کسی نے جمع نہ کئے تھے جیسے کہ جارج نیونس نے اپنے نئے رسالہ میں کئے۔ اس رسالہ کو اس قدر ہر دلعزیزی حاصل ہوئی کہ اس کی اشاعت لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور غالباً آجکل چودہ پندرہ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ اور اس سے اس کے بانی کا حوصلہ اس قدر بڑھا اور اُس کے پاس دولت بھی اس قدر ہوگئی کہ اُس نے سٹرینڈ میگزین ماہوار۔ سنڈے سٹرینڈ ماہوار۔ ویسٹ منسٹر گزٹ روزانہ۔ کنٹری لائف ہفتہ وار۔ لیڈیز فیلڈ ہفتہ وار۔ گرینڈ میگزین ماہوار۔ اور اور کئی اخبار اور رسالے جاری کر دیئے۔ اور کتابیں چھاپیں۔ اور اب نہایت عزت اور حرمت سے جو دولت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ زندگی بسر کرتا ہے گورنمنٹ نے اسے بصلہ خدمات لٹریچر بیرونٹسی کا درجہ عطا کیا ہے۔ اور ممبر پارلیمنٹ بھی ہے۔ سر جارج نیونس کے ٹِٹ بٹس کے تقلید میں بامعنی تحقیق

برادران نے ٹِٹ بِٹس کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ جاری کیا۔ یہ دونوں بھائی
جوان عمر تھے۔ اور ان میں سے بڑے نے اسٹریٹیڈ لنڈن نیوز کے دفتر میں
کچھ کام پریس کا سیکھا ہوا تھا۔ انہیں بھی اپنے رسالہ میں قابل حیرت کامیابی
ہوئی۔ اس رسالہ کی اشاعت بھی اب ٹِٹ بِٹس کے قریب قریب ہے۔
اس کامیابی نے انہیں ترغیب دی کہ اپنے پیر و مرشد کی تقلید پر یہ بھی
کئی اخبار نکالیں۔ چنانچہ انہوں نے ایوننگ نیوز روزانہ خرید لیا۔ ڈیلی میل
جاری کیا۔ ہارمسورتھس میگزین ماہوار۔ پینی پکٹوریل میگزین ہفتہ وار۔ اور
کئی رسالے جاری کر دیئے۔ اسی زمانہ میں ایک اور نوجوان پادری کے
بیٹے مسٹر پیرسن نے ٹِٹ بِٹس کی نائب ایڈیٹری شروع کی۔ اور بتدریج
ترقی کر کے اس پرچہ کا منیجر ہو گیا۔ اور پھر اپنا اخبار پیرسنس ویکلی بالکل
انہیں اصولوں پر جاری کر لیا کہ جن پر ٹِٹ بِٹس اور ہارمسورتھ پہلے چل رہے
تھے۔ اور انگلستان کے پبلک کو کچھ ایسا شوق پڑھنے کا ہے۔ اور انگریزی
زبان انگلستان کے سوائے امریکہ کینیڈا آسٹریلیا اور دیگر کئی مقامات میں
اسقدر آدمی بولتے اور جانتے ہیں کہ ہر اچھے انگریزی اخبار کی خریداری جھٹ
بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ مسٹر پیرسن کے رسالہ کی خریداری بھی کئی لاکھ تک
پہنچ گئی۔ اور اس نے بھی اپنے سابقین کی طرح ڈیلی ایکسپریس روزانہ۔
پیرسنس میگزین ماہوار۔ ہوم نوٹس ہفتہ وار۔ ایم۔ اے۔ پی ہفتہ وار
اور رائل ماہوار وغیرہ کئی اخبار اور رسالے جاری کر دیئے۔ اور ان دونوں
بھی گورنمنٹ نے بہت بڑے خطاب عطا کئے ہیں۔ ان تینوں اولوالعزم پبلشروں
کے اخباروں اور رسالوں کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف انکے
پرچے ارزاں ہیں بلکہ ان میں ایک زندہ روح نظر آتی ہے۔ اور مجھے
ہمیشہ انہیں دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ اب اس سے زیادہ عمدہ اور اس سے
نئی بات کوئی کیا نکالے گا۔ مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی بات ان لوگوں کو

سو جھتی ہی رہتی ہے۔ میں نے آٹھ نو سال گذرے ہیں ٹٹ بٹس۔ اینسرز اور پئیرسنس ویکلی کے اصول پر خاص دلچسپ اور پر مذاق لٹریچر کا ایک ہفتہ وار رسالہ انتخاب لاجواب کے نام سے اردو میں جاری کیا ہوا ہے۔ مگر اُس کی اشاعت بمقابلہ یوروپ کے رسالوں کے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اُس کا ذکر بھی کیا جائے۔ گو بمقابلہ اردو زبان کے اخبارات کی اچھی ہے میں نے ہندوستان کے دیسی زبانوں خصوصاً اردو زبان کے اخبارات کی توسیع اشاعت کے متعلق اکثر غور کیا ہے۔ تو ہمیشہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تعلیم کی دقت اور دولت کی قلت دو بڑے باعث ہیں کہ جنکی وجہ سے نہ اچھے اخبار ابھی ہمارے ملک میں تیار ہوتے ہیں اور نہ پبلک اُن کی زیادہ قدر دانی کر سکتی ہے۔ میں نے پیسہ اخبار کو اسی لحاظ سے بہت کم قیمت رکھا اور ہمیشہ اُسے اچھا بنانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی اشاعت اس حد تک پہنچ گئی کہ کبھی کسی اردو اخبار کی اس سے پہلے نہیں پہنچی تھی۔

اشتہارات اخبارات کے ساتھ اشتہارات کا مضمون اس قدر ملصق اور ملحق ہے کہ اب اس کے متعلق چند سطور لکھنی جانی ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ جب کوئی اجنبی شہر لنڈن کے کسی سٹیشن پر جا کر اترتا ہے تو سب سے پہلے جو چیز اُسے سٹیشن کے تمام در و دیوار پر نمایاں نظر آتی ہے وہ مختلف کارخانوں کے اشتہارات کے تختے ہوتے ہیں۔ جس اخبار یا گائیڈ بک کو خریدو اس میں اشتہار ہیں۔ سٹیشن سے باہر نکل کر جس اومنی بس یا ٹریم گاڑی کو دیکھو وہ اشتہارات میں ڈھپی ہوئی ہوتی ہے سڑکوں کے دونوں طرف کس قدر پوسٹر اور اشتہار لگے ہوئے ہیں۔ مکانات کی دیواروں ریل کی دیواروں اور پلوں پر ہر قسم کے بڑے سے بڑے حروف میں اشتہار لکھے ہوئے ہیں۔ ایک خاص صابن کے اشتہار کے حروف میں نے قد آدم سے بھی بڑے دیکھے۔ لنڈن کے اخبارات ٹیپل۔ ڈیلی ٹیلیگراف۔ ڈیلی میل

وغیرہ کے اشتہارات بھی شہر میں مختلف مقامات پر دیکھے - ایک جگہ ریلوے لائن کے کنارہ پر اخبار ٹِٹ بِٹس کے نام کے قد آدم کے برابر حروف پیتل کے رنگ کے لٹک رہے تھے - جو شخص ایسے نرالے اشتہار کو دیکھ لیتا ہے - وہ اسے کبھی بھول نہیں سکتا - آکسفورڈ سٹریٹ میں ایک لکڑی کا بنا ہوا ہاتھ جو پانچ گز کے قریب لمبا ہو گا دیکھا - یوں تو ہر دوکان کا سائن بورڈ نئی سے نئی طرز اور نرالے حروف کا ہوتا ہے - مگر بعض لوگ ایک خاص بات پیدا کر لیتے ہیں - لنڈن میں تو سب سے زیادہ اشتہار "پیئرس سوپ" (پیئرز صاحب کے صابن) کا نظر آتا ہے - بیچم پلس اور کوکوا وغیرہ کے اشتہار سب اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں - ایک کارخانہ کو کمبر (کھیرے) اور گلیسرین کا صابن بیچتا تھا - اس کے اشتہار کے لئے ایک گاڑی مشہور بازاروں میں چلتی دیکھی جاتی تھی جس پر قد آدم سے ایک بڑی شکل مصنوعی کھیرے کی رکھی ہوئی تھی - بہت سے سینڈوچ والے آدمی بھی اشتہاروں کے تختے آگے پیچھے لٹکائے پھرتے نظر آتے تھے - علاوہ صابن اور کوکوا اور گولیوں کے اشتہارات کے سگرٹوں کے اشتہارات بھی بہت چھپتے ہیں -

اشتہار کے متعلق ایک دلچسپ تجربہ

جن دنوں میں لنڈن میں تھا - اُسی زمانہ میں ہندوستان سے کچھ فوج چین کو بھی بھیجی گئی تھی - موثر اشتہار دینے کے فن میں یہ بھی ایک قابل لحاظ امر ہے کہ زمانہ کی رخ کو دیکھ کر اور موقع سے مناسب اشتہار دیا جاوے - ایک روز ایک سگرٹ والے کارخانہ کا ایک نیا با تصویر اشتہار کئی اخبارات میں میری نظر سے گذرا جس میں ایک گورے اور ایک سکھ کی تصویر بنی ہوئی تھی - اور دونوں کے منہ میں سگرٹ تھے جو ایک دوسرے کے سگرٹ سے سلگا رہے تھے جیسا کہ یورپ کے اکثر شہروں میں دستور ہے - یوں تو دو شخص جب تک انہیں کوئی (انٹروڈیوز) نہ کرائے ایک دوسرے سے بات کرنا خلاف تہذیب سمجھتے ہیں لیکن اگر

ایک شخص کے منہ میں سلگا ہوا سگرٹ ہو اور دوسرا اپنا سگرٹ سلگا نا چاہتا ہو مگر اُس کے پاس دیا سلائی نہ ہو تو بے تکلف دوسرے شخص کو جو اُس سے بالکل اجنبی ہو کہے گا کہ مجھے سگرٹ سلگا لینے دو۔ اور پھر دونوں منہ ایک دوسرے کے قریب کر کے اس سگرٹ کو سلگا لینگے۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس طرح اس تصویر میں ایک سکھ اور ایک گورکھا سگرٹ سلگا رہے تھے اور اُن کے نیچے انگریزی زبان میں ایک شعر لکھا ہوا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ سکھ اور گورکھا دونوں لڑنے والے بہادر سوائے ...... قسم کے تمباکو کے گزار نہیں کر سکتے۔" میں نے اُس سگرٹ والے کارخانہ کو خط لکھ دیا کہ تمہارے اشتہار کی تصویر اور مطلب ہی سرے سے غلط ہیں۔ سکھ کبھی تمباکو کو چھوتے تک نہیں۔ میں ہندوستانی ہوں اور میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسپر انہوں نے مجھے جواب دیا کہ بیشک تم ہندوستانی ہو لیکن تمہاری بات کس طرح مانیں یہاں ایک انگریز ہے جو ہندوستان میں کئی سال رہ آیا ہے۔ اور وہ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ سکھ برابر تمباکو پیتے ہیں۔ مجھے اسپر وہ قصہ یاد آگیا کہ جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے ؎

تم تو سچ کہتے ہو میرے بھائی گھر سے آیا ہے معتبر نائی

لیکن ساتھ ہی اُنہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ آئندہ یہ اشتہار نہیں چھپیگا۔ اس لئے میں اس کارخانہ کا نام ظاہر کرنا بے سود سمجھتا ہوں۔

اشتہار تیار کرنا ایک بھاری پیشہ ہو گیا ہے

غرض اشتہارات کو دلکش اور ذہن نشین کرنے کے لئے بیحد دانش اور زر انگی خرچ کی جاتی ہے۔ اشتہار لکھنا اور اُن کو دلکش بنانا ایک پیشہ ہو گیا ہے۔ اور جو لوگ عمدہ اشتہار لکھتے ہیں معقول تنخواہیں پاتے ہیں۔ لنڈن میں کئی ایسے کارخانے ہیں جنکا یہی کام ہے کہ بڑے بڑے اشتہار دینے والے انہیں اپنے سال بھر کے اشتہاروں کے کام سپرد کر دیتے ہیں۔ اور انہیں بتلا دیتے ہیں کہ ہم اتنا روپیہ امسال

اپنے اشتہار پر صرف کرینگے۔ اب ان کارخانوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اس روپیہ سے عمدہ سے عمدہ نتیجہ پیدا کریں۔ دلکش سے دلکش اشتہار بنا کر اچھے سے اچھے اخبارات میں چھپوائیں یا اشتہار دیگر وسائل سے تقسیم کریں۔ اس کام کی انہیں معقول اجرت ملتی ہے۔ اور جو کارخانے سب سے اچھا کام کرتے ہیں سب گاہک انہیں کی طرف اُمڈ آتے ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جو لوگ کسی کام کے سپیشلیسٹ ہوتے ہیں وہ اس کام کو دوسروں سے اچھا کر سکتے ہیں انگلستان میں نصف پینی کے اخبارات کا تو قریب قریب حصر ہی اشتہارات پر ہوتا ہے۔ اُن میں اس قدر کم منافع رہ گیا ہے کہ شائد بمشکل اخبار کے پرچے کے فروخت سے سب خرچ چلتا ہوگا۔ اگر کارخانہ کو کچھ نفع ہوتا ہوگا تو صرف اشتہارات کی مد سے۔ بعض دفعہ بعض ماہوار رسالوں نے خاص خاص نمبروں میں صرف نمود اور ناموری کے خیال سے اسقدر زیادہ اشتہار لیکر چھاپے ہیں کہ انہیں محصول بہت زیادہ خرچ کرنا پڑا ہے۔ کہ جنہیں اشتہارات کا تمام منافع خرچ کرنے کے علاوہ کچھ گرہ سے بھی دینا پڑا۔ جس طرح برلن میں دیکھا تھا۔ لنڈن میں بھی بازاروں میں کئی جگہ برقی لیمپوں سے طرح طرح کے رنگدار حروف کے اشتہارات بنائے جاتے تھے یعنے سادہ یا رنگین برقی لیمپوں کے جلنے سے ایک اشتہار یا دوکان کے نام کے حروف پڑھے جاتے ہیں۔ جو کرمک شب تاب کی طرح کبھی جلتے کبھی بجھتے ہیں۔ لنڈن اور پیرس میں برلن کی نسبت اس ترکیب کی بڑی ترقی دیکھی۔

مطالعہ کا شوق اہل انگلستان کے مطالعہ کا شوق اسی سے ظاہر ہے کہ ایک کتاب کا لاکھ یا دو لاکھ جلدوں کا ایڈیشن ابھی چھپتا ہے اور ابھی ختم ہو جاتا ہے۔ لارڈ رابرٹس کی مشہور کتاب بابت تجربات ہندوستان شائد ایک سال کے عرصہ میں پندرہ یا بیس مرتبہ چھپکر فروخت ہو گئی تھی بیجا لیکہ

اُس کی قیمت بھی بیس پچیس روپیہ فی جلد کی تھی۔ لنڈن میں سٹرڈے ریویو لٹریچر اور اکیڈیمی وغیرہ کئی اخبار اس مطلب کے نکلتے ہیں جو ہر ہفتہ صرف نو طبع کتابوں پر ریویو اور نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ یا ریویو آف ریویوز کی طرح تمام ایسی کتابوں کی فہرست چھاپتے رہتے ہیں۔ اس کے دیکھنے سے تعجب ہوتا ہے کہ اہل انگلستان بلا کے پڑھنے والے ہیں جو بیشمار کتابوں کو خریدتے ہیں۔ مگر چونکہ ہر شخص جتنی کتابیں پڑھنا چاہتا ہے۔ انہیں خرید نہیں سکتا۔ اس لیئے سرکولیٹنگ لائبریریوں کی ضرورت لاحق ہوئی اور موڈی کے مشہور سرکولیٹنگ لائبریری سب سے بڑا کارخانہ اس قسم کا ہے۔ یہاں سے دن بھر میں ہزارہا مرد اور عورتیں پڑھنے کو کتابیں لے جاتے ہیں۔ اور پڑھ کر واپس دی جاتی ہیں۔ اور مقررہ شرائط کے مطابق لائبریری کا چندہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ شہر لنڈن میں ہزار سے بارہ سو پارسل جن میں پانچ چھ ہزار کتابیں ہوتی ہیں۔ ہر روز موڈیز لائبریری تقسیم کرتی ہے۔ یہ لائبریری صرف لنڈن کے گاہکوں کو ہی کتابیں نہیں بہم پہنچاتی بلکہ دنیا کے ہر حصہ میں اس کے گاہک ہیں۔ یہاں تک کہ روس ہندوستان۔ ممیاسا۔ چین تک اس کی کتابوں کے پارسل جاتے ہیں۔ انگلستان کے مفصلات میں ہر ہفتہ نوسو پارسل بذریعہ ریل اور سوا سو پارسل بذریعہ ہرکاروں کے تقسیم کیئے جاتے ہیں۔ جونہی کوئی نئی کتاب پریس سے نکلتی ہے اور ریویو کرنے والے اس کی کچھ بھی تعریف کر دیتے ہیں۔ تو موڈی صاحب کی لائبریری میں اُس کی سینکڑوں جلدیں خرید لی جاتی ہیں۔ خواہ تھوڑی دیر کے بعد وہ کیسی نکمی نکل آئے۔ ایک دفعہ موڈی کی لائبریری میں ایک کتاب کی ۳۵ سو جلدیں ۲۲ شلنگ فی جلد کے حساب سے خرید لی گئیں اور پیچھے وہ کتاب ایسی نکمی نکلی کہ ۶ پنس کو بھی اُس کی ایک جلد نہ بکی۔ جب سب لوگ کتابیں پڑھ کر اس لائبریری

ؔ میرے آنے کے بعد اخبار لنڈن ٹائمز نے بھی ایک ایسی قسم کی لائبریری قائم کی ہے۔

میں واپس بھیج دیتے ہیں۔ اور وہ مستعمل ہو چکتے ہیں۔ تو موڈی والے انہیں اپنا بہت کم قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ یہ کارخانہ میرے ہوٹل سے بہت قریب میرے راستہ میں تھا۔ اور میں اکثر دیکھتا تھا کہ کتنے لوگوں کو شوق مطالعہ ادھر کھینچ لاتا تھا۔

دنیا کا سب سے بڑا کتب خانہ

اسی کے قریب ایک دوسری جگہ ہے کہ جہاں مطالعہ کرنے والوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ اس سے میری مراد برٹش میوزیم کی لائیبریری سے ہے۔ جو لاریب دنیا بھر میں سب سے بڑا کتب خانہ ہے جب کبھی اس میں داخل ہونے کی کوشش کرو تو کم و بیش چار سو مرد اور عورتیں اس کے ریڈنگ روم میں کتابوں میں مصروف پاؤ گے۔ ان میں سے کوئی تو پرانی کتابیں اس لئے پڑھتا ہے کہ کوئی نئی کتاب لکھے۔ کوئی اخباروں اور رسالوں میں لکھنے کے لئے مضمون تلاش کر رہا ہے۔ اور کوئی اپنے شوق کی آگ کو علم کے پانی سے بجھا رہا ہے۔ ان پڑھنے والوں میں دنیا کی ہر قوم کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ کہیں تو ایک نوجوان پولٹیشن کسی فراموش شدہ تقریر سے فقرے نقل کر رہا ہے کہیں نوجوان مصنف پورانے خیالات نیا لباس پہنانے کے لئے تلاش کر رہا ہے۔ کہیں جفاکش مؤرخ مختلف بیانات کو میزان عقل میں تول رہا ہے کہیں اخباری مضمون نگار بڑی سرعت سے کسی آرٹیکل کا مصالح جمع کر رہا ہے۔ کہیں بوڑھا پروفیسر اپنے فلسفی شکوک کو دور کر رہا ہے۔ سائنس دان۔ ریاضی دان۔ شاعر جرمن امریکن اور ہندوستانی سب پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور اپنے علمی ذوق کو پورا کر رہے ہیں۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ برٹش میوزیم کا کتب خانہ دنیا بھر میں بڑا کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ اور میں نے یہ بات بلا سوچے سمجھے نہیں کہی۔ اس وقت اس عظیم الشان کتب خانہ میں بیس لاکھ کتابیں جمع ہیں اور ایک لاکھ نئی کتابیں بالاوسط ہر سال میں اور جمع ہو جاتی ہے جس سے

برٹش میوزیم کے ٹرسٹیوں کو فکر لاحق ہو رہی ہے۔ کہ ان کے رکھنے کے لئے کہاں سے جگہ نکالیں۔ اس وقت بھی اتنی الماریاں کتابوں کی موجود ہیں کہ انہیں پہلو بہ پہلو رکھا جائے۔ تو اتنالیس میل لمبی قطار اُن سے بنتی ہے۔ ایک ناخون کے برابر چھوٹی سی کتاب سے لیکر ایک لمبے سے لمبے آدمی کے قد کے برابر کتابیں یہاں موجود ہیں۔ دوسری طرف ایک آنے قیمت کی کتاب سے لیکر چھ ہزار پونڈ یعنے نوے ہزار روپیہ کی ایک مزارن بائیبل ہے۔ اور کل کی چھپی ہوئی کتابوں سے لیکر حضرت مسیح سے کئی ہزار سال پہلے کی بنی ہوئی کتابیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں عربی۔ فارسی اور سنسکرت کے ہزارہا عدیم المثال قلمی کتابیں بھی جمع ہیں۔ اُن کے مطالعہ کے لئے لنڈن کے کسی معزز شخص کی سفارشی چٹھی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ میں نے ایک "لوری میں" سے چٹھی حاصل کی تھی۔ منجملہ بہت سی دلچسپ کتابوں کے جو یہاں میں نے دیکھیں بعض یہ تھیں۔ ایک نہایت عمدہ قلمی قرآن مجید تھا۔ جو ابن الواحد نے بحکم رکن الدین (بعدہ ملک المظفر) یکے از مملوک سلاطین مصر ۱۳۰۴ء عیسوی میں لکھا تھا جو اب چھ سو سال کا پورانا ہے۔ لیکن نہایت اچھی حالت میں ہے۔ بہت خوشخط اور تمام طلا سے لکھا ہوا ہے۔ ہر بڑی تقطیع کے صفحہ میں چھ سطریں ہیں۔ حروف کی حدود نہایت صاف باریک سیاہ خطوط سے بنا کر اندر زمین سنہری کر دی گئی ہے۔ جو بڑی صنعت کا کام ہے۔ ترکی کی ایک قلمی کتاب پاشا نامہ حالات جنگ ہائی کنعان پاشا پر مشتمل تھی۔ جو ۲۹-۱۶۲۷ء میں اس نے عیسائیوں سے کئے انہیں ترکی جنگی بیڑے کی اس وقت کی تصویر بھی تھی جبکہ اُس نے بحیرہ خضر میں کاسکون پر بحری فتح حاصل کی تھی۔ گو ترکوں کے بحری فتوحات اب زمانہ گذشتہ کے فسانے ہو گئے ہیں۔ ایک حکایات حکیم بیدپا (انوار سہیلی)

ساتر کی ترجمہ ۱۵۳۰ء کا تھا۔ اور ہزاروں دوسری کتابیں تھیں کہ جن کی فہرست دو بڑی بڑی جلدوں میں تھی۔ جو باوجود خواہش کے بھی میں نہ خرید سکا۔ کیونکہ اُس کی قیمت سو روپیہ کے قریب مجھے بتائی گئی تھی۔

کتابوں کی تجارت میں نے دو چار طریقے کتابوں کی تجارت کے شہر لنڈن میں دیکھے۔ انکا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پہلے تو کتاب کے چھپنے کے بعد اُسے ریویو کے لئے مختلف اخبارات کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ وہاں پیشہ ور "کرٹکٹ" (نکتہ چین) اِن کتابوں کا ریویو کرتے ہیں۔ اگر ریویو اچھے ہوگئے تو کتاب اتنی جلدی بکتی ہے کہ جتنی جلدی کسی نیستان میں آگ پھیلتی ہے۔ سرکولیٹنگ لائبریریاں بھی بہت سی کاپیاں خرید لیتے ہیں لیکن جب کتاب کئی روز تک نہیں بکتی تو پبلشر ایسی سب کتابوں کو ریمینڈرز (بقیہ) کی مد میں برائے نام قیمت کو بیچ دیتا ہے۔ اور بعض کتب فروش انہیں خرید کر بیس شلنگ کی کتاب دو دو چار چار شلنگ کو بیچتے ہیں۔ مستعمل کتابوں کی فروخت اور نیلام الگ ہوتے ہیں۔ مستعمل کتابوں کی کئی ایک دوکانیں نیو آکسفورڈ سٹریٹ میں بھی تھیں۔ لیکن فلیٹ سٹریٹ میں تو ایک سلسلہ بلکہ ایک پوری گلی ہی ایسی دوکانوں سے بھری ہوئی تھی۔ مگر اِن دوکانوں میں بھی کئی کئی ہزار روپیہ کی کتابیں ہونگی۔ میں نے لنڈن سے بہت سی نئی کتابیں بھی خریدیں۔ لیکن اِن دوکانوں سے بھی پُرانی سائیکلو پیڈیا۔ پاپولر سائیکلو پیڈیا۔ ہیڈنس ڈکشنری آف ڈیٹس۔ اور ٹیٹل سیلینی ٹیکنیکل ایجوکیٹر ڈکشنری آف ٹکنیکس۔ لائڈس ڈکشنری وغیرہ خریدیں۔ سوائے ڈکشنری آف ڈیٹس کی یہ سب کتابیں دس دس پندرہ پندرہ جلدوں کی تھیں۔ اور دو بڑے صندوقوں میں بند کرکے میرے ایجنٹ نے کہ جس کے سپرد میں یہ کام کر آیا تھا لنڈن سے میرے بعد ہندوستان کو روانہ کیں۔ ایک روز میں نے ایک اور طریقہ کتابیں بیچنے کا لنڈن کی ایک دوکان میں دیکھا

ایک کتب فروش کی دوکان میں بہت سے آدمی جمع تھے - اور وہ سامنے بلند چبوترہ پر کھڑا ہوکر ہاتھ میں کتابیں لے کر نیلام کر رہا تھا - اور لوگ سستی سمجھکر دست بدست خرید رہے تھے - مینے بھی ایک دو کتابیں لیں لیکن مینے سمجھا کہ یہ شخص انہیں کتابوں کو اس قیمت پر جو پبلش کی جاتی تھیں دنیا تھا - کہ جن میں وہ سمجھتا تھا اُسے خسارہ نہیں - اور اس ڈھنگ سے بہت سی کتابیں تھوڑے وقت میں بیچ سکتا تھا - یہاں ایک انگریز نے ترکی ٹوپی سے مجھے ترک قیاس کر کے مجھ سے ترکی میں بات کرنا چاہی آخر اپنی غلطی معلوم کر کے عربی بولنے لگا - اور پھر فارسی میں بلا تکلف گفتگو کرنے لگا - میں اُسے دیکھکر دنگ ہو گیا - جب مینے کہا میں ہندوستانی ہوں تو وہ کہنے لگا میں سنسکرت میں بات کروں - مینے اس سے پناہ مانگی - معلوم ہوا کہ آپ قسطنطنیہ میں ڈپلومیٹک سروس کے متعلق کئی سال تک رہ چکے ہیں - سنسکرت کالج میں پڑھی تھی - بیرسٹری کی سند بھی رکھتے ہیں - مگر اب لنڈن میں اخبار نویسی کا کام کرتے ہیں - واضح رہے کہ لنڈن میں صدہا بلکہ ہزارہا ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے بیرسٹری کی سند لے رکھی ہے - لیکن تجارت یا اخبار نویسی یا تدریس میں مصروف ہیں - اور قانونی پریکٹس نہیں کرتے - اور اخبارات کے دفتروں میں مختلف زبانوں کے جاننے والے ضرور رکھے جاتے ہیں - کوئی زبان نہ ہوگی جس کے جاننے والے پڑھے بڑے اخبارات کے دفتر میں نہ ہوں -

لنڈن کا ڈاکخانہ لنڈن کا ڈاکخانہ جو سینٹ مارٹن لاگران میں واقع ہے اور اس کے ساتھ ہی تار گھر بھی ہے - دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے کے لائق ہے - جس شہر میں اس کثرت سے تجارت ہو - تعلیم کا یہ چرچا ہو - اخبار کی یہ ترقی وہاں کے تار گھر اور ڈاکخانہ کی عظمت اور مصروفیت کا کیا حال ہوگا - معلوم ہوتا ہے کہ اگر تمام انگلینڈ میں کوئی لوگ اپنے کام میں نہایت

سرگرمی اور مستعدی سے مصروف ہیں تو وہ تار اور ڈاک کے ملازم ہیں انگلستان کے ڈاکخانہ میں کم از کم دو ارب چٹھیاں اور پوسٹ کارڈ سال تمام میں آتے ہیں کہ جن میں سے بڑا حصہ لنڈن کا ہوتا ہے اور جس پھرتی اور تیزی سے انہیں جنرل پوسٹ آفس کے سات ہزار کلرک تقسیم کرتے ہیں۔ وہ قابل دید ہوتی ہے بعض شاید کلرک پچاس چٹھیاں ایک منٹ میں تقسیم کر لیتے ہیں مگر تیس چالیس تو سب پھینکتے ہیں علاوہ چٹھیوں کے اخبارات اور پارسلوں کی سالانہ تعداد اکتیس کروڑ نوے لاکھ ہوتی ہے۔ چوبیس لاکھ پونڈ کے منی آرڈر سال تمام میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور سیونگ بینک میں جسے پہلے پہل انگلستان ہی کے ایک پادری صاحب نے ایجاد کیا تھا۔ اور اس کے بعد دنیا کے دیگر ممالک نے اسے اختیار کیا۔ اس وقت انگلستان کے غریب لوگوں کے تین کروڑ پونڈ جمع ہیں۔ انگلستان کے صیغہ ڈاکخانہ کی آمدنی نو ملین اور خالص سالانہ منافع تین ملین پونڈ ہے جو انگلستان جیسے چھوٹے ملک کے لئے بہت بڑا ہے۔

کنگال اور غریب لوگ

یہ بھی ایک خدا کی شان ہے کہ اس دنیا کے سب سے بڑے دولت مند شہر میں حد درجہ کے کنگلے اور محتاج لوگ بھی بکثرت رہتے ہیں۔ ایسے محتاج کہ جن کے جسم پر ثابت کپڑا نہیں ہوتا اور جو سردی اور بارش میں پیٹ سے بھوکے آسمان کے شامیانے کے نیچے زمین کے بستر پر سونے پر مجبور رہتے ہیں۔ اور اُن میں بعض ایسے سوتے ہیں کہ پھر کبھی نہیں جاگتے۔ ان میں سے بعض کے کپڑے ایسے میلے کچیلے اور دریدہ ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس سے گذرتے ہوئے گھن معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ گلیوں کے ناکوں پر بھیک کے منتظر کھڑے رہتے ہیں۔ یہ منہ سے کچھ نہیں بولتے کیونکہ انگلستان کے قانون کے مطابق بھیک مانگنا جرم ہے۔ لیکن ان کی صورت ہی سوال معلوم دیتی ہے۔ ان میں سے سینکڑوں ناکارہ عورتیں اور مرد سر راہ دیا سلائیاں بٹن یا بوٹوں کے تسمے وغیرہ ایسی

سستی چیزیں لئے کھڑے رہتے ہیں یا اگر اندھے ہوں تو یہ چیزیں ایک ٹوکری میں ڈال کر گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں۔ ظاہر او وہ ان چیزوں کو بیچنے کے لئے کھڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن مخیر لوگ انکا مطلب سمجھتے ہیں۔ اور ایک دیا سلائی کی ڈبیہ لیکر چار یا اس سے زیادہ دیا سلائی کی ڈبیوں کی قیمت دے جاتے ہیں۔ پیرس میں یہ دستور لنڈن سے زیادہ تھا۔ جنگ میں جن لوگوں کے ہاتھ۔ پیر کٹ جاتے ہیں ایسے بھیک مانگنے والوں کو فرانسیسی ضرور خیرات دیتے ہیں)۔ لنڈن میں بعض لوگوں کو پینے دیکھا ہے کہ نصف پینی کا اخبار کسی پھٹے پورانے کپڑوں والے نیوز بلئے سے خریدا اور اُسے پینی دیکر باقی نصف پینی واپس نہیں لی۔ میرے خیال میں اس شہر میں پچاس ہزار اور لاکھ کے درمیان لڑکے اخبار بیچنے سے روٹی کماتے ہونگے۔ اور یہ ان دو تین لاکھ دوسرے کنگلوں سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ کہ جن کا ایک بڑا مجمع اکثر اوقات چیرنگ کراس کے پاس دیکھا جاتا ہے یا شہر کے مختلف حصوں میں منتشر پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کی صورتیں کیسی مسخ ہوگئی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر مزدور اور دستکار ہوتے ہیں مگر شرابخوری کی بدولت جب انکے کام کاج چھوٹ جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ یہ اس ذلت اور مصیبت کی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ ان شرابخوری کے شکاروں میں بعض عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ اور اُن کے ساتھ معصوم بچے بھی اسی مصیبت کی حالت میں پائے جاتے ہیں۔ قانون انگلستان نے جہاں ان لوگوں کے لئے گداگری کی ممانعت کردی ہے۔ ان کے پناہ لینے کے لئے ورک ہاؤس قائم کئے ہیں کہ جہاں انہیں روٹی اور بستر دیا جاتا ہے مگر تھوڑا بہت کام بھی لیا جاتا ہے۔ ان کے بچوں کے لئے کئی "ہوم" اور پناہ کی جگہیں مخیر لوگوں نے بنائی ہوئی ہیں لیکن اسپر بھی بہت لوگ عمداً ان میں نہیں جاتے۔ بعض جگہ "ریگڈ سکول" (چیتھڑے پوشوں کے مدرسے)

ایسے ہیں جہاں اِن بچوں کو نیک ہدایت اور تعلیم دی جاتی ہے۔ اور انکی روٹی کپڑے کی بھی کفالت کی جاتی ہے۔ لنڈن کے نیک لوگ ایسے لاوارث اور مفلس بچوں کو نہ صرف کھانا کپڑا ہی دیتے ہیں بلکہ اُن کی یہانتک خبرگیری کرتے ہیں کہ سال میں ایک آدھ دن انہیں گاڑیوں پر سوار کر کے شہر سے باہر سبزہ زاروں میں بغرض تفریح لے جاتے ہیں۔ اور جب چھکڑوں کے چھکڑے ایسے بچوں کے نزہت گاہوں سے واپس آتے ہیں تو انہیں خوش دیکھکر طبیعت کس قدر خوش ہوتی ہے۔ تیوہاروں اور خوشی کے موقعوں پر لارڈ میئر یا دیگر مخیر لوگ اِن مفلس اور محتاج لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے ہیں۔ جیسا کہ حال میں ملکۂ معظم انگلستان کی تاج پوشی کی تقریب پر کثیر التعداد کنگلوں کو کھانا دیا گیا تھا۔

غنڈے ان کنگلوں میں ایک جماعت سرکش اور بدمعاش لوگوں کی ہوتی ہے۔ جو اندھیرے سویرے لنڈن جیسے شہر کی گلیوں میں بھلے مانسوں سے چیزیں چھین جھپٹ لیتے ہیں۔ انہیں لنڈن کی اصطلاح میں "ہُولی گن" (Hooligan) کہتے ہیں۔ اور آجکل لنڈن کے افسران پولیس اور بعض دیگر منتظم اس فکر میں ہیں کہ کس طرح لنڈن کو اِن کمبختوں سے نجات دلائی جائے۔ لڈ گیٹ سرکس کے پیچھے ایک کوچہ میں جہاں سے کم آدمی گذرتے ہیں۔ ایک روز ایک کنگلے نے ایک پینی مانگی۔ میرے پاس اتفاقاً ایک نصف پینی تھی جو بیٹے اُسے دی۔ یہ ظاہرا ایسا شریر معلوم ہوتا تھا کہ مجھے اس کی شکل سے ڈر آ گیا کہ حملہ نہ کر بیٹھے۔ ایک روز ویسٹ منسٹر بریج (پل) سے میں گذر رہا تھا وہاں پانچ چھ نوجوان کنگلے نہایت میلے کچیلے بیٹھے کچھ پھل کھا رہے تھے مجھے دیکھکر ہنسنے اور گھورنے لگے۔ ایک شام کو میں ہائڈ پارک سے واپس آ رہا تھا۔ ابھی بارش تھمی تھی کہ میں نے دیکھا ایک کنگلہ ایک بنچ پر سو رہا ہے۔ ایک دوسرا ایک بنچ کے نیچے پڑا ہوا تھا

ایک روز سینٹ پال کے گرجا کے سامنے ایک ایسا ہی کنگلا ہاتھ میں شہر لنڈن کا ایک نقشہ لیکر کھڑا ہوا تھا۔ جو میرے قریب آکر کہنے لگا کہ اسے خرید لو۔ مینے لینے سے انکار کیا تو اُس نے کچھ منت اور کچھ اصرار کیا کہ میں اُسے خرید لوں۔ مینے قیمت پوچھی تو اُس نے چھ پنس بتلائی۔ ہر چند کہ وہ اتنے کی چیز نہ تھی۔ مگر مینے اُسے چار پنس دینے چاہے۔ اُس نے کہا اتنے میں تو مجھے ملا ہے۔ آخر اُس نے چار پنس مانگے۔ اور مینے طوعاً و کرہاً اُسے دیئے۔ جب میں یہ نقشہ لیکر سینٹ پال کی پچھلی طرف ایک بنچ پر بیٹھکر دیکھنے لگا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک کتاب لنڈن گائیڈ تین پنس کو ملتی ہے۔ جس میں یہ نقشہ مفت ملتا ہے۔ اور اسپر بھی یہ اُس شخص کے ہاتھوں میں میلا ہو چکا تھا۔ ایک اور قسم کے کنگلے شہر کے بازاروں میں آرگن یا کوئی اور باجہ اور سارنگی وغیرہ کی قسم کے باجے لیکر پھرتے ہیں۔ یہ عورت مرد یا دو مرد ہوتے ہیں۔ اور کبھی یہ اندھے بھی ہوتے ہیں۔ جو بازار کی کسی کھلی جگہ میں کھڑے ہوکر بجانے لگتے ہیں۔ آنے جانے والے لوگ انہیں کچھ پیسے دے جاتے ہونگے۔ میں تو انہیں بھی کنگلے ہی کہونگا۔ خواہ وہ اپنے آپ کو آرٹسٹ و پروفیسر موسیقی سمجھتے ہوں۔ ٹاور برج کے پاس ایک روز ایک اندھا دیکھا جس کے گلے میں ایک برتن لٹک رہا تھا جس میں لوگ پینی پھینک جاتے تھے۔ اور یہ ایک کاغذ کو نہایت سیدھی قطاروں سے چھید رہا تھا۔ یہ سب مانگ کھانے کے نئے نئے ڈھنگ ہیں۔

زمین کے نقاش البتہ جس قسم کے کنگلوں کا میں اب ذکر کرنے لگا ہوں وہ خاصے آرٹسٹ ہوتے ہیں۔ اور انہیں کہتے بھی پیومنٹ آرٹسٹ (فرش کا نقاش) ہیں۔ مگر یہ بھی صرف کنگلے اور بھیک مانگنے والے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اُن کی شکل اور لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ مینے کئی دفعہ ایسے شخصوں کو راستوں کے ایک طرف بلند یا نشیب سطح پر پتھر وغیرہ کے فرش پر اپنے

سامنے چاک وغیرہ رنگوں سے تصویریں بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا - ایک نے اپنی تصویروں کے نیچے لکھا ہوا تھا - "اِن کو جرأت دلائیں" - "ہر پینی جو ملیگی رنگ پر خرچ کی جائیگی" وغیرہ - تصویریں متوسط درجہ کی خاصی بنی ہوئی تھیں ایک سابق شاہ ایران کی ایک ملکہ قیصرہ مرحوم کی - ایک لارڈ رابرٹس کی - ایک دوسری جگہ آرٹسٹ کی اپنی تصویر بھی تھی جس کے نیچے لکھا ہوا تھا - "آپکا عاجز خادم غریب آرٹسٹ" ایک چوہے کی تصویر بنا کر اُس کے نیچے لکھا ہوا تھا - "زمانہ بہت سخت آگیا ہے" ایک گھوڑے کی تصویر کے نیچے لکھا تھا "دانہ مانگتا ہے" غرض ہر تصویر منہ سے سوال کر رہی ہوتی ہے - اور بعض لوگ پاس سے گذرتے ہوئے آرٹسٹ کو کوئی نہ کوئی پیسہ پھینک جاتے ہیں - اکثر لونڈے اِن تصویروں کے گرد کھڑے رہتے ہیں - جس روز جھڑی یا بارش ہو اِن بیچاروں کا کام نہیں چلتا - کیونکہ زمین نمناک ہو جاتی ہے - لیکن اس کے رفعدادکا اِن کی ذہانت نے یہ بندوبست کردیا ہے کہ بعض پیومنٹ آرٹسٹ بجائے زمین کے لکڑی کے سیاہ تختوں پر اپنی تصویریں بناتے ہیں - مینے ایک روز ایک ایسے آرٹسٹ سے پوچھا کہ فلاں شخص کی تصویریں بہت اچھی تھیں جو تختوں پر کھینچی ہوئی تھیں - اُس نے ناک منہ چڑھا کر صاف جواب دیا کہ وہ اُس کا اپنا کام تھوڑا ہی تھا - وہ تو ایک دوسرا شخص تختوں پر بنا دیتا ہے - اور اُس نے کئی ایجنٹ رکھے ہوئے ہیں - جو اُن تختوں کو زمین پر جاکر بچھاتے ہیں - اور جو آمدنی ہوتی ہے بانٹ لیتے ہیں - اور یہ تو میرا تمام اپنے ہاتھ کا کام ہے میں یہ سنکر حیران ہو گیا کہ دنیا کے ہر پیشہ میں کچھ نہ کچھ راز ہوتا ہے -

ڈاکٹر برنارڈو کے ہوم

لیکن جہاں لنڈن میں اسقدر نا قابل بیان مصیبت اور افلاس کا عذاب ہے - جیسا کہ مینے اوپر بیان کیا ہے کئی مخیر لوگ اُس کی کم کرنے میں شب و روز مصروف رہتے ہیں - وہ لاوارث

لڑکوں اور لڑکیوں کو گداگری اور مصیبت کی زندگی سے چھین کر انہیں یتیم خانوں میں جمع کرتے ہیں۔ وہاں انہیں صرف روٹی کپڑا ہی متوسط الحال لوگوں کے بچوں کی طرح نہیں دیتے بلکہ انہیں لکھنا پڑھنا بھی سکھلاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی دستکاری اور ہنر بھی سکھلاتے ہیں۔ کہ جس کے ذریعہ سے وہ شریفانہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ انگلستان میں اس قسم کے خیرات خانوں اور یتیم خانوں میں ڈاکٹر برنارڈو کے ہوم سب سے بڑے ہیں۔ کہ جن کی لنڈن اور انگلستان کے بعض دوسرے شہروں میں کئی شاخیں ہیں۔ ان میں ہر وقت پانچ چھ ہزار لڑکوں لڑکیوں کا کنبہ جمع رہتا ہے۔ اس نیک مرد نے پینتالیس سال گذرے ہیں ایک روز راستہ میں ایک لاوارث بچے کو قابل رحم حالت میں پاکر اس کی پرورش کا ارادہ کیا۔ اور اس خیال کو ترقی ہوتے ہوتے کئی بچے جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ اُس کا محتاج خانہ سلطنت میں اور شاید دنیا میں سب سے بڑا ہو گیا۔ اس محتاج خانہ نے آجتک چوالیس ہزار بچے لنڈن وغیرہ شہروں کی گلیوں کی ذلت اور گناہ کی زندگی سے بچاکر پرورش کئے ہیں اور انہیں کام کے آدمی اور عورتیں بنا دیا ہے۔ جو اس وقت یا تو شریف لوگوں کے گھروں میں خدمت گار اور ملازم ہیں۔ اور یا اپنے اپنے کاروبار تجارت ملازمت اور زراعت میں مصروف ہیں۔ ہر سال ایک بڑی کھیپ جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لنڈن سے کینیڈا میں سکونت پذیر ہونے کے لئے بھیجی جاتی ہے۔ جہاں اب تک ساڑھے بارہ ہزار سے زیادہ زن و مرد پہنچ چکے ہیں۔ ڈاکٹر برنارڈو کا دعوے ہے کہ ۱۸۶۶ء میں جو انگلستان کے جیل خانوں میں ہر ایک لاکھ آبادی کے پیچھے چالیس قیدی ہوتے تھے۔ اور اب صرف ۲۶ قیدی رہ گئے ہیں۔ اس کمی میں ہمارے ہوم نے بھی مدد دی ہے۔ اس لمبے چوڑے کنبہ کا خرچ کہاں سے آتا ہے

اس راز کو ڈاکٹر برنارڈو اس طرح افشا کرتا ہے۔ یہ نیک شخص کہتا ہے کہ مجھے روپیہ کی قلت سے بارہا فکر لاحق ہوئی ہے۔ لیکن جب مینے خدا سے دعا مانگی کہ تیرا یہ لیا چوڑا کنبا بھوکا نہ رہے۔ تو کوئی نہ کوئی مودی وقت پر پہنچ گیا۔ اور اُس نے مدد دیدی۔ مینے ہمیشہ اخبارات میں اپنی ضرورتیں بیان کیں اور خدا کے دست غیب نے لوگوں کے ہاتھ سے مجھے کافی روپیہ دلوادیا۔ "نائٹ اینڈ ڈے" (شب و روز) کے نام سے ایک ماہوار رسالہ اس ہوم کے حالات اور ضروریات کے متعلق چھپتا ہے۔ افسوس ہے کہ ان سطور کے لکھے جانے کے بعد ڈاکٹر برنارڈو کا انتقال ہو چکا ہے۔ مگر اُس کا ہوم برابر جاری ہے۔

انگلستان میں شراب خواری جتنی شراب پینے کی دوکانیں اور بار لنڈن میں نظر آتی ہیں۔ اتنی کسی شہر میں نہ ہونگی۔ اہل انگلستان بڑی شراب خور قوم ہیں۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں اہل انگلستان نے (۱۶۸۹۱۷۱۸) پونڈ میخواری میں صرف کئے۔ یہ رقم اس وقت تک کے جنگ ٹرنسوال کے اخراجات سے زائد تھی۔ تمام ملک کے کپڑوں کے سالانہ خرچ یا کھیتوں اور مکانات کے کل کرایہ اور محصول کی آمدنی سے زیادہ تھی۔ ہر شخص اگر مذہبی امور میں ایک شلنگ خرچ کرتا ہے۔ تو شراب پر سات شلنگ خرچ کرتا ہے۔ ہرچند کہ دنیا جانتی ہے کہ اہل انگلستان اپنی مذہبی مشنوں اور گرجوں کی امداد میں کس قدر روپیہ دیتے ہیں۔ مگر لیکہ وہ اُن کی شراب خوری کے بل کا صرف آٹھواں حصہ ہوتا ہے۔ انگلستان کا افلاس۔ عدالتوں کے مقدمات۔ طلاقیں۔ ریلوں کے حادثات۔ اور اکثر دیگر جرائم زیادہ تر اسی کثرت شراب خوری کی وجہ بتلائی جاتی ہیں۔

لنڈن کی صبح چونکہ یہاں لوگ رات کو دو دو تین تین بجے تک یا شاید اس سے بھی زیادہ جاگتے رہتے ہیں۔ اور تماشہ گاہوں یا سیر و تفریح میں

مصروف رہتے ہیں۔ اس لئے وہ صبح سویرے نہیں جاگتے۔ کہتے ہیں کہ لنڈن میں پانسو کے قریب ہر قسم کی تماشہ گاہیں ہیں جن میں پچاس تھیٹر اور باقی میوزک ہال وغیرہ ہیں۔ مگر میں نے وہاں ایک مرتبہ بھی تھیٹر نہیں دیکھا۔ ہرچند کہ رائے بہادر لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر نے تاکید کی تھی کہ لنڈن کا تھیٹر ضرور دیکھنا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ کیوں یہ لوگ اتنی اتنی راتوں تک ایک ہی تماشہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے ایک روز صبح کو بہت سویرے اُٹھ کر لنڈن کے بازاروں کی کیفیت دیکھی۔ ۲۷ اگست کو ۶ بجے صبح مکان سے نکلا۔ سوائے غریب آدمیوں۔ مزدوروں۔ اخبار کی گاڑیوں۔ دودھ کی دستی گاڑیوں اور اخبار بیچنے والے لونڈوں۔ اور ذخائر خورد و نوش اور ایندھن کی گاڑیوں کے بازاروں میں اور کچھ نہ تھا۔ اس اُجلے راہ روؤں کی بھیڑ یا دوکانوں کے خوبصورت مال و اسباب کا اس وقت کچھ پتہ نشان نہیں ملتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری کام گلیوں کی صفائی۔ اور سامان خورد و نوش اور اخبارات پہنچانے کے صبح ہی صبح ختم ہو جاتے ہیں۔ تب شہر کے چہل پہل اور بازاروں کی رونق شروع ہوتی ہے۔ اخبارات بھی ناشتہ کے ساتھ صبح ان لوگوں کی میزوں پر ہونے ضروری ہیں۔ گویا یہ بھی زندگی کی ایک ضرورت ہے۔ جبھی تو اخبارات کی اشاعت کی یہ کیفیت ہے۔

برٹش میوزیم لنڈن کے قابل دید مقامات میں برٹش میوزیم بلحاظ اپنے بیش قیمت خزانوں کے اول درجہ رکھتا ہے۔ اس میں زمانہ قدیم کے عجائبات اس قدر زیادہ ہیں کہ دنیا کے کسی عجائب گاہ میں نہ ہونگے۔ اور یہ سب مجموعہ ایک دن یا ایک سال میں جمع نہیں ہو گیا۔ بلکہ ڈیڑھ صدی کی ساری قوم کی لگاتار کوشش اور بے انداز روپیہ کے خرچ سے جو کچھ جمع ہو سکا وہ یہاں موجود ہے۔ ۱۷۵۹ء میں پہلے پہل یہ میوزیم کھولا گیا۔

پہلے صرف مطبوعہ کتابوں قلمی کتابوں اور نیچرل ہسٹری (علم الحیوان) کے تین حصے اس میں کھولے گئے تھے۔ مگر ترقی کرتے کرتے اب اس میں نو صیغے موجود ہیں۔ اور باوجودیکہ پہلے مکان میں اور بہت سے مکان اُدھر اِدھر اضافہ کئے گئے ہیں۔ مگر پھر بھی نیچرل ہسٹری کا مجموعہ بوجہ عدم گنجائش ساؤتھ کنسنگٹن کو منتقل کر دیا گیا۔ اور اسی عجائب گاہ میں اب انڈین میوزیم بھی شامل ہے۔ پہلے پہل سر ہنس سلوں کا عتیقہ اشیاء کا مجموعہ ۱۷۵۳ء میں بیس ہزار پونڈ کو گورنمنٹ نے خریدا۔ اور ہارلین کے قلمی نسخوں اور کوٹونین کتب خانہ کو اس میں شامل کر کے میوزیم کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۷۶۲ء میں پارلیمنٹ نے سر ولیم ہیملٹن کا رومن برتنوں وغیرہ کا مجموعہ خریدا۔ ۱۸۰۱ء میں مصری عتیق اشیا حاصل کی گئیں۔ ٹونلی سنگ مرمر۔ اور کرنل گریول کے معدنیات ۱۸۱۲ء میں خریدی گئیں۔ ۱۸۱۵ء کے امن کے بعد چین کی عمارات سے بیش قیمت سنگ مرمر لارڈ الجن لے آیا۔ ساڑھے تیرہ ہزار پونڈ کو ۱۸۱۸ء میں ڈاکٹر برنی کا کتب خانہ خریدا گیا۔ سر جوزف بینکس کا کتب خانہ اور نباتات کے نمونے ۱۸۲۰ء میں وصیت کے ذریعے سے ملے ۱۸۲۳ء میں شاہ جارج چہارم نے اپنے باپ جارج سوم کی منتخب لائبریری وقف کر دی جس میں ستر ہزار کتابیں تھیں۔ انگلستان کے کاپی رائٹ کے قانون کے مطابق ہر کتاب کی ایک جلد برٹش میوزیم میں رکھنے کے لئے لی جاتی ہے۔ اور نیز بہت سا روپیہ کمیاب کتابوں پر خرچ کیا جاتا ہے جس سے اب بیس لاکھ کتابیں جمع ہیں۔ ریڈنگ روم کا عالیشان کمرہ معہ اپنے خوبصورت گنبد اور پڑھنے والوں کے دائرہ نما نشستوں کے بہت دلچسپ ہے۔ اس وقت یہ نو صیغے اس بے سروپا عمارت کے مختلف کمروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۱) ڈائرکٹر اور بڑے لائبریرین کا دفتر۔ (۲) یورپین مطبوعہ کتابیں (۳) یورپین قلمی نسخے۔ (۴) مشرقی مطبوعہ کتابیں اور قلمی نسخے۔ (۵) تصاویر

اور نقشے چھپے ہوئے (۶) مصری اور اسوری عتیق چیزیں (۷) یونانی اور رومی عتیق چیزیں (۸) انگریزی اور قرون وسطی کی عتیق چیزیں اور علم اقوام انسان کے نمونے (۹) سکے اور تمغے۔ علاوہ کتب خانہ کے عام ریڈنگ روم کے بعض صیغوں مثل مشرقی قلمی نسخوں وغیرہ کے متعلق خاص طالب علموں کے ریڈنگ روم ہیں جو خاص خاص شاخوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اخباروں کے ریڈنگ روم میں انگلستان کے تمام اور یوروپ کے بڑے بڑے اخبار گذشتہ صدی کے موجود ہیں۔ یوروپ کی عتیق چیزوں میں بہت پرانے زمانہ کے پتھر اور دھاتوں کے اوزار اور کلہاڑے۔ اور تیروں کے پھل سٹون ایج (Stone age) یعنی (زمانہ سنگ) کے دلچسپ تھے بیکون کے کمرہ میں ایک عجیب وغریب مجموعہ ابتدائی زمانہ کی جیب گھڑیوں اسطرلابوں اور ڈائلوں کا تھا۔ ایک کمرہ میں سونے کے زیورات اور جواہرات نہایت قدیم اقوام کے جمع کئے گئے تھے۔ دو کمروں میں چینی اور جاپانی برتنوں اور چیزوں کے نمونے تھے۔ ایک جگہ قدیم رومن عہد کے شیشہ کے برتن اور کھلونے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ قدیم رومن لوگ شیشہ گری سے بخوبی واقف تھے۔ گو اُن کے شیشہ کا رنگ میلا ہوتا تھا۔ پھر وینس فرانس اور انگلستان کے قدیم شیشہ کے نمونے اور مختلف ملکوں کے چینی کے برتن دیکھے۔ یونانی اور مصری عتیقہ چیزوں سے اُن ممالک کے رسوم ورواج کو کیسی عمدگی سے اخذ کیا ہے۔ بابل اور نینوہ کی چیزوں کے لئے علیحدہ کمرے ہیں۔ مصری ممیوں (حنوط شدہ لاشوں) کے لئے الگ کمرے ہیں۔ انہیں دیکھکر تعجب پیدا ہوتا ہے۔ کہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے مصر میں یہ کیسا عجیب وغریب ہنر معلوم تھا جو اب دنیا سے مفقود ہوگیا ہے۔ بلحاظ قدامت سائرس شاہ ایران اور بخت نصر بادشاہ یہود کی زمانوں کی یادگاریں تک اس عجیب وغریب مجموعہ میں موجود ہیں۔

ایک کمرہ نمرود کے نام پر نامزد ہے۔ مشرقی مذاہب خصوصاً بودھ اور برہمنی مذاہب اور کسی قدر مسلمانوں یہودیوں اور سکھوں اور چینی جاپانی مذاہب کی عبادت کے طریقے اور سامان علیحدہ جمع تھے۔ یونانی اور رومن برتنوں کو دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ پچھلے زمانوں میں مٹی اور رنگ روغن کے کام میں کس قدر نادر مہارت بہم پہنچائی جاتی تھی۔ یہ مختلف برتن مختلف ضرورتوں یعنے شراب پانی یا اِن کے مرکبات وغیرہ کے لئے مخصوص تھے چھپی ہوئی کتابوں میں یورپ کے بہت ابتدائی چھاپوں کے نمونے جمع کئے گئے تھے کہ جن کی اس وقت یوروپ میں ہزاروں پونڈ بوجہ اُن کی کمیابی کے قیمت پڑتی ہے۔ ۱۵۶۱ء کا ایک نمونہ ہندوستان میں سب سے پہلا چھپا ہوا رکھا تھا۔ جو کہا جاتا ہے کہ اہل پورتگال نے اِسے اس سنہ میں چھاپا تھا۔ قلمی کتابوں میں یونانی لاطینی اور انگریزی کے مسیحی زمانہ سے پہلے کے لکھے ہوئے نسخے اور بہت پورانی بائبلوں کے نمونے تھے۔ مسیحی زمانہ کی یورپین قلمی کتابوں کے جدول ویسے ہی مطلا اور پرتکلف بیل بوٹوں سے آراستہ تھے جیسے کہ قدیم عربی فارسی کتابوں کے ہوتے ہیں۔ اِن کتابوں کے بڑے بڑے حاشئے چھوڑے گئے تھے اور اِن کے کاغذ سیالکوٹی کاغذ کے زیادہ مشابہ تھے۔ مشرقی قلمی کتابوں میں عربی فارسی عبرانی۔ یونانی چینی جاپانی سنسکرت اور پالی سب زبانوں کی کتابیں تھیں۔ ایک تبت سے آئی ہوئی کتاب ہاتھی دانت کی باریک تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ ایک کمرہ میں انگلستان کے تمام نامی شعرا اور مصنفین کی دستخطی تحریریں اور اُن کی بعض تصنیفوں کے اصلی مسودے اور ایسی کتابیں کہ جنپر مصنفوں کے دستخط تھے۔ اور ہر قسم کے تاریخی وقعت کی تحریریں جمع کی گئی تھیں۔ ملٹن کی کتاب پیرڈائز لاسٹ کا اصلی معاہدہ جو ایک کتب فروش سے کیا گیا تھا۔ ڈیفو کا دستخطی مسودہ

جو بہت کٹا پھٹا تھا۔ مگنا کارٹا (اہل انگلستان کی آزادی کے دستاویز) اور دیگر شاہان انگلستان کی فرمانوں کی صحیح نقلیں اور فوٹوگراف بھی تھے انگلستان کے تمام اور بعض ممالک غیر کے سلاطین کے دستخط اور تحریریں الگ محفوظ تھیں۔ اور شاہان انگلستان کی گریٹ سیل اور دوسری مہریں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ برٹش میوزیم کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے کئی سال درکار ہیں اور اس کے اکثر مطالب سمجھنے کے لئے عمر بھی کافی نہیں۔ بار بار تعجب اس امر کا ہوتا ہے کہ دو دو تین تین چار چار پانچ پانچ ہزار سال کے سکے کتبے اور برتن اتنے کس طرح ایک جگہ جمع ہو گئے جب ان ذخیروں کا بعض قدیم زمانوں کی کتابوں سے اور بائیبل کے حالات سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تو تاریخ عالم کو بہت مدد ملتی ہے۔

کاپر پلیٹ پر تصویریں کھودنا

میوزیم کی نقشوں کے کمرہ میں کاپر پلیٹ پر تصویریں کھودنے کا عمل دکھلایا گیا تھا۔ اور اس کی کیفیت معہ نمونوں کے رکھی ہوئی تھی۔ جہاں سے ہیلنے یہ نوٹ لیا۔ پہلے کاپر پلیٹ (تانبے کی تختی) پر چربی پگھلا کر ایک کوٹ کیا جاتا ہے۔ پھر ایک سوزن سے اسپر وہ تصویر بنائی جاتی ہے۔ جس کا پنسل سے بنا ہوا خاکا اسپر چڑھایا گیا ہے۔ پھر پلیٹ کی پشت کی طرف سیاہ وارنش کا کوٹ کیا جاتا ہے۔ گویا سوائے تصویر کی کھودی ہوئی جگہوں کے کوئی جگہ پلیٹ پر ننگی نہیں ہوتی اب مندرجہ ذیل نسخہ کو تیار کرکے اس میں تھوڑی دیر کے لئے پلیٹ بھر دیتے ہیں۔ تو تانبا وہاں سے کٹ جاتا ہے۔ نسخہ یہ ہے۔ جس کا نام ڈچ مورڈنٹ (Deph Mordant) ہے:-

کلوریٹ آف پوٹاش ۲¼ اونس — Chlorate of Potash 2¼ oz

ہائڈرو کلورک ایسڈ ۹¼ اونس — Hydrochloric aice 9¼ oz

ایک دوسرا نسخہ یہ ہے :-

نٹرک ایسڈ (تیزاب گندھک) پچاس حصے Nitrou acid (H.N.O₂) 50 Parts

پانی پچاس حصے Water (H₂.O.) 50 Parts

انگلستان کا سب سے بڑا گرجا

سینٹ پال کا گرجا لنڈن میں ایسی عمارت ہے کہ جس کی ظاہری شکل وصورت جیسی شاندار ہے ویسی ہے اندر سے بھی ہے۔ میں بار بار اس کے پاس سے گذرتا رہا۔ کیونکہ یہ شہر کے نہایت بارونق موقعہ پر واقع ہے لیکن اندر جاکر دیکھا تو اسے نہایت عالیشان عمارت پایا۔ چھت اور گنبد نہایت تکلف سے آراستہ کئے گئے ہیں۔ ایسے عالیشان گرجے دیکھنے سے پہلے مجھے کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ گرجوں پر عیسائیوں نے بھی اتنے روپے اور کوشش خرچ کی ہوگی جتنی کہ مسلمانوں نے مسجدوں پر کی ہے۔ لیکن عمارت کی عمدگی اور روپیہ کی لاگت سے قطع نظر جو بات اس عمارت۔ میں زیادہ دلچسپ نظر آئی وہ اسکے دونوں پہلوؤں میں انگلستان کے جنگی اور قومی ناموروں کی یادگاریں تھیں کہ جنہوں نے ہر میدان یا دیوان میں ملک کی خاطر جان دیدی تھی یا ملک کی خدمت میں عزت حاصل کی تھی۔ لیکن زیادہ کتبے اور سنگ مرمر کے بُت میدان جنگ کے بہادروں کے تھے جن میں لارڈ نلسن اور ڈیوک آف ولنگٹن بھی شامل تھے۔ چند بشپوں کے بت بھی تھے کہ جن میں ہندوستان کا مشہور بشپ ہیبر بھی تھا۔ جنرل گارڈن کا بت رونق تھا۔ سر مونٹ سٹوارٹ الفنسٹن کا بت کھڑا تھا۔ اِن مشاہیر کے بتوں کا اثر تمام قوم پر کس قدر اچھا پڑتا ہوگا۔ قوم کے نوجوان اور بچے جب اِن بتوں کی عزت وتعظیم دیکھتے ہونگے۔ تو کون نہیں چاہتا ہوگا کہ اپنے ملک کی ایسی خدمت کرکے خود بھی ایسی عزت اور بقائے دوام حاصل کرے۔ انمیں سے بعض بُت اور کتبے پبلک کے چندہ سے بنائے گئے ہیں بعض گورنمنٹ اور دیگر پبلک جماعتوں کے چندہ سے واقعی بہ نہایت حمیت الی قوم ہے

سینٹ پال کا گرجا لنڈن کے نہایت قدیم عمارت ہے جو چوتھی صدی مسیحی سے اسی جگہ پر بنتا چلا آیا ہے۔ موجودہ گرجا چوتھی مرتبہ سنہ ۱۶۷۴ء میں بننا شروع ہوا تھا۔ اور سنہ ۱۷۱۰ء میں ختم ہوا۔ سر کرسٹو فرزن مشہور مہندس نے تعمیر کیا (۵۱۰) فٹ لمبا (۲۸۲) فٹ چوڑا ہے۔ گنبد کی چوٹی پر کی صلیب سطح زمین سے (۴۰۴) فٹ بلند ہے۔ اس کے جنوبی مینار پر ½ ۱۷ ٹن (قریباً پانچ سو من) وزنی ایک گھنٹہ ہے جو انگلستان میں سب سے بڑا ہے۔

ویسٹ منسٹر ایبی

لنڈن کی عمارات میں ویسٹ منسٹر ایبی کو ایک خاص رتبہ حاصل ہے۔ اور شائد سینٹ پال ہوس آف پارلیمنٹ اور لنڈن ٹاور میں سے جو لنڈن کی چوٹی کی تاریخی اور نامور عمارات ہیں۔ یہ کسی سے دوم درجہ پر نہ ہوگی۔ سینٹ پال میں اگر کچھ ناموروں کے بت اور یادگاری کتنے ہیں تو ویسٹ منسٹر ایبی میں سینکڑوں نامور مدفون ہیں۔ دراصل یہ ایبی سینٹ پیٹر کا گرجا تھا جو نہایت قدیم زمانہ سے لنڈن میں چلا آتا ہے۔ اسے نہ صرف عبادت کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے بلکہ اس میں ابتدا سے لیکر انگلستان کے سلاطین کی رسم تاج پوشی ادا ہوتی رہی ہے۔ اور اُن کے وفات پر اُن کی لاشوں کو بھی یہیں دفن کیا گیا ہے۔ جو ایبی کے لمبی لمبی محرابوں کے نیچے مدت سے آرام کر رہی ہیں۔ علاوہ بادشاہوں کے انگلستان کے مشہور مدبر شاعر مصنف فصیح البیان مقرر عالم و فاضل عابد و زاہد اور سائنس دان سبھی ایبی کے عالیشان مقبرہ کے اندر سوتے ہیں۔ ذرا ایک طرف سے دوسری طرف تک ان ناموروں کے کتبے تو پڑھتے چلے جاؤ۔ ولیم فاتح سے لیکر ملکہ الیزبتھ دونوں شاہان ولیم ملکہ میری اور ملکہ این تک سلاطین برطانیہ کے نام موجود ہیں۔ اہل سیف و قلم اور اہل علم و اہل تقوے میں سے بھی چند نام سُن لیجئے۔ لارڈ [illegible]

ولیم پٹ اور اُس کا حریف فاکس۔ پامرسٹن۔ بیکنسفیلڈ اور گلیڈسٹون۔ سر آیزک نیوٹن مشہور مہندس۔ ہرشل مشہور منجم۔ ڈارون نیچر لسٹ۔ لونگسٹون سیاح افریقہ۔ اور جان ویزلی بانی فرقہ ویزلین میتھوڈزم جیفری چاسر جسے انگریزی نظم کا باپ کہتے ہیں۔ خداوند سخن شکسپیئر۔ سپنسر بین جانسن ملٹن۔ ڈرائیڈن گے۔ ایڈیسن ٹامسن۔ گولڈسمتھ۔ ڈاکٹر جانسن شیریڈن ساؤدی۔ کیمبل۔ تھیکری۔ میکالے۔ ڈکنس۔ براؤننگ اور ٹینی سن وغیرہ جو اپنے اپنے زمانہ میں اقلیم سخن کے بادشاہ گذرے ہیں۔ سب یہیں خواب ناز میں سرشار پڑے ہیں۔ اِسی کے سنگین اور حیرت افزا دیواروں کے اندر جاکر زائر پر ایک عجیب حالت طاری ہوتی ہے جو لفظوں میں بیان ہونی مشکل ہے۔ اور عمارت کی رفعت اور عظمت اس حالت کو اور بڑھا دیتی ہے۔ یہیں شاہ ایڈورڈ دی کانفیسر کے چیپل میں تاجپوشی کے مشہور کرسی رکھی ہے کہ جس پر تاجداران برطانیہ بوقت تاجپوشی بیٹھتے ہیں۔ اس کرسی کے نیچے ایک "قسمت کا پتھر" لگا ہوا ہے جس کی تاریخ بڑی عجیب ہے۔ جب قدیم سلاطین سکاٹلینڈ کی تاجپوشی ہوا کرتی تھی تو اس وقت وہ اس پتھر پر بیٹھتے تھے۔ جب ایڈورڈ اول نے سکاٹلینڈ کو فتح کیا تو وہ اس پتھر کو ساتھ لیتا آیا۔ جس پر اہل سکاٹلینڈ کو سخت صدمہ پہنچا۔ کیونکہ اُنکے یہاں ایک مثل رائج تھی جس کا یہ مطلب تھا کہ اگر قسمت یاوری کرے تو جہاں یہ پتھر جائیگا شاہان سکاٹلینڈ اُسی ملک کے بادشاہ ہو جائینگے۔ اِسی طرح لنڈن میں ایک اور مشہور پتھر ہے جسے لنڈن سٹون کہتے ہیں۔ جو سینٹ سوتھن کے گرجا کے قریب ایک آہنی جنگلے میں محفوظ ہے۔ کسی زمانہ میں یہ پتھر بہت مشہور تھا۔ ۱۱۸۹ء میں اہل لنڈن نے جب اپنا پہلا میئر مقرر کیا تو اُسے لنڈن سٹون کے میئر کے نام سے پکارتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اہل روما نے اپنے عہد حکومت میں لنڈن میں اس پتھر کو

اس لئے نصیب کیا تھا کہ اس مرکز سے وہ دوسرے مقامات تک مسافت کا اندازہ کیا کرتے تھے۔

کرسٹل پیلس کرسٹل پیلس یا شیش محل کو لنڈن کا ہر روز کا میلہ کہنا چاہئے۔ یہ خوبصورت اور نرالی قسم کی عمارت صرف لوہے کے فرمیوں میں شیشہ لگاکر بنائی گئی ہے۔ اور اس کے عظیم الشان چھت کے نیچے تمام گرم ممالک کے درخت لگائے گئے ہیں۔ جو انگلستان کی سرد آب وہوا میں سرسبز نہیں ہو سکتے تھے۔ علاوہ درختوں کے بہت سے بُت بھی چھت کے نیچے سجائے گئے ہیں۔ اور بہت بڑے بڑے فوارے لگائے گئے ہیں۔ یہ مکان لنڈن سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مگر چونکہ یہاں ہر روز نئے نئے کھیل اور طرح طرح کے تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے بہت سے شائقین سیزن ٹکٹ لے رکھتے ہیں۔ اور وہ ہر روز اس قدر دلچسپی کا سامان مکان کے اندر اور باہر کی گراؤنڈ پارک اور جھیل و باغات وغیرہ میں پاتے ہیں کہ کبھی مایوس نہیں لوٹتے۔ ہر جمعرات کو کرسٹل پیلس کی آتش بازی بھی قابل دید ہوتی ہے۔ یہیں کے آتش باز ان مسرز پاک کو لارڈ کرزن بہادر نے ۱۹۰۲ء کے دربار دہلی کے آتش بازی کا ٹھیکہ دیا تھا۔ اور لوگوں نے آتش بازی کو نہایت پسند کیا تھا۔ اکویریئم میں ہندوستان کی مچھلیاں بھی ہیں۔ اور ایک بندروں کا گھر بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ کرسٹل پیلس کی تعمیر پر ڈیڑھ ملیئن پونڈ صرف ہوا تھا۔ اور سوائے دلچسپی اور دل بہلاؤ کے اور اس پون میل کے سلسلہ عمارات اور وسیع باغات سے کچھ مقصود نہیں۔

کیئوگارڈنس موضع کیئو کے پاس جو لنڈن کے مضافات سے ہے۔ اور در اصل اُس کی آبادی شہر سے ملی ہوئی ہے۔ یہ نہایت عظیم الشان باغ میلوں میں واقع ہے۔ یہ لنڈن کا بوٹینکل گارڈن ہے۔ جس میں دنیا کے ہر ملک اور ہر قسم کے درختوں کے نمونے موجود ہیں۔ پام ہوس میں جو (۳۶۰)

فٹ لمبا اور (۹۰) فٹ چوڑا ہے۔ ہندوستان اور دیگر گرم ممالک کے پام نہایت شادابی کی حالت میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سے بڑا ہاٹ ہوس دنیا میں کہیں موجود نہ ہوگا۔ پھولوں کی کیاریاں اور باغ کی صفائی قابل دید ہے نہ کہ شنید۔ ہر چند کہ لنڈن میں بکثرت تفریح اور سیر کے مقامات ہیں۔ لیکن یہاں بھی ملنے اتنا بڑا مجمع لنڈن کے زن و مرد کا دیکھا کہ خیال ہوتا تھا کہ آج بوجہ اتوار کے شائد سارا لنڈن ادھر ہی امنڈ آیا ہے۔ یہاں سے رچمنڈ کو گئے جو نہایت دلکش مقام نواح لنڈن میں ہے نیچے ٹیمز بہ رہا ہے۔ جس میں سینکڑوں تفریحی کشتیاں کسی کمپنی کے کرایہ پر چلنے کے لئے پڑی ہیں۔

ہائیڈ پارک جس طرح خواجہ حافظ کے زمانہ میں شیراز میں "کنار آب رکناباد و گلگشت مصلا" پر روچد ہوتے تھے۔ اسی طرح لنڈن میں ہائیڈ پارک کے نام پر لنڈن کے لوگ سرور میں آجاتے ہیں۔ میں دوچار مرتبہ آکسفورڈ سٹریٹ کی طرف سے اس کے دیکھنے کو گیا کہ جہاں میں فروکش تھا۔ اور ماربل آرچ (محراب مرمری) کے پاس سے اس میں داخل ہوا۔ یہ سنگ مرمر کا دروازہ شاہ جارج چہارم نے نوے ہزار پونڈ کے صرف سے قصر بکنگھم کے سامنے بنوایا تھا جو بعدہ قصر کی توسیع کے وقت اُٹھا کر یہاں لا رکھا گیا اور اب لنڈن کے زیارات میں شمار ہوتا ہے۔

ہائیڈ پارک جو قریب چار سو ایکڑ کے وسیع ہے۔ شہر لنڈن کا بہت بڑا تفرج گاہ ہے۔ اس کی تمام زمین پر گھاس اور درخت اُگے ہوئے ہیں بیچ میں سے کئی سڑکیں اِدھر اُدھر گذرتی ہیں۔ اور ایک پانی کا لہریا سا لمبا نالا ہے کہ جسے اُس کی شکل کے لحاظ سے سرپنٹائن (مثال مار) کہتے ہیں۔ یہ پانی ساکن اور صاف ہے۔ موسم گرما میں یہاں بہت لوگ نہاتے ہیں۔ اور سرما میں سکیٹین پہنکر اس کی یخ بستہ سطح پر پھسلتے ہیں۔ اگر اتفاقاً برف ٹوٹ کہ

کوئی شخص پانی میں جا پڑے تو اُس کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے رائل ہیومین سوسائٹی نے پاس ہی ایک مکان بنا رکھا ہے جس میں آرام اور علاج کا تمام ضروری سامان ہے۔ یہ رحمدل اور ہمدرد سوسائٹی اہل انگلستان کی جانیں بچانے کے لئے کئی پہلوؤں میں ابر رحمت کا کام کرتی ہے۔ شائد لوگ صبح کو بھی پارک میں جا کر لطف اُٹھاتے ہوں۔ لیکن دوپہر اور شام کو تو میں نے وہاں بڑے فیشن ایبل مجمع زن و مرد کے دیکھے ہیں۔ خواجہ حافظ کی طرح پوپ اور بعض دیگر انگریز مصنفوں نے اپنی کتابوں میں ہائڈ پارک کو بھی ہمیشہ کی زندگی بخشدی ہے۔ لنڈن کی ۱۸۵۱ء کی سب سے بڑی نمائش اسی میدان میں ہوئی تھی جو گویا کہ یوروپ کے انٹرنیشنل نمائش گاہوں کی پیش رو تھی۔ پکاڈلی کی طرف کے داخلہ پارک کے سامنے ایک بہت بڑا بت اچیلیز کا ہے جس پر کھدا ہوا ہے:- "انگلستان کی عورتوں کی طرف سے نذر بحضور آرتھر ڈیوک آف ولنگٹن اور اس کے بہادر ہمراہیوں کے" جنگ پینینشولر کی یادگار میں جو توپیں اس جنگ میں پکڑی گئی تھیں انہیں ڈھال کر صرف انگلستان کی عورتوں کے چندہ سے جو دس ہزار پونڈ تھا۔ یہ بُت قائم کیا گیا تھا۔ شاباش انگلستان کی مردانہ عورتو۔ یہ یادگار در اصل جنگ پینینشولر کی نسبت زیادہ تر انگلستان کی عورتوں کی عالی حوصلگی اور محب الوطنی کے قائم رہے گی۔ پارک میں سڑکوں کے دونوں طرف جنگلا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنچیں پڑی ہیں۔ اور برقی روشنی کی لال ٹینیں لگی ہیں۔ جا بجا سڑکوں پر درخت ہیں جھیل کے قریب شام کے وقت ایک شخص جوش خروش سے یسوع مسیح کا وعظ کہہ رہا تھا۔ تین چار اور عورتیں مرد اُس کے ساتھ تھے۔ خاصا فصاحت سے بولتا تھا اور بہت لوگ اسکے گرد کھڑے سنتے تھے پاس ہی ایک شخص پولیٹکل مضامین پر بحث کر رہا تھا اور آگے ایک اور سپیکر بول رہا تھا اور سب لوگ سن رہے تھے اتوار کو بڑی رونق کے مجمع ہوتے ہیں یہاں راستہ چلتے پھر ایک لونڈے نے

مجھ سے پیسہ مانگا۔ (اب میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری ترکی ٹوپی کا قصور تھا جو مجھے اجنبی سمجھ کر یہ لوگ مانگ لیتے تھے۔ اور کئی لوگ مجھ سے زیادہ ستانے سے نہیں جھجکتے تھے) ایک دوسری جگہ ایک پادری نے دو بڑے بڑے سرخ کپڑوں پر سفید حروف میں چند مذہبی کلمات اور قیامت کی یاد کے کتبے لکھ رکھے تھے۔ اور گیت گا رہا تھا۔ یہاں بھی ہزار پانسو عورتیں مرد اس کے شریک تھے غرض ہائیڈ پارک ایک مستقل جلسہ گاہ ہے۔

لنڈن میں مشرقی نو آبادی۔

لنڈن کے حصہ ایسٹ انڈ میں در اصل بہت سے کم درجہ کے مشرقی ملکوں کے لوگ بسر اوقات کرتے ہیں چینی تو یہاں بہت سے رہتے ہیں اور با قاعدہ دوکانیں رکھتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک نے شادیاں بھی انگریز عورتوں سے کر لی ہیں۔ اور ان کے بال بچے بھی ہیں۔ مگر ان کے علاوہ جاپانی۔ سیامی مصری یہودی بربری اور ہندوستانی سبھی قوموں کے تھوڑے بہت لوگ رہتے ہیں۔ ہندوستانی زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو بمبئی سے جہازوں پر "لشکر" یعنے خلاصی بنکر آتے ہیں۔ اور جب ان کے جہاز چند روز اس بندرگاہ میں ٹھیرتے ہیں تو وہ یہاں کے ادنٰے درجہ کے لاجنگ ہوسوں میں گزارہ کر لیتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں چانڈو اور چرس خانے بھی ہیں۔ چینی مزے سے ان میں چرس کے دم لگاتے ہیں۔ اور بعض دوسری قومیں بھی معجون کا دم لگاتی ہیں۔ لیکن مسلمان خلاصی جو عموماً نیک چلن اور نمازی ہوتے ہیں۔ اور ان کی عادات بھی بہت سادہ ہوتی ہیں۔ انہیں لاجنگ ہوس والے ایک اور دم میں لاتے ہیں۔ انہیں برکت دینے والے تعویذ دینے کے بہانے سے لوٹتے ہیں ہیں۔ اہل مشرق کو ان لوگوں کی دغابازیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اسی نواح میں ایک مکان "سٹرینجرز ہوم" (اجنبیوں کا گھر) بعض فیاض

لوگوں کے چندہ سے کھلا ہوا ہے۔ اس میں ہندوستانی برہمی عرب جاپانی چینی ملائی سنگھالی زنگباری سماٹری اور حبشی سب داخل ہو کر خوش رہتے ہیں۔ یہاں اِن لوگوں کے لئے جدا جدا سونے اور کھانے پکانے کے کمرے ہیں۔ جیسے کوئی ہندو یا مسلمان دوسروں سے بچا کر کھانا پکانا چاہے پکا سکتا ہے۔ اور ایک کمرہ بطور ڈرائینگ روم کے سب کے بیٹھنے اور شطرنج وغیرہ کھیلنے کا ہے۔ تعلیم یافتہ اور آسودہ ہندوستانی جو لنڈن میں جاتے ہیں وہ عموماً ویسٹ انڈ کے اچھے اچھے ہوٹلوں اور لاجنگ ہوسوں میں رہتے ہیں۔ ہندوستانی طالب علم جو یہاں کے شریف کنبوں میں رہتے ہیں۔ انہیں یورپین اداب اور قواعد بہت اچھی طرح آجاتے ہیں۔

ہندوستانی نوجوان

ایک روز مجھے ایک ہندوستانی نوجوان امیدوار بیرسٹری بیرسٹروں کے ایک اِن کے کامن روم میں لے گیا۔ لیکن یہاں پہنچکر مجھے بالکل مایوسی ہوئی۔ اکثر نوجوانوں کی حالت بہت ٹوٹی پھوٹی معلوم ہوتی تھی۔ بعض اپنے والدین سے بہت سا روپیہ منگوا کر خرچ کر چکے تھے۔ اور اب انہیں اور روپیہ نہیں ملتا تھا۔ یہ ایسی بیفکری سے گپیں ہانکتے تھے کہ گویا دنیا میں اِن کے لئے کوئی کام نہیں تھا ممکن ہے کسی وقت یہ لوگ پڑھنے میں محنت بھی کرتے ہوں۔ مگر چونکہ اِن کے امتحان عموماً سہل ہوتے ہیں مگر اب پہلے سے مشکل بھی کئے گئے ہیں) یہ اسی طرح ساعت تیزی کرتے رہتے ہیں۔ یہاں خوش نصیبی سے مجھے اِن نوجوانوں کے بعض خیالات سے استفادہ کرنے کا بھی موقع مل گیا۔

لنڈن کی ناپاک زندگی

اس مجلس میں جہاں سات آٹھ قریب قریب سب پنجابی نوجوان تھے۔ مختلف باتوں کے درمیان لنڈن کی ناپاک زندگی کا

بھی ذکر آگیا۔ اسپر ان میں سے دو تین کی رائے تھی کہ لنڈن میں اس بارہ میں ہندوستان سے بُری حالت نہیں۔ وہاں بھی فاحشہ عورتیں ہیں۔ یہ صرف بڑا شہر ہے۔ اس لئے یہاں زیادہ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں سر بازار بیٹھکوں پر رنڈیاں بیٹھتی ہیں۔ یہاں بازاروں میں پھرتی رہتی ہیں۔ کیا ہندوستان میں برقعوں کے اندر گرہستی عورتیں بدنام نہیں ہیں کیا لاہور امرتسر میں کوٹھی خانے نہیں ہیں تاہم اس جماعت میں دو ایسے شخص تھے جنہوں نے تسلیم کر لیا کہ اس ملک میں فحش کی کثرت ہے۔ یہاں بوجہ بے پردگی اور کھلم کھلا نوجوانوں سے ملاقات کرنے کی آزادی کی خرابی کے بہت راستے کھلے ہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ ایک عورت سے شادی کرنے اور زیادہ عورتوں سے بلا شادی کے تعلق رکھنے میں فرق ہی کیا ہے۔ ایک دوسرے نے کہا مردوں اور عورتوں میں چونکہ مساوات حقوق کی ضرورت ہے۔ اس لئے جب مردوں کو آزادی ہے تو عورتوں کو اپنی پسند کے نئے آشنا تلاش کرنے میں کیوں آزادی نہ ہونی چاہئے۔ اُسی کے ایک بے تکلف رفیق نے اُسے جواب دیا کہ اگر کسی کی ہمشیرہ خود کوئی آشنا تلاش کرلے تو اُسے بُرا نہ معلوم ہوگا۔ پہلے صاحب نے بالکل فلسفیانہ انداز سے کہا کہ اس میں بُرا معلوم ہونے کی کیا بات ہے۔ ہر فرد بشر کو اپنے جسم پر کامل اختیار ہونا چاہئے۔ ایک صاحب نے کہا کہ یہاں عورتیں بھی چونکہ نوکری اور محنت مزدوری کر کے روٹی کما لیتی ہیں اس لئے مردوں کی امداد سے مستغنی ہیں۔ ہندوستان میں ہماری عورتوں کی حالت بہت قابل رحم ہے۔ مردان پر ناگفتہ بہ ظلم ڈھاتے ہیں۔ میں نے کہا یہ درست ہے کہ ہمارے ملک میں بعض بعض عورتوں پر سختی ہو جاتی ہے۔ لیکن جو عورتیں گھروں کا انتظام کرتی اور اپنے بال بچوں میں مردوں کی کمائی کھا کر بے فکری اور چین سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ خود کما کر کھانیوالی

عورتوں کو اُن کے آرام کا عشر عشیر بھی تو میسر نہیں۔ اسپر ایک صاحب بولے کہ اس میں آرام اور تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ یہ اصول کا معاملہ ہے۔ عورتیں غلامی اور گھر کی خدمت گاری کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ میں نے کہا کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ آئندہ بچے نہ جنا کریں۔ اُس نے کہا کیا ضرورت ہے۔ تو میں نے کہا ایسے ایسے عورتوں کے حقوق کے حامی پھر کہاں سے پیدا ہونگے۔ پھر میں نے کہا فرض کرو کچھ عورتوں کی ایک فوج ہے جسے کل غنیم پر حملہ کرنا ہے۔ اور اس فوج میں دس فیصدی ممکن ہے کہ بوجہ ماہواری مجبوری کے کام کرنے کے لائق نہ ہوں۔ اسپر نوجوان سوشل ریفارمر نے غضب کی حاضر جوابی کا ثبوت دیا۔ اور کہا کہ ساری فوج تو دشمن کے مقابلہ میں نہیں بھیجی جاتی۔ یہ دس فیصدی ریزرو میں رہینگی۔ مجھے یہ اور اس قسم کی بعض باتیں سنکر خیال پیدا ہوا کہ ہمارے بعض نوجوان کہ جنسے ملک کی اُمیدیں وابستہ ہیں یہاں آکر کس قدر خیرہ چشم ہو جاتے ہیں۔ اور یہاں کے رسوم اور حالات کے مقابلہ میں اپنے ملک کے تمام انسٹی ٹیوشنوں کو ردی سمجھنے لگتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ یہاں کی خوبیوں سے بھی کافی بہرہ حاصل نہیں کر لیتے۔ حاشا وکلا میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارے ہندوستانی نوجوان یکساں ہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض بہت کچھ سیکھکر آتے ہیں۔ گو بہت سے ایسے ہی خیال لیکر وطن کو واپس آتے ہیں کہ ہندوستان کو ان سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ورنہ اب تک جتنے بیرسٹر اور دیگر صاحبان یورپ سے تعلیم پاکر ہندوستان میں آئے تھے۔ ہندوستان کی حالت کی اصلاح میں اس سے زیادہ کامیابی اور ناموری حاصل کرتے۔

حاجی محمد ڈولی صاحب

میں نے لنڈن میں پہنچکر انہیں اپنے آنے سے اطلاع دی۔ اور دوسرے ہی روز یہ مجھے ملنے ہوٹل میں تشریف لے آئے۔ حاجی صاحب کا

اصلی نام محمد دولہ یعنے دولت ہے۔ اور اصل وطن انکا کیپ کالونی (جنوبی افریقہ) ہے۔ یہ آبا و اجداد سے مسلمان ہیں۔ صرف انگلستان میں رہنے کی وجہ سے لوگ دولہ کا ڈولی پڑھنے اور بولنے لگے۔ اِن کے نانا پہلے پہل ہندوستان سے کیپ کو گئے۔ اور دادا عرب تھے۔ جو بصرہ سے گئے تھے۔ اِن کی ماں اردو بولتی تھیں۔ اور اب تک ان کی ایک ہمشیرہ بمبئی کے ایک شریف مسلمان کے گھر بہن ہیں۔ یہ اردو تھوڑی سی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ کیپ کالونی میں سب مسلمانوں کی بولی ہالینڈ ڈچ ہے جو بوئیروں کی زبان ہے۔ چونکہ اس ملک میں بوئیروں کی آبادی زیادہ تھی۔ اس لئے اجنبیوں کو وہی زبان سیکھنا پڑتی ہے۔ اِن کے بال بچے اور عزیز سب یہی بولی گھروں میں بولتے ہیں۔ گو اب یہ پانچ چھ سال سے انگلستان میں ہیں اور بال بچوں کو یہاں تعلیم دلا رہے ہیں۔ اس لئے اِن کے کنبہ میں انگریزی بھی بے تکلفی سے بولی جاتی ہے۔ حاجی صاحب کا اپنا اور بال بچوں کا رنگ بالکل گورا ہے۔ اور یہ خود سوائے ترکی ٹوپی کے سب یورپین لباس پہنتے ہیں۔ انہوں نے اپنے انگلستان کی سکونت کی وجہ یہ بتلائی کہ میں کیپ میں شپنگ کا کام کرتا تھا۔ اور پہلے پہل اپنے ایک بھانجے کو سکاٹلینڈ کے میڈیکل کالج میں داخل کرانے کیپ ٹاؤن سے آیا تھا۔ جہاں میرا کاروبار تھا۔ اس کے بعد میں اپنے بیٹے کو مسٹر کوئلیئم کے مدرسہ لورپول میں داخل کرنے کو لایا۔ اور ایک سال کی تعلیم کے بعد اُسے لنڈن لے آیا۔ ساتھ ہی اپنی ایک بیوی دو بیٹیاں اور دو بیٹے بھی لے آیا۔ اور دوسری بیوی مع بچوں کے کیپ ٹاؤن میں چھوڑ آیا۔ اصل غرض یہاں آنے کی بچوں کو تعلیم دلانا تھی۔ چنانچہ بڑا لڑکا اٹھارہ ماہ میں ڈاکٹری کا آخری امتحان پاس کریگا۔ لاطینی اور جرمنی زبانوں میں اُس نے امتحان آنرز پاس کیا تھا۔ دوسرا بھی مدرسہ میں داخل ہے۔

لڑکیوں نے مدرسہ میں موسیقی کی خاصی تعلیم حاصل کی ہے۔ اب بڑی ہوگئی ہیں۔ اس لئے مدرسہ میں نہیں جاتیں۔

لنڈن میں مسجد لنڈن میں رہنے کے دوران میں حاجی صاحب کو ضرورت محسوس ہوئی کہ لنڈن ایسے مقام میں سب مسلمانوں کے لئے ایک قبرستان اور ایک مسجد ضرور ہونی چاہئیں۔ چنانچہ چالیس پونڈ دیکر ایک عیسائی قبرستان میں تھوڑی سی جگہ قبروں کے لئے خریدی گئی۔ مسجد کا کمرہ عارضی طور پر آجتک حاجی صاحب نے اپنے مکان میں رکھا ہے اور عیدین اور دیگر تقریبوں پر جمع ہونے والے مسلمانوں کے ریفرشمنٹ وغیرہ سے ہمیشہ اپنی گرہ سے تواضع کی ہے۔ جس پر انکا بہت سا روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ مگر سوائے ہندوستان کے ایک مسلمان کے تین شلنگ کے انہیں اور کچھ نہیں ملا۔ اگر مسلمانان ہندوستان وغیرہ انہیں بجائے دس ہزار پونڈ کے جو پہلے انہوں نے طلب کئے تھے۔ اقل درجہ ایک دو ہزار پونڈ بھی چندہ جمع کر دیتے تو یہ برٹش میوزیم کے پاس نہ سہی کہ جہاں انکا پہلے قصد مسجد تعمیر کرنے کا تھا۔ بلکہ شہر کے کسی ایسے نواح میں کہ جہاں تھوڑے روپیہ میں کام چل جائے۔ مسجد تعمیر کر لیتے اور خود اس کی آبادی کیلئے بطور متولی رہتے۔ انہوں نے سترہ ہزار پونڈ چندہ جمع کر کے کیپ ٹاؤن میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔ شہر میں جس مکان میں انہوں نے عارضی مسجد رکھی ہوئی تھی۔ اب بخیال کفایت خرچ و تبدیل ہوا اُسے چھوڑ کر شیفرڈ بُش کے قریب ایک خوبصورت اور پرفضا نواح میں آرہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مسٹر کوئلیم نے مسلمانان ہندوستان سے بہت سا چندہ جمع کر کے اور نیز امیر صاحب کابل کے عطیہ سے جو مکان خریدا اور مسجد بنائی ہے تو یہ تمام جائداد اپنے ذاتی نام پر درج کرائی ہوئی ہے۔ اگر وہ آج مرجائے تو اُس کے بیٹے اُس کی جائداد پر قابض ہو جائینگے

اسی طرح ڈاکٹر لائٹنر نے لنڈن سے پچیس تیس میل کے فاصلہ پر ووکنگ میں جو بیگم صاحبہ بھوپال کے روپیہ سے مسجد تعمیر کی تھی وہ بالکل نکمی ہے۔ کیونکہ لنڈن میں رہنے والے مسلمان کبھی وہاں نہیں جاتے۔ وہ گویا اُن کے کنبے کے پرائیویٹ استعمال کا مکان ہے۔ لیکن میں لنڈن میں مسجد تعمیر کرا کر اس کا متولی بننا چاہتا ہوں نہ مالک۔ مجھے حاجی صاحب کے اس خیال سے پوری ہمدردی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انگلستان ایسی سلطنت کے پایۂ تخت میں جو دنیا کے سب سے زیادہ مسلمانوں پر حکومت کر رہی ہے۔ ایک بہت عمدہ مسجد ہونی ضروری ہے۔ پیرس میں ایک عالیشان مسجد گورنمنٹ فرانس کی امداد سے تعمیر کی گئی ہے۔ حالانکہ فرانس کی زیر حکومت اُس سے آدھی تہائی بھی مسلمان آباد نہیں جتنے کہ انگلستان کے ہیں۔ لنڈن میں صدہا نوجوان مسلمان بغرض تعلیم و تجارت وسیاحت جاتے ہیں اور اُمید ہے کہ آئندہ ان کی تعداد ہمیشہ بڑھتی رہے گی۔ اس لئے بالکل موزوں بالکل ضروری ہے کہ لنڈن میں ایک مسلمانوں کی عبادت گاہ رہے۔

حاجی صاحب کا گھر

اس کے بعد پھر دو دفعہ حاجی محمد ڈولی صاحب نے مجھے اپنے گھر کھانے اور چائے پر طلب کیا۔ اور یہاں پہلے انکا کنبہ بھی دیکھا۔ حاجی صاحب نے پہلے روز کہا کہ کیپ کالونی میں ہم لوگوں میں پردہ کا دستور نہیں ہے۔ ہماری بہو بیٹیاں بازاروں میں بھی کھلے منہ پھرتی ہیں۔ اور یہ کہکر اپنی بیٹیوں اور بی بی کو بھی جس کمرہ میں ہم لوگ تھے طلب کر لیا۔ یہ بیبیاں بالکل شائستہ اور تعلیم یافتہ ہیں۔ حاجی صاحب نے کہا میں نے اپنی دونوں بیٹیوں کو مدرسہ میں بھیجکر خوب باقاعدہ پیانو باجا بجانا سکھلایا ہے اور وہ اب تمہیں کچھ سنائینگی۔ یہ دونوں نوجوان خوبصورت لڑکیاں بالکل یورپین لباس میں ملبوس تھیں۔ بڑی کا نام عائشہ عمر اٹھارہ سال اور چھوٹی کا نام فاطمہ سولہ سال۔ باپ سے حکم پاکر دونوں نے باری باری سے اور ملکر بھی

خوب باجا بجایا۔ ترکوں کا حمیدیہ مارچ اور کئی یورپین مارچ اور گیت خوب گائے۔ اس کے بعد حاجی صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی فرمائش کی کہ وہ گا کر سنائیں۔ پھر تینوں لیڈیوں نے ڈچ زبان کا ایک گیت گا کر سنایا جس کا لہجہ بہت موثر معلوم ہوتا تھا۔ کھانا اور طریق معاشرت ان کے یہاں بالکل یورپین تھا۔ اور واقعی یہ ایک اچھے یورپین کنبے کی طرح تعلیم یافتہ اور شائستہ تھے۔ حاجی صاحب نے کہا چونکہ میں نے مسلمانوں کے واسطے مسجد وغیرہ کے لئے ایجیٹیشن اور امامت کا کام شروع کیا تھا جتنا کام میں نے کیا ہے۔ اگر میرا کنبہ نہ ہوتا تو میں اتنا کام نہ کر سکتا۔ یہ سب لوگ مجھے کام میں مدد دیتے رہے۔ لڑکیاں باجا بجاتی تھیں۔ اور لڑکے گاتے تھے۔ اور لکھنے پڑھنے کا کام بھی کرتے تھے۔ ہمارا تمام کنبہ اس قابل ہے کہ کسی یورپین کنبہ میں ملکر پھسڈی نہیں رہے گا۔ کہا معلوم نہیں ہندوستان کے مسلمان کیوں باجا بجانے کو برا کام سمجھتے ہیں۔ برا تو وہ گانا بجانا ہے جو اجرت پر کیا جائے نہ کہ اپنے دل کی خوشی اور عبادت کے لئے گانا برا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے کیپ کالونی کے مسلمان خاتونوں کے سروں پر باندھنے کا رومال دکھلایا جو ایک گز مربع کا ریشمی ہوتا ہے۔ اس کے سوائے ان کا سب لباس یورپین ہوتا ہے۔ پھر کنبہ کے فوٹوگرافوں کا البم دکھلایا۔ بوئروں کے ذکر کے متعلق حاجی صاحب نے کہا ڈچ لوگوں کی حکومت تو اچھی نہ تھی اور وہ مسلمانوں سے اچھا سلوک بھی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ابھی انہیں اس ملک کی حکومت کرتے بیس سال سے زیادہ مدت نہیں گزری تھی جس میں وہ خاصی ترقی کر رہے تھے۔ اور وہاں کے قانون بھی ابھی بہت سخت نہیں تھے۔ اس لئے ان میں کچھ رعایت ہو سکتی تھی۔ علاوہ اس کے بوئر لوگ دل کے برے نہ تھے۔ جنوبی افریقہ کی مشکلات اور کالوں گوروں کے مابین تعلقات کی نسبت کہا کہ بیشک انگریزی علاقہ

نٹال میں ہندوستانی انگریزوں والی ریل گاڑی پر سوار نہیں ہوسکتے۔ ایک وہاں کے کافر (حبشی باشندے) نے جو خوب انگریزی لکھا پڑھا ہے۔ اور ایک دیسی اخبار کا اڈیٹر بھی ہے۔ حاجی صاحب سے شکایت کی تھی کہ جب میں ایک ریلوے سٹیشن پر کھانا مانگنے لگا تو ہوٹل والوں نے کہا کہ سامنے کے دروازہ سے نہیں بلکہ تم باورچی خانہ کے دروازہ کی طرف سے آکر کھانا لو جو ایک نہایت حقارت کی علامت تھی۔ حاجی صاحب کے ایک بیٹے کو نٹال کے ایک مدرسہ میں صرف اس لئے داخل نہیں کیا گیا وہ کالا ہے۔ حالانکہ کئی بوئروں سے اُس کا رنگ گورا تھا۔ اور اُس کی فیس ایک پونڈ دوسرے روز لوٹا دی گئی۔ حاجی صاحب قسطنطنیہ بھی دیکھ آئے ہیں۔ اور ترکوں کی ترقی کی نسبت اِن کی رائے عمدہ نہیں۔ انکا خیال ہے کہ سلطان المعظم کے گرد و پیش جو مشیر رہتے ہیں وہ انہیں حقیقت حالات سے مطلع نہیں ہونے دیتے۔ کہا کہ جو عیسائی صوبے ٹرکی سے بیس سال پہلے الگ ہو گئے ہیں۔ اب اُن کے چھوٹے چھوٹے قصبوں کی صفائی قسطنطنیہ سے اچھی ہو گئی ہے۔ اور میری اپنی رائے بھی اس بارہ میں حاجی صاحب سے بہت مختلف نہیں۔ گو ترکوں کی اس کمزوری کی وجہ یہ ہے کہ وہ دوسرے اس سے زیادہ ضروری کاموں میں ایڑی سے لیکر چوٹی تک پھنسے ہوئے ہیں میری ترکی ٹوپی کی نسبت حاجی صاحب نے کہا کہ تم نے اچھا کیا ہے۔ سر کے مشرقی لباس کو قائم رکھا ہے۔ سکھ۔ چینی۔ شامی۔ مصری وغیرہ جو قومیں یہاں آتی ہیں اپنے سر کی پوشش قائم رکھتی ہیں صرف مسلمانان ہندوستان یہاں آکر جھٹ انگریز بن جانا چاہتے ہیں لیکن اپنے رنگ کی وجہ سے انگریزوں میں تو شریک نہیں ہو سکتے اور اجنبیوں کی عزت سے محروم ہو جاتے ہیں (ان سطور کے چھپنے سے پہلے مجھے یہ افسوسناک خبر معلوم ہوئی کہ حاجی محمد ڈولی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے)

اور کہ لنڈن میں ہیں اسلامک ایسوسی ایشن کے سرگرم سکرٹری مسٹر عبداللہ المامون سہروردی ایک مسجد کی تعمیر کے لئے سرمایہ بہم پہنچانے میں بہت کوشش کر رہے ہیں۔

ویجی ٹیرین کھانا لنڈن میں میں اکثر اوقات ویجی ٹیرین رسٹارنٹوں میں کھانا کھاتا رہا جو میرے مکان کے گرد و پیش بہت سے تھے۔ اور یہاں اور بھی ہزارہا لوگ کھانا کھاتے تھے۔ ان میں سوائے گوشت کے اور ہر ایک چیز ملتی ہے۔ انڈا اور دودھ بھی ملتا ہے۔ اور غلے ترکاریاں اور میوہ جات طرح طرح سے تیار کئے جاتے ہیں۔ ان رسٹارنٹوں کے نرخ بھی دوسرے رسٹارنٹوں سے نسبتاً ارزاں معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی کسی یہودی رسٹورانٹ میں میں سید الطعام بھی کھاتا تھا۔ دلچسپی ناظرین کے لئے میں لنڈن کے ہائی ہوبرن کے ویجی ٹیرین رسٹوران کے ایک روز کے کھانوں کی فہرست ذیل میں درج کر دیتا ہوں:

کھانے کا نام	قیمت	مطلب
پورج:-		
اوٹ میل انڈ ملک	۳ پنس	جئی کی سوجی
وہیٹ میل ”	۳ ”	گیہوں کی سوجی
سوپ:- ملی گاٹانی سوپ	۳ ”	بلا گوشت صرف بقولات کا شوربہ
سیوریز:- ہیریکاٹ اگ ٹیمبو	۴ ”	مونگ کی قسم کی پھلی اور انڈے
میکرونی اٹالین اینڈ سکارلٹ رنرس	۴ ”	ایک قسم کی موٹی سویاں معہ ایک قسم کی پھلیوں کے
بیکڈ چیز انڈ ٹومیٹوز	۴ ”	پنیر اور ولایتی بینگن
ویجی ٹیبل ویلٹ اینڈ پوٹیٹوز	۴ ”	بقولات اور آلو
فرائیڈ اگ اینڈ میشڈ پوٹیٹو	۶ ”	بھنے ہوئے انڈے اور آلو

کھانے کا نام	قیمت	
سیوری فرٹرز اینڈ ٹرنرس	۹ پنس	ایک قسم کی پھاپاں اور کیک کی قسم
بقولات:- ٹماٹو	۲ ,,	ٹماٹر
سکوکر موتا	۲ ,,	
رنر	۲ ,,	پھلیاں
چقندر	۲ ,,	
پیز پڈنگ	۲ ,,	پڈین
پیٹٹو میشڈ	۲ ,,	[illegible]
کیبی نٹ پڈنگ	۳ ,,	پڈین
ٹاپی اوسکا کسٹرڈ	۳ ,,	
ایپل ٹارٹلٹ	۳ ,,	مربہ
کولڈ کسٹرڈ اینڈ سٹوڈ فروٹ	۵ ,,	میوہ جات مع کسٹرڈ
کولڈ سویٹش:- جام آر فروٹ	۴ ,,	مربہ یا میوجات
فروٹ جیلی اینڈ ایپری کاٹس	۴ ,,	مربہ و میوہ
سٹوڈ ایپلس	۳ ,,	پختہ سیب
گرین کباجز	۲ ,,	ترکاری
چاٹے یا قہوہ	۲ ,,	
بالائی	۲ ,,	
پنیر	۲ ,,	
سیملے	۳ ,,	
بسکٹیں	۲ ,,	
منرل واٹر	۲ ,,	معدنی پانی

کچھ اور ملاقاتیں

مسٹر ہیسن نے مجھے پیرس سے اپنے بھائی اور بہنوئی کی طرف انٹروڈکشن کے خط لکھ دیئے تھے۔ اس لئے جب میں لنڈن میں پہنچا تو میں نے بذریعہ ڈاک یہ خطوط اُن صاحبان کے پاس بھیجدیئے کہ جن کے نام کے تھے۔ ان میں سے بعض صاحبان مجھے ملنے کو خود آگئے۔ اور بعض نے مجھے اپنے مکانوں پر طلب کیا۔ جو عموماً میرے ہوٹل سے پانچ سے پندرہ میل تک بعید تھے۔ میں ان میں سے دو تین ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک روز میں لڈگیٹ سرکس کے سٹیشن سے ٹلسی ہل کو گیا جو چھ سات میل سے کم فاصلہ نہ ہوگا۔ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا۔ پانچ پینی کرایہ تھا۔ تھرڈ کلاس میں بھی گدیلے تھے۔ مگر زیادہ اچھے لوگ فرسٹ اور سیکنڈ کلاس میں تھے تھرڈ کلاس میں زیادہ غریب لوگ تھے۔ فرق آرام کا نہیں بلکہ نام کا معلوم ہوتا ہے یہ مقام لنڈن کا سَبَرب (نواح) کہلاتا ہے۔ تمام راستہ آبادی چلی گئی۔ یہ مسٹر ہیسن کیمسٹ کی دوکان کرتے ہیں۔ انہوں نے میری بہت تواضع کی۔ اور مجھے از خود دو تین خطوط سفارشی لنڈن کے بعض مشہور اشتہار دینے والوں کے نام لکھدیئے۔ اور کہا کہ اگر ان میں سے کسی پر کامیابی نہ ہو تو مایوس نہ ہونا چونکہ آجکل لنڈن میں عام تعطیل کا زمانہ ہے۔ اور اکثر تفریح کیلئے لوگ لنڈن سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی لوگ ملینگے کبھی نہیں۔ میں نے کہا اگر کامیابی ہوگئی تو میں اسے غنیمت سمجھونگا ورنہ میں سیر و تفریح کے لئے ہر روز اور ہر وقت پھرتا رہتا ہوں۔ اتنے میں نوکرانی نے میز پر سفید چادر بچھادی اور سہ پہر کا کھانا لایا گیا۔ میاں بیوی معہ اپنے ایک بچے اور دوکان کے ایک اسسٹنٹ کے کھانے پر بیٹھ گئے۔ نوکروں کو عموماً یہ لوگ ساتھ کھانا نہیں کھلاتے ہیں۔ نوکرانیاں پیچھے الگ کھاتی ہیں۔ کھانے کے وقت وہ کھانے کی چیز میز پر لاکر رکھدیتی ہیں۔ اور پھر چلی جاتی ہیں۔ نوکرانیوں کی علامت یہ ہے کہ سر پر ذراسی سفید ٹوپی ہوتی ہے جو سفید دھجیوں سے بنی ہوتی ہے

اور سامنے سفید ایپرن لٹکتا رہتا ہے۔ مسٹر بین نے کہا ہمارا دادا بھی کیمسٹ تھا۔ باپ بھی کیمسٹ اور ہم دونوں بھائی بھی سند یافتہ کیمسٹ ہیں۔ ایک بہنوئی کیمسٹ ہے۔ میرا ایک سالا بھی کیمسٹ ہے۔ کیسی عجیب بات ہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بعض پیشوں میں کیسے مطمئن ہیں۔

مینے اپنے ہوٹل کے قریب ایک مطبع میں کچھ اپنے کارڈ چھپنے کو دیئے تھے۔ اینڈ روز صاحب سابق پرنسپل میو سکول آف آرٹ لاہور کی وہاں آمدرفت تھی انہوں نے میرا حال معلوم کرکے مجھے ملاقات کے لئے چٹھی لکھی۔ اور ایک روز وہ آئے۔ دیر تک ان سے ہر قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہندوستان کی آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے انہوں نے لاہور کی نوکری چھوڑ دی تھی۔ اب لنڈن میں متفرق کام ڈرائنگ وغیرہ کا کرتے ہیں۔ اسی روز بازار میں گذرتے ہوئے مجھے ایک کالے رنگ کے صاحب کوٹ پتلون اور سٹرا ہیٹ پہنے ہوئے سامنے سے ملے اور مینے انہیں جھٹ پہچان لیا یہ تو ہمارے ملتان کے دوست میر صفدر حسین صاحب تھے جو اپنے آقا کے ایک بھاری مقدمہ کی اپیل پریوی کونسل میں دائر کرنے کو آئے ہوئے تھے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ یہ کامیابی سے واپس گئے۔ میں نے ان سے پوچھا یہ گھاس کی ٹوپی آپ نے باین ریش وفش کیوں پہنی۔ کہنے لگے جبتک مینے یہ ٹوپی نہیں پہنی تھی گلیوں میں لڑکے مجھے "بلیکی بلیکی" کہتے تھے۔ لاہور کے ہردلعزیز بیرسٹر لالہ گنپت رائے صاحب کے بھائی ڈاکٹر دھنپت رائے صاحب نے مہربانی کرکے مجھے دو تین دفعہ لنڈن کے مختلف قابل دید مقامات دکھلائے۔ جن کے لئے میں انکا مشکور رہوں ڈاکٹر صاحب اب تعلیم ختم کرکے بالفعل وہیں پریکٹس کرتے ہیں (ان اوراق کے چھپنے کے وقت لاہور میں پریکٹس کررہے ہیں) ہندوستان کے چند طالب علموں کے سوائے جو مجھے وقتاً فوقتاً ملتے رہے لاہور کے دو رؤسا سے بھی یہاں ملاقات ہوئی۔ رائے بہادر

لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر اور دیوان نریندر ناتھ صاحب ڈپٹی کمشنر بھی انہیں دنوں لنڈن میں وارد تھے رائے بہادر مدن گوپال صاحب تے جب میرے آنے کی کیفیت سُنی تو خود میرے ہوٹل پر مجھے ملنے گئے۔ لیکن میں اس وقت موجود نہ تھا۔ اور جب میں ڈاکٹر وصنپت رائے صاحب کے ساتھ ان کے ہوٹل پر ان سے جا کر ملا تو بڑے تپاک سے ملے۔ واپسی پر مجھے الاچیاں دیں اور مکان کے نیچے تک چھوڑنے آئے۔ لیکن دیوان نریندر ناتھ صاحب مجھے راستہ میں ایک روز لڈگیٹ سرکس کے سامنے مل گئے میں نے دیکھا ایک شخص سر پر پگڑی باندھے انڈیا آفس کا راستہ پوچھ رہا ہے۔ میری ان سے پہلے ملاقات نہ تھی۔ مگر میں نے انہیں پہچان لیا اور اپنا نام بتلایا۔ انہوں نے کہا میں نے تمہارے آنے کی خبر سُنی تھی۔ اور پھر انڈیا آفس کو چلے گئے ۔

. . . .

مسٹر رفیع الدین احمد بیرسٹر ایٹ لا بھی ایک دو دفعہ میرے ہوٹل میں ملنے آئے۔ اور پھر مجھے سیر کو بھی ساتھ لے گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنی زندگی کا مقصد یہ قرار دیا ہے کہ لنڈن میں رہکر مسلمانان ہندوستان کے حقوق کی حفاظت کروں۔ اور پارلیمنٹ میں داخل ہو جاؤں۔ پچھلے انتخاب کے موقع پر بوجہ آئر لینڈ کے قضیہ کے کسی مسلمان ممبر کے کامیاب ہونے کی اُمید نہیں کی جا سکتی تھی۔ یہ بھی کہا کہ بعض مسلمان امرا جو یہاں آئے ہیں۔ میں نے انہیں صلاح دی ہے کہ لنڈن میں ایک مسلمانوں کا ہفتہ وار اخبار نکلنے کے لئے سرمایہ لگائیں مگر اب تک کسی نے توجہ نہیں کی۔ پھر کہا کہ لنڈن کے تمام بڑے بڑے اخبارات لنڈن ٹائمز پال مال گزٹ اور سینٹ جیمز گزٹ کے ایڈیٹروں کو جب ضرورت ہوتی ہے کہ کسی اسلامی معاملہ پر مضمون لکھیں تو وہ مجھ سے لکھوا لیتے ہیں۔ (اس کے بعد مولوی صاحب ہندوستان میں آ گئے ہیں۔ اور بمبئی میں پریکٹس کرتے ہیں۔ اور قومی معاملات میں گہری دلچسپی لیتے ہیں)

اپاتھے کیریز ہال

لنڈن میں اپاتھیکیریز ہال جو اخبار لنڈن ٹائمز کے دفتر سے قریب ہی ہے ایک نہایت معتبر اور معزز سوسائٹی اپاتھے کریوں یعنے دواسازوں کی ہے جو ۱۶۱۷ء سے قائم ہے۔ اس کے بعد بعض پارلیمنٹ کے ایکٹوں کے ذریعہ سے اس سوسائٹی کو اس قدر اعتبار اور اختیار حاصل ہوئے کہ اب انگلینڈ رورویلز میں جو لوگ اپاتھے کیری بننا چاہتے ہیں۔ وہ صرف اس سوسائٹی کے امتحان دیکر یونیورسٹی کی سند حاصل کرسکتے ہیں۔ مسٹر چٹاوے اس معزز سوسائٹی کے سکرٹری اور سب سے بڑے افسر اس کارخانہ کے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک شام کو اپنے مکان پر کھانے پر بلایا۔ پہلے انہوں نے مجھے اپاتھیکریز ہال کے تین سو سال کے بنے ہوئے تمام مکانات اور وہ کمرے دکھلائے جنمیں یونیورسٹی کے امتحان ہوتے ہیں۔ اور ڈگریاں ملتی ہیں۔ پھر رائی پیسنے کی بڑی بڑی چکیاں دکھلائیں جو انجن سے چلتی ہیں۔ انگلستان میں دواسازی کا یہ سب سے بڑا کارخانہ ہے۔ جب میں نے ان چکیوں کو دیکھا تو ان میں کری پوڈر پیس رہا تھا جو معلوم ہوا کہ ہندوستان کو بھیجا جاتا ہے۔ اور اسی سے وہ کڑھی بنائی جاتی ہے۔ جسے انگریز لوگ ہندوستان کا کھانا سمجھکر کھاتے ہیں۔ پھر برقی روشنی کے باٹریاں اور اُنسے مختلف کمروں کو روشن کرکے دکھلایا۔ مسٹر چٹاوے باوجودیکہ کیمسٹ اور دواؤں کے انیلائزر (حل و عقد) کرنے والے ہیں تاہم انہیں الکٹریسٹی (علم برق) کے سیکھنے کا شوق ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گھر میں برقی روشنی کا انتظام خود کر رکھا ہوا ہے۔ انکا گھر میرے ہوٹل سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ اور وہاں تک لنڈن کی برقی روشنی کا سلسلہ نہیں جاتا۔ اس لیے انہوں نے ایک چھوٹا سا گیس انجن (اڑھائی ہارس پاور کا) اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اُس کے ذریعہ سے برقی ڈائینمو کو چارج کرلیتے ہیں اور ان کی بیوی بھی انجن اور ڈائینمو کو سمجھتی ہیں۔ اس لئے اتنا کام وہ بھی کرسکتی ہے۔ جب یہ ایک روز مجھے اپنے چھوٹے سے ورکشاپ میں لیجاکر

انجن چلاکر دکھلا رہے تھے تو میں نے کہا کہ میں اصول برق سے واقف نہیں ہوں۔
اس پر میرے میزبان نے کہا کہ میں خود اس سے ایسا ہی ناواقف تھا لیکن میں نے
کتابوں کے ذریعہ سے اور ورکشاپ میں انگلیاں جلاکر ضرورت کے لائق یہ
علم سیکھ لیا ہے۔ تم بھی ایسا ہی کرو اور چلتے ہوئے مجھے دو کتابیں اس علم پر دیں۔
یہ مجھے کچھ برقی کارخانوں میں لیجاکر بہت سے برقی سامان دکھلانا چاہتے تھے۔
اور ایک برقی کارخانہ میں چند روز کام سمجھنے کے لئے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ مگر
بدنصیبی سے میں زیادہ دیر لنڈن میں نہ ٹھیر سکا۔ اور اِن کے ساتھ دریا پر
شکار کے لئے جانے کے جو قرار داد تھے وہ بھی فسخ کرنا پڑی۔ جب شام کو میں
اِن کے مکان پر گیا میں نے واٹرلو سٹیشن سے ٹوکنہام تک دوم درجہ کا واپسی
ٹکٹ دو شلنگ کو لیا۔ واٹرلو سٹیشن بہت بڑا ہے۔ چند منٹ میں گاڑی
لبالب ہوگئی۔ یہاں گاڑیوں کے چلنے کا زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑتا۔ جب
میں ٹوکنہام سٹیشن پر پہنچا راستہ میں ایک انگریز مسافر سے بات چیت
ہوتی رہی تھی۔ اُس نے مجھے کہا کہ یہاں میں نے ایک دوسری ٹرین کا پانچ
منٹ انتظار کرنا ہے۔ چونکہ تم راستہ نہیں جانتے میں تمہیں اس سڑک پر ڈال
آتا ہوں۔ وہ بیچارہ بھاگ کر مجھے اس مکان کے قریب چھوڑ گیا کہ جس پر مجھے
جانا تھا۔ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے مہربانی اور مسافرنوازی کے بہت سی
مثالیں میں نے یہاں نوٹس کی ہیں۔ گو انگریز بڑی خاموش رہنے والی قوم ہے
تاہم اجنبیوں سے یہ بہت انسانیت سے پیش آتے ہیں۔ جب میں اس گھر
میں پہنچا تو صاحب خانہ بیگم نے جو پھولوں کے گلدستہ بنا رہی تھیں۔ مجھے
بہت تواضع سے بٹھایا۔ میاں کے آنے سے پہلے گلدستوں کو جا بجا سجا دیا۔
اور مجھ سے پوچھنے لگیں کہ تمہارے ملک میں تو پھول بہت ہوتے ہونگے۔ میں نے
دل میں خیال کیا کہ پھول تو بہت ہوتے ہیں۔ لیکن ہم کب انہیں اس شوق
سے رکھتے اور اُن سے کام لیتے ہیں۔ ایک روز اس سے پہلے بھی ایک لیڈی نے

مجھے کہا تھا کہ ہم لوگ ایک ایک پھول کو احتیاط سے پالتے اور اپنی میزوں پر سجاتے ہیں۔ غرض ہم کھانے پر بیٹھے۔ میں نے ابلی ہوئی مچھلی اور ابلا ہوا گوشت اور بقولات تو کھائیں۔ لیکن جب تلے ہوئے آلو آئے تو میں نے اپنا شبہ بیان کیا انہوں نے کہا ہم لوگ گرم موسم میں بالکل سور کے گوشت یا چربی کا استعمال نہیں کرتے۔ کھانے کے دوران میں مسز چیٹاوے زیادہ تر ہندوستان کی عورتوں کے پردہ اور ستی اور طلاق کے متعلق نہایت تعجب سے سوالات پوچھتی رہیں۔ مسٹر چیٹاوے نے مجھے کہا تم بہت صاف اور صحیح انگریزی بولتے ہو۔ اسی طرح تین چار مرتبہ پیشتر بھی مجھے انگلستان کے کینوں میں لوگوں نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ہندوستان میں باضابطہ یہ زبان سکھلائی جاتی ہے۔ اور صرف اپنی زبان کو کسی اجنبی سے ذرا روانی سنکر متعجب ہو جاتے ہیں۔

انگریزوں کی خود پرستی

مسٹر چیٹاوے آزاد خیال آدمی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اکثر انگریز وسیع خیالات اور روشن طبائع رکھتے ہیں۔ مگر ان میں اپنی قوم کی عزت اور دوسری تمام قوموں کو اپنے برابر نہ سمجھنے کا خیال ایسا گہرے طور پر متمکن ہو چکا ہے کہ وہ نکلتا ہی نہیں۔ سلسلہ گفتگو کے مابین کہ انگریزوں کو لائق ہندوستانیوں کی عزت کرنی چاہئے۔ میرے میزبان نے کہا کہ پہلے میں بھی اسی بات کا قائل تھا کہ انگریزوں ہی کی عزت کرنی چاہئے۔ اجنبیوں کی عزت کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر تھوڑا عرصہ گزرا ہے ہماری ایک کمیٹی میں کہ جس کا نام "اناسسٹس" ہے اور جو کہ لنڈن کا ایک معزز مجمع ہے۔ پریسیڈنٹ کے انتخاب کا معاملہ پیش ہوا۔ جو شخص عہدہ پریسیڈنٹ کے لئے منتخب کیا جانے کے لائق تھا۔ وہ انگریز نہیں تھا بلکہ یوروپ کے کسی دوسرے ملک کا رہنے والا تھا۔ مگر انگلستان کا نیچرلائیزڈ رعایا بن چکا تھا۔ تاہم اجنبی ہونے کی وجہ سے اُسے بعض انگریز پسند نہ کرتے تھے۔ اسپر اس نے کھڑے ہو کر

ایک تقریر میں یہ فقرہ بیان کیا "صاحبان تم اتفاقاً انگریز پیدا ہوئے اور ہمیں نے انگریز بنا پسند کیا ہے"۔ چنانچہ مسٹر چٹاپادھیائے نے کہا کہ مجھ پر اس فقرہ کا بڑا اثر ہوا اور میں نے اس وقت سے مان لیا کہ لیاقت کہیں بھی ہو اُس کی عزت کرنی چاہیئے افسوس ہے کہ میں بوجہ لنڈن سے جلدی چلے آنے اور وہاں ایسے زمانہ میں پہنچنے کے کہ جبکہ بہت لوگ بوجہ تعطیل شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ایسے بہت سے لوگوں سے نہ مل سکا کہ جن کے نام کے میرے پاس خطوط تھے۔ یا جنسے کہ مجھے وہاں کے ملاقاتی ملاقات کرانا چاہتے تھے۔

انگلستان کی بہادر مائیں

لاہور گورنمنٹ کالج کے پروفیسر آرنولڈ صاحب جیسے خود فرشتہ سیرت ہیں ویسے ہی ان کے ماں باپ بھی خوش اخلاق اور نیک ہیں۔ میں ایک روز چیرنگ کراس سٹیشن سے سوار ہو کر ان کے مکان لوئی شام جنکشن کو ملاقات کے لئے گیا۔ یہ چھ میل کا سفر تھا۔ مگر چھ میل نہیں پندرہ میل تک لنڈن کے ہر طرف آبادی ہی آبادی ہے کہیں سلسلہ مکانات کا ختم ہونے میں نہیں آتا۔ بہرحال میں اُن کے گھر پر پہنچا۔ پروفیسر صاحب کی والدہ صاحبہ مجھے دیکھکر بہت خوش ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ تم میرے ٹام کے دوست ہو۔ اس لئے میں بہت خوش ہوئی ہوں۔ مجھے کہا تم اُسے پروفیسر آرنولڈ نہ کہو بلکہ ٹام کہو۔ مجھے پچھلے دنوں اس کی سخت بیماری کی خبر آئی تھی۔ جس سے مجھے اُس کی جان کا اندیشہ ہو گیا۔ اور میں اسی فکر سے بیمار ہو گئی۔ اور تبدیل آب ہوا کے لئے شہر سے باہر چلی گئی۔ ہر چند کہ میرے اور بھی لڑکے لڑکیاں ہیں کہ جنپر میں ناز کرتی ہوں۔ لیکن ٹام سے مجھے بہت محبت ہے پھر مجھے پروفیسر صاحب کی دو تصنیف کردہ کتابیں نکال کر دکھلائیں کہا کہ میرے اُس بیٹے کے سوائے جو لاہور میں ہے میری ایک لڑکی انگلستان میں ہی اس زنانہ کی انسپکٹرس ہے۔ دوسری دو لڑکیاں جزائر ٹرینی ڈاڈ میں سرشتہ تعلیم میں ملازم ہیں۔ ایک لڑکی پاس ہے جس کی گذشتہ جون میں شادی کی

ہے۔ اور داماد مسٹر رچرڈس بھی اسی گھر میں رہتا ہے۔ اور ایک لڑکا فوج میں افسر ہے جو جبرالٹر میں مقیم ہے۔ یہ سُنکر پھر ایک مرتبہ انگلستان کی جوانمرد عورتوں اور بہادر ماؤں کو آفرین کہنے کو میرا دل چاہا۔ اُن کے لڑکے اور لڑکیاں اپنے وطن سے نکل کر دنیا کے مشارق و مغارب میں پھیل جاتے ہیں جبھی تو انگلستان کی حکومت دنیا کے ہر حصہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ ایک ہمارے ہندوستان کی مائیں ہیں کہ کبھی گوارا نہیں کرتیں کہ اُن کے بیٹے بیٹیاں آنکھ اوجھل ہوں۔ اس کے بعد اس محترم سالخوردہ لیڈی نے مجھے ایک الماری سے کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں کھلونے اور چینی کے برتن دکھلائے جو یا تو اُس کے بیٹے بیٹیوں نے بھیجے تھے یا بچپن کے زمانہ سے اُس نے انہیں رکھا ہوا تھا۔ اور ہر چیز کے ساتھ ایک شان نزول تھا۔ یوروپ کے سب ملکوں میں یہ دستور عام پایا جاتا ہے۔ ہندوستانی عورتوں کو سوائے زیورات یا اثاث البیت کے اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ آرائش کی چیزوں یا چھوٹے موٹے تحفوں کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے کا ابھی اس ملک میں خیال پیدا نہیں ہوا۔

گرینچ رصدگاہ اور بحری عجائب خانہ

کھانا کھانے کے بعد مسٹر اور مسز آرنولڈ مجھے گرینچ کا مشہور پارک اور ہسپتال دکھلانے کو ساتھ لے گئے۔ گرینچ ہسپتال پہلے شاہی محل تھا۔ مگر پھر بحری سپاہیوں کا ہسپتال اور اب بحری تعلیم کا کالج ہے۔ اس میں ایک ہال انگلستان کے امیر البحروں کی قدآدم تصاویر کا ہے۔ اور کئی بحری معرکوں کے مرقعے بھی ہیں۔ چند افسروں کے روپہلی اور سنگ مرمر کے بُت بھی ہیں۔ امیر البحر لارڈ نلسن کا وہ لباس بھی جو اُس نے ایک گولی لگنے کے وقت پہنا ہوا تھا یہاں رکھا ہوا ہے۔ یہ ایک سیاہ کوٹ ایک واسکٹ۔ ایک برجیز اور جورابوں کا جوڑہ ہے۔ آجکل کے کپڑوں کے مقابلہ میں یہ کیسے بھدے اور معمولی کپڑے ہیں۔ اِن سے اندازہ ہوسکتا ہے

مگر اس زمانہ سے آجتک کپڑے بُننے میں دُنیا نے کتنی ترقی کی ہے - امیرالبحر کے سر کے کچھ بال (چینیوں کی طرح انگریز بھی اس زمانہ میں بالوں کی چوٹیاں بناتے تھے) اس کی تحریر کے چند نمونے - اس کے کھانے پینے کے دو ایک برتن - اُس کی شمشیر معہ طلائی نیام - اور ایک ہاتھی دانت کے کام والی توڑہ دار بندوق اور بارود دان کے جو سلطان ٹرکی نے جنگ نیل کی یادگار میں اُسے دی تھی - سب محفوظ رکھے ہوئے ہیں نلس اور اس کے جہاز "وکٹری" (فتح) کی چند تصویریں بھی یہاں تھیں جنہیں لوگ نہایت عقیدت سے دیکھتے تھے - اس مکان کے سقف پر ایک نہایت عمدہ تصویر بطور "ایلگری" کے ایک اُستاد نے بنائی ہے جو مدت تک پشت کے بل لیٹ کر اس تصویر کو بناتا رہا - مشہور ہے کہ ایک دفعہ یہ اُستاد مصور اس تصویر کے بنانے اور اپنی دستکاری کو دیکھکر پسند کرنے میں اسقدر محو تھا کہ اُس کا ایک قدم پیچھے پڑنے والا تھا - اور اس قدم کے پیچھے پڑتے ہی وہ اس نشست سے جو اس کام کے لئے بنائی ہوئی تھی گر کر مرجاتا فی الفور اُس کے ایک شاگرد نے یہ خطرہ کی حالت دیکھکر تصویر کے منہ پر رنگ کا بُرش پھیر دیا - اور اُستاد بجائے پیچھے قدم رکھنے کے اپنی تصویر بچانے کو آگے کو بڑھا اور اُس کی جان بچ گئی - اس کے سامنے دوسرے مکان میں ایک بحری عجائب خانہ ہے - اس میں بہت سے لکڑی کے جہازوں کے چھوٹے چھوٹے نمونے اور جہاز سازی کے سمجھانے کے لئے جہاز کے پرزوں کے نمونے رکھے ہوئے تھے - جنگ ٹریفالگر کی حالت - فرانس اور انگلستان کے جہازوں کے بیسیوں نمونے بنا کر انہیں اُسی پوزیشن میں رکھا گیا تھا کہ جس میں معرکہ جنگ کے وقت وہ تھے - غرض جہازرانی کے آلات اور تمام سامان متعلقہ یہاں دکھلایا جاتا ہے - یہاں دریائے ٹیمز شہر کے اندر کی نسبت بہت چوڑا تھا - لنڈن کے دائمی دھوئیں کی وجہ سے یہ شاہی محلات ایسے سیاہ ہو رہے تھے کہ سُنا ہے ایک دفعہ انہیں دھونے کی بھی کوشش کی گئی - مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی

یہاں سے ہم رصدگاہ گرینچ کو دیکھنے گئے جو گرینچ پارک میں ایک دوسرے شاہی محل کے پس پشت ہے کہ جس میں ملکہ الیزبیتھ رہتی تھی۔ گرینچ پارک بڑا وسیع اور بہت خوبصورت ہے۔ ہزاروں عورتیں بچے اور مرد یہاں گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور بعض کھانے پینے پھرنے کھیلنے اور تفریح میں مصروف تھے۔ اس قسم کی تفریح کا ہمارے ملک میں کوئی رواج نہیں۔ جس زمانہ میں کشمیری شالوں کی یوروپ میں قدر تھی۔ اس وقت امرتسر کے شالباف کشمیری کبھی کبھی اس قسم کی سیر و تفریح کے لئے کام سے تعطیل کر کے امرتسر کے باغات میں جاتے تھے۔ اور وہاں کھانے پکا کر دن بھر رہتے تھے۔ لاہور میں بھی بعض بعض حرفوں کے لوگ اکٹھے ہو کر سال میں ایک آدھ دفعہ شالامار باغ یا شاہدرہ کے باغ میں سیر کو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے بہت کچھ بہتر طور پر انگلستان کے اکثر لوگ ہر اتوار کو بلکہ کئی لوگ ہفتہ کے ساتوں دن سیر و تفریح کے لئے فرصت نکال لیتے ہیں۔ کیونکہ آج ہفتہ کے روز سہ پہر کو ہم نے ہزارہا تماشائی گرینچ پارک میں دیکھے تھے۔ افسوس ہے کہ رصدگاہ کو ہم لوگ اندر سے نہ دیکھ سکے۔ کیونکہ اس کام کے لئے پہلے سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ اور عورتوں کو قطعاً رصدگاہ کے اندر جانے کی ممانعت ہے۔ شائد اس لئے کہ اُن کے لباس میں معدنیات کی اجزا زیادہ ہوتے ہیں کہ جن سے رصدگاہ کے مقناطیس وغیرہ موثر ہوتے ہیں۔ رصدگاہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہے۔ اس کے باہر وقت کے نہایت چھوٹے حصے بتلانے والا ایک کلاک لگا ہوا ہے۔ پارک کی سڑک کے دونوں طرف خوبصورت چیس نٹ کے سایہ دار درخت ہیں۔ اور بیشمار کرسیاں اور بنچیں لوگوں کے آرام کے لئے پڑی ہیں۔ سامنے بلیک ہیتھ کا خوبصورت قصبہ ہے۔ غرض شام کو پھر پھرا کر ہم مکان پر پہنچے۔ یہاں شام کے کھانے کا انتظار ہو رہا تھا۔ یوروپ میں دوپہر کا کھانا ہی زیادہ کھاتے ہیں۔ شام کا بہت کم ہوتا ہے۔ کھانے پر ایک اور مہمان بھی تھا۔ اُسے یہ معلوم ہو کر بڑا تعجب ہوا کہ ہندوستان مفلس

ملک ہے اور وہاں اکثر قحط رہتا ہے۔ اُن کا اس وقت تک یہ خیال تھا کہ اہل ہند کے پاس بہت سے چاندی سونے کے ہورڈس (Hoards) انبار ہوتے ہیں۔

انگلستان میں مزدور کیا کماتا ہے

میں نے کہا ہندوستان میں ایک مزدور تین چار آنہ یومیہ کماتا ہے۔ اور قحط کے کاموں پر صرف آنہ ڈیڑھ آنہ یومیہ مسٹر رچرڈسن نے کہا تو وہ اس حالت پر شاکی نہیں ہے میں نے کہا بلکہ بجید مطمئن ہیں۔ اُس نے کہا انگلستان میں ایک مزدور کی شرح اجرت فی گھنٹہ ایک شلنگ دو پنس مقرر ہے۔ یا ہفتہ وار ایک مزدور تیس شلنگ یا دو پونڈ کماتا ہے۔ لیکن اسپر وہ خوش نہیں۔ وہ کہتا ہے میرے بچوں کی خوراک ٹیکس دینے والے (یعنے جو لوگ اُس سے آسودہ ہیں) دیں۔ میرے کپڑے بھی ٹیکس پیچارہ دیں۔ اس قدر روپیہ جو مزدور کماتے ہیں زیادہ تر شراب خوری میں صرف کر دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ شہر لنڈن میں پور وکونسلیں ۲ پنس فی پونڈ کا ایک ٹیکس لیکر غریبوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ غرض اس سے یہ ہے کہ امیر جو زیادہ خرچ کر سکتے ہیں شہر کے گلی کوچوں کی درستی کا بوجھ انہیں پر پڑ رہا ہے۔

کنبہ کے تعلقات کی صفائی

جس طرح ہندوستان میں ایک کنبہ میں بیٹے پوتے سب ملکر رہتے ہیں۔ ایسے مشترک کنبہ کے خیال سے اہل انگلستان کانپ اُٹھتے ہیں۔ اُن کے خیال میں اس طریقہ میں نقص یہ ہے کہ کئی نوجوانوں کو بڑوں کے بھروسہ پر بیکار پڑے رہنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور یہ خیال اُنکا بالکل غلط نہیں ہے۔ انگلستان میں غریب مزدوری پیشہ لوگوں کے بچے تو سات آٹھ سال کی عمر میں کسی نہ کسی طرح کمانے لگتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات والدین بارہ چودہ سال کے بچوں کو کہہ دیتے ہیں کہ جاؤ کماؤ اور کھاؤ۔ اس لئے کئی لوگ شادی سے پہلے ہی علیحدہ کماتے کھاتے ہیں۔

اور اگر والدین کے گھروں میں کھانا کھاتے اور سوتے ہیں تو انہیں کھانے اور سونے کے دام دیتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک زمانہ میں مسٹر گلیڈسٹون مشہور وزیر اعظم انگلستان کا داماد اور ان کی لڑکی انہیں کے گھر میں رہتے تھے۔ اور انہیں مکان کا کرایہ اور کھانے کے دام برابر دیتے تھے۔ یہ بات ذرا بھی خلاف قیاس نہیں۔ خواہ صحیح ہو۔ یوروپ میں رشتہ کا تعلق ہندوستان کی طرح زیادہ تر سنٹی منٹ (خیال اور وہم) پر مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں ہر بات کو عملی صورت دی جاتی ہے۔ یہ میرے سامنے کا ذکر ہے کہ ایک روز ایک میاں بیوی کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ بیوی کا باپ بھی مہمان تھا۔ ابھی ان کی شادی کو چھ مہینے ہی گذرے تھے۔ اس لڑکی نے میز پر سب مہمانوں کے پیالیوں میں چائے ڈال دی۔ اور اپنے شوہر کی پیالی میں غلطی سے چائے نہ ڈالی باپ نے بیٹی کو کہا کہ آج سے چھ مہینے پہلے تم کبھی ایسا نہ کرتیں۔ مطلب یہ تھا کہ شادی سے پہلے تمہیں اپنے شوہر کا بہت زیادہ خیال تھا۔ بیٹی تو ہنس دی۔ لیکن داماد نے کہا کہ مجھے اپنی پیاری بی بی پر کوئی بدظنی نہیں۔ اور یہ ایک عام بات اہل یوروپ کے خیال کے مطابق ہے۔ لیکن ہندوستان میں ایک نہایت عجیب اور اخلاق سے گری ہوئی بات سمجھی جاتی ہے۔ میرے ایک دوست نے اتفاق سے تیسری شادی کی۔ ماشاء اللہ دولہا میاں کی عمر پنتالیس سال سے کم نہ تھی۔ لیکن ان کے خسر مارے حیا اور تہذیب کے اپنے داماد کے سامنے کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور داماد صاحب خسر صاحب کے سامنے کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور اس طرح سوائے ہاں یا نہ کے اور باتوں کا سلسلہ بھی بہت کوتاہ تھا۔

لیڈیوں کا اسلامی نمونہ ایک روز میں مسز بیک صاحبہ کے ملنے کو گیا جو علیگڈھ کالج کے مرحوم پرنسپل مسٹر تھیوڈور بیک کی والدہ ماجدہ ہیں۔ انکا مکان البئن سٹریٹ میں بہت عمدہ ہے۔ اس وقت یہ اپنے باغیچہ میں بیٹھی پڑھ

رہی تھیں۔ جب میں گیا تو ان کی دو بیٹیاں بھی پاس آ بیٹھیں۔ اُن میں سے
بڑی بیٹی حال ہی میں نمائش پیرس دیکھکر واپس آئی تھیں۔ اور خود نمائش
کے بہت سے فوٹوگراف اُتار کر لائی تھیں۔ اور اِن تینوں بیلمات کو ہندوستان
اور خصوصاً مسلمانوں کی باتوں سے بڑی دلچسپی ہے بڑی بیٹی علیگڈھ میں دو سال
تک رہ آئی ہیں۔ علیگڈھ کے بہت لوگوں کو جانتی ہیں۔ اور اب تک کالج
میگزین کو شوق سے پڑھتی ہیں۔ مسٹر بیک صاحب نے کہا میرے بیٹے نے
اپنے آپ کو مسلمانوں کے واسطے وقف کر دیا تھا۔ اور بھی کئی باتیں مسٹر بیک
اور مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق ہوتی رہیں۔ بیک صاحب کی والدہ کے
چہرہ سے نہایت ذہانت اور اطمینان نمایاں تھا۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی ہندوستانی
عورت اپنے متوفی بیٹے کا ذکر کرکے زار و قطار نہ روتی۔ لیکن میں نے ایک دوست
سے سنا ہے کہ جب مسٹر بیک کو اپنے لائق اور جوان بیٹے کے مرنے کی
خبر پہنچی تو اُس نے اتنی ہی بات مُنہ سے نکالی کہ افسوس میرا بیٹا مر گیا!
اور اس کے بعد رضا بقضا ہوکر ذرا غم ظاہر نہ کیا۔ میں ایک روز پھر بھی چائے
پینے کو یہاں آیا تھا۔ مسٹر بیک کے حالات کو دیکھکر اور باتوں کو سُنکر میں
اُنہیں شائستہ لیڈیوں کا آئیڈیل (نمونہ) سمجھتا ہوں۔ آج یہیں مسٹر
احسان الحق خلف صوبہ دار میجر پنشنر خان بہادر غلام حسین صاحب رئیس
جالندھر بھی آگئے جو بیرسٹری کے لئے تعلیم پاتے ہیں۔ یہ یہاں والنٹیروں
میں رائل آرٹلری میں بھرتی ہو گئے ہیں (غالباً اس سے پہلے کبھی کوئی
ہندوستانی انگلستان میں والنٹیر نہیں ہوا) اور دو ہفتے کیمپ میں رہکر ابھی
آئے تھے۔ یہ کیمپ میں توپوں کے نیچے سونے کے قصے سناتے رہے۔ آج
اتوار کا دن تھا۔ جب ہم دونوں یہاں سے رخصت ہوکر بازار میں پہنچے تو
میں نے دیکھا میرے پاس گاڑی کے لئے بھی پیسے نہیں تھے۔ اور میرا خیال
تھا کہ بوجہ اتوار کے آج پونڈ کا بدل کہیں نہیں ملیگا۔ مسٹر احسان نے کہا

کہ تمباکو کی دوکانیں کھلی رہتی ہیں۔ چنانچہ ہم ایک تمباکو کی دوکان میں گھسے اور دوکاندار عورت سے دریافت کیا کہ وہ ایک پونڈ کا بدل دے سکیگی۔ اُس نے بڑی خوشی سے بدل دینا منظور کیا۔ مسٹر احسان نے کہا یہاں کے لوگ بہت اچھے ہیں۔ ہندوستان میں جاکر انگریز بالکل دوسری چیز بن جاتے ہیں یہاں مجھے کرکٹ میں کچھ کامیابی ہوئی ہے۔ اسپر لوگ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں۔ بالکل حسد نہیں کرتے۔

گلڈہال ہرچند کہ اب ۱۸۸۹ء سے لنڈن میں کونٹی کونسل بمنزلہ لنڈن کی میونسپل کمیٹی کے کام کرتی ہے۔ لیکن لنڈن کی اصل میونسپل کمیٹی یہاں کا گلڈہال ہے۔ گلڈہال در اصل لنڈن کے لئے میونسپل ٹاؤن ہال سے بہت زیادہ ہے۔ اور قدیم الایام سے لنڈن کے انتظام کا مرکز رہا ہے۔ بلکہ علاوہ لنڈن کے تمام انگلستان کی ترقی اور تنزل کی تاریخ اسی سے وابستہ ہے۔ ایک مصنف نے لکھا ہے "جن تمام معرکوں میں شہر لنڈن نے امور سلطنت میں براہ راست دخل دیا ہے انپر عبور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ اور اس کی مثال تاریخ انگلستان کو گلڈہال کی کھڑکیوں سے دیکھنے کی ہوگی" حقیقت میں انگلستان کی تمام آزادی حقوق اور کامیابی شہر لنڈن کی کوشش سے حاصل ہوئی ہے۔ اور اس تمام کوشش اور کشمکش کے لئے اہل لنڈن کا ماوا د ملجا گلڈہال تھا۔ مسٹر والٹر بیسینٹ مشہور ناولسٹ اور مورخ نے لنڈن اور اُس کے مرکز گلڈہال کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے۔ "اصل اصول یعنے آزادی کی ضرورت باپ سے بیٹے کو ورثہ میں ملتی رہی۔ اہل شہر نے اِسے اپنا مذہب بنا لیا۔ انہوں نے اس کا اعلان کیا اور وہ اس کے لئے لڑے۔ اُنہوں نے اِسے جیت لیا۔ اور پھر ہار دیا۔ اور پھر ایک حصہ جیتا اور پھر ہار گئے۔ آخر کار انہوں نے اِسے سالم وکامل جیت لیا۔ اور اس کے جیتنے میں انہیں اسقدر نفع ہوا کہ جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے ورثا کے لئے

اور نیز اُن سب کے لئے کہ جہاں انگریزی بولی جاتی ہے۔ آزاد شہروں میں آزاد آدمیوں کے حقوق اور افراد اور جائداد کے حقوق غرض سب کو جیت کر چھوڑا تھا۔ اس جیتنے کے بڑے کام کے لئے تمام مشورے اور انتظام گلڈ ہال میں ہوتے تھے۔ گلڈ ہال کی حقیقت یہ ہے کہ تمام شہر لنڈن کے لوگ کہ جو قدیم الایام سے

لوری کمپنیاں

مختلف پیشوں میں مصروف تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے پیشوں کی جماعتیں (یعنے گلڈ) قائم کرلیں۔ مثلاً ٹالونناڈلرس کمپنی (موم بتی بنانے والے) کلاک میکرس کمپنی (گھڑیاں بنانے والے) ڈریپرس کمپنی (بزاز) وہیل رائیٹس (گاڑیوں کے پہیے بنانے والے) وغیرہ انہیں پیشہ وروں کی جماعتوں کو لوری کمپنیاں کہتے ہیں۔ لنڈن میں کل ایسی ۷۳ کمپنیاں یا گلڈ (جماعتیں) ہیں۔ اور ان سب کے ملاکر آٹھ ہزار آٹھ سو ممبر ہیں کہ جنہیں "لوری مین" یا "فری مین" کہا جاتا ہے۔ ان سب کمپنیوں کے عالیشان مکانات اور کورٹ آف آرمس قدیم زمانہ سے علیحدہ علیحدہ چلے آتے ہیں۔ ان کے پریسیڈنٹوں کو ماسٹر اور سکرٹریوں کو واڑڈن کہتے ہیں۔ جو مالی اور انتظامی کام کے ذمہ وار ہیں۔ ان کے ممبر یا تو پیدائش اور یا میعاد ملازمت کے لحاظ سے مقرر ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کمپنی کا ممبر اب بھی وہی پیشہ رکھتا ہو۔ جو کمپنی کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ممبر کچھ سالانہ چندہ دیتے ہیں۔ اور اگر ممبر کبھی ناکارہ اور مفلس ہو جائے تو سوسائٹی اس کی بیوی بچوں کی پرورش کے لئے کچھ مدد دیتی ہے۔ سال میں دو مرتبہ سب ممبروں کا جلسہ اور کھانا کمپنیوں کے مکانوں میں ہوتا ہے۔ پھر سب لوری کمپنیوں کے ممبر گلڈ ہال کے بڑے ہال میں جمع ہوتے ہیں۔ جبکہ ہر کمپنی کا محرر ہر ممبر کا نام پکارتا جاتا ہے۔ یہاں یہ شیرف کا انتخاب کرتے ہیں۔

لارڈ میئر کا انتخاب

انتظامی کونسل کے ممبروں یا شرفوں یا پاسٹ ماسٹروں میں سے کسی شخص کو کثرت رائے سے ہر سال پوری میں ۲۹ ستمبر کو لنڈن کا

لارڈ میئر منتخب کرتے ہیں۔ اس طرح شہر کی سول گورنمنٹ لارڈ میئر۔ ایلڈرمینوں دو شیرفوں اور ۲۳۶ کامن کونسل مینوں کے سپرد رہتی ہے۔ یہ گلڈ ہال لارڈ میئر کا سرکاری مکان یا شہر کا ٹاؤن ہال ہے۔ لارڈ میئر گلڈ ہال میں سب لوری کمپنیوں کی مجالس کونسل سمیت جلسہ کرتا ہے۔ اس جلسہ کا کمرہ ایک دوسرا ہاؤس آف کامنز شہر لنڈن کا ہے۔ جس میں لارڈ میئر بحیثیت میر مجلس ایک بہت بلند کرسی پر بیٹھتا ہے۔ ممبر اس کے گرد گیلریوں میں بیٹھتے ہیں۔ اس کمرہ میں شاہی خاندان کے موجودہ ممبروں کے سنگ مرمر کے بت رکھے ہوئے تھے۔ پہلو کے ایک چھوٹے کمرہ میں لارڈ میئر اہل شہر کے چھوٹے چھوٹے ڈیپوٹیشن قبول کرتا ہے۔ یہ مکان تین سو سال سے بنا ہوا ہے۔ اور اسکی چھت کی نقاشی آرائش تصویریں اور اس کا چوبی فرش جو نہایت خوبصورت ہیں سب اسنے ہی پورانے ہیں۔ لارڈ میئر لنڈن کا چیف مجسٹریٹ بھی ہوتا ہے۔ اور پولیس کا اعلےٰ افسر بھی کیونکہ پولیس کا چہارم خرچ گلڈ ہال کی جائداد سے ادا کیا جاتا ہے۔ لارڈ میئر کے اپنے مکان منشن ہاؤس کی نچلی منزل سے حوالات کا کام لیا جاتا ہے۔ جہاں زیر تجویز ملزم رکھے جاتے ہیں۔ جب کبھی اہل شہر کسی مصیبت کی رفع داد یا کسی خوشی کے اظہار کا جلسہ کرنا چاہیں تو لارڈ میئر اس کا سرپرست ہوتا ہے۔ ہندوستان کے قحط زدگاں کے لئے چند سال پہلے جو چندہ لنڈن میں جمع کیا گیا تھا۔ وہ لارڈ میئر ہی کی سرپرستی سے جمع ہوا تھا۔ اور اسی طرح جنگ ٹرینسوال کی امداد میں لارڈ میئر نے فنڈ کھولا تھا لارڈ میئر سال میں ایک دفعہ زمانہ کرسمس میں شہر کے بارہ سو سے زیادہ غریب بچوں کو مفت دعوت کھلاتے ہیں جو ریگڈ سکول یونین منتخب کرکے بھیجتی ہے اور پچھلے سال پانچ ہزار اپاہج بچوں کو جو حاضر نہ ہو سکے تھے کھانا مکانوں پر بھیجا گیا تھا۔ انتخاب لارڈ میئر کے بعد ایک روز لارڈ میئرس ڈے پر شہر میں بڑے طمطراق سے اور طرح طرح کی فینسی سواریوں پر لارڈ میئر کا جلوس نکلتا ہے۔ اسکے

بعد لارڈ میئر کا مشہور ڈنر ہوتا ہے جس میں لنڈن کے تمام اُمرا اور ارکان سلطنت وزیر اعظم تک شریک ہوتے ہیں۔ اور دعوت کے بعد وزیر اعظم کے لئے مناسب ہوتا ہے کہ اپنی گورنمنٹ کی پالیسی کے متعلق تھوڑی سی تقریر کرے۔ گویا کہ وہ باشندوں کے منتخب اشخاص کو اپنی حکومت کی طرف سے اطمینان دلاتا ہے۔ اب تک یہ دستور قدیم زمانہ کا چلا آتا ہے کہ جب ملکہ یا بادشاہ انگلستان شہر لنڈن میں آئیں (کیونکہ شاہی محلات ہمیشہ شہر سے باہر رہے ہیں) تو لارڈ میئر شہر کی چابیاں اُن کے پیش کرتا ہے۔ تب وہ شہر میں داخل ہوتے ہیں شہر کی حفظان صحت اور کئی ایک اوقاف کا انتظام بھی گلڈ ہال کی کمیٹیوں کے ہاتھ میں زیر نگرانی لارڈ میئر رہتا ہے۔

گلڈ ہال کی تعمیر اور کتب خانہ وغیرہ

گلڈ ہال کی عمارت واقعی عالیشان ہے۔ اس کے بڑے کمرے کا مقابلہ یوروپ کی بڑی بڑی نامور عمارتوں کے ہالوں سے ہو سکتا ہے۔ جن کے عرض طول اور ارتفاع ذیل میں درج ہیں۔

نام عمارت	لمبا فیٹ	چوڑا فیٹ	بلند فیٹ
روم کے گرجا سینٹ پیٹر یا ڈگلی انگیلی کا ہال	۳۰۸	۷۴	۸۴
سلیچسٹر میں رومن شہر کے باسلیکا کے کھنڈرات	۲۶۸	۶۰	—
وسٹ منسٹر ہال لنڈن	۲۳۸	۶۷½	۹۰
پاڈوا میں پلازو ڈیلا ایجیون	۲۶۱	۸۸	۸۰
کرائسٹ ہاسپٹل لنڈن	۱۸۷	۵۱	۴۷
فلارنس میں پلازو ویچیو	۱۸۴	۷۳	۷۰
ہٹیفیلڈ ہال ڈرہم	۱۸۰	۵۰	—
سینٹ جارجز ہال لورپول	۱۷۰	۷۴	۸۳
لوکا میں پلازل ڈل پوڈسٹا	۱۷۰	۴۶	—
ویسنزا میں پلازو ڈل ایجون	۱۶۹	۶۹	—

گلڈ ہال لنڈن	۱۵۲	۴۹½	۸۹
ٹاؤن ہال برمنگھم	۱۴۰	۶۵	۶۵

اس ہال میں بہت سی رنگین شیشہ کے دریچے لگے ہوئے ہیں۔ ہر دریچہ میں شہر لنڈن کی تاریخ یا انگلستان کی کسی تاریخی واقعہ کی تصویریں رنگین شیشہ میں ایک ایک لوری کمپنی یا کسی اور جماعت نے بڑی لاگت سے تیار کرائی ہیں۔ ایک سیڑھی کے دونوں طرف دو بت گاگ میگاگ (Gog Magag) یعنے یاجوج ماجوج کے بنا رکھے ہیں۔ جنہوں نے اہل لنڈن کی کسی روائت کے مطابق شہر کی طرف سے کسی غنیم کو پچھاڑا تھا۔ ہال میں انگلستان کے بعض ناموروں کے بت رکھے ہوئے ہیں۔ ہال کے علاوہ اینٹی لوبی۔ کامن ہال۔ کونسل چیمبر۔ الڈرمینس کورٹ روم وغیرہ سب کمرے بڑے تکلف سے بنے ہوئے ہیں۔ ان کی فرنیچر چھتوں اور دیواروں کی آرائش پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہونگے۔ کونسل چیمبر میں انگلستان کے بڑے بڑے مصنفوں جنرلوں اور مدبروں کے بسٹ (مجسمہ) رکھے ہوئے ہیں۔ گلڈ ہال کی لائبریری میں ایک لاکھ ۱۲ ہزار کتابیں اور ۳۲ بتیس ہزار پمفلٹ و رسالے ہیں۔ ایک ہزار پونڈ کی ہر سال نئی کتابیں خریدی جاتی ہیں۔ اور چار ہزار پونڈ اس کی نگہداشت کا خرچ سالانہ ہے۔ اس لائبریری کے ساتھ اخبارات کا ریڈنگ روم ہے جس میں ہر قسم کے اخبارات خصوصاً تجارتی رسالے اور اخبار جمع کئے جاتے ہیں۔ اور ڈائرکٹریاں بھی ہر قسم کی یہاں مہیا تھیں۔ یہیں میں نے سب سے زیادہ مقدار مختلف ڈائرکٹریوں کی دیکھی ہے۔ گو بعض ہوٹلوں میں بھی یورپ کے مختلف ملکوں کی نرالی نرالی ڈائرکٹریاں دیکھی ہیں۔ میرے رفیق مسٹر جارج رچرڈسن جو خود دلوری میں ہیں مجھے گلڈ ہال دکھلا رہے تھے۔ اور تمام کیفیت بتلاتے جاتے ہیں۔ لیکن وہاں کا ملازم بھی ایک شخص ہمارے ساتھ تھا۔ مسٹر رچرڈسن نے شکریہ کے بعد چھ پنس اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے

تو وہ چلا گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص نے مکان کے نیچے کا کرپٹ (تہ خانہ) دکھلایا۔ جو بجائے خود بڑا عظیم اور خوشنما ہال تھا۔ یہ بھی کئی سو سال کا ہے۔ اسمیں فرنچ ہیوج ناٹ عبادت کیا کرتے تھے۔ اس شخص کو بھی چند قدم پیچھے آ کر دو باتیں کرنے کے لئے مسٹر رچرڈسن چھ پنس دینے لگے۔ لیکن مینے اصرار کرکے خود دیئے۔ اس نے کہا یہ یہاں بری رسم ہے۔ جب کوئی شخص اپنے فرض منصبی کے علاوہ ذرا بھی کام کرتا ہے تو وہ ٹپ کی امید رکھتا ہے خصوصاً بر اعظم یورپ پر مشہور ہے کہ انگریز اپنا کرایہ نہیں گنتا۔ اس لئے اُس سے وہ لوگ چند پیسے کم دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی نمائش پیرس میں انگریزوں کے بکثرت شریک نہ ہونے کو محسوس کر رہے ہیں۔ گلڈ ہال کا عجائب خانہ بھی دیکھا۔ گلڈ ہال کے بڑے دروازہ کے سامنے پانی پینے کا چشمہ ہے۔ اسکے قریب صدہا دست آموز کبوتر گلڈ ہال کے ہیں۔ جنہیں قدیم الایام کے دستور کے مطابق یہاں کے افسر ہر روز دانہ ڈالتے ہیں۔ یہاں سے چل کر مسٹر رچرڈسن نے مجھے اپنی لوری کمپنی یعنے ٹیلو چانڈرس کا مکان دکھلایا۔ جو عالیشان سہ منزلہ مکان تھا۔ جس میں کونسل اور جلسہ و محنت اور انتظامی افسروں کے کمرے الگ الگ تھے۔

مچھلی کی منڈی اور کوئلہ کی منڈی

یہاں سے ہم لنڈن کی مچھلی بیچنے کی منڈی بلنگس گیٹ نامی میں گئے۔ یہ منڈی ایک ہزار سال سے مچھلی کے لئے مخصوص ہے۔ اور چونکہ کسی زمانہ میں مچھلی بیچنے والی عورتیں یہاں جمع ہوکر بدزبانی میں مصروف ہوتی ہونگی۔ اس لئے انگریزی زبان کی اصلاح میں بلنگس گیٹ کے معنے گالی دینا ہوگیا ہے۔ اس مکان کا گھاٹ دریا سے ملحق ہے صبح مچھلی کی کشتیاں سمندر کی طرف سے دریا میں آتی ہیں۔ یہ کشتیاں اور جہاز صرف انگلستان کے سمندروں سے ہی نہیں آتے بلکہ سویڈن ناروے تک سے مچھلیاں بار کرکے آتے ہیں۔ منڈی میں جہاں تک نظر جاتی ہے

زندہ اور مردہ انواع و اقسام کی مچھلیوں کے ڈھیروں کے ڈھیر پائے جاتے ہیں لوگ بولی دیکر اِن مچھلیوں کو آپس میں نیلام کر لیتے ہیں۔ اور پھر اور لوگوں کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ گو فرش پتھر کا تھا۔ اور بیچ میں آہنے راستے پانی پھینکنے کے تھے۔ تاہم مکان گندہ ہو رہا تھا۔ سامنے بیسیوں گاڑیاں کھڑی تہیں۔ جنپر مچھلیوں اور جھینگڑوں وغیرہ کی ٹوکریاں لدی تھیں جو جابجا شہر میں تقسیم کرنے کو لے جانیوالی تھے۔ یہاں کے تمام مزدور بہت غلیظ کپڑوں والے تھے۔ اس کے قریب ہی کوئلہ کا اکسچنج تھا۔ ایک عالیشان مکان کے درمیان ایک گول حلقہ کے گرد نچلے فرش کی میزوں پر کوئلہ کی قیمت کی بولیاں دینے والے لوگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر تین منزلوں میں گیلریاں ہیں۔ جہاں سب کوئلہ کے سوداگروں کے دفتر ہیں۔ اور وہ خریداری کی بولیاں دیتے ہیں۔ پتھر کا کوئلہ یہاں بڑا اہتمم بالشان معاملہ ہے۔ اور اسی پر اِن ملکوں کا تمام دارومدار ہے۔ یہاں سے ہم

ٹاور آف لنڈن

ٹاور دیکھنے گئے۔ شنبہ اور یکشنبہ کو یہ جگہ مفت دیکھنے کی اجازت ہے۔ دوسرے دنوں میں چھ پنس ہر شخص سے داخلہ کے لئے لیا جاتا ہے آج بوجہ ہفتہ کے کچھ دینا نہیں پڑا۔ لنڈن کا یہ نہایت مشہور اور تاریخی مکان قریب ایک ہزار سال پہلے قلعہ تھا۔ کبھی شاہی محل رہا۔ کبھی جیل خانہ اور کبھی دیوان عدالت۔ ایک بیان یہ ہے کہ اس کا وائٹ ہوس (سفید مکان) رومن قیصر جولیس سیزر نے بنایا تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ولیم فاتح انگلستان کے پہلے بادشاہ نے اسے بطور قلعہ کے تعمیر کیا تھا۔ زیادہ تر یہ مقام بادشاہوں اور امیروں کے قیدخانہ کے لئے مشہور ہے۔ دیل ٹاور میں ملکہ الیزبتھ قید رہی وائٹ ٹاور میں سر والٹر ریلی۔ بلڈی ٹاور میں شاہ ایڈورڈ چہارم کے دو بچے مار دیئے گئے۔ اسلحہ خانہ میں قدیم زمانہ کے انگلستان یورپ اور ہندوستان کی اسلحہ تلواریں بندوقیں پستول اور زرہیں دیواروں پر آویزاں ہیں۔ کئی پورے قد کے زرہ پوش سوار گھوڑوں پر چڑھا کر دکھلائے ہیں۔ بعض زرہیں

اکاسی پونڈ (ایک من) تک وزن کے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے سوار اور گھوڑے انہیں کیسے اُٹھاتے ہونگے۔ یہاں تلواروں اور کرچوں سے کئی جگہ دیواروں پر گل صد برگ بنائے گئے ہیں۔ جن میں سینکڑوں تلواروں کو چیں توڑ کر اور ثابت لگا دی ہیں۔ ایک جگہ تلواروں اور پستولوں کا جنگلا بنا دیا ہے۔ شاہ اودھ کے جلاد کی بہت بڑی اور بھاری تلوار بھی رکھی ہوئی ہے۔ اس کے سوائے بھی اسلحہ خانہ کے کمرے ہیں۔ مگر وہ دکھلائے نہیں جاتے۔ اس مکان کے نیچے بہت سی پورانی توپیں اور گولے پڑے ہیں۔ ان میں ایک توپ اٹھارہ فٹ لمبی ہے۔ جسے کہا جاتا ہے کہ سلطان سلیمان عالیشان نے ہندوستان کے فتح کرنے کے لئے ڈھالی تھی۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ توپ انگریزوں کے ہاتھ کہاں سے لگی۔ اسلحہ خانہ میں داخل ہونے کے لئے ایک گرجا میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ یہاں ایک شخص صرف اسی لئے بیٹھا ہے کہ لوگوں کو کہے کہ گرجا کی تعظیم کے لئے ٹوپیاں اوتار دو۔ چنانچہ اس نے مجھے بھی کہا اور میں نے بھی ٹوپی اُتار دی۔ ایک کمرہ میں انگلستان کے شاہی زیورات ہیں۔ ان میں کئی تاج اور کئی طلائی نمکدان معہ دیگر زیورات شاہی کے رکھے ہوئے ہیں۔ خصوصاً جو تاج ملکہ وکٹوریا نے ۱۸۳۸ء میں اپنی تاجپوشی پر پہنا تھا وہاں نمایاں تھا۔ کوہ نور ہیری کی اس زمانہ کی نقل بھی ہے۔ جبکہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بازو بند میں تھا۔ انگلستان کے تمام آرڈر اور تمغے معہ اصل فیتوں اور ہاروں اور ستاروں کے موجود تھے۔ ہندوستان کے خطابات کے تمغے بھی تھے۔ یہاں وکٹوریا کراس کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ ایک چھوٹا سا لوہے کا ٹکڑا ہے۔ مگر اتنا موجب عزت سمجھا جاتا ہے کہ سپاہی اور افسر اس کی خاطر میدان میں جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ شاہی زیورات جن میں سے اپنے موقعہ تاجپوشی پر شاہ ایڈورڈ ہفتم نے بھی بعض استعمال

ہونگے۔ تیس لاکھ پونڈ کی مالیت کے بتلائے جاتے ہیں۔ اور سنہ ۱۸۶۲ء کی آتشزدگی سے یہ اتفاق سے ہی سلامت نکلے۔ ٹاور کے برقنداز جنہیں بیف ایٹرز (Beaf Eaters) کہتے ہیں عجیب قسم کا بھنگم لباس پہنتے ہیں کہ جسے دیکھکر ہنسی آتی ہے۔ قدیم زمانہ سے یہاں کے برقنداز یہی لباس پہنتے آئے ہیں۔ مجھے بیف ایٹرز کا نام سنکر تعجب ہوا۔ کیونکہ اس لفظ کے معنے ہیں گائے کا گوشت کھانے والا۔ میں نے کہا اس نام کی تخصیص کی وجہ کیا ہے۔ آخر ٹاور کے گائیڈ بک سے معلوم ہوا صحیح لفظ (Boufetiers) تھا جسکے معنے (Buffet) یعنے شراب وغیرہ کی دوکان کا خدمتگار ہے۔

ٹاور برج یہ عظیم الشان پل لنڈن ٹاور سے قریب ہی ہے۔ اور چونکہ شہر لنڈن کی گاڑیوں اور پیدلوں کی بڑی تعداد یہاں سے گذرتی ہے۔ اس لئے سنہ ۱۸۸۶ء میں اسے بڑا مضبوط تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں بڑے موٹے لوہے کے گرڈر استعمال کئے گئے ہیں۔ دونوں طرف لوہے اور پتھر کے بہت مضبوط پایوں پر لوہے کے بہت بھاری گرڈروں کا چھت ہے۔ لیکن بیچ کے بڑے درہ کے دونوں طرف پتھر کی بہت بلند عمارات ہیں۔ اور اُن کے درمیان جو پُل کا حصہ ہے۔ وہ جبکہ سٹیمر یہاں سے گذرنا چاہیں تو نیچے کی مشینوں کے ذریعہ سے بیچ سے دو ٹکڑے ہوکر دونوں طرف کی بلند عمارتوں سے بذریعہ زنجیروں کے جا لگتا ہے۔ اور جہاں سے کہ ابھی ہزاروں پیدل اور سینکڑوں گاڑیاں گذر رہی تھیں۔ وہ دریا بن جاتا ہے۔ گاڑیاں تو کچھ دیر کے لئے رک جاتی ہیں۔ لیکن پیدل اگر گذرنا چاہیں تو وہ ان پتھر کی بلند عمارات پر لفٹوں یا سیڑھیوں کے راستہ سے چڑھکر بذریعہ ایک بلند پل کے دوسری طرف کو دوسری عمارت کی سیڑھیوں سے اُتر سکتے ہیں۔ اس پُل پر سے چار لاکھ سے زیادہ آدمی اور (۹۹۰۱) گاڑیاں ایک روز میں سنہ ۱۸۹۶ء میں گذریں۔ اور اب اس سے بھی آمدورفت زیادہ ہوگی۔ اس پل کی تعمیر پر کل ڈمال کے برج ہاؤس سٹیٹ کمیٹی کے بیس لاکھ پونڈ خرچ ہوئے۔ کیونکہ یادور تنیں اور ٹیمز کے پلوں کا خرچ

ایک ایسی جائداد سے دیا جاتا ہے جو گلڈ ہال کے سپرد ہے - اور پل کی سالانہ نگہداشت پر پندرہ ہزار پونڈ علاوہ خرچ ہوتے ہیں - لنڈن کی عظیم الشان عمارات پر جو جو خطیر رقمیں خرچ ہوئی ہیں اُنکے مقابلہ میں ٹاور برج کی رقم زیادہ نہیں سینٹ پال کے گرجا پر ڈیڑھ ملین پونڈ یعنے ساڑھے بائیس کروڑ ہندوستانی روپیہ - ہاؤس آف پارلیمنٹ پر جس میں گیارہ سو کمرے ہیں - اور ۶½ ایکڑ اراضی پر واقع ہے تیس لاکھ پونڈ - انگلستان کے خلیج فورتھ کے ایک میل لمبے پل پر ساڑھے پچیس لاکھ پونڈ - اور بروکلن نیویارک کے (۵۳۳۰) فیٹ لمبے پل پر اکتیس لاکھ پونڈ - اتنے لمبے پلوں کے مقابلہ میں صرف نوسو فیٹ لمبے ٹاور برج پر بہت لاگت آئی ہے - اسی لئے یہ تعمیر عجائبات زمانہ میں شمار ہوتی ہے - اتفاق سے جب ہم اس پل پر پہنچے تو اُسی وقت دو سٹیمروں کے گذرنے کے لئے اسے اٹھایا گیا - یہ تماشا واقعی حیرت انگیز تھا - کہ پل کے دو اتنے لمبے چوڑے آہنی پٹ مشینری کے زور سے دو منٹ میں خود بخود آسمان کو اُٹھے جاتے ہیں - اور جب جہاز نکل جاتا ہے تو دو منٹ میں پھر مضبوط پُل بن جاتا ہے - اور اُسپر سے سینکڑوں گاڑیاں گذرنے لگتی ہیں -

بینک آف انگلینڈ

مسٹر رچرڈسن نے مہربانی کرکے ایک دوست سے بینک آف انگلینڈ کے دیکھنے کے لئے بھی سفارشی چٹھی حاصل کی اور ہمیں بینک کے اسرار دکھلانے کے لئے ایک آدمی مل گیا - اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ تین چار گھنٹے اس پیچ در پیچ عمارت کی منزلوں میں کئی کمروں میں پھر کر نوٹوں اور سونے چاندی کی صورت میں اتنی دولت دیکھی ہے کہ بیچارے قارون کے چالیس خزانوں میں تو اس کا عشر عشیر بھی نہ ہوگا - پہلے ہم ایک کمرہ میں داخل ہوئے جہاں پونڈ (اشرفیاں) کلوں کے ذریعہ سے وزن ہو رہی تھیں - جو پونڈ وزن میں پورے ہوتے انہیں یہ مشینیں دائیں جانب

ڈالتی جاتیں اور جو ہلکے ہوتے انہیں بائیں طرف پھینک دیتیں تینتیس ہزار پونڈ یہ مشین دن بھر میں پرکھ لیتی ہے۔ جو افسر اس کام پر متعین تھا۔ اُس نے ہمیں تولنے کا سب کام اچھی طرح دکھلایا۔ اور پھر لوہے کی بالٹی پونڈوں سے بھرا کر مجھے کہا ذرا اُٹھاؤ تو سہی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے اُٹھایا۔ لیکن میرا رفیق نہ اُٹھا سکا۔ اسی کمرہ میں پونڈوں کے تولنے کی ایک مشین تھی جو دن میں لاکھوں پونڈ تول سکتی تھی۔ ایک کمرہ میں کئی الماریاں نوٹوں سے پُر تھیں جن میں سے ایک میں سے قریب آدھ سیر کے ہزار ہزار پونڈ کے نوٹوں کا گٹھا نکال کر ایک شخص نے میرے ہاتھ پر رکھ کر کہا۔ کہ یہ ایک ملین پونڈ (ڈیڑھ کروڑ ڈبل روپیہ) کے نوٹ ہیں۔ اور پھر جھٹ الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا اب میں ہمیشہ یاد رکھونگا کہ ایک وقت میرے ہاتھ میں بھی ڈیڑھ کروڑ روپے کے نوٹ تھے"۔ ایک دوسرے کمرہ میں چھوٹی چھوٹی دستی گاڑیوں میں دس دس سیر کی سونے کی اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کمرہ کے اندر تو ہمیں نہ لے گئے۔ لیکن ایک آدمی ایک گاڑی باہر کھینچ لایا۔ اور اس میں سے پہلے ایک اینٹ میرے ہاتھ میں رکھ کر کہا یہ خالص سونا ہے۔ اس میں سے سوورن (اشرفیاں) مضروب ہونگی۔ ایک اور کمرہ دکھلایا جس میں چند چھوٹے چھوٹے ڈبے تھے کہ جن میں آج ہی صبح امریکہ سے اسی طرح کی سونے کی اینٹیں بند ہو کر بینک میں آئی تھیں۔ پھر بینک کے ڈائرکٹروں کی کونسل کا کمرہ دیکھا۔ اور ایک کمرہ جس میں ڈائرکٹروں کی سب کمیٹیاں نشست کرتی ہیں۔ یہ دونوں بڑے مکلف اور عالیشان کمرے تھے۔ ایک اور کمرہ میں کہ جسمیں پبلک داخل ہو سکتی ہے۔ تیس چالیس کلرک نوٹ کیش کر دینے کے لئے بیٹھے تھے۔ جن میں سے بعض کے پاس صرف چاندی اور بعض کے پاس سونے کے سکے تھے۔ ایک اور کمرے میں دو تین سو کلرک بینکنگ کے کام میں مصروف تھے۔ ایک عالیشان کمرہ میں صرف سٹاک (کمپنیوں کے حصے)

فروخت ہوتے تھے۔ اور "لون" یعنے جنگی یا ملکی قرضوں کے لوگ حصے خریدتے تھے۔ ایک کمرہ بینک کی شاخوں کے انتظام کا تھا۔ ایک میں ہمیں وہ تاریخی نوٹ دکھلائے جو آگ میں جل گئے یا پانی میں گل گئے تھے۔ مگر اُن کے تھوڑے بہت نشان مل گئے اور اُن کی قیمت ادا کی گئی۔ لیکن یہاں بہت سے ایسے نوٹ بھی موجود تھے جو جعلی تھے اور لوگوں نے ان کے بنانے میں بڑی بڑی لیاقتوں کو خرچ کیا تھا۔ بعض میں تو انتہا کی کاریگری صرف کی گئی تھی لیکن بینک کے ملازموں نے انہیں تاڑ لیا۔ بینک آف انگلینڈ سنہ ۱۶۹۴ء میں قائم ہوا تھا۔ اور ایک نوٹ سنہ ۱۶۹۹ء کا اب تک موجود ہے۔ کہ جس سے پرانا کوئی موجود نہیں۔

بیس پونڈ کا سود درسود قریب نو ہزار پونڈ

ایک اور نوٹ دکھلایا گیا جو بیس پونڈ کا تھا۔ سنہ ۱۷۵۲ء میں بینک نے اسے جاری کیا تھا۔ اور سنہ ۱۸۷۷ء تک بینک میں کیش ہونے کے لئے واپس نہ آیا۔ اس ایک سو پچیس سال کے عرصہ میں اگر یہ پانچ فیصدی سُود پر سود درسود کے حساب سے لگایا جاتا تو (۸۹۰۵) پونڈ ۳ شلنگ ۷ پنس کی رقم بینک کو ادا کرنا پڑتی۔ جو شخص یہ نوٹوں کے عجائبات دکھلا رہا تھا اُس نے بہت اخلاق اور توجہ سے ہمیں میگنی فائینگ گلاس سے جعلی نوٹوں کے میلے اور خراب حروف دکھلائے ایک کمرہ میں لوہے کی الماریوں میں ہزار ہزار پونڈ کی سینکڑوں تھیلیاں تھیں ہر تھیلی ۷½ سیر بھاری تھی۔ اور الماری کے ہر خانہ میں ۸۰ ہزار پونڈ کی مالیت تھی۔ ایک کمرہ میں وہ تمام پرانے نوٹ جمع تھے کہ جن کا روپیہ بینک ادا کر چکا ہے۔ یہ معمولی لکڑی کے صندوقوں میں کمرے کی چھت تک بھری ہوئے تھے۔ انہیں ہر پانچ سال کے بعد جلا دیا جاتا ہے۔ اس کمرہ کے محافظ نے کہا کہ کل ادا شدہ نوٹ پانچ سال کے عرصہ میں تعداد میں اٹھتر ملین کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اور ان سے (۱۳۴۰۰) صندوق بھرے جاتے ہیں جو

اگر پہلو بہ پہلو رکھے جائیں تو اڑھائی میل تک چلے جائیں۔ اگر ان نوٹوں کا
ڈھیر لگایا جائے تو ۵½ میل اونچا ہو۔ اگر ان کو سرے سے جوڑ کر پھیلایا جاوے
تو (۱۵۴۴۵٫۲) میل لمبے چلے جائیں گے۔ ان کی اصلی قیمت (۱۷۵۰۲۲۴۴۰۰)
پونڈ اور ان کا وزن ۹۱ ٹن (۲۵۴۸ من) ہوگا۔ بینک کے کلرکوں نے ہمیں
ایسے دلچسپ حساب بتلائے اور ایسی توجہ سے سب چیزیں دکھلائیں کہ
مجھے معاً خیال پیدا ہوا کہ لنڈن کے اخباروں اور رسالوں میں جو ہر چیز کے
متعلق مفصل واقفیت اور دلچسپ اعداد چھپتے رہتے ہیں۔ یقیناً اس میں
اُن کی واقفیت بہم پہنچانے والوں کا بھی کچھ حصہ ہے۔ تیسری منزل کے
کمروں میں پوسٹل آرڈر اور نوٹ چھاپنے والی مشینیں تھیں جس طرح
انگلستان میں چلنے والے کُل کرنسی نوٹ یہاں چھپتے ہیں۔ (بلکہ بینک
آف انگلینڈ کی طرف سے چھپتے ہیں) ویسی ہی گورنمنٹ انگلستان کے
کل پوسٹل آرڈر یہاں چھپتے ہیں۔ ایک تختہ کاغذ پر آٹھ پوسٹل آرڈر چھپ
رہے تھے۔ اور سب کے نمبر مشین پر ساتھ ہی ساتھ بدلے جاتے تھے۔ یہ
طریقہ کسی کاغذ کے چھپنے کے ساتھ ہی نمبر بدلے جانے کا پہلے نمائش پیرس میں
بھی دیکھا تھا۔ اس سے آگے بعض مشینوں پر پانچ پانچ اور دس دس پونڈ
کے بینک آف انگلینڈ کے نوٹ چھپ رہے تھے۔ یہ نوٹ صرف ایک
رنگ میں چھپتے تھے۔ وہ بھی ایک ہی داب میں نکلتے تھے۔ اس کے بعد
بینک کی حفاظت کرنے والے سپاہیوں اور افسروں کے کمرہ سے گذرے
جہاں چارپائیوں کے بجائے میزیں بچھی تھیں۔ لوہار خانہ مستری خانہ معمار خانہ
انجن روم برقی روشنی کے گیس انجن۔ برقی باٹریوں کا کمرہ (جس میں کیمیائی
برق کی بڑی بڑی نمناک باٹریاں تھیں) یہ سب بینک کی عمارت کے اندر
تھے۔ تاکہ بینک کو ان کاموں کے لئے باہر سے مدد نہ لینی پڑے۔ اور ایک ہزار
آدمی کل شاخوں میں ملازم تھے۔ دو لاکھ بیس ہزار پونڈ کل تنخواہوں کا سالانہ

خرچ ہے۔ انگلستان کے قومی قرضہ اسی کروڑ پونڈ کا حساب اور اس کے متعلق انجم ٹکس جمع کرنا بینک کے سپرد ہے۔ جس کے عوض اسے دو لاکھ پونڈ سالانہ ملتا ہے۔ بینک کے دروازوں پر بیٹھنے والے برقندازوں کی وردیاں بھی تاور کے بیف ایٹروں کی طرح دو تین سو سال پہلے کی چلی آتی ہیں۔ جنہیں دیکھکر ہنسی آتی ہے۔ جس شخص نے سائنٹفک سب مکانات دکھلائے تھے اُسے ایک شلنگ اور جن دوسرے لوگوں نے اپنے انجن یا مشین وغیرہ چیزیں دکھلائی تھیں انہیں بھی دو دو تین تین پنس دیئے۔ لیکن برقی باٹریوں کے تجربہ نے پیسے لینے سے انکار کیا تھا۔ مسٹر رچرڈسن نے مجھے باہر آکر بتلایا کہ وہ جنٹلمین تھا۔ اُسے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی ہوگی۔ بینک کا سرمایہ ایک کروڑ ساڑھے پنتالیس لاکھ پونڈ ہے کہ جتنا دنیا میں اور کسی بینک کا نہیں۔ اور نوٹوں کا اعتبار قائم رکھنے کو بینک ہمیشہ دو کروڑ پونڈ کا سونا ذخیرہ میں جمع رکھتا ہے۔

لائیڈس اور رائل اکسچینج

رائل اکسچینج بینک آف انگلینڈ سے دور نہیں۔ یہ ایک بڑا عالیشان ہال ہے جس کا چھت شیشہ کا ہے۔ اور فرش پتھر کا۔ عین وسط میں ملکہ معظمہ وکٹوریا کا عالم جوانی کا سنگ مرمر کا بُت کھڑا ہے صحن میں ایک خوبصورت چشمہ پانی پینے کا ہے۔ اور ایک عمارت کی پشت کی طرف چشمہ ہے جس میں ایک عورت کا بُت ہے جو دو بچے اُٹھائے کھڑی ہے۔ سامنے میدان میں ڈیوک آف ولنگٹن کا برنجی سوار بُت کھڑا ہے۔ کچھ اور بھی نامور لوگوں کے بُت قریب ہی ہیں۔ لنڈن میں نامور لوگوں کی یادگاری بتوں کی وہ کثرت ہے کہ انکا حساب رکھنا مشکل ہے رائل اکسچینج میں سٹاک کے نرخ مقرر کیئے جاتے ہیں۔ اسی عمارت کے دو کمرے لائڈز کے مشہور جہازی بیمہ کے کام کے سپرد ہیں۔ اس کے دروازوں پر بھی جو صاحب بیٹھے تھے اُن کی وردیاں عجیب قسم کی اور پورانے زمانہ کی یادگار تھیں۔ اندر ایک مکان میں بنچوں پر صدہا انڈر رائٹر بیٹھے تھے جو

جہازوں میں بار ہونے والے مال تجارت یا مسافروں کی زندگیوں یا خود جہازوں کی سلامتی کے لئے بیمہ کر دیتے تھے۔ ایک دوسرے کمرہ میں ہر جہاز کی زندگی اور حالات کا رجسٹر تھا۔ جس میں اُس کے ہر سفر کے مال کا بھی حال درج ہوتا تھا۔ ایک پہلو کے کمرہ میں زرد کاغذ پر کئی تار لٹک رہے تھے جنمیں جہازوں کے متعلق آج ہی تازہ خبریں وصول ہوئی تھیں۔ کہ کوئی جہاز کہاں ہے۔ گویا کسی جہاز کے روانہ ہونے سے لیکر اُس کے کہیں جانے یا مقام کرنے یا واپس آنے یا ڈوب یا جلکر ضائع ہو جانے کی خبر لائیڈ کے دفتر میں ہر گھڑی آتی رہتی ہے۔ اور وہ ایک چھوٹے سے اخبار لائیڈس لسٹ میں چھپکر ہر روز مشتہر ہوتی رہتی ہے۔ جب ہم وہاں تھے تو جو لوگ لائیڈ کے انڈر رائٹروں کو ملنا چاہتے تھے۔ اُن کے نام ایک حاجب بلند آواز سے پکارتا تھا۔ کیونکہ اتنی بھیڑ میں سے کسی آدمی کا مل جانا سہل کام نہیں تھا۔

اخبار لنڈن ٹائمز کی قدردانی

لائیڈس میں کپتان کے کمرہ کی اوپر کی دیوار میں ایک سنگ مرمر پر ایک دلچسپ کتبہ کندہ ہے۔ جو اخبار لنڈن ٹائمز کی ایک بیش قدر خدمت کی یادگار ہے۔ ایک دھوکا بازوں کی جماعت جعلی ہنڈیاں لیکر براعظم یوروپ پر گھوم رہی تھی۔ جس میں ایک شخص بوگل نامی صراف بھی تھا۔ اس بوگل نے ٹائمز کے مالکوں پر لائیبل کی نالش دائر کر دی۔ اور ٹائمز نے اسے صحیح قرار دیکر خوب ڈیفنس کیا۔ اور گو اس ٹائمز کے برمحل بھانڈا پھوڑ دینے سے دھوکا بازوں کی جماعت کا تو خاتمہ ہو گیا۔ لیکن بوگل کی دعوائے میں عدالت سے فیصلہ ٹائمز کے خلاف صادر ہوا۔ اسپر لنڈن کے سوداگروں اور صرافوں نے ٹائمز کی اس خدمت کو نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اور اس مقدمہ کے اخراجات ادا کر دینے کے لئے فوراً تجارت پیشہ لوگوں نے چندہ جمع کر دیا۔ مگر ٹائمز کے مالکوں نے اولوالعزمی کے ساتھ یہ رقم لینے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ جو کچھ ہم نے

کیا ہے۔ صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اسپر چندہ جمع کرنے والوں نے اس رقم سے "ٹائمز سکالرشپ" کے نام سے سٹی آف لنڈن سکول کو ایک معقول وظیفہ دے دیا۔ اور ایک کتبہ اس تمام کیفیت پر مشتمل لائڈ کے دفتر میں اور ایک ٹائمز کے دفتر کے دروازہ پر نصب کرا دیا۔ آفرین ہے اخبار ٹائمز کی فرض شناسی اور بے نفسی پر۔ اور صد آفرین ہے لنڈن کے سوداگروں کی قدر دانی اور دور اندیشی پر۔

اخبار لنڈن ٹائمز ہر چند کہ لنڈن میں اب کئی سستے اخبار ٹائمز سے تعداد میں بہت زیادہ چھپتے ہیں۔ لیکن جو عزت ٹائمز کو بوجہ قدامت اور بوجہ زیادہ مالدار ہونے کے حاصل ہے۔ وہ دوسرے کسی اخبار کو حاصل نہیں گو مسٹر سٹیڈ کی رائے ہے کہ اب نئے اخبار ٹائمز کی ضرورت ہے۔ پورا نا اخبار بہت زیادہ پورانے ڈھرے پر چلتا ہے۔ تاہم جو عزت اور اعتبار ایک اہل الرائے انگریز کی نظر میں اخبار لنڈن ٹائمز کا ہے۔ وہ کسی دوسرے اخبار کا نہیں۔ اُس کے نام کے گرد مرور مدت۔ خدمات اور رسوخ نے ایک ایسا شاندار خیالی ہالہ پیدا کر دیا ہے جو کسی دوسرے اخبار کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لئے لنڈن ٹائمز کو "انگلشمین کا براڈشیٹ" کہتے ہیں اور بوجہ اس کے بعض موقعوں پر زور شور اور وثوق سے اظہار رائے کر دینے کے اسے "تھنڈرر آف دی پرنٹنگ سکوئر" (پرنٹنگ سکوئر کو چے کا گرجنے والا) بھی کہتے ہیں۔

لنڈن میں ایک روز کی سرگذشت لنڈن کے لوگ اسقدر مستعد ہیں کہ جو لوگ باہر سے بھی وہاں جاتے ہیں بقول "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" اُن پر بھی اس ملک کی آب وہوا یا اُس نواح کا ایسا برقی اثر پڑتا ہے کہ وہ بھی غیر معمولی طور پر مستعد ہو جاتے ہیں۔ یا شائد مسافروں کے پاس وقت تھوڑا اور شغل بہت ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بہت تنگ ہو

میں مصروف رہتے ہیں۔ میں یہاں اپنی ڈائری سے بطور نمونہ ایک روز کی کیفیت کسیقدر اختصار کے ساتھ درج کرتا ہوں۔ جس سے میرے مندرجہ بالا بیان کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے:۔

"صبح میں ڈیڑھ پینی دیکر تیسرے سٹیشن فرنگڈن سٹریٹ میں جا اُترا یہاں مکانات کا پتہ بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ جب بڑی کوشش سے اس کوچہ میں اور اسی مکان پر پہنچ گیا کہ جہاں پہنچنا تھا تو تب بھی مکان کا پتہ نہ ملا۔ لنڈن عجیب شہر ہے۔ یہاں تجارتی دوکانیں اور مکان اسقدر زیادہ ہیں کہ پاس رہنے والوں کو ہمسایہ کے مکان تک کا پتہ نہیں ہوتا۔ جب اندر جاکر مالک مطبع کو اپنا کارڈ دیا تو اُس نے مطبع کے مختلف صیغے دکھلانے شروع کئے اس مطبع میں بلا کاپی رائٹ کتابیں بچوں کے پڑھنے کی کتابیں اور مشنریوں کی لکھی ہوئی کتابیں۔ اور چند ارزاں رسالے چھپتے ہیں جو نہایت سستے بکتے ہیں۔ کئی بڑی بڑی مشینیں چھاپنے کے کام میں مصروف ہیں۔ ایک بڑی روٹری مشین بھی کام کر رہی تھی۔ جس کی قیمت تین چار ہزار پونڈ یعنے پچاس ساٹھ ہزار روپیہ کے درمیان تھی۔ یہ کاغذ کے ویب یعنے گول لپٹے ہوئے ڈھیر کو چھاپ کر اور ساتھ ہی ساتھ کاٹ کر اور کتاب کی تقطیع کی تہ موڑ کر رکھتی جاتی تھی ...... دفتری کا کام عورتیں اور لڑکیاں کرتی ہیں۔ جو ہڈی کی چھریوں سے کاغذ کے فرمے موڑتی جاتی ہیں۔ اور دو مشینیں کاغذ موڑنے کے بھی ساتھ ساتھ ہی کام کر رہی تہیں جن میں سے ایک کاغذ بھی خود ہی اُٹھا لیتی تھی۔ مگر ہاتھوں سے بھی پاس ہی کاغذ موڑا جا رہا تھا ..... مکان کی چوتھی منزل میں جلد بندی کی مشینیں کام کر رہی تھیں۔ چونکہ مینے جلد بندی بذریعہ مشین پہلے نہیں دیکھی تھی مینے مسٹر مکس کو کہا کہ یہ کام مجھے اچھی طرح سمجھا دو ...... تصویروں کے بلاک یہ کارخانہ خود بنائے لیتا ہے۔ بعض کتابوں کے رنگین سرورق ہالینڈ سے چھپوا تا ہے۔ اور بعض کے

اوراق سنہری بھی باہر سے کراتا ہے۔ مسٹر ہکس نے میری درخواست پر وعدہ کیا کہ ہالینڈ کے رنگین چھاپنے والے کارخانہ کا نام مجھے بتا دیگا۔ لیکن جب اُس نے اپنے شریک سے پوچھا تو معلوم نہیں اُس نے کیا کہا۔ کہ اُس نے یہ بہانہ کر کے مجھے ٹال دیا کہ ہماری معرفت ہی تم نے رنگین کام چھپوا لینا۔ کیونکہ ہمیں وہ بہت سستا چھاپ دیتے ہیں۔ یہاں میں نے انگریزی کی بڑی بڑی کتابیں دیکھیں جو تین تین چار چار پینی کو ملتی تھیں۔ اور نئی اور مجلد تھیں۔ پاس ہی مکتی فوج کی شش منزلہ عمارت تھی۔ جس میں انکا مطبع دفتر اور صنعت و حرفت کے کارخانے تھے ...... پھر اسی سٹیشن پر سوار ہو کر واپس گاورسٹریٹ سٹیشن میں پہنچ گیا۔ اسی گاڑی میں کچھ اٹالین مزدور بیٹھے ہوئے تھے۔ جو ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولتے تھے۔ میرے سر پر ترکی ٹوپی دیکھکر ایک نے کہا تم ترک ہو میں نے ہاں کہدیا۔ اُس نے کہا میں چھ سال قسطنطنیہ وغیرہ میں رہا ہوں۔ ترک بہت اچھے لوگ ہیں۔ کیونکہ اُن کے ملک میں روٹی سستی ہے۔ انگریز بالکل اچھے نہیں۔ دیکھو تو یہاں روٹی کتنی گراں ہے ...... سٹیشن سے اُتر کر مشہور میپل کمپنی کی فرنیچر کی دوکان کے پاس سے گذرا۔ اس سے بڑی فرنیچر کی دوکان شائد دنیا میں نہ ہو گی۔ اس میں ایشیا کے سب ملکوں کے قالین موجود تھے۔ ایرانی جاپانی اور ہندوستانی۔ بلکہ ہندوستان کے تو ضلعوں کے نام تھے۔ مثلاً میرزاپوری قالین مچھلی پٹام کا قالین وغیرہ۔ امرتسری قالین کا نام نہیں دیکھا۔ ممکن ہے کہ اس ڈھیر میں کئی وہاں کے بھی ہوں۔ بہت ستھرا اور ساتھ ہی بہت سستا مال تھا۔ یہ مال کے بڑے بڑے ڈھیر جمع کرنے کا فائدہ ہے۔ کہ لوگوں کو سستا مال مل سکتا ہے۔ یہاں سے بس پر سوار ہو کر پکاڈلی گیا۔ ایک پینی میں بس کا خاصا لمبا سفر ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک یہودی سٹور ان سے کھانا کھایا۔ ایک مرغ کے ٹکڑہ کی قیمت ڈیڑھ شلنگ (۱۸؎) لگا دیگئی۔ مرغ

سے ایسے کئی ٹکڑے نکل سکتے ہیں۔ یہاں سے بس پر سوار ہوکر چیرنگ کراس کو گیا۔ راستہ پوچھکر انڈیا آفس میں پہنچا۔ ایک دربان نے مجھے دوسری منزل میں لیجاکر ایک شخص کو کہا جو لفٹ میں بٹھاکر مجھے چوتھی منزل پر لے گیا۔ مسٹر اینڈروز نے جس مسٹر روز کے نام کارڈ دیا تھا۔ اس کے دفتر سے معلوم ہوا کہ وہ پیرس میں ہے۔ اور اس کی جگہ سر جارج برڈوڈ کام کرتے ہیں انکا اردلی میرا کام پوچھکر مجھے انڈیا آفس کی لائبریری میں لے گیا۔ یہ آفس جو اہل ہندوستان کی قسمتوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ بہت لمبا چوڑا ہے گورنمنٹ انگلستان کے تمام دوسرے آفس اور فارن آفس اسی سے ملے جلے ہیں یہ بلاک عالیشان عمارات کا دور تک چلا جاتا ہے۔ اس کی پشت پر ایک بہت بڑا مربع صحن ہے جس کی دوسری جانب فارن آفس تھا۔ اسکی دوسری یا تیسری منزل کی بلندی پر مختلف ممالک مقبوضہ انگلستان۔ اور خصوصاً ہندوستان کے باشندوں کے بُت قد آدم یا اُس سے بھی بڑے بنے ہوئے دیواروں کے ساتھ کھڑے ہیں جو چاروں طرف پچاس ساٹھ سے کم نہ ہونگے۔ اب تو یہ بھی عمارت کی طرح سیاہ ہو گئے ہیں لیکن جب بنے ہونگے بہت دلچسپ ہونگے۔ اِن دفاتر کے ہوس آف کامنز کے پہلو کی پیشانی پر بھی دیوار میں ریلیف کی قسم کے بہت سے الیگوریکل بت بنے ہوئے ہیں۔ غرض جب میں انڈیا آفس کی لائبریری میں پہنچا تو لائبریرین نے مجھے مطلوبہ رپورٹ نکال دی۔ اس وقت اتفاقاً لائبریرین ہندوستان کے دیسی اخبارات مدراس و بنگال کے ہفتہ وار مضامین کے کانفیڈنشل رپورٹیں رکھ رہا تھا۔ جب میں فارغ ہوکر واپس آیا تو اُسی اردلی نے مجھے راستہ نیچے تک دکھلا دیا۔ میں نے اُس کے ہاتھ میں چھ پنس کا سکہ رکھا تو وہ "تھینک یُو" کہکر لوٹ گیا۔ یہاں سے میں فارن آفس میں پہنچا۔ تاکہ ٹرکی جانے کے لئے پاسپورٹ لوں تو ایک اردلی نے ساتھ لیجاکر مجھے

پاسپورٹ دینے کا کمرہ دکھلایا۔ ان بڑی عمارتوں یا دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری آفسوں کے اردلی نہایں بڑی خواہش سے اُٹھکر راستہ بتلاتے ہیں۔ کیونکہ راستے اور کمرے عموماً پیچیدہ ہوتے ہیں۔ غالباً اس امید پر یہ اسقدر آمادگی ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں ٹپ ملیگا۔ جہاں ٹپ دینا مناسب ہو۔ اگر تم نہ دو تو غالباً یہ منہ سے تو نہیں بولتے مگر سخت معیوب سمجھتے ہیں۔ اور تم جنٹلمین نہیں سمجھے جاتے۔ کیونکہ ان مہذب ملکوں میں یہ انکا حق سمجھا گیا ہے۔ فارن آفس کے پاسپورٹ والے افسر نے کہا کہ میرا لاہور سے لیا ہوا پاسپورٹ صرف اس کام آسکتا ہے کہ کلکتہ یا بمبئی میں اُس کی مدد سے مجھے پاسپورٹ مل جاتا۔ جب مینے اُس کی پشت پر یہ لکھا ہوا دکھلا دیا کہ انڈیا آفس مجھے یوروپ کے کسی ملک میں جانے کے لئے پاسپورٹ دے سکتا ہے۔ تو اُس نے کہا کہ تم انڈیا آفس میں جاؤ۔ مسٹر ولیم کو یہ دکھلا دو تاکہ وہ دو چار لفظ لکھدیں کہ یہ دستخط کسی افسر کا اس کاغذ پر درست ہے تو میں فوراً تمہیں ایک پاسپورٹ بنا دونگا۔ مینے تامل کیا کہ اتنی دور جانا مشکل ہے۔ اُسنے کہا اسی احاطہ میں سامنے چلے جاؤ۔ انڈیا آفس ساتھ ہی ملحق ہے (میں پہلی دفعہ ایک دور کے راستہ سے اوپر سے چکر لگا کر آیا تھا) غرض میں پھر گیا۔ معلوم ہوا کہ مسٹر ولیم اس وقت کمیٹی میں مصروف ہیں۔ اُن کے اردلی نے کوشش کر کے وہیں پہنچکر مجھے ایک دو حرفی رقعہ لا دیا۔ کہ میں واقعی برٹش انڈین رعایا ہوں۔ افسوس ہے کہ میرے پاس اس وقت دوسرا چھ پنی کا سکہ نہ تھا۔ اس لئے مجھے مجبوراً اس شخص کو ایک شلنگ دینا پڑا۔ جو اُس نے تھینک یو کہکر لے لیا۔ چھ پینی میرے چھوٹے سکے نہ رکھنے کا جرمانہ بھی اور اس شخص نے مجھے اور بھی قریب کے راستہ سے فارن آفس کی طرف اُتار دیا کہ صرف صحن طے کر کے وہاں جا پہنچا۔ اور فارن آفس کے افسر نے واقعی دومنٹ میں پاسپورٹ لکھدیا۔ اور دو شلنگ فیس مانگ لی۔ اور مجھے

نہایت اہلیت اور ہمدردی سے پتہ بتلایا کہ کس پتہ سے میں ترکی کانسل کے پاس پہنچکر کس طرح اُس سے اس پاسپورٹ پر ویزا یعنے تصدیق کرالوں۔ یا اگر روس یا رومانیا میں جانا ہو تو وہاں کے کانسلوں مقیم لنڈن سے تصدیق کرالوں۔ اگر ہندوستان کے انگریز افسر بھی ہم لوگوں سے ایسی اہلیت اور شرافت کا برتاؤ کریں تو کیسی اچھی بات ہو۔ اس نے مجھے بیٹھنے کو کرسی دی۔ آتے جاتے ہاتھ ملایا۔ اور اٹھکر اٹلس سے میرا پیرس سے قسطنطنیہ تک کا راستہ دیکھا کہ کن کن ممالک سے ہوکر گذرتا ہے۔ یہاں سے لوٹ کر سٹرینڈ کے سرے پر پہنچا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں مسلمان ہوں۔ اور میرے ہاں کہنے پر السلام علیکم کہکر مصافحہ کیا۔ اُس نے بتلایا کہ میرا نام آل محمدؐ ہے۔ میں صوبجات متوسط (ہند) کے مقام منڈلا میں ڈپٹی کمشنر تھا۔ آگرہ کا باشندہ ہوں شروع میں کیمبرج میں تعلیم پائی تھی۔ اسلئے ہر پانچویں سال انگلستان کو آجاتا ہوں۔ اب انتظام قحط کے کام میں محنت بہت کی تھی۔ اس لئے بیمار ہوگیا تھا۔ اور اب نوکری سے قطع تعلق کرکے یہاں آیا ہوں۔ مسٹر آل محمدؐ نے کہا اگر تمہیں عذر نہ ہو۔ تو پاس ہی میرا کلب ہے۔ وہاں چلکر بیٹھیں۔ میں ساتھ ہولیا۔ اتنے میں ایک اور نوجوان ملا جسے مسٹر آل محمدؐ نے کہا یہ میرا چچیرا بھائی ہے جو بار میں تعلیم پاتا ہے۔ ہم سب نیشنل لبرل کلب میں پہنچے۔ کلب کی کتاب میں نام لکھکر لفٹ کے ذریعہ دوسری منزل میں گئے۔ بڑے بڑے گدوں کی آرام کرسیاں اور بہت سے کوچ پڑے تھے۔ جنپر کئی لوگ بیٹھے ہوئے چائے پینے یا اخبار پڑھنے یا اونگھنے میں مصروف تھے۔ مجھے تعجب ہوا کہ یہاں بھی بعض لوگوں کو دن میں اونگھنے کی فرصت مل جاتی ہے۔ یہاں ہمنے بھی چائے پی ...... دوران گفتگو میں میرے میزبان نے کہا کہ پیسہ اخبار تو بہت مشہور اخبار ہے۔ ایک وقت میرے برخلاف بھی اس میں چھپا تھا جبکہ میں ڈپٹی کمشنر

تھا۔ اور اُس کے چچیرے بھائی نے کہا کہ میں خود اِسے خرید اکرتا تھا۔ میں نے اجازت مانگی تو وہ خود نیچے تک ساتھ آکر چھوڑ گیا۔ یہاں سے میں پیدل فلیٹ سٹریٹ میں مسٹر جان گلبن کے دفتر میں پہنچا۔ اور اُس کے منیجر مسٹر لیور سے کاغذ کی قیمتیں دریافت کیں۔ اُس نے حساب کر کے بتلایا کہ انگلستان میں ۱۵½ پونڈ کے ریم سے باریک کاغذ تو بنتا ہی نہیں۔ اور جو بنتا ہے تو گراں بنتا ہے۔ کیونکہ اسپر زیادہ محنت خرچ ہوتی ہے۔ اور اس کاغذ کی قیمت پونے دو پنس فی پونڈ نٹ بتلائی۔ اس کے علاوہ ۲۵ شلنگ فی ٹن پیکنگ اور لنڈن میں جہاز پر بار کرنے کا خرچ بتلایا۔ اور خود ہی کہدیا کہ میں جانتا ہوں کہ وہی پورانی کہانی انگلستان میں مال کی گرانی کی دہرانی پڑے گی۔ مگر مال عمدہ ہوگا۔ صبح والے مسٹر ہکس نے اسے ٹیلیفون سے پہلے ہی میری نسبت خبر کر دی تھی۔ ٹیلیفون کتنے آرام کی چیز ہے۔ خصوصاً تجارت کے لئے تو ایک برکت ہے۔ یہاں مسٹر رڈی جے کیمر اینڈ کمپنی کے بلیک فرائیرس میں گیا۔ اور اُن سے لیتھوگراف چھاپنے کی مشینوں وغیرہ کے متعلق بات چیت کی ...... یہاں سے مسٹر ٹامس کک اینڈ سنز ٹورسٹ ایجنٹس کے دفتر سے اپنے خطوط لیکر بعض کا وہیں جواب بھی لکھا۔ اور اپنے ہوٹل کو لوٹتے ہوئے راستہ میں ویجیٹیرئین رسٹوران سے کھانا کھایا۔ قریب سوا گھنٹہ کے ہوٹل کے ریڈنگ روم میں بیٹھکر لنڈن کے پوسٹ آفس ڈائرکٹری سے کچھ پتے تلاش کیئے ...... تین لیڈیاں بھی اسی کمرہ میں بیٹھی اخبارات پڑھ رہی تھیں۔ جو پالٹکس کی ذرہ ذرہ بات سمجھتی تھیں۔ اور انٹرنیشنل لا پر خوب گفتگو کرتی تھیں۔ معلوم نہیں ہندوستان کے لوگ کب اخبارات اس دلچسپی سے پڑھنے لگیں گی۔ باہر سے واپس آنے پر اسی ...... (ایک ہندوستانی طالب علم) کا مجھے ایک رقعہ ملا۔ کہ جس نے پہلی ملاقات پر مجھ سے کچھ شلنگ قرض لئے تھے۔ وہ مجھے صبح سے چار مرتبہ یہاں دیکھ گیا ہے۔

اتنے میں وہ پھر آگیا۔ اور کہا کہ ابھی میرا خرچ گھر سے نہیں آیا۔ مجھے دو شلنگ اور دیدو۔ کچھ بحث کے بعد مجھے ماننا پڑا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے مجھے کہا کہ ابھی شام سے کیوں مکان پر پڑ رہے ہو۔ چلو لنڈن کی لائف دیکھو مگر میں نہ جا سکا۔ جب دوپہر کو میں انڈیا آفس سے واپس آ رہا تھا تو اُسی قطار دفاتر میں ایک سرکاری دفتر کے سامنے ایک دروازہ پر ایک اعلان حضور ملکہ معظمہ کی طرف سے چسپاں تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ اُن کی رعایائے انگلستان کسی ایسے ملک کو اسلحہ جنگ نہ بھیجا کرے جہاں وہی اسلحہ اُن کی رعایا یا فوج کے خلاف استعمال کئے جانے کا اندیشہ ہو۔ جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے۔ ورنہ جہاں گورنمنٹ ایسے اسلحہ کا بھیجا جانا مناسب نہ سمجھے گی۔ وہ رد کر دے گی۔ اس اعلان کے پاس دروازہ کے محراب میں ایک سپاہی پوری وردی پہنکر اور ہاتھ میں نیزہ تھامے گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے دروازہ پر اعلان چسپاں تھا۔ اور مسلح سوار اس کے پاس بُت کی طرح کھڑا تھا۔ معلوم نہیں یہ سوار اس شاہی اعلان کی عزت کے لئے یا اس دفتر کی خدمت کے لئے ڈیوٹی پر تعینات تھے۔ راستہ میں ایک مکان تعمیر ہوتا دیکھکر مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کے مکانات کی طرح یہاں مزدوروں کو چار پانچ منزلوں تک گو (پاڑ) پر مصالح لیکر نہیں چڑھنا پڑتا۔ گو یہاں بھی ایک مستقل قسم کی پاڑ باندھی جاتی ہے جو غالباً تعمیر شروع ہونے سے پہلے ہی بنائی جاتی ہے۔ لیکن پھر اُس کے اوپر کرین رکھکر ہر قسم کا مصالحہ اور اینٹیں اُٹھائی جاتی ہیں۔ جو بڑے آرام کی بات ہے۔ معمار بازار میں پہلے لکڑی کا پردہ بازار کی طرف سے اوٹ کے طور پر کھڑا کر لیتے ہیں۔ پھر اُس کے پیچھے کام شروع کرتے ہیں تاکہ راہ رو اُنہیں نہ دیکھ سکیں۔ سکٹ صاحب کے دفتر سے نکلکر مجھے پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی۔ سامنے زیر زمین لیو ٹوری ہے (یہاں کئی بازاروں کے چوکوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ

زیر زمین ٹٹیاں یا پیشاب خانے ہیں) یہاں پیشاب کے لئے ایک ہی قطار ٹٹیوں کی تھی۔ صرف بیچ میں چھوٹے چھوٹے پردے تھے یعنی سترگاہ تک کے۔ کمر کے اوپر سے سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ پہلے تو مجھے حجاب معلوم ہوا۔ لیکن جب ہر شخص ایک ہی بات کرتا ہو تو کسی کی بات نرالی نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ پاخانہ کی ٹٹیاں بند دروازہ کے اندر ہیں۔ ان پیشاب کی ٹٹیوں پر ہر وقت پانی گرتا رہتا ہے۔ جس سے عفونت بالکل پیدا نہیں ہوتی۔ پیرس میں پیشاب کے لئے سر بازار چھوٹے چھوٹے خوبصورت آہنی پنجرے بنے ہوئے ہیں۔ جنہیں وہاں کو شکٹ کہتے ہیں۔ یہاں پردہ کا بہتر انتظام ہے۔ ایک ستون کے گرد پانچ چھ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کر سکتے ہیں۔ ایسے طور پر کہ ہر دو شخصوں کے درمیان ایک آہنی پردہ حائل ہوتا ہے۔ جس سے کسی کو دوسرا نظر نہیں آتا۔ اور نہ کپڑے پر پیشاب کی چھینٹیں پڑتی ہیں۔ ان میں بھی ہر وقت پانی چھڑتا رہتا ہے۔ اور نیز انکے اندر خفیہ امراض اور قوت وغیرہ کے اشتہار چسپاں رہتے ہیں۔ لنڈن کی ٹٹیوں میں ایسے اشتہار نہیں تھے۔

انگلستان میں تعلیم

نمائش پیرس کے لئے انگلستان نے جو رائل کمشن مقرر کیا تھا۔ اور اس کے صیغہ تعلیم کی سب کمیٹی نے تعلیم انگلستان پر ایک جامع رپورٹ لکھی تھی۔ اُس میں سے میں کسیقدر تفصیل کے ساتھ ذیل میں انگلستان کے ادنے اعلےٰ اور ٹکنیکل وغیرہ اقسام تعلیم کی کیفیت درج کرتا ہوں۔ گو یہاں یہ حالات طویل معلوم ہونگے لیکن فائدہ سے خالی نہیں۔ واضح رہے کہ انگلستان بھی یورپ کے اُن ممالک میں شامل ہے کہ جہاں بچوں کی جبری یا لازمی تعلیم کا قانون جاری ہے۔ اور واقعی آج جو ملک تہذیب اور شائستگی میں ترقی کرنا چاہے۔ اُسے جبری تعلیم کے سوائے چارہ نہیں۔ چنانچہ لنڈن میں تعلیم کا انتظام جب سکول بورڈ کے

ہاتھ میں ہے۔ اُسے اتنے بڑے شہر کے لاکھوں بچوں کی تعلیم کے لئے بہت بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سے بارہ سال تک یا بعض حالتوں میں چودہ سال کی عمر سے چھوٹا کوئی لڑکا یا لڑکی تعلیم سے محروم نہیں رہ سکتی۔ قانوناً اِن سے ابتدائی تعلیم کے لئے کوئی فیس بھی نہیں لیجاتی۔ کیونکہ ابتدائی تعلیم ہر فرد رعایا کو مفت بہم پہنچانا گورنمنٹ کا فرض سمجھا گیا ہے۔ بلکہ انگلستان میں تو یہ مسئلہ بھی آجکل درپیش ہے کہ غریب لوگوں کے بچوں کو کہ جنہیں پیٹ بھر کر کھانا والدین نہیں دے سکتے۔ سکول کے وقت میں کھانا بھی سرکار کی طرف سے ملنا چاہئے۔ حقیقت میں وہاں اس اصول پر حکومت کی جاتی ہے کہ رعایا خود اپنی بادشاہ ہے۔ اور ٹکس دینے والے اپنی آپ خود حکومت کرتی ہے۔ یعنے حکومت کے مختلف کاموں کے انتظام کے لئے وہ لوگ مختلف اوصاف کے ممبر منتخب کرتے ہیں۔ اور وہ ممبر اپنے منتخب کرنے والوں اور دوسرے اہل ملک کی سہولیت اور رفاہ کو مدنظر رکھکر انتظام حکومت کرتے ہیں۔ ورنہ مفلس بچوں کو سکول میں کھانا دینے یا ملک کے محتاجوں یا ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لئے جو اپنا انتظام خود نہیں کرسکتے ورک ہوس بنانے یا اُنہیں سرکاری خزانہ سے پنشنیں دینے کی تجویز کرنے کے اور کیا معنے ہو سکتے ہیں۔

ایلمنٹری یا ابتدائی تعلیم

بہرحال لنڈن سکول بورڈ کے ماتحت سکولوں میں ۱۸۹۹ء میں ساڑھے چار لاکھ کے قریب بچے پڑھتے تھے۔ اور قریب تین لاکھ کے بچے لنڈن کے دوسرے سکولوں میں تعلیم پاتے تھے۔ کیونکہ اب تک اُن والنٹری یعنے پرائیویٹ سکولوں سے کچھ مدرسے چلے آتے ہیں جو سکول بورڈ قائم ہونے سے پہلے جاری تھے۔ اور اب تک سکول بورڈوں کے مدارس کی طرح اُن کے خرچ کا کچھ حصہ بھی شاہی خزانہ سے ملتا ہے۔ سکول بورڈ کو اہل شہر کی تعلیم کے لئے ایک قسم کا ریٹ یا ٹکس وصول کرنے کا اختیار

ہے۔ جو سنہ ۱۸۹۹ء میں شہر لنڈن سے ساڑھے بیس لاکھ پونڈ یا پونے چار کروڑ ہندوستانی روپیہ کے قریب وصول ہوا تھا۔ سکول بورڈ نے اپنے زمانہ قیام سنہ ۱۸۷۰ء سے لیکر سنہ ۱۹۰۰ء تک قریب پانسو کے نئے مدرسے لنڈن میں قائم کئے۔ اور ان مدرسوں میں صرف ساتویں سٹینڈرڈ (جماعت) تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اور چودہ سال سے کم عمر کا کوئی لڑکا جب تک کہ وہ ساتواں سٹینڈرڈ پاس نہ کرلے لنڈن میں فارغ نہیں رہ سکتا۔ انفنٹ کلاسوں میں تین سے سات سال تک کے بچے تعلیم پاتے ہیں۔ جنہیں کنڈر گارٹن کے اصولوں پر تعلیم دی جاتی ہے۔ اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ اسباق الاشیا کے ساتھ گانا اور جسمانی ورزش بھی سکھلائے جاتی ہے۔ اور لڑکیوں کے سوائے چھوٹے لڑکوں کو بھی سوزن کاری کا کام سکھلایا جاتا ہے۔ اور ورزش لازمی ہے۔ ان سے بڑے لڑکوں کو انگریزی زبان کا لکھنا پڑھنا۔ حساب نقشہ کشی (لڑکوں کو) اور سلائی (لڑکیوں کو) جغرافیہ (معہ اسباق الاشیا) تاریخ۔ گانا۔ جسمانی ورزش اور کوئی زائد مضمون مثل الجبرا (لڑکوں کو) اور امور خانہ داری (لڑکیوں کو) یا فرنچ جرمن اقلیدس شارٹ ہینڈ وغیرہ بھی بشرطیکہ مدرسہ میں سکھلانے کا انتظام ہو۔ انگلستان کے ان ابتدائی مدارس میں سنہ ۱۹۰۰ء میں (۳۲۳۷۲) مرد (۳۶۱۳۹) عورتیں نائب مدرس تھیں کہ جنہوں نے ایک ادنےٰ امتحان پاس کیا تھا۔ ان کے علاوہ (۱۵۴۷۶) زائد اُستانیاں تھیں کہ جنہوں نے کوئی امتحان تو پاس نہیں کیا تھا۔ مگر انسپکٹر نے انہیں منظور کیا ہوا ہے (۴۹۰۲) لڑکے اور (۲۲۵۷۸) لڑکیاں پیُوپل ٹیچر۔ اور (۴۹۸) لڑکے اور (۱۸۷۹) لڑکیاں پروبیشنر تھیں۔ ان اعداد سے نمایاں ہے کہ انگلستان کی ابتدائی تعلیم میں بجائے اُستادوں کے اُستانیوں سے کس قدر کام لیا جاتا ہے۔ اور واضح رہے کہ دن بدن اُستانیوں کی تعداد اُستادوں کی نسبت بڑھ رہی ہے۔

سیکنڈری تعلیم

سکول بورڈ نے اپنی ایلیمنٹری سکولوں کے ساتھ ہائر گریڈ سکول بھی قائم کئے ہیں۔ کہ جہاں لڑکے تھوڑی سی فیس دیکر وسطی درجہ کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں جو ہندوستان کے ہائی سکولوں کے برابر مگر اُن سے اچھی ہوتی ہے۔ بورڈ سکولوں سے فارغ ہوکر ہزاروں لڑکے تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اور اُن کے والدین کو روٹی کمانے کی فکر دامنگیر ہوتی ہے مگر چونکہ اِن لوگوں کی تعلیم بہت ادھوری ہوتی ہے۔ اس لئے اُن کی تعلیم کو ترقی دینے کے لئے شہر لنڈن میں جا بجا "کونٹی نو ایشن کلاسز" دن کے مختلف اوقات میں یا شام کو کھلتی ہیں۔ لنڈن سکول بورڈ کی ایوننگ "کونٹی نو ایشن کلاسز" کے علاوہ ٹکنیکل ایجوکیشن کمیٹی کی جماعتیں بھی کھلی ہوئی ہیں۔ جو کونٹی کونسل کی مدد سے چلتے ہیں۔ اِن کے علاوہ کئی ایک پالی ٹکنکس ہیں کہ جن میں نقشہ کشی کمسٹری دھاتوں کے کام۔ کئی ایک آرٹ اور سائنس اور غیر زبانیں سکھلائی جاتی ہیں۔ اِن میں سے چند بڑے بڑے یہ ہیں۔ ریجنٹ سٹریٹ پالی ٹکنکس۔ بارورو ڈپالی ٹکنک۔ ساؤتھ ویسٹرن پالی ٹکنک اور برک بک انسٹی ٹیوشن ہیں۔ اِن مدارس سے زیادہ تر غرض یہ ہے کہ جو لڑکے دن بھر باقاعدہ تعلیم نہیں پا سکتے۔ وہ یہاں کے تجربہ کار اُستادوں اور قیمتی آلات کی مدد سے آئندہ زندگی کے لئے بہت سے پہلوؤں میں اپنی علمی اور دستکاری کی استعداد بڑھا سکتے ہیں۔ سیکنڈری تعلیم کے متعلق اہل انگلستان کی بڑی خواہش خواہ مذہبی تعلیم کے خیال سے یا ذاتی آزادی کے لحاظ سے ہمیشہ یہ رہی ہے کہ پبلک تعلیم کا انتظام سرکار کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔ سیکنڈری سکول زیادہ تر اوقاف اور عطیات پر قائم ہیں۔ اِن میں سے بعض تو بہت قدیم اور بڑے بڑے دولت مند ہیں اور بعض کا گذارہ بمشکل چلتا ہے۔ خصوصاً جن بعض کے اخراجات کا بعض اراضیوں کی آمدنی پر گذارہ ہے۔ انہیں خشک سالی کے زمانوں میں بہت تکلیف

ہوتی ہے۔ بعض شرائط کے ساتھ ان مدارس کو سرکاری امداد بھی ملتی ہے۔ مثلاً اگر یہ سائنس کی تعلیم کا سامان بہم پہنچائیں۔ اور لیبوریٹریاں قائم کرلیں تو گورنمنٹ کا سائنس و آرٹس ڈیپارٹمنٹ انہیں مدد دیتا ہے۔ یا اگر کچھ ٹکنیکل تعلیم کا انتظام کریں تو کونٹی کونسلیں ٹکنیکل تعلیم کے ماتحت مدد کردیتی ہیں۔ انگلستان میں بڑے بڑے نامور پبلک سکول کہ جن میں سیکنڈری تعلیم دی جاتی ہے۔ ہیرو۔ ونچیسٹر۔ ویسٹ منسٹر۔ چارٹر ہوس۔ رگبی۔ سٹی آف لنڈن سکول۔ گریسٹ ہاسپٹل وغیرہ ہیں۔ جن میں ونچیسٹر سنہ ۱۳۸۲ء سے جاری ہے۔ اور سینٹ پال سنہ ۱۵۰۹ء سے ہے۔ اور کون دوسرا ملک ہے جو اتنی پرانی مگر اعلیٰ پایہ کی تعلیم گاہیں دکھلا سکتا ہے۔ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹیاں تیرھویں صدی سے قائم ہیں۔

اعلیٰ تعلیم انگلستان میں اعلیٰ ترین تعلیم کے دونوں مرکز آکسفورڈ اور کیمبرج ہیں۔ پہلے کے ساتھ ۲۲ کالج و ہال علاوہ ۴ پرائیویٹ ہالوں کے اور دوسرے کے ساتھ ۱۷ کالج اور ایک ہوسٹل متعلق ہے۔ یونیورسٹی آف ڈرہم سنہ ۱۸۳۱ء سے قائم ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک کالج آف میڈیسن اور سنہ ۱۸۷۱ء سے نیوکاسل میں ایک کالج آف سائنس متعلق ہے۔ لنڈن یونیورسٹی گو سنہ ۱۸۳۶ء سے قائم ہے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۰ء سے اس نے علاوہ امتحان لینے کے تعلیم دینے کا کام بھی شروع کیا ہے۔ اور اس میں ۲۵ کالج یا سکول شامل ہوگئے ہیں جو آٹھ فیکلٹیوں میں تعلیم دیتی ہے۔ وکٹوریا یونیورسٹی سنہ ۱۸۸۰ء میں قائم ہوئی۔ برمنگھم یونیورسٹی سنہ ۱۹۰۰ء میں لیورپول یونیورسٹی سنہ ۱۹۰۳ء میں اور لیڈس یونیورسٹی سنہ ۱۹۰۴ء میں شفیلڈ میں بھی ایک یونیورسٹی قائم کرنے کی تیاری ہے۔ یونیورسٹی آف ویلز جو سنہ ۱۸۹۳ء میں قائم ہوئی۔ اس کے ساتھ تین کالج ہیں۔ سکاٹلینڈ میں چار یونیورسٹیاں ہیں۔ گلاسگو میں سینٹ اینڈروز سنہ ۱۴۵۰ء میں قائم ہوئی۔ ایبرڈین میں

سنہ ۱۴۹۴ء میں۔ ایڈنبرگ میں سنہ ۱۵۹۲ء میں۔ کارنیگی ٹرسٹ سنہ ۱۹۰۱ء میں ۱۰ لاکھ پونڈ کے سرمایہ سے قائم ہوا جس کی غرض سکاٹلینڈ میں یونیورسٹی کی تعلیم کو ترقی دینا ہے۔ اس کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ پونڈ ہے۔ اور سنہ ۴-۱۹۰۳ء کے سرما میں اس نے (۳۰۲۰) طلبا کی فیس (۳۰۵۱۱) پونڈ ادا کی۔ آئرلینڈ میں ڈبلن یونیورسٹی سنہ ۱۵۹۱ء میں قائم ہوئی۔ اور رائل یونیورسٹی آف آئرلینڈ سنہ ۱۸۸۰ء میں جس ملک کی کل آبادی چار کروڑ ہے۔ اس میں اعلٰے تعلیم کا اس قدر انتظام ہے۔ تو کیا تیس کروڑ ہندوستانیوں کے لئے بھی پانچ یونیورسٹیاں کافی ہیں۔ اور اگر ایک دو ڈی نامی نیشنل یونیورسٹیاں اور قائم ہو جائیں تو کونسی بات ہے۔

زنانہ تعلیم

سنہ ۱۸۶۹ء سے پہلے انگلستان میں لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بہت ناکافی تھا۔ اُس وقت سے لیکر سنہ ۱۹۰۰ء تک اسّی سکول چیریٹی کمشنروں نے تمام ملک میں قائم کئے۔ گرلس پبلک ڈے سکول کمیٹی نے جو سنہ ۱۸۷۲ء میں قائم ہوئی تھی۔ وومنس ایجوکیشن یونین کی امداد سے سنہ ۱۹۰۰ء تک ۳۳ سکول قائم کر لئے تھے۔ اور جبکہ آکسفورڈ میں سنہ ۱۸۸۴ء سے اور کیمبرج میں سنہ ۱۸۸۱ء سے اور نیز لنڈن اور وکٹوریا یونیورسٹیوں میں لڑکیوں کو ڈگری کے امتحانات میں شامل کرنا منظور کیا گیا ہے۔ اعلٰے تعلیم نسواں کو انگلستان میں بہت ترقی ہوئی ہے۔

ٹکنیکل تعلیم

سنہ ۱۸۸۹ء سے پہلے انگلستان میں ٹکنیکل تعلیم کی حالت نہایت پست تھی۔ اس وقت ملک کے دور اندیش لوگوں نے محسوس کیا۔ کہ دستکاری اور صنعت وحرفت میں غیر قوموں کا مقابلہ بہت سخت ہو گیا ہے۔ اور ٹکنیکل تعلیم کا ایکٹ پاس ہوا۔ اس میں ٹکنیکل تعلیم کی تعریف اس طرح کی گئی تھی۔ "سائنس اور آرٹ کے اصولوں کی تعلیم جو دستکاریوں کے حق میں مفید ہو۔ اور سائنس اور آرٹ کی خاص شاخیں جو خاص

خاص دستکاریوں اور حرفتوں کے لئے مفید ہوں"۔ چنانچہ گورنمنٹ کی سررشتہ سائنس و آرٹ نے اس تعریف میں سوائے علمی زبانوں کے اور تمام حرفتوں اور پیشوں کی تعلیم شامل کرلی ہے۔ غرض اس ایکٹ کے مطابق تمام انگلستان کی کونٹی اور بورڈ کونسلوں نے گورنمنٹ کی سررشتہ سائنس و آرٹ کے ماتحت ٹکنیکل تعلیم کی کمیٹیاں قائم کرلیں ۔ ۱۸۹۸ء تک ۶۱ کونٹی بورڈوں میں سے ۴۶ نے اپنے یہاں ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کر لئے۔ ان میں سے تیس کونٹیوں نے (۱۵۰) ایسے سکول اپنے یہاں جاری کئے۔ صرف اس سال تک لنکے شائر میں (۱۹) اور یارک شائر میں (۱۷) قائم ہو گئے یا ہو رہے تھے۔ اس لئے اسی ایکٹ کے رو سے (۲۱۵) سیکنڈری سکولوں نے سائنس کی تعلیم کا انتظام کر لیا۔ اور اسی قدر فزیکل اور کیمیکل لیبورٹریاں قائم کرلیں اور ۷۷ ورکشاپ دستکاری کی تعلیم کے لئے تیار ہو گئے۔ ان کے علاوہ (۸۱) نئے سیکنڈری ہائے گریڈ سکول سائنس کی ضروری شاخوں کی تعلیم کے لئے قائم ہو گئے۔ جن پر (۷۹۴۴۴۶۷) پونڈ خرچ پڑا۔ جس میں سے اڑھائی لاکھ پونڈ صرف لنڈن نے خرچ کیا۔ لنڈن میں ٹکنیکل تعلیم صرف پالی ٹکنکس سکولوں کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ کہ جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ حسب ذیل آٹھ سکول ہیں۔ بیٹرسی۔ بارورو ڈسٹی (برک بیک انسٹی ٹیوشن اینڈ سٹی آف لنڈن کالج) ناروڈن۔ ریجنٹ سٹریٹ۔ ساؤتھ ویسٹرن۔ دولیچ اور نارتھیمپٹن انسٹی ٹیوٹ۔ ان میں سے اکثروں میں ڈے سکول بھی جاری ہیں۔ لیکن عموماً شام کی کلاسیں زیادہ تر مختلف پیشے اور حرفے سکھلانے کا کام کرتی ہیں۔ بارورو ڈ پالی ٹکنک میں ۱۸۹۸ء میں نیشنل سکول آف بیکری (طباخی) اور ریجنٹ سٹریٹ پالی ٹکنک میں گاڑیاں بنانے کا ڈے سکول قائم ہوا۔ کسی میں فزیکل ڈیپارٹمنٹ کسی میں مکینیکل انجینئرنگ الکٹرو کمسٹری میٹلرجی۔ ڈومسٹک اکانومی وغیرہ کے کورس سکھلائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی چھوٹے

آرٹ سکول اور ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ ہیں۔ تعمیرات کے پیشہ کی مختلف شاخوں میں اسقدر ترقی ہو رہی ہے کہ صرف ۹۸-۱۸۹۷ء میں گولڈسمتھن انسٹی ٹیوٹ اور ایسٹ لنڈن ٹکنیکل کالج (پیپلس پیلیس) کے علاوہ صرف پالی ٹکنک سکولوں میں بائیس سو طلبا نے بحساب دو گھنٹے روزانہ کے یہ کام سیکھے۔ اور مندرجہ بالا دونوں مدارس میں اور پانچ سو طلبا نے بھی پیشے سیکھے۔ واضح رہے کہ "تعمیرات" میں نجاری۔ معماری۔ سنگ تراشی۔ آہنی نلکے لگانا پلاسٹر کرنا۔ نقاشی رنگ سازی سب کام شامل ہیں۔ صرف ۱۸۹۶ء میں چالیس ہزار پونڈ وظائف صنعت و حرفت کی تعلیم کیلئے شوق دلانے کیواسطے بتفصیل ذیل خرچ کئے گئے:-

۲۰۰۰- ابتدائی اضلاع کے وظائف
۷۰۰- وسطی اضلاع کے وظائف
۵۰- سینئر اضلاع کے وظائف
۴۰- سکول آف آرٹس کے وظائف
۱۰۰- جونیر دستکاروں کے شام کی جماعتوں کے وظیفے۔
۱۲۰- شام کے وظائف سائنس اور ٹکنالوجی میں۔
۲- باغبانی کے وظیفے
۳- ابتدائی عملی باغبانی کے وظائف
۹- ڈومسٹک ایکانومی کی تربیت کے وظیفے
۵۵۴- جونیئر ڈومسٹک ایکانومی کی تربیت کے وظیفے۔

کئی ایک کالجوں میں اعلےٰ ٹکنیکل تعلیم کے شعبے قائم ہیں۔ زراعت کی تعلیم کے لئے کالج اور جماعتیں مخصوص ہیں۔ کہ جن کی تفصیل کی گنجائش نہیں علاوہ بہت سے ٹکنیکل مدارس کے لنڈن میں سب سے بڑا ٹکنیکل کالج سٹی اینڈ گلڈس لنڈن انسٹی ٹیوٹ ہے۔ اس کے سنٹرل ٹکنیکل کالج کے

علاوہ ایک ٹکنیکل کالج میں ۲۵ پروفیسر اور (۳۵۷) طلباؤں کے لئے (۵۲۵) شام کے ہیں۔ اور سکول آف ٹکنیکل آرٹس میں ۵ مدرس اور (۱۲۵) طلبا۔ لیدر (چمڑے کے) ٹریڈس سکول میں ۱۶ مدرس اور (۱۲۰۰) طلبا۔ سنہ ۹۹-۱۸۹۸ء میں ٹکنیکل امتحانات کے نتائج پر اس کالج نے (۲۶۳) انعام تقسیم کئے تھے (۱۰۶) چاندی کے اور (۱۵۷) برنجی تمغے۔ (۴۸۲) پونڈ کے نقد انعام۔ اس سے ظاہر ہے کہ کس کوشش اور جدوجہد سے انگلستان اپنی ٹکنیکل تعلیم کی کمی پوری کر رہا ہے۔ اور ابھی لارڈ روزبری چاہتے ہیں کہ برلن کے عظیم الشان پالی ٹکنیکم کے نمونہ پر انگلستان میں ایک کالج بنانا ضروری ہے۔

لنڈن سے واپسی اور پیرس سے قسطنطنیہ تک

درقبضہ سعی ست کلید در روزی	شیر از کشش طفل زپستان بدر آمد
جہد کن تا نور تو رخشاں شود	تا سلوک و خدمتت آساں شود
ہیچو آہن آہن بدرنگ شو	در ریاضت آئینہ بےزنگ شو
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید	ہر کہ جہدے کرد در صدے رسید

(مولوی روم)

سچ ہے العبدُ یدبّرُ واللہ یُقدِرُ۔ ابھی لنڈن میں بعض مقامات مثل پارلیمنٹ وغیرہ کا دیکھنا اور بعض اشخاص سے ملاقات کرنا باقی تھا بلکہ بعض سے دعوتوں اور ملاقاتوں کی قرارادیں ہو چکی تھیں کہ یکایک کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ میں نے لنڈن سے واپس چلے جانے کا ارادہ

کر لیا۔ کچھ دکانوں سے مینے دو تین بکس کتابوں کے خریدے تھے۔ یہ کام مینے اپنے ایجنٹ کو سپرد کر دیا کہ وہ کتابیں جمع کر کے لاہور کو روانہ کر دے اور میں ۲۷۔ اگست ۱۹۰۷ء کی شام کو ہوٹل کا بل ادا کر کے اور ہوٹل کے بعض ملازموں کو کچھ انعام دیکر وکٹوریہ سٹیشن سے ریل پر سوار ہو گیا بوجہ نمائش پیرس ہجوم بہت تھا۔ یہ لوگ کس قدر سفر کرتے ہیں۔ عورتیں مردوں سے کم تفریحی سفر نہیں کرتیں۔ اور اس لئے سٹیشنوں اور بازاروں کے ہجوم میں مرد اور عورتیں بخلاف بلاد مشرق بالکل مخلوط ہوتی ہیں۔ میں ابھی گاڑی سے باہر کھڑا تھا کہ دو نوجوانوں نے مجھ سے پوچھا تم عربی بول سکتے ہو۔ مینے کہا کسیقدر۔ انہوں نے کہا یہ بوڑھیا لیڈی جو ہمارے ساتھ ہے سوائے عربی کے کوئی زبان بول نہیں سکتی۔ اور اب پیرس کو جا رہی ہے۔ ذرا اسے جہاز پر سوار کرا دینا اور اُتار لینا۔ مینے امداد کا وعدہ کر لیا۔ جب انگلش چینل پر پہنچے تو میں اُسے ساتھ لیکر کشتی پر گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوجہ پیچھے رہ جانے کے مجھے جہاز پر بیٹھنے کو جگہ نہ ملی۔

قے کرنے والوں کا عجیب نظارہ

سمندر آج بہت متلاطم تھا۔ اور ایسی حالت میں جو جہاز میں لیٹ جاتے ہیں وہ قے کم کرتے ہیں۔ مگر اس وقت کم و بیش سب لوگ قے کر رہے تھے۔ مینے بھی دو تین مرتبہ قے کی۔ یہ عجیب وقت تھا۔ گرد و پیش ہر طرف سے قے کی صدا آ رہی تھی۔ جہاز کا سٹیورڈ ہر شخص کو قے کرنے کے برتن لا لا کر دیتا جاتا تھا۔ مینے تختہ جہاز پر قے کر دی۔ جس پر اُس نے قے پر تولیا ڈال دیا۔ اور بڑبڑاتا ہوا میرے لئے بھی ایک برتن اُٹھا لایا۔ ۲۸ کی صبح کو تین بجے جہاز نے لنگر کیا۔ اور ہم فرانس کی سرزمین پر اُتر پڑے۔ ساڑھے سات بجے ریل پیرس پہنچی۔ کسٹم والوں نے اسباب کا معائنہ کیا۔ میرے ایک فولادی ٹرنک کا کہ جسے لنڈن سے بُک کرا دیا تھا۔ تالا ٹوٹا ہوا اور رسوں سے باندھا

ہوا ملا۔ لیکن اُس میں سے کچھ نقصان نہیں ہوا تھا۔ سٹیشن سے گاڑی لیکر سیدھا مصطفیٰ خلیل آفندی کے مکان واقعہ "سکے سینٹ مچل" پر پہنچا۔ کیونکہ اُس نے پچھلی دفعہ کہا تھا کہ اگر تم میرے قریب کے کسی ہوٹل میں ٹھیرتے تو تمہیں سہولیت ہوتی۔ پھر مسٹر مٹین سے ملاقات کی۔ اور اُسکے بعد دن بھر ملنے نمائش پیرس کے بعض حصوں کی سیر میں صرف کیا۔ پیر

نمائش پیرس پر ایک آخری نظر

لنڈن میں ایک ماہ کے قیام میں ہندوستان کی تماشہ والی کمپنی پیرس سے کام بند کر کے چلی گئی تھی۔ سب پہلوان اور تماشہ گر لوٹ گئے تھے۔ میں لوہے معدنیات کان کنی کی کلوں جوتے بنانے۔ کپڑے سینے۔ کپڑے سے مصنوعی پھول بنانے والی اور انواع اقسام کی مشینوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ ایسی ایسی عجیب محنت بچانے والی کلیں تھیں کہ ایک جگہ صرف مشینوں کی مدد سے چند منٹ میں مکمل بوٹ سی لیا جاتا تھا۔ آٹھ دس کلیں ایک حلقہ میں لگی تھیں۔ تماشائی ہیں اپنا نام دیتے تھے۔ اور کاریگر چند منٹ میں باری باری سے اُن کلوں پر بوٹ مکمل کر کے اُن کے حوالہ کر دیتے تھے۔ اور قیمت لے لیتے تھے۔ درزیوں کے ایک کارخانہ نے لیڈیوں کے مومی بتوں کو نہایت خوشنما پوشاکیں پہنا کر برقی روشنی میں انکا ایک بازار بنا دیا تھا کہ ہزاروں لوگ اسپر گرے پڑتے تھے اور مومی بتوں پر جاندار ہونے کا یقین آجاتا تھا۔ ایک جگہ ایک چاکولیٹ بنانے کے کارخانہ نے اپنے کام کرنے کا نمونہ دکھلایا۔ جسکے تمام عمل میں کہیں چاکولیٹ کو ہاتھ نہیں لگانا پڑتا تھا۔ سب کام مشین سے خود بخود ہوتا جاتا تھا۔ شام کو مصطفیٰ خلیل آفندی کے ساتھ ملکر کھانا کھانے کا وعدہ تھا۔ سٹیمر پر بیٹھکر عین وقت پر جا پہنچا۔ سٹیمر پیرس میں سب سے ارزاں سواری ہے۔ دس سنٹیم یعنے دو پیسے دیکر جتنی دور چاہو دریا کے رخ چلے جاؤ۔ کھانا کھا کر گاڑی منگائی اور اپنا اسباب قریب کے ایا۔

ہوٹل میں لے گیا۔ دو فرانک گاڑی والے کو دیئے۔ شہر کے اندر خواہ پانچ میل گاڑی لے جاؤ اور خواہ دس قدم اتنا ہی کرایہ دینا پڑتا ہے۔

۲۹۔ اگست۔ آج پہلے مصطفیٰ خلیل آفندی کے ہمراہ ایک نوجوان ترک سے قسطنطنیہ کے لئے معرفت کے خطوط لینے گئے۔ راستہ میں ایک نیوز ایجنٹ کی دوکان سے قریب ایک درجن کے فرانسیسی زبان کے مختلف رنگین چھپنے والے مذاقی اخباروں کے پرچے خریدے۔ یہاں کارٹونوں والے رنگین اخباروں کی بڑی کثرت ہے۔ جس سے زندہ دل فرانسیسیوں کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے۔ اور ٹامس کک کے دفتر سے آئندہ سفر کرنے کے لئے ٹکٹ خریدنے کو چلا گیا۔

راستے کا فیصلہ پہلے تو ارادہ تھا کہ پیرس سے براہ ریل مارسیلز تک جا کر براہ جہاز نیپلز اور وہاں سے یونان اور قسطنطنیہ کو جاؤں۔ لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ پیرس سے براہ ریل روم و نیپلز اور وہاں سے برنڈسی تک جا سکتے ہیں۔ مگر آگے ایسا جہاز ملیگا جو ہفتہ میں صرف دو مرتبہ ایتھنز تک جاتا ہے۔ وہاں سے پھر جہاز ملیگا۔ جو ہفتہ میں دو بار قسطنطنیہ کو جاتا ہے اس راستہ کا کرایہ (۳۵۳) فرانک اور تخمیناً دس گیارہ روز راستہ میں خرچ ہونگے۔ دوسرا راستہ براہ ریل پیرس سے میونک وسٹراس برگ دویانا وبیڈواپسٹ وبلگریڈ وصوفیا و ایڈریانوپل سے قسطنطنیہ تک ہے۔ اس میں صرف چار روز لگتے ہیں اور کرایہ بھی صرف (۱۹۷) فرانک دوم درجہ کا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ابھی پرسوں شب کا انگلش چینل میں بار بار جہاز میں قے کرنا بھی فراموش نہ ہوا تھا۔ قطع نظر اسکے یونان اور اٹلی کی زبانوں کی قطعی ناواقفیت نے بھی مجھے اودھر جانے روکا۔ جس قدر تجربہ آجتک غیر ممالک میں جانے کا مجھے ہوا ہے۔ اُس سے اتنا تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ جن ممالک کی زبانوں سے تم بالکل ناآشنا ہو۔ وہاں کی سیاحت سے

تم بہت کم نفع حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارا حصر دوسروں کے رحم اور مہربانی پر ہوتا ہے اور ذرہ ذرہ سی بات دریافت کرنے کے تم محتاج ہوتے ہو۔ اسی سفر میں مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ باوجود منہ میں زبان رکھنے کے تمہاری زبان تمہیں مدد نہیں دے سکتی۔ اور تم اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے شخص سے کوئی ضروری سے ضروری بات بھی دریافت نہیں کر سکتے۔ ہر چند کہ وہ بھی بول سکتا ہے لیکن تم دونوں ایک دوسرے کی زبان سے آشنا نہیں۔ حال میں پیرس سے لے کر ویانا تک ایک ہی کمرہ میں میرے ساتھ چار روسی زن و مرد سفر کر رہے تھے۔ جو نمائش پیرس سے واپس جا رہے تھے۔ ان میں سے صرف ایک تھوڑی تھوڑی فرانسیسی بول سکتا تھا۔ جس سے کبھی کوئی بات ہو جاتی۔ مگر باقیوں سے ۳۲ گھنٹے کے سفر میں ایک بات نہ ہوئی۔ غرض مطلب قسطنطنیہ دیکھنے کے لئے یہ راستہ اختیار کیا۔ اگر ہندوستان سے آتے ہوئے قرنطینہ کی مصیبت نہ ہوتی۔ اور میں مصر اور قسطنطنیہ دیکھ کر یورپ کو آتا۔ تو یقیناً براہ امریکہ و جاپان و چین ہندوستان کو واپس جاتا اور وہی خرچ پڑتا۔ جو اب اس راستہ میں پڑے گا۔

غرض میں نے قسطنطنیہ تک سیدھے ریل کے راستہ کا اور ٹینٹ الکپس پیرکا ٹکٹ لے لیا۔ اور پھر لائبریری فلے ماریان اے ویلانٹ سے مرتبہ کی قسطنطنیہ کی ہینڈ بک ساڑھے سات شلنگ کو اور ایک فرانسیسی ڈکشنری خریدی۔ فلے ماریان کی دوکان کتب بھی عجیب دوکان ہے۔ ایک چھوٹے سے متاثت بلاک کے تینوں طرف بھی کتابوں کی دوکان ہے۔ اور اوجہ ارزاں فروشی کے اسپر ایسی گاہکی پڑتی ہے۔ جیسے کہ ریل کے ٹکٹ بکتے ہیں۔ یہاں سے پلاس ڈالا ایتوال کے قریب ترکی سفارت خانہ میں پاسپورٹ پر دستخط کرانے گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ اس کام کے لئے ترکی کانسلیٹ میں جانا چاہئے۔ جو پلاس ڈالا آلما میں ہے۔ برقی ٹراموے میں اُدھر گیا

اور پانچ فرانک (۲ روپے) دیکر دستخط کرا لئے۔ اور سٹیمر پر کے سینٹ مچل میں پہنچا۔ یہ جگہ پیرس میں سیکنڈ ہینڈ کتابیں بیچنے کے لئے مشہور ہے جیسے کہ لنڈن میں

پیرس کی کتابوں کی کباڑی

ٹاک سیلر میں روڈ ہے۔ یہاں مستعمل کتابیں بیچنے والے دریا کے پشتہ پر جو کمر تک بلند ہے۔ اپنی کتابوں اور رسالوں کے گلاس کیس رکھکر بیٹھتے ہیں۔ میں نے یہاں سے پانچ روپے کی کتابیں خریدیں اور خلیل مصطفی صاحب کے حوالہ کر دیں کہ وہ میرے ایک ٹرنک میں بند کرکے ہندوستان کو جہاز میں روانہ کر دیں۔ مگر وہ مجھے نہیں بھیجی گئیں۔ جیسا آگے چلکر معلوم ہوگا۔ (۳۰۔ اگست پیرس) مسٹر میین سے ملاقات کی۔ اور اُن سے ہندوستان کے خطوط لئے۔ میاں عبدالعزیز نے سیالکوٹ کے کوٹلی ورکس کے کچھ نمونے بھیجے تھے۔ انہیں میں نے پیرس کے بعض احباب کی لیڈیوں کی نذر کیا۔ جنہوں نے اس کام کو بہت پسند کیا۔ (۶۵۰) فرانک جو پیرس کے ایک کوچہ کے بنک میں ایک دوست کی معرفت امانت رکھے ہوئے تھے وہ واپس لئے۔ اور ایک دو اور ملاقاتیں کرنے کے بعد پھر بڑی زیر زمین ریلوے پر جاکر بازار ڈا ہوٹل ڈا لا ویل اور آلے برادرز کے بہت بڑی فرنیچر کی دوکان دیکھی۔ پہلی دوکان پیرس میں اُس قسم کی دوکان ہے جیسے کہ لوور مگاسین یا بون مارشے ہے یا لنڈن میں ولیم وائیلی یونیورسل سپلائر کی دوکان ہے کہ جن سے ہر چیز ضرورت کی مل سکتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں نسبتاً ارزاں چیزیں جمع کی گئی ہیں۔ جو امرا کی ضرورت کے نہیں۔ بلکہ عوام الناس کی ضرورت کی ہیں۔ یہاں سے میں نے قریب دو پونڈ کے تحائف اور یادگاریں خریدیں۔ اور پھر اپنے مکان گراں ہوٹل سینٹ لوئس" میں پہنچکر ہندوستان کے لئے چٹھیاں لکھیں۔ کیونکہ کل پیرس سے روانہ ہو جانے کا قصد ہے۔

پیرس سے روانگی

۳۱۔ اگست پیرس۔ آج بھی صبح کچھ خطوط ہندوستان

انگلستان اور قسطنطنیہ کے لئے لکھے اور اسباب باندھ کر تیار ہو گیا۔ اور مصطفیٰ خلیل آفندی کے ہمراہ گاڑی کرایہ کر کے سٹیشن کو روانہ ہوا۔ چونکہ سب ملکوں میں خاص خاص اشیا پر خاص خاص محصول ہیں۔ مثلاً فرانس میں موم بتی کا سرکاری اجارہ ہے۔ آسٹریا۔ جرمنی۔ اور ٹرکی میں تمباکو کا۔ اس لیے چنگی کے افسر مسافروں کا اسباب دیکھتے ہیں۔ سرحدی سٹیشنوں پر تمہیں اپنا اسباب اُتار کر ایک کمرہ میں لانا پڑتا ہے۔ جو اسی غرض کے لئے بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہاں ایک بیس پچیس گز کے یا اس سے بھی لمبے کونٹر پر سب لوگ اپنے اپنے پورٹ منٹو۔ بیگ اور ٹرنک وغیرہ کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ چنگی کے افسر آ کر جس بیگ یا صندوق کو چاہیں اُس کا اسباب نیچے اوپر کر کے دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی قابل محصول چیز تو نہیں ہے۔ بعض اوقات تم سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ تمباکو شراب یا کوئی ایسی چیز تو نہیں۔ اور تمہارے جواب پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ یورپ میں یہ دیکھا ہے کہ عموماً لوگوں کے بیان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور اگر جنٹلمین کے بیان کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے تو نہ صرف بیان کرنے والے کی خفت منصور ہے۔ بلکہ بیان سُننے والی کی عزت بھی اِس امر کی مقتضٰی ہے کہ وہ مان لے۔ عموماً یہاں کے لوگ چھوٹے یا بڑے بلحاظ درجے کے برابر سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ سب ملکوں میں قومی حکومت ہے اور حکومتوں کا حصہ کم و بیش پارلیمنٹوں اور پبلک کے ووٹ پر ہے۔ اور فوج بھی رعایا کا ہی ایک حصہ ہوتی ہے۔ اِس لئے پولیس یا ریل یا فوج یا سول کے افسر لوگوں پر اس قسم کا رُعب اور دباؤ نہیں رکھتے۔ جیسا کہ ہندوستان میں میرا تجربہ ہے۔ بہرحال چونکہ چونگی کے افسر مختلف ممالک کی سرحدوں پر اسباب کا معائنہ کرتے ہیں۔ اور صندوق بار بار قلیوں سے نیچے اُتروا کر پھر ریل میں رکھوانے کی مزدوری دینی پڑتی ہے۔ اس لئے میں نے اس مرتبہ اپنے دونوں ٹرنک پیرس سے قسطنطنیہ بُک کرا دینے مناسب سمجھے۔ اور اپنے ساتھ صرف

ہینڈ بیگ ایک کمبل اور پشمینہ کی چادر بصورت بستر اور ایک چھاتا اور لاٹھی رکھی۔ ٹرنک وزن کرائے تو ۵ کیلوگرام (قریباً ۳۶-۳۷ سیر) نکلے فرانس کی ریلوں پر دوم درجہ کے مسافر کو ۵ کیلوگرام وزن مفت لے جانے کی اجازت ہے۔ یہ وضع کرنے کے بعد مجھ سے ۳۳½ فرانک کرایہ سب جرمن آسٹرین اور ٹرکش ریلوں کا لیا گیا۔ جو اتنے وزن کے لئے مجھے دینا بہت ناگوار ہوا۔ مسٹر مصطفیٰ خلیل سے بغلگیر ہو کر ریل پر سوار ہوا۔ اتنے میں اس کا پست قد شامی دوست بھی سٹیشن پر اس کے گھر سے پتہ دریافت کر کے پہنچ گیا۔ یہ شخص جاہل ہے مگر فرانسیسی صاف بولتا ہے۔ کیونکہ مدت سے یہاں رہتا ہے۔ عربی اس کی بولی ہے۔ اس نے ایک فرنچ عورت سے شادی کی ہوئی ہے۔ اور مصطفیٰ خلیل کے گھر میں ایک انگلش عورت ہوس کیپر ہے۔ یہاں سٹیشن پر دیکھا کہ بجائے انجن کی مدد کے گھوڑا جوت کر ریلوے گاڑیاں شنٹ کر رہی ہیں۔ اور ینٹ ایکسپرس پیرس سے ۱۲-۴۰ دوپہر کو روانہ ہوئی۔ جس کمپارٹمنٹ میں میں بیٹھا تھا۔

ریل گاڑی میں گذارہ اس میں ایک روسی جوان لڑکی اور اسکا پندرہ سولہ سالہ بھائی ایک میاں بیوی جرمن اور ایک فرانسیسی اور تھا۔ یہی چھ آدمیوں کی جگہ ہر کمپارٹمنٹ میں ہوتی ہے۔ شام تک جرمن مسافر چلے گئے۔ روسی لڑکی کا ایک بوڑھا رفیق ہمارے کمرے میں آ گیا۔ اور وہ دوسرے کمرہ میں چلی گئی کہ جہاں سب عورتیں جمع ہو گئیں تھیں۔ کیونکہ رات بھر اسی طرح بیٹھے بیٹھے جانا تھا۔ اور لیٹنے کو کوئی جگہ نہ تھی سوائے اس کے کہ ذرہ سامنے کی سیٹ پر پاؤں رکھ لئے ۔ . . . .

، ، ایسی صورت میں لمبا سفر نہایت تکان دہ ہوتا ہے (دیکھو تصویر میونک جرمنی) یورپ کے سفر اور ہندوستان کے سفر ریل میں بہت فرق ہے ہندوستان میں دوم درجہ کے مسافر [illegible] نیچے یا اوپر کی نشست پر

بستر جما لیں اور لیٹ جائیں تو اُن کا حق سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس بستر پر سو جائیں۔ ہر چند کہ یہاں بھی یہ تحریری قانون نہیں۔ لیکن یورپ کی ریلوں میں اوپر کی آویزاں نشست تو ہوتی ہی نہیں۔ نیچے کی نشستوں پر چار چار مسافروں کے بیٹھنے کے لئے الگ الگ جگہیں بنی ہوتی ہیں۔ جن کے مخمل کے گدیلے اتنے موٹے ہوتے ہیں کہ انسان اُن میں آرام کرسی کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن اُن میں سونے کے لئے جگہ نہیں ہوتی۔ اگر تم سفر میں سونا چاہتے ہو تو کچھ اور کرایہ اضافہ کرو۔ اور سونے کی گاڑی میں جو علیحدہ ہے جا کر سو رہو۔ اور اگر تکیہ چاہیئے تو وہ بھی ایک شلنگ خرچنے پر رات بھر کے لئے مل جاتا ہے۔ غرض یہاں کی ریل ہو یا کوئی اور جگہ وہاں سوائے روپیہ کھینچنے کے مختلف صورتوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ سینکڑوں بہانے تمہاری جیب خالی کرنے کے موجود ہیں۔ جب تک تمہاری جیب میں کافی دام ہیں۔ تم خان صاحب بنے ہوئے ہو۔ ہر جگہ کسی خاندانی لارڈ یا امیر الامرا کی برابری کر سکتے ہو۔ لیکن جب تمہارے دام ختم ہو گئے تو تم ایک ادنےٰ۔ ایک رذیل اور ایک ناکارہ شخص ہو گئے۔ بلکہ یوں کہنا نادرست نہیں کہ ممالک یورپ میں مفلس ہونا جرم ہے۔ علاوہ سونہ سکنے کے ریل میں کھانے پینے کی بھی اجنبی اور ناواقف کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ بڑے بڑے سٹیشنوں پر ریفرشمنٹ روم تو ہیں۔ جہاں روٹی۔ چاء اور میوہ جات ملتے ہیں۔ لیکن تیز ریلیں انپر بہت تھوڑا وقت ٹھیرتی ہیں۔ مثلاً زیادہ سے زیادہ تین منٹ۔ واقف لوگ تو بھاگ دوڑ کر کچھ کھا پی لیتے ہیں۔ لیکن میری مشکل ایک اور قسم کی تھی۔ اکثر سٹیشنوں پر پینے کو صرف بیر شراب اور کھانے کو ڈبل روٹی کے سینڈوچ ملتے ہیں۔ روٹی کو بیچ میں دو ٹکڑوں میں کاٹ کر اس کے بیچ میں ایک گوشت کا پارچہ رکھ کر دوسری تہ اوپر جما دی جاتی ہے۔ اور تمام یورپ کے لوگ سفر میں بھی کھانا

کھاتے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ گوشت کس قسم کا ہے۔ انگلستان میں تو عموماً خنزیر کے گوشت کے سینڈوچ لوگ کھاتے ہیں۔ جو شخص بیئر نہ پئے یا ایسے سینڈوچ کھانے سے محترز ہو اُسے ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹے کے سفر میں بیتے آدری کورٹ (سرحد فرانس و جرمنی) اور میونک اور سلزبرگ (سرحد جرمنی و آسٹریا) پر صرف تین مرتبہ چاء پی اور روٹی کے چند ٹکڑے اور تھوڑے سے انگور کھائے۔ جو ہرگز کافی خوراک نہ تھی۔ یہاں دستور ہے کہ لمبے سفر والے سب مسافر اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ کھانے کی چیز رکھتے ہیں۔ مثلاً اکثروں کے پاس میوجات سیب، انگور، بہی اور شیریں آلوچے تھے۔ اور ڈبل روٹی کے سینڈوچ بھی بہت لوگ ساتھ لاتے ہیں۔ اگر میں بھی دو تین روٹیاں اور کچھ میوجات ساتھ لاتا تو آرام میں رہتا۔ ایک سٹیشن پر چائے کی پیالی اور ٹوسٹ کی قیمت ایک مارک (۱۳؍) اور ایک پیر ڈیڑھ مارک (عہ؍) دیئے۔ جس ملک کی حدود میں سونے کا سکہ توڑوا کر چاندی کے سکے لئے جائیں وہی دوسرے ملک کی حدود میں بیکار ہو جاتے ہیں۔ یا بہت کم قیمت پر چل سکتے ہیں۔

آج دوپہر کو آسٹرین علاقہ سلزبرگ سے شروع ہوا۔ آسٹرین کسٹم کے افسروں نے خود گاڑیوں میں گھس کر اسباب دیکھ لیا۔ اور سبز ٹکٹ اسباب پر بظاہر نکو چسپاں کر دیئے کہ محصول سے بری ہے۔ یہاں کسی کسی چھوٹے سٹیشن پر دیہات کی عورتیں پانی پلاتیں اور مسافر انہیں ایک آدھ پیسہ دیدیتے لیکن آج مجھے پیاس ہی نہ تھی۔ کیونکہ کچھ کھایا نہ تھا۔ اور بھوک ایسی سخت تھی کہ ایک نوع کی بے چینی اور چند بائیں سنسناہٹ معلوم ہوتی تھی۔ کہ کبھی آٹھ پہر کا روزہ رکھنے سے بھی معلوم نہیں ہوئی یورپ کی آب و ہوا میں ہی بھوک زیادہ لگتی ہے۔ ایک سٹیشن سے دو چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں انگوروں کی آنے کو روز دیتے ایک پیسہ کو خریدیں۔ انگور ڈیڑھ پاؤ سے زیادہ ہونگے۔ یہ لوگ فروٹ کا غذ

کے لفافوں یا ایسی ٹوکریوں میں دیتے ہیں۔ یہ خوشنما ٹوکریاں مشین میں موٹا کاغذ دبا کر بنائی جاتی ہیں۔ اور ایسے کام خوب دیتی ہیں۔ ویانا پہنچکر معلوم ہوا کہ ٹرین میں ہی کھانے کی گاڑی بھی تھی۔ مگر مجھے معلوم نہ تھی۔ پیرس سے جو روسی لڑکا میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ اُس نے جو موٹا سا ناول دوپہر کو پڑھنا شروع کیا تھا۔ اُسے آدھی رات کو ختم کر دیا۔ اور میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ اُس نے اس عرصہ میں شائد ایک آدھ منٹ کے لئے کتاب سے سر اُٹھایا ہوگا۔ اس گاڑی میں بہت سے ایسے لوگ سوار تھے جو نمائش پیرس سے یوروپ کے ہر ملک کو واپس جا رہے تھے۔ اور بعض وہ لوگ تھے جو اوبر اومیگو کا پیشن پلے دیکھنے جا رہے تھے جو ہر دس سال کے بعد ایکٹ کیا جاتا ہے۔ اور ایسی قابلیت سے یہ پلے ہوتا ہے کہ امریکہ تک سے لوگ اسکے دیکھنے کو جاتے ہیں۔ اور اس کے ٹکٹ پندرہ بیس روز یا مہینہ پہلے بک بند ہو چکے تھے۔ کیونکہ اور جگہ باقی نہ رہی تھی۔ شام کے پونے آٹھ بجے گاڑی ویانا میں پہنچی۔ ۳۱ گھنٹے لگاتار سفر کرنے کے بعد کہ جس میں سونے کا موقع نہیں ملا تھا میں تھک کر چور ہو گیا تھا۔ اس لئے ویانا میں اُتر پڑا۔ سٹیشن پر پھر میرا ہینڈ بیگ دیکھا گیا۔ اور میں اُسی میٹرو پول ہوٹل کو گیا کہ جہاں پہلے بھی ٹھیرا تھا۔ کیونکہ ہوٹل کی گاڑی مسافروں کے لئے سٹیشن کے باہر کھڑی تھی۔ پیرس سے ویانا تک جس قدر علاقہ میں سے ریل گذری ہے وہ نہایت سرسبز اور آباد تھا۔ ان ملکوں میں چپہ بھر زمین ویران یا کلر یا بنجر نظر نہیں آتی۔ گھاس سے میدان فرش زمین کی طرح آراستہ ہیں۔ درختوں کے ذخیروں اور گھنے جنگلوں سے جو جا بجا نظر آتے ہیں۔ ملک نہایت شاداب اور دلچسپ نظر آتا ہے۔ زمین یوروپ بھر میں ناہموار نظر آتی ہے۔ میدان بہت کم ہیں۔ عموماً بلندی اور پستی پر بستیاں کھیت۔ جنگل۔ سڑکیں اور مکانات واقع ہیں۔ سڑک ادھر اُدھر

ویانا میں سفر توڑنا

چند مکانات پاس پاس اور کہیں پاشاں واقع ہیں۔ جو ایک گاؤں کہلاتے ہیں۔ ایک مکان کسی نوکدار چوٹی بہت بلند اونچی چلی گئی ہے۔ یہ یہاں کا گرجا ہے۔ کوئی گاؤں ایک گرجا سے خالی نہ ہوگا۔ مکان عموماً کھپریل یا سلیٹ پوش ہوتے ہیں۔ کھیت کہیں بڑے نظر نہیں آئے۔ چھوٹے چھوٹے قطعات پر ہی یہ لوگ ایسا اچھا تردد کرتے ہیں کہ ایک کنبہ اپنی پرورش کرسکتا ہے۔ گو عموماً گھوڑے ہلوں میں جوتے جاتے ہیں۔ لیکن آج آسٹریا میں کہیں کہیں بیل بھی ہلوں میں جتنے ہوئے دیکھے ہیں۔ گھاس جسے اس موسم میں سڑک سے دونوں طرف جا بجا زن و مرد کاٹنے اور خشک کرنے میں مصروف پائے گئے ہیں۔ شائد تخم سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ خود رو ہوتا ہے۔ عورتیں گھاس کاٹنے یا اپنی ترینگلوں سے خشک کرنے میں مردوں سے کم کام نہیں کرتیں۔ پھر خشک کرکے کبھی تو بارن میں ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ اور کہیں براعظم یوروپ میں پنجاب کی توڑی (بھوسہ) کے دھڑوں کی طرح پیرال وغیرہ سے باندھ کر ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ جب یہاں کی عورتوں کو کھیت کیار کے کام میں محنت کرتے دیکھا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کی عورتیں سوائے پنہاریوں کے ہرگز انکے برابر مشقت کا کام نہیں کرتیں۔ اور اسی طرح وہ عورتیں ہیں جو یوروپ کی فیکٹریوں میں کام کرتی ہیں۔ اور اپنے پسینہ سے روٹی کماتی ہیں۔ البتہ خوشحال لوگوں کی عورتیں عیش و آرام سے زندگی بسر کرتی ہیں میں نے ہوٹل والوں سے کہا کہ مجھے کوئی سستا کمرہ دو۔ اُنہوں نے کہا کہ پانچ کراؤن روزانہ سے سستا اُن کے یہاں کوئی کمرہ نہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جب میں کمرہ میں داخل ہوا اور کمرہ کی آسائش اور سامان کو دیکھا تو پھر مجھے خود جرأت نہ ہوئی کہ کرایہ کی تخفیف کا ذکر کروں۔

۴ ستمبر۔ ویانا۔ بوجہ اتوار کے سوائے تنباکو اور کھانے کی دوکانوں کے

اور سب دوکانیں شہر بھر میں بند تھیں - ایک قہوہ خانہ میں جاکر قہوہ پیا -

ویانا میں اتوار کی وجہ سے کاروبار بند

یہاں کا دودھ والا قہوہ - یہیں سے مخصوص ہے - دودھ کی جھاگ اُٹھا کر گرم قہوہ کے شیشہ کے گلاس پر رکھدیتے ہیں جو بہت مزیدار معلوم ہوتا ہے - یہاں کثرت سے اخبارات موجود تھے - لنڈن کے دو تین بڑے بڑے اخبارات بھی اُن میں مل گئے یہ معلوم کرکے افسوس ہوا کہ کل سلطان المعظم کی جوبلی کی رسم قسطنطنیہ میں ادا ہوگی - اگر دو تین روز پہلے معلوم ہوتا تو میں یہ عظیم الشان جلوس دیکھنے کے لئے وقت پر قسطنطنیہ پہنچ جاتا - میں یہاں دو تین واقفوں کو ملنا چاہتا تھا - مگر بوجہ سفر میرا اکالر میلا تھا - اور اسباب ساتھ نہ تھا شہر میں کوئی دوکان کھلی نہ تھی - اس لئے ملنا کل پر ملتوی رکھا - ویانا میں صرف جولائی سے اکتوبر تک اتوار کو دوکانیں بند رہتی ہیں -

قہوہ خانے

ویانا اور برلن میں قہوہ خانے جس کثرت سے ہیں اور جیسے پر رونق ہیں - پیرس میں نہیں - اور لنڈن میں سرے سے ہی نہیں یہاں قہوہ خانوں کے مکانات کیسے عالیشان اسباب کیسے قیمتی اور مکلف ہیں - ان میں سینکڑوں اخبار خریدے جاتے ہیں کہ جتنے اچھے اچھے ہوٹلوں اور ریڈنگ روموں میں بھی نہیں ہوتے - ایک دفعہ چائے کی پیالی پیکر دن بھر اخبار پڑھتے رہو - لنڈن میں رسٹوران بہت ہیں - مگر وہ بھی ایسے اعلےٰ درجہ کے مکانات میں نہیں ہوتے - ویانا کا سولجر

پولسمین

کیسا بنا ہوا ہے - اُس کی وردی کیسی مکلف ہوتی ہے - فرانس کا سولجر اُس کے روبرو کھیل معلوم ہوتا ہے - کیونکہ علاوہ پست قد ہونے کے اُس کی ڈھیلی وردی اور سُرخ پتلون نے اُسے بہت بھدّا بنا رکھا ہے - ویانا اور برلن کی پولیس کانسٹبل بوجہ اپنی عمدہ وردیوں کے بڑے شاندار سپاہی معلوم ہوتے ہیں - ہندوستان میں ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹان

پولیس کی وردی اِن سے اچھی نہ ہوگی۔ ہاتھوں میں دستانے۔ کمر میں تلوار لٹکتی ہے۔ سر پر ہلمٹ پینل کی ترک ہیئت ہے۔ لنڈن کا پولیس مین بلحاظ قدو قامت بہت ممتاز ہے۔ لیکن وردی کے لحاظ سے اِن کے روبرو وہ سویلین معلوم ہوتا ہے۔ مگر ان میں فوجی جھلک نمودار ہے۔ ویانا اور برلن میں

قاصد کا رواج

یہ اچھی رسم ہے کہ بازاروں میں ایک خاص قسم کی وردی اور بلا پہنکر لائسنس دار قاصد کھڑے رہتے ہیں۔ جنہیں کوئی پیغام یا چیز دیکر کہیں بھیجدو خیانت نہیں کرینگے۔ لنڈن اور پیرس میں ایسا نہیں ہے۔ البتہ لنڈن میں پارسل جا بجا لے جانے کی گاڑیوں اور مزدوروں کے سروس مختلف کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے۔ انہیں اطلاع دیدو تو شہر کے اندر جہاں چاہو پارسل پہنچا دینگے۔ آسٹریا میں تنباکو سرکار بیچتی ہے۔ تمام

تمباکو کا سرکاری اجارہ

تمباکو کی دوکانوں پر سرکاری آرمس لگے ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سرکاری دوکانیں ہیں۔ ساتھ ہی اکثر تمباکو کی دوکانوں پر ایک ترک کی تصویر بھی لگی ہوئی ہے۔ جو لمبا قلیان پی رہا ہے۔ جس سے مطلب یہ ہے کہ اس دوکان میں ترکی تمباکو بکتا ہے۔ فرانس میں موم بتی کا سرکاری اجارہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر امیر صاحب کابل اپنے ملک کے بادام اور پستہ مغز کا اجارہ اپنے ہاتھ میں رکھیں تو کیا ہرج ہے۔

اتوار کی قمار بازی و شراب خوری

آج بڑی گھوڑ دوڑ ہونے والی تھی۔ وہاں پہنچا تو لاکھوں لوگوں کا مجمع تھا۔ جہاں ہزاروں روپے گھوڑ دوڑ کی شرطوں اور قمار بازی میں جا رہے تھے۔ یہ سب کچھ جائز مگر اتوار کو دوکانیں کھلیں کہ اس مقدس روز کی توہین ہوتی ہیں۔ شہر سے باہر قہوہ خانوں میں ہزارہا مرد و زن شراب پی پی کر ناچ رہے تھے۔ خصوصاً یورپین لوگ اِن کم بختوں کا عجیب مذاق ہے۔ باجا بج رہا ہے اور ایک ایک قہوہ خانہ

میں دو ہزار کا مجمع ہے۔ سب کے سامنے بیئر کے ٹمبلر لبریز رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بہت سے اُٹھکر عورتیں اور مرد ایک دوسرے کی کمر تھام کر ناچنے لگتے ہیں۔ مگر یہ سب وہ عورتیں ہیں جو سروں پر بجائے ٹوپی کے رومال باندھتی ہیں۔ اور خدمت گار یا مزدوری پیشہ ہیں۔ یہاں مرد بھی دفتروں یا کارخانوں میں ایسی سیاہ ٹوپی (سکل کیپ) پہنتے ہیں۔ کہ جیسی ہندوستان میں بنگالی یا پارسی پہنتے ہیں۔ یہاں سے میں چڑیا گھر میں گیا کہ جیسے برلن کی طرح "ٹیئرگارٹن" یعنے حیوانات کا باغ کہتے ہیں۔

(۳۔ ستمبر۔ ویانا) پیسہ اخبار کے لئے کچھ مضمون لکھا۔ ایک دوکان سے کالر خرید کر لگایا۔ پھر دو اکسپورٹ ایجنٹوں کو ملا۔ ان میں سے ایک صاحب سے سال بھر کے لئے پیسہ اخبار کے کاغذ کی بہم رسانی کا ٹھیکہ کیا۔ کوئلہ گراں ہونے کی وجہ سے کاغذ گراں ہو رہا ہے۔ مسٹر سٹیسلر کے ہمراہ مسٹر یا کے بعض تجارتی اشیا کی دوکانیں دیکھیں۔ سوڈا یا سپارکلٹس کہ جنسے فوراً لیمونیڈ وغیرہ بنالیتے ہیں پہلے یہیں دیکھے۔ کھانا مسٹر اور مسٹر سٹیسلر کے ساتھ کھایا۔ صاحب خانہ نے کہا تم صرف بقولات کیوں کھاتے ہو۔ مینے کہا گوشت میں صرف یہودیوں کے یہاں سے کھاتا ہوں۔ تو اُنہوں نے کہا کہ ہم تو یہودی ہی ہیں۔ یہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں میں لباس رنگ اور بول چال میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ شائد ناموں سے پتہ لگتا ہوگا۔ مسٹر سٹیسلر نے کہا کل ہماری شادی ہوئی پورے سات ماہ ہونگے۔ بیوی کی عمر ۱۹ سال اور شوہر کی ۲۶ سال تھی۔ کہا اتنی کم عمر میں یہاں بہت کم لوگ شادی کرتے ہیں۔ شادی ہوتے ہی میاں بیوی الگ گھر میں رہنے لگے۔ میرے سامنے دو تین دفعہ میاں نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔ غرض کھانے سے فارغ ہو کر مجھے مسٹر سٹیسلر نے کئی قسم کی مشینیں دکھلائیں۔ لفافے بنانے کے لئے

لفافے بنانے کی مشینیں

دو مشینیں درکار ہوتی ہیں ۔ ایک فرمے کاٹتی ہے ۔ دوسری لفافے موڑ کر گوند لگا کر مکمل کر تی جاتی ہیں ۔ پہلی کی قیمت پانسو فلورن اور دوسری کی (۲۲۰) فلورن تھی ۔ چھوٹے بڑے لفافوں کے لئے چند فرمے لینے پڑتے ہیں جن کی ہر ایک کی قیمت بالاوسط چالیس فلورن ہوگی ۔ ایک گھنٹہ میں بارہ سوا بارہ ہزار لفافے بن رہے تھے ۔ اور ایک مرد و عورتیں کام کر رہے تھے فرمہ کاٹنے کی مشین میں ایک شخص نے ایک ریم کاغذ کا رکھدیا ۔ اور سارے ریم کا فرمہ ایک دم میں کٹ گیا ۔ ایک دوسرے کارخانہ میں آٹومیٹن مشین دیکھنے گئے جنھیں انگلستان میں "پینی ان دی سلاٹ" مشین کہتے ہیں ۔ یعنے جن میں پینی یا کوئی سکہ ڈالنے سے اُن میں سے مٹھائی وغیرہ کوئی چیز خود بخود نکل آتی ہے ۔ جو اُس میں ڈالی گئی تھی ۔ ایک جگہ مرغی کی شکل کی مشین میں ایک سکہ ڈالا تو مرغی نے انڈا نکال دیا ۔ جس میں مٹھائی بند تھی ۔ ایک حبشی کے اندر پیسہ ڈالا تو سگار نکل آیا ۔ یوروپ میں ایسی مشینوں کا بہت رواج ہے ۔ معلوم ہوا کہ آسٹریا سے بوٹ ۔ بنٹ وڈ کرسیاں ۔ سیپ کے بٹن ۔ دیا سلائیاں ۔ جھوٹا تلا وغیرہ بہت سستی چیزیں ہیں جو ہندوستان میں زیادہ آتی ہیں ۔

موم کے بتوں کی نمائش قریب شام ایک مومی بتوں کی نمائش دیکھنے گئے کہ جسے یہاں "پنوپٹی کم" کہتے ہیں ۔ اور جو بوجہ مکانوں کی قلت کے ایک زیر زمین تہ خانہ میں تھی ۔ اور شب و روز مصنوعی روشنی سے کام لیا جاتا تھا ۔ اس نمائش میں بہت بہت عمدہ گروپ بتوں کے تھے ۔ ایک جگہ بیس مصری عرب مع ایک گھوڑے اور ایک اونٹ کے کھڑے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یکایک مصر کے کسی بازار میں آگئے ہیں ۔ اس کے علاوہ بہت سے بادشاہوں ۔ شاعروں ۔ ناموروں ۔ مجرموں وغیرہ کے علیحدہ علیحدہ بت تھے ۔ اور سٹوہیٹو گراف اور کئی تماشے تھے ۔ یہاں سے جا کر مسٹر سٹیلر

کے ساتھ ایک رسٹوران میں کھانا کھایا۔ اور شام کو ویانا سے روانہ ہو جانے کے لئے اُن سے رخصت ہوا۔ مگر ہوٹل میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ گاڑی چلی گئی ہے کہ جس میں جانا چاہئے تھا۔

۴۔ ستمبر۔ صبح ویانا۔ دوپہر بیوڈاپسٹ (ہنگری) صبح ضروریات سے فارغ ہوکر۔ اور نپولئن یعنے فرانسیسی پونڈ توڑا کر ہوٹل کا بل ادا کیا۔ ۲۰ فرانک کے نپولئن کے ۱۹۔ کرونا ملے۔ بجالیکہ فرانک اور کرونا قیمت میں برابر ہوتے ہیں۔ لیکن شام کو بیوڈاپسٹ میں پہنچکر جو فرانسیسی پونڈ تڑوایا تو ۱۸ ہی کرونا ملے۔ ہوٹل سے روانہ ہونے کے وقت پورٹیر کو ایک کرونا اور ہوٹل کے مزدور کو ۲۵ کراؤزر دیئے۔ بجالیکہ اس سے پہلے اسی ہوٹل میں زیادہ ٹپ دیا تھا۔ سٹیشن پر سیکنڈ اور فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں فرنیچر کیسا مکلف تھا۔ کوچ کے گدیلے میں آدمی کھُب جاتا ہے۔ ہندوستان کے ویٹنگ روموں کو اس سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ یہاں بھولے بھالے مسافر ضرور انہیں ریلوں پر سفر کرینگے آج راستہ میں زیادہ ہموار اور مسطح زمین ملی۔ ہنگری کا علاقہ زیادہ دہقانی ہے۔ کھیت بہت اچھے نہیں۔ لوگ غریب اور شکستہ حال معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں ہلوں اور گاڑیوں میں بیل نظر آتے ہیں جنگل میں بعض کھیتوں میں صرف بطخیں پالی جاتی تھیں۔ جہاں انکے جھنڈ کے جھنڈ چرتے چُگتے نظر آتے تھے۔ بمقابلہ ہندوستان میں مویشی کے لئے چارہ کی قلت کے یہاں چراگاہیں کتنی عام اور مویشی کیسے آسودہ ہیں ویانا سے پونے نو بجے چلکر پونے دو بجے بیوڈاپسٹ پہنچے۔ میں گھوڑا گاڑی لیکر رویال ہوٹل کو گیا۔ ایک گلڈن (۱۲ عہ) گاڑی کا کرایہ دینا پڑا۔ یہ بڑا عالیشان ہوٹل ہے۔ پہلے مجھے تیسری چھت پر پانچ کراؤن روزانہ کرایہ کا کمرہ دینے لگے۔ مینے کہا مجھے اس سے سستا کمرہ چاہیئے۔

تو اُنہوں نے مجھے پانچویں چھت پر ساڑھے تین کراؤن کا کمرہ دیا۔ جس کا نمبر (۵۱۶) تھا۔ جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا ہوٹل تھا۔ اور سامان بھی بہت اچھا تھا۔ ایک برقی لیمپ کمرہ کی روشنی کے لئے اور ایک جدا میز پر روشنی کے لئے تھا۔ جرمنی۔ فرانس۔ انگلستان سب جگہوں کی زبان سے تھوڑی بہت آشنائی تھی۔ لیکن ہنگری کی زبان سے کہ جسے مگیار یا مجار کہتے ہیں۔ میں ایک لفظ نہیں سمجھ سکتا۔ مثلاً ہوٹل کو سزالوڈو کہتے ہیں۔ رو یال ہوٹل کے علاوہ

شہر بوڈاپسٹ کی رونق

اس شہر میں اور بھی بہت سے بڑے بڑے ہوٹل ہیں۔ بباعث یہاں کے خوشنما منظر اور دریائے ڈینیوب کے خوبصورت ساحل کے۔ جو اس شہر میں سے گذرتا ہے۔ اور اس نواح کے قدرتی چشموں کے کہ جن میں نہانے کے لئے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ اور مریض چنگے ہو جاتے ہیں۔ یہاں یورپ بھر سے سیاح آتے رہتے ہیں۔ مکانات نہایت عالیشان ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں (۷۳۲۳۲۲) آدمی آبادی تھی۔ تمام ٹریموے برقی طاقت سے چلتی ہے۔ دریا میں سٹیمر چلتے ہیں۔ یہاں کے لوگ ایشیا اور یورپ دونوں اقوام کے ہیں۔ یہاں ایشیائی باتوں کی جھلک کسی قدر لباس اور شکل میں بھی نظر آتی ہے۔ اکثر عورتیں عیسائی یا یہودی (یہودی بہت ہیں) سروں پر بجائے ٹوپی کے رومال باندھتی ہیں۔ یہ مقام ہنگری کا دارالخلافہ اور یوروپ کے اس حصہ میں بڑا مرکز تجارت۔ تعلیم اور ترقی کا ہے۔ دوکانیں بڑی عالیشان ہیں اور زر و مال سے بھری ہوئی ہیں۔ مینے شہر میں دو تین چکر لگائے بلحاظ عمارات کے عظمت اور بازاروں کی صفائی کے یہ مقام ذرا بھی ویانا سے گھٹکر نہیں ہے۔ یہودیوں کے ایک قہوہ خانہ میں سو ڈیڑھ سو یہودی عورتیں قہوہ پی رہی تھیں۔ اور دو تین نوجوان لڑکے انہیں ستارنگی اور

طنبور بجا کر خوش کر رہے تھے۔ یہاں کئی عورتیں اور بچے ننگے پاؤں بھی پھرتے دیکھے۔ شہر میں جابجا برقی ٹریموے چلتی ہے۔ کہیں بھی گھوڑے کی ٹریموے نہیں۔ بحالیکہ لنڈن پیرس اور برلن سب جگہوں میں اب تک گھوڑوں کی ٹریموے بھی ہے۔ شہر میں جابجا بہت سے ناموروں کی روئیں یادگاری بُت نصب ہیں۔ اور ایک عالیشان یونیورسٹی کی عمارت بھی ہے۔

۵۔ ستمبر۔ بڈاپسٹ۔ صبح اُٹھکر پیسہ اخبار کے لئے ہفتہ وار چٹھی لکھی اور کچھ پرائیویٹ خط بھی لکھے۔ اور ہوٹل والوں کے حوالہ کئے کہ انہیں رجسٹری کرا کر رسیدیں لا دیں۔

ایک نرالی بات یہاں یہ بات نرالی دیکھی کہ ہر دوکان کی پیشانی پر بجائے بورڈ پر مالک دوکان کا نام یا نوعیت مال لکھنے کے اس مال کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً دھوبی کی دوکان پر سفید قمیصوں اور کپڑوں کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کہیں انگوروں کے خوشہ کی۔ کہیں بیئر کے اُبلتے ہوئے گلاس کی شہر میں پکے ہوئے سرخ ہندوانے بہت بکتے تھے۔ اور چونکہ ہندوانوں کی پھانکیں بھی بکتی تھیں تاکہ پیسہ دو پیسہ والا بھی ہندوانہ خرید سکے۔ ہندوانے بیچنے والی دوکانوں پر کٹے ہوئے ہندوانوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ پہلے تو میں نے خیال کیا تھا کہ یہاں تعلیم کم ہے اور لوگ لکھے پڑھے نہیں۔ اس لئے دوکانوں کے بورڈ نہیں پڑھ سکتے ہونگے۔ لیکن پھر معلوم ہوا کہ ہنگری میں بھی تعلیم لازمی ہے۔ اور ہر گاؤں جہاں مدرسہ جانے کے قابل بیس بچے بھی ہوں وہ ایک ابتدائی مدرسہ بنانے پر مجبور ہے۔ بہر حال بڈاپسٹ کی دوکانوں کے تصویر دار بورڈ مجھے بہت پسند آئے۔ مجھے ایک دانت میں دنداں ساز سے سٹفنگ کرانے کی ضرورت تھی۔ بھلا دنداں ساز کا پتہ میں کہاں تلاش کرتا۔ بازار میں جاتے ہوئے ایک دوکان

گونگے کس طرح باتیں کرتے ہیں۔

کے تختہ پر دانتوں کی بتیسیوں کی تصویریں دیکھکر یقین ہوگیا کہ یہ دنداں ساز کی دوکان ہے۔ اوپر جاکر مینے اشارہ سے دنداں ساز کو دانت دکھلایا۔ پہلے اُس نے سمجھا کہ دانت نکالنا ہے۔ اور زنبور سنبھالا۔ مجھے بڑی ہنسی آئی۔ اور مینے اسے اندر سے خالی دانت دکھلایا۔ اُس نے میرا مطلب سمجھکر تھوڑی دیر میں دانت بھر دیا۔ اور چار کرونا اُجرت لی۔ یہاں گوشت کے قیمہ کو بکری کے دودھ میں بھر کر کباب بنانے کی عام رسم ہے۔ اور ایسے کبابوں کی لڑیاں اکثر دوکانوں پر لٹکتی نظر آتی ہیں۔ خربوزے اور ہندوانے خاصے سستے تھے۔ اور ہندوانے بہت خوش ذائقہ تھے۔ یہاں کئی لوگوں کے رنگ تو بالکل گندم گوں تھے اور بعض کے بالکل گورے چٹے۔ یہودیوں نے شراب کی دوکانوں پر بھی عبرانی خط میں "کوشر" یعنے حلال کی دوکان لکھہ رکھا ہے۔ شائد یہ مطلب ہوگا کہ یہودیوں کی بنائی ہوئی شراب ہے۔

بڈاپسٹ میں گل بابا کا مقبرہ

یہاں "گل بابا" کے مزار کے نام سے ایک مسلمان ولی کا مقبرہ "گلاب کی پہاڑی" پر واقع ہے۔ جہاں اب تک ٹرکی اور دیگر اسلامی ممالک سے سیاح اور زائر اس مقبرہ کو دیکھنے آتے ہیں۔ گورنمنٹ آسٹریا ہنگری کے ذمہ اس کی نگہداشت اور نگرانی فرض ہے۔ کیونکہ سنہ ۱۶۹۰ء میں جبکہ بڈاپسٹ کی حکومت ترکوں کے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھ میں چلی آئی تو عہدنامہ میں ایک شرط یہ بھی لکھی گئی کہ عیسائی گورنمنٹ "گل بابا" کی خانقاہ کی نگرانی اور مرمت کراتی رہے۔ گل بابا ایک ترک بزرگ گذرا ہے۔ جس کا یہ قلعہ نما مقبرہ سُرخ اینٹ کا سنہ ۱۵۴۵ء میں محمد پاشا اُس زمانے کے شہر بڈا کے حاکم نے تعمیر کرایا تھا۔ ایک مسلمان سے مینے سُنا کہ یہاں اب تک اُس ولی کے ایک کبیتا کی نسل اُس کی قبر کی محافظ چلی آتی ہے جو اُس کی کرامت شمار ہوتی ہے۔

میں ایک گائڈ بک کی مدد سے اکیلا دریائے ڈنیوب کے پل پر سے پیدل گذر کر اس مقبرہ کو دیکھنے گیا۔ گورنمنٹ ہنگری نے اس مقبرہ کے گرد ایک بہت بڑی عمارت بنا رکھی ہے جس میں آج بھی مرمت لگی ہوئی تھی۔ عمارت کو سجانے کے لئے کئی ایک مٹی کے بُت اس مقبرہ میں جا بجا رکھے ہوئے تھے۔ شائد دنیا بھر میں اکیلا یہی ایک مسلمان کا مقبرہ ہوگا جو بتوں سے سجایا گیا ہوگا۔ بیچ کے احاطہ کے ایک حجرہ میں گل بابا کی قبر ہے۔ قبر جو خام ہے زمین کے برابر ہے۔ دیواروں پر دو تین عربی قطعے اور ایک مکہ و مدینہ کا چھپا ہوا معمولی نقشہ آویزاں ہے تین چار بھیڑ کی کے چمڑے پشم سمیت ایک دیوار سے آویزاں ہیں جو جائے نماز سمجھنی چاہئے۔ ایک جوڑا لکڑی کی کھڑاؤں ہیں جن پر ایک نوٹ بک پڑی ہے۔ جو شخص اس قبر کو دیکھنے کو آتا ہوگا وہ اس پر بطور یادگار اپنا نام پتہ لکھ جاتا ہوگا۔ میں نے بھی پنسل سے دستخط کردیئے اس سے پہلے چند ایک ترکی دستخط تھے۔ اور ان سے کم عربی خط میں۔ لاطینی خط میں بہت تھے جن میں بعض عیسائیوں کے بھی تھے ہندوستان کے ایک شخص عبدالرحمٰن کا بھی دستخط تھا۔ اور بعض افغانوں کے بھی تھے دریائے ڈنیوب پر کہ جو اس شہر کے بیچ سے گذرتا ہے تین چار پل بنے ہوئے ہیں۔ اور سٹیمر بھی لوگوں کو اِدھر اُدھر لے جاتے ہیں۔ لنڈن پیرس برلن سب شہروں کے دریاؤں سے ڈنیوب بہت بڑا ہے سٹیمر کے راستہ واپس آکر امریکن کافی ہاؤس (Coffee House) میں قہوہ پیا۔ اور لنڈن ٹائمز پڑھنا رہا۔

عجیب واقعہ ایک رسٹورانٹ سے کھانا کھا کر دس بجے ہوٹل میں جا سویا۔ راستہ میں ایک بازار میں ایک عورت نے میرے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مٹی کا بُت پیش کر دیدیا۔ گو بولی سے نہیں مگر اشارہ سے میں

اُس کا مطلب تاڑ گیا۔ ہوٹل میں آ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آوارہ عورتوں نے یہ تقریب کا طریقہ بنایا ہوا ہے۔ اور یہ وینس کا بُت ہوتا ہے۔ جو عشق کی دیوی تھی۔ یورپ کے کسی اور شہر میں مجھے ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔

پروفیسر ویمبری ۷۔ستمبر بڈاپسٹ۔ صبح کھانا کھا کر اس خیال سے واپس آیا کہ پروفیسر ویمبری مشہور مشرقی سیاح اور زباندان سے ملوں سچ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے اپنے وطن میں کچھ قدر نہیں ہوتی بڑی مشکل سے ہوٹل والوں نے اس کا پتہ ڈائرکٹری سے نکالا۔ اور ایک چٹھی دیکر قاصد اس کے پاس بھیجا گیا۔ یہ سرخ ٹوپی والے مزدور جو بڈاپسٹ میں ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ قاصد کا کام کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ٹیلیفون نہیں ہے۔ ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد قاصد نے کہا کہ پروفیسر صاحب کے گھر پر بہت انتظار کیا لیکن وہ باہر سے نہیں آئے۔ قاصد کو ساڑھے کراؤن بیفائدہ دینے پڑے۔ اور چونکہ مجھے آج ہی یہاں سے رخصت ہو جانا تھا اس لئے پھر پروفیسر صاحب کی خبر نہ لے سکا۔ لاہور کے میرزا ضیاءالدین اکمل کی بھی یہیں مقیم ہونے کی خبر تھی مگر اُن کا بھی پتہ نہ ملا۔ پھر میں یہاں کے کمرشل میوزیم کو دیکھنے کے لئے ٹریموے پر سوار ہو کر گیا لیکن گائڈ بک کے پتہ کے مطابق جب اُس مکان پر پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ اب وہ میوزیم وہاں سے اُٹھ کر دوسری جگہ چلا گیا ہے۔ کیونکہ میری گائڈ بک سنہ ۱۹۱۸ء کی چھپی ہوئی تھی۔ پھر میں نے سرسری طور پر یہاں کے

ٹکنیکل ہائی سکول ٹکنیکل ہائی سکول (رائل ٹکنیکم) کو دیکھا کہ جس میں (۱۲۱) پروفیسر اور (۱۴۶۷) طالب علم ہیں۔ اور ان چار شعبوں میں تعلیم ہوتی ہے۔ یونیورسل ٹکنکس اور کمسٹری۔ آرکیٹکچر۔ مشین سازی

وانجنیری - ملک ہنگری میں ۶۳ زراعتی ٹرننگ سکول ہیں - ۵۵۲ ہر قسم کی دستکاریوں کے - ۱۵۵ تجارت کے - ۴۲ - آرٹ اور موسیقی - ۶ کان کنی - اور ۱۶ فوجی وغیرہ - ان سب میں ایک لاکھ سے زیادہ طالب علم اور ساڑھے پانچہزار مدرس ہیں - گو میں ہوٹل کی پانچویں منزل میں رہا تھا لیکن ایک مرتبہ بھی مجھے سیڑھیوں کے راستہ سے نہیں چڑھنا پڑا - بلکہ لفٹ کے ذریعے سے اوپر جاتا رہا - پورٹر اور ہوٹل کے مزدور کو ایک ایک کرونا نذر دیا اور گاڑی منگا کر سٹیشن کو روانہ ہوا - گاڑی والے کو دو کرونا یعنے ایک شلنگ دینا پڑا - ہرچند کہ سٹیشن پہ مجھے قلی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اسباب بہت کم تھا مگر بوجہ سٹیشن پر کمروں اور پلیٹ فارموں کے کثرت اور زبان کی ناآشنائی کی ایک قلی ساتھ لیا - یہاں ریل کے قلیوں میں یہ دستور ہے کہ سب ملکر پہلے سب مسافروں کا اسباب ایک کمرہ میں قطار باندھ کر جمع کر دیتے ہیں - اور اُس پر جا ایک سے نمبر لگا کر مسافر کو اُس کا نمبر بتا دیتے ہیں - جب مسافر پلیٹ فارم پر پہنچکر گاڑی میں سوار ہونے لگتا ہے تو سامنے پلیٹ فارم پر لگیج کی ایک قطار دیکھتا ہے جس میں اس کا بھی اسباب ہوتا ہے - اب وہ اپنا نمبر پکارتا ہے تو قلی اُس کا اسباب اُسکی گاڑی میں لے آتا ہے - اور قلی علاوہ بوجھ اُٹھانے کے گاڑیوں میں مسافروں کو جگہ بھی تلاش کر دیتے ہیں - میرے کمرہ میں جتنے مسافر تھے بلگراڈ تک جانے والے تھے - بلگراڈ سے ادھر مقام سمبلان میں سرویا کی سرحد پر کسٹم کے افسروں نے پہلے ریل میں ہی گھسکر اسباب کا معائنہ کیا پھر پاسپورٹ دیکھے - لیکن بلگراڈ میں پہنچکر پھر سٹیشن کے ایک کمرہ میں سب لوگوں نے اپنا اپنا اسباب لے جا کر کسٹم والوں کو دکھلایا - جہاں اسپر معائنہ کے ٹکٹ لگائے گئے - اور ایک فوجی افسر نے سب مسافروں کے پاسپورٹ جمع کر لئے جو گاڑی چلنے سے پہلے گاڑی میں

اسباب اور پاسپورٹوں کا معائنہ

ہم کو سب کو واپس تقسیم کئے۔ یہاں گاڑی بھی بدلی گئی۔ یہاں سے شام کے قریب گاڑی روانہ ہوئی۔ سڑک کے دونوں طرف سلسلہ کوہستان بلقان کی پہاڑیاں چلی گئی ہیں۔ بلگراڈ کے سٹیشن پر اس پادری کا نمونہ بھی دیکھ لیا جو اس ملک میں ترکوں کے خلاف فساد مچانے میں مشہور ہیں۔ اور جن کی لمبی ڈاڑھی لمبے سر کے بال اور لمبا سیاہ لبادہ تصویروں میں دیکھا جاتا ہے اور ہاتھ میں چھوٹی سی صلیب لیکر مفسدہ پردازوں سے آگے چلتے ہیں۔ رات بھر ریل میں بیٹھا رہا اور اس شعر کو دوہراتا رہا۔ ؎

درازی شب از مژگان من پرس
کہ یک دم خواب در چشمم نگشت است

بلگیریا اور اہل بلگیریا

۷ ستمبر (سرویا و بلگیریا کے مابین) صبح گاڑی بلگیریا کے علاقہ میں پہنچ گئی۔ بلگیریا کے فوجی افسروں نے گاڑی میں گھس کر پاسپورٹ طلب کئے۔ اور دوسروں نے وہیں گاڑی میں اسباب دیکھ لیا جنہوں نے پاسپورٹ لئے تھے انہوں نے اگلے سٹیشن پر سب مسافروں کو واپس دیدیئے۔ میرا ارادہ صوفیہ میں تھوڑی دیر اترنے کا تھا۔ لیکن جب میں نے سٹیشن سے ہی دیکھا کہ شہر محض دامن کوہ میں سفالہ پوش یک منزلہ مکانوں کا ایک بے حیثیت سا مجموعہ ہے۔ اور نیز پیرس میں مجھے ایک ترک نے متنبہ کر دیا تھا کہ آجکل وہاں مسلمان محفوظ نہیں تو میں نے وہاں اترنا مناسب نہ سمجھا۔ سرویا اور بلگیریا کے سپاہیوں کی ٹوپیاں روسی سپاہیوں کی سی ہیں۔ جو بہت چست معلوم ہوتی ہیں۔ یوروپ میں اگر جب تم ان ملٹری سلطنتوں میں سے کچھ عرصہ گذرتے رہو۔ تو تمہاری آنکھیں ایک نئی قسم کی سپاہیانہ زندگی دیکھنے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ جو تم نے پہلے نہیں دیکھی۔ جا بجا خوبصورت جوان خوشنما اور چست وردی پہنے شمشیر

پانوں تک لٹکائے پھرتے نظر آتے ہیں۔ جو مشرقی یورپ میں اور بھی کثرت سے ہیں۔ بلکہ قسطنطنیہ میں تو ہزارہا شخص بازاروں میں طرح طرح کی سیاہیا شور دیا پہنے نظر آتے ہیں۔ جن میں سے بعض بہت خوشنما ہیں۔ البتہ عام بلغاروں کی پوشش دہلی یا لکھنؤ والوں سے بہت مشابہ ہے۔ یہ لوگ سب سے اوپر ایک صدری پہنتے ہیں جس کی آستینیں لمبی ہوتی ہیں اور پتلون تنگ پاجامہ کی طرح ہوتی ہے۔ جب تک ریل بلگیریا میں سے گذرتی رہی دونوں طرف پہاڑیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور بیچ میں سے وادی میں ایک ندی گذرتی تھی کہ جس کے کنارے کنارے ریل چلی جاتی تھی۔ پانچ بجے شام کو ایک ہنٹیتن تنتری بازار میں پہنچے۔ یہاں سے ریل گاڑیوں پر ہلال اور ستارہ نظر آنے لگا۔ اور سٹیشنوں کے نام بھی ترکی خط میں لکھے ہوئے دیکھے۔ بلگیریا کی ابجد یورپ کی دوسری زبانوں کے خلاف روس سے مشابہ ہے۔ اور اس ملک کے باشندوں کا لباس بھی الگ ہے۔ اس ملک میں کوئی حرفت سوائے کاشتکاری اور مویشی چرانے کے نہیں معلوم ہوتی۔ ریل کے دونوں طرف مکی اور دھان کے کھیت تھے۔ مکی کاٹنے سے پہلے یورپ میں اوپر کا ڈنٹھل توڑ لیتے ہیں۔ اور خوشہ تنے کے ساتھ رہنے دیتے ہیں۔ دہقانوں کے مکانات بہت ادنےٰ درجہ کے سفالہ پوش جھونپڑے سے تھے۔ یہاں بیلوں اور جاموشوں سے کھیتی کا کام لیا جاتا ہے البتہ چھوٹے چھوٹے ذبلے ٹٹو گاڑیوں میں جتے ہوئے دیکھے۔ اراضی بھی ویسی سرسبز نہیں جیسی کہ بوڈاپسٹ تک تھی۔ آفتاب کی تمازت بھی زیادہ ہے۔ لوگوں کے رنگ ویسے سُرخ و سپید نہیں جیسے کہ یورپ کے بالائی حصہ میں تھے۔ اکثروں کے رنگ ہندوستانیوں کے صاف رنگ کے سے ہیں اور بعض کے معمولی گندمی رنگ ہیں۔ کہیں کہیں زیادہ گورے مرد اور عورتیں بھی نظر آتی ہیں۔ علاوہ اس کے مذہبی ہدایت سے نظر آتی

ہے۔ بلکہ عام لوگوں کی تہذیب پوشش اور بودوباش ہندوستان کے متوسط درجہ کے لوگوں سے بھی ادنےٰ معلوم ہوتی ہے۔ خاص کا ذکر نہیں۔ شام کو ٹرکی کا علاقہ مصطفیٰ پاشا سے شروع ہوا۔ جہاں ٹرکی

عثمانی علاقہ شروع ہوتا ہے

عسکری ریل میں گھس آئے۔ بعض نے پاسپورٹ دیکھے اور بعض نے کسٹم کا اسباب۔ میرے پاس دو کتابیں تھیں ایک تحفہ عباسیہ جو مصر کی چھپی ہوئی ترکی زبان سیکھنے کے لئے لی تھی۔ اور دوسری مرے ہینڈ بک آف کانسٹنٹی نوپل جو قسطنطنیہ کی گائیڈ بک تھی۔ یہ دونوں کتابیں کسٹم کے افسروں نے ٹرکی کے متعلق سمجھکر لے لیں۔ اور میرے نام کا کارڈ بھی لے لیا تاکہ قسطنطنیہ پہنچکر مجھے اس پتہ سے لوٹائی جائیں۔ اور اسی طرح اور کئی مسافروں سے بھی معمولی کتابیں لے لی گئی تھیں۔ تمام علاقہ بلقان میں ناواقف مسافر کو زبان کی بڑی دقت ہوتی ہے۔ سوائے فرانسیسی کے کہ جس میں کسی کسی مسافر سے تھوڑی بہت افہام تفہیم ہو جاتی تھی۔ اور کوئی زبان کام نہیں دیتی تھی جرمنی بھی لوگ جانتے تھے۔ مگر انگریزی تو ایک دمڑی کو کہیں نہیں بکتی تھی۔ بعض لوگوں نے میری ترکی ٹوپی دیکھکر مجھ سے ترکی بولنا چاہی۔ یہاں کے عام لوگ صرف سرویا بلگیریا اور بوہیمیا کی زبان یعنے "چک" جانتے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے آپ کو چک ہی کہتے ہیں۔ علاوہ زبان کے سکّوں کے بڑی دقت ناواقف مسافر کو پیش آتی ہے۔ شام کو ایک شخص مسٹر وب اور اس کی ۱۲ سالہ لڑکی سے ملاقات ہوئی یہ انگریز مشنری ہے جو کوہ لبنان کے دُرزی لوگوں میں کام کرتا ہے۔ اور لنڈن سے لبنان کو واپس جارہا ہے۔ یہ بیچارے برابر چار روز سے لنڈن سے سوار ہو کر سیدھے جا رہے تھے اور راستہ میں کہیں نہیں ٹھیرے تھے۔ اس لئے بدخوابی سے نہایت بیزار تھے۔ مگر چونکہ میرے ٹکٹ میں جو پیرس سے لیا تھا قسطنطنیہ تک پہنچنے میں دس روز کی گنجائش تھی۔

اس لئے میں راستہ میں ٹھہر سکتا تھا۔ چنانچہ شام کو پونے نو بجے ریل ایڈریا نوپل میں پہنچے کہ جسے ترک ایدرنہ کہتے ہیں۔ اور ۳۱ گھنٹہ کے سفر کے بعد میں یہاں ٹھہر گیا۔ ایک پولیس افسر جو یہاں اترنے والے لوگوں کے

ایڈریا نوپل میں قیام

پاسپورٹ دیکھ کر اُن کے نام لکھ رہا تھا۔ اس نے میرا نام پتہ بھی لکھ لیا۔ اور ایک حمال مجھے سٹیشن کے پاس ہی ایک دو منزلہ مکان میں لے گیا۔ کہ جسے جینک ہوٹل کہتے تھے۔ اگر اسے ہوٹل تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ بہت ادنےٰ درجہ کا ہوٹل تھا۔ تاہم اس کا مالک کہتا تھا کہ یہ ہیر ہیڈ(؟) دیکھئے اول درجہ کا ہوٹل ہے اور پیرس ہوٹل ہے۔ حمال نے اس خدمت کا بڑے اصرار سے ڈیڑھ غروش منظور کیا۔ ہوٹل سے کھانا بھی بہت معمولی ملا۔ لیکن خربوزہ بہت عمدہ تھا جو کھانے کے بعد ملا۔ میرے کمرہ کے اندر سے چٹخنی بھی درست نہ تھی۔ میں میز کو دروازہ کے سامنے سرکا کر سو گیا۔ ہر چند کہ بستر بہت سخت تھا۔ مگر نیند اُس سے بھی سخت تھی کیونکہ کل رات بھر جاگا ہوا تھا۔

۸ ستمبر (ایڈریا نوپل) صبح حوائج ضروری سے فارغ ہو کر ہوٹل سے باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ شہر ایڈریا نوپل یہاں سے پانچ کیلومیٹر (تقریباً تین میل) ہے۔ کل شام والا حمال موجود تھا۔ اُسے ساتھ لیکر شہر کو پیدل روانہ ہوا۔ سڑک بہت خراب تھی۔ کبھی پتھر کی سڑک بنی ہوگی۔ لیکن اب بہت شکستہ تھی۔ آفتاب کی تمازت بھی تیز محسوس ہونے لگی۔ معمولی گرم کپڑے جو اب تک پہنکر یورپ میں پھرا تھا۔ دشوار معلوم ہونے لگے۔ شہر کے سامنے ایک دریا بہتا ہے جو دو پہاڑی نالوں کے ملنے سے بنا ہوا ہے۔ اور بہت بڑے پاٹ کا ہے۔ اسپر تھوڑی مدت پہلے ایک پل سلطان حال کے توجہ سے بنا ہے۔ لوگ بہت غریب معلوم ہوتے ہیں۔ شہر کے بازار ان گھڑے پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں گڑھے بھی پڑ گئے ہیں۔ جن میں پانی

اور کیچڑ جمع ہے۔ مکانات سب یک منزلہ لکڑی اور پتھر کے بہت معمولی اور چھوٹے چھوٹے ہیں۔ دوکانوں میں اسباب تجارت بھی کم ہے لیکن ایڈریانوپل ٹرکی کے بڑے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ دیسی دستکاری کی چیزیں بھدی سی ہیں۔ البتہ جا بجا نوجوان اور عمر رسیدہ ترک فوجی وردی اور سول ڈریس میں بہت چاق چوبند اور خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ کہ جنکے کالر نکٹائی بھی درست اور صاف ہیں۔ پولیس سٹیشن میں آگ بجھانے کا انجن اور پانی کی بالٹیاں دیسی بنی ہوئی تھیں جو خاصی تھیں۔ شہر میں پہنچکر مسلمان نان بائی کی دوکان کچھ کچھ ہندوستان کی شکل صورت کی دیکھکر دل بہت خوش ہوا۔ تین قسم کے سالن اور دو روٹیاں لیں۔ ڈبل روٹی کا بھی رواج عام ہے۔ میرے ساتھ کے حمال نے بھی خود بخود روٹی لیکر کھانی شروع کی۔ اور انکی کا بھی دام مجھے دینا پڑا۔ گویا یہ خود ہی میرا مہمان بن بیٹھا تھا۔ چار غروش ایک پارہ یعنے آٹھ آنے قیمت دینی پڑی جو یوروپ کے مقابلہ میں نہایت ارزاں تھی۔ ترک لوگ سرخ مرچ بالکل نہیں کھاتے۔ اس لئے ہم لوگوں کو ان کے سالن کسیقدر بے مزہ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جلدی ہی انسان ان کا عادی ہوجاتا ہے۔

مساجد ادرنہ

معلوم ہوا کہ شہر میں تین مساجد قابل دید ہیں۔ اول جامع سلطان سلیم جو بہت بڑی مسجد ہے۔ اس کے چار مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ صحن اور مسقف حصہ برابر برابر ہیں صحن میں سنگ مرمر کا فرش ہے۔ یہاں مساجد کے صحن میں لوگ جوتا لیکر چلے جاتے ہیں۔ وسط صحن میں وضو کے لئے فوارہ اور حوض ہے۔ جو سطح مسجد سے بلند اور مسقف ہے۔ اور گرد وضو کے لئے ٹونٹیاں ہیں۔ اور وضو کرنے والوں کے لئے سنگ مرمر کی بلند سیٹیں ہیں۔ مسجد کا اندرون بہت عالیشان ہے۔ عین وسط میں مرمر کی ایک بارہ دری ہے۔ منبر بہت بلند کہ جسپر کئی سیڑھیاں چڑھکر پہنچتے ہیں۔ کاشی ورک کے بہت خوشنما

آیات کلام مجید کے کتبے تعمیر میں نصب ہیں۔ مسجد کے خادم نے بتلایا کہ یہ کلمہ طیب سلطان محمود کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ گیلری کی دائیں طرف دوسری منزل پر ایک کتب خانہ ہے جس میں بارہ ہزار دینی کتب کا ذخیرہ ہے بائیں طرف مستورات کے ادائے فریضہ نماز کے لئے جگہ بنی ہوئی ہے چھت سے لوہے کی تاریں لٹکا کر ان سے صدہا گلاس روشنی کے لئے آویزاں ہیں اور ایک اتنا بڑا جھاڑ شیشہ کا آویزاں ہے کہ جس سے بڑا میں نے کمتر دیکھا ہے چند بڑے بڑے شمعدان پیتل کے بھی ہیں جن میں تین فٹ موٹی موم بتیاں جلائی جانے کے لئے جگہ بنی ہوئی ہے۔ پھر مسجد عسکریہ دیکھی۔ ۳۵ × ۳۵ گز مربع پر نو گنبدوں کا سقف تھا جو بیچ کے چار بیل پائوں اور اطراف کی دیواروں پر بنے ہوئے تھے۔ اور کئی ایک موٹے اور خوشنما قطعے معمولی سفیدی کے اوپر لکھے گئے تھے۔ تیسری مسجد کا نام عتیق جامع تھا جس کا طول ۴۵ گز تھا کسی زمانہ میں بہت شاندار ہوگی۔ سب مسجدوں میں قرآن رکھے ہوئے تھے۔ لیکن اس آخری مسجد میں ایک بہت بڑا قرآن ایک گز لمبا پون گز چوڑا اور ڈیڑھ بالشت موٹا رکھا ہوا تھا۔ اور یہ سب مساجد فرش فروش کے لحاظ سے اچھی حالت میں تھیں۔ ان مساجد کے علاوہ ایک مسقف بازار بھی دیکھا جسے یہاں کی مارکیٹ کہنا چاہئے۔ اس کے ایک حصہ میں صرف بندوقوں طمنچوں اور رائفلوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ایک دوکان کتب سے ترکی سیکھنے کی دو کتابیں پانچ قرش کو لیں۔ ایک فرانسیسی پونڈ یہاں ایک صراف سے تڑوایا جس نے ۵-۵ قرش کے ۱۷ سکے اور ½۲ قرش یعنی ½۸۷ قرش دیئے۔ حالانکہ قسطنطنیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ اسے ستانوے قرش دینے چاہئے تھے۔ اور لطف یہ ہے کہ ان میں سے جب ایک دس قرش کا سکہ آج ہی ایک دوسری جگہ تڑوانا پڑا تو اس شخص نے نصف قرش کاٹ لیا۔ بڑی دقت یہ ہے کہ سوائے صراف کے یہاں کوئی اور دوکاندار سکہ خوردہ

نہیں دیتا۔ دوکاندار اپنے سب چھوٹے سکے صرافوں کو دے آتے ہیں۔ جو انہیں معقول معاوضہ دیتے ہیں۔ اور پھر خود اور زیادہ لوٹتے ہیں۔ شہر میں قہوہ خانے بہت ہیں۔ ایک یونانی کی دوکان سے انگور اور خربوزہ لے کر کھایا جس نے صرف دس پارہ یعنے آدھ آنہ لیا۔ جو لاہور کے لحاظ سے بھی چار۔ پانچ آنہ کی چیز تھی۔ یہاں سے سٹیشن کو واپس جانے کے لئے ۳½ قرش کرایہ کر کے گاڑی لی۔ راستہ میں جمال نے مجھے کہا کہ تمہاری ٹوپی ٹھیک نہیں۔ اسے قالب کرالو۔ ایک قالب والے کی دوکان کے سامنے گاڑی کھڑی کر کے میری اور ساتھ ہی اپنی ٹوپی قالب کرنے کو دیدی۔ جس نے چار پانچ منٹ میں پانچ پارہ یعنے ایک پیسہ میں دونوں ٹوپیوں کو قالب کر دیا۔ بلکہ دوکاندار نے ساتھ ہی پھندنے کو بھی ایک طرف ٹانک دیا تاکہ پھندنا ٹوپی کے ایک ہی طرف رہے اور چاروں طرف نہ لٹکتا پھرے۔ یہ قالب پیتل کے کئی کئی گرم انگیٹھیوں پر رکھے رہتے ہیں۔ دوکاندار پہلے ٹوپی کو برش کر کے صاف کر لیتا ہے۔ پھر اُسے پانی چھڑک کر نمناک کرتا ہے۔ اور پھر گرم کالبد میں رکھکر پریس کر دیتا ہے۔ جس سے اُس کی صورت اچھی نکل آتی ہے۔ اور غریب غربا سب راہ چلتے ہوئے ٹوپیوں کو قالب کرا لیتے ہیں۔

یورپ کے دو شہروں میں فرق

قسطنطنیہ میں الغتہ ٹوپی کو کالبد کرانے کی اُجرت اُدن پارہ یعنے آدھ آنہ تھا جمال صاحب کے مشورہ سے راستہ میں ایک ہندوانہ خریدا۔ گاڑیبان جو ہنگیرین تھا گاڑی سے اُتر کر دوکان سے ہندوانہ لے آیا اور پھر دوسری دفعہ ہمارا قیمت دے آیا۔ مجھے برلن کے گاڑیبانوں کا یہ قانون یاد آگیا کہ اگر بارش ہونے لگی اور کوئی مسافر گاڑیبان کو کہے کہ تمہاری ٹھیر کر اسکا ٹپ کھڑا کر دو تو اُسے کچھ زائد کرایہ اتنی سی خدمت کے لئے دینا پڑتا ہے۔ اور یہاں گاڑیبان گاڑی کھڑی کر کے سودا بھی لا دیتا ہے۔ میرا جمال مزے کا آدمی ہے۔ جمال بھی ہے گائیڈ بھی ہے اور مشیر بھی ہے۔ اور ڈ صبہ ٹہ

ایسا ہے کہ جب میں کچھ کھانے لگوں تو خود بخود شریک ہو جاتا ہے۔ یہ یونانی ہے اور کہتا ہے کہ اطالی جرمنی اور ترکی بول سکتا ہوں۔ ہوٹل کے چوبیس گھنٹہ کا کرایہ معدود وقت کے کھانے کے چار فرانک دیئے۔ اور شام کے نو بجے قسطنطنیہ کو جانے والی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ گاڑی میں جگہ بہت تنگ تھی۔ اور رات بھر میں بمشکل آدھ گھنٹہ بیٹھے بیٹھے آنکھ لگی ہو گی۔ یورپ کی گاڑیوں میں صرف بیٹھنے کو جگہ ملتی ہے۔

قسطنطنیہ! قسطنطنیہ!! ۹۔ ستمبر استانبول۔ سورج نکلنے کے ساتھ ہی ایک شخص نے چلتی ریل میں مجھے قسطنطنیہ کے بلند مکانات اور رفیع مینار دکھلائے جبکہ ابھی شہر ۲۵ میل دور تھا۔ استنے میں بحیرہ مارمورا کی خلیجیں نظر آگئیں اور قسطنطنیہ تک ریل برابر سمندر کے کنارہ کنارہ چلی گئی۔ ریل سے کچھ ترکی گاؤں بھی نظر آنے لگے۔ ان لوگوں کی بود و باش کا طریقہ بالکل مشرقی معلوم ہوتا تھا گاؤں کے باہر لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک شخص کھیت سے قضائے حاجت کر کے نکلا ہے۔ اور لوٹے سے ہاتھ دھو رہا ہے۔ ایک اندھا حافظ لاٹھی ٹیکتا ہوا چلا جاتا ہے۔ دیہات میں وہی لمبا چوغہ یا چھوٹی جاکٹ اور تنگ یا ڈھیلا پاجامہ پہنا جاتا ہے۔ گو شہروں میں کوٹ پتلون کا عام رواج ہے۔ یا یہ سخت عثمانی قرنیہ آگیا۔ لیکن کسی دخانی کارخانہ کی چمنی نظر نہیں آتی۔ کوئی عالیشان فیکٹری یا ویئر ہوس دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ بہت چوڑی بنی ہوئی فصیل سمندر کے کنارہ پر دور سے ساتھ چلی آتی ہے جو جابجا منہدم ہو رہی ہے۔ اب ریل سمندر کے کنارہ کنارہ شہر کے اس حصہ میں داخل ہو گئی ہے کہ جسے استانبول کہتے ہیں۔ اور الحمدللہ کہ ہم قسطنطنیہ کے سٹیشن پر پہنچ گئے۔ یہاں ایک پولیس کی جماعت لوگوں کے پاسپورٹ معائنہ کر رہی تھی۔ اور بعض افسر پاسپورٹوں سے کچھ یادداشتیں نوٹ کرتے جاتے تھے۔ اور ساتھ ہی مسافروں سے دریافت کرتے تھے کہ تم کس ہوٹل میں اترو گے

میں اس سوال کا جواب دینے کو تیار نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے ابھی کسی ہوٹل کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اتنے میں میں نے ایک ہوٹل کے ایجنٹ کو دیکھا جو انگریزی بول رہا تھا۔ میں نے اُس کے ہوٹل کا نام دریافت کر کے پولیس والوں کو بتلا دیا کہ میں لنڈن ہوٹل میں ٹھیرونگا۔ پھر چونگی والوں کو اپنا ہنڈ بیگ دکھلایا۔ اور انگریز ہوٹل ایجنٹ کے ہمراہ پیدل غلاطہ کے پل سے گذرتے ہوئے لنڈن ہوٹل کو چلا گیا جو بیک اوغلو (پیرا) میں واقع ہے۔ یہ حصہ یورپین لوگوں کی آبادی کا ہے۔ یہیں اُن کے متعدد ہوٹل اور تمام یورپین سفارت خانے ہیں۔ ہوٹل کی کتاب میں اپنا نام پتہ درج کر کے ایک چار فرانک روزانہ کا کمرہ لیا۔ اور اسباب وہاں رکھکر خود تنہا اس خوبصورت اور دلکش شہر کی سیر کرنے کو پل غلاطہ سے گذرتا ہوا نکل گیا کہ جس کے دیکھنے کی مدت سے آرزو تھی۔ ہر چند کہ میں یہاں بھی ایسا ہی اجنبی تھا جیسا کہ برلن یا بوڈاپسٹ میں تھا۔ لیکن معلوم نہیں کیا بات مجھے یقین دلاتی تھی کہ میں یہاں بالکل اجنبی نہیں تھا۔ شائد یہ سرخ سُرخ ترکی ٹوپیاں یا مساجد کے عالیشان مینا یا ہلال و ستارہ کے نشان تھے۔ جو مجھے مانوس معلوم ہوتے تھے۔ اور ایک "السلام علیکم" کا پاس ورڈ مجھے یاد تھا جس پر یقین تھا کہ یہاں بہت سے بیگانے یگانے بن سکتے ہیں۔

میں اجنبی نہیں رہا تھا۔

اتنے دنوں یوروپ میں رہنے کے بعد مسلمانوں کا پکا ہوا کھانا کھانے کو جی ترس رہا تھا۔ اور کھانے کا وقت بھی تھا۔ میں بازار میں جس کھانے کی دوکان کو دیکھتا وہاں سے دریافت کرتا کہ "بو اسلام لوقنطہ دری؟" (کیا یہ مسلمانوں کا ریستوران ہے) "خیر، روملی" یعنے نہیں، عیسائی کا ہے۔ کیونکہ قسطنطنیہ میں عیسائی اور خصوصاً یونانی کو روم یا رومی کہتے ہیں۔ یہ لفظ بضم روم نہیں بلکہ بفتح روم ہے جیسے کہ شہر روم کبیر (Rome) کا تلفظ ہے۔ اور مسلمان کو ترک کہتے ہیں ترکی زبان میں جہاں نرم سے نفی کا اظہار منظور ہو وہاں بجائے "یوق" یا "دگل" کے

"خیر" کہتے ہیں۔ میں نے سیاحت ٹرکی کے شوق سے ہندوستان میں ہی تھوڑی سی ترکی زبان سیکھی تھی۔ اور دورانِ قیام استانبول میں بھی ترکی سیکھتا رہا۔ اس لئے تھوڑی بہت سمجھ اور بول سکتا تھا۔ غرض جب کئی لوقنطون یعنے رسٹارنٹوں سے بھی جواب ملا تو میں مایوس ہو گیا۔ اتنے میں میں پھرتا ہوا بنی والدہ جامع کے پیچھے جو کھلی جگہ ہے وہاں آ گیا۔ یہاں حمال اور مزدور نان وکباب کھا رہے تھے۔ میں نے بھی ڈیڑھ غروش کے نان وکباب اور دس پارہ کے انگور خرید سے جو آدھ سیر سے کم نہ تھے۔ اور انہیں حمالوں کی طرح کھانا ہاتھ پر رکھکر بلا پانی پینے کے داخل دفتر کیا مگر اس کے بعد خدا کا شکر ہے کہ میں قسطنطنیہ میں بہت اچھی طرح آرام سے رہا۔ اور اکثر مجھے اول درجہ کے لوقنطون یا امرا کے یہاں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ پہلے تو میں پیرا کی طرف سے ہوٹل چھوڑ کر استنبول کی طرف آ گیا۔ کیونکہ شیخ ولی محمد صاحب افغانی شیخ تکیہ افغانی بکلر بیگی نے کہ جنسے میں پہلے پہل قسطنطنیہ میں ملا تھا۔ اور جنہوں نے مجھے شروع میں بڑی مہربانی فرما کر قابل دید مقامات دکھلانے میں بڑی مدد دی تھی۔ اور بڑی تگ ودو اور کوشش سے میرا اسباب کمرک سے جلدی دلوا دیا تھا۔ مجھے سخت تاکید کی کہ اگر میں ترکوں کے معاشرت اچھی طرح معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اور معزز ترکوں سے ملنا چاہتا ہوں تو مجھے پیرا کا ہوٹل فوراً چھوڑ دینا چاہئے کہ جہاں فرنگی رہتے ہیں۔ اور استنبول میں کسی اچھے لوقنطہ میں رہنا چاہئے۔ چنانچہ خود ساتھ جا کر میرا اسباب لنڈن ہوٹل سے لے آئے۔ اور از میر ہوٹل میں جو پل غلاطہ سے قریب ہی ہے رکھا۔ اور صرف ایک فرانک یعنے دس آنہ روزانہ کمرہ کا کرایہ مقرر کیا۔ مگر ۲۴ ستمبر سے سید عبد الغفار صاحب کشمیری بڑے اصرار اور بڑے تقاضا سے مجھے اپنے مکان پر ٹھیرانے کو لے گئے اور نہ صرف ۸ اکتوبر تک کہ جب تک میں قسطنطنیہ سے روانہ نہیں ہوا انہیں کا مہمان رہا۔ بلکہ قریب قریب ہر روز دو ۱۵ اپنا کام

ہرج کرکے مجھے قسطنطنیہ کے قابل دید مقامات مساجد بازار کارخانے مثل توپ خانہ فس خانہ اور ترسانہ کے اور سیر گاہیں مثل بیوک آدہ وبیکے قوز وغیرہ کے دکھلاتے رہے اور بعض نامور علما سے ملاقاتیں کراتے رہے کہ جس کے لئے میں اُن کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ اب میں ایام اقامت قسطنطنیہ کی کیفیت بجائے روزانہ ڈائری کے صورت میں لکھنے کی کسیقدر اختصار سے لکھتا ہوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ پہلے ہی بیئے بہت اطناب کردیا ہے۔

قسطنطنیہ

"بلدۃ طیبۃ ورب غفور"

راہم امرالفتح قومٌ اولون

حازہ بالفتح قوم آخرون

باز گو از نجد و از یاران نجد تا در و دیوار را آری بوجد

بائی زنطین قدیم — سلطان محمد فاتح نے کئی ماہ کے محاصرہ اور عظیم الشان جنگ کے بعد قسطنطنیہ کو بروز شنبہ ۲۹ - مئی ۱۴۵۳ء (مطابق ۱۰ جمادی الآخر ۸۵۷ھ ہجری) ۱۱۲۳ برس کی عیسائی حکومت سے نکال کر مسلمانوں کے قبضہ میں داخل کیا۔ گو اس سے بہت مدت پہلے یعنے ۶۶۷ قبل مسیح میں پہلے پہل یہاں ایک یونانی آبادی ایک شخص بائی زاس کی سرپرستی سے قائم ہوئی تھی۔ اور اسی لئے اس کا نام بائی زنٹیم (بائی زنطین) رکھا گیا تھا۔ لیکن اس کی عظمت اور شہرت کی بنیاد اسی وقت سے شروع ہوئی کہ جبکہ رومن قیصر قسطنطین نے روم کبیر کو ترک کرکے ۳۳۰ء میں اسے سلطنت روما کا پایہ تخت قرار دیا اور اسکی

آبادی اور ترقی پر بے انتہا کوشش کرکے ۱۱ مئی سنہ ۳۳۰ء کو چالیس روز کے جشن

رومی قسطنطنیہ اور انقلاب سلطنت

کے ساتھ روم جدید کا افتتاح کیا گیا۔ اس وقت سے لیکر اسپر رومی لاطینی اور یونانی قیصر یکے بعد دیگرے حکمران رہے مگر یہ شہر کچھ ایسے دلکش اور ضروری موقع پر واقعہ ہے کہ ہمیشہ ایشیا اور یورپ کے فاتحوں کی نظریں ادھر اٹھتی رہیں۔ اور اسپر اسقدر فوج کشیاں ہوئیں اور اتنی مرتبہ تاخت وتاراج ہوا کہ اس کی قدیم تاریخ محاصروں اور سلطنت گردیوں سے لبریز نظر آتی ہے۔ وان ہیمر مشہور جرمن مورخ نہایت اعتدال کی نظر سے اندازہ کرتا ہوا لکھتا ہے کہ کم از کم چوبیس مرتبہ اس شہر کا محاصرہ ہوا۔ اور چھ مرتبہ اسے بزور شمشیر فتح کیا گیا۔ اور کون جان سکتا ہے کہ کتنے لاکھوں بلکہ کروڑوں بندگان خدا ان سلطنت گردیوں کے موقعوں پر تلف ہوئے ہوں۔ صرف سلطان محمد کی فتح کے موقع پر فریقین کے تین چار لاکھ آدمی کام آئے اور ساٹھ ہزار سے زیادہ عیسائی زن ومرد مسلمانوں نے قید کئے۔

قسطنطنیہ پر ابتدائی اسلامی حملے

قرن اول کے، فاتحان اسلام کی اولوالعزمی اور قسطنطنیہ کی شہرت وشوکت ایسی چیزیں نہ تھیں جو دیر تک ایک دوسرے سے پوشیدہ رہتیں چنانچہ پہلے پہل امیر معاویہ کے عہد میں مسلمانوں نے سنہ ۶۶۸ء (سنہ ۵۰ھ) میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ اور پھر عبداللہ بن المطلب سپہ سالار خلیفہ ولید بن عبدالملک نے یورش کی۔ یہانتک کہ مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر سات حملے کئے۔ لیکن یونانی اپنی مضبوط فصیلوں پر سے نفط کی ہانڈیاں (آتش یونان) پھینک کر مسلمان محاصرین کو پسپا کرتے رہتے۔ پھر خلیفہ ہارون الرشید نے سنہ ۷۸۲ء میں اس شہر پر حملہ کیا۔ مگر لشکر اسلام نے قسطنطین سے صلح کا عہد کرلیا۔ لیکن جب سلطان مراد ثانی کے عہد میں ترکوں کو ہنگری سرویا۔ البانیا ولیشیا اور البانیا میں کئی فتوحات حاصل ہوچکیں تو پھر انہیں قسطنطنیہ کی طرف

ـــــــ

۱؎ خلیفہ ہارون الرشید کے بعد سلطان اورخان نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور قیصر روم کی لڑکی سے شادی کرکے صلح کرلی (مجلۃ المجلات العربیہ جنوری سنہ ۱۹۰۳ء)

توجہ ہوئی۔ اور نوجوان سلطان محمد نے تخت پر بیٹھتے ہی فتح قسطنطنیہ کی تدبیریں شروع کر دیں۔ اور اسی غرض سے سلطان نے دو لاکھ فوج جرار ایڈریا نوپل میں اور تین سو جنگی کشتیاں گلی اوپلی میں تیار کیں۔ اور علاوہ چودہ باتریاں توپ خانہ کے ایک اتنی بڑی توپ بنوائی کہ جسے چلانے اور تیار کرنے کو سات سو آدمی درکار ہوتے تھے۔ جس میں بارہ من کا پتھر کا گولہ چلکر ایک میل تک مار کرتا تھا۔ اور جس کو پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی کھینچکر ایڈریا نوپل سے قسطنطنیہ تک لائی تھی۔

سلطان فاتح کا محاصرہ قسطنطنیہ

اس وقت کے رومی قیصر کا نام قسطنطین ڈریگا سس تھا ہر چند کہ اب اس کی سلطنت انتزاع کی حالت میں تھی۔ اور اس کے پاس فوج بہت نہیں تھی۔ تاہم قسطنطنیہ کی فصیلیں جو خشکی کی طرف سے یکے بعد دیگرے تین تین بنی ہوئی تھیں۔ اور سمندر کی طرف سے بھی کم مضبوط نہ تھیں۔ اُن پر ترکوں کی متواتر گولہ باری جلدی کچھ نتیجہ نہ پیدا کر سکی۔ سمندر کی طرف جو حصہ شہر کا کم محفوظ تھا اور یہ وہی تھا کہ جو گولڈن ہارن (شاخ طلا) کے استنبول کی طرف واقعہ ہے اور رومی انجنیروں نے اس وجہ سے اس حصہ کو زیادہ مضبوط کرنے کی طرف توجہ نہ کی تھی کیونکہ انہوں نے مینار غلاطہ اور استنبول کے ایک مینار کے درمیان جو اب کیک خانہ کے پس پشت ہے۔ ایک بہت بھاری آہنی زنجیر باندہ کر یہ راستہ سمندر کا بند کیا ہوا تھا۔ مگر سلطان محمد نے راتوں رات باسفورس کے مقام دولمہ بانچہ سے تین میل تک خشکی پر صنوبر کے موٹے تختے بچھا کر اور اُن پر تیل اور چربی لگا کر ڈیڑھ سو یا دو سو جنگی کشتیاں گولڈن ہارن میں قاسم پاشا کے نیچے لا ڈالیں۔ پیرا میں ایک سڑک کمبراجی یکسو اب تک مشہور ہے جو ان کشتیوں کے لانے سے بن گئی تھی۔ ہر چند کہ سلطان نے اس طرح خشکی کی راہ سے بحری بیڑہ سمندر میں لا ڈالنے کا ایک عجیب دانشمندی اور ہوشیاری کا کام کیا تھا۔ تاہم خدا تعالےٰ کو منظور تھا کہ

خشکی پر سے دو سو کشتیاں گذارنا

ترکوں کی بہادری کا سکہ یوروپ میں بیٹھ جائے۔ اس لیئے اُن کی دانشمندی کی تدبیر کے مقابلہ میں اُن کی بسالت اور شجاعت زیادہ کام آئی۔ چنانچہ شہر کی خشکی کی طرف جہاں تیرہی شہر پناہیں تھیں اور قیصر قسطنطین کا قیصر بلاچرمی واقع تھا وہیں ترکی منجنیقوں اور توپوں نے اور تہ قیود (دروازے) پاس فصیل میں رخنہ کیا اور ہر چند کہ یونانی محاصرین کے تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ سے مطلع تاریک ہو رہا تھا۔ مگر سچا پس مسلمان "لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ" کے نعروں سے آسمان کو پھاڑتے ہوئے فصیل پر چڑھ گئے۔ اور وہاں ترکی علم گاڑ کر پکار دیا کہ ہم نے شہر لے لیا۔ سلطان فاتح خود گھوڑے پر سوار اور ہاتھ میں ننگی تلوار لئے ہوئے اپنی فوج کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ اُس نے معاً دس ہزار ینی چری فوج کو شہر میں داخل کر دیا۔

لشکر اسلام نے قسطنطنیہ فتح کر لیا

قسطنطین بھی آخری دم تک "خدا اور کنواری کے واسطے" کے نعرے مار کر اپنی فوج کے حوصلے بڑھاتا رہا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ اس کے جاں نثار اس کے سامنے ایک ایک کر کے مر گئے ہیں تو اُس نے اس ڈر سے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار نہ ہو جائے پکار کر کہا کہ کیا اس وقت کوئی عیسائی نہیں رہا جو میرا سر تن سے جدا کر دے۔ مگر آخر ایک مسلمان کے نیزہ سے اس کا کام تمام ہو گیا۔ مورخ متفق ہیں کہ قیصر قسطنطین نے بھی داد شجاعت دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا۔ یہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ جس طرح قسطنطنیہ کی سلطنت قسطنطین سے شروع ہوئی تھی۔ ایسے ہی اس کا خاتمہ بھی قسطنطین پر ہوا۔ ہر چند کہ بیچ میں کئی قومیں اور کئی خاندان حکمران رہے اس طرح سلطان محمد ثانی نے اس عظیم الشان شہر کو فتح کر لیا کہ جس پر اس سے پہلے ۲۹ حملے ہو چکے تھے مگر بوجہ اپنی فصیلوں کے مضبوطی کے ہمیشہ سلامت رہا تھا اور جس کے اندر تین لاکھ باشندے آباد تھے۔

مریم مقدس کا پیراہن اور فرشتہ کی تلوار

عیسائی پادریوں نے اہل شہر کو اسقدر احمق

بنا رکھا تھا کہ اُن کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ کبھی ترک قسطنطنیہ پر قبضہ کر سکتے ہیں جو مقدس مریم کا شہر ہے۔ کیونکہ قدیم الایام سے قسطنطنیہ میں نعوذ باللہ خدا کی ماں کا ایک کرتہ رکھا ہوا تھا جس کی بڑی رسم و رسوم کے بعد سال میں تین مرتبہ رومی قیصر زیارت کیا کرتے تھے۔ اور پادریوں نے داستانیں بنا رکھی تھیں کہ ایک مرتبہ جب روسی فوج نے شہر کا محاصرہ کیا تھا تو حضرت مریم خود نمودار ہو گئی تھیں۔ اور روسی اپنے جہازوں پر بیٹھکر لوٹ گئے تھے۔ اسی خیال میں قسطنطین نے محاصرہ کے آخری دنوں میں مقدس پیراہن کا جلوس بھی شہر میں نکلوایا تھا۔ جبکہ فتحمند لشکر شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ اس وقت تک یونانیوں کو یقین تھا کہ جب مسلمان آیا صوفیہ کے گرجا کے احاطہ میں داخل ہونگے ایک فرشتہ آتشی تلوار لئے ہوئے آسمان سے اُترے گا۔ اور ان سب کا قلع قمع کر دے گا۔

راہب کی مچھلیاں چنانچہ ایسے واہی خیالات اِن لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو چکے تھے۔ دروازہ سلوری قیوسی کے قریب ایک کنواں اب تک موجود ہے جسے عیسائی "بالک لی" کا مقدس کنواں کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ مشہور روایت وابستہ ہے جو ہر ایک سیاح کو بتلائی جاتی ہے کہ جب ترک شہر میں داخل ہو گئے تو یہاں ایک راہب بیٹھا مچھلیاں کھو (؟) رہا تھا۔ کسی نے اُسے آکر اس واقعہ کی خبر دی۔ اُس نے غصہ سے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ میں تب یہ بات مانوں جب یہ مچھلیاں اس کڑاہی سے اچھلکر پانی میں جا گریں۔ چنانچہ جھٹ مچھلیاں پانی میں جا گریں۔ اور اس وقت سے اب تک اُن کی نسل اس کنوئیں میں چلی آتی ہے۔ اس سے کم از کم یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ قسطنطنیہ ایک ایسا طلسم بنا ہوا تھا کہ ترکوں کا اُس پر قابض ہونا عجائبات سے سمجھا جاتا تھا۔ مگر سلطان محمد فاتح نے اس طلسم کو توڑ دیا۔ اور سارے یوروپ کی آنکھیں ترکی جلال و جبروت کے سامنے چوندھیا گئیں۔

خون آلود پنجہ کا نشان جو اب تک باقی ہے

جس وقت فتح مند لشکر شہر میں داخل ہوا تو غازیوں کی تلواریں خون کے دریاؤں میں مچھلیاں بنکر تیر رہی تھیں۔ راستہ میں اٹ میدان سے گذرتے ہوئے سلطان نے تین سانپوں والی رو مین لاٹ کو دیکھ کر اپنی جنگی تبر سے اس کا سر اوڑا دیا۔ عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان نے اس خیال سے اس کا سر اوڑا دیا تھا کہ اس میں کوئی طلسم نہ ہو۔ مگر اصل یہ ہے کہ سلطان اس شہر کو جو طرح طرح کے بتوں سے لبریز تھا۔ بتوں سے پاک و صاف کرنا چاہتا تھا کہ جس کی اور بھی بہت نظیریں موجود ہیں۔ اٹ میدان سے گذر کر سلطان گھوڑے پر چڑھا چڑھایا سب سے بڑے گرجا سینٹ صوفیا میں داخل ہو گیا۔ جہاں اب تک ایک ستون پر سلطان فاتح کا خون آلود پنجہ لگا ہوا نظر آتا ہے جو فتح کا ایک نشان سمجھا جاتا ہے۔ گو اب مرور زمنہ کے بعد اس کا رنگ بہت مدہم پڑ گیا ہے۔ اسے دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ خواہ سلطان نے گھوڑے پر چڑھے ہوئے ہی وہاں پنجہ لگایا تھا تب بھی وہ بہت بڑا قد آور جوان ہو گا۔ ایک مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ چونکہ اس وقت تک ترکی سلطان بجائے دستخط کے رنگ میں ڈبو کر اپنا پنجہ ہی توقیعات سلطانی پر لگایا کرتے تھے۔ کیونکہ عثمان اول نے بوجہ ان پڑھ ہونے کے پہلے پہل رنگ کا پنجہ لگایا تھا۔ اس لئے سلطان فاتح نے بھی گویا ایا صوفیہ کی دیوار پر اپنا دستخط کیا تھا۔

فاتحین کے شہر میں داخل ہو جانے پر عیسائی زن و مرد سینٹ صوفیہ کے گرجے میں جوق جوق پناہ لینے کو جمع ہو گئے تھے۔ پہلے تو فاتحین نے اُن میں سے بعض کو مارا اور بعض کو لونڈی غلام بنا لیا لیکن اُن میں سے جس قدر سلطان کے پہنچنے تک بچ رہے تھے۔ انہیں امان دی گئی۔ مگر جو چاندی سونے کے بت رکھے ہوئے تھے

گرجا کو مسجد بنا دیا گیا

وہ توڑ ڈالے گئے صلیبیں فوراً گرا دی گئیں۔ اور چھت اور دیواروں پر جو اعلےٰ درجہ کی موزائک کی بنی ہوئی تصویریں تھیں۔ انہیں

پلستر وغیرہ سے ڈھانپ دیا گیا۔ چنانچہ یکم جون ۱۴۵۳ء کو بروز جمعہ سلطان نے معہ اپنے دربار اور لشکر کے پہلی نماز اس عظیم الشان مسجد میں ادا کی۔ اور اس وقت سے اب تک اور انشاء اللہ ابدالاباد تک یہ مسجد ایک خدا کی عبادت کے لیے قائم رہے گی۔ قسطنطنیہ کے یونانی عیسائیوں میں ایک روایت مشہور ہے کہ ایا صوفیہ میں ایک پادری اپنی صبح کی (ماس) عبادت میں مصروف تھا جب مسلمان سپاہی مسجد میں داخل ہو گئے تو وہ انہیں دیکھ کر مقدس برتن سمیت ایک سنگ خارا کی دیوار میں گھس گیا۔ جو اس وقت تک باہر نہیں نکلے گا کہ جب تک ترک قسطنطنیہ سے نہیں نکل جائیں گے۔ اور اس کے نکلنے کے بعض لوگ برابر منتظر ہیں۔ لیکن امید نہیں کہ وہ کبھی بھی نکلے اور کبھی بھی خدا اپنے عبادت کے گھر کو پھر بتوں کی عبادت کے لیے دیدے۔

ترک قسطنطنیہ کبھی نہیں چھوڑیں گے

اس کی ظاہر دلیل تو یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر پونے سات سو سال قبل مسیح سے لیکر ساڑھے چودہ سو سال بعد مسیح تک یعنے سوا اکیس سو سال میں کبھی کسی خاندان نے مسلسل دو سو سال تک حکومت نہیں کی ہو گی مگر اس کے بجائے کسی دوسرے خاندان یا دوسری قوم کو حکومت نہ مل گئی ہو۔ مگر سلاطین خاندان عثمان بلا فصل ساڑھے چار سو سال سے قسطنطنیہ پر برابر حکومت کر رہے ہیں وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اس تھوڑے سے تاریخی دیباچہ کے بعد اب میں شہر کی کچھ کیفیت بیان کرتا ہوں۔

قسطنطنیہ کے مختلف نام

میں ایک روز چند اہل علم احباب کے ساتھ قسطنطنیہ کے ایک قہوہ خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ذکر آ گیا کہ قسطنطنیہ کس کس نام سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت اتنے نام بتلائے گئے تھے۔ کانسٹنٹی نوپل۔ قسطنطنیہ۔ استانبول۔ اسلام بول۔ دارالسعادت۔ درسعادت۔ آستانہ۔ آستانہ علیہ۔ درعالیہ۔ باب عالی۔ سبلائم پورٹ۔ پورٹ۔ پایہ تخت۔ مدینۃ الخلافہ

باب المراد اور بلدہ طیبہ اس کے علاوہ مثل بازنیٹم کے دو تین قدیم نام بھی بتلائے گئے۔ یقیناً دنیا میں کسی دوسرے شہر کو یہ امتیاز حاصل نہیں جو اس دو براعظموں کے شہر کو حاصل ہے۔ یہاں تمام لوگ بول چال میں استانبول کہتے ہیں اور لکھنے میں درسعادت لکھتے ہیں۔

استانبول۔ غلاطہ پیرا اور توپخانہ

بحیرہ مامورا کے شمال میں آبنائے باسفورس کے دونوں کناروں پر شہر قسطنطنیہ سولہ میل تک پھیلا ہوا ہے لیکن اصل شہر استانبول و غلاطہ پیرا یورپین ساحل پر اور اُسکدار یا سقوطری ایشیائی ساحل پر واقع ہیں۔ اور اُن کے مضافات دور تک لب آب پر پھیلتے چلے گئے ہیں۔ استانبول اور غلاطہ و پیرا کے مابین ایک سمندر کی چار میل سے زیادہ لمبی شاخ چلی گئی ہے۔ کہ جسے یورپین گولڈن ہارن اور ترک استانبول لیمانی (خلیج استانبول) کہتے ہیں۔ دو پلوں کے ذریعہ سے شہر کے یہ دونوں ضروری حصے ملحق ہیں۔ استانبول یا اسلامبول[1] اصل قسطنطنیہ ہے۔ کیونکہ رومیوں کے زمانہ میں غلاطہ پر بہت تھوڑی آبادی تھی۔ اور اُسکدار یعنے سقوطری ایک علیحدہ آبادی ساحل ایشیا پر سمجھی جاتی تھی۔ استانبول میں ہی شہر کے تمام عظیم الشان و قابل دید عمارت مثل مساجد و مقابر کے قائم ہیں۔ اور مسلمانوں کی بھی یہیں زیادہ آبادی ہے۔ اس کی شکل مثلث اور رقبہ تیرہ میل کا ہے۔ اور صرف اس کی خشکی کی طرف سے فصیلیں پانچ میل لمبی ہیں۔ استانبول کی اصل اسلام بول یعنے شہر اسلام معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یونانی زبان میں شہر کو پول یا پولس کہتے ہیں۔ جیسے کہ کانسٹینٹی نوپل یا ایڈریانوپل کے اخیر میں موجود ہے۔ بخلاف استانبول کے غلاطہ اور پیرا کی آبادی میں عیسائی زیادہ ہیں۔ غلاطہ میں تجارتی کوٹھیاں۔ بینک۔ جہازوں کی ایجنسیاں صرافہ اور یورپین کارخانوں کے ایجنٹ رہتے ہیں۔ اور پیرا جو زیادہ بلندی پر واقعہ ہے صرف یورپین آبادی ہے جہاں اہل یوروپ یہاں کے دو غلے

[1] ایک ترک مصنف کی رائے ہیں اسلامبول اسلام اولی کا مخفف "بولمک" ترکی مصدر کے معنی پانا ہے۔ یعنے اسلام نے اس شہر کو پالیا۔ مگر ایک یورپین مورخ لکھتا ہے کہ یہ لفظ یونانی الفاظ Eis ten Polin کا مجموعہ ہے جس کے معنی داخل شہر کے ہیں۔

یورپین یا لیونٹائن یونانی اور امنی رہتے ہیں اور تمام یورپین ہوٹل اور ممالک غیر کے سفارت خانے بھی یہیں ہیں۔ اور یوروپ کی ہر ایک زبان اس کے کوچوں میں بولی جاتی ہے۔ غلاطہ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ یہاں گال (اہل فرانس) آکر مقیم ہوئے تھے۔ پیرا چونکہ غلاطہ کے بیرونی طرف واقعہ ہے۔ اس لئے اسے یہ نام ملا۔ توپخانہ بھی غلاطہ کا ایک تتمہ ہے جو ساحل سمندر کے متوازی قصبہ دولمہ باغچہ تک چلا گیا ہے۔ جہاں توپ سازی کے کارخانے اور سرکاری عدالتیں ہیں۔

پل غلاطہ کی رونق مسافر خواہ بذریعہ جہاز بحیرہ مارمورا کے راستہ آئے یا یوروپ سے ریل کے راستہ پہنچے پہلے استانبول اور غلاطہ کے پل کے پاس اترتا ہے۔ اور قسطنطنیہ میں سب سے بارونق حصہ بھی پل غلاطہ ہے۔ صبح سے شام تک جس وقت بھی یہاں سے گذرو پل پر آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہوتا ہے۔ پیدل سوار۔ عورت مرد بوڑھا جوان ترک عرب انگریز یہودی گورے کالے سپاہی خواص گداگر سقے غرض سبھی یہاں سے گذرتے ہیں۔ نہ صرف ایشیا اور یورپ بلکہ دنیا کی ہر قوم کے آدمی ہر وقت اس پل پر موجود ہوتے ہیں۔ دیکھو وہ سامنے ایک عرب جبہ پہنے عمامہ باندھے آرہا ہے۔ پاس سے ایک انگریز یا امریکن چھاتا لئے ہوئے گذر جاتا ہے۔ ایک اللہ کے فقیر کے سر پر میلا کچیلا عمامہ اور ہاتھ میں کچکول ہے جو تم سے سوال کر رہا ہے۔ ایک ارمنی پھٹے پورانے چیتھڑوں سمیت ایک بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے جا رہا ہے۔ ایک نہایت سیاہ چہرہ حبشی عمدہ ترکی لباس پہنے گھڑی کی طلائی زنجیر پھڑکاتے ہوئے گذر رہا ہے۔ قریب سے دیکھنے سے اس کے چہرہ کی سیاہی چمکتی ہے۔ یہ ضرور بڑا دولت مند شخص ہوگا۔ شائد حرم سلطانی یا کسی بڑے پاشا کے حرم میں بڑا معتبر خواجہ سرا ہے۔ ایک عورت سیاہ رنگ کے ریشمی فراجہ میں سر سے پا تک بقچہ بنی ہوئی گذر رہی ہے۔ مگر آنکھیں اور ناک اس سفید

باریک یشماق میں سے باہر نظر آتے ہیں۔ جو اُس نے منہ پر ڈالا ہوا ہے۔ پاؤں میں اونچی ایڑی کا نازک بوٹ بھی ہے۔ اگر یہ خاتون کہیں اونچے گھرانہ کی ہوتی تو اُس کے ساتھ کوئی خواجہ سرا یا نوکر ضرور ہوتا۔ ایک یونانی ایک نرالی وضع کی کلیوں والی سفید پیٹی کوٹ مع ایک چھوٹی سی پیشواز سے مشابہ ہے۔ اور اُس کے اوپر طلائی کام کی واسکٹ ہے مٹکتی جاتا ہے۔ ایک فرنگی میم ایک انداز سے شمشیہ لگائے جاتی ہے۔ ایک فربہ اندام مخضب ریش پاشا کے سر پر ایک نوکر نے چھاتا لگایا ہوا ہے۔ ذرہ بچ کے چلنا پیچھے سے گاڑی آ رہی ہے۔ دائیں کو جھکے تو ایک گدھے سے ٹھوکر کھاتے کھاتے بچے۔ ادھر سے ایک ایرانی خشخشی ڈاڑھی اور پاؤں تک لمبا چوغہ پہنے جا رہا ہے۔ ایک خونخوار ہیئت کا بخارائی ترکمان بھیڑ کے چمڑے کی پوستین اور ٹوپی اور لمبے موزہ نما بوٹ پہنے آہستہ آہستہ گذرتا ہے۔ ہر چند کہ موسم خاصا گرم ہے۔ ایک البانی تل شہد اور مٹھائی بیچتا پھرتا ہے۔ سامنے سے ایک بلغار اور ایک یونانی میوہ کی خونچے لئے آتے ہیں۔ آہا کیسے مزہ دار انگور ہیں۔ بچے اخبار بیچتے پھرتے ہیں۔ تین چار لڑکے پل کے ایک سرے پر کچھ کسے کسائے گھوڑے زین سواری کے واسطے لئے کھڑے ہیں۔ وہ دیکھو ایک بوڑھا شیخ کہ جس کی سرخ ٹوپی پر ایک سفید دھجی لپٹی ہوئی ہے۔ ایک گھوڑے پر سوار ہو گیا ہے اور لڑکا گھوڑے کو پیچھے سے ہنکا کر خود بھی بھاگنے لگا ہے۔ ایک بوڑھے ترک کے سر پر ایک مٹھائی کا خوانچہ اور ہاتھ میں ایک چھوٹا سا مونڈھا ہے کہ جہاں رکھدے گا وہیں دوکان بنا لیگا۔ اس کے کپڑوں کی وضع ویسی نہیں جیسے کہ باقی سب تعلیم یافتہ اور مہذب ترکوں کی ہے جو سوائے سرخ ٹوپی کے باقی بالکل انگریزوں کے سے سیاہ کوٹ پتلون پہنے ہوئے تنہا رہے دائیں بائیں گذر رہے ہیں۔ ایک سقا کٹورے چھنکاتا ہوا پانی پلانے کو تیار ہے۔ یہ سامنے سے لمبے لبادوں والے دو شخص سروں پر سفید نمدے کی

اونچی اونچی ٹوپیاں پہنے ہوئے مولوی درویش گذر رہے ہیں۔ یہ ایشیائی یہودی ہے کہ جس کی زلفیں بے ڈھنگم لمبی لٹک رہی ہیں۔ اور بہت بڑی سی ناک ہے۔ کیونکہ یوروپ میں یہودیوں کے لباس و شکل میں اہل یوروپ سے کچھ فرق نہیں۔ اور خدا جانے اور کس کس وضع اور قطع کے لوگ اس پل پر سے ہر وقت گذرتے رہتے ہیں۔ جب گاڑیاں اور چھکڑے اور آدمی گذرتے ہیں یا گھوڑے اور گدھے چلتے ہیں تو نیچے سے پل کے پیدہ تختے چیختے ہیں۔ فقیر بھیک مانگتے ہیں۔ سودا بیچنے والے اپنی اپنی صدائیں لگاتے ہیں تو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ چاروں طرف سے سٹیمروں کی سیٹیاں سنائی دیتی ہیں۔ جو باسفورس کے دونوں کناروں کی آبادیوں کو دن میں ہر وقت روانہ ہوتے اور واپس آتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ جو دریا میں پل کے دونوں طرف بڑھے ہوئے لکڑی کے مکانات ہیں یہی دونوں طرف جانے والے جہازوں کے سٹیشن ہیں۔ اور یہیں شہر کے بہترین قہوہ خانے اور ریسٹوران بھی ہیں کہ جہاں بہت عمدہ کھانا اور قہوہ وغیرہ سے لوگ شادکام ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت میلہ سا لگا رہتا ہے۔

دلکش منظر آبنائے باسفورس کی دونوں طرف ڈھلوان پہاڑیوں پر گیلری کی طرح جو شہر کے مکانات شاہی محلات مساجد کے سفید گنبد و مینار اور آبادیاں میلوں تک چلی گئی ہیں۔ انہوں نے منظر کو اس قدر دلکش اور دلبر بنا دیا ہے کہ کوئی قلم یا پنسل کما حقہٗ اُس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتی۔ اور نہ اس کے دیکھنے سے طبیعت سیر ہو سکتی ہے۔ کناروں کے نشیب سے لیکر بلندی تک مکانوں کا نیچے اوپر چلا جانا کیا دن کو اور کیا رات کو عجیب نظارہ پیدا کرتا ہے۔ خصوصاً رات کو جبکہ تمام شہر میں چراغ روشن ہوتے ہیں۔ اور اُن کی روشنی پانی میں منعکس ہوتی ہے۔ نقاش قدرت نے ایسا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے کہ ایک عالم اُسے دیکھکر دنگ ہو رہا ہے پل

غلاطہ پر استنبول اس کے تمام بینار گولڈن ہارن اور اس سے پرے حضرت ایوب انصاری کی خانقاہ - غلاطہ - پیرا - بیرونی لنگر گاہ اُس کے بے شمار جہاز اور کشتیاں اور ایشائی ساحل کا نہایت خوشنما منظر دیکھنے میں آتا ہے۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ شاعر مصنف اور مصور نے صدہا اور بارہا کوشش کی ہے کہ گیت یا نثر یا رنگ آمیزی کے ذریعہ سے اس شہر کی خوبصورتی کا نقشہ کھینچے۔ مگر کسی کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ قسطنطنیہ کو کما حقہ بیان کر سکنا مشکل ہے۔ اور کوئی ترانہ یا قلم یا موقلم پورے طور پر اس کیفیت کو ظاہر نہیں کر سکے جو ایک اجنبی کی آنکھ جو بحیرہ مارمورا کی طرف سے عمدہ موسم میں آتا ہو۔ پہلے پہل اس شہر کو دیکھکر محسوس کرتی ہے - یہ بجائے کسی واقعی شہر کے جو اینٹ پتھر یا چونہ سے تعمیر ہوا ہو۔ یا ہزار الف لیلہ کے کسی جادو کے شہر سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ جب اس کی پہلی نگاہ، صبح کی سہانی روشنی میں ان سات چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر پڑتی ہے جو ہر طرح کی عمارات سے تاکنار آب ڈھپنی ہوئی ہیں۔ اور ان میں قوس قزح کے سارے رنگ پائے جاتے ہیں۔ ایک سفید مرمر کی کوشک چند سرو کے درخت ایک مسجد کا سر بفلک کشیدہ نازک مینار یا کئی مسجدوں کے طلائی کلسوں والے گنبد خوش رنگ مکانوں کے اوپر سے نظر آتے ہیں۔ کہ جبتک آفتاب کی روشن کرنیں پڑکر نیلگوں آسمان کے سامنے اور آبنائے باسفورس کے شفاف پانی کے اوپر کہ جس میں انکا عکس آئینہ کی طرح پڑ رہا ہے۔ عجیب دلکش منظر دکھلاتی ہیں۔ تو اُسے ایک نا قابل بیان منظر نظر آتا ہے۔ اور اسی کا نام قسطنطنیہ ہے۔

پروفیسر میکس مولر کا خیال ہے کہ مارمورا کی طرف سے دیکھنے والوں کو قسطنطنیہ کا منظر ایسا خوبصورت نظر آتا ہے کہ سٹاک ہولم نیپلز اور روما تینوں کی خوبصورتی ملاکر اس کے برابر ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ تینوں

شہر برلب بحر واقع ہیں۔ بلکہ وینس تو بحر کے اندر آباد ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور نیپلز کی خوبصورتی کی بابت انگریزی زبان میں مثل مشہور ہے "مرنے سے پہلے نیپلز کو دیکھ لو"۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تعریف قسطنطنیہ کے خوبصورت طبعی اور مصنوعی مناظر کی ہو سکتی ہے۔

پل غلاطہ کا محصول گزر

استنبول اور غلاطہ کے درمیان آمد و رفت کے لئے ایک یہی راستہ نہیں بلکہ سلطان ایوب کی طرف ایک اور بھی پل ہے کہ جسے اندرونی یا غذاب قپو پل کہتے ہیں۔ یہ دونوں پونٹوں برج ہیں کہ جن کے نیچے سے جہاز گزر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں لوگ شہر کے ایک طرف سے دوسری طرف چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بھی ہر وقت گزرتے رہتے ہیں کہ جنہیں کیک یا کائک کہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس پل کی رونق کا کچھ اندازہ نہیں۔ پل غلاطہ یا بیرونی پل (جسے ترک والدہ سلطان کوپری سی یا قراکوئی کوپری سی بھی کہتے ہیں۔ (ترکی میں پل کو کوپری کہتے ہیں) اسے سلطان عبدالمجید خاں کی والدہ نے قدیم کشتیوں کے پل کی جگہ تعمیر کرایا تھا۔ پل کے دونوں سروں کے قریب یہ آدھی آدھی درجن سفید لمبے کرتے پہن کر کون کھڑے ہیں۔ یہ لوگ محصول گذر وصول کرتے ہیں جو ہر شخص سے ایک متالک یا اون ارہ لیا جاتا ہے جو قسطنطنیہ کا ایک پیسہ ہے مگر قیمت میں ہندوستان کے دو پیسہ کے برابر ہے۔ گھوڑوں کا سواروں سے ایک غروش اور گاڑیوں کا محصول ۲ ۱/۲ قرش مقرر ہے۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ قریب ۳۰ ہزار پونڈ سالانہ کے محصول گذر سے وصول ہوتے ہیں۔ جو سلطان المعظم کسی یتیم خانہ اور غریب خانہ پر خرچ کر دیتے ہیں۔

گولڈن ہارن

یہ دونوں پل اسی سمندر کی شاخ یا خلیج پر بنے ہوتے ہیں کہ جسے یورپین گولڈن ہارن کہتے ہیں۔ اور یہ نام آج سے نہیں بلکہ قدیم زمانوں سے چلا آتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ تجارتی جہازوں کے لئے یہ نہایت عجیب بندرگاہ ہے کہ جس میں بارہ سو جہاز ایک وقت میں

سما سکتے ہیں۔ اور بوجہ بہت گہرا ہونے کے بڑے سے بڑے جہاز بھی اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ دنیا بھر میں بڑا بندرگاہ ہے۔ اور ایسے موقع پر واقع ہے کہ یوروپ اور ایشیا کے تجارت کی منڈی ہے۔ اِسے قدیم یونانیوں نے یہ نام دیا۔ بعض کا خیال ہے کہ بحیرہ مارمورا اور بحیرہ اسود دونوں طرف سے یہاں مچھلیاں بکثرت جمع ہو جاتی تھیں۔ اس لئے قدیم ماہی گیروں نے اسے یہ نام دیا۔ خواہ کوئی اور وجہ نہ ہو مگر اپنے خوبصورت منظر کی وجہ سے ہر طرح سمندر کا یہ حصہ زریں شاخ کہلانے کا مستحق ہے کہ جس کی شکل بارہ سنگے کے سینگ سے بہت ملتا ہے۔ اسکی زیادہ سے زیادہ چوڑائی دہانہ کے قریب ایک ہزار گز سے زیادہ نہیں۔

مخلوط آبادی ۔ چونگی ۔ ڈاکخانہ وغیرہ

آبادی مرینز ہینڈ بک ٹو کانسٹنٹی نوپل سنہ ۱۹۰۰ء اور بائبلز گائیڈ ٹو کانسٹنٹی نوپل کے سنہ ۱۸۹۹ء میں قسطنطنیہ کی آبادی آٹھ لاکھ اسی ہزار درج ہے۔ مگر ساتھ ہی مؤلف نے تسلیم کیا ہے کہ صحیح آبادی معلوم نہیں ہو سکتی۔ لیکن سٹیٹسمین ییئر بک جو بہت معتبر کتاب ہے۔ اور ہیمزلس ایئوال کے سنہ ۱۹۰۵ء کے ایڈیشنوں میں اس شہر کی آبادی گیارہ لاکھ پچیس ہزار اور ولایت قسطنطنیہ کی آبادی بارہ لاکھ تیس ہزار درج ہے[1]۔

مختلف اقوام کی آبادی مگر اس آبادی میں دنیا کی ہر قوم کے لوگ کم و بیش شامل ہیں۔ جیسا کہ میں پل غلاطہ کی سیر میں دکھلا چکا ہوں۔ ایک یورپین مصنف برائس نے اس خیال کو بہت عمدگی سے ظاہر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے قسطنطنیہ خاص کسی ایک قوم کا شہر نہیں۔ بلکہ اس میں مختلف قومیں آباد ہیں جس میں سے اسے نہ اِس قوم کا شہر کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ اُس کا۔ اہل لنڈن اور اہل پیرس سے جو مفہوم ہوتا ہے۔ وہ اہل قسطنطنیہ کے الفاظ میں نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس شہر میں کوئی ایسی قوم آباد نہیں جو تعداد اوروں سے بہت ہی زیادہ اور زبان عادات اور معاشرت میں یکساں ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ترک یہاں سے

[1] کتاب حقائق الاخبار عن دول البحار عربی مطبوعہ مطبع سرکاری مصر میں جو قریب زمانہ میں ہی چھپی ہے قسطنطنیہ کی آبادی تیرہ لاکھ سے زیادہ بتائی ہے اور یہی اعداد صحت سے زیادہ قرین معلوم ہوتی ہیں۔

بادشاہ ہیں۔ اور مسلمانوں کی آبادی فرداً فرداً سب عیسائی اقوام سے زیادہ ہے۔ لیکن اُن کی مجموعی تعداد سے کم ہے۔ اور علاوہ اس کے مسلمانوں میں سبھی ترک ہی نہیں۔ بلکہ ایرانی عرب شامی حبشی وغیرہ سب مسلمان اقوام شامل ہیں۔ ساڑھے نو لاکھ کی آبادی کی تقسیم بلحاظ مذاہب و اقوام حسب ذیل کی گئی ہے۔ اِسی نسبت سے بارہ یا تیرہ لاکھ کی آبادی کا تخمینہ لگا سکتے ہیں

مسلمان	۳۸۴۹۱۰
یونانی (عیسائی)	۱۵۲۷۴۱
یونانی لاطینی (〃)	۱۰۸۲
ارمنی (〃)	۲۲۰۰۰
رومن کیتھالک دیسی (عیسائی)	۶۴۴۲
پروٹسٹنٹ (〃)	۸۱۹
بلغار (اہل بلگیریا) 〃	۴۳۷۷
یہودی	۴۴۳۶۱
غیر ممالک کے باشندے ..	۱۲۹۲۴۳
میزان	۹۴۳۵۷۵

زبانوں اور رسم ورواج کا اختلاف

یہی وجہ ہے کہ شہر میں کئی بولیاں بولی جاتی ہیں۔ کئی بولیوں میں اخبار چھپتے ہیں۔ مختلف دوکانوں کے نوٹس بورڈوں پر پانچ پانچ سات سات زبانوں میں اور سڑکوں کے نام اتنی ہی خطوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اسی لحاظ سے مختلف تہذیب خیالات مذاہب اور رسم ورواج کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ ترک جمعہ کو تعطیل کرتے ہیں۔ یہودی ہفتہ کو اور عیسائی اتوار کو اور یہی اختلاف بدنصیبی سے حکومت عثمانیہ کے بہت بڑی مشکلات میں سے ایک ہے۔

تمدن اور عظمت

کرنیل اسمعیل بک سرہنگ انسپکٹر مدارس جنگی مصر نے

اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ قسطنطنیہ میں (۳۵۴) سرائیں (۱۸۰) حمام (۵۰) یا اس کے قریب شاہی محلات ومکانات (۱۹۸) سپاہیوں کی بارکیں اور پولیس کی چوکیاں ہیں۔ مسجدوں کی تعداد (۵۷۶) ہے (۵۲۰) اسلامی مدرسے (۱۴۸) مدارس عالیہ (۶۵) کتب خانے (۲۳۱) دیر (۱۸) شفاخانے اور (۱۷۰) گرجے ہیں جن میں سے (۶۰) رومیوں (۴۰) ارمنوں کے (۱۰) لاطینیوں اور باقی دوسرے عیسائی فرقوں کے۔ معلوم نہیں یہ اعداد کہاں تک قابل اعتبار ہیں۔ سالنامہ معارف میں جو سنہ ۱۹۰۰ء میں قسطنطنیہ میں طبع ہوا ہے۔ اور سرکاری پبلیکیشن ہے۔ قسطنطنیہ کے اڑتالیس قلمی کتب خانوں (۴۳) اخبارات ورسائل (۹۹) مطابع اور (۵۳۶) ہر قسم کے مکاتب کی فہرست دی گئی ہے۔ اور مرے نے ہینڈ بک میں لکھا ہے کہ استنبول خاص میں حمام (۱۳۰) ہیں۔ اور قطع نظر دیگر مضافات وملحقات کے (۵۰۰) معمولی مسجدیں اور (۲۳۰) جامع مسجدیں ہیں۔ بہر حال یہ قول جو ایک یورپین مصنف کا یورپین لوگوں میں نقل کیا جاتا ہے۔ درست نہیں کہ قسطنطنیہ میں اتنی مسجدیں ہیں کہ سال کے ہر دن میں ایک نئی مسجد میں جاکر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دو سال تک برابر ہر روز ایک مسلمان ایک نئی مسجد میں جاکر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور پھر بھی بعض مساجد ایسی ہونگی کہ جن میں وہ نہ جاسکا ہوگا۔ کیونکہ قمری سال کے (۳۵۴) روز ہوتے ہیں۔ اور دو سالوں کے صرف (۷۰۸) دن ہوئے۔ حالانکہ آخری بیان کے مطابق جامع اور معمولی مساجد ملاکر کل (۷۳۰)[1] مساجد استنبول میں موجود ہیں۔ ترکوں کے قدیم پایۂ تخت بروصہ کی نسبت بھی یہی مشہور ہے کہ وہاں کے مسلمان سال کے ہر دن میں ایک نئی مسجد میں جاکر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی وہاں اتنی مساجد ہیں تاہم مندرجہ بالا اعداد سے کم و بیش اندازہ لگ سکتا ہے کہ قسطنطنیہ کتنا بڑا شہر ہے اور وہاں کے باشندوں کی ضروریات کے لئے کیا کیا سامان موجود ہیں۔ بقول مرے

---

[1] قاموس الاعلام ترکی مطبوعہ ۱۳۰۶ھ میں اس کے ترک مصنف نے لکھا ہے کہ خاص شہر میں (۲۰۰۰) مسجدیں اور نواح میں (۳۴۲) کل ۲۳۴۲ مساجد ہیں۔

پیشہ وروں کے رجسٹری شدہ مجالس اس شہر میں (۲۷۵) ہیں۔ جیسے قصابوں نان بائیوں حجاموں وغیرہ کی۔

قسطنطنیہ زمانہ عروج میں

مصر کے رسالہ الہلال میں چھپا تھا کہ ایک معتبر شخص نے ۹۹۲ھ میں جبکہ سلطنت عثمانیہ اپنے پورے اوج ترقی وکمال پر تھی۔ شہر قسطنطنیہ کی آبادی کی بابت حسب ذیل فہرست مرتب کی تھی۔ یہ فہرست سلطان سلیمان قانونی متوفی ۹۷۶ھ کے زمانہ سے بعد کی ہے۔

مسلمانوں کے محلے (۲۲۵) بڑی مسجدیں (۴۰۰) محلوں کی معمولی مسجدیں (۴۴۹) اعلیٰ درجہ کی عمارتیں (۵۰) مکتب خانے (۱۹۵۲) خانقاہیں (۱۵۰) فقیروں اور درویشوں کے تکئے (۳۸۵) دولابی چشمے (کنوئیں) (۲۵۴۰) خراسین (۵۰۵) بڑے میدان (۱۲) حمام (۴۸۷) عیسائیوں کے محلے (۴۸۵) یہودیوں کے محلے (۲۸۵) گرجے اور کنیسے (۷۴۲)

گمرک سے اسباب چھوڑانا

قسطنطنیہ پہنچنے کے دوسرے روز میں شیخ ولی محمد صاحب افغانی کے ہمراہ چونگی خانہ سے اپنا اسباب چھوڑانے گیا جو پیرس سے قسطنطنیہ کو بُک کرادیا تھا۔ یہاں چار گھنٹہ کی متواتر تگ ودو کے بعد اسباب ملا۔ البتہ اس میں جو دو تین معمولی گائڈ بکیں اور اخبارات تھے وہ نکال لئے گئے کہ محکمہ تفتیش کے اطمینان کے بعد بھیجے جائینگے۔ یہ بھی شیخ صاحب کی بیحد تگ ودو کا نتیجہ تھا کہ کوئی آٹھ سات محرروں کے ہاتھ سے کاغذ نکلے۔ تین چار جگہ اُن پر ٹکٹ لگائے گئے اور دستخط لئے گئے۔ میں اس تگ ودو اور انتظار میں بہت پریشان ہوگیا تھا۔ لیکن شیخ صاحب نے کہا کہ تمہارا کام تو اتنی جلدی ہوا ہے کہ کبھی میں نے کسی کا یہاں ہوتا دیکھا نہیں۔ لیکن جب ہندوستان پہنچکر بمبئی سے مجھے اپنا اسباب بحری کسٹم سے چھوڑوانا پڑا تو مجھے قسطنطنیہ کی گمرک

کی کوئی شکایت باقی نہ رہی۔ کیونکہ ایک گورے اہلکار نے مجھے بہت دق کیا۔ اور پانچ روپے پر فیصلہ ہوتا تھا۔ مگر میں نے گوارا نہ کیا۔ اور کسٹم سے گذرنے کی پوری تکلیف گوارا کی۔

رشوت خواری کا الزام انگریزی سفر ناموں اور اخباروں میں میں نے اکثر شکایت پڑھی ہے کہ ترک افسر بڑے رشوت خوار ہوتے ہیں۔ خصوصاً چونگی وغیرہ پر اگر وہ تمہیں دق کرلیں تو ایک دو فرانک اُن کے ہاتھ میں رکھدو تب وہ اسباب کھولینگے ہی نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو۔ کیونکہ آخر ترک اہلکار بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ زر دنیا میں سب جگہ اپنا کام کرتی ہے۔ جیسا کہ یورپ اور ہندوستان میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ترک افسر نے رشوت لی ہو۔ یا بوجہ کچھ انعام نہ ملنے کے مسافر کو دق کیا ہو۔ بخلاف اس کے میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ترک بہت خلیق اور مسافر نواز ہیں۔ البتہ رحمدل اور مشرقی لحاظ یا مروت یا حیا ان میں زیادہ ہے۔ اور جو کام اور ملکوں میں رشوت لیکر اہلکار کرتے ہیں یہ صرف لحاظ و مروت سے کردیتے ہیں۔ اس کی ایک دو مثالوں کا ان اوراق میں بھی ذکر کرونگا۔

مروت یا لحاظ کا اثر مجھے جو کتابیں مصطفیٰ پاشا کے سٹیشن ریلوے پر اور پھر میرے اسباب میں سے قسطنطنیہ میں لی گئی تھیں۔ وہ آٹھ دس روز تک اس دفتر میں جاکر لینے کا موقع نہ ملا۔ اس عرصہ میں مجھے ایک بارسوخ شخص سے ملاقات ہو چکی تھی۔ چنانچہ اُن کے ہمراہ میں اُس دفتر میں گیا۔ وہاں سے سوائے مرّے ہینڈ بک آف کانسٹنٹی نوپل کے باقی سب کتابیں فوراً مل گئیں۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ کتاب اسی دفتر کے کسی دوسرے افسر کے پاس ہے۔ میرے رفیق سے اور اس افسر سے ملاقات تھی۔ اس افسر نے پہلے ہمارے لئے قہوہ منگوایا۔ پھر کہا کہ یہ کتاب تو ممنوع ہو چکی ہے۔ تاہم میرے رفیق نے باوجود اُس افسر کے انکار کے بے تکلفی کی وجہ سے

وہ کتاب اُس سے جبراً لے لی۔ اور اُسپر دونوں ہنستے رہے۔ اسی طرح قسطنطنیہ سے بیروت کو جاتے ہوئے ایک سید صاحب ہمارے ہمراہ جہاز پر سوار ہوئے یہ نواح بصرہ و بغداد کے کسی با اثر عرب قبیلہ کے سردار کے بھائی تھے۔ جو مصلحتاً کئی سال استنبول میں نظر بند رکھے گئے تھے۔ مگر اب ان کو وطن جانے کی اجازت ملی تھی۔ کیا جہاز پر اور کیا مختلف بندرگاہوں میں کہ جہاں جہاز ٹھیرتا اور مسافر اُترتے یہ سید صاحب ہر شخص سے نہایت بے تکلفی سے پیش آتے اور لوگوں کو "اوغلم" یعنے بیٹا بیٹا کہکر پکارتے اور سب لوگ بھی ان کے سبز عمامہ اور لمبے جبہ کے جو نشان شرافت سمجھا جاتا ہے۔ بہت عزت کرتے۔ ایک شخص کی جہاز پر ان سے بہت ملاقات ہو گئی تھی۔ مگر اُس کے پاس بہت سا اسباب تجارت بھی تھا۔ کہ جس کا جہاز سے اُترنے پر خاص محصول چونگی لیا جاتا۔ ایک بندر پر جب یہ اُترا تو عرب سید صاحب نے چونگی کے افسر کو بڑے تحکمانہ لہجہ سے کہا کہ بیٹا اس کے اسباب کا محصول معاف کردو۔ چنانچہ چونگی کے افسر نے اُس سے ایک پائی نہ لی۔ اور صرف لحاظ و مروت سے اس سرکاری رقم کا نقصان کر دیا۔ حالانکہ کسی دوسرے ملک میں سوائے رشوت لینے کے اور کسی طرح یہ باب نہ چھوڑا جاتا۔

ضبطی تفتیش کتب پہلے تو مجھے ترکوں کی یہ نرالی رسم بہت ناگوار گذری کہ اس طرح بے ضرر کتابیں بھی مسافروں سے چھین لیتے ہیں کہ جنہیں واپس لینے میں انہیں غیر ضروری خرچ اور تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن بعد میں محمود بے صاحب محتسب درآمد کتب اور بعض دیگر فہمیدہ احباب سے اسبارہ میں گفتگو کرنے پر مجھے ترکوں کی مشکل اور معذوری کا کچھ صحیح طور پر اندازہ ہونے لگا۔ کیونکہ یہاں کے ارمنی کتابیں چھاپ کر حدود عثمانیہ کے اندر لانے کی ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے بچوں کو ایسی مفسدانہ کتابیں پڑھاتی

چاہتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے ساٹھ فیصدی باشندے ضرور کوئی نہ کوئی یورپین زبان جانتے ہیں۔ اس لئے سلطنت کو مجبوراً ایسی کتابوں کے روکنے کا انتظام کرنا پڑا۔ جس کے لئے صیغہ تعلیم کے ساتھ ہی صیغہ تفتیش کتب و اخبارات کا ملحق کر دیا گیا ہے۔ اس لئے جو کتابیں یا اخبارات کہیں سے بھی حدود ٹرکی کے اندر داخل ہوں وہ پہلے اس صیغہ کے ارکان کو رپورٹ کے لئے بھیجی جاتی ہیں جنہیں یہ ملک میں داخل ہونے کے قابل سمجھتے ہیں۔ وہ تقسیم کر دیتے ہیں۔ باقی ضبط کر کے تلف کر دیتے ہیں۔ بیشک سلطنت کو ہر ایک حق اپنی قلمرو میں ایسا قانون نافذ کرنے کا ہے۔ لیکن اگر اسی قانون میں ذرا سی اصلاح کر دی جائے۔ تو بلا مطلب فوت ہونے کے لوگوں کی تکلیف کم ہو سکتی ہے۔ اوّل جن لوگوں سے ملک میں داخل ہونے کے وقت کتابیں لی جاتی ہیں۔ اُن کا پتہ لے لیا جائے۔ اور بہت جلد یعنی دو چار روز میں اگر اُن کی کتب غیر مضر ثابت ہو تو سرکار کی طرف سے کتاب اُن کے مکان پر بھیجدی جائے اور بصورت اُن کے ملک سے باہر چلے جانے کے اُن کی سفارت کے سپرد کر دی جائے۔ کیونکہ اجنبی کو بہت سے محکموں میں پھر کر کتاب تلاش کرنے کی نسبت اُس کا چھوڑ دینا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر کتاب خفیف سی مضر معلوم ہو۔ تو اُس اجنبی کی مرضی کے مطابق وہ جس غیر ملک میں چاہے اُسے لوٹا دیا جائے۔ بصورت کتاب کے قابل اتلاف ثابت ہونے سے اُس کے مالک کو اس مطلب کی اطلاع دے دی جائے کہ اُسکے انتظار نہ رہے

ممنوع کتابیں واضح رہے کہ اتنی قسم کی کتابوں کی درآمد ممنوع ہے۔ اوّل جن میں سلطنت کی توہین یا اُس کی نسبت غلط اور بدگمانی کے خیالات درج ہوں۔ دوم جس میں دین اسلام کی توہین متصور ہو۔ سوم کسی غیر ملک کا چھپا ہوا قرآن یا قلمروئے عثمانی کے کسی مطبع کا چھپا ہوا قرآن۔ کیونکہ سوائے مطبع عثمانی کے اور کسی مطبع کو قرآن مجید چھاپنے کی اجازت نہیں ہے۔ چہارم

کوئی کتاب جس میں حضرت سلطان کی تصویر ہو۔ چنانچہ میرے پاس ویانا سے ایک عجائب خانہ کی باتصویر فہرست تھی۔ جس میں سلطان المعظم کی تصویر تھی۔ وہ فہرست ضبط کی گئی۔

نہ صرف ملک کے اندر جانے والی کتابوں کی نگرانی کی جاتی ہے۔ بلکہ ملک سے باہر جانے والی کتابوں کی سختی سے نگرانی کی جاتی ہے۔ اور اس منطق کی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ بالفرض اگر کوئی شخص مضر کتابیں ملک سے باہر لے جانا چاہتا ہے تو اُسے ایسی کتابیں لے جانے دی جاویں۔ "خس کم جہاں پاک" لیکن یہاں کتابوں کے سنسر شپ کے محکمہ نے ایک معائن کتب چنگی کے محکمہ میں مقرر کیا ہوا ہے۔ جو ہر ایک کتاب کا سرورق دیکھتا ہے کہ اس پر مجلس معارف کی طرف سے "رخصت" یعنی اجازت درج ہے۔ واضح ہے کہ معارف یعنی سررشتہ تعلیم کے متعلق ایک شاخ اس مطلب کی شامل ہے سو وہ ملک کی تمام تصنیفات کا چھپنے سے پہلے معائنہ کرے۔ اور جن کتابوں یا جن کاغذوں کے چھپنے کی رخصت دے۔ وہی چھپ کر شائع ہو سکتے ہیں۔ یہ محکمہ دیکھتا ہے کہ کوئی کتاب بلا رخصت تو نہیں چھپی۔ یا کوئی ایسی کتاب جو اس محکمہ کے اجرا سے پہلے چھپی تھی اچھی نہیں یا کوئی ایسی کتاب بھی کہ جسکی رخصت تو اس محکمہ نے دے دی تھی۔ لیکن دینی مناسب نہ تھی۔ ایسی کتابیں ضبط کر لی جاتی ہیں۔ بحالیکہ بجائے مسافر سے ایسی کتاب لے لینے کے اُن کتب فروشوں سے باز پرس کرنی چاہیئے۔ جو ایسی کتابوں کو فروخت کرتے ہیں۔ ہاں کوئی ایسا قرآن بھی قلمرو سے باہر نہیں جانے دیا جاتا۔ جو مطبع عثمانیہ کا چھپا ہوا نہ ہو۔ بحالیکہ صرف ۸-۱۰ سال سے اس مطبع کو قرآن شریف چھاپنے کی اجازت ملی ہے۔ جن کی صحت میں کامل توجہ کی جاتی ہے۔ یعنی جب سے مشہور ہوا ہے کہ روس نے کلام مجید سے جہاد کی آیات نکال کر کوئی جلد چھاپی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کے لاکھوں

مطبع عثمانیہ کے صحیح قرآن

قرآنوں کی فروخت ممنوع ہے۔ یہ بھی بیان کر دینا قرین انصاف ہوگا کہ گو یہ قرآن گراں ملتے ہیں۔ لیکن اس مطبع کے قرآن مجید بہت خوشخط اور صحیح ہیں۔ بعض قدیم خطاطوں کے قرآنوں کی عکسی نقلیں لے کر اُن کو پتھروں پر محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور گویا کہ اُن کی صحت کا ایک سرکاری محکمہ ذمہ دار ہے۔

صیغہ تفتیش کتب

ہر چند کہ دولت عثمانیہ نے اِن سب قسم کے قابل اعتراض کتابوں کی مداخلت روکنے کا بہت منتظم بالشان انتظام کیا ہوا ہے۔ تاہم ایک رخنہ اُس میں باقی ہے اور وہ بڑا سا رخنہ ہے۔ اور حکام ٹرکی کی یہ شکایت بالکل بجا ہے کہ جو لوگ اپنی قابل اعتراض کتابیں یا اخبار سفراء ممالک غیر کے ڈاک کے ساتھ قسطنطنیہ میں منگوا لیتے ہیں۔ یا غیر ممالک کے ڈاک خانوں کے ذریعہ سے پارسل و اخبارات وصول کر لیتے ہیں۔ اُن تک ترکی محتسب کی کچھ دسترس نہیں۔ اِسلئے وہ اِن وسائل سے ڈھیروں ایسی کتابیں اور اخبار روزمرہ حدود سلطانی میں داخل کرتے رہتے ہیں۔ مگر ترکی حکام اُنکے تدارک سے بے بس ہیں۔

دول غیر کے ڈاک خانے

تمام مہذب دنیا کے خلاف قسطنطنیہ اور بعض دیگر قصبات و بندرگاہان دولت عثمانیہ میں یہ نئی بات دیکھی جاتی ہے کہ سوائے ترکی ڈاک خانوں کے پانچ دول یوروپ کے اپنے اپنے ڈاکخانے علیحدہ قائم ہیں۔ مثلاً غلاطہ میں انگریزی فرانسیسی آسٹرین جرمنی اور روسی ڈاک خانے علیحدہ علیحدہ موجود ہیں جہاں جن لوگوں کے نام کے خط یا پارسل کہیں سے بھی آتے ہیں۔ وہاں سے وہ خود آ کر لے جاتے ہیں۔ کیونکہ ڈاکخانے خود خطوط تقسیم نہیں کرتے۔ مقصد اِن علیحدہ ڈاک خانوں کے قیام کا یہی ہے کہ اِن دولتوں کو ترکی ڈاک خانہ پر بسلامتی ڈاک پہنچا دینے کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے یہ اپنے اہتمام سے ڈاک پہنچاتے ہیں۔ اور اِس طرح جو قابل اعتراض کتاب یا اخبار کوئی شخص چاہے کسی دولت کے ڈاک خانہ

کی معرفت منگوا سکتا ہے۔ اور قسطنطنیہ سے باہر بھی بھیج سکتا ہے۔ کیونکہ قسطنطنیہ سے باہر لے جانے کے بھی بعض کتب تاریخ وغیرہ کی ممانعت ہے۔

ممالک غیر کے ڈاکخانوں کی گتھی نہیں سلجھتی۔

مندرجہ ذیل اقتباس انسائیکلوپیڈیا برطانیکا سے اس بارہ میں پڑھ کر سلطنت عثمانیہ کے مشکلات کا اندازہ کیجئے:۔ "اپریل ۱۹۰۱ء میں سلطان المعظم کو ٹرکی سفیر متعینہ پیرس نے اطلاع دی کہ ینگ ٹرکش پارٹی کی کمیٹیاں قسطنطنیہ میں اپنی طاقت کی اظہار کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ اور غالباً جون میں کسی نہ کسی قسم کی شورش ہوگی۔ اس کا تدارک اس طرح ہو سکتا ہے کہ غیر طاقتوں کے ڈاک خانوں میں جو ڈاک کے تھیلے سربمہر ٹرکی ڈاک خانہ سے گذرتے ہیں۔ انہیں کھول کر دیکھ لیا جائے مگر مابین الاقوام عہدناموں کے رُو سے یہ تھیلے کھولنے کی اجازت نہیں۔ یہ تھیلے سربمہر غیر طاقتوں کے پوسٹ ماسٹروں کو ملنے چاہئیں۔ اس قاعدہ کے خلاف ۶ مئی کو ترکی حکام ڈاک خانہ نے غیر طاقتوں کے ڈاک کے تھیلوں کو پھاڑ کر مشکوک خطوط ضبط کر لئے۔ اور باقی ماندہ ڈاک اُن کے حوالہ کر دی۔ آسٹریا فرانس برطانیہ اور جرمنی کے سفارتوں نے کہ جن کی ڈاک کے تھیلے پھاڑے گئے تھے۔ باب عالی کی اس کارروائی پر ایک مضمون کا اعتراضی نوٹ بھیجا۔ اور اپنی اپنی گورنمنٹوں کو رپورٹ کر کے مشورہ طلب کیا دوسرے روز سفارتوں نے پولیس بحری سپاہیوں اور ملاحوں کی ایک جماعت کشتیوں پر ڈاک کے جہاز کی طرف روانہ کی تاکہ اپنے اپنے پوسٹ آفسوں کے خطوط کی تھیلیوں پر قبضہ کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ ترکی حکام ڈاک خانہ نے کچھ مزاحمت نہ کی۔ البتہ یہ کہا کہ ترکی ڈاک خانہ بیرونی ڈاک کا انتظام نہ کرے گا۔ چنانچہ سفیروں نے اپنی ڈاک خاص قاصد کے ذریعہ روانہ کر دی۔ باب عالی نے سفیروں کے اعتراض کا یہ جواب دیا کہ ڈاک کی تھیلیاں کھولنے میں ہم حق بجانب تھے۔ لیکن سفیروں نے باب عالی کے رقعہ کو تسلیم نہ کیا۔

ملکہ واپس کر دیا۔ ایک ہفتہ بعد سلطان المعظم نے بحری نمائش کی خوف سے مجبور ہو کر اپنے وزیر خارجیہ کو دول یوروپ کے سفارتوں میں بھیجکر اطلاع دی کہ جلالت مآب نے ڈاک کی تھیلیوں کے متعلق جو حکم دیا تھا اُسے منسوخ کر دیا ہے اور باقاعدہ وعدہ کیا گیا کہ ممالک غیر کے ڈاک خانوں میں پھر کبھی مداخلت نہ کی جائیگی۔ سفیروں نے ان شرائط کو ایک متفقہ رقعے میں تسلیم کیا۔ اور ۲۴ مئی کو اپنی گورنمنٹوں سے تصدیق کرالی "

ترکی ڈاک خانہ سنہ ۱۹۰۲ء میں تمام قلمرو میں (۱۲۹۷) ڈاک خانے تھے کہ جنہوں نے اندرون ملک میں پونے دو کروڑ کے قریب خطوط اور پوسٹکارڈ اور ساڑھے انتیس لاکھ سے زیادہ اخبارات تقسیم کئے۔ اور بین الاقوام ڈاک خانوں کی مدد سے سوا اسّی لاکھ خطوط اور سوا پچیس لاکھ اخبارات تقسیم کئے۔ جن مقامات میں ڈاک خانے نہیں وہاں بھی محصول زائد دینے پر ڈاک خانہ خطوط پہنچا دیتا ہے۔ ابھی یہاں ڈاک خانہ اسقدر مکمل نہیں ہوا ہے جیسا کہ ہندوستان کا صیغہ ڈاک خانجات ہے۔ اول یہ کہ قسطنطنیہ میں کوئی لوکل ڈلیوری کا انتظام نہیں اور شہر کے ایک حصہ کا خط دوسرے حصہ میں نہیں جا سکتا۔ ایک دفعہ یہ انتظام کیا گیا تھا مگر جلدی ہی بند کر دیا گیا۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کو غیر ملک کے خطوط ڈاک خانوں سے جا کر لانے پڑتے ہیں۔ کہ جنھیں اہل شہر ترکی ڈاک خانہ سے زیادہ معتبر سمجھتے ہیں۔ ایک دفعہ مجھے ایک ترک نے کہا تھا کہ ہر چند کہ ہم نہیں چاہتے کہ محصول خط کا ایک پیسہ بھی جو ہماری گورنمنٹ کو مل سکتا ہے کسی دوسرے کو دیں لیکن پھر بھی کئی مرتبہ غیر ممالک کے ڈاک خانوں میں خط پوسٹ کرتے ہیں۔ اور جو غیر ممالک کے اخبار یہاں آتے ہیں۔ اُن کی بُری گت بنتی ہے۔ ایک بیبہ اخبار کے خریدار نے مجھے بتلایا تھا کہ دو دو تین تین ماہ کے بعد اُسے پیسہ اخبار کے پرچے محکمہ تفتیش سے فارغ ہونے کے بعد ملتے ہیں۔ اس لئے اگر انگریزی ڈاک خانہ کی معرفت

اخبار بھیجا کریں۔ تو جلدی مل جائینگے۔ بشرح محصول ممالک غیر کے لئے نصف دنس کی چٹھی کا ایک قرش ہے۔ مگر اندرون ملک کے لئے جہاں ریل اور سٹیمر کے ذریعہ چٹھی جلدی پہنچ جاتی ہے۔ ایک قرش اور اندرون کے ملک کے دور دراز مقامات کے لئے دو قرش فی خط مقرر ہے۔

ٹیلیگراف مگر ترکی ڈاکخانوں کی نسبت ترکی تار کا انتظام بہت عمدہ ہے۔ جو یوروپ اور ہندوستان سے بھی سستا ہے۔ شہر و مضافات کے بعض حدود کے اندر ہر بیس لفظ کی تار کے لئے اڑھائی قرش یعنی پانچ آنے دینے پڑتے ہیں اور ان سے زائد ہر دس لفظ کے لئے نصف محصول ہے۔ اس لئے شہر کے اندر خطوط کا کام بھی ترک زیادہ تر تاربرقی پیغامات سے لیا کرتے ہیں۔ اب جبکہ ہندوستان میں چار آنہ کا تار بھی جاری ہو گیا ہے۔ اب بھی ترکی تار کی ارزانی سے دو چند کے قریب گراں ہے۔ اور اس ارزاں نرخ کو ترکی زبان کی ساخت نے اور ارزاں کر دیا ہے مثلاً یہیں جاؤنگا کو ترکی زبان میں کہتے ہیں "گلیجنم" اور انگریزی میں [illegible] یعنی ایک ہی اور انگریزی دونوں زبانوں میں یہ تین تین لفظ کا فقرہ ہے۔ مگر ترکی میں صرف ایک لفظ کی شکل میں یہ فقرہ سما گیا ہے۔ ترکی میں تاربرقی لائن پچیس ہزار ایک سو میل پہنچی ہوئی ہے اور کل تاروں کا طول (۳۹۸۰۰) میل ہے (۷۰۹) تار گھر ہیں۔ اور سنہ ۱۹۰۲ء میں کل (۲۹۷۶۰۷۰) تاربرقی پیغام بھیجے گئے تھے۔

لباس۔ خوراک۔ مکانات معاشرت اور اخلاق و آداب

لباس ترکوں نے یوروپ کے ڈریس کو ایسا پورے طور پر اختیار کر لیا ہے کہ اگر اُن کی سرخ ٹوپی کو یورپین ٹوپی سے بدل دیں تو اِن میں اور یورپین اقوام میں ذرا تفاوت نظر نہ آئے۔ یونانی ارمنی اور بلگیرین عیسائی جو یہیں صدیوں سے آباد ہیں۔ اُن کے رنگ بمقابلہ ترکوں کے میلے نظر آتے ہیں۔ ترک جنٹلمین سیاہ فراک کوٹ زیادہ پہنتے ہیں جیسے کہ تمام یوروپ اور خصوصاً انگلستان میں دستور ہے۔ جو گریبان سے ایسا ہی نکٹائی کے لئے کھلا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ انگریزوں کا ہوتا یا بند ہوتا۔ ان کا پتلون کسی قدر اہل یوروپ سے ڈھیلا ہوتا ہے کہ جس سے نماز

پڑھنے میں بھی وقت نہیں ہوتی۔ سوائے سُرخ ٹوپی کے متوسط اور اعلےٰ درجہ کے ترکوں کا لباس بالکل اہل یوروپ کا سا ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہودی اور عیسائی بھی ایسے ہی لباس کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ اور رنگ سب کے یکساں گورے ہوتے ہیں۔ اس لئے لباس سے مسلمان یا عیسائی کی شناخت نہیں ہو سکتی ہے۔ عیسائیوں نے نہ صرف ترکوں کی ٹوپی ہی اختیار کرلی ہے جو سرکاری ملازمت میں تو انہیں پہننی لازم بھی ہے۔ بلکہ ترکوں کی طرح بعض عیسائی تسبیح پھیرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ سر بازار چلتے ہوئے۔ اور جب بعض ایسے یورپین کہ

عیسائی بھی تسبیح پھیرتے ہیں

جن کے سر پر ہیٹ ہوتی ہے اور روز روشن میں سر بازار تسبیح پھیرتے جاتے ہیں۔ تو دیکھکر عجیب لطف آتا ہے۔ بعض دوکاندار مزدور دستکار اور علمار ابھی پورانی قسم کا لباس پہنتے ہیں۔ علمار تو اسکٹ کے اوپر

علما کا لباس

ایک لمبی عبا پہنتے ہیں جس کے تکمے نہیں لگاتے۔ اور سر پر ترکی ٹوپی کے اوپر ایک سفید کپڑے کی دھجی باندھتے ہیں کہ جسے لفّہ کہتے ہیں۔ تمام قدیم مدارس کے طلبا بھی جو مذہبی تعلیم پاتے ہیں۔ ایسے ہی سُرخ ٹوپی پر لفّہ باندھتے ہیں۔ اور یہی طلبا ہیں کہ جنہیں یورپین اخبارات کے نامہ نگار سوفطہ اور گرمجوش متعصب مفسدہ پرداز مسلمان لکھا کرتے ہیں۔ علما پاجامے بھی کسیقدر کھلے ہوتے ہیں۔ اور انہیں بھی پتلون کی طرح بٹن لگائے جاتے ہیں۔ عام لوگ خصوصاً دیہات کے اکثر قدیم ترکی لباس پہنتے ہیں۔ جو سلطان محمود ثانی مصلح کے یورپین لباس اور سُرخ ٹوپی کو ترکوں میں رواج دینے سے پہلے مروج تھا۔ اِنکے پاجامے کسیقدر شلوار نما ہوتے ہیں۔ اور کوٹ جن کی آستینیں تنگ ہوتی ہیں اور سینہ بند سے زیادہ لمبے نہیں ہوتے پہنتے ہیں۔ اور سروں پر ٹوپی کے اوپر چھوٹا سا منڈاسا باندھتے ہیں یا صرف ترکی ٹوپی پہنتے ہیں حمال وغیرہ لوگوں کا یہی لباس ہے۔

ترکی بوٹ یا تومڑہ

ترکی بوٹ ترکوں کی خالص ایجاد ہے۔ جو ظاہرا تو بالکل

یورپین بوٹ کی طرح معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل یہ دوہرا بوٹ ہے - ایک ہلکا مگر مکمل فل بوٹ لاسٹک والا ایک نیم بوٹ یا گورگابی کے اندر ہوتا ہے اور ایڑی کے پیچھے ایک لوہے کا چھوٹا سا کھٹکا ایسے طور پر لگا ہوا ہوتا ہے کہ دوسرے پاؤں کے بوٹ سے دبانے سے وہ کھل جاتا ہے - اور باہر کا حصہ اُتر جاتا ہے - اور باقی ہلکا سا فل بوٹ جو اندر ہوتا ہے وہ پہنے ترک بے ابیہ فرش پہ بلکہ مسجدوں میں بھی چلے جاتے ہیں - کیونکہ وہ پاک صاف ہوتا ہے - اور اُس سے نماز بھی پڑھتے ہیں - اندرونی بوٹ کو بھی برابر ایڑی ہوتی ہے جو بیرونی پردہ کی ایڑی کے اندر کھپ جاتی ہے - مجھے چند روز قسطنطنیہ میں رہنے کے بعد جبکہ ترکوں کی ملاقات کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا تو ایک توندہ خریدنے کی ضرورت پڑی جو بیٹے چار مجیدی کو خریدا - اور باقی عرصہ قسطنطنیہ میں وہی پہنے رہا -

گھروں کے اندر فرش ترکوں کے گھروں کے اندر ہر حصہ میں ہر غریب امیر کے یہاں حسب مقدور فرش ضرور ہوتا ہے - یہاں تک کہ مجھے ایک دوست نے بتلایا کہ حمالوں کے گھروں کے اندر بھی ایک آدھ قالین ضرور بچھا ہوا ہوگا - خواہ وہ کتنا ہی پورانا یا کم قیمت ہو - اور متوسط الحال اور امیروں کے یہاں تو کئی کئی ترکی قالین ہوتے ہیں - میرے میزبان سید عبدالغفار آفندی کے گھر کے اندر کہ جہاں میں قریب دو ہفتہ کے مقیم رہا - کئی قالین بچھے تھے جن میں سے کوئی آٹھ دس پونڈ سے کم کا نہ تھا حالانکہ وہ ایک معمولی دوکاندار ہیں - اور چونکہ آب وہوا اس ملک کی سرد ہے - وہ لوگ بوٹ اُتار نہیں سکتے - اور نہ اہل یوروپ کی طرح بوٹ فرش پر لا سکتے ہیں - کیونکہ انہیں اسلامی طہارت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی - اس لئے جتنی دیر وہ گھر کے اندر رہتے ہیں - اگر وہ کپڑے نہ اتاریں تو ترکی بوٹ کا اندرونی حصہ پہنے رہتے ہیں - اور باہر جاتے ہوئے داخلہ کے دروازہ میں سے بیرونی حصہ یا گورگابی

اوپر چڑھا لیتے ہیں - جو ایک پورا بوٹ بن جاتا ہے - اور ظاہرا بالکل دو بوٹ نظر نہیں آتے -

ڈاڑھی سوائے جماعت علما یا مشائخ یا بعض حمالوں کے شائد ہزار میں سے ایک آدھ کی ڈاڑھی منڈی ہوئی نہ ہوگی - یا شائد جتنے لوگ لنڈن یا پیرس میں ڈاڑھی رکھتے ہوں اتنے ہی ترک ڈاڑھی والے نظر آئینگے - کہتے ہیں کہ بوجہ یوروپ میں واقعہ ہونے اور یورپین افواج کا مقابلہ کرنے کے شیخ الاسلام کے فتوائے کے مطابق ترکی لشکر میں مدت سے ڈاڑھی منڈوانے کا رواج ہے - مساجد میں جو لوگ نماز پڑھنے جاتے ہیں اُن میں زیادہ تر پتلون پوش اور ڈاڑھی منڈے ہوئے لوگ ہوتے ہیں - اس لئے اس ملک میں ڈاڑھی منڈوانا شعار اسلامی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا - البتہ جب کوئی سلطان تخت نشین ہوتا ہے تو اگر وہ حالت شہزادگی میں ڈاڑھی منڈواتا تھا تو اب اُس کے لئے ڈاڑھی رکھنا ضروری ہوجاتا ہے -

ترکی ٹوپی ترک اپنی ٹوپی کو طربوش نہیں بلکہ فس (Fess.) کہتے ہیں - اور سلطانی کارخانہ ٹوپی سازی کو فس خانہ ہمایونی کہتے ہیں - چونکہ انگریزی میں یا فس فیض (Fez.) لکھا جاتا ہے - اور یہ بھی خیال ہے کہ پہلے مراکش کے شہر فیض سے اس قسم کی ٹوپی کا رواج ہوا تھا - اس لئے ہندوستان میں بھی لوگ اسے فیض یا فیز کہتے ہیں - ٹرکی میں پہلے پہل سلطان محمود مصلح نے اس ٹوپی کو رواج دیا - اور خود بہت بڑا سلطانی عمامہ جیسا کہ تمام سلاطین آل عثمان صدیوں سے پہنتے آئے تھے اور جو کہ بجنسہ اُن کے مرقدوں کے اوپر اس وقت تک جا بجا قسطنطنیہ میں رکھے ہوئے ہیں - اُتار کر یہ سُرخ ٹوپی پہنی - چنانچہ سلطان محمود ثانی پہلا سلطان ہے کہ جس کی قبر پر بجائے عمامہ کے ایک سادہ ترکی ٹوپی رکھی ہوئی ہے - سلطان عبدالعزیز نے اس ٹوپی میں اصلاح کی اور اسے

نیچے سے چوڑا اور بلندی میں کم کر دیا۔ چنانچہ اب تک یہ فیشن انہیں کے نام سے مشہور ہے۔ قسطنطنیہ میں فوجی سپاہی بہت بلند ٹوپی پہنتے ہیں۔ باقی لوگ چھوٹی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہاں ٹوپیاں صاف کرنے کی دوکانیں چپہ چپہ پر ہیں۔ اور دو پیسے دیکر جھٹ ٹوپی صاف اور سخت بن سکتی ہے۔ اس لئے ٹوپیاں بہت خوبصورت اور ستھری معلوم ہوتی ہیں۔

ترکی ٹوپیوں کا سلطانی کارخانہ

حضرت ایوب کو جاتے ہوئے سٹیمر کے گھاٹ سے فس خانہ ہمایوں بہت قریب ہے۔ ٹوپیاں بنانے کا صرف یہی ایک کارخانہ قسطنطنیہ[1] میں ہے۔ اور یہ سرکاری ہے۔ اس میں علاوہ ٹوپیوں کے بقدر باناتت اور کشمیرہ تیار ہوتا ہے۔ جو تمام عثمانی افواج کی ضرورت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اور قالین بھی بنائے جاتے ہیں۔ فس خانہ عامرہ مدیر معانی بکباشی عاصم افندی نے ہمیں کارخانہ کے مختلف حصے دکھلائے۔ یہ کارخانہ صرف اون کے سامان کا ہے۔ سوت کے کپڑے کا ایک دوسرا سرکاری کارخانہ قری کوئی کے پاس واقع ہے۔ یہاں پہلے پشم سے سوت کاتا جاتا ہے پھر بُنا جاتا ہے۔ پھر کپڑے کو باناتت و کشمیرہ ٹوپیوں کے لئے مشینوں سے گف بنایا جاتا ہے۔ ایک مشین میں ایک خاردار پودے کے ڈھینڈی لگا دیتے ہیں جو اونی کپڑے کی گانٹھیں وغیرہ اوڑا کر صاف کر دیتے ہیں۔ پشم دھونے نچوڑنے اور خشک کرنے کی مشینیں بھی دیکھیں۔ ان میں سے ایک پشم دھونے کی مشین یہیں بنائی گئی ہے۔ کیونکہ اسی کارخانہ کے اندر ایک بڑا ورکشاپ بھی ہے کہ جہاں اس کی مشینوں کی شکست و ریخت کی مرمت بھی ہوتی رہتی ہے۔ گف بنانے کے بعد ان کپڑوں کو رنگا جاتا ہے۔ ٹوپیاں اسی قسم کی گول مشینوں پر بنی جاتی ہیں کہ جن پر جورابیں بنی جاتی ہیں۔ البتہ وہ ان سے بڑی ہوتی ہیں۔ کیونکہ ٹوپی کا گھیر جوراب سے بڑا ہوتا ہے۔ بعض جوراب کی طرح گول بنتی ہیں۔ اور ان پر چندیا پیچھے لگائی جاتی ہے۔ اور بعض نئی

---

[1] ہرکیہ کا کارخانہ ہمایونی جس میں قالین ابریشم کے کپڑے اور ترکی ٹوپیاں بنتے ہیں شہر سے بہت فاصلہ پر ہے۔ مکہ معظمہ کو جو غلاف ابریشم ہر سال بھیجا جاتا ہے۔ یہیں بُنا جاتا ہے۔

مشینوں سے ایسی بنتی ہیں کہ صرف ایک طرف سے انہیں سلائی کرنی پڑتی ہے یہ پہلے سر سے بہت بڑی ہوتی ہیں۔ مگر گھٹ کرنے کے عمل میں سکڑ کر موٹی ہو جاتی ہیں۔ پھر انہیں سرخ رنگا جاتا ہے۔ سلطان المعظم کے لیئے بھی اس کارخانہ میں ٹوپیاں بنتی ہیں۔ مگر وہ ایک خاص طرز کی اور زیادہ دبیز ہوتی ہیں۔ جو یہاں کسی اور کو نہیں ملتیں مگر سلطانی توشہ خانہ کا افسر یہاں سے ہر ہفتہ لے جاتا ہے۔ یہاں جوراہیں اور بنیان بھی بنتی ہیں۔ آجکل کارخانہ میں مشینیں اضافہ کی گئی ہیں۔ اور تعمیر بھی بڑھ رہی ہے۔ اس صورت میں کام بہت بڑھ جائیگا اب بھی یہاں کی ٹوپیاں اور کپڑہ جو فوج کے کام سے بچتا ہے اُس کی بازار میں فروخت کے لیئے دکانیں موجود ہیں۔ یہاں کے ایک عام ترکی ٹوپی بازار میں ۱۳ غروش کو ملتی ہے۔

ستر ہزار ٹوپیاں روزانہ خرچ ہے

اسی اثنا میں ایک انگریز ابے سائکس نامی باشندہ مانچسٹر بھی کارخانہ میں آ گیا جو ترکی بولتا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ پہلے اسی کارخانہ میں دس سال تک ملکینک رہا ہے۔ مگر اب بشکایت ناقدردانی کام چھوڑ بیٹھا ہے۔ اُسنے بتلایا کہ یہاں سے ہزار سے دو ہزار تک ٹوپیاں روزانہ تیار ہوتی ہیں۔ حالانکہ سلطنت عثمانیہ کے کل خرچ کے لیئے ستر ہزار روزانہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ اس کارخانہ میں ڈیڑھ ملین کیلو دیسی اون سال تمام میں خرچ ہوتی ہے۔ اور کارخانہ کا کل خرچ سالانہ دو لاکھ پونڈ ہے۔ ماہوار تنخواہ صرف چار سو پونڈ ہے۔ بیکباشی عاصم نے بتلایا کہ سب سے باریک ریشہ والی آسٹریلیا کی اون ہے۔ اس میں سے دھونے کے بعد سو میں سے ۵ حصے باقی رہ جاتے ہیں۔ روس کی اون سے ۵۰ فیصدی اور دو بر بچہ (عثمانی) اون سے بھی اسیقدر۔ عسکری ٹوپیوں میں آسٹریا کی اُون میں چوتھا حصہ دو بر بچہ اُون ڈال لی جاتی ہے۔

کارخانہ کے مزدور اور دستکار

سوائے اِس کارخانہ کے ایک حصہ کے کہ جہاں

پچاس راچھے بانات بنتے ہیں۔ اور وہاں مزدور کام کرتے ہیں۔ باقی ایک سو بیس راچھوں پر عسکری (سپاہی) کام کرتے ہیں۔ کل پندرہ سو آدمی ہیں جو عسکری یہاں مامور ہیں۔ انہیں جنگ پر نہیں بھیجا جاتا۔ اور علاوہ کھانے کپڑے کے ایک مجیدی (اڑھائی روپے) ماہوار تنخواہ دی جاتی ہے۔ اس ملک میں تمام سپاہیوں اور فوجی افسروں کو کھانا سرکار سے ملتا ہے۔ مثلاً ایک یوزباشی سو آدمیوں کے افسر کو بارہ اوقہ روٹی۔ اسیقدر چاول اتنا ہی گوشت اور نمک مرچ مصالح ایندھن اور گھوڑا ہے تو گھاس بھی۔ صابن روغن زیتون وغیرہ سب ضروریات بصورت جنس سرکار سے ملتی ہیں۔

یتیم بچے بھی کام سیکھتے ہیں

اس کارخانہ میں علاوہ مزدوروں اور عسکریوں کے یتیم بچے بھی کام سیکھتے ہیں۔ پاس ہی انکا مدرسہ ہے۔ یہ ایک روز پڑھتے اور ایک روز یہاں آکر کام کرتے ہیں۔ چونکہ بدقسمتی سے ترکوں کے یورپین ہمسائے اکثر انہیں جنگ میں مصروف رکھتے ہیں۔ اور یہ بیچارے شہید ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے یتیم بچوں کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے سلطنت کا یہ کام قابل تعریف ہے کہ اپنے اکثر کارخانوں کے ساتھ ایک ایک مدرسہ یتیم بچوں کا بنا دیا ہے۔ کہ جہاں یہ یتیم بچے نوشت وخواند کے ساتھ دستکاریاں بھی سیکھتے رہتے ہیں۔

ترکوں کو ایک صدی میں کتنے جنگ کرنے پڑے

اپنے مندرجہ بالا بیان کی تصدیق میں میں ابوالضیا آفندی ایک نامور ترک پبلشر کی جنتری سے یہ جدول درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہوجائیگا کہ انیسویں صدی مسیحی میں کتنے سال ترکوں کو اپنے ہمسایہ عیسائیوں کے ساتھ جنگ میں مصروف رہنا پڑا۔ اور کتنے سال امن نصیب ہوا۔

(ایک صدی میں ترکی جنگوں کی جدول)

سنہ ۱۸۰۰ء	×	×	سنہ ۱۸۳۰ء	سنہ ۱۸۴۰ء	سنہ ۱۸۵۰ء	سنہ ۱۸۶۰ء	سنہ ۱۸۷۰ء	سنہ ۱۸۸۰ء	سنہ ۱۸۹۰ء
۱	×	×	۳۱	۴۱	۵۱	۶۱	۷۱	۸۱	۹۱
۲	×	×	۳۲	۴۲	×	×	۷۲	۸۲	۹۲
۳	×	×	۳۳	۴۳	×	×	۷۳	۸۳	۹۳
×	×	×	×	۴۴	×	۶۴	۷۴	۸۴	۹۴
×	×	×	×	۴۵	×	۶۵	×	۸۵	۹۵
×	۱۷	×	×	۴۶	×	×	×	۸۶	۹۶
×	۱۸	×	×	۴۷	۵۷	×	×	۸۷	×
×	۱۹	×	×	۴۸	۵۸	×	×	۸۸	۹۸
×	×	×	×	۴۹	۵۹	×	۷۹	۸۹	۹۹

اس نشان (×) سے مطلب ہے کہ اس سال میں جنگ رہے اور جس خانہ میں سنہ کا عدد لکھا گیا ہے صدی کے اُس سال میں امن رہا۔

ترکوں کی تعریف میں اِسی انگریز مسٹر سائکس نے مجھے بتلایا کہ ترک بہت اچھی قوم ہے۔ اور میں اپنے دس سال کے ان درمیان رہنے کے تجربہ کے بنا پر کہتا ہوں کہ ترک دل کے بہت نیک اور بڑی اہلیت اور انسانیت والی قوم ہے۔ مہمان نوازی ان کی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ خصوصاً دیہات کے لوگوں کی۔ کہا کہ میں ایک مرتبہ شہر سے دو روز کی مسافت پر دیہات میں گیا تھا۔ ایک خاندان نے میری دعوت کی۔ یہ ہر روز ایک دُنبہ میرے لئے ذبح کرتے یا ترکی مرغ پکاتے۔ یہ بھی کہا کہ سلطان المعظم بڑے روشن ضمیر اور دانشمند ہیں۔ مگر اُنکے مشیر اور اہلکار اچھے نہیں۔ رعایت اور سفارش بہت چلتی ہے۔

انگریزی کونسل کی رائے برٹش فارن آفس کی ڈپلومیٹک و کانسلر رپورٹ بابت قسطنطنیہ دسمبر ۱۸۹۸ء میں مندرجہ ذیل سطور میں اس کارخانہ سلطانی کی طرف

اشارہ کیا ہے۔ برٹش کانسل لکھتا ہے۔

"پہلے جو اونی کپڑا انگلستان سے گورنمنٹ ٹرکی فوجی استعمال کے لئے خریدتی تھی اب وہ قریب قریب خریدنا بند کردیا ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ نے اپنا کارخانہ کپڑے کا بنا لیا ہے۔ جو اُن کے تمام فوجی ضروریات چلا دیتا ہے۔ اس مل میں پندرہ سو آدمی ملازم ہیں۔ اور (۱۲۵) راچھ ہر قسم کے موٹے اور باریک فوجی کپڑوں کے لئے ہیں۔ اس سال (۱۸۹۸ء میں) پچیس لاکھ کیلو دیسی اُون اور ایک لاکھ کیلو آسٹریلیا کی اُون خرچ ہوئی۔ اس مل سے (۲۰۰۰) میٹر موٹا (۶۵۰) میٹر باریک فوجی کپڑا روزانہ اور ایک ہزار ٹوپیاں پانچ سو جوڑے موزے۔ اور اڑھائی سو فوجی کمبل تیار ہوتے ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں دس لاکھ میٹر فوجی کپڑا تیار ہوا تھا۔ ٹوپیوں کی تیاری خاص دلچسپی کا کام ہے۔ اور انگریزی دستکاری کو اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ٹوپی یا تو سیلنڈر والی بنگ مشین پر یا پنکھے کی شکل والی پر بُنی جاتی ہے۔ اور پھر اسی سے کر گف کیا جاتا ہے۔ اور رنگ کر پریس میں دبایا جاتا ہے۔ اور پھندنا لگایا جاتا ہے اندازہ کیا گیا ہے کہ اسّی ہزار پونڈ سے ایک لاکھ پونڈ سالانہ کی ٹوپیاں قلمروے ٹرکی میں داخل ہوتی ہیں کہ جنکا زیادہ حصہ آسٹریا سے آتا ہے۔"

آسٹریا کی ٹوپیاں جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے ظاہر ہے زیادہ تر ٹوپی قلمرو عثمانی میں آسٹریا سے آتی ہے۔ اور وہاں کے ٹوپی کے کارخانے کبھی بینے دیکھے ہیں۔ بلکہ ایک روز جبکہ میں ویانا کے سب سے بڑے ترکی ٹوپیاں بنانے کے کارخانہ کے دفتر میں تھا تو ایک قسطنطنیہ کا سوداگر بھی اس وقت وہاں تھا۔ جس نے پچاس ہزار درجن ٹوپیاں خریدی تھیں۔ آسٹرین لوگ ان ٹوپیوں اور ان کے بکسوں پر جو ٹکٹ لگاتے ہیں انپر ترکی اور مصری تصویریں بناتے اور عبارتیں لکھتے ہیں۔ تاکہ پہننے والوں کو اجنبی نہ معلوم ہوں۔ ہندوستان میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ٹوپیاں ٹرکی سے بنکر آتی ہیں۔ سچا لیکہ ٹرکی کی

بنی ہوئی ٹوپیاں قسطنطنیہ کے لوگوں کے لئے بھی کافی نہیں۔

گھر کے اندر کا لباس ترک: ترک جب باہر کا کام کاج کر کے گھر میں آتے ہیں تو فوراً کوٹ پتلون اتار کر کرتے کے اوپر ایک کھلا اور ٹخنوں تک لمبا اور ڈھیلا اچکن پہنتے ہیں کہ جسے وہ انتری کہتے ہیں۔ یہ عموماً سوزنی کام کے ریشمی یا سوتی اور کئی مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں۔ اور ایک ڈھیلا پاجامہ سر پر معمولی سکل کیپ اور پاؤں میں سلیپر پہنتے ہیں۔ گویا جب یورپین لباس سے رہائی پاکر آرام کرتے ہیں۔ تو اپنے گدگدے اور نرم مندروں اور تکیوں پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں۔

سلاملق: ہر گھر کے ساتھ حسب حیثیت ایک ایسا کمرہ یا دیوان خانہ ہوتا ہے۔ جو فرش فروش اور پردوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ اور اس کی دیواروں کے ساتھ چاروں طرف موٹے موٹے گدوں والے کوچ لگے ہوتے ہیں کہ جنہیں یہ مندر کہتے ہیں۔ گویا دیواروں کے ساتھ ایک بینچ سی لگا کر اسے اور نیز اس کے پشت کی دیوار کو موٹے موٹے اور مکلف بڑے گدوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ کہ جس پر آرام سے بیٹھنے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہے ترکوں کے یہی مندر مصر اور شام اور عرب میں بھی پھیل گئے ہیں ترک گدیلے والی اور آرام کرسیوں کو اس قدر پسند کرتے ہیں کہ سرکاری دفتروں کے نہ صرف افسروں بلکہ محرروں کے پاس بھی بیٹھنے کو ایسے موٹے موٹے اور نرم گدوں کی آرام کرسیاں ہیں کہ دیکھ کر ان پر بیٹھنے کو جی للچا آتا ہے۔

گھر کے اندر کا لباس: ترک جب باہر کا کام کاج کر کے گھر میں آتے ہیں تو فوراً کوٹ پتلون اتار کر کرتے کے اوپر ایک کھلا اور ٹخنوں تک لمبا اور ڈھیلا اچکن پہنتے ہیں کہ جسے وہ "انتری" کہتے ہیں۔ یہ عموماً سوزنی کام کے ریشمی یا سوتی اور مختلف صوفیانہ رنگوں کی ہوتی ہیں۔ اور ایک ڈھیلا پاجامہ سر پر معمولی "سکل کیپ" اور پاؤں میں سلیپر پہنتے ہیں گویا جب یورپین لباس سے رہائی پاکر آرام کرتے ہیں۔ اور اپنے گدگدے اور نرم مندروں اور تکیوں پر بیٹھتے اور لیٹتے ہیں۔ ایک ایسا کمرہ یا دیوان خانہ ہوتا ہے جو فرش فروش

اور پردوں سے آراستہ ہوتا ہے۔ اور اسکی دیواروں کے ساتھ چاروں طرف موٹے موٹے گدّوں والے کوچ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ جنہیں یہ "منڈر" کہتے ہیں۔ گو یا دیوار کے ساتھ ایک بنچ سی لگا کر اُسے اور نیز اسکی پشت کی دیوار کو موٹے موٹے اور مکلف سپرنگ والے گدّوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ کہ جسپر آرام سے بیٹھنے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہے۔ ترکوں کے یہی منڈر مصر اور شام اور عرب میں بھی پھیل گئے ہیں۔ ترک گدیلے دار اور آرام کرسیوں کو اسقدر پسند کرتے ہیں کہ سرکاری دفتروں کے نہ صرف افسروں بلکہ محرروں کے پاس بھی بیٹھنے کو ایسے موٹے موٹے اور نرم گدّوں کے آرام کرسیاں ہیں۔ کہ دیکھکر اُن پر بیٹھنے کو جی للچا آتا ہے۔ لیکن بعض نئی روشنی کے دلدادوں نے اب اپنے دیوان خانوں کو یورپین طریقہ سے بھی سجانا شروع کر دیا ہے۔

زنانہ لباس اور پردہ ترک عورتوں کے لباس پر یورپین لباس نے اسقدر اثر کیا ہے کہ ان کا لباس بالکل یورپین ہو گیا ہے۔ خصوصًا اونچے گھرانوں میں تو عورتیں اور لڑکیاں بالکل پیرس کے فیشنوں کے دلدادہ ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے روزانہ اخبارات میں "ینی پاریس مودہ لری" (پارس کے نئے فیشنوں) کے اشتہارات نکلتے ہیں۔ مگر گھر سے باہر نکلنے کے وقت وہ اس لباس کے اوپر ایک لمبا سیا گاؤن پہن لیتی ہیں جسے فراجہ کہتے ہیں۔ اور سامنے سے پاؤں تک اسکے بٹن بند کر لئے جاتے ہیں۔

فراجہ و پیشماک سر کے اوپر ایک چھوٹی سی چادر اوڑھی جاتی ہے کہ جسے چارشف کہتے ہیں۔ یہ پچھلی طرف گاؤن یا فراجہ سے ٹانک دی جاتی ہے۔ اور سامنے کو اس سے آدھی پیشانی ڈھکی رہتی ہے۔ نصف پیشانی دونوں آنکھیں اور ناک کا کچھ حصہ برہنہ چھوڑ کر باقی چہرے کو کاغذ کے ایک نہایت باریک رومال سے ڈھکا جاتا ہے۔ جو پچھلی طرف سے ٹانکا جاتا ہے۔ جو پیشماک کہلاتا ہے۔ یہ اتنا باریک ہوتا ہے کہ قریب سے دیکھنے سے اسمیں سے چہرہ کا رنگ اور شباہت معلوم ہو سکتے ہیں

مگر ایسی بیہودہ حرکت وہاں کوئی نہیں کرتا۔ دیہات کی بعض عورتیں یشماک کے بجائے ململ کا ایک سفید رومال سر سے نیچے چہرہ پر لٹکا لیتی ہیں کہ جس میں صرف دو آنکھوں کے لئے سوراخ ہوتے ہیں۔ کرسچن عیسائی اور یہودی عورتیں بھی مستور لباس پہنکر باہر نکلتی ہیں۔ البتہ فراس اور یشماک پہننے والی ہر ایک عورت ترکن یا مسلمان نہیں ہوتی۔ بارہ تیرہ سال تک کی لڑکیاں کھلے منہ نکلتی اور پھرتی ہیں۔ اور ان کا لباس سوائے اوڑھنی کے بالکل یورپین ہوتا ہے۔ اس سے بڑی عمر کی لڑکیاں عورتیں ہی شمار ہوتی ہیں [illegible] باہر نکلنے پر چہرہ نہیں چھپاتیں کہ ان کی شادی نہ ہو جائے۔ مگر وہ عموماً پردہ کرتی ہیں۔ لیکن شادی ہو جانے کے بعد پردہ کی سخت پابندی کی جاتی ہے۔

پردہ کے ساتھ گھروں سے نکلنا

گو قسطنطنیہ کے گھروں میں وہی قدیم دستور حرم کے دار [illegible] کھڑکیوں کا ہے لیکن بیرونی پردہ کا [illegible] رسم ہوتا ہے کہ جس طرح تمام بیرونی لباس پہننے والے ترکوں نے ترک پوشاک سے بدل دیا ہے۔ ویسے ہی یشماک پہنکر پردہ اور زینت کی ترک عورتیں گھروں سے باہر جا سکتی ہیں بلکہ بازاروں میں جا کر سودا سلف خریدتی ہیں۔ مشہور ہے کہ صدر اعظم کی بیوی تک اس طرح جا کر سودا خریدتی ہیں۔ اور دکانوں کے اندر داخل ہو کر منہ کھول لیتی ہیں۔ گویا دکاندار سے کوئی پردہ نہیں کیا جاتا۔ لیکن دستور ہے کہ عالی خاندان یا دولت مند ترک خواتین جب تک گاڑی یا کشتی میں سوار نہ ہوں اور گاڑی کی کھڑکیاں بند نہ ہوں باہر نہیں نکلتیں۔ پھر اگر ان کے ہمراہ شوہر یا کوئی اور رشتہ دار ہو تو خواہ سڑک یا بازار کہیں ضرور ہو لی جا بیٹھیں۔ لیکن عام خاتونیں جو یشماک پہنکر جاتی ہیں کسی کو ان کی بابت نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر الکزینڈر نے عجیب لکھا ہے کہ جس کی تمام عمر قسطنطنیہ میں گذر گئی تھی ایک دفعہ واقعہ بیان کیا کہ ایک شریف عورت تنہا بازار سے جا رہی تھی۔ کسی دوکاندار نے [illegible] کیا یا ہاتھ پکڑ لیا عورت کے ہاتھ میں چھاتا تھا۔

اس نے جھٹ دو چار پانچ چھاتے جڑ دیئے۔ اور بازار کے سب دوکاندار اٹھ کر اسکی حمایت کرنے لگے۔ اس مرد کو اس وقت مارے شرم کے چھپنے کا بل نہیں ملتا تھا کہ اس میں گھس جاتا۔ جب سب اہل شہر کو اس قدر تہذیب اور شرافت کا خیال ہو تو اس طرح ہندوستان میں بھی پردہ دار کپڑے پہنکر سب عورتیں ضروری کام کاج یا سیر و تفریح اور ہوا خوری کے لئے باہر نکل سکتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں عام لوگوں میں ابھی اتنی شائستگی نہیں آئی کہ ایسی عورتوں کے ننگ و ناموس کی جو کسی ضرورت کے لئے باہر نکلیں حمایت کر سکیں۔ یہاں حبشی عورتیں بھی ایسے ستر والی پوشاک پہنتی ہیں کہ سوائے چہرے کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اور مردوں سے پورا ستر کرتی ہیں۔ ٹرامبوے گاڑیوں کے علاوہ جہازوں میں بھی عورتوں کے لئے ایک پردہ دار مقام مخصوص ہوتا ہے۔ البتہ جب تفریح کے لئے تفریح گاہوں میں جاتی ہیں تو اپنے مردوں کے ساتھ علیحدہ جگہوں میں یا زنانہ پارٹیوں میں سب کھلے منہ بیٹھتی اور ہنستی کھیلتی ہیں۔ یا قبرستانوں کے خوبصورت سرو و شمشاد کے درختوں کے سایہ کے نیچے اسی طرح بے تکلفی سے قہوہ پیتے ہیں وقت بسر کرتی ہیں۔

عیسائی عورتوں کا پردہ

مگر سب عورتیں جو بازاروں یا گلیوں میں چلتی نظر آتی ہیں مسلمان نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان میں زیادہ عیسائی یا یہودی ہوتی ہیں مگر ان کا بدن بھی ایسی اچھی طرح ڈھنپا ہوا ہوتا ہے کہ سوائے منہ کے کوئی حصہ برہنہ نہیں ہوتی۔ اور منہ پر بھی ایک باریک جالی پڑی ہوتی ہے جس سے صحیح صحیح صورت نظر نہیں آتی ہے۔ علاوہ ازیں [illegible] باقی [illegible] ایک چادر [illegible] لپیٹی جاتی ہے کہ جس سے بہتر پردہ برقعہ سے بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کے پردہ کا عمدہ نمونہ [illegible] ہی اتنا اثر پڑا ہے کہ یہودی و عیسائی عورتیں [illegible] کرتے بھی چلتی ہیں۔ وہ بھی سر کا کپڑا اٹھوڑی کے نیچے [illegible] سے [illegible] ہیں کہ [illegible] ابروؤں سے لے کر لب [illegible] نہیں آتا۔ یہاں عورتوں میں پوشش کا [illegible] یا [illegible] ہوتا [illegible] ریشم [illegible] ہوتا ہے

علاوہ عیسائی عورتوں کے ترک عورتیں بھی آجکل عام طور پر لکھنے پڑھنے سے قاصر نہیں
سلطنت کی طرف سے تعلیم نسواں ہائی سکول کے درجہ تک دی جاتی ہے۔
اور لڑکیوں کو خصوصاً سینے پرونے اور کشیدہ کاڑھنے کی بہت اچھی تعلیم دیجاتی ہے
میں نے ایک دوست کی لڑکی کے ہاتھ کا کام دیکھا ہے جو کسی عالیجاہ شائستہ لیڈی
کیلئے زیور شمار ہو سکتا ہے۔ جب تک میں نے قسطنطنیہ نہیں دیکھا تھا میرا خیال تھا
کہ اکثر ترکوں نے یورپین عورتوں سے شادی کی ہوئی ہوگی۔ مگر معلوم ہوا ہے کہ بہت
ہی کم ترکوں کی یورپین بیویاں ہیں۔ اور جن معدودے چند کی ہیں۔ انہوں نے
انہیں پردہ میں ڈال لیا ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بازار میں نہیں چلتے۔

پردہ کی تاکید

اس سے پہلے عورتیں ایسا باپردہ لباس پہنکر بازاروں میں پھرتی تھیں
اور لوگوں سے بات چیت بھی کیا کرتی تھیں۔ اس سے کئی طرح کے قباحتیں پیدا ہوگئی
تھیں۔ اب کچھ عرصہ سے سلطان المعظم نے عورتوں کے متعلق ایک نیا حکم یہ دیا ہے
کہ کوئی ایسے لباس والی عورت گھر سے باہر کسی مرد سے خواہ وہ اسکا شوہر یا باپ یا
بھائی ہی کیوں نہ ہو بات نہ کرے۔ ورنہ جو شخص یا پولیس انسے باتیں کرتے دیکھے
وہ اسے کوتوالی میں پہنچا دے۔

شرعی پردہ اور آزادی

معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں میں کبھی ایسا سخت پردہ نہیں کیا گیا
جیسا کہ ہندوستان کے شریف مسلمانوں میں رواج ہے۔
یہانتک کہ عورت کے کپڑے دھوبیوں کو نہیں دیئے جاتے اور عورتوں کو ڈولیوں
میں بٹھلایا جاتا ہے۔ ان میں بوجھ رکھدیا جاتا ہے تاکہ کہاروں کو وزن سے سواریوں
کا وزن تک معلوم ہو جائے۔ اور نہایت نرم و احتیاط سے انہیں گھروں سے کبھی
باہر نہیں نکلنے دیا جاتا۔ مگر ترک ایسے پردہ کے قائل نہیں۔ ان کی بیبیاں نہ صرف
شرعی پردہ کے ساتھ بازار سے سودا سلف خرید لاتی ہیں اور اسطرح اپنے گردو پیش کے
حالات سے واقف ہونے کی وجہ سے زیادہ سمجھدار ہوتی ہیں۔ بلکہ وہ سیر و تفریح کے
لئے بھی شہر سے باہر تفریح گاہوں میں اپنے مردوں کے ساتھ جاتی ہیں۔ اور وہاں جنگل کا

ہیں سینکڑوں ایسی بیگمات کی پارٹیاں الگ الگ بیٹھی کھاتی پیتی اور تازہ ہوا۔ اور سبزہ زار کا لطف اٹھاتی رہتی ہیں۔ کہ جس کا ذکر کسی دوسری جگہ کیا جائیگا۔ ایسے ہی ترکی بیگمات اکثر قبرستان میں جا کر بیٹھتی ہیں۔ قسطنطنیہ کے قبرستان سرو شمشاد کے سایہ تلے نہایت خوش منظر جگہیں ہوتی ہیں۔ اور یہاں یا اسی حال میں قہوہ پیتی ہوئی دیر تک بیٹھی رہتی ہیں۔ اور مرد ان کے قریب نہیں جاتے۔

یورپین بی بیاں

چونکہ ترک یورپ میں رہتے ہیں اور بہت سی یورپین اقوام قسطنطنیہ میں آباد ہیں اسلئے ترکوں کا یورپین عورتوں سے شادیاں کرنا کوئی اچنبا بات نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ بہت کم ترک ہیں جو یورپین بیویوں سے شادی کرتے ہیں۔ اور جو کرتے بھی ہیں وہ انہیں پردہ میں رکھ لیتے ہیں۔ مجھے ایک ثقہ ترک نے بیان کیا تھا۔ کہ یہاں مسلمانوں کو خوبصورت لکھی پڑھی عیسائی بیویاں مل سکتی ہیں۔ مگر وہ انہیں پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ عموماً ترک عورتیں یورپین عورتوں سے زیادہ حسین اور خوشرنگ ہوتی ہیں۔ ع

سعدیا روز ازل حسن بترکان دادند

مسٹر جیکس مور نے اپنے سفر قسطنطنیہ کے خطوط میں کئی حرم سراؤں میں جانے کا ذکر کیا ہے۔ ایک پاشا کی یورپین بیوی سے بھی ملاقات کی ہے۔ اور بتلایا ہے کہ وہ بھی پردہ کی ایسی ہی پابند ہے جیسی کہ اسکی پیدائشی مسلمان ہمشیریں ہیں۔ مسٹر جیکس مور نے اسی ضمن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے کئی ایک ترک امراء کی خواتین دیکھی ہیں۔ کہ جنہوں نے یورپ کی زبانوں میں تعلیم پائی ہے۔ مگر وہ سوائے اپنے جسم کے بناؤ سنگار یا فرانسیسی و ترکی ناول پڑھنے کے اور کچھ نہیں کرتیں۔ اور چونکہ انہیں گھروں سے بلا پردہ اور تنہا باہر جانے کی آزادی نہیں اسلئے وہ مطمئن نہیں۔ مگر ساتھ ہی مسٹر موصوف نے بعض خاندانوں اور خاتونوں کو اپنے گھر کے کام دھندے میں نہایت سرگرم اور نہایت مطمئن بھی پایا ہے۔ جیسا کہ منیر پاشا کی خواتین کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ معمولی بات ہے کہ یورپ کا آسودہ طبقہ

انکے زیادہ تر بناؤ سنگار اور ناول پڑھنے میں مصروف نہیں رہتیں؟ اور وہ سب اپنی حالت پر قانع ہیں۔ لنڈن میں حقوق ووٹ حاصل کرنے پر ہر روز عورتوں کی پولیس سے مڈبھیڑ ہوتی رہتی ہے۔

قومی آمیزش بعض یورپین مصنفوں کا ترکوں کی نسبت یہ بھی خیال ہے کہ سینکڑوں سالوں کے دوران میں خوب صورت سرکاشین جارجین بلگرین اور یونانی وغیرہ یوروپین اقوام اور حبشی عورتوں کو بطور غلام خرید کر ترک انہیں بیویاں بناتے رہے ہیں۔ اسلئے ان کی نسل میں ترکی خون بہت کم رہ گیا ہے۔ ساتھ ہی وہی مصنف کہتے ہیں کہ ترکوں میں ابھی تک خانہ بدوشی سستی اور اکھڑپن کی عادات موجود ہیں۔ اور یوروپ کی تہذیب نے ان کی جلد کے اندر زیادہ گہرا اثر نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں الزام غلط ہیں۔ ترکی خون میں بہت کم آمیزش ہوئی ہے۔ اور وہ بھی بڑے بڑے شہروں میں اور ان لوگوں میں تہذیب بھی کافی موجود ہے

کھانے کا طریقہ ترک عموماً یوروپین طریق پر میز پر بیٹھ کر چھری کانٹے کے ذریعہ کھانا کھاتے ہیں۔ اور بجائے یوروپ کیطرح کھانے کے ختم ہونے کے بعد باری باری لانے کے کبھی کبھی سب کھانے بڑے بڑے قابوں میں اسی وقت میز پر رکھ دیئے جاتے ہیں اور کھانے والے جس جس سے چاہتے ہیں تھوڑا تھوڑا کھانا اپنی پلیٹوں میں نکال کر کھاتے ہیں۔ بہت سے ترک کبھی کبھی کانٹے کی بجائے ہاتھ سے بھی کھانا کھاتے ہیں۔ مگر چھری ضرور استعمال کرتے ہیں۔ البتہ علما اور بعض عوام بجائے میز کے ایک پست سے تخت پوش یا چوکی پر کھانا رکھ لیتے ہیں۔ اور اسکے گرد بیٹھ جاتے ہیں زمین پر دسترخوان بچھانے سے یہ بھی بہت آرام کا طریق ہے۔ یہ لوگ صرف چمچہ اور وہ بھی چوبی استعمال کرتے ہیں۔ البتہ قسطنطنیہ میں علما بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ میزوں پر بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں کئی قسم کی عمدہ روٹیاں اور شیرمال بکتے ہیں۔ مگر ڈبل روٹی کا بھی عام رواج ہے۔ اور نان بھی استعمال ہوتے ہیں

شادی کا کھانا میرے اثنائے قیام میں نصرت علی آفندی کی صاحبزادی کی

شادی تھی - میں بھی وہاں مدعو تھا - مہمانوں کے لئے صبح سے سہ پہر تک کھانے کا وقت مقرر تھا - جو دو چار آدمی آتے انہیں کھانا دیا جاتا - پہلے میز پر ایک قاب شادی کے چوربا (شوربا) کا لایا جاتا - سب لوگ اپنے اپنے چمچوں سے اس قاب سے شوربا لیتے اور ڈبل روٹی کے ٹکڑہ کے ساتھ کھاتے - پھر پلاؤ آیا - پھر قورمہ اور زردہ جس میں آدھا پانی اور آدھے چاول تھے - (ترکوں کے کھانوں میں پانی بہت ہوتا ہے) زردہ کے اوپر چند دانہ انار تازہ اور چند مغز پستہ رکھے تھے دو ارمنی عورتیں میز پر خدمتگار کا کام کرتی تھیں - اور کھانے لاتی جاتی تھیں - دونوں گندمی رنگ کی قبول صورت تھیں - نصرت علی صاحب نے میرے دریافت کرنے پر انہیں کہا کہ ارمنی آدھی عثمانی ہیں - اور انہوں نے اس سے اتفاق کیا - کھانے سے پہلے اور اخیر پر بھی لوگوں کو ایک پر تکلف صندلوں اور آرام کرسیوں سے سجے ہوئے ڈرائینگ روم میں لیجاکر بٹھلایا جاتا - اور کھانے کے اخیر پر مقررہ قہوہ لایا جاتا - مگر اول ہر شخص کو ایک ایک ٹولی شیرینی کی کھانے کو دیجاتی - دلہن کی عمر اٹھارہ سال کے قریب ہوگی - اس نے لڑکیوں کے مدرسہ میں تعلیم پائی تھی - اور بہت عمدہ سینا پرونا اور کشیدہ کاڑھنا جانتی تھی - دولہا تیس برس کا ہوگا - نکاح کچھ عرصہ پہلے کر دیا گیا تھا - رسم شادی آج ادا کی گئی - اور رخصتانہ پرسوں ہونے والا تھا - آج مردوں کی ضیافت کا دن تھا - کل اور پرسوں عورتوں کی ضیافت ہونے والی تھی - واپسی پر راستہ میں سید عبدالقادر آفندی نے بیوک چارشو (بڑے بازار) سے دو قبضان قہوہ سے چاندی کی تشتریوں کے دو جیدی کو خریدیں - جو ان کی اہلیہ صاحبہ کل دولہن کو بطور ہدیہ دینے جائیں گی - کیونکہ یورپ کی طرح دولہن کو حسب حیثیت احباب کے تحائف دینے کا یہاں بھی عام رواج ہے -

رسم بسم اللہ | نصرت علی صاحب نے چھوٹی لڑکی کی رسم بسم اللہ بھی اسی تقریب کے ساتھ ادا کی تھی - لڑکی کوئی پانچ یا چھ سال کی ہوگی - نئے کپڑے اور سر پر خوبصورت تاج

پہنا کر گاڑی میں بٹھا یا گیا تھا۔ اسکے گلے میں ایک سنہری کام والا جزودان ڈالا گیا تھا جیسے کہ قسطنطنیہ کے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں۔ پیچھے مکتب کے لڑکے یہ ترکی دعائی گیت گاتے جاتے تھے جیسے کہ ہمارے یہاں بھی کی ایک رسم کے وقت مکتب کے لڑکے سبحان من یراک گاتے ہیں بہت نہایت دلچسپ سمان پیدا ہو گیا تھا۔

ربنا انا اعطینا ما ترید و ما تشا — قد وھبت رحمۃ منک الینا ما تشا

الغنا شکرت بالغداۃ و العشا — روز و شب اکرم دعا نزبادشاہم چوق یشا

حق ون اولدی التجا مز صبح و اشام — کشور عثمانہ یہ سلطان حمید ویردی نظام

حکم شرعی لی نعابت الملکدہ استمام — دائم اولسون شوکت ایلتا الی یوم القیام

روز و شب اکرم دعا مزبادشاہم چوق یشا

آفتاب آسمان سعادت سلطان حمید — طوغدیغی گولدہ ری در چھا نہ روز عید

پرتوندن اولدی الحق بلد عالم مستفید — ظل اقبال ہمایونکلہ شہا اولسون مزید

روز و شب اکرم دعا مزبادشاہم چوق یشا

اچھا پانی — قسطنطنیہ میں پانی شہر سے باہر بہت دور دور سے بذریعہ ہنڈولا ونالیوں کے لایا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ قسطنطنیہ رومی سلاطین نے شہر سے دور دور سے اچھا پانی لانے کے لئے عالیشان تعمیرات بنائی ہیں۔ ویسے ہی سلاطین عثمانی نے بھی داویوں سے پانی تقسیم کرنے کے لئے ملکوں سے شہروں میں لانے کے لئے بنائی ہیں۔ لیکن اعلٰے درجہ کے لوگ اس عام پانی کی نسبت بعض خاص چشموں کا پانی پینا پسند کرتے ہیں جو شہر سے کچھ فاصلہ پر ہیں گو چھوٹے جاتے ہیں۔ یہ پانی بوتلوں میں بھر کر شہر میں لایا جاتا ہے۔ اور اعلٰے درجہ کے لوگ قسطنطنیہ میں پیسہ یا دو پیسہ کو ایک بوتل لیکر لوگ پیتے ہیں اور اسے "اچھا پانی" کہکر پکارتے ہیں۔ احمد مدحت آفندی مشہور مصنف نے بھی "آ پانی کی تجارت کرتی ہے۔ جب میں ان کے یہاں گیا تھا تو ان کے مکان کے پاس ان کے روسی ہمسایہ پانی لانے والے گھوڑے تھے۔ اور شہر میں ان کے اس پانی کے بکنے کی دوکانیں ہیں۔

ٗ۵ اس میں سلطان اعظم کی تعریف اور ان کے حق میں دعا ہے۔

میوجات میوجات کی یہاں افراط ہے۔ خصوصاً انگور اور خربزہ جو عموماً لوقنطوں میں بھی کھانے کے ساتھ ملتے ہیں۔ نہایت لذیذ ہوتے ہیں۔ قسطنطنیہ اور نواح میں انواع و اقسام کے انگور پیدا ہوتے ہیں۔ ترکوں میں روٹی کے ساتھ بھی انگور (اوزم) کھانے کا رواج ہے۔ اور حقیقت میں یہ بہت مزہ دار کھانا ہوتا ہے۔ ترکوں میں یہ فارسی شعر اسکے متعلق مشہور ہے ؎

خداوندے کہ ہست از خواب و خوردور — اگر خوردے بخوردے نان و انگور

خربوزے نہایت شیریں ہوتے ہیں اور تربوز بھی بہت اچھے۔ اسکے علاوہ سیب امرود وغیرہ کئی قسم کے اور میوے بھی بہت عمدہ اور ارزان ہوتے ہیں۔

قہوہ خانے اور قہوہ یہاں کے قہوہ خانے گو ویانا اور پیرس کے سے شاندار تو نہیں۔ تاہم ان کی نقل ضرور ہیں۔ اور یہاں بڑے غنیمت ہیں۔ میزیں ان میں بھی سفید سنگ مرمر کی رکھی ہوتی ہیں۔ بعض قہوہ خانوں میں لوگ صرف درختوں کے نیچے یا آسمان کے سائبان کے نیچے بھی بیٹھتے ہیں اور کھلے بازاروں یا بیٹھتے ہیں۔ لیکن بہت اچھے قہوہ خانے باسفورس کے کنارہ پر ہیں۔ غریب لوگوں کے قہوہ خانے میں بھی بیچ بیچ بھی تھوڑا ہوتا ہے۔ قہوہ پینا تو ترکوں کی گھٹی میں داخل ہے لیکن یہ پیرس کے "کافی او لے" یا ویانا یا برلن کی "بلیچ کافی" یا لنڈن کی بلیک کافی یعنی شیرا قہوہ نہیں۔ بلکہ وہ سیاہ رنگ غلیظ اور تلخ سیال مادہ ہے۔ جو ایک چھوٹے سے انڈے کے برابر پیالی میں ڈالکر یہ لوگ پیتے ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں۔ اور ضروری سمجھتے ہیں کہ ہر مہمان یا ملاقاتی بھی اسے ضرور پیئے۔ میں بھی لیتے یہاں بار بار پیتا رہا۔ کیونکہ خواہ تم دن میں دس دفعہ کسی کے یہاں جاؤ ان میں سے ہر ایک تمہیں قہوہ پلانا اپنا اخلاقی اور انسانی فرض سمجھے گا اور پاس جتنے اور لوگ بیٹھے ہوں۔ انہیں بھی دیا جائیگا۔ یہاں تک کہ سرکاری دفتروں تک میں دفتروں کے اہلکار اپنے ملاقاتیوں اور مہمانوں کی قہوہ سے تواضع کرتے ہیں۔ اور دفتروں میں قہوہ تیار کرنے واسطے ملازم مقرر ہیں۔ جو ہر دم حکم پر تیار رہ کر پلاتے رہتے ہیں۔ امرا کے گھروں میں قہوہ تیار کرنے واسطے ملازم خاص ہوتے ہیں۔ ان کا کام سوائے بڑی احتیاط اور عمدگی سے قہوہ تیار کر کے اپنے مالکوں کو پلانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

کہیں کہیں جو کسی صاحب کے پاس ذرا زیادہ دیر بیٹھنے کا موقعہ ہوا تو قہوہ نے دوسری دفعہ بلکہ تیسری دفعہ بھی اپنی سیاہ شکل آ دکھلائی - ترکی سی پیالی میں جسکو فنجان کہتے ہیں - یہ سیال یا مرکب چند قطرات سے زیادہ نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ حصہ تلچھٹ سے بھرا ہوا ہوتا ہے جو چھوڑ دیا جاتا ہے - مزہ یہ ہے کہ باوجودیکہ شیرینی ڈالنے سے بھی یہ نہایت خوش مزہ شربت نہیں بنتا - مگر کھانے کے بعد ترک تلخ قہوہ پیتے ہیں - جو میرے لئے ہیں کریلا اور نیم چڑھا سے کم نہیں ہوتا - مگر یہاں یہ چیز شاہ پسند ہے - قدیم الایام سے ترک سلاطین کے وظیفہ کے ساتھ ایک کئی لاکھ سالانہ کی رقم بطور خرچ قہوہ کے مقرر چلی آتی ہے - غرض ترکوں میں قہوہ سب سے بڑی تواضع ہے - جیسا کہ کسی ایرانی کے اس شعر سے ظاہر ہے ؎ -

اہل ترکان آرہ سندہ بر تواضع بس تیتون

ایکی فنجان قہوہ سندہ برلوا کسکین تنتون

دیعنے ترکوں کے درمیان یہی تواضع کافی ہے - کہ قہوہ کے دو پیالیوں کے ساتھ ایک گولا تمباکو کا پینے ہیں) اسکے جواب میں ترک ایرانیوں کو یہ شعر سناتے ہیں - ؎

عطائے بزرگان ایران زمین ؁

دو فنجان چار سبب [illegible]

قہوہ خانوں میں بیٹھنے کی جگہ اچھی ہوتی ہے - اور جو شخص ایک پیالی قہوہ پی لے وہ جتنی دیر چاہے بیٹھا رہے - میں نے ایک شخص کو کہا کہ اس قہوہ میں تمہیں کیا لطف آتا ہے - اس نے مجھے ایک عرب کا شعر اس کی مدح میں سنایا - جو میری طرح یہاں نووارد تھا - اور اس قہوہ سے بیزار تھا - اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس قہوہ میں تین صفات ہیں جو تنبول کی شرح کی ہیں - یعنی جلا ہوا کڑوا اور سیاہ - ہر شخص [illegible]

اجنبی کے لئے اہل استنبول کے اوضاع و اطوار اور زبان سے واقف ہونے یا ملاقات پیدا کرنے کا یہ قہوہ خانے بہت عمدہ ذریعہ ہیں۔ ہر قسم کے لوگ فرصت کے وقت یہاں تھوڑی دیر بیٹھتے اور دل بہلاتے ہیں۔ یہاں روزانہ اخبار پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اور لمبے لمبے پیچواں والے شیشہ کے حقے پینے کو۔ شطرنج اور بلئرڈ کھیلنے کو۔ لیکن قسطنطنیہ میں دستور ہے کہ شام کے بعد جبتک عشا کی نماز نہو جائے کوئی شطرنج وغیرہ کھیل نہیں کھیلا جاتا۔ جس سے اسلام کا اعزاز مدنظر ہے۔ کھانے کے بعد یہاں عموماً تلخ قہوہ پیتے ہیں۔ لیکن میں شکر لی (شیریں) مانگ لیتا تھا۔

لوقنطے یہاں کے رسٹوران یا لوقنطے بہت اچھے ہیں۔ گو غریب لوگ صرف روٹی اور انگور لیکر پیٹ بھر لیتے ہیں۔ یا صرف روٹی اور کباب سے بھی گذارہ کرتے ہیں۔ جس سے دو آنہ سے ایک جوان شکم سیر ہو سکتا ہے۔ لیکن عام لوگ جن رسٹارنٹوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ (اور معلوم ہوتا ہے کہ یوروپ کیطرح یہاں بھی ہزاروں مرد گھروں میں کھانا نہیں کھاتے اور رسٹارنٹوں سے گذارہ کرتے ہیں) اِن میں بہت عمدہ کھانے ملتے ہیں۔ رسٹوران کے کھانوں کی ایک فہرست سے جو آگے چلکر درج کی جاتی ہے۔ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس طرح اِن لوگوں نے یورپ اور ایشیا کے کھانوں کو مخلوط کر لیا ہے۔ گو اچھے سے اچھے کباب اور پلاؤ اور سالن مشرقی طریق کے یہاں ملتے ہیں۔ مگر چھ آنے سے بارہ چودہ آنے تک ایک شخص کا ایک وقت کا خرچ ہوتا ہے۔ جو یوروپ کے شہروں سے آدھا بھی نہیں۔ لیکن پل غلاطہ کے سامنے کے بہت عمدہ لوقنطہ ہیں کہ جسے عثمانی لوقنطہ کہتے ہیں۔ مگر درصل عیسائیوں کا رسٹوران ہے۔ اس سے دوگنا تگنا خرچ ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں کھانا بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔ اور بڑے بڑے معزز لوگ اور افسر یہاں کھانے کو آتے تھے۔ یہاں ایک نوجوان ترک عبداللہ جو یورپین سیاحوں کا ترجماں ہے اور انگریزی فرانسیسی جرمنی روسی۔ یونانی

بلغاری اور ترکی سات آٹھ زبانیں جانتا ہے۔ مجھسے ملا اور قہوہ سے میری تواضع کی۔ اور کہنے لگا کہ میں نے آجتک یہاں کبھی معزز ہندوستانی مسلمان نہیں دیکھا ان لوقنطوں میں یورپین طریقوں نے یہانتک نفوذ کیا ہے کہ مہمان جب میز پر بیٹھتا ہے تو یوروپ کے رسٹارنٹوں کی طرح کھانوں کا کاغذ بھی اُسکے سامنے رکھدیا جاتا ہے۔ کہ جسے جرمن "شپائز کارٹ" کہتے ہیں۔ اسپر سب کھانوں اور میوجات وغیرہ کے نام چھپے ہوئے ہیں۔ اور کچھ جگہ خالی چھوڑی جاتی ہے۔ لیکن جو اس روز موجود نہیں ہوتے وہ نام کاٹ دیئے جاتے ہیں اور خالی جگہ نئے کھانوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ عربی بولنے والوں اور ترکی بولنے والوں کے لوقنطے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جہاں ویسے ہی گاہک بھی جاتے ہیں بہت سے لوقنطے عیسائیوں کے ہیں۔ لیکن وہاں مسلمان بلکہ علما بھی کھانا کھاتے ہیں۔

بعض ترکی کھانے

یہ بے انصافی کی بات ہوگی کہ میں ترکی کھانوں کے لطف میں ناظرین کو شریک نہ کروں۔ اس بہت طول طویل دلچسپ فہرست کے سرے پر ایک صاحب "چوربا" نامی ممتاز ہیں۔ چوربا ہمارے شوربا کی دوسری شکل ہے۔ لیکن اسکے نام میں اتنا تغیر نہیں ہوا۔ جتنا کہ ترکوں نے اس کی شکل میں کر دیا ہے۔ خصوصًا شادی کا چوربا ایک عجیب چیز ہے۔ یہ بڑے تکلف کا کھانا ہوتا ہے مگر مجھے اندیشہ ہے کہ کم ہندوستانی اسے پسند کرینگے۔ نمک اور مرچ ترک بھی زیادہ آشنا نہیں۔ ہلدی سے بھی زیادہ واقف نہیں۔ تاہم بعض کھانے بہت عمدہ ہیں۔ ایک کھانے کا نام "دولمہ" ہے جو ٹماٹر (ولایتی بینگن) سے بنتا ہے جسکو عرب اور مصری "ذمیتی ڈورا" کہتے ہیں۔ غرض بینگن یا کدو یا کھیرا اندر سے خالی کرکے انکے جوف میں قیمہ اور چاول پکا کر بھر دیئے جاتے ہیں۔ اور پھر انہیں پکایا جاتا ہے جو لذیذ بن جاتا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس کتاب میں تمام ترکی کھانوں کی کیفیت سننے کی مجھسے امید نہیں رکھیں گے۔ صرف مشلا ان کے ذکر پر اسکو ختم کرتا ہوں

ہندوستان میں اسے یخنی کہتے ہیں۔ ایک روز ایک ترکی لوقنطہ درسٹوران میں کھانا کھانے گیا۔ اور کھانوں کی فہرست کو دیکھ کر میں نے لوقنطہ کے ملازموں پر اپنی کھانوں کے ناموں کی ناواقفیت ظاہر کرنی مناسب نہ سمجھی۔ میں نے خشلما کا نام منتخب سمجھکر اسے طلب کیا۔ تو میرے سامنے یخنی رکھی گئی۔ میں نے سمجھا خدمتگار کو میری بات کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ میں نے دوبارہ بطور تاکید اسے خشلما کا نام دکھلایا۔ تو ثابت ہوا کہ میں نے اسی کی فرمائش کی تھی۔ اور بیرنگ اور بے بو یخنی کا پیالہ بلا رغبت پینا پڑا۔ کیونکہ اس پر پیسے خرچ ہو چکے تھے۔

ایک اول درجہ کے لوقنطہ کے کھانوں کی فہرست

ذیل میں میں ایک ترکی لوقنطہ کے روزانہ کھانوں کی فہرست بعینہ معہ بعض کھانوں کے ناموں کے ترجمہ کے درج کر دیتا ہوں تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ ترک کیا کیا کھاتے ہیں۔ بعض کھانوں کے نام اس فہرست پر چھپے ہوئے تھے۔ اور بعض قلمی اور سب کی قیمت قلمی لکھی جاتی ہے۔

لوقنطہ عثمانیہ عمو حاجی ابراہیم

(استنبول دہ حمیدیہ جادہ سنارہ نومبرو ۵۴) ۱۵ ستمبر ۱۳۱۰

پارہ	غروش		پارہ	غروش	
	۱	اتہ صوئی (شورپہ)	۲۰	۲	اتہ خشلاسی (آت بیٹے گوشت)
	۱	چوربا (شوربا)		۲	دانہ (بچھڑا)
	۱	شعریہ (سویاں)		۳	بلیچ (مرغ بریان)
۲۰	۱	شارہ صالیچہ لی (دکروفی)		۳	،، صغوق (سرد)
۲۰	۱	قیون پاچہ سی (بکری کا پاچہ)		۳	،، بکنیدیلی
۲۰	۱	پیلاؤ (پلاؤ)		۳	،، آکشیلی (لیموں و بیضہ)
	۱؍	،، پلیچلی (چوزہ پلاؤ)	۲۰	۲	نان کباب
:	۲	صدہ یورکی (گوشت)		۲	ازمیر کوفتہ سی (سمرنا کے کوفتے)

پاره	نمره شمار	
۲۰	۲	ات قرا زتمه سی (ات - گوشت)
۲۰	۲	بوط " (ران)
۲۰	۲	بوط فرونی (فرون تنندور)
۲۰	۳	بوط صنعوق
	۳	سبزه لی کباب (کباب سبزی)
	۳	یوغورت لی کباب (جغرات والے)
	۲	طاس کباب
	۲	اودنان کباب (ادرمان جنگل)
	۲	آدجی (شکار)
۲۰	۲	تنچه بان کباب
	۲	کوفته بیبیولی اسقره (قسم کباب)
	۳	جگر طوا (صنوبالی
	(۳)	لبکرک (گرده)
	۲	شیش کباب (سیخ کباب)
۲۰	۲	لوط اسقره (اندرون ران)
۲۰	۲	قیبون کلباستی (بکری گوشت کا پارچه)
	۳	طاته (چھیچھڑا)
	۳	بونفتک اسقره (بلا ہڈی گوشت کا ٹکڑا)
۲۴	۳	بونفتک رطه لی (ایضاً مع بیضه مرغ)
	۴	" بزلیالی دمنطارلی (ایضاً مع
		مشروکھمب)
۲۱	۳	قبله طواسقره

پاره	نمره شمار	
	۴	قیله صورته
	۴	" یموره طه لی
۲۰	۴	" بزلیالی ومنطارلی
۲۰	۲	قونلت پانه (کٹلٹ)
۲۰	۲	اوملت (اومیلیٹ)
۲۰	۲	صحانده یموره طه (انڈه)
	۳	" پنیرلی ونیم لی (مع پنیر وقیمه)
۲۰	۲	بیبرصالچه لی وطواسی (سفل)
		سبزوات (ترکاریان)
	۲	بامیه ات لی (گوشت بھنڈی)
	۲	درلوگروه جی (ایک قسم کی حلیم)
۲۰	۲	طوماتس طولمه سی (ٹماٹر)
	۳	اسپناق کباب لی (پالک مع کباب)
	۳	" یموره طه لی (مع بیضه)
	۳	بادنجان موسقه (بینگن گوشت)
	۳	بادنجان سلکمه (بینگن بلا بصل مصالح)
	۳	" بوره کی -
۲۰	۲	قباق طولمه سی (کدو کا دولمه)
		زیتون یاغلی (روغن زیتون والے کھانے)
	۲	بادنجان طولمه سی (بینگن مع روغن زیتون)
	۲	بامیه (بھنڈی مع زیتون)
	۲	جاقی قصولیه سی (باقلا مع ایضاً)

پارہ	غروش		پارہ	غروش	
		سلاتہ لر (سلاد کے اقسام)	۲۰	۱	چلبی (فرنی)
	۱	سیاہ خاویار			میوہ لر (میوے)
	۱	یغیل " (سبز)		۳	اوزوم (انگور)
		بالقلر (مچھلی کے اقسام)		۲	قاوون (بطیخ)
	۲	قلیچ شیش (کباب ماہی)		۳	قارپوز (خربزہ)
		کمپوستو (حلویات - مربہ جات)			پنیر لر (اقسام پنیر)
	۲	الما (سیب)		۱	بیض (سفید)
	۲	بقلوہ (قسم مٹھائی) پراٹھے کی طرح		۱	قاشر (گول)
		معہ شکر یا بلا شکر	۲۰	۱	فلمنک (ولنیڈ)
	۲	صاقضی بورم (قسم از حلوہ)	۲۰	۱	غزادیر
۲۰	۱	صوت لاج (کھیر)	۲۰		قہوہ
۲۰	۱	ارمیک حلوہ سمی (سوجی کا حلوہ)			

مکانات کی وضع اور مینڈر

ترکی مکانات میں بخلاف ہندوستان کے مکانات کے صحن نہیں ہوتے کیونکہ یہ سرد ملک ہے۔ اور مکان جو زیادہ تر لکڑی اور شیشے کے ہوتے ہیں تین تین چار چار منزلوں کے بنائے جاتے ہیں۔ نچلی منزل میں عموماً باورچی خانہ اور گودام رکھا جاتا ہے۔ بعض مکانات کے پہلو میں یا احاطے کے اندر خانہ باغ بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ میں جہاں سید عبدالغفار صاحب کے مکان میں رہا تھا۔ ہر چند کہ مکان چھوٹا ہی تھا لیکن اسکے بھی ایک پہلو میں ہٹ چھوٹا سا گلبن تھا۔ اور نصرت علی صاحب کے مکان کے پیچھے بھی ایک باغ تھا جو محلہ بھر کا مشترکہ تھا۔ کئی محلوں میں ایسے مشترکہ باغ بھی ہیں۔ گھروں کے اندر کی صفائی نہایت مبالغہ سے کیجاتی ہے۔ ہاتھ منہ دھونے کا باسن جیسا کہ ریل کے پہلے دوسرے درجہ میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور پاخانہ کا مقام عموماً سنگ مرمر

کے بنے ہوئے ترکی گھروں میں ہوتے ہیں۔ کیا مجال ہے۔ کہیں ایک تنکا بھی پڑا ہو۔ اور گرد کا نام و نشان بھی پایا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں ہندوستان کی طرح آندھیاں تو آتی نہیں نہ اتنا گرد ہی موجود ہے۔ امرا کے مکانات کے فرش جو سنگ مرمر وغیرہ پتھروں کے ہوتے ہیں ہفتہ وار دھوئے جاتے ہیں۔ صاحب خانہ بیگم خود نوکرانیوں کو ساتھ لیکر صفائی کراتی ہیں۔ یہاں گھروں کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں اور جب باہر سے کوئی آکر دروازہ کھٹ کھٹاتے تو صاحب خانہ یا اُن کی خادمہ اندر سے دروازہ کھولتی ہے اور اسے داخل کرکے پھر دروازہ بند کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ تمام یورپ میں بھی دستور ہے۔ گھروں کے اندر فرش علی قدر حیثیت ضرور ہوتا ہے۔ امرا کے گھروں میں اعلےٰ درجہ کی ترکی قالین ہوتے ہیں۔ لیکن غربا کے گھروں میں بھی بوریا کے فرش پر ایک آدھ قالین ضرور ہوتا ہے۔ اور صفائی تو ایسی ہوتی ہے کہ ایک حمّال کے گھر میں بھی دو تولے گرد نہیں مل سکیگا۔ جن لوگوں کو سلاملق اور حرملق کے لئے علیحدہ علیحدہ مکانات رکھنے کا مقدور نہیں۔ وہ اپنے مرد دوستوں سے گھر کے اندر ہی پردہ گرا کر ایک کمرہ میں ملاقات کرتے ہیں۔ بیٹھنے اور کھانے کے کمرے عموماً علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

زمین پر سونا قسطنطنیہ میں ترک چارپائی یا کوچ پر نہیں سوتے بلکہ زمین پر بستر بچھا کر سوتے ہیں۔ زمین پر دو تین موٹے موٹے گدیلے بچھا دیتے ہیں۔ جنکی موٹائی بالشت بھر اونچی ہو جاتی ہے۔ اور صبح کو اٹھکر ان گدیلوں کو لپیٹ کے الماریوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جو اسی غرض کیلئے دیواروں میں لگائی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اسی کمرہ کو نشستگاہ وغیرہ کے کام میں لاتے ہیں۔ اور بارہ مہینے مکانوں کے اندر سوتے ہیں کیونکہ یہ سرد ملک ہے۔

چوبی مکانات چونکہ قسطنطنیہ میں زلزلے بہت آتے ہیں چنانچہ آخری بڑا زلزلہ

سنہ ۱۸۹۴ء میں آیا تھا۔ جس سے بڑی بڑی عالیشان مساجد اور قدیم زمانہ کی نہایت مضبوط تعمیرات کو بھی بہت نقصان پہنچا تھا۔ اسلیے یہاں مکانات عموماً لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ گو بعض امرا کے عالیشان مکانات کوشکیں[1] اور کنار بحر پر یالیاں[2] ہیں۔ اور کئی سلطانی سرائیں[3] (محلات) سنگ مرمر اور سنگ رخام کے بڑے بڑے سنگین بھی ہیں۔ مگر عام چوبی مکانات ہیں۔ بوجہ چوبی مکانات کے شہر میں آتشزدگی کے واردات بہت ہوتی ہیں۔

احمد مدحت صاحب افسر محکمہ صحت عامہ نے مجھے بتلایا تھا کہ قسطنطنیہ میں آتشزدگی کی وارداتیں اتنی ہوتی ہیں۔ کہ بیمہ کمپنیوں نے اندازہ کیا ہے کہ ہر تیس سال کے اندر شہر بالکل نیا تعمیر ہو جاتا ہے۔

آگ بجھانے کا سامان

آگ بجھانے کے لئے گو اب کچھ عرصہ سے ایک فائر بریگیڈ بھی قایم ہوا ہے۔ لیکن ابھی اُسکی ایسی اچھی حالت نہیں ہو سکتی جیسی کہ لنڈن یا برلن میں ہے۔ برلن میں اُنٹر ڈر لِنڈن (سب سے بڑے بازار) کے ایک دروازہ میں تین راستے ہیں۔ دو راستوں سے عام لوگ گذرتے ہیں۔ لیکن بیچ کا راستہ صرف قیصر جرمنی کے استعمال کے لیے مخصوص ہے۔ اور اسکے بعد آگ بجھانے کا انجن بھی اسمیں سے گذر سکتا ہے۔ لیکن جس طرح برلن کے اس نہایت وسیع بازار سے مقابلہ میں قسطنطنیہ کے تنگ اور پیچیدہ کوچے کوئی نسبت نہیں رکھتے ویسے ہی یہاں کے فائر بریگیڈ کی حالت بھی سمجھنی چاہیے۔ چونکہ قسطنطنیہ کے اکثر بازار اور کوچے بہت تنگ ہیں۔ اسلیے یہاں آگ بجھانے کے ایک قسم کے چھوٹے چھوٹے انجن صندوقوں کی شکل کے مروج ہیں

---

[1] و [2] و [3] کوشک یا کیشک محلات۔ یالی یا یالی مکان بر لب بحر۔ فوناق مکان خورد یا بزرگ اندرون آبادی۔ سرائے کا لفظ صرف سلطانی محلات سے مخصوص ہے ۱۲۔

کہ جو ہر محلہ میں ایک ایک کمرا بنا ہوا ہے۔ آگ کے اطلاع ملنے پر انہیں آگ بجھانے والے فوراً آگ کش انجنوں پر اٹھا کر مقام آتشزدگی کو بھاگ جاتے ہیں۔ اگر رات ہو تو ایک شخص "یانگن وار۔ یانگن وار" (یعنی آگ ہے آگ ہے) پکارتا ہوا کوچوں میں سے گذر جاتا ہے۔ محلہ کے چند بیکاروں اور آوارہ لوگوں کو سرکار کی طرف سے ہر روز کی روٹی اور کپڑا ملتا ہے۔ اور اس کے عوض میں جب انہیں آگ کے خبر پہنچے تو وہ فوراً انجن کش ہوں پر اٹھا کر آتشزدگی کے مقام کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔ دس پانچ تو ان میں اہل خدمت ہوتے ہیں اور کئی اور بھیڑ کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی شکایت ہے کہ بعض وقت جس گھر میں آگ لگتی ہے بدمعاش لوگ آگ بجھانے کے بہانہ سے کچھ اسکا اسباب بھی لے اڑتے ہیں۔ سوائے ان پانی اچھالنے کے انجنوں کی آگ بجھانے والی ایک جماعت کلہاڑیوں اور آہنی ہک والی بانسوں سے مسلح ہوتی ہے۔ جو آتشزدہ چوبی مکانات کو جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں۔

آگ کی اطلاع کے بیستا

آتشزدگی سے تمام شہر کو اطلاع دینے کے لئے تین بلند مقامات پر دیدبان متعین ہیں۔ غلاطہ مینار پر غلاطہ میں مینار سرعسکر پر استنبول میں اور کاندلی کے نیچے ایک بلند پہاڑی پر مقرر ہیں۔ ان دیدبانوں کو جب کبھی کہیں آگ نظر آتی ہے تو یہ فوراً دن کے وقت ان میناروں سے ایک سرخ گولا آویزاں کرتے ہیں اور رات کے وقت ایک سرخ فانوس روشن کر کے بلند کرتے ہیں۔ تو اس نشان کے قریب توپ چلائی جاتی ہے۔ مینار سرعسکری سے گولے چلائے جاتے ہیں۔ اور مینار غلاطہ سے دن کو جھنڈیاں بلند کی جاتی ہیں۔ جن کی تعداد سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسے حصہ شہر میں آگ لگی ہے۔ اور رات کو لالٹینیں دکھلائی جاتی ہیں۔

حمّال یہاں کے حمال واقعی ایک خاص جماعت ہے۔ یہ بہت سا بوجھ پیٹھ پر اٹھا کر بڑے طمطراق سے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ اور واقعی اتنا بوجھ اٹھاتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کہ کیوں اسکے نیچے دب کر گر نہیں پڑتے ان کا بھی ایک میر یعنے افسر ہوتا ہے جیسے کہ یہاں باقی تمام پیشہ وروں کے بھی ہیں۔ اور مختلف گروہوں نے آپس کے قرار داد سے شہر کے مختلف حصے آپس میں بانٹے ہوئے ہیں۔ ایک روز ایک نووارد یورپین نے ایک ایسے حمال کو ایک بلند راستہ پر چڑھتے ہوئے دیکھکر عجیب پر مذاق ریمارک کیا۔ اُسنے کہا کہ یورپ کے انسدا د ظلم حیوانات کی انجمنوں کو قسطنطنیہ کے حمال کی طرف بھی ضرور توجہ کرنی چاہیئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عموماً یہ بڑے بڑے مضبوط اور تنا ور ارمنی ایشیا کوچک سے آتے ہیں اور انہیں لتنے بوجھ کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔

بوٹ صاف کرنے والے قسطنطنیہ میں بوٹ روغن کرنے والے بہت کثرت سے ہیں۔ اور ان کے اڈّے ان کے پیرس اور لنڈن کے ہم پیشہ لوگوں سے زیادہ خوبصورت بنے ہوئے ہیں۔ اور بخلاف ان کے یہ روغن کی شیشیوں کی ایک چھوٹی سی الماری اور بیٹھنے کو ایک چوکی گویا ایک خاصی چھوٹی سی دوکان ساتھ رکھتے ہیں۔ اور بوٹ کو بھی بڑی محنت سے صاف کر کے شیشہ بنا دیتے ہیں۔

کتّے یورپین سیاحوں کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ قسطنطنیہ کی گلی کوچوں میں کتے بہت زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور یہ ویسے خوبصورت اور پلے ہوئے بھی نہیں ہوتے جیسے کہ یورپ میں پالتو کتے ہوتے ہیں۔ مگر ایسے خارشتی اور اپاہج بھی نہیں جیسے کہ ہر ایک یورپین سیاح اپنے سفرنامہ میں انہیں ظاہر کرتا ہے ان کتوں کی کثرت کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ یورپ کے دوسرے شہروں میں چونکہ عیسائی لوگ کتوں کو گھروں میں پال لیتے ہیں۔ یہاں تک

کرلیڈیاں ان کو بھی انہیں بقبل ہندیا سے پھرلی ہیں یا مرد اپنے ہمراہ لئے پھرتے ہیں اور سمجھتے کو انسان کا سب سے بڑا دوست اور خادم سمجھتے ہیں۔ بخلاف اسکے ترک اپنے مذہب کے رو سے کتے کو نجس سمجھتے ہیں۔ اسلئے اپنے گھروں میں نہیں گھسنے دیتے۔ اور سب کتے بازاروں اور کوچوں میں ہی جمع رہتے ہیں۔ تو ان کی جمعیت بہت زیادہ نظر آتی ہے۔ اسلئے یہ ایسے طمطراق سے سڑکوں کے بیچ میں ہو کر بیٹھتے ہیں کہ انہیں گاڑیوں کے گذرنے کا بھی کچھ خوف نہیں ہوتا۔ گاڑیاں بھی جہاں تک ہو سکتا ہے کتے کو گاڑی کے نیچے دبجانے سے بچاتے ہیں۔ خواہ انہیں چکر کاٹ کر گاڑی گذارنی پڑے۔ ان کتوں نے شہر کے مختلف حلقے آپسمیں تقسیم کر رکھے ہیں۔ اسلئے اگر کوئی اجنبی کتا کسی دوسرے علاقہ میں چلا جائے یا کوئی کتا اپنے مالک کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اسپر سخت حملے کرتے ہیں۔ اور اسکی گت بناتے ہیں۔ گو گلیوں کی غلاظت پر بھی ان کی گذر اوقات ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ تر رحمدل ترک انہیں ارادتاً روٹی ٹکڑا گھروں سے لاکر دیتے ہیں۔ میرا میزبان بعض اوقات کھانا کھاکر ہاتھ میں ایک دو روٹیاں پکڑ لاتا تھا اور گلی کے کتوں کو توڑ کر ڈال دیتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہاں بہت لوگ ایسا ہی کرتے ہوں گے۔ کیونکہ کتے لوگوں کے گھروں کے اندر تو بوجہ گھروں کے دروازے ہمیشہ بند رہنے کے کبھی گھس ہی نہیں سکتے۔ ایک روز میں ایک قبرستان کا سنگ مزار پڑھ رہا تھا تو وہاں دو شخصوں کے قبروں پر ان کا عہدہ سگباشی پڑھکر مجھے حیرت ہوئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ینی چری فوج کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں سگ باں کا عہدہ بھی ہوتا تھا جو شہر کے کتوں کو کھانا دینے کا ایک صیغہ تھا۔ مگر ان لوگوں کے ساتھ ہی وہ سلسلہ بند ہو گیا۔ کتوں کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک دفعہ سلطان عبد العزیز نے کتوں سے تنگ آکر انہیں جہازوں میں بھرکر ایک غیر آباد جزیرے میں بھیجدیا تھا۔ اسپر کسی شخص نے کتے کے زبانی ایک موثر اپیل کسی اخبار میں چھپوائی

ایسے پڑھکر سلطان نے پھر کتوں کو قسطنطنیہ میں بلا لیا۔ اسی طرح ایک قدیم روایت مشہور ہے کہ ترکوں کے سلطنت کے ابتدا میں ایک مرتبہ غنیم نے شہر پناہ کے نیچے سرنگ لگائی کہ جس کا پتہ کتوں نے بھونک بھونک کر لگایا۔ جس پر سپاہیوں نے غنیم کو بھگا دیا۔ اور کتوں کی زیادہ توجہ سے خدمت کرنے لگے۔ بہرحال کتے قسطنطنیہ کا ایک خاص الخاص انسٹی ٹیوشن ہیں جو ترکوں کے رحمدلی کی بنیاد پر قائم ہے۔

دندان شکن جواب

انگریزی میں ڈائری آف این آئیڈل وومن ان قسطنطنیہ نویل ایک بہت اچھی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ مصنفہ ایک انگریز عورت ہے بڑی عالمہ اور تاریخداں معلوم ہوتی ہے۔ مگر بدنصیبی سے اسے ترکوں میں کوئی بات پسند نہیں آتی۔ وہ انہیں جاہل اور نیم وحشی کہتی ہے اور ان کی ہر بات میں نقص بتلاتی ہے۔ قسطنطنیہ کے کتوں سے ان میم صاحبہ نے بڑی ہمدردی ظاہر کی ہے۔ یہ کہتی ہیں یہ ترکوں کے رحمدلی نہیں ظلم ہے کہ وہ ان بے زبانوں کو ایسی بری طرح رکھتے ہیں۔ بہتر ہے کہ انہیں مار ڈالیں اور اس عذاب سے انہیں نجات دیں کہ جو یہ فاقہ کشی کی وجہ سے مبتلا ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ یورپ میں کتوں کی آنکھ میں جو روشنی اور محبت کی گرمجوشی ہوتی ہے میں نے قسطنطنیہ کے کتوں کی آنکھ میں نہیں پائی۔ آپ اور انگریز لیڈی جو پروفیسر ینگس سولیئے عالم کی بی بی ہیں وہ اپنے سفرنامہ قسطنطنیہ میں لکھتی ہیں کہ مجھے تو یہاں کے کتے ذرا برے نہیں معلوم ہوتے اور نہ ان سے ایسی زیادہ بدسلوکی ہوتی ہے۔ تاہم وہ لکھتی ہیں۔ بیشک قسطنطنیہ کی گلیوں میں گندگی بہت ہیں۔ خال بھی ہیں۔ گلیاں بھی تنگ ہیں مگر یورپ کی گلیوں اور بازاروں کی طرح ان میں شرابی زن و مرد گرتے پڑتے نظر نہیں آتے۔ کہ جہاں شراب اکثر جرموں کی ذمہ دار ہے

فاحشہ عورتوں کا نام و نشان نہیں

اور نہ کھلے بندوں رنڈیاں پھرتی ہیں۔

واضح رہے کہ اسلامی قانون کی نظر میں تمام سلطنت عثمانیہ میں کوئی فاحشہ عورت تسلیم نہیں کیجاتی۔ گو ایک شامی نے مجھے بتلایا تھا کہ قسطنطنیہ میں سترہ ہزار رنڈیاں ہیں۔ شاید ایسا ہو کیونکہ اتنا بڑا غدار شہر ہے۔ جس میں آدھے سے زیادہ آبادی عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کی ہے۔ تاہم وہ سر بازار فحش کے لئے نہیں بیٹھ سکتیں۔ جیسا کہ بعض یوروپ میں دستور ہے کہ جہاں پادری صاحبان اتوار کو تعطیل کرانا مذہبًا ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ کوئی مسلمان عورت رنڈی نہیں بن سکتی۔ ورنہ اسکی زناکاری ظاہر ہونے پر مرد اور عورت دونوں کو شرعی تعذیر دی جاتی ہے۔ اگر مسلمان مرد کسی عورت

مسلمانوں کو شرعی سزائیں

کے مکان میں پکڑا جائے تو اسے تین روز تک محبوس کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی رمضان میں کوئی مسلمان بازار میں کھاتا ہوا پکڑا جائے تو اسے سزا دیجاتی ہے۔ یا مسلمان بدمست بازار میں پایا جائے۔ تو اسے تنبیہ کی جاتی ہے۔ مگر کبھی کوئی مسلمان شاذ و نادر ہی اس حالت میں پایا جاتا ہوگا۔ تمام یوروپ کے فوجی سپاہیوں کے لئے شراب کھانے پینے کا ایک ضروری جزو ہے۔ مگر ترک سپاہی اسکے نام تک سے آشنا نہیں۔ اور یہ اسلام کی ایک بہت بڑی برکت ہے۔

ترکی حمام اور حمام

اگر کسی ترکی چیز نے یوروپ میں غیر معمولی عزت اور شہرت حاصل کی ہے۔ تو وہ ترکی حمام اور ترکی تولئے ہیں۔ ٹرکش باتھ اور ٹرکش ٹاول عیش، تفریح اور حفظان صحت کے نہایت اعلیٰ وسائل سمجھے جاتے ہیں اور ان کی نقل کرنے کی ہر جگہ کوشش کیجاتی ہے۔ قسطنطنیہ میں پہنچکر طبعًا سیاح کو ترکی حمام کے دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ میں اپنا حمام اور حمام کا پہلا تجربہ یہاں نقل کرتا ہوں۔ کیونکہ حجام بھی حمام کا ایک جزو سمجھے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو حمام کے اندر ہی حجامت کرا لیتے ہیں۔ مگر بعض حجاموں کی دوکان کو پسند کرتے ہیں۔ حجام کی دوکان بڑے بڑے شیشوں اور عطر و خوشبو کی شیشیوں [illegible]

سے خوب سجی ہوئی ہوتی ہے - ایک یا دو الماریاں ترکی تولیوں سے پُر ہوتی ہیں - مجھے حجام نے ایک خاص حجامت کی کرسی پر ایک بڑے شیشہ کے سامنے بٹھلا دیا - اور خوب طرح تولئے گردن کے گرد لپیٹ دیئے تاکہ ایک کٹا ہوا بال بھی کپڑوں پر نہ پڑے اور پھر قینچی اور مشین کے استرہ سے حجامت کر دی - حجامت کے بعد بال بہت احتیاط سے صاف کئے - غالباً حجامت کے اس طریقہ میں یورپین رواج بہت کچھ داخل ہوگیا ہے - تاہم قسطنطنیہ سے لیکر شام اور مصر تک حجام کی دوکانیں سب جگہ بہت نفیس اور دلکش دیکھی گئی ہیں - مینے حجامت کی اجرت دریافت کی تو اُسنے کہا جو دو گے لے لونگا - اور جو نہ دوگے تو بھی پرواہ نہیں - اور اسطرح چار غرش لئے -

حمام کی کیفیت حمام کے دروازہ میں داخل ہوتے ہی دونوں پہلوؤں میں دو کمرے ہیں - جنمیں سے ایک میں حمام کا خزانہ اور دفتر ہے اور دوسرے میں چار کاؤچ بڑے بڑے بھاری گدیلوں سے لدئے ہوئے ہیں جنپر لوگ بیٹھکر کپڑے اتارتے ہیں - یا غسل سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر کپڑے پہننے سے پہلے تولیوں کے غلاف میں لپٹے ہوئے ستاتے ہیں تاکہ پسینہ خشک ہوجائے - یہاں ایک تولئے میں ہر شخص کے کپڑے باندھکر الگ رکھدیئے جاتے ہیں - کسی کے جیب میں جو نقدی یا گھڑی وغیرہ ہو اُسے ایک الماری کے خانہ میں جو دروازہ میں پڑی ہے مقفل کرکے چابی مالک کو دیجاتی ہے - اور فارغ ہوکر وہ خود قفل کھولکر اپنا اسباب نکال لیتا ہے - کپڑے اتارنے کے بعد غسل کرنے والے کو لکڑی کے کھڑاویں پہنائی جاتی ہیں - اور بازو سے پکڑکر ایک شخص اُسے حمام کے بڑے ہال میں لیجاتا ہے - یہ بہت بڑا مکان ہے جسکے چاروں طرف بلند گیلریاں ہیں - بعض لوگ اُن گیلریوں پر کپڑے اتارتے ہیں - اسکے آگے

ایک چھوٹا کمرہ ایک پہلو میں ہے۔ اگر کسی کو حمام میں داخل ہوتے ہی گرمی زیادہ محسوس ہو تو وہ یہاں سستانے کو بیٹھ جائے۔ ورنہ اندر داخل ہو جائے جو ایک بلند گنبد والا مکان ہے۔ اسکا تمام فرش سنگ مرمر کا ہے۔ بیچ میں ایک مرتفع چبوترہ ہے۔ جسپر دو تولئے بچھا کر اور دو تکئے لگا کر مجھے لٹا دیا گیا۔ ایک اور شخص بھی آکر وہیں لیٹ گیا۔ جسے حمام کا ملازم دیر تک دباتا رہا۔ اس مکان کے پہلوؤں میں چار کمرے ہیں۔ جہاں مرمر کی دیوار میں چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر دو دو ٹونٹیاں لگا دی گئی ہیں۔ ایک میں سے گرم اور دوسری میں سے سرد پانی ان حوضوں میں پڑتا ہے۔ پاس کئی مسی طشتریاں پڑی ہیں۔ لینے جسقدر پانی کوئی چاہے۔ اپنے جسم پر ڈالا کرے پندرہ منٹ یہاں ٹھیرنے کے بعد مجھے ایک خدمتگار ایک پہلو کے کمرہ میں لے گیا اور مجھے کیسہ کرنے لگا۔ اسکے بعد کسی ریشہ دار چیز میں صابن رکھکر خوب ملا کہ جھاگ کی تہ چڑھ گئی۔ جسے بہتے پانی سے دھو دیا۔ آدھ گھنٹہ گذرنے کے بعد مجھے باہر کے کمرہ میں لایا گیا۔ جہاں دو تین تولیوں سے ایک شخص نے میرا بدن پونچھا۔ میں نے خود اپنا بدن پونچھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ یہ حمام کے خدمتگار کا ہی کام ہے۔ تولئے بڑی کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں اور حمام کے داخلہ کے کمرہ میں ایک قطار دُھوئے ہوئے رنگ برنگی تولیوں کے الماریوں کی پڑی ہے۔ ہال میں سے گذر کر میں داخلہ کے کمرہ میں ایک کاؤچ پر جا لیٹا۔ جہاں بہت پسینہ آیا۔ ایک شخص نے مجھپر اور دو تین تولئے ڈال دیئے۔ لوگ یہاں دیر تک لیٹے رہتے ہیں۔ کیونکہ جو مجھ سے پہلے کے لیٹے ہوئے تھے۔ وہ ابھی یہیں پڑے تھے۔ کہ میں نے کپڑے پہنے نقدی سنبھالی اور حمام کی اجرت دریافت کی۔ ایک شخص نے شیشہ سامنے رکھدیا میں نے بعد میں سنا کہ کیسہ کی اجرت اڑھائی تین غروش ہے۔ لیکن میں نے ایک چرک (پانچ غروش کا سکہ) دیا۔ اسپر انہوں نے اور تقاضا کیا تو میں نے

تین غروش اٹھ پیسے یعنی ہندوستان کے ایک روپیہ کے برابر لیکن بعض امرا ایک
مجیدی (چاندی) یا ایک اشرفی بھی دیتے ہیں۔ میرے سامنے ایک ترک ایک
مجیدی دے گیا تھا۔

ترکوں کے اخلاق و آداب

کوئی اجنبی شخص جو قسطنطنیہ دیکھکر واپس جاتا ہے تو ترکوں کے
بڑا اعلیٰ خیال جو وہ اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ یقیناً ترکوں
کے حسن اخلاق انکساری خاکساری رحمدلی اور مہمان نوازی کا ہوتا ہے۔
ایسے سے بڑے ترک عہدہ دار سے ملکر بھی یہی خیال پیدا ہوتا ہے۔ بیشک
ترک حسن اخلاق کے لحاظ سے دنیا بھر میں فرد ہیں۔ کیا زمانے سلطنت اور
کیا کارخانہ توپ سازی یا جہاز سازی کے افسر جو ڈیوٹی پر تھے۔ کیا ان حسن
سلوک سے پیش آتے تھے۔ ناواقف ترک بھی کیسی انسانیت اور مروت
سے پیش آتے ہیں۔ کیسے حلیم متواضع اور بےتکلف ہوتے ہیں۔ اگر ان کا
شکریہ ادا کیا جائے تو کسر نفسی سے "استغفر اللہ" کہتے ہیں۔ گویا کہ وہ
ہرگز اس شکریہ کے لائق نہیں۔ ان میں حیا اور لحاظ بہت ہوتا ہے جو
اہل مشرق کی مخصوص صفت ہے۔ اسلئے وہ سفارش بھی مانتے ہیں
اور اصرار کرنے سے کوئی بات اپنی مرضی کے خلاف بھی مخاطب کو خوش اور
متشکر کرنے کے لئے مان لیتے ہیں۔ بعض ایسی باتیں دیکھکر مجھے بارہا خیال
گذرا ہے کہ ترکوں کو ابھی یورپین بننے کے لئے اور بہت مدت درکار ہوگی
ان میں تواضع اور تملق اس قدر زیادہ ہے کہ شک ہے کہ یہ کبھی یورپ
کی دوسری قوموں کی طرح روکھے اور بے لحاظ نہیں ہو سکینگے کہ کام کو کام
اور سچ کو سچ سمجھیں۔ جب دو ترک آپس میں ملتے ہیں تو ان میں اہل لکھنؤ کی طرح
بہت سے مودبانہ فقرات کا تبادلہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص پوچھتا ہے کہ
مزاج شریف؟ تو آپ بھی انشاء اللہ اچھا ہوگا۔ آپ کا مزاج شریف تو اچھا
ہے۔ دوسرا کہتا ہے "الحمد للہ" لیکن شکایت ایک بات اچھا ہے لیکن

آپ کا مزاج شریف اور طبیعت تو اچھا ہے۔ وہ کہتا ہے "الحمد للہ" (اللہ کا فضل ہے) وغیرہ۔ اردو اور فارسی زبان کی طرح ترکی میں بھی ادب سے واحد مخاطب کو جمع کے صیغہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صبح کا سلام ہے۔ "صباح شریف کز خیر اولسون" یعنی آپ کی صباح شریف خدا کرے بخیریت رہے۔ دعائیہ کلمہ ہے۔ ایک ذرہ سی خدمت کے لئے ایک دوسرے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور کہتا ہے "چوق ممنون اولدم" نہایت ممنون ہوا۔ "پک چوق مشکور اولدم" نہایت ہی مشکور ہوا ہوں۔ شخص مقابل کے لئے لازم ہے کہ ازراہ کسر نفسی کہے "استغفر اللہ"۔ ایک شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ تم پہلے سیڑھیوں پر چڑھو۔ وہ ازراہ ادب کہتا ہے "امان" یعنی یہ نہ ہوگا۔ مجھے اس سے امان دیجئے۔ رخصت ہونے یا ملاقات کے وقت عموماً دعائیہ کلمات بھی کہے جاتے ہیں۔ مثلاً "اللہ امانت اولسون"۔ "اللہ عافیت اولسون"۔ ایک مصدر بیورن ہے۔ جسکی معنے فارسی میں فرمودن ہے۔ ترکی زبان میں اس قدر تکلف اور نزاکت ہے کہ مخاطب سے ہر کام کے شروع کرنے کے لئے بیورن کہا جاتا ہے۔ مثلاً آگے چلئے۔ یا کھانا کھائیے یا آئیے۔ یا جائیے غرض ہر کام کے لئے ہر وقت "بیورن آفندم"۔ "بیورن آفندم" کہتے رہتے ہیں۔ آفندم آپس میں مخاطب کرنے کا عام کلمہ ہے۔ اسکے معنے ہیں میرے صاحب۔ جیسے عرب کہتے ہیں "یا سیدی!" لیکن ترکی میں دو جاہل بھی آپس میں باتیں کرتے ہوئے ایک دوسرے کو آفندم کہتے جاتے ہیں۔ لڑکی اور لڑکا۔ باپ۔ استاد یا سب بڑوں کو بیوی۔ شوہر کو۔ دوست اور ملاقاتی ایکدوسرے کو آفندم کہتا ہے۔ شروع میں شہزادگان آل عثمان کا خطاب آفندی تھا۔ مگر اب ہر شخص کو بطور انگریزی لفظ مسٹر یا فرانسیسی موسیو یا جرمن ہر۔ یا اطالین سینر کے آفندی کہا جاتا ہے بلکہ جب ہر شخص آفندی کہلانے کا مستحق ہوا۔ تو اب اچھے آدمیوں کو بے آفندی کہا جاتا ہے اور پاشاؤں کو پاشا آفندی۔ "حضرت ری" یعنی حضرت شما "اور ذات عالی کز"۔ ذات عالی شما"۔ مخاطب کے لئے گفتگو میں عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں

غرض ترکی زبان میں بہت سے تکلفات اور القاب و آداب کے کلمات موجود ہیں۔ اور ان سے اس زبان کے بولنے والی قوم کی خوش اخلاقی اور آداب وزری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

رحمدلی اور خیرات | ترک رحمدل اور خدا ترس بھی بہت ہیں۔ اور مفلسوں اور فقیروں کی فیاضی سے مدد کرتے ہیں۔ بلکہ بے زبان جانوروں پر بھی مہربانی کرتے ہیں قسطنطنیہ اور تمام ملک میں لاکھوں کروڑوں روپے کے وقف املاک اسکے شاہد ہیں کہ جسکا ذکر کسی دوسری جگہ درج ہے۔ اگر شہر میں سینکڑوں لنگر خانے اور مہمان سرائیں اور تکیئے وقف ہیں تو راستوں میں سینکڑوں چشمے اور سبیلیں ہیں۔ جو سب ان کی رحمدلی اور فیاضی کے ثبوت ہیں۔ یہ نہیں دیکھ سکتے۔ کہ خود کھائیں اور کوئی محتاج پاس بیٹھا دیکھتا رہے۔ ان کے یہاں یہ مثل مشہور ہے "بڑیلی ار بڑ باقر قیامت اونا کا پر" (ایک کھائے اور ایک دیکھے تو قیامت کیسی نہ آجائے) اسلئے جب کوئی شخص کھانے لگتا ہے۔ تو پاس والے آدمی کو بھی ساتھ شامل کر لیتا ہے۔ ان کی ایسی عادات کی وجہ سے اگر خود غرض اہل یورپ انہیں دیوانے کہیں تو بجا ہے۔ ترک بطور ایک قوم کے سچے متوکل ہیں۔ اگر آج کے کھانے کے لائق ان کے پاس ہو تو کل کے لئے کہتے ہیں "بو گون یی پی یم یارین اللہ کریم" (آج تو کھا لیتا ہوں کل اللہ کریم ہے۔ یعنے خدا رزاق ہے پھر دیگا۔) ترکوں میں کھانے اور پہننے کے تکلفات میں بہت خرچ کیا جاتا ہے۔

ترکی سلام | ترک آداب مجلس میں مہمان کی بہت عزت کرتے ہیں ملنے کیوقت اسکے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں۔ رخصت کے وقت مصافحہ کرنے کے بعد دایاں ہاتھ بہت نیچے لیجا کر اور جھک کر فرشی سلام کرتے ہیں۔ سلام کرنے میں جھک کر ہاتھ پہلے سینہ اور پھر پیشانی پر رکھتے ہیں۔ جب سب لوگ سلاملک میں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو ایک مرتبہ نیم ایستادہ ہو کر پھر دوبارہ ہاتھ

کے اشارہ سے اسی طرح سلام کرتے ہیں - جیسا کہ رخصت کے مصافحہ کے وقت کرتے ہیں - یہ دوہرا سلام ان کے بیحد تکلف اور اخلاق کا شاہد ہے - رخصت کے وقت مصافحہ کرنے کا طریقہ بہت عام نہیں - اور نہ عموماً السلام علیکم زبان سے کہا جاتا ہے - بلکہ زیادہ فرض ہاتھ کے اشارات سے ہی ادا کیا جاتا ہے -

ترک بچوں کا سلام

ترکی بچوں کے سلام کرنے کا طریقہ تو مجھے نہایت پیارا معلوم ہوتا تھا - جب کوئی چھوٹی لڑکی یا لڑکا تمہیں ملیگا تو وہ یا تو تمہارے پاؤں تک ہاتھ لیجا کر اپنا ہاتھ چوم لیگا - گویا کہ اسنے قدمبوسی کی - اور یا اپنا دایاں ہاتھ تمہارے طرف بڑھا دیگا - جسکا مطلب یہ ہوتا ہے - کہ تم اپنا ہاتھ اُسکے نیچے سے ہاتھ پر رکھدو - اور جب تم اسکے ہاتھ پر اپنا اُلٹا ہاتھ رکھتے ہو - تو وہ پہلے اسپر بوسہ دیتا ہے - اور پھر اپنے پیشانی پر لگاتا ہے - گویا دست بوسی کرتا ہے - کبھی تمہارے دامن کو بھی بوسہ دیتے ہیں -

ترک حبشیوں سے نفرت نہیں کرتے

ترک ہر چند کہ نہایت گوری قوم ہے - لیکن جس طرح کہ یورپ اور امریکہ کے دوسری عیسائی گوری قومیں کالے یا گندمی رنگ کے آدمیوں کو انسان نہیں سمجھتیں - یا کمتر درجہ کا انسان سمجھتی ہیں ترک ایسا نہیں سمجھتے - میں نے قسطنطنیہ میں بعض اوقات اس امر کو نوٹس کیا کہ ترک حبشیوں کو بالکل حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے - قدیم زمانہ سے ترک سلاطین حرم سرا کا بڑا داروغہ یعنے "قزلر آغاسی" حبشی خواجہ سرا ہی رکھتے ہیں - کہ جسکا عہدہ پہلے زمانوں میں صدر اعظم سے بھی بلند سمجھا جاتا تہا - مگر خواجہ سراؤں کو رخنہ گرد با جاتا تھا - جس سے ان کی ڈاڑھی نہیں نکلتی - ابتک بہت لوگوں کے پاس حبشی مرد اور عورتیں خدمتگار ہیں اور ترک انہیں برابر کا انسان سمجھتے ہیں - حبشی خواجہ سرا اسلئے حرم سلطانی

رہنے کے اور بھی بہت سے اونچے گھرانوں میں ہیں۔ اور کیسی عزت اور آسایش سے رہتے ہیں۔ بعض ترکوں نے حبشی عورتوں سے نکاح بھی کئے ہیں اور ان سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سوسائیٹی اور قانون کی نظر میں برابر سمجھے جاتے ہیں۔ بازاروں سے جو حبشی خادمہ عورتیں گذرتی ہیں۔ انکا بھی لباس کیسا پردہ دار ہوتا ہے۔ اور سوائے منہ کے جسم کا کوئی حصہ ننگا نہیں ہوتا بیلو ریشم کا لباس انہیں کیسا سجتا ہے۔

عرب مصری اور ایرانی

قسطنطنیہ میں ہزارہا عرب شامی اور مصری رہتے ہیں جن میں سے بہت سے مدرسہ سلطانیہ۔ مدرسہ حربیہ اور مدرسہ بحریہ کے شاگرد اور کئی فوجی ملازم بھی ہوتے ہیں۔ بہت سے خواجہ یعنے معلم وملا بھی ہیں۔ چونکہ یہ مقام ان ممالک کا پایہ تخت ہے کہ جہاں عربی بولی جاتی ہے۔ اسلئے بکثرت عربی بولنے والے لوگ یہاں جمع رہتے ہیں۔ اور ایک عربی دان شخص صرف ان لوگوں سے ملکر کام چلا سکتا ہے۔ بعض قہوہ خانوں اور لوقنطوں میں اسی لئے عربی دان خادم رکھے جاتے ہیں۔ نوجوان شامی اور مصری کہ جنکے رنگ بھی گورے ہوتے ہیں لوگ پتلوں میں ترکوں سے کم نہیں سجتے۔ کالر اور کف بھی خوب ستھرے رکھتے ہیں۔ اور عربی بولتے ہوئے کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جب یہ عرب فرفر فرنسیسی زبان بولتے ہیں تو اور بھی عجیب معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایرانی بھی بہت سے بغرض تجارت قسطنطنیہ میں سکونت رکھتے ہیں جو شہر کے ایک علیحدہ حصہ میں رہتے ہیں۔ تگران کی دوکانیں جابجا پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ اپنا قومی لباس عموماً نہیں چھوڑتے۔ ایام محرم میں خان والدہ میں کہ جو ان کی آبادی کا مرکز ہے۔ زور شور سے عزاداری کرتے ہیں۔ کہ جسے ترک اور خصوصاً یورپین سیاح جو اس زمانہ میں استنبول میں موجود ہوتے ہیں۔ دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

راستہ میں سگار سلگانا یہاں بھی پیرس کیطرح راستہ چلتے ناواقفوں کو اشارہ کرکے سگار سلگا لینے کے رسم جاری ہے - اور سلگا چکنے کے بعد اس شخص کو سلام کیا جاتا ہے کہ جسکے سگار سے سگار سلگایا گیا ہے خلیق اور مہمان نواز ترک بھلا کس طرح کسی کی درخواست کو مسترد کر سکتا ہے

جیلخانوں میں بیکار قیدی یہاں کے جیلخانوں میں قیدیوں سے کوئی سرکاری کام نہیں لیا جاتا - اور سرکار کیطرف سے قیدیوں کو اتنا ہی کھانا ملتا ہے - جتنا کہ فوجی سپاہیوں کو ملتا ہے - لیلۃ القدر، مولود النبی، سالگرہ سلطانی یا جشن تخت نشینی سلطانی کی تقریب پر لمبی قید والے قیدیوں سے ایسے لوگ رہا بھی کر دئے جاتے ہیں - کہ جو اپنی اسیری کی تین چوتھائی مدت گذار چکے ہیں -

باغ اور بوستان یہاں نہ صرف شہر کے اطراف میں بلکہ شہر کے بیچ کے محلوں میں بھی باغات ہیں - بلکہ بہت سے گھروں کے اندر بھی حسب توفیق چھوٹے بڑے گلبن ہیں - مگر حوالی شہر میں رومیلی اور اناطولی کے دونوں اطراف میں بہت سے بوستان میوہ دار ہیں - اسلئے بقولات اور میوہ جات خصوصاً انگوروں کی اس شہر میں کثرت ہے - محلوں کے باغات میں لوگ (زن و مرد) تفریحاً چہل قدمی کرتے ہیں - اور محلہ کے سب ساکنین اسے اپنا مشترکہ باغ سمجھتے ہیں - علاوہ اسکے قبرستانوں کے سرو بھی حوالی اور اطراف شہر میں اس قدر پھیلے ہوئے ہیں کہ شہر میں ہر طرف سرسبزی کی کثرت نظر آتی ہے -

مخبری مشہور ہے کہ قسطنطنیہ میں مخبری کا انتظام بہت بڑھا ہوا ہے یورپین لوگوں کا تو خیال ہے کہ خدا جانے کتنے ہزار آدمی شہر میں اس کام پر متعین ہیں شاید جو فقیر تم سے خیرات مانگ رہا ہے یہی مخبر ہے - شاید جو لڑکا تمہارا بوٹ سیاہ کر رہا ہے - یہی مخبر ہے - شاید جس لوکنطہ میں تم کھانا کھا رہے ہو اسکا مالک مخبر ہے - جب مجھے شہر میں آئے تین چار روز گذر گئے تو ایک

صاحب جو مجھ سے راستہ میں ملے تھے۔ اور انہیں میرے فروش ہونیکا مکان معلوم نہیں تھا مجھے ملنے کو آئے۔ اور انہوں نے بتلایا کہ میں نے پولیس سے دریافت کیا تھا۔ کہ تم کہاں ٹھیرے ہو۔ اور مجھے فوراً معلوم ہوگیا تھا۔ کہ پہلے تم فلاں جگہ ٹھیرے تھے۔ پھر فلاں مکان کو چلے گئے اور وہاں فلاں فلاں شخص تم سے ملنے آئے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ دنیا کی ہر ایک سلطنت میں کم وبیش جاری ہے۔

پہرہ والے چوکیدار

سوائے حصہ غلاطہ کے جو یورپین آبادی ہے۔ قسطنطنیہ میں رات کے وقت بازار بہت سویرے بند ہوجاتے ہیں۔ اور بازاروں میں روشنی بہت ہی کم ہوتی ہے۔ خصوصاً جو شخص یوروپ کیطرف سے آئے اور وہاں ۲-۳ بجے صبح تک بازاروں میں رونق دیکھکر آئے اُسے یہ کیفیت بہت عجیب معلوم ہوتی ہے۔ عشا کے بعد پہرہ والے چوکیدار بازاروں کے فرش پر ڈنڈے مارتے ہوئے ادہر اُدہر گذرنے سُنے جاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ لوگ ڈنڈا فرش پر مار کر رات کے گھنٹے بتلاتے ہیں۔

مساجد تربے اور قبرستان

کیا یہی بات کم عجیب ہے۔ کہ اس شہر میں معبدوں کو پہلے اصنام کی پرستش کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض میں بعدہ تثلیث اور اخیر میں اب توحید کا غلغلہ بلند ہورہا ہے۔ یہ حال آیا ... اور کئی ایک سری مساجد کا ہے جو عیسائی گرجوں سے کسیقدر ترمیم کے بعد مسجدیں بنائی گئیں۔ لیکن اسکے سوائے بہت سی ایسی مساجد ہیں کہ جو ویسی ہی عظیم الشان

ترک سلاطین کا تعمیر مساجد کا شوق

ہیں مگر سلاطین ترک نے خود تعمیر کی ہیں۔ قسطنطنیہ میں ترک سلاطین کا دستور ہوگیا تھا۔ کہ جو نیا سلطان تخت نشین ہوتا تھا وہ اپنے نام سے ایک اُس سے عظیم اور عجیب تر مسجد تعمیر

کر کے چھوڑنا چاہتا تھا۔ کہ جو اس سے پہلے سلطان نے اسی خیال سے تعمیر کی تھی۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے۔ کہ سلطانوں کو تعمیر مساجد کا شوق اسقدر بڑھ گیا تھا۔ کہ یہ ضرب المثل ہوگئی "A Sultan always lives while he is building."
(یعنے ایک سلطان جبتک تعمیر کرتا رہتا ہے زندہ رہتا ہے) ایسے ہی ایک مصنف ہندوستان کے سلاطین مغلیہ کی عالیشان اور خوبصورت عمارات کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ جنات کی طرح تعمیر کرتے تھے۔ اور مصوروں کی طرح آرایش کرتے تھے" غرض اسطرح قسطنطنیہ میں بہت سی عالیشان مسجدیں جمع ہوگئیں

عظیم الشان مساجد پر ایک نظر

کہ جنکی نظیر روئے زمین پر کسی ملک میں ملنی مشکل ہے۔ بعض مسجدیں تو ایسی عالیشان۔ ایسی خوبصورت اور پرشوکت ہیں کہ ان سے باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔ جامع بنی والدہ۔ جامع سلطان بایزید۔ جامع سلطان احمد۔ جامع سلطان محمد فاتح۔ اور جامع سلطان سلیم وغیرہ ایسی عالیشان مساجد ہیں۔ کہ جن کی تعمیر میں لاکھوں روپیہ صرف ہوا ہوگا لاہور کی مسجد شاہی یا دہلی کی مسجد شاہی کی طرح صرف ایک ایک گنبد کی سقف کے برابر ان کی پہنائی نہیں۔ اور نہ احمد آباد کی مشہور ستونوں والی مسجد کی طرح ان میں ستونوں کی بھرمار ہے۔ گو یہ تینوں مسجدیں بھی اپنی اپنی جگہ بے نظیر ہیں لیکن یہاں کی مساجد میں دو یا چار ستون بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ مثلاً جامع سلطان احمد میں چار ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ ان میں سے ایک کے گرد میں پھرا تھا۔ جسکا دور ۳۳ قدم تھا۔ جو گز گز بھر چوڑی اور چار چار گز بلند مرمر کی سلوں سے بنا ہوا تھا۔ ان ستونوں کے بیچ میں بڑا گنبد اور گرد نصف گنبد ہیں جن میں اور بہت چوڑی جگہ پر محیط ہو جاتے ہیں۔ کہ جن میں ہزارہا آدمی ایک وقت نماز

مقصورہ سلطانی

پڑھ سکتے ہیں۔ اس مسقف جگہ کے گرد ایک گردش ہوتی ہے۔ عموماً محراب کی بائیں جانب بقدر ایک منزل کے بلند مکان ہوتا ہے جس کی

دیواریں جالیدار بنائی جاتی ہیں۔ اسمیں سلطان وقت نماز پڑھتا ہے اور اسے مقصورہ سلطانی کہتے ہیں۔ سلطان کو اسطرح دوسرے نمازیوں کی نظروں سے مستور کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ ان کی توجہ منتشر نہ ہو۔ نیز سلطان کو یہ بات یاد دلانے کے لئے کہ وہ بھی دیگر بنی نوع انسان کی طرح فانی اور کمزور ہے دو شخص آدمی نماز کے وقت سلطان کے دائیں بائیں کھڑے کئے جاتے ہیں۔ بلکہ قدیم زمانہ میں دستور تھا کہ جب سلطان وقت نماز جمعہ کے لئے مسجد میں داخل ہوتے تو دو لوگ انکے سامنے آکر سلام کرتے اور چلاتے کہ خدا کی نظر میں سلطان اور پست ذات انسان برابر ہیں۔ محراب کی دائیں جانب منبر ایک منزل سے بھی بلند ہوتا ہے جسپر سیڑھیوں سے چڑھتے ہیں۔ ایک اور جگہ وسط کے قریب مرتفع بنائی جاتی ہے۔ جسپر مکبر بیٹھتا ہے۔ اور امام سے تکبیریں سنکر اسے دہراتا ہے۔ جس کی آواز مسجد میں ہر جگہ پہنچتی ہے۔ محراب کے دونوں طرف موم کی بہت موٹی موٹی بتیاں عموماً ایک گز محیط کی رکھی رہتی ہیں۔ لیکن جامع ایا صوفیہ میں تو دو گز کے قریب محیط کی موم بتیاں ہونگی۔ جو محراب کے گرد دو عالیشان سفید ستون معلوم ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ جامع ایا صوفیہ تمام مساجد میں زیادہ عالیشان ہے کہ جسکی عظمت اور شوکت اور لاگت دیکھکر کوئی شخص تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتا تاہم جب دوسری مساجد میں جائیں۔ تو ان کو ایا صوفیہ سے کم کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں کی پانچ چھ دوسری اول درجہ کی مسجدیں ایک نہ ایک پہلو میں جامع ایا صوفیہ سے فایق ہونگی۔ میں نے یورپ میں گرجوں میں دیکھا ہے کہ بہت قیمتی پتھر اور موزائک کی گلکاری اور رنگیں شیشوں کے دریچے لگانے میں کوئی خرچ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر ان کے مقابلے میں باب عثمانیہ کی مساجد بھی کسی طرح کم نہیں۔ سلطان احمد کی مسجد کے اندر تمام چینی کا نفیس کام ہے۔ اور گنبدوں اور محرابوں میں بہت سی خوشخط آیات کلام مجید لکھی ہیں۔ سلطان بایزید کی مسجد کے دریچوں میں رنگیں شیشے لگے ہیں۔ جن میں

مختلف رنگوں سے کلمہ طیب بنایا گیا ہے۔ اور یہ رنگین شیشے بوجہ قدیم ہونے کے نہایت بیش قیمت چیز شمار ہوتے ہیں۔ جنکو مسجد سلطان احمد کے چینی کے کام سے بھی یورپین مستفسر بیش قیمت سمجھتے ہیں۔ جامع سلطان مصطفے جامع شہزادہ باشی اور مسجد ینی جامع میں علاوہ مسجد سلطان سلیم اور سلطان بایزید کے دیواروں پر چینی کا کام ایسا اعلے نصب کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام دیوار ایک ہی چینی کے ٹکڑے سے بنی ہوئی ہے۔ اور ان سب مساجد میں بھی محراب کیجانب کھڑکیوں میں رنگین شیشوں میں کلمہ طیب اور اسمائے حسنے لکھے ہوئے ہیں۔ عموماً قسطنطنیہ کی مساجد کی تعمیر قریب قریب ایک ہی اصول پر مبنی ہے۔ یعنی ایک بڑا وسیع گنبد اور اس کے گرد چار نصف گنبد ہوتے ہیں۔ اور یہ سب سقف علاوہ دیواروں کے چار پیلپایوں پر قایم ہوتا ہے۔ میں نے جامع سلطان سلیمان قانونی کا اندازہ پایا تھا۔ طول وعرض ۲۶۰۔ ۲۲۷ قدم تھا۔ اس جامع کے اندر بھی دو پیلپایوں کے نیچے وضو کے لئے حوض بنے ہوئے ہیں۔ جیسے خوشخط جلی۔ نسخ اور ثلث خط کیتے میں نے ان مساجد کی دیواروں اور چھتوں پر چینی اور دوسرے رنگوں میں اور سنہری حروف کے لکھے ہوئے دیکھے ہیں۔ ایسے پہلے نہیں دیکھے۔ بعض قطعات خوشخط ان مسجدوں میں آویزاں ہیں جو مشہور ہے کہ سلطان سلیم اور سلطان محمود ثانی کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ جو بڑے خطاط گزرے ہیں۔ ہر مسجد میں کئی قرآن پڑے رہتے ہیں اور ایسے ہی سلاطین عثمانیہ کی تربتوں پر جو اس شہر میں کئی ایک ہیں۔ اچھے اچھے قلمی قرآن پڑے ہیں۔ ایا صوفیہ کے صحن میں گو کوئی ستون یا پیلپایہ نہیں۔ (جو ایک درمیانی گنبد اور دو نصف پہلوؤں کے بڑے بڑے گنبدوں سے مسقف ہے)۔ لیکن شمالی جنوبی نصف گنبدوں کو چار چار عالیشان سنگ خارا کے ستونوں نے الگ کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ آج دنیا میں ان کے ساتھ کے ستون موجود نہیں۔ سنگ سماق

کے بڑے بڑے ستون یہاں کی کئی مساجد میں موجود ہیں - ایا صوفیہ کے بڑے گنبد سے جو روشنی کے لئے آہنی جھاڑ لٹکا ہوا ہے - جس میں گلاس آویزان ہیں - اسکا قطر دس گیارہ قدم ہے - یعنی اس سے آدھی جگہ میں دنیا میں کئی مسجدیں تعمیر ہوئی ہونگی - یہاں دستور ہے - کہ جس قدر زمین مسجد کے زیر سقف ہوتی ہے اتنی پر ہی صحن ہوتا ہے - کہ جسکے وسط میں ایک پانی کا حوض یا چشمہ بنا ہوا ہوتا ہے - اور اس صحن میں لوگ جوتے سمیت آتے ہیں - مگر شام اور ہندوستان کی مساجد میں صحن میں بھی جوتہ لانے کا رواج نہیں - یہ تمام جامع مسجدیں فرش فروش اور عظیم الشان آہنی جھاڑوں سے آراستہ ہیں - جمعہ اور عیدین کو سب میں قالینوں کا فرش کیا جاتا ہے - قسطنطنیہ میں صرف جامع مسجدیں (۲۳۰) بتلائی جاتی ہیں - علاوہ مساجد کے یہاں اکثر سلاطین عثمانی کے تربے بھی قابل دید ہیں - جو عموماً مساجد کے متصل تعمیر کئے جاتے ہیں - اور ان میں سے بعض بوجہ عمارت کی خوبی کے بھی قابل لحاظ ہیں - اور ان کی حفاظت اور نگرانی بہت احتیاط سے کی جاتی ہے -

جامع ایا صوفیہ جامع ایا صوفیہ پہلے ایک رومی گرجا تھا - جسکی بنا پر پہلے پہل قسطنطین اعظم بانی قسطنطنیہ نے ۳۲۵ء میں چوبی گرجا کی بنیاد ڈالی تھی اسکے جل جانے کے بعد اسی جگہ پر ۲۳ فروری ۵۳۲ء کو قیصر جسٹینین نے ایک عظیم الشان سنگین مسجد کی بنیاد ڈالی - جو قریباً دس لاکھ پونڈ یا ڈیڑھ کروڑ روپیہ کی صرف سے پانچ سال دس ماہ میں بنکر تیار ہوا - دس ہزار معمار اس پر بڑی سرگرمی سے مصروف رہے - قیصر نے فرنیچر کا سپید رنگ مرمر لگا دیا

نوٹ ۱: - جامع کے مصداق وہ مساجد ہیں جنمیں علاوہ حرم مسجد کے اسکا باغ بانی مسجد کی قبر ایک چار دیواری میں محدود - اور اسکے متعلق کئی مکانات مثل مکتب مدرسہ کتب خانہ مطبخ اور طالب علموں کے رہنے کے حجرے وغیرہ کے ہوتے ہیں - محبوب عالم

کا سبز مرمر۔ لیبیا کا نیلا مرمر۔ سلسلہ کا سیاہ مرمر۔ باسفورس کا سیاہ دھاری دار سفید مرمر۔ تسلی اور اسپیرس کا سنگ مرمر۔ مصر کا سنگ ستارا۔ اور سنگ سماق منگوا کر اسکی تعمیر میں لگایا۔ قدیم یونانی عمارات کا بہت سا مصالحہ ایتھنز وغیرہ مقامات سے منگوا کر اسمیں استعمال کیا۔ قدیم مذاہب کے بہت سے معبدوں نے اسکی خاطر اپنا مصالحہ نذر کر دیا۔ ایتھنس اور اسپیرس کے ستون اس میں لگائے گئے۔ ہیلیوپلس اور افسیس کے سورج اور چاند کے مندروں کے مینار اور ستون اس پر چڑھائے گئے۔ افسیس (واقعہ ڈیلاس) اور سائیبل (واقعہ سیزیکس) کے ستون اسکے نام ہوئے۔ اور سونے جواہرات سے اسکے قربانگاہ وغیرہ مقامات کو آراستہ کیا گیا۔ جب عمارت ختم ہوئی تو قیصر جسٹینین اس میں داخل ہوا اور کہا: "بڑی شان ہے۔ اس خداوند کی جسنے ایسی عظیم الشان عمارت کی تکمیل کی مجھے توفیق دی۔ سلیمان میں تجھ سے سبقت لے گیا"۔

آیا صوفیہ قریباً ایک مربع شکل کی عمارت ہے۔ غلام گردش اور محراب کو چھوڑ کر جنوباً شمالاً (۲۳۵) فیٹ اور شرقاً غرباً (۲۵۰) فیٹ وسیع ہے۔ بیچ کے گنبد کا قطر ۱۰۷ فیٹ اور چھت کا ارتفاع ۱۸۵ فیٹ ہے باوجود اس وسعت کے گنبد کا عمق ۴۶ فیٹ سے زیادہ نہیں۔ کل (۱۷۰) ستون سنگ سماق اور رخام کے ہیں۔ کسی کا قطر تین چار ہاتھ سے کم نہ ہوگا۔ قدیم زمانہ کا تانبے کا دروازہ ابتک موجود ہے جسپر تصویریں بنی ہیں۔ ہر چند کہ گنبد کے اندرونی بت مٹا دیئے گئے ہیں۔ لیکن ابھی تک گنبد کے نچلے چاروں کونوں پر ملائکہ قروبیّیں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں کہ جنکے چھ چھ پر ہیں۔ اور اکثر سفید ہی ہیں کیونکہ ترکوں نے ان تصویروں پر پھیر دی ہے۔ ابھی تک ان کے دھندلی سی شکلیں نظر آتی ہیں۔ ساتھ ہی چاروں کونوں پر مسلمانوں نے چار بڑی بڑی ڈھالوں پر خلفائے راشدین ابوبکر عمر عثمان علی کے نام تیس تیس فیٹ بلند سنہری حروف سے خوشخط جلی قلم بچاک جی زادہ

ملہ اس کے علاوہ اسد اور محمد بھی دو ایسی ہی ڈھالوں پر مرادو نیاں ہیں۔

مصطفےٰ چلبی مشہور خطاط کے لکھے ہوئے آویزاں ہیں - اور یہ خلفائے راشدین بلکہ اللہ و محمدؐ (صلعم) کے نام آویزاں کرنے کی رسم یہاں کی تمام مساجد میں پھیلی ہوئی ہے - اس گرجا کو مسجد بنانے میں سوائے اسکے اور کسی بڑی اندرونی تبدیلی کی ضرورت مسلمانوں کو پیش نہیں آئی - کہ اسکے سابقہ محراب کے اندر جو بیت المقدس کے رُخ پر بنی ہوئی تھی - ایک چھوٹی محراب ذرا ترچھی کر کے کعبۃ اللہ کی جانب بنا دی گئی ہے - اور اسی لحاظ سے تمام مسجد کا فرش بھی ذرا ترچھا کر کے بچھا ہوا نظر آتا ہے البتہ بیرونی طرف سے سلاطین عثمانی نے وقتاً فوقتاً کچھ تغیرات اسکے دریچوں وغیرہ میں کئے ہیں - اور بجائے صلیب کے اسکے اوپر سلطان مراد ثانی نے پچاس ہزار ڈوکٹ کے خرچ پر چاندی کا ہلال نصب کرایا جو اتنا بلند ہے - کہ کہتے ہیں صاف موسم میں بروصہ سے بھی نظر آ سکتا ہے +

امام کا شمشیر برہنہ لیکر خطبہ پڑھنا

محراب کے قریب ایک منبر بنا دیا گیا ہے جسپر کئی سیڑھیاں چڑھکر امام جمعہ اور عید کا خطبہ پڑھتا ہے - صدہا سال سے یہ رواج چلا آتا تھا کہ امام کے ہاتھ میں اسوقت ایک برہنہ شمشیر ہوتی تھی - جو اس بات کی علامت تھی کہ اس مسجد پر بزور شمشیر قبضہ کیا گیا - اور ایسے ہی یہاں کے تین چار دیگر مساجد کے امام بھی جو انہیں حالات میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھیں شمشیر بکف ہو کر خطبہ پڑھتے تھے - مگر معلوم ہوتا ہے اب کچھ عرصے سے یہ رواج نہیں رہا - امام کے دائیں بائیں دو علم لٹکے ہوئے ہیں - جن سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ سلطنت عیسائیوں اور یہودیوں دونوں قوموں سے چھینی ہوئی ہے - محراب کے قریب ایک مرتفع مکان بنام محفل ہمایوں بنا ہوا ہے کہ جسمیں سلاطین سابقہ نماز ادا کیا کرتے تھے - اور یہ محفل اور کئی مساجد میں بھی نظر آتی ہے - کہ جسے مقصورہ سلطانی بھی کہتے ہیں - امام جو لباس پہنکر نماز پڑھاتے ہیں اس سے ان کے مدارج کا پتہ ملتا ہے - غرض

سینٹ صوفیا جیسی کہ عیسائیوں کو عزیز تھی۔ ویسی ہی آیا صوفیہ ان پانچ صدیوں میں مسلمانوں کو رہی ہے۔

جامع بایزید و تربہ سلطان بایزید ثانی نے آٹھ سال میں اس عالیشان مسجد کو تعمیر کرایا تھا۔ اسکا حرم عثمانی طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ اور بڑا وسیع ہے۔ اور گرد سنگ سماق وغیرہ کے ستونوں کے دالان ہیں۔ یہ ستون سب سرتاپا ایک ہی پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ حرم میں سرو اور بلوط کے درخت ہیں کہ جنپر اور نیز مسجد کے گنبدوں اور دوسرے حصوں میں ہزاروں کبوتر رہتے ہیں۔ اسی لئے اسے کبوتروں والی مسجد بھی کہا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک غریب عورت نے سلطان بایزید کی خدمت میں ایک جوڑا کبوتروں کا نذر کیا تھا جو سلطان نے مسجد کے نذر کر دیا۔ اسی جوڑے کی اولاد یہ ہزاروں کبوتر ہیں۔ کہ جنکی خوراک مسجد کے فنڈ سے مقرر ہے۔ اور لوگ انہیں قابل تعظیم سمجھکر نہیں مارتے۔ مسجد کے حرم میں ایک بازار لگا رہتا ہے۔ اور خطوط نویس اور تسبیح بیچنے والے بھی بہت ہوتے ہیں۔ مسجد کے دریچوں میں رنگین شیشہ سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔ اور اندر سینکڑوں ہزاروں طالب علم استادوں سے سبق پڑھ رہے تھے۔ مسجد کے پچھلی طرف سلطان بایزید کا تربہ ہے۔ جسکے جنگلے پر صدف کا عمدہ کام ہے۔ قبر پوش پر ایک اتنا بھاری عمامہ رکھا ہوا ہے۔ جو ململ کے تین تھان ملاکر باندھنے سے بنے۔ معلوم ہوا کہ یہ سلطان موصوف کا اصلی عمامہ اوسی طرح بندھا ہوا ہے۔ کہ جیسا اس کے عہد میں باندھا جاتا تھا۔ جھاڑ جو قبر پر آویزاں تھا۔ وہ خالص سونے کا بتایا گیا۔

جامع سلطان فاتح و تربہ یہ بڑی عظیم مسجد ہے۔ جو کلیسا ئے حواریوں کی جگہ پر تعمیر کی گئی ہے کہ جہاں قیاصرہ سنگ سماق اور سنگ مرمر کے مقبروں میں مدفون تھے۔ لیکن لاطینیوں نے ۱۲۰۴ء میں ان قبروں کو برباد کر ڈالا۔ خصوصاً اس مسجد کا مدرسہ سب سے بڑا ہے۔ جہاں آٹھ ہزار طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ مسجد کے بڑے دروازہ پر یہ حدیث نبوی کندہ ہے۔ لیفتحن القسطنطنیۃ فلنعم الامیر

امیرُھا ولنعم الجیش ذٰلک الجیش (تم قسطنطنیہ کو فتح کرلوگے مبارک ہوگا اسکا امیر اور مبارک ہوگا اسکا لشکر) مسجد کے قریب طلبا کے لئے صدہا حجروں کی قطاریں بنی ہوئی ہیں - ایک طرف علما اور مشاہیر کا قبرستان ہے چنانچہ غازی عثمان پاشا کی قبر بھی انہیں میں ابھی تازہ بنی تھی - ان میں نئی قبروں کے کتبے بہت خوبصورت ہیں - یہاں خاص اجازت سلطانی سے مشاہیر قوم دفن ہوسکتے ہیں - مسجد کی ایک طرف بہت کھلی جگہ مسافروں کے اُترنے کے لئے پڑی ہے جیسے کہ سلطان فاتح کے عہد میں تھی - دوسری طرف فاتح کی تربت ہے - جسکا جنگلا زرنگار ہے - اور اوپر بہت بڑا عمامہ رکھا ہے - مسجد کی ایک طرف ایک منڈی ازراں اشیاء کی تھی - جہاں عموماً سفید پگڑی والے طلبا نظر آتے تھے - یہاں دیکھکر مجھے یاد آگیا - کہ انگریزی اخبارات جس طلبائے مساجد قسطنطنیہ کو سوفطا کہکر ذکر کرتے ہیں کہ وہ بڑے پُرجوش اور خوفناک ہیں - وہ واقعی ایک بارعب جماعت ہے - مسجد کے ساتھ ایک لنگر ایک شفاخانہ ایک مہمان سرائے اور ایک حمام بھی ہے - سنہ ۱۷۶۶ء کے زلزلہ میں یہ مسجد بالکل برباد ہوگئی تھی - مگر سلطان مصطفےٰ ثالث نے اسے ازسرنو تعمیر کرایا -

جامع مسجد سلطان احمد سلطان احمد اول نے اٹمیدان کے جنوب مشرق میں سنہ ۱۶۰۹ء سے ۱۶۱۶ء تک تعمیر کرائی - سلطان کو اس کی تکمیل کا اسقدر شوق تھا - کہ ہر ہفتہ میں خود آکر ایک دفعہ اسکی تعمیر میں اپنے ہاتھ سے مدد دیتا - حرم مسجد میں بہت سے درخت چھ مینار کئی مدرسے لنگرخانے اور مقبرے ہیں - جب یہ مسجد تیار ہوئی تو اُسوقت صرف بیت اللہ کی مسجد ایسی تھی کہ جسکے چھ مینار تھے - سلطان نے جب اپنی مسجد میں چھ مینار بنوائے تو شریف مکہ نے بڑی شکایت کی - سلطان نے اُسے خاموش کرنے کے لئے کعبہ شریف میں ایک ساتواں مینار تعمیر کرادیا - یہ مسجد ۲۳۵ فیٹ لمبی اور ۲۱۰ فیٹ چوڑی ہے

یہ مسجد انتہا سے زیادہ باقاعدہ بنائی گئی ہے۔ اور ہر جگہ دوسری جگہ کا جواب ہے۔ اسلئے ایک یوروپین مبصر فرگوسن اسے اس مسجد کا عیب بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ اگر اس مسجد کو چار برابر حصّوں میں تقسیم کیا جائے۔ تو چاروں حصّے بعینہٖ ایک دوسرے پر طابق النعل بالنعل ہوں گے۔ چاروں طرف کی چیزیں یکساں ہیں۔ وہی ایک بات ہر طرف نظر آتی ہے۔ ہر دیوار کا طرز عمارت یکساں ہے۔ اتنی ہی کھڑکیاں اور اسی قدر درمیانی فاصلہ۔ قبلہ کی طرف جتنی آرائش و زیبائش ہے وہی اور اطراف میں بھی ہے۔ تاہم وسط لیٹ میں کا ایک عالیشان ایوان جسکی سنگین چھت چار بڑے بڑے سنگین لیکن اندر سے خالی ستونوں پر واقع ہو۔ دل پر ایک عجیب اثر پیدا کرتا ہے۔ شاید یوروپین مبصر ایسا سمجھتے ہوں۔ مگر ہماری نظروں میں تو یہ مسجد غیر معمولی طور پر خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ ممبر مسجد جو سنگ مرمر کا ہے۔ مکہ معظمہ کے ممبر کی نقل ہے۔ اس پر سے وہ تاریخی فتوٰے پڑھا گیا تھا۔ جسنے خوفناک فوج ینی چری کے ہستی کا پاس کے ات میدان میں خاتمہ کرا دیا۔ مسجد احمدیہ کے سالانہ آمدنی دو لاکھ قرش ہے۔ اور یہ مسجد بھی مثل جامع سلیمانیہ کے بطور قومی بنک کے استعمال ہوتی ہے کہ جہاں لوگ لاکھوں روپیہ کی اشیا بطور امانت رکھ جاتے ہیں۔ مسجد کے باغ میں سلطان احمد اول۔ عثمان ثانی اور مراد رابع کے تربے ہیں۔ یہ مسجد ایک حد تک سرکاری مسجد کہلا سکتی ہے۔ کیونکہ سلطان معہ خدم و حشم جب جاتے ہیں۔ مولود شریف عیدین اور کاروان حجاج کی روانگی کے موقعوں پر یہاں تشریف لاتے ہیں۔ مسجد میں روشنی کے لئے جست لوہے کے خوبصورت فریم چاروں طرف لٹکتے ہیں۔ جنمیں گلاس آویزاں ہیں۔ اور خوبصورت ہانڈیاں اور شتر مرغ کے انڈے لٹکتے ہیں۔ قطعات بھی بہت خوشخط ہیں جنمیں سے مجھے بتلایا گیا تھا۔ کہ ایک قطعہ سلطان محمود کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ سلاطین عثمانیہ میں کئی سلطان خوش خطی کے زیور

سے آراستہ گنبد چکے ہیں۔

جامع سلیمانیہ یہ سلطان سلیمان اعظم کی مسجد ہے جو مشہور ترک معمار صنعان نے کلیسیائے سینٹ صوفیا کے متصل ہی سے ۱۵۵۰ء سے لیکر چھ سال میں تعمیر کی تھی۔ اور مثل دیگر سلطانی مساجد کے اسکے ساتھ بھی حرم روضہ اور کھلا میدان موجود ہیں۔ حرم مسجد کے چاروں طرف دالان ہیں جنکے اوپر چھوٹے چھوٹے چوبیس گنبد سنگ یشب اور سنگ خارا کے ہیں۔ فرش بھی تمام سنگ مرمر کا ہے۔ عین وسط میں وضو کے لئے ایک حوض ہے جسپر ایک گنبد ہے۔ حرم کے تینوں جانب دالانوں میں سنگ مرمر کی بنچیں بنائی گئی ہیں۔ چوتھی جانب مسجد ہے۔ چاروں کونوں پر چار مینار ہیں۔ مسجد کی لمبائی چوڑائی باہر سے ۲۰۵ اور ۲۲۵ فیٹ ہے۔ اور اندر سے مسقف حصہ ۷۲ قدم لمبا اور اتنا ہی چوڑا پاتھا۔ اندرونی عمارت چار خوشنما ستونوں پر قایم ہے۔ گنبد کے بڑے محرابوں کے نیچے جالیدار کھڑکیاں سنگ خارا کے نہایت خوشنما ستونوں پر بنائی گئی ہیں۔ جو از سرتا پا ایک پتھر کے ہیں۔ جو قاعدہ اور چوکی سمیت ۳۵ فیٹ بلند ہیں۔ ستونوں کے اوپر ایک بالاخانہ ہے جو مسجد کے چاروں طرف ہے۔ بالاخانہ کے شمالی حصہ میں ایک بند احاطے میں بے شمار

قومی امانتی بینک صندوق چاندی سونے اور بیش قیمت اشیا سے بھرے ہوئے امانتاً رکھے ہیں۔ گویا یہ مقام ایک بڑا قومی امانتی بینک ہے جہاں ہر قیمتی چیز امانتاً رکھی جا سکتی ہے۔ سب اشیا درج رجسٹر کر کے ایک رسید دیجاتی ہے اور جبتک یہ رسید نہ دکھلائی جائے امانتی چیز مالک کو واپس نہیں مل سکتی۔ گو اس مسجد کا گنبد بوجہ ایا صوفیہ سے چھوٹا ہونے کے ویسا شاندار نہیں ہو سکتا تاہم بوجہ اپنی سوز و زینت اور حسن عمارات کی مصروں کی نظر میں اس سے بہت فایق ہے۔ اندرون مسجد کے دیواروں اور ستونوں کو رنگ برنگ کے سنگ مرمر کے بیلوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ محراب اور

مقصورہ (محفل سلطانی) پر سنگ مرمر کا نہایت عمدہ کام ہے۔ اور کھڑکیوں کے
رنگین شیشوں پر اعلیٰ درجہ کی گلکاری موجود ہے۔ یہ کھڑکیاں مشہور
ترک آئینہ ساز سرخوش ابراہیم نے بنائی تھیں۔ گنبد کے اوپر اور مسجد کی در و
دیوار پر بہت سی آیات قرآنی نہایت خوشخط حروف میں کندہ ہیں۔ کہ جنہیں مشہور
ترک خطاط قرا حصار نے لکھا تھا۔ مسجد کی مغرب میں دو مقبرے ہیں۔ ایک
سلیمان اول اور اسکی بیوی خرم کا ہے۔ جو روس سے لڑائی میں پکڑی ہوئی
آئی تھی اور اسنے سلطان کے مزاج پر اسقدر قابو ہو گیا تھا کہ گویا خود مختار
سلطان تھی۔ دوسرے میں سلطان سلیمان اول سلیمان ثانی اور احمد
ثانی مدفون ہیں۔ ان مقبروں کی عمارت نہایت خوشنما ہے اور سنگ مرمر
اور سنگ یشب کے آٹھ ستونوں پر ایک گنبد گلکاری سے آراستہ بنا ہوا
ہے۔ سلاطین کی قبروں پر تاج و عمامے رکھے ہیں۔ اور بانی مقبرہ کی قبر کے
گرد سنگ ہنکر کا کٹہرا ہے۔ قبروں پر ایسے ہی حریر کے غلاف ہیں۔ جیسے
کہ غلاف مکہ کے ٹکڑے حاجی ہندوستان میں لایا کرتے ہیں۔ اور کئی کئی
قرآن ایک ایک قبر پر ہیں۔ دیوار پر چینی کے حروف میں نہایت خوشخط
آیت الکرسی کندہ ہے۔ مسجد سلیمانیہ کی سالانہ آمدنی تین لاکھ قرش ہے
جو خصوصاً علمی اور خیراتی کاموں میں صرف کیجاتی ہے۔ حرم مسجد کے گرد
تمام خیراتی کاموں کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ سلطان سلیمان کے مقبرہ
پر ایک دو گز مربع کا حرم بیت اللہ کا پیتل کا بہت عمدہ ماڈل رکھا ہوا تھا

مسجد شہزادہ باشی سلیمان عالیشان نے اپنے بیٹے محمد کے نام پر اس مسجد
کو تعمیر کیا تھا۔ جو اسکی چاہیتی ملکہ سلطانہ خاصکی کے بطن سے تھا اور عین
عالم شباب میں مرگیا تھا۔ یہ پہلی مسجد ہے جو مشہور ترکی معمار صنعان
نے اپنے ہاتھ سے تعمیر کی تھی۔ اور بوجہ نفاست اور آبداری یہ عمارت شہر
بھر میں سب سے زیادہ خوشنما ہے۔ چار ستونوں پر ایک بھاری گنبد قائم

ہے۔ جسکے چاروں طرف چار نصف گنبد ہیں۔ دو ہلکے خوشنما مینار ہیں۔ مسجد کے کتبے بہت دلکش ہیں۔ چینی کا کام اور رنگیں شیشے دلاویز ہیں۔ پاس ہی شہزادہ کا تربہ ایک ہشت پہلو گنبددار عمارت ہے۔ شہزادہ کے کپڑے ایک پہلو کے کمرہ میں رکھے ہیں۔ جو لیلۃ القدر کو مقبرہ پر اوڑھائے جاتے ہیں۔ مقبرہ کے اندر اعلےٰ درجہ کا چینی کا کام ہے۔ قبر کے اوپر شہزادہ کا چوبی تخت آویزاں ہے۔ اور کئی خوشخط قرآن پڑے ہیں۔ جنہیں ایک کا بہت جلی خط ہے کہ تین بالشت لمبے صفحہ پر صرف پانچ سطور ہیں۔

جامع و تربہ والدہ سلطان عبدالعزیز

یہ مسجد نئی ہے اور بہت بڑی بھی نہیں مگر بہت ستھری اور سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے عصمت اور بنا کی والدہ سلطان عبدالعزیز نے بنائی تھی۔ صرف ایک گنبد سے سقف ہے بہت سے خوشخط خط نسخ و ثلث کے کتبوں سے مزین ہے۔ اس کی آمدنی سے ایک محمودیہ نام مدرسہ چلتا ہے۔ مقابل میں بانیہ کی تربت بہت اچھی حالت میں ہے۔ کیونکہ اسکے ساتھ وقف بہت کچھ ہے۔ اس تربت میں بہت سے تبرکات ہیں۔ اور کم و بیش سبھی تربوں میں بیش قیمت تبرکات پائے جاتے ہیں۔ سلطان کی ایک دیوار میں ایک سیاہ پتھر لغب ہے۔ جو حضرت فخر کائنات کے تربہ مبارک کا بنا یا جاتا ہے۔ ایک موئے مبارک۔ حضرت فاطمہ کا نقاب۔ اویس قرنی کا تاج حضرت عائشہ صدیقہ کا برقعہ۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی چابیاں بطور تبرک کے موجود ہیں جو مجاور سب دیکھنے والوں کو دکھلاتے ہیں۔ اور یہاں سے قریب ہی

تربے اور تبرکات

اسی بازار میں سلطان سلیم ثالث بن سلطان مصطفےٰ خان سلطان مصطفےٰ خان بن سلطان احمد ثالث کے مقبرے ہیں۔ تبرکات پرویسی ہی بڑے بڑے عمامے رکھے ہیں۔ آنحضرت کا ایک موئے مبارک

بھی اس تربت میں محفوظ ہے۔ مقبرہ کی پیشانی پر نہایت خوشخط "کل نفس ذائقۃ الموت"۔ "ثم الیہ ترجعون"۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار" وغیرہ کلمات کندہ ہیں۔ قبروں کے کونوں پر بھاری بھاری شمعدان چاندی کے پڑے ہیں۔ اور رحلوں پر قرآن مجید ہیں۔ قریب ہی جامع لالی ہے۔ جسے سلطان مصطفےٰ

جامع لالی

ثالث نے ۱۱۷۶ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ ایک بلند سطح پر واقع ہے۔ جہاں سے بحیرہ مارمورا اور ریدی کلہ کا بہت عمدہ منظر نظر آتا ہے۔ اندرون مسجد میں پانچ مینار سپید مرمر کے ہیں۔ جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ قصر بابل کے کھنڈرات اور قصر تھیوڈ یئیس (واقع مارس) سے لائے گئے تھے۔ مسجد کے نام کی یہ وجہ مشہور ہے کہ ایک فقیر اپنے سر میں ہمیشہ گل لالہ رکھا کرتا تھا۔ اور اس سے لئے لالی یعنے لالہ والا مشہور تھا۔ اسنے سلطان سے درخواست کی کہ یہ مسجد میرے نام پر مشہور کیجائے۔ اس عالیشان عمارت میں رنگین شیشوں کے کئی دریچے ہیں۔ اور محراب کیطرف کلمہ طیب "اللہ جل جلالہٗ"۔ "محمد رسول اللہ" کے نہایت خوشخط کتبے کندہ ہیں۔

مساجد میں گھڑیاں

یہاں سب مساجد میں ایک یا ایک سے زیادہ گھڑیاں ہوتی ہیں۔ جنمیں سے بعض صحیح وقت دینے میں شہر بھر میں مشہور ہیں۔

مسجدوں کی صفائی

خدام مسجدوں کی صفائی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ کیا مجال کہیں ایک تنکا یا گرد پڑا رہے۔ جاروب کش یہاں عموماً ہیں اسی طرح کھڑے ہو کر لمبا جھاڑو دیتے ہیں۔ جیسے یورپ میں دستور ہے۔ ہندوستان کی طرح جھک کر چھوٹا جھاڑو استعمال نہیں کرتے جمعہ اور دوسرے مبارک ایام پر مساجد میں عمدہ قالینوں کا فرش کیا جاتا ہے جو دیگر اوقات میں لپیٹ کر رکھے رہتے ہیں۔ اور روشنی سے مساجد کو دلہنوں کی طرح سجایا جاتا ہے۔

سلطان محمود وعبدالعزیز کے تربے

تربوں کے سرکی طرف ان سلاطین کے

زبانوں کے مختلف فیشنوں کی ترکی ٹوپیاں رکھی ہیں۔ سلطان عزیز کی ٹوپی بہت چوڑی اور نیچی ہے۔ سلطان محمود جس طرح اپنی ٹوپی پر جواہرات کا ستارہ لگایا کرتے تھے۔ ویسا ہی لگا ہوا ہے۔ نہایت قیمتی تمبر پوشوں پر کلمہ طیب اور آیات قرآنی کاڑہی ہوئی ہیں۔ پاس چند بڑی بڑی رحلوں پر اعلیٰ درجہ کے خوشخط قرآن پڑے ہیں۔ رحلوں پر صدف کا کام اور چاندی کے خوشنما پتھرے لگے ہیں۔ اور پتھروں پر آیات قرآنی کندہ ہیں۔ ان میں سے ایک کلام اللہ یاقوت نامی۔ (غلام خلیفہ مستعصم باللہ) مشہور خطاط کا لکھا ہوا ہے۔ کہ جسنے اپنی عمر میں ایک ہزار کلام اللہ لکھدئے تھے۔ اور ایک خلیفہ ہارون الرشید کے ایک غلام کا لکھا ہوا نہایت مطلا و مذہب ہے اس مرقد میں ایک عظیم الشان جھاڑ آویزان ہے جو ملکہ معظمہ انگلستان نے سلطان عبد العزیز کو بوقت سیاحت انگلستان تحفتہً دیا تھا۔ دو موئے مبارک دو صندوقوں میں محفوظ ہیں۔ جنمیں سے ایک سلطان محمود اور ایک سلطان عزیز کے

زیارات اور آثار متبرکہ کی کثرت

قبضہ میں تھا۔ ایک قدم مبارک بھی ہے۔ قسطنطنیہ میں جسقدر موئے مبارک اور دیگر زیارات سلاطین بیگیات وامرائے ترکی نے جمع کئے ہیں۔ ہر چند کہ انہوں نے ان کے حصول پر لاکھوں روپے خرچ کئے ہوں گے۔ اور ان کی اصلیت کی نسبت بہت تحقیقات کی ہوگی۔ تاہم بوجہ اپنی کثرت کے کسی شخص کو شک پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ یعقوب خان سفیر کاشغر نے ایک طغرا و قطعہ سلطان عبد العزیز کے نذر کیا تھا۔ جو یہاں آویزان ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روس کے ترکستان پر قابض ہونے سے پہلے ترکی سے اس ملک کے کیسے تعلقات تھے ؎

عبد العزیز خان کہ بچوگان عقل و رائے | گوئے شہنشہی ز شہاں جہاں ربود
شائستہ ہمیں بس است کہ در ملک کاشغر | خطبہ بنام و سکہ بسیم و بزر نمود

میر آخور جامع مسجد

یعنی زیرزمین مسجد۔ غلاطہ میں کنارہ بحر پر یہ عجیب اور وسیع زیرزمین

مسجد دیکھی۔ جو محرابوں کے ایک سلسلہ پر زمین دوز بنی ہوئی ہے۔ اور اوپر عام مکانات سکنی بنے ہوئے ہیں۔ صرف ایک کونے میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ اسلئے اندر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یہ چراغ شب و روز ہمیشہ جلتا رہتا تھا۔ معلوم ہوا کہ اسکے اندر جو قبریں ہیں ان میں سے بعض صحابہ رسول اللہ کے ہیں۔ جو محاصرہ قسطنطنیہ کے وقت اسی مقام پر شہید ہوئے تھے۔ اس مسجد کے اندر بھی بہت لوٹے اور ایک گھنٹے وقت دینے والا کلاک آویزاں ہیں۔

سلطان ایوب انصاری حضرت خالد ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ کے رہنے والے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ یہ آپ کا مزار پر انوار ہے۔ جو خلیج قسطنطنیہ کے سرے پر واقع ہے۔ ۵۰ ہجری میں امیر معاویہ نے جو لشکر رومیوں پر جہاد کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ آپ اسمیں شریک تھے۔ اور دوران محاصرہ قسطنطنیہ میں بیمار رہ کر آپکا انتقال ہو گیا۔ اور یہیں دفن کئے گئے۔ جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو ایک ولی کامل کی نشاندہی سے آپ کی قبر کا پتہ چلا۔ چنانچہ یہ عالیشان عمارت تعمیر کرادی جو حضرت کا مقبرہ ہے۔ اسی مقبرہ کی وجہ سے قسطنطنیہ کے اس حصہ کا نام بھی سلطان ایوب مشہور ہے۔ ہزارہا زائرین کا ہر وقت یہاں مجمع رہتا ہے۔ مقبرہ کے اندر مُطلّا اور خوشخط قرآن مجید خوبصورت رحلوں پر ہر طرف رکھے ہوئے ہیں۔ اور آیات قرآنی و ادعیہ ماثورہ کے جلی خوشخط قطعات دیواروں پر آویزاں ہیں۔ مقبرہ کے بیرونی جانب بھی بہت سا چینی کا کام نہایت عمدہ نصب ہے۔ اور کئی کتبے کندہ ہیں۔ سامنے دو بہت بڑے درخت ایک بلند چبوترہ پر ہیں کہ جنکا گھیر بیس بیس گز سے کم نہ ہوگا۔ مشہور ہے کہ اس مقام پر آپ کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ صحن کے سامنے ایک عالیشان گنبد والی مسجد ہے۔ مسجد اور مقبرہ کے ایک پہلو میں ایک بہت بڑا صحن ہے۔ جسمیں وضو کرنے کا گول مسقف حوض ہے۔ اس جگہ

اور ان درختوں پر ہزاروں کبوتر بیٹھے ہیں غلہ فروش غلہ لئے موجود رہتا ہے اور زائرین اُسے پیسے دیتے ہیں۔ تو وہ ان کا غلہ کبوتروں کو ڈال دیتا ہے اسی مسجد میں جو مقبرہ کے پاس ہے۔ سلطان محمد فاتح کے زمانہ سے لیکر ابتک سلاطین عثمانیہ کی کمر میں سلطان عثمان خان کی تلوار باندھی جاتی ہے۔ اور اس طرح ان کی رسم تاجپوشی ادا ہوتی ہے۔ علاوہ اسکے سترہ دیگر صحابہ رسول اللہ استنبول کے محاصرہ میں شہید ہوئے تھے اور ان کی تربے بھی جابجا موجود ہیں۔ اور شہر ہر طرف زیارت گاہوں سے لبریز ہے۔

مزارستان یا قبرستان یہاں کے قبرستان بھی اپنی وضع اور طرز کے لحاظ سے نرالے ہیں قسطنطنیہ میں عیسائیوں سے قطع نظر مسلمانوں کے بہت سے قبرستان ہیں۔ ترکوں کے قبرستان کی بڑی علامت سرو کا درخت ہے۔ قبر کا سفید سنگ مرمر کا تعویذ اور بالین کی طرف سنگ مرمر کا عمامہ یا سرخ ٹوپی تراش کر نصب کئے جاتے ہیں۔ جو علامت اس بات کی ہے کہ قبر کے اندر کوئی مرد دفن ہے۔ جو عمامہ یا ٹوپی پہنا کرتا تھا۔ لیکن عورت کی قبر پر پاؤں کی طرف ایک پتھر پر کسی قسم کا زیور یا ایک درخت کی ٹہنی کھود کر نصب کر دیتے ہیں۔ اگر مرحومہ صاحب اولاد تھی تو ٹہنی کے پھولوں اور پتوں کی تعداد سے اسکا پتہ مل جاتا ہے قدیم زمانہ کی قبروں کے عماموں کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ متوفی کا سوشل درجہ کیا تھا۔ اگر عمامہ ایک طرف کو جھکا ہوا ہو تو اس سے مطلب ہوتا ہے کہ مدفون سلطان کے حکم سے قتل کیا گیا تھا۔ اور یہ طریقے قدیم سے چلے آتے ہیں۔ غریبوں کی قبر پر فقط ایک سرو کا درخت یا پاؤں کی طرف ایک ان گھڑا پتھر نصب ہوتا ہے۔ اوسط طبقہ کے لوگ قبر پر ایک چوڑا تعویذ بنواتے ہیں

اور سر کی طرف تراشیدہ پتھر لگواتے ہیں۔ امراکی قبریں تمام پختہ اور بعض اوقات اُنپر گنبد اور بہت سے نقش و نگار رہوتے ہیں۔ کتبوں کے اخیر میں یہ درخواست ہوتی ہے۔ کہ مدفون کی روح کو فاتحہ پڑھکر بخشتے جاؤ۔ ان سنسان قبرستانوں میں بہت سے چہنڈ فاختاؤں کے رہتے ہیں۔ جو چند وچیگا ڈی کی حکومت میں شریک ہیں۔ سرو صنوبر کی خوشبو سے خیال کیا جاتا ہے کہ وبائی مادوں کا اثر یہاں نہیں ہوتا۔ بالیں کے پتھر پر علاوہ نام ولدیت عمر وتاریخ وفات کی کوئی آیت قرآنی بھی ہوتی ہے۔ عورت کیصورت میں اسکے شوہر کا نام بھی درج ہوتا ہے اور پتھروں کے حروف بجائے گھرے کھودے لکے ابھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

بیتوک مزارستان چونکہ مسلمانوں کی قبروں کے نیچے ہمیشہ جگہ رکی رہتی ہے اور کبھی اپنا قبرستان کھودنا پسند نہیں کرتے اسلئے قسطنطنیہ کے گرد قبرستان میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ استنبول کا بیتوک مزارستان یعنے بڑا قبرستان سلطان ایوب یدی کلہ تک چلا گیا ہے۔ لیکن سقوطری کا بڑا قبرستان آکلیدخت ہائے سرو کا تیس مربع میل کا جنگل ہے۔ استانبول کے بہت سے نیک ترک اس بڑے قبرستان میں دفن ہونا پسند کرتے ہیں کیونکہ انکے خیال میں لاکھوں نہایت نیک بخت مسلمان مدفون ہیں۔ اور نیز یہ اس براعظم پر واقع ہے۔ کہ جسپر مکہ اور مدینہ ہیں۔

مقامات قابل دید وقابل سیر

تفریح گاہیں قسطنطنیہ میں دو قسم کے مقامات قابل دید ہیں ایک تو وہ قدیم عالیشان عمارات اور بوسیدہ کھنڈرات ہیں کہ جو بلحاظ تاریخی وقعت کے سیاح کے لئے بیحد دلچسپی رکھتے ہیں۔ جیسے کہ عالیشان مساجد یدی قلہ

آتش میدان یا سرلے ہمایوں وغیرہ اور دوسری وہ نزہت گاہیں ہیں جو بوجہ اپنی خوب صورتی کے باسفورس کے کناروں یا متصلہ جزیروں میں مرجع خاص و عام ہیں۔ اور جہاں کہ تعطیل کے روز قسطنطنیہ کے ہزاروں لاکھوں زن و مرد تفریح اور تفرج کے لئے جاتے اور روح افزا منظر اور جان بخش آب و ہوا کا لطف حاصل کرتے اور کھاپی کر دن گذار دیتے ہیں۔ یہاں خوشنما چشمے جاری ہیں۔ اور خوبصورت سبزہ زار اور لالہ زار سایہ دار درختوں کے ساتھ بلکل محویت کا عالم پیدا کر دیتا ہے۔ ان میں سے مشہور کاغذ خانہ۔ چاملیجہ ستفنار۔ باغچہ سی چیر چیچی ولی آفندی چایئر لری۔ گوک صو۔ کوچک صو۔ کستانہ صوئی۔ فندیق صوئی اور چر چیر صوئی ہیں۔ اور علاوہ بغاز کے مار سورا میں بیوک آدہ (کہ جیکے سیر کی کیفیت اپنے موقعہ پر درج ہے) حکیبہ لی (جہاں بحری کالج ہے) اور قینہ لی وغیرہ جزائر ہیں۔

حوالی شہر یوں تو استنبول کے تمام منظر ہی نہایت دلکش ہیں لیکن بغاز کے دونوں جانب یوروپ اور ایشیا کے ساحلوں پر نفس شہر سے لیکر میلوں تک کنارے پر خوبصورت بالئیوں ولر باکوشکوں اور خوشنما موضعوں کی قطاریں چلی گئی ہیں جو باسفورس کے نیلگوں پانی کے مقابلہ میں نہایت دلآویز معلوم ہوتی ہیں۔ یہ موضعات مضافات شہر میں شامل ہیں اور یہانتک جانے آنے والوں کیلئے دونوں طرف سٹیمر صبح سے شام تک چلتے رہتے ہیں۔ روم ایلی یعنے یورپین ساحل پر یہ مضوری قریے ہیں۔ اورتہ کوئی۔ ارناؤط کوئی۔ بیک۔ روم ایلی حصاری امیرگان۔ استینیہ۔ ینکی کوئی۔ طرابیہ۔ بیوکدرہ۔ صاری یر۔ اور روم ایلی قواغی اور اناطولی یعنے ایشیائی ساحل پر یہ ہیں۔ قوزغونجق۔ بکلار بکی۔ چنگل کوئی۔ وانی کوئی۔ قندیلی۔ اناطولی حصاری۔ قاتلیجہ۔ چبوقلی۔ انجیر کوئی۔ بیکقوز اور اناطولی قواغی۔ مسافر کو ان میں سے چند ایک قریوں کا دیکھ لینا دلچسپی سے خالی نہیں ہوتا۔

سرائے ہمایون

اس سے پہلے کسی قدر تفصیل سے مساجد عظیم الشان کا ذکر ہو چکا ہے جو قسطنطنیہ کی ناک ہیں۔ اور انہیں ہر مسلم یا غیر مسلم سیاح بڑے شوق اور استعجاب سے دیکھتا ہے۔ اسکے بعد سرائے ہمایوں قابل دید ہے۔ جو قدیم رومی اور یونانی سلاطین اور اسکے بعد ترک سلاطین کے محلات شاہی رہے ہیں مگر اب اسمیں قصر ہمایوں خزینہ ہمایوں (کہ جسکے عجائبات الف لیلہ کی کہانیوں کے ہم پلہ ہیں) ضرب خانہ اور عجائب خانہ وغیرہ ہیں۔ اسکے بعض حصے کہ جنہیں عجائب خانہ وغیرہ ہیں سب لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن خزینہ سلطانی کے دیکھنے کیلئے خاص سلطانی ارادہ صادر ہوتا ہے۔ اسلئے سب لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے یہاں بہت قدیم درخت اور وسیع باغات ہیں۔ اور ایک جگہ ایک پتھر پڑا ہے جو ہمیں رہنما نے بتلایا کہ قیصر قسطنطین اسپر سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا کرتا تھا۔ یہ وسیع محلات قسطنطنیہ کی حیرت انگیز تاریخ کا خلاصہ ہیں۔ ان کے تاریک تہ خانوں میں بہت سے بدنصیب شہزادے شہزادیاں اور وزراء جانیں دے چکے ہیں اور کئی سلطان زبردست اور چیرہ دست ینی چری لیڈروں کے غصہ کا شکار ہو چکے ہیں۔ مگر بعد کے ترک سلاطین نے اپنے لئے مختلف مقامات پر عالیشان محلات تعمیر کرائے ہیں۔ جیسے دولمہ باغچہ۔ قصر چراغان ۔۔ یلدیز۔ اور بعض دیگر نزہت گاہوں میں بھی خوبصورت محلات ہیں انہیں قصر یلدیز سلطان حال نے بنایا ہے کہ جسکے وسیع باغات رمنے۔ جانور خانے جھیلیں اور مکانات میلوں تک ایک دیوار کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔

آثار عتیقہ قدیم رومی اور یونانی قیصروں کے زمانہ کی اب بہت کم نشانات شہر میں باقی رہ گئے ہیں۔ تاہم یورپ کے ہزارہا سیاح اور علماء کہ جنہوں نے رومی یا یونانی کتابوں میں اس زمانہ کے قسطنطنیہ کے بہت حالات پڑھے ہوئے ہیں گائیڈ بکوں اور گائیڈ بکوں کی مدد سے ان آثار قدیمہ کی بڑے شوق سے زیارت کرتے ہیں اور ان کے تلاش میں شہر کے قدیم فصیلوں کو دیکھتے مارے مارے پھرتے ہیں

ان میں سب سے دلچسپ عمارت تو جامع ایا صوفیہ ہے۔ جو پہلے گرجا تھی۔ اور پھر کو جامع ایا صوفیہ۔ اور بعض دیگر مساجد جو گرجوں سے بنائی گئی تھیں۔ لیکن قسطنطنیہ میں زلزلے بہت آتے ہیں۔ اسلئے سینکڑوں سالوں میں یہ عمارات بار بار گریں اور اب ان میں سے اکثر میں سوائے چند ستونوں یا دیواروں کی کوئی قدامت باقی نہیں رہی۔ شہر کے اندر دو قدیم تحت الارض پانی جمع رکھنے کے مخزن یعنے بیری باتان اور بن بردرک ہیں۔ اٹ میدان میں ایک برنجی لاٹ۔ چنبرلی طاش نامی لاٹ۔ اور تیز طاش کی علاوہ بعض قدیم فصیلیں ہیں۔ یہ فصیلیں قسطنطین اعظم بانی شہر نے تعمیر کی تھیں۔ مگر بعدہ کئی مرتبہ گریں اور دوسرے قیصر دل نے تعمیر کیں۔ اب خراب حالت میں باقی ہیں۔ جنہیں خشکی کی طرف سات اور سمندر کی طرف چودہ دروازے ہیں جو اکثر اب تک موجود ہیں۔ اور یدی قلہ وغیرہ بعض اور متفرق آثار بھی ہیں کہ جنکی کسیقدر کیفیت یہاں درج کرنا بے موقعہ ہوگا۔

اٹ میدان یا ہپوڈروم

اٹ ترکی میں گھوڑے کو کہتے ہیں۔ اور ہپس بھی یونانی میں گھوڑے کو کہتے ہیں۔ اور ڈراماس دوڑنے کو۔ چونکہ اس میدان میں قدیم رومی و یونانی سلاطین گھوڑوں اور رتھوں کی دوڑیں کرایا کرتے تھے اسلئے اسکا یہ نام ہوا۔ اس میدان کی تاریخ بہت حیرت انگیز اور طویل ہے۔ قیصر قسطنطین سے بھی پہلے اس میدان اور اسکی متعلقہ عالیشان عمارات کی بنیاد رکھی گئی تھی کہ جنمیں سے اب ایک بھی موجود نہیں۔ اور اُن کی بجائے مسجد سلطان احمد نے جنوب مشرق میں اور مدرسہ حربیت نے جنوب مغرب میں بہت سی جگہ دبالی ہے۔ اور جن دنوں میں قسطنطنیہ میں تھا۔ اس میدان کے مشرقی سرے پر قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی کا چشمہ تعمیر ہو رہا تھا۔ ہپوڈروم صرف گھوڑ دوڑ کا میدان ہی نہ تھا بلکہ یہاں ہر قسم کی پبلک کی دلچسپی کے کام طے ہوتے تھے۔ یہاں سے بادشاہوں کی تاجپوشی کی منادی ہوتی تھی۔ فتحمند جنرل فتح کے جشن مناتے تھے۔ مجرموں کو پھانسی دیجاتی تھی۔ اور بداعتقادوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ وحشی جانوروں کی نمائش

اور جسمانی ورزش کے تماشے ہوتے تھے۔ کہ جنہیں خود قیصر معہ اپنی درباریوں کے اور ان کی بیگمات معہ اپنی سہیلیوں کے بالاخانوں میں بیٹھکر دیکھا کرتے تھے گویا ہپوڈروم کا مرکز ایک محور تھا جسکے گرد بزنطائن دنیا گھومتی تھی۔ یہیں سنہ ۵۳۲ء میں مشہور لڑائی قیصر جسٹینین اعظم اور سرکس کی باغی جماعتوں میں ہوئی تھی۔ کہ جسکی وجہ سے جسٹینین کو تخت چھوڑنا پڑا اور تیس ہزار اہل شہر کی خون کی ندیاں بہ گئیں گھوڑ دوڑوں کی رقابت کی وجہ سے یہاں دو فریق بن گئے تھے جنہیں کبھی مرتبہ تلوار چل جاتی تھی۔ غرض بارہا یہاں کے تماشائیوں نے کشت و خون کے معرکے دیکھے۔ لیکن آخری خونریز معرکہ وہ تھا جبکہ سلطان محمود ثانی نے اسی ات میدان میں ینی چری فوج کی سخت بغاوت کو سنہ ۱۸۲۶ء میں ایسی طرح فرو کیا کہ اس زبردست فوج کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ غرض قسطنطنیہ کی قدیم تاریخ اس میدان کے حالات سے لبریز ہے۔ اس تاریخی میدان میں کئی نہایت بیش قیمت تاریخی یادگاریں تھیں۔ مگر اب اکثر ان میں سے تلف ہو گئیں

ستون اژدر و عنیشر

اب صرف دو قدیم ستون اس میدان میں استادہ ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام سرپنٹ کالم یعنے ستون اژدر ہے۔ جو بیس فیٹ بلند ہے یہ برنجی ستون بہت سا زمین میں گڑا ہوا ہے۔ جو تین سانپوں کے آپس میں لپٹنے سے بن گیا ہے۔ جو مشہور ہے کہ دلفی کے معبد سے لایا گیا تھا۔ جب سلطان محمد ثانی فتح قسطنطنیہ کے بعد ایا صوفیہ سے نکلکر یہاں آیا تو اسنے سمجھا کہ یہ تین سانپ کوئی طلسم ہیں۔ اور اسنے اپنی بھاری جنگی تبر سے انکا سر اوڑا دیا۔ دوسری ایک پتھر کی لاٹ ہے۔ جو تھیوڈوسیس اعظم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مصر کے سنگ خارا سے تراشی گئی ہے۔ جہاں تھوتمس ثالث نے ہیلیوپلس کے مندر پر اسے چڑھایا تھا۔ اور قیصر تھیوڈوسیس نے اسے وہاں سے لاکر اس میدان میں نصب کیا۔ اس پر ہپوڈروم کے مختلف نظارے کندہ ہیں جو اسکی تاریخ پر بہت روشنی ڈالتے ہیں۔ تیسرا اینٹ اور پتھر کی لاٹ یعنے حلقہ دار پتھر کا ستون قریب ہی ہے

طاؤق دشیغ) بازار میں استادہ ہے جسے قسطنطین اعظم روما سے اٹھا لایا تھا۔ شوقیت اسپرا یا لو دیوتا کا جستی بت تھا۔ آتشزدگی سے یہ ستون جل گیا تھا۔ اسلئے اسے ستون محرق بھی کہتے ہیں۔ سنہ ۱۸۲۲ء سے اسپر جستی حلقے چڑھے ہوئے ہیں۔

بن بردرک یعنے ایک ہزار و ایک ستون کا حوض۔ یہ بھی ات میدان کے قریب ہی ہے۔ قسطنطین کے عہد میں یہ زیر زمین حوض شہر کے لئے پانی کا مخزن تھا۔ مگر اب بالکل خشک پڑا ہے اور اسمیں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے۔ پہلے اس میں ایک ریشم کا کارخانہ بھی جاری رہا ہے۔ شاید پہلے اسمیں ایک ہزار ایک ستون ہوں مگر اب تو ۲۱۲ ستونوں کے تین منزلوں یعنے ۲۳۶ سنگیں ستونوں سے مرکب ہے جو ۵ قطاروں میں استادہ ہیں۔ واقعی یہ وسیع حوض عجائبات میں شمار ہونے کے لائق ہے

یدی قلہ یا ہفت برج یہ ایک قدیم اور شکستہ قلعہ ہے جو سلطان محمد ثانی نے ایک پرانے قلعہ کی بجائے سنہ ۱۴۵۸ء میں تعمیر کیا تھا۔ اور چونکہ اسمیں سات برج تھے مگر اب صرف چار باقی ہیں اسلئے اس نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ قسطنطنیہ کے جنوب مغربی کناروں کے اس مقام پر واقع ہے جہاں شہر کی فصیلیں بحر مارمورا سے جا ملتی ہیں۔ مثل لنڈن کے ٹاور اور پیرس کے بیسٹائل کے پہلے پہل یہ قلعہ شاہی خزانہ کے طور پر کام آتا تھا۔ جب سلاطین آل عثمان کا ستارہ اوج اقبال پر تھا۔ اور تمام دول یورپ ان سے کانپتی تھیں۔ اسوقت جب کبھی کوئی سلطان کسی یورپین سلطنت سے ناراض ہوتا اور اسے لڑائی کا اعلان دیتا تو اس سلطنت کے سفیر کو اس قلعہ میں قید کر دیا جاتا۔ آخری سفیر جو اس طرح قید ہوا وہ فرانسیسی سفیر تھا۔ جو سنہ ۱۷۹۸ء میں قید کیا گیا تھا۔ ایک مینار پر چند عبارات کندہ ہیں جنمیں اہل وینس وغیرہ اشخاص کی قید کا ذکر ہے جو سنہ ۱۶۱۲ء اور سنہ ۱۶۴۲ء کو یہاں قید ہوئے تھے۔ غرض ترکوں پر ایک وہ زمانہ گذر چکا ہے کہ جس سلطنت کے سفیر کو چاہتے تھے یدی قلہ میں قید کر دیتے یا مار ڈالتے تھے۔ اور ایک اب

زمانہ گذر رہا ہے کہ کسی سلطنت کی رعایا میں سے کسی شخص کا مطالبہ اگر باب عالی ادا نہ کرے تو جھٹ اس سلطنت کا جنگی بیڑہ ترکوں کے دھمکانے کے لئے آن موجود ہوتا ہے - یدی قلہ میں ایک زمانہ میں خود ترک سلاطین بھی قید اور مقتول ہوئے - جبکہ ینی چری فوج کا عروج تھا تو اسکے سرغنہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو کر بعض بدنصیب سلاطین عثمانیہ کو تخت سے اتار کر اسی قید خانہ میں قید کرتے یا مار ڈالتے تھے - علاوہ سلاطین کے کئی وزرائے عظام اور ان سے کم درجہ کے ارکان دولت کے سرتن سے جدا کر کے اس قلعہ کی موریوں سے لٹکائے گئے - ایک چھوٹا سا احاطہ یہاں "شیروں کا مکان" کہلاتا ہے کہ جسمیں مجرموں کو قتل کر کے ان کے سروں کے انبار لگائے جاتے تھے - اور ایک "خون کا کنواں" تھا - کہ جسمیں مقتولین کے سر ڈالے جاتے تھے مگر اب وہ پاٹ دیا گیا ہے آجکل یدی قلہ بالکل ویران اور منہدم ہو رہا ہے - میں ان برجوں میں سے ایک پر ایک ترک فوجی افسر کے ہمراہ چڑھا تھا - ڈیڑھ سو سیڑھوں سے زیادہ ہوں گی - چار پانچ منزل بلند مکان بڑے بڑے پتھروں کا معلوم ہوتا تھا - اور چونکہ سب منزلوں کی چھتیں اس برج کے گر چکی تھیں اسلئے اوپر سے ایک بہت گہرا کنواں سا نظر آتا تھا - چاروں طرف سارے بلند مینار شکستہ اور خراب پڑے ہیں - بیچ میں میدان میں کھیتی کیجاتی ہے اور ایک ویران مسجد بھی قلعہ کی حالت پر آنسو بہا رہی ہے -

عجائب خانے قسطنطنیہ میں صرف دو عجائب خانے ہیں جنمیں سے ایک عجائب خانہ آثار قدیمہ ہے کہ جسے "موزہ ہمایونی" یعنے "اسپریل میوزیم" کہتے ہیں - اور دوسرا ینی چری فوج کے لباس کا عجائب خانہ ات میدان میں ہے - موزہ ہمایونی سرائے ہمایوں کے اندر کچھ حصہ ایک مشہور قدیم خوبصورت عمارت چینلی کوشک یعنی چینی کی بارہ دری میں ہے اور کچھ حصہ ایک نئے دو منزلہ عالیشان مکان میں جو عجائب گاہ کے لئے تعمیر کیا گیا ہے - رکھا گیا ہے

پانچ قرش فیس داخلہ ہے۔ اور پانچ قرش کو ایک ترکی زبان کی فہرست عجائب خانہ ملتی ہے۔ جس میں آثار قدیمہ کی مفصل کیفیت درج ہے۔ کہ جو ممالک عثمانیہ کے مختلف مقامات سے کھود کر یہاں جمع کئے گئے ہیں۔

آثار عتیقہ

پہلے پہل سنہ ۱۸۵۰ء میں باب عالی نے آثار عتیقہ کے عجائب خانہ کی طرف توجہ کی اور بیچ اشیا سینٹ آئیرینی کے کلیسا میں جمع کی گئیں۔ جو سنہ ۱۸۷۵ء میں موجودہ مقام کو منتقل کی گئیں۔ لیکن سلطان عبدالحمید خان ثانی کے عہد میں ادھر غیر معمولی توجہ کی گئی اور سلطنت کے مختلف مقامات میں جہاں قدیم خرابوں کے آثار تھے۔ وہاں کے حفریات سے بہت سی بیش قیمت چیزیں برآمد ہوئیں۔ یوروپین ماہران علوم عتیقہ گورنمنٹ ہائے انگلستان جرمنی اور فرانس کی امداد سے آئے دن قلمروئے عثمانی سے عجیب و غریب اشیائے عہد قدیم کھود کر لے جاتے تھے۔ کہ جس سے یوروپ کے عجائب خانے بے حد و لاانتہا ہو گئے تھے۔ ترکوں کو بھی خیال آیا۔ کہ ایسی بیش قیمت اشیا کو جو لاکھوں کروڑوں روپیہ کو بھی دستیاب نہیں ہو سکتیں ملک سے باہر نہیں نکلنے دینا چاہیے۔ اتفاق حسنہ سے عجائب خانہ کا انتظام سابق وزیر اعظم ادہم پاشا کے بیٹے حمدی بے صاحب کے سپرد ہوا جو طبعاً آرٹسٹ اور انٹیکویرین پیدا ہوئے تھے۔ ہز ایکسیلنسی حمدی بے نے نہ صرف ملک کے مختلف حصوں کے حفریات سے اپنے عجائب خانہ کو پر کیا۔ بلکہ خود صیدا میں جا کر جو ساحل بحیرہ روم سے چند سو گز کے فاصلہ پر ہے۔ اپنی نگرانی میں آثار عتیقہ کھودنے شروع کئے۔ اس سے سنہ ۱۸۸۷ء میں اس قدر کامیابی ہوئی۔ اور ایسے بیش قیمت قدیم

بے نظیر حفریات صیدا

زمانہ کی لاشوں کے سنگ مرمر کے تابوت نکلے۔ کہ جس سے تمام یوروپ کے علمائے آرکیالوجی وغیرہ میں شور مچ گیا۔ اور بقول پروفیسر سکیس ہولیو پیرس اخبارات میں واہی تباہی بیانات چھپنے لگے۔ کہ کیوں ترک ان بیش قیمت خزانوں کو ہمارے سپرد نہیں کر دیتے جو ان کے اہل ہیں

انکا کیا حق ہے کہ ایسی بیش قیمت چیزیں اپنے پاس رکھیں۔ غرضکہ یورپ سے اکثر بایں سبب حیران تھے کہ وہ بے نظیر قدیم چیزیں جو وہ پہلے بلا تعرض لاکر اپنے عجائب خانوں میں رکھا کرتے تھے۔ اب قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں رکھی گئی ہیں۔ مگر بہرحال وہ اسوقت قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہیں۔ کہ جن پر ہر ایک ترک ناز کرسکتا ہے۔ کیونکہ اہل الرائے متفق ہیں کہ یورپ کے کسی اشیائے عتیقہ کے عجائب خانہ میں ایسا عمدہ مجموعہ سارکوفیگی (قدیم زمانہ کی لاشوں کے تابوتوں) کا نہیں ہے۔ جیسا کہ اب قسطنطنیہ کے اس عجائب خانہ میں موجود ہے۔ خاص سکندر اعظم کا سفید سنگ مرمر کا عالیشان تابوت معہ سرپوش یہاں رکھا ہے۔ جسے (فہرست عجائب گاہ میں) نمبر ۶۷ (۳۷۰) پر مزار سکندر کے نام سے مشہور ہونیوالی لحد کبیر"لکھا ہے۔ اور اسکے اردگرد چاروں طرف جو بت کھودے گئے ہیں۔ اُن کی تاویل و تعبیر اس فہرست کے سات صفحوں میں درج ہے۔ چنانچہ ایک پہلو میں ایرانیوں اور یونانیوں کے اس عظیم محاربہ کا نقشہ کھودا گیا ہے۔ جو ایسوس یا آربل کے محاربے مشہور ہے رحمدی بے صاحب نے جس قابلیت سے ان تابوتوں اور تعویذوں کی بتوں اور کھلی کی تعبیر کی ہے اسپر یورپین مبصر عش عش کرتے ہیں اور جسکی تصدیق پروفیسر میکس مولر نے بھی کی ہے۔ تابوت سکندری کے قریب چار اور سنگ مرمر کے تابوت ہیں جو گو اتنے بڑے نہیں لیکن بہت ہی اعلےٰ قسم کے ہیں۔ ایک مصر کے بادشاہ کا سیاہ سنگ خارا کا تابوت معہ اسکی لاش کے پاس ہی ہے اور اور کتنے آثار قدیم ہیں کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ لیکن مبصروں کی نظر میں قدیم زمانہ کی گمشدہ تاریخ کی یہ سب بیش قیمت ابواب ہیں۔ پاس ہی ایک الماری میں ایک کھوپری معہ کچھ سیاہ بالوں کے رکھی ہے جو مجھے بتلایا گیا کہ سکندر اعظم کی ہے۔ میں دیر تک اس کھوپری اور اسکے ساتھ کے بالوں کو بنظر عبرت دیکھتا رہا۔ اور بے ساختہ میرے زبان سے نکلا ؎

اے سکندر نہ رہی تیری بھی عالمگیری   کتنے دن آپ جیا جس لئے دارا مارا

اور کہ

ٹھیکری کی قدر ہے اسکی نہیں   ٹوٹے جب کاسہ سر فغفور کا

آثار عثمانی | بالائی منزل میں بعض آثار سلاطین عثمانی موجود ہیں جنہیں سلطان سلیم اور سلطان محمود فاتح کے تخت ہیں۔ بعض سلاطین کے قرآنوں کی جلدیں نہایت اعلیٰ درجہ کی صنعتکاری کی جمع کیگئی ہیں۔ کوتاہیہ کی ساختہ چینی کے برتنوں کے نمونے ہیں جو یورپیں ساختہ چینی سے ذرا بھی کم نہیں۔ ان میں ایک چار گز بلند انگیٹھی چینی کے بنی ہوئی ہے۔ اسکے گرد تمام آیتہ الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ ایک جانماز پر بنا ہوا تھا عجّلوا بالصلوٰۃ قبل الفوت و بالتوبۃ قبل الموت "۔ ایک صندوقچہ پر سلطان سلیم کے دستخطی عربی اشعار تھے۔ قلعہ دیار بکر کی ایک ڈیڑھ بالشت لمبی قدیم زمانہ کی چابی۔ ترک خطاطوں کے خوشخط عربی فارسی قطعات وغیرہ اشیا گلاس کیسوں میں سجائی ہوئی تھیں مگر اس حصہ میں ابھی بہت اشیا جمع نہیں ہوئیں۔

ینی چری فوج کا عجائب خانہ | یہاں صرف پلاسٹر آف پیرس کے بت ینی چری فوج کے تمام عہدہ داروں اور افسروں کے مع ان کی اصلی ہیئت کے پوشاک کے رکھے ہوئے ہیں جیسے کہ وہ لوگ اس زمانہ میں پہنا کرتے تھے۔ مثلاً اس فوج کے قاضیوں۔ جلادوں۔ افسروں۔ سپاہیوں۔ اردلیوں وغیرہ کے عجیب عجیب وضع کے لباس خصوصاً نرالے عمامے تھے۔ غالباً ایک سو کے قریب بت ہوں گے۔ مگر ایک کے سر کی پوشاک دوسرے سے نہیں ملتی تھی۔ اسقدر مختلف و عجیب و غریب ہیئتوں کی ٹوپیاں اور پگڑیاں جمع کرنے سے واقعی ایک عجائب خانہ بن جاتا ہے۔ اور ینی چری فوج کا رعب خود بخود دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ یہاں کے دربانوں اور چھاتے رکھنے والوں کو بخلاف یوروپ کے کچھ دینا نہیں پڑتا۔ لیکن سرکاری

دفتروں اور نظارت خانوں میں چھاپنے رکھنے والے ملازموں کو دس پارہ کا سکہ دینا پڑتا ہے۔

ینی چری فوج دولت عثمانی کی تاریخ کے صفحے ینی چری فوج کے بہادرانہ اور پہلو بہ پہلو جابرانہ اور سفاکانہ کارناموں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہاں اُن حالات کی اندراج کی گنجائش نہیں۔ مگر اس عجیب فوج کے متعلق ایک دو تاریخی امور کا معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پہلے پہل سلسلہ آل عثمان کے دوسرے سلطان اورخان نے ۷۲۶ھ کو تخت نشین ہوکر قاضی جندرہ لو قرہ خلیل اور دیگر اعیان دولت کے مشورہ سے اس سپاہ کی بنیاد ڈالی۔ ترکی افواج مہمات یوروپ میں جن عیسائی بچوں کو گرفتار کرتی تھی۔ انہیں اسلامی اصول پر تربیت دیکر بالغ ہونے پر اس فوج میں بھرتی کیا جاتا تھا۔ اور انہیں شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ۱۲۴۱ھ تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ اور ینی چری لوگوں کے بڑے بڑے نامور افراد وزارت اور سپہ سالاری کے درجوں تک پہنچے۔ مگر جب اس فوج کو بیحد طاقت حاصل ہوگئی تو اسنے بڑی بڑی بدعتیں کرنی شروع کیں۔ جس وزیر یا مدبر کو چاہتے قتل کرا دیتے۔ اور جس سلطان کو چاہتے تخت سے اتار دیتے۔ جب یہ ظالم ناراض ہوتے تو اپنی بارکوں میں اپنی ہانڈیاں الٹی کر دیتے تھے۔ کہ جنہیں دیکھکر تمام شہر استانبول کے دل بلکہ تمام سلطنت عثمانیہ کی بنیادیں لرز جاتی تھیں۔ آخرکار سلطان محمود مصلح نے ان کی تشدد اور ظلم سے بیزار ہوکر سلطان احمد کی مسجد میں بیٹھکر پہلی مرتبہ علم نبوی بلند کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ینی چری دشمنان دین ہیں۔ ان پر ہر مسلمان کو جہاد کرنا واجب ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں توپ بندوق اور تلوار سے سات ہزار ینی چری اُس میدان میں مارے گئے اور ہمیشہ کے لئے انکا خاتمہ ہوگیا۔ اب سوائے تاریخ کے اوراق اور قسطنطنیہ کے ینی چری عجائب گاہ اور قبرستانوں کے اور کہیں انکا نشان باقی نہیں۔

بازاروں کا نقشہ بعض مسجدوں اور دوسرے کھلے مقامات پر ہفتہ وار بازار یا

پائزار" لگتے ہیں۔ اور جیسے ہندوستان میں جمعہ کے بازار لگتے ہیں وہاں "صالی
بازار" (منگل کے بازار لگتے ہیں) ترکی زبان میں سودا کرنے کو پازارلک کہتے
ہیں۔ بعض بازاروں میں سرراہ سڑکوں پر قصاب بانس کے تین پائے
کھڑے کر کے سالم بکرے لٹکا دیتے ہیں۔ اور خریداروں کو ساتھ ساتھ
گوشت کاٹ کر دیتے جاتے ہیں۔ بازاروں میں سے نان بائی گدھوں پر روٹیوں
کے ڈھیر لادے ہوئے لئے جاتے ہیں۔ سقے پانی پلانے کے لئے پانی
کے برتن (بڑے ڈول کی شکل کے) پیٹھ پر باندھے ہاتھ میں کٹورے چھنکاتے
جاتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہندوستان کے سقے یاد آجاتے ہیں۔ بعض
خوانچے والے پیٹھ پر سودا لادے رہتے ہیں۔ اور ہاتھ میں ترازو رکھتے ہیں
جس سے سودا تول کر دیتے جاتے ہیں۔

خاص خاص مال کے بازار۔
استانبول میں بھی دیگر ممالک مشرق کی طرح سوائے عام بازاروں
کے بہت سے بازار ایسے ہیں کہ جنہیں ایک ہی قسم کے
مال کی دوکانیں ہوتی ہیں۔ جیسے پھول پھل اور ترکاریوں کا بازار گولڈن
ہارن کے کنارہ پر۔ زین فروشوں کا بازار مسجد سلطان محمد ثانی کے پاس۔
مصر چارشو یعنی والدہ جامع کے پاس جو مسقف بازار ہے۔ اور جس میں خصوصیت
سے جڑی بوٹی کی دوائیں اور سامان خانہ داری اور مستورات کی آرائش کی
چیزیں مثل کجل حنا وغیرہ کے بکتی ہیں۔ صحاف کتب فروشوں کا بازار ات
بازار چمڑے کے کام والوں اور اسپ فروشوں کا بازار۔ اور بیوک چارشو
یعنے بڑا بازار وغیرہ۔ چارشو ترکی زبان میں بازار کو کہتے ہیں۔ جو غالباً فارسی
"چارسو" (چاروں طرف) سے لیا گیا ہے۔

بیوک چارشو
یہ بازار قسطنطنیہ کے سوائے اگر دنیا کے کسی اور شہر میں بھی ہوتا تو
وہاں کے عجائبات میں شمار ہوتا۔ یہ اتنا وسیع بازار ہے کہ اسمیں چودہ
ہزار کمرے دوکانوں کے ہیں۔ ناظرین سمجھ لیں۔ کہ کئی ایک بازار ایک خاص

طول کے پہلو بہ پہلو اکٹھے رکھکر اوپر سے دباؤ کی چھت ڈال دی گئی ہے۔
اور طولاً عرضاً سب طرف سے باقی اطراف کو راستے جاتے ہیں اسلئے دوکانیں
اور بازار جو اسکے اندر ہیں نا واقف کو اسقدر پیچ در پیچ معلوم ہوتے ہیں کہ میں
کوئی دس مرتبہ اسکے اندر گیا تھا۔ لیکن مجھے اسکے راستوں کی کوئی سمجھ نہ آئی۔
چھت کے چھوٹے گنبدوں سے جو دھیمی روشنی آتی ہے۔ اسی سے یہ بازار
روشن رہتا ہے۔ عین وسط میں جو احاطہ ہے اُسے ترک "بدستان" یا بزستان کہتے
ہیں۔ کہ جسکی اصل بزازستان ہے۔ اور یہاں ہتھیار ظروف چینی اور عجیب
وغریب اشیا رفروخت ہوتی ہیں۔ اور نیلام بھی ہوتے ہیں۔ اس بڑے
بازار میں بھی مختلف مال بیچنے والوں مثل جوہریوں اشیائے عتیقہ بیچنے
والوں بزازوں وغیرہ کی دوکانیں یکجا ہیں۔ سو کے قریب عتیقہ اشیا
اور بندوقیں "تلواریں بیچنے والوں کی دوکانیں ہوں گی۔ چاندی سونے
اور جواہرات کے زیورات یہاں ہر وقت تیار بکتے ہیں۔ کشیدہ کے رومال بیچنے
والوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سوائے طغرائے سلطانی کے اور
کوئی اشعار یا آیات واقوال رومالوں پر کاڑھنے کی اجازت نہیں۔ بہرحال
بیوک چارشو ترکوں کے سب سے بڑی منڈی ہے۔ جسمیں ہر ایک چیز بکتی ہے
یوروپین فیشن داخل ہونے سے پہلے تمام امرا غربا یہیں سے سب چیزیں
خرید لیتے تھے۔ لیکن اب امرا ورؤسا زیادہ تر پیرا کے بڑے بازار د گراں روپیہ
سے یورپین سامان خرید لیتے ہیں۔ کہ جہاں کی بعض بڑی دوکانیں یوروپ
کی اچھی اچھی دوکانوں کے پایہ کی ہیں۔ اور یہاں گویا بالکل یوروپ کا نقشہ ہے

بیوک چارشو کی پہلی رونق

جنگ روم و روس سے قبل جبکہ ان بازاروں کی حالت
فروغ پر تھی۔ مسٹر البرٹ سمتھ نے اپنی کتاب "اے منتھ
ایٹ کانسٹنٹی نوپل" میں اسے اسطرح بیان کیا ہے۔ "یہ کہنے سے کہ سقف
پوش بازاروں کی قطاریں میلوں تک چلی گئی ہیں۔ حیرت زدہ سیاح کو کر

بعد دیگرے بیسیوں منظر نظر آتے ہیں - ایک گھنٹہ تک متواتر سیر کرنے میں کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ اسی قسم کی زمین اور اشیاء پھر نظر آئیں - اور متواتر اس عرصہ میں چاروں طرف جواہرات سونا ہاتھی دانت - کشمیری شال - چینی ریشم کا سامان - مجلا ہتھیار - قیمتی عطریات - مطلا صندلیاں - آئینے - مراغہ کا چمڑا - عنبر کی منہال وغیرہ اشیا دیکھنے میں آتی ہیں - چھوٹی سی چھوٹی گلی میں بھی نگاہ جا پڑی ہو - تو ہر قسم قوس قزح کے رنگ آنکھوں میں پھر جاتے ہیں - اور عجیب وغریب حرکات اور بول چال سے عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے اس سے بہت کم اور کسیقدر اندازہ اس عظیم الشان منڈی کا ہو سکتا ہے - جو ان اشخاص کی ضروریات کو پورا کرتی ہے - کہ جنکا تذکرہ جابجا الف لیلہ میں موجود ہے -

تعلیم قدیم وجدید اعلےٰ مکاتب اور تعلیم نسواں

تعلیم قدیم اسوقت مملکت عثمانی میں دو قسم کی تعلیم کا رواج ہے - تعلیم قدیم و تعلیم جدید - تعلیم قدیم کی بنیاد تو اساس سلطنت کے ساتھ چھ سو سال اول سے پڑ چکی تھی - جبکہ اس سلسلہ کے دوسرے سلطان اورخان نے ازنیق میں پہلا مدرسہ قائم کیا تھا - اسکے بعد دیگر سلاطین نے سلطنت کی ترقی کے ساتھ ہی سینکڑوں مدرسے اور دار العلوم قائم کئے - لیکن جب یورپ کے علوم جدیدہ اور سائنس کی روشنی سے یکایک ترکوں کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں تو آج سے کم وبیش ایک سو سال پہلے ترکوں کو یورپین علوم کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہوئی - چنانچہ پہلے پہل سلطان سلیم خان ثالث[۵۱] کے عہد (سنہ ۱۷۸۸ء سنہ ۱۸۰۸ء) میں چند مکاتب عسکری قائم ہوئے - اور ملک میں ترقی صنائع کا لحاظ کرکے جدید علوم کی اشاعت کی ضرورت پر سنہ ۱۲۵۴ھ میں مجلس امور نافعہ کے سامنے ایک رپورٹ پیش کی گئی - اس رپورٹ میں ایک یہ فقرہ درج ہے - :

۵۱ سالنامہ معارف سنہ ۱۳۱۸ھ مطبوعہ استانبول صفحہ ۱۶ -

بتئیے کہ علوم دینی وسیلہ نجات آخرت ہیں ویسے ہی تمام فنون بھی معاشرت نوع بنی آدم کے کمال کا ذریعہ ہیں - ازانجملہ علم ہیئت پر تسہیل سیر سفاین کا مدار ہے کہ جسپر امور تجارت کا رواج اور ترقی منحصر ہے - اسی طرح علوم ریاضی امور حربیہ اور انتظام عسکر کے لئے لازمی ہیں - دیگر حکمائے سلف کو حیرت میں ڈالنے والی مفید ایجادیں مثل واپور (سٹیمر) کے میدان میں نکل آئی ہیں - علوم جدیدہ کی توسیع اور اشاعت اور نئے سرے سے فنون کثیرہ کے ظہور سے صنعت وحرفت کے پیشوں میں بہت سہولیت پیدا ہوگئی ہے - چنانچہ ایک سو آدمیوں کے ذریعہ سے جو کام ہو سکتا تھا اب علم کے زور سے ایسے آلات تیار ہو گئے ہیں کہ ان کی مدد سے ایک آدمی اس کام کو کرسکتا ہے - برعکس اسکے جاہل اور نادان لوگ پہلے سے تنگدستی اور عسرت میں مبتلا ہوجائینگے"

اس اقتباس سے صاف روشن ہے - کہ جب ترکی مدبّروں نے کو دیکھا - جو پہلے پہل ۱۷۸۶ء میں امریکہ اور انگلستان میں جاری ہو گیا تھا - اور یورپ کی دوسری ایجادوں کی طرف توجہ کی تو انہیں علوم جدیدہ کی ضرورت کا قایل ہونا پڑا - لیکن جب سلطان محمود مُصلح نے قدیم سلطانی عمامہ اور قبا کو سُرخ ٹوپی اور سیاہ کوٹ پتلون سے بدلکر یورپین وضع اختیار کی اور فوج کو یورپین طرز پر مرتب کیا - تو ٹرکی میں علوم جدیدہ کی بنیاد کو اور ترقی ہوئی - اور پھر سلطان عبدالمجید اور بالآخر اُن کے بیٹے یعنے موجودہ سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانہ میں اس آخری تعلیم کو اور بھی رونق حاصل ہوئی

مکتب اور مدرسے

اسلئے ٹرکی میں قدیم اور جدید دونوں قسموں کی تعلیم کے مدرسے پہلو بہ پہلو اس وقت بھی موجود ہیں - مگر ان کے ناموں میں اتنی تمیز ملحوظ رکھی گئی ہے - کہ جن مدرسوں میں قدیم طریقہ کے مطابق اعلےٰ درجہ کی دینی تعلیم کے ساتھ نوشت وخواند اور قدیم علوم پڑہائے

جاتے ہیں انہیں مدرسہ کہتے ہیں ۔ اور یہ اکثر مساجد کے متعلق ہیں ۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے بعض مساجد کے متعلق ایسے کئی کئی مدرسے جاری ہیں ۔ اور جن میں علوم جدیدہ مثل ریاضی و سائنس وغیرہ کے سکھلائے جاتے ہیں ۔ انہیں مکتب کہتے ہیں ۔ مکتبوں سے تعلیم پاکر لوگ سرکاری ملکی اور جنگی ملازمتیں حاصل کرتے ہیں ۔ اور مدرسوں سے تعلیم پاکر قاضی اور مفتی اور امام بنتے ہیں۔

تعلیم قدیم کی حالت

جس طرح تعلیم جدید روز افزون ترقی کر رہی ہے ۔ تعلیم قدیم تنزل معلوم ہوتی ہے ۔ پانچ چھ سو سال پہلے کے لئے جو طریقہ تعلیم مدرسوں کے مقامات طالب علموں کے رہنے کے حجرے اور ان کی خوراک کا انتظام مناسب اور موزوں تھا وہ اب بالکل بے ڈھنگا اور بے اثر معلوم ہوتا ہے ۔ اسلام ... بیس ہزار طالب علموں کی حالت جو استانبول میں سفید پگڑی ... وہاں کے علما اور خصوصاً شیخ الاسلام کی توجہ کی سخت ... یہ بیس ہزار طالب علم علاوہ ترکی کے عرب مصر شام ترکستان روس اور خراسان تک سے علوم دین کے شوق میں کھینچے چلے آتے ہیں ۔ علما کی طرح ان دینی علوم کے طلبا کا لباس بھی لازمی طور پر سرخ ٹوپی پر سفید لفہ اور ایک لمبے سیاہ جبہ پر مشتمل ہونا لازمی ہے ۔ اور اس لباس کی بہت عزت کی جاتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی اس لباس والا شخص کسی رنڈی کے مکان یا شراب خانہ میں دیکھا جائے ۔ تو پولیس کو اُسے فوراً گرفتار کر لینے کا حق حاصل ہے ۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا ۔ میں نے قسطنطنیہ کی مساجد کو دیکھتے ہوئے تعلیم قدیم کا طریقہ بہت اچھی طرح دیکھا ۔ اور فاضل الشہیر السید الشیخ عبداللطیف آفندی الباطومی مدرس جامع سلطان فاتح سے پوری کیفیت معلوم کی یہ صاحب اصل متوطن باطوم کے ہیں کہ جہاں سے مٹی کا تیل بہت نکلتا ہے ۔ ابھی کچھ مدت سے روس نے قبضہ کر لیا ہے اور سچی جبہ پوش سفید پوش وہاں سے ہجرت کر آتے ہیں ۔ ان کا بیان ہے ۔ کہ سفید پگڑی والے طلبا پندرہ بیس ہزار ہوں گے ۔ اور پانچ سو مدرس انہیں تعلیم دیتے

ہوں گے - کہ جنہیں سے قریب آٹھ ہزار طلبا اور آٹھ سو مدرس صرف جامع سلطان محمد الفاتح میں پڑھتے اور پڑھاتے ہیں - کہ جو یہاں کا سب سے قدیم مدرسہ ہے - اسکے بعد بترتیب کم جامع سلطان بایزید - جامع سلیمانیہ - جامع سلطان احمد - جامع ایا صوفیہ و جامع تشکطاش اور مسجد حضرت ابوایوب انصاری خالد ابن زید میں تعلیم پاتے ہیں - اور کل ۱۶۴ ۱-۱ لینے مدرسے اس وقت شہر میں موجود ہیں -

صورت معاش ان تمام طالب علموں کو روزانہ دو بڑی روٹیاں اور مدرسین کو تنخواہ مدا وقاف سے ملتی ہے - اور ماہ رمضان میں ہر طالب علم کو پانچ مجیدی سلطان المعظم جیب خاص سے عطا کرتے ہیں - علاوہ اسکے ماہ رمضان میں جو ان کی تعطیل کا زمانہ ہوتا ہے - یہ طلبا قسطنطنیہ سے باہر جاکر دیہات و قصبات سے زکوٰۃ و خیرات وصول کر لاتے ہیں - اور اسطرح سال بھر کا خرچ فراہم کر لیتے ہیں -

سر رشتہ وقف ٹرکی میں وقف ایک بہت بڑا صیغہ سلطنت کا ہے - یعنی سلاطین سابقہ اور امرائے ترکی نے اسقدر جائدادیں مسجدوں تربتوں اور مدرسوں کے نام وقف کی ہیں - کہ ان کا انتظام بجائے خود ایک اہم کام ہوگیا ہے - ان وقفوں سے ہر روز ہزارہا مساکین کو کھانا دیا جاتا ہے - مینے جامع لالی کے احاطہ میں ایک مکان دیکھا جو مطبخ کا کام دیتا ہے اور اس میں اسقدر کھانا پکتا ہے - جو ہر روز پانچ چھ سو مفلسوں اور محتاجوں کو تقسیم کیا جاتا ہے - کہ جنمیں اکثر طالب علم بھی ہوتے ہیں - انہیں مطبخوں سے بعض درگاہوں اور تکیوں کے مجاوروں کو روز کی روٹیاں تقسیم کیجاتی ہیں - المختصر یہ کہ استنبول کی مسجدوں اور سلاطین کی مقبروں سے اسقدر اوقاف متعلق ہیں کہ میرے ایک رفیق نے جامع لالی کے مطبخ کے پاس مجھے بتلایا تھا کہ ان کی آمدنی سے سال تمام میں ۱۰ لاکھ عسکریوں کا خرچ چل سکتا ہے - بلکہ گذشتہ جنگ روس کے بعد کسی نے سلطان عبدالحمید خان کو صلاح دی تھی - بلکہ فتوی بھی مل گیا تھا کہ بصورت

ضرورت مجاہدین کے لئے مال وقف حلال ہے۔ مگر سلطان نے فرمایا کہ اپنے آبا و اجداد کی خیرات جاری کو بند کر دینے کی نسبت سلطنت کو قربان کر دینا بہتر ہوگا۔

طرز تعلیم قدیم

اکثر عظیم الشان مساجد کے وسیع سقفوں اور گنبدوں کے نیچے ستونوں کے ساتھ اور جا بجا منتشر سو پچاس یا بیس پچیس استاد (جس قدر کہ کسی مسجد کے وقف میں گنجائش ہو) طالب علموں کو تفسیر و حدیث فقہ اصول معانی وغیرہ کا سبق دیتے دیکھے جاتے ہیں۔ شاگردوں میں بہت ریش و بروت والے بلکہ اُدھیڑ ہوتے ہیں۔ استاد اس بلند آواز سے ترکی زبان میں لکچر دیتے ہوتے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ استاد ایک بڑے تکیہ کی قسم کے بلند گدیلہ پر پالتی مار کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور ان کے سامنے ایک چھوٹی سی میز ہوتی ہے۔ جامع بایزید میں ان میزوں پر ہاتھی دانت کا بھاری کام ہوا ہوا تھا۔ اور ہلال و ستاروں کے درمیان کچھ حروف عربی کندہ تھے۔ طلبا استادوں کی چاروں طرف گھیرا ڈالے زمین پر بیٹھے تھے اور ان میں بعض اونگھ بھی رہے تھے۔

سفید پگڑی اور فوجی خدمت سے بریت

یہ بھی معلوم ہوا کہ فوجی خدمت[1] سے محفوظ رہنے کے لئے جو قلمرو سے عثمانیہ میں لازمی ہے بعض لوگ سفید پگڑی اور دینی تعلیم اختیار کر لیتے ہیں۔ شہر قسطنطنیہ بتمامہ فوجی خدمت سے محفوظ ہے۔ لیکن باقی تمام مملکت کے سترہ سال سے اوپر کی عمر کے جوان فوج میں بھرتی

---

[1] کتاب قوانین عثمانی مطبوعہ کارخانہ بہیہ اخبار میں دولت علیہ عثمانیہ کے جمیع قوانین اساسی و انتظامی درج ہیں۔ اور سلطنت ترکی کے تمام سرکاری محکمہ جات فوجی و مالی ملکی کے قوانین اور ضابطوں کے متعلق ہر ایک بات اس سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مثلاً کون کون لوگ کن کن اسباب سے فوجی ملازمت سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۰۷ و ۱۰۸ میں درج ہے۔

کرنے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ تنہا وہی اپنی ماں یا بیوی یا بہن کے کفیل نہ ہوں۔
دینی طلبا اور علما بھی فوجی خدمت سے بری ہیں۔

ابتدائی تعلیم عام ٹرکی میں ابتدائی تعلیم مکاتب میں ۶ سے ۱۱ سال کے لڑکوں اور ۶ سے ۱۰ سال کی لڑکیوں کے لئے قریب قریب لازمی ہے۔ تمام قلمرو عثمانی میں ہر قسم کے سکول ۲۸۰۳۳۲ ہیں کہ جنہیں ۱۳۳۱۲۰۰ شاگرد تعلیم پاتے ہیں۔ جو کہ کل آبادی میں ۲۴ سے ایک کی نسبت[1] سے ہیں۔

مکاتب کے تین درجے مکتب تین درجوں کے ہوتے ہیں۔ (۱) ابتدائی (۲) رُشدی (۳) اعدادی جو ہمارے یہاں (۱) پرائمری و مڈل (۲) ہائی ڈیپارٹمنٹ اور (۳) کالج ایف اے کے درجہ تک کے مطابق کہے جا سکتے ہیں مگر ان میں علاوہ دنیاوی تعلیم کے دینی تعلیم اور قرآن مجید ضرور پڑھایا جاتا ہے۔ ابتدائی مکاتب سے قطع نظر باقیوں میں فرانسیسی زبان اور ریاضی اور علوم طبیعی بھی سکھلائے جاتے ہیں۔ غیر مسلم بچے مذہبی تعلیم کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ مگر کیا قسطنطنیہ اور کیا سلطنت کے دوسرے بلاد میں عیسائیوں اور یہودیوں نے اپنے علیحدہ مدرسے بھی بنائے ہوتے ہیں۔ کہ جنکی تفصیل سرکاری "سالنامۂ معارف" میں درج ہوتی ہے۔

ملکی اور حربی مکاتب ہر ایک رُشدی اور اعدادی مکتب یا ملکی ہوتا ہے یا حربی اور جو طالب علم ابتدائی مدرسوں سے فارغ ہو کر ان میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ اسی وقت فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اپنی عمر ملکی خدمت میں گذاریں گے یا جنگی میں۔ کیونکہ ان مکاتب کی تعلیم ختم کر کے پھر وہ اسی قسم کی ملکی یا حربی اعلےٰ مکتب میں داخل ہو سکتے ہیں۔

قسطنطنیہ کے مکاتب ابتدائیہ شہر قسطنطنیہ میں بقول قاموس الاعلام کل پانسو سے

[1] ٹرکی میں ایک حد تک تعلیم جبری ہے مستثنیات و مفصل کیفیت کتاب قوانین عثمانی سے معلوم ہو سکتی ہے

زائد ہر قسم کے چھوٹے بڑے اور خاص خاص علوم و فنون کی تعلیم کے مکاتیب ہیں۔ اور اسی طرح سلطنت کے تمام حصوں اور دیہات و قصبات میں ابتدائی اور رشدی مدرسے پھیلے ہوئے ہیں۔ ابتدائی مکاتیب کے لحاظ سے قسطنطنیہ کے بارہ مرکز قرار دئے گئے ہیں۔ اور ہر ایک مرکز میں حسب ذیل (۲۶۲) مکاتیب ہیں۔ کہ جنمیں لڑکے اور لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ ان میں سے بعض صرف لڑکوں اور بعض لڑکیوں کے لئے مختص ہیں۔ اور بعض میں ذکور و اناث دونوں جدا جدا تعلیم پاتے ہیں۔ اور یوروپ کی لڑکی لڑکیوں کے مکسڈ (مخلوط) مدرسوں کی طرح اکٹھے بیٹھکر نہیں پڑھتے۔

۱۔ اقسرائی مرکز میں	۲۸ مکتب	۷۔ چینگل کوئی مرکز میں	۱۹ مکتب
۲۔ سلطان احمد مرکز میں	۲۱ "	۸۔ اسکدار مرکز میں	۳۴ "
۳۔ طوبنجانہ مرکز میں	۱۴ "	۹۔ خصکی مرکز میں	۲۸ "
۴۔ ایوب مرکز میں	۱۲ "	۱۰۔ بشکطاش مرکز میں	۳۳ "
۵۔ سلطان سلیم مرکز میں	۱۹ "	۱۱۔ امیر نجاری مرکز میں	۲۳ "
۶۔ قاسم پاشا مرکز میں	۱۶ "	۱۲۔ فاتح مرکز میں	۱۹ "

مکاتب مخصوصہ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مکاتب خصوصیہ ہیں جنمیں سے بہتیرے پرائیوٹ فیاضی سے چلتے ہیں اور بعض کے مدرسین محض حب قومی کے لئے اپنا وقت عزیز صرف کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر نہاری یعنے دن میں کھلنے والے ہیں اور بعض لیلی و نہاری یعنے رات اور دن دونوں وقت لوگوں کی سہولیت کے لئے کھلتے ہیں۔ تاکہ جو لوگ دن کو پڑھنے کی فراغت نہیں حاصل کرسکتے وہ رات کو پڑھ لیا کریں۔

مکتب حمیدی (بشکطاس) نہاری	خلیلیہ محمودیہ
" " برائے اناث	صالحہ خاتون یا صدیقۃ المعارف
شمس المعارف واناث قسمی) نہاری	(ذکور و اناث)

دار التعلیم	مکتب تفیض (لیلی و نہاری)
دار الادب	صحرائے جدید
مکتب عثمانی - (ذکور و اناث)	رہبر معرفت (لیلی و نہاری)
دار التعلیم	اثر ترقی
برہان ترقی (لیلی و نہاری)	شعلہ ترقی
شمس المکاتب (") (ذکور و اناث)	دار التحصیل
حدیقہ معرفت	آلتونی زادہ مکتبی (ذکور و اناث)
دار الفیض حمیدی	ہدایت تحصیل
تشویقیہ	دار العرفان مکتبی
مشرق فیوضات	جلال بک اناث مکتبی
میزان ترقی	مدرسہ ادبیہ
روضہ ترقی۔	ترقی (ذکور و اناث)

مکاتب رشدیہ استنبول میں اس درجہ کے سترہ مدرسے لڑکوں کے لئے اور بارہ لڑکیوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ان کے علاوہ سات عسکری رشدیہ مدرسے بھی ہیں جو محکمہ جنگ کے ماتحت ہیں۔

(مکاتب ذکور)	(مکاتب اناث)	(مکاتب رشدیہ عسکریہ)
(۱) عشیرت مکتبی	(۱) لیلی و نہاری قز صنایع مکتبی	(۱) بیطار رشدی عسکریسی۔ (بیطاری مکتب)
(۲) بایزیدیہ مرکز رشدیسی	(۲) دار سعادت نہاری قز صنایع مکتبی	(۲) ایوب رشدی عسکریسی
(۳) محمودیہ مرکز رشدیسی	(۳) اسکدار قز صنایع مکتبی	(۳) صغوق چشمہ رشدی عسکریسی
(۴) لوتہ چپانی مرکز رشدیسی	(۴) بیرکون اناث رشدیسی	(۴) بشکطاش رشدی عسکریسی
(۵) فاتح مرکز رشدیسی	(۵) بشکطاش اناث رشدیسی	(۵) فاتح رشدی عسکری
(۶) داود پاشا مرکز رشدیسی	(۶) قندلی اناث رشدیسی	
(۷) ایا صوفیہ مرکز رشدیسی	(۷) اسکدار اناث رشدیسی	
(۸) اسکدار مرکز رشدیسی	(۸) سلطان احمد اناث رشدیسی	

(مکاتب ذکور)	(مکاتب اناث)	(مکاتب رشدیہ عسکریہ)
(۹) تکلطاش رشدیسی	(۹) ایوب اناث رشدیسی	(۶) قوجہ مصطفےٰ پاشا رشدیہ عسکریسی
(۱۰) غلطہ رشدیسی	(۱۰) سلہ قرآنی اناث رشدیسی	(۷) طوپ طاشی رشدیہ عسکریسی
(۱۱) فیضیہ رشدیسی	(۱۱) است بازار اناث رشدیسی	
(۱۲) قاضی کوئی حمیدیہ رشدیسی	(۱۲) کوچک مصطفےٰ پاشا اناث رشدیسی	
(۱۳) میرکون رشدیسی		
(۱۴) بیکلربیگی رشدیسی		
(۱۵) طوپ قپو رشدیسی		
(۱۶) آکری قپو مرکز رشدیسی		
(۱۷) ویل سنز مکیتی (گونگوں کا مکتب)		

مکاتب اعدادیہ یا کالج

ان کے علاوہ کئی ایک اعلےٰ درجہ کے مکاتب پایہ تخت میں موجود ہیں کہ جنہیں کالج کہ سکتے ہیں۔ اور ان میں مختلف علوم و فنون سکھلائے جاتے ہیں۔ اور یہاں کے سند یافتہ نوجوان سلطنت کے اعلےٰ ملکی اور جنگی وغیرہ عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مکتب ملکیہ شاہانہ
۲۔ مکتب حقوق شاہانہ (لا کالج)
۳۔ مکتب طبیہ ملکیہ شاہانہ (میڈیکل کالج)
۴۔ مکتب صنایع نفیسہ شاہانہ (آرٹ سکول)
۵۔ مکتب سلطانی (آرٹس کالج)
۶۔ مکتب نوآب (ناصنیوں معنیوں کا کالج)
۷۔ مکتب دارالمعلمین (ٹریننگ کالج)
۸۔ حمیدیہ تجارت مکتب عالی (کمرشل کالج)
۹۔ مکتب حربیہ شاہانہ (ملٹری میڈیکل)
۱۰۔ مکتب طبیہ عسکریہ شاہانہ (ملٹری میڈیکل کالج)
۱۱۔ مہندسخانہ بری ہمایون (انجینئرنگ کالج)
۱۲۔ مکتب بحریہ شاہانہ (نیول کالج)

(۱) دارالمعلمات (استانیوں کا نارمل سکول) (۲) دارالشفقہ (یتیموں کا مکتب دیلی) (۳) درسعادت مکتب اعدادی (۴) اسکدار مکتب اعدادی ملکی (۵) نمونہ ترقی مکتبی (اعدادی رشدی ابتدائی) اور اعلےٰ درجہ کے مکاتب ہیں۔

بحری مکاتب مکتب بحریہ شاہانہ کے سوائے وزارت بحری کے متعلق مندرجہ ذیل اور بحری مدرسے بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی مجبور ہو رہی ہے کہ اپنی بحری حالت کو سنبھالے۔ کیونکہ اسکے بحری تعلقات ایسے ہیں کہ سوائے بحری قوت کے استواری کے اسکی زندگی معرض خطر میں رہے گی۔ علاوہ اسکے اسکی بحری ضروریات اسے بحری مستعدی کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ ٹرکی کی کوسٹ لائن (ساحل بحر) بہت طویل ہے۔ وہ بحری مدرسے یہ ہیں۔ (۱) مکتب بحریہ شاہانہ نہاری اور لیلی تجارتی جہازوں کے قپوداں (کپتان) بنانے کا مکتب (۲) ترسانہ عامرہ (صیغہ تعمیر جہازات) کے اندر ماکینہ (مشینری کے) عملیات کا مکتب (لیلی) (۳) غرب قپو کا تجار قپودان مکتبی (نہاری) (۴) کدکلی شاگردان مکتبی (یعنے بحری پولیس اور ماریزی کا کام سکہلانے کا مکتب) (لیلی) (۵) رشدیۂ بحریہ ومنشائے کتاب عسکری مکتبی (نہاری) (۶) ترسانہ عامرہ کے اندر بحریہ صنائع اور اعمالات کا بچوں کی بریگیڈ کا مکتب (لیلی) (۷) مرکز بحریہ کے ہسپتال کے اندر اجزاجی وتیمارجی مکتبی (کمپونڈروں اور زخمیوں کی تیمارداروں کا مکتب) (لیلی)

جنگلات اور معدنیات کے مدرسے نظارت (وزارت) جنگلات اور معدنیات وغیرہ کے متعلق بھی یہ دو تین خاص مکاتب قائم ہیں۔ (۱) مکتب صنائع (۲) حلقہ لی مکتب زراعت۔ (۳) ملکیہ مکتب بیطاری۔ واضح رہے کہ زراعت و معدنیات کی ترقی کی طرف آجکل سلطان المعظم کی بڑی توجہ ہے۔ اور ترکی مدبر سمجھتے ہیں۔ کہ اس صیغہ میں جسقدر ہم ترقی چاہیں کر سکتے ہیں صنعت وحرفت کی ترقی کی طرح اسکے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

مکاتب پایہ تخت کی اتنی لمبی فہرست سے اتنی بات تو ضرور پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ٹرکی میں تعلیم عامہ کا دور دورہ ہے۔ اور عثمانی رعایا میں دن بدن تعلیم اور ترقی پہیلتی جاتی ہے۔ گنجایش مانع ہے۔ کہ میں مندرجہ

بالا مکاتب میں سے بعض کے معائنہ کا تفصیلی ذکر کروں تاہم دو ایک کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لیکن اس سے پہلے میں ابتدائی رشدی اور اعدادی مکاتب کا نصاب تعلیم بتلانا چاہتا ہوں۔ تاکہ اس سے اندازہ ہوسکے کہ اس ملک میں کس درجہ کی تعلیم ہوتی ہے۔

ابتدائی مکاتب کا پروگرام

ابتدائی مکاتب کی مدت تعلیم تین سال ہے۔ اور مندرجہ ذیل مضامین کے لئے سبق ہفتہ وار شاگردوں کو پڑھائے جاتے ہیں۔ کہ جنکی تعداد ہر سال کی جدول میں علیحدہ علیحدہ درج ہے:۔

مضامین	سال اول (ہفتہ وار سبق)	سال دوم ہفتہ وار سبق	سال سوم ہفتہ وار سبق
الف ب	۱۲	۰	۰
قرآن عظیم الشان	۱۲	۶	۵
تجوید	۰	۲	۲
علم حال (تعلیم دینیات)	۲	۳	۳
اخلاق	۰	۲	۲
صرف عثمانی	۰	۰	۲
املا	۳	۳	۲
قرائت	۳	۲	۱
ملخص تاریخ عثمانی	۰	۰	۲
مختصر جغرافیائے عثمانی	۰	۰	۲
حساب	۱	۲	۲
خوش خطی	۱	۲	۱

لیکن دیہاتی مدارس ابتدائی کے نصاب میں مضامین اخلاق۔ صرف و نحو عثمانی اور تاریخ و جغرافیہ عثمانی شامل نہیں بلکہ ان کی جگہ کچھ دہقانی امور سکھلائے جاتے

علم حال اس بات کا اندازہ بتانے کے لئے کہ ان مضامین میں طلبہ کو کہاں تک مہارت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ میں مضامین علم حال اور اخلاق کا مفصّل پروگرام درج کر دیتا ہوں۔

سال اوّل میں ہفتہ میں دو سبق دینیات کے دیئے جاتے ہیں۔ لڑکوں کو علم حال کی پہلی کتاب اور لڑکیوں کو مختصر علم حال" نامی رسالے کے اسقدر مضامین زبانی یاد کرائے جاتے ہیں کہ صرف فرائض حفظ ہو جائیں۔

سال دوم ہفتہ میں تین سبق۔ لڑکوں کو علم حال کے دوسری کتاب شروع کرائی جاتی ہے۔ پہلے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی صفات ذاتی اور صفات ثبوتی۔ دوم حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے درمیانی پیغمبران عظام کے قرآن کریم میں مذکور شدہ نام۔ سوم بنائے اسلام۔ صفات ایمان۔ افعال مکلفین۔ اعتقاد اور عمل میں ہمارا مذہب۔ چہارم نماز غسل آبدست تیمّم روزہ اور زکوٰۃ کے فرض۔ پنجم نماز پنجگانہ۔ وتر۔ نماز عید۔ تراویح۔ اور نماز جنازہ۔ ششم آنحضرت صلعم کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ۔ تاریخ تولد نبوی۔ نسب جلیل۔ واقعہ اصحاب الفیل۔ ہفتم پنج وقتہ نماز دن میں پڑھے جانے والے سبحانک اللہ التحیات الخ۔ اور صلوٰۃ اور وتر نماز کی دعائے "قنوت از بر کرانا۔ لڑکیوں کو بھی یہی مضمون پڑھانے خصوصًا "قزلر خواجہ سی" (لڑکیوں کا استاد) نامی رسالہ پڑھانا۔

سال سوم ہفتہ میں تین سبق۔ اور ان میں تمام ضروری دینی واقفیت شامل کر دی گئی ہے۔ مگر قلت گنجائش اس لمبی تفصیل کے اندراج کی مانع ہے۔

اخلاق اخلاق کی تعلیم دوسرے سال سے شروع ہوتی ہے اور دوسرے اور تیسرے سال میں دو دو سبق ہفتہ میں دیئے جاتے ہیں۔ سال اول میں "اخلاق" نامی رسالے سے یہ مضامین سکھلائے اور ذہن نشین کئے جاتے

ہیں۔ خدائے تعالےٰ۔ اسکے پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان۔ سنت کا اتباع
قدرت آلہی۔ امیر المومنین ہمارے بادشاہ کی تابعداری۔ عقل۔ زبان۔
اخلاق ذمیمہ۔ جھوٹ۔ دوزبانی۔ غیب۔ انانیت۔ حسد۔ حیلہ بازی
بے شرمی۔ مسخراپن۔ غرض۔ بطالت۔ بیکاری و انتظام وسلیقہ کفایت شعاری
ابنائے جنس پر رحم۔ خیر و حسنات۔ کاروبار۔ حفظ صحت۔ دوسرے سال
میں رسالہ رہنمائے اخلاق کے ذیل کے مضامین بخوبی سکھلائے اور
سمجھائے جاتے ہیں۔ انسان کا تمام حیوانات سے فرق۔ جوانی۔ علم۔
عبادت۔ رعایت۔ زیانکاری۔ منہ کی بدلگامی۔ تحقیر انسانیت۔
صداقت۔ نیک ساتھی۔ عظمت و وقار۔ عناد۔ پاکیزگی۔ سخاوت۔
بخل۔ مدد۔ الفت۔ ادب و حرمت۔ حقوق برادرانہ۔ عفت۔ حمیت۔

رشدیہ اور اعدادیہ مدارس کا نصاب

ان مکاتب میں مندرجہ ذیل مضامین کے سبق ہر ہفتہ میں اسقدر پڑھائے جاتے ہیں۔ جو ذیل کے جدول میں ہر سال کے لئے علیحدہ علیحدہ درج ہیں۔ اور ان دونوں درجوں کی مدت تعلیم سات سال ہے۔

تعداد دروس

مضامین تعلیم	سال اول	سال دوم	سال سوم	سال چہارم	سال پنجم	سال ششم	سال ہفتم
معہ تجوید قرآن کریم و علوم دینیہ	۳	۳	۳	۳	۳	۳	۳
ترکی زبان	۶	۵	۳	۲	۱	٠	٠
اخلاق	۱	۱	٠	۱	۱	۱	-
ادبیات اور قرائت رسمیہ	٠	٠	٠	٠	٠	۲	۲
عربی	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱
فارسی	٠	۲	۲	۲	۱	٠	-
فرانسیسی	٠	٠	۳	۳	۴	۴	۵
خلاصہ قوانین۔	-	٠	٠	٠	٠	۱	٠

(بقیہ) مضامین تعلیم	سال اول	سال دوم	سال سوم	سال چہارم	سال پنجم	سال ششم	سال ہفتم
حساب	۲	۲	۲	۲	۱	۰	۰
اصول دفتری (دفاتر کی کارروائی)	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۰
جبر مقابلہ و علم مثلثات	۰	۰	۰	۰	۳	۲	۰
ہندسہ (اقلیدس و مساحت)	۰	۰	۱	۱	۲	۱	۰
قوزموغرافیا (علم ھیئت)	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
میکینکس ۔ فزکس ۔ کمسٹری	۰	۰	۰	۰	۰	۳	۳
موالید (حیوانات ۔ نباتات و جمادات)	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴
جغرافیہ	۲	۲	۲	۲	۲	۲	۱
تاریخ	۰	۲	۲	۲	۲	۱	۱
علم ثروت (پولیٹیکل اکانومی و تجارت)	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۱
علم اشیاء	۱	۱	۱	۱	۱	۰	۰
حفظ صحت	۰	۰	۱	۱	۰	۰	۱
خوشخطی	۲	۱	۱	۱	۱	۱	۱
رسم (نقشہ کشی و مصوری)	۱	۱	۱	۱	۱	۱	۰
یونانی ارمنی یا بلغاری زبان (بعض بعض مدارس میں)	۰	۰	۰	۲	۲	۲	۴

علم ثروت مضامین بالا میں سے علم ثروت کے نصاب کی کسیقدر تفصیل درج کیجاتی ہے سوا اعلےٰ مدارس کے صرف آخری دو سالوں میں سکھلایا جاتا ہے ۔ کاش یہ ضروری علم ہندوستان کے مدرسوں میں بھی سکھلایا جاتا تو ان بھصر کے طالب علموں کی فوجوں کو جو رزق کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں اس سے بہت مدد ملتی ۔

چھٹے سال میں علم ثروت کی تعریف اور غایت ۔ علم ثروت کی تقسیم ۔ ثروت

کا حاصل کرنا۔ ثروت کا انقسام۔ اسکا تداول اور اسکا ہلاک کرنا۔ ثروت حاصل کرنے کے وسایل۔ زمین اور قوائے طبیعیہ۔ سعی و عمل اور صنعت۔ عمال اور صنایع کی آزادی دیجئے ان پر سے قید اٹھا دینا) صنایع کے اقسام۔ تجارت۔ سرمایہ۔ ثروت کے اقسام۔ صنعت و حرفت کے فوائد۔ ثروت پر حق تملک۔ اور حق وراثت اراضی کی آمدنی۔ محصولات اراضی کے حاصل کرنے تقسیم کرنے اور تداول کرنے سے متعلق قواعد۔ خرچ محصولات اراضی کی قیمت۔ اصول زراعت کی قسمیں۔ سرمایہ سے آمدنی۔ زیادتی سرمایہ۔ روزانہ مزدوری۔ مبادلہ کے اقسام۔ قیمت قیمتوں کے تقرر و تبدل اور موازنہ کرنے سے متعلق قواعد۔ متداول قیمتیں۔ معدارت استحصالیہ۔ رقابت۔ انحصار۔ کفایت شعاری۔

ساتویں سال میں:۔ نقدی۔ نقدی کو جنس سے کس نظر سے ممتاز سمجھتے ہیں۔ چاندی اور سونے کے سکے۔ موافق سکے۔ سکوں میں خالص دھات اور کھوٹ۔ سکوں کا انتظام۔ بائی میٹلزم اور مانو میٹلزم۔ اعتبار مالی۔ بینکوں کی قسمیں۔ بینک نوٹ۔ سرکاری بینک۔ سلطنت کی مالی ضمانت سرکاری قرضوں کی بڑی بڑی قسمیں۔ کرنسی نوٹ۔ گورنمنٹ پرامیسری نوٹ قرضوں کی تحویل۔ ایکسچینج یا صرافہ۔ تجارت خارجی اور داخلی۔ تنزل تجارت کے اسباب اور علاج۔ مانگ اور بہم رسانی تجارت در آمد و برآمد۔ در آمد و برآمد کا مقابلہ۔ تجارت کی آزادی۔ حمایت تجارت کا اصول۔ معاہدات تجارتی۔ محصولات چونگی۔ بیمہ مال تجارت اور بیمہ کے اقسام۔ علم ثروت کے اصول مالیہ سے تطبیق۔ تکلیف متناسب۔ تکلیف متنرقی وغیرہ۔

یونیورسٹی سلطان المعظم کے جلوس کی پچیسویں سالگرہ کے موقعہ کہ جبکہ میں بھی قسطنطنیہ میں تھا۔ ایک مکمل یونیورسٹی قایم کی گئی تھی۔ مگر اس کی تفصیل مجھے معلوم نہیں ہوسکی۔ گو یونیورسٹی کے لئے لائق پروفیسر ترکوں میں کافی موجود ہیں۔ اور جہاں ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے کہ فوجی تعلیم یا

کارخانہ جہاز سازی یا صیغہ طبابت وغیرہ اسمیں یورپین استاد رکھنے میں بھی ترکوں کو تامل نہیں ہوتا امید ہے کہ اتنے تک یہ یونیورسٹی بخوبی کام کرتی ہوگی۔

مکتب عشائر جو چند مکتب میں نے خود دیکھے ہیں۔ ان میں سے بعض مختصراً یہاں درج کرتا ہوں مکتب عشیرت دیکھنے کے لئے میں نے ہز اکسیلنسی احمد مدحت صاحب رئیس دوم محکمہ صحیہ سے لیٹر آف انٹروڈکشن لی تھی۔ سلطان المعظم نے جیب خاص سے (۳۳۵۵۰۰۱۷) غرش کی لاگت سے اس مدرسہ کو قبائل عرب کے سرداروں کے بچوں کی تعلیم کے لئے ۱۳۰۸ھ میں قائم کیا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تھا تو پچاس لڑکے یہاں سے تعلیم پاکر نکل چکے تھے۔ اور قریب تین سو کے زیر تعلیم تھے۔ جو یمن حجاز نجد۔ شام۔ طرابلس۔ صنعا۔ تبغازی۔ طنجہ جاوا اور سماٹرا کے مسلمانوں کے بچے تھے۔ یہ طالب علم عموماً عرب اور شام کے خیمہ نشین شیوخ کے بچے ہیں۔ جو یہاں سے تعلیم حاصل کرکے اپنے اپنے قبیلوں میں جاتے ہیں۔ اور وہاں بطور مدرسوں کے استادوں یا ملازمان سرکاری کے مدنیت اور شائستگی پھیلاتے ہیں۔ بالفعل اس مدرسہ میں شام عرب یمن طرابلس بصرہ حجاز بغداد بنغازی (افریقہ) ورنہ (افریقہ) کردستان۔ شو لبن (صرف ایک لڑکا) اور سماٹرا وجاوا (۲ لڑکے) کے طلبا تعلیم پاتے ہیں مدت تعلیم پانچ سال ہے۔ یہاں سے طلبا فارغ ہوکر مدرسہ حربیہ کو جاتے ہیں۔ جہاں مکتب عشیرت والوں کی تعلیم کے لئے ایک علیحدہ کلاس ہے۔ ان سب لڑکوں کا خرچ حضور سلطان المعظم جیب خاص سے ادا کرتے ہیں۔

اس مدرسہ کا بورڈنگ ہاؤس یہ سب لڑکے بورڈر ہیں۔ جیسے کہ یہاں کے اکثر بڑے بڑے تعلیم گاہوں میں ریزیڈنشل طریقہ جاری ہے۔ میں نے ان کے کھانے اور سونے کے کمرے دیکھے۔ سب کے آہنی کاؤچ اور عمدہ بستر اور کونشر میں یہاں کے باقی تمام مدارس سے اعلیٰ تھے کیونکہ

آخر یہ لوگ مہمانان سلطانی ہیں۔ باقی تمام مکاتب کی طرح یہاں کے طالب علموں کی بھی سکول کی وردیاں ہیں۔ مدرسہ کیطرف سے علاوہ وردی کے ہر طالب علم کو حسب ذیل کپڑے ملتے ہیں۔ ۷ جوڑہ جوراب۔ ۲ فیس (ٹوپی) ۳۔ قوندرہ (دوہرا بوٹ) ۲ جوڑہ البسہ۔ ۶ مندیل (رومال) ۴ چماشیر (اندر پہننے کے کپڑے) ۴۔ تولیا۔ اسکے سوائے ڈیرہ مجیدی ماہوار جیب خرچ۔ دوپہر اور شام کے کھانوں کے سوائے صبح کا ناشتہ بھی ملتا ہے۔ ۱۰ اگست ۱۹۱۰ء کے کھانے کا خرچ مینے رجسٹر سے دیکھا تو ۱۴۸۱۷ قرش ۱۷ پارہ تھا۔ عبد المحسن حسینی ساکن بیت المقدس اسکے ہیڈ ہیں میرے سوال پر بتلایا گیا کہ اگر کوئی ہندوستانی شریف زادہ بھی یہاں پڑھنا چاہے۔ اور پہلے سلطان المعظم سے درخواست کر کے اسکے لئے اجازت لیجائے تو اجازت ملنی قرین امید ہے۔ یہ مدرسہ براہ راست زیر نگرانی سلطانی ہے۔

مکتب سلطانی قسطنطنیہ کے کالجوں میں بطور آرٹس کالج کے یہ سب سے ممتاز مکتب ہے۔ میں سید عبد الغفار صاحب کے ہمراہ اسے دیکھنے گیا۔ عبد الرحمن شرف آفندی جو مدرسہ کے ڈائرکٹر یا مدیر ہیں نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ اور انہوں نے قہوہ سے ہماری تواضع کی۔ آپ قسطنطنیہ کے نامور معلمین اور ایجوکیشنسٹ لوگوں میں سے ہیں۔ اور تاریخ وجغرافیہ پر کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپنے سلاطین ہند کے کچھ حالات ترکی میں قلمبند کئے تھے جو مجھے سناتے رہے اور ہندوستان کے کچھ اچھی تاریخوں کے نام دریافت کئے۔ گو یہ فارسی جانتے تھے۔ لیکن بول نہیں سکتے تھے اردو کی اصل کی نسبت کہا کہ قپچاق کے لشکر کا نام پہلے اردو تھا۔ آپنے نصرت اپنے مدرسہ کا پروگرام دیا بلکہ دولت عثمانیہ کے سر رشتہ تعلیم کا ایک مفصل سالنامہ بھی عنایت کیا جو سترہ سو صفحہ حجم کی ایک ضخیم کتاب ہے

سالنامہ معارف

میں نے اسکے سوائے بھی ایک رپورٹ سررشتہ تعلیم کی حاصل کی تھی جسمیں تمام مملکت کے مدارس کے نام درجے اور تعداد طلبہ وغیرہ درج تھی ۔ لیکن اس سالنامہ کے سامنے اسکی کچھ حقیقت نہیں ۔ یہ سالنامہ یونیورسٹی کے کیلنڈر کی طرح ہے جسمیں عثمانی سررشتہ تعلیم کی تاریخ ۔ تمام وزرائے تعلیم کے حالات زندگی ۔ تمام مکاتب اعلےٰ کے نصاب تعلیم اور دستور العمل بلکہ شروع سے لیکر سال حال تک ان میں سے کامیاب ہونے والے طلبا کے نام معہ انکے موجودہ رتبوں اور ملازمتوں کے درج ہیں ۔ کتب خانوں مطبعوں اخبارات وغیرہ کی فہرستوں کے علاوہ تمام مملکت کے مکاتب و مدرسین کی مطول فہرستیں بھی اس میں موجود ہیں ۔ اور حقیقت میں ترکوں کی تعلیمی بیداری اور کارگذاری کا یہ ایک نہایت عمدہ ثبوت ہے ۔ دولت عثمانیہ کی سرکاری رپورٹیں کہ جنمیں سے ایک یہ سالنامہ بھی ہے ۔ نہایت تکلف اور اہتمام سے عمدہ کاغذ پر مکلف چھپائی اور جلد بندی کے شائع کیجاتی ہیں ۔ مدیر صاحب نے اپنے ایک نائب کو جو انگریزی جانتا تھا ۔ ہمیں مدرسہ اور بورڈنگ ہوس دکھلانے کا حکم دیا ۔ یہ عمارت کئی منزلوں کی ہے ۔ اور اسمیں پڑھنے کے کمرے شفاخانہ باورچی خانہ سائینٹیفک آلات کا کمرہ ۔ عجائب خانہ ۔ اور ڈارمی ٹورنیر یعنی طلبا کے سونے کے کمرے بھی ہیں ۔ سونے کے تین بڑے بڑے کمروں میں آٹھ سو بستر موجود تھے ۔ کیونکہ اس مدرسہ میں ان دنوں آٹھ سو طلبا تعلیم

طالب علموں کے اقسام

پاتے تھے ۔ گو ان میں سے بعض بورڈنگ ہوس میں نہیں رہتے علاوہ مسلمانوں کے بہت سے عیسائی اور یہودی بچے بھی یہاں رہتے ہیں ۔ اور علاوہ فیس دینے والوں کے کئی ایک مفت بھی تعلیم پاتے ہیں ۔ کیونکہ اس مکتب کے دستور العمل کے مطابق بعض لڑکوں کو بالکل مفت بھی تعلیم دیجاتی ہے ۔ اور دن کے سوائے رات کو بھی تعلیم دیجاتی ہے

چنانچہ ان کی تفصیل اس طرح ہے :-

لیلی				نہاری				میزان	
مسلم		غیر مسلم		مسلم		غیر مسلم			
مفت	فیس والے	مفت	فیس	مفت	فیس والے	مفت	فیس والے	مسلم	غیر مسلم
۲۱۰	۲۲۳	۱۱۲	۶۹	۱۸	۵۷	۲۴	۷۱	۵۰۸	۲۷۶

مدرسہ کا سٹاف فیس اور بورڈنگ

اس قدر شاگردوں کو اکاسی استاد بہت سے علوم و فنون میں تعلیم دیتے ہیں۔ بارہ افسر انتظام کا کام کرتے ہیں اور (۴۸) خدمتگار ملازم ہیں۔ استادوں میں سے قریب ایک تہائی کے فرانسیسی اور جرمن اور باقی ترک ہیں۔ کل سالانہ خرچ پچیس ہزار پونڈ ہوتا ہے جس میں سے سات آٹھ ہزار پونڈ لڑکوں کی فیس سے وصول ہو جاتا ہے۔ فیس کے لحاظ سے تین قسم کے طالبعلم ہوتے ہیں:-

(۱) اول وہ کہ جو داخلی کہلاتے ہیں۔ اور چالیس پونڈ سالانہ سال میں دو مرتبہ کر کے فیس ادا کرتے ہیں۔ خوراک۔ لباس۔ بچھونے۔ صفائی۔ مرمت۔ روشنی۔ کاغذ۔ قلم۔ دوات وغیرہ اخراجات سب اسی میں شامل ہیں بلکہ ڈاکٹر کا معالجہ اور مصوری۔ موسیقی اور جمناسٹک کی تعلیم بھی اسی میں شامل ہے۔

(۲) دوم جو نصف داخلی ہوتے ہیں۔ ان کی فیس بیس پونڈ ہے رسوائے طعام شب اور رات کے قیام کے باقی سب حقوق ان کے داخلی طلبا کے برابر ہیں۔

(۳) خارجی جنکی فیس دس پونڈ سالانہ ہے سوائے مصوری خط عثمانی اور جمناسٹک کے باقی تعلیم انہیں یہی دیجاتی ہے۔ اور ان مضامین میں سے ہر ایک کے لئے یہی با جازت ڈیڑھ سو غرش داخل کر کے استفادہ کر سکتے ہیں اس کے علاوہ ہر طالب علم کو پندرہ پونڈ بغرض پوشاک داخلہ کے وقت دینے پڑتے ہیں۔

رعایائے عثمانی سے جو کم استطاعت لوگ سالم فیس نہیں ادا کر سکتے وہ سلطنت سے استرحام کی درخواست کرتے ہیں کہ ان کے نصف یا دو تہائی فیس لیجائے اور بعض سالم فیس کے معافی کے بھی درخواست کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں کی ایسی درخواستیں قبول ہو جاتی ہیں۔ تو باقی فیس جیب سلطانی اور رؤسا و اُمرائے استنبول کی جیبوں سے ادا کی جاتی ہے۔ اور اس طرح سب طلبا فیس دینے والے یا غریب یکسان حیثیت اور حالت میں پڑھتے اور رہتے سہتے ہیں۔

بورڈنگ میں نگرانی بورڈنگ میں طلبا کی نگرانی بہت احتیاط اور تاکید سے کی جاتی ہے۔ سوائے تعطیل کے وقت کے طلبا کے عزیز اور ملاقاتی بھی ایسے پابند حیثیت نہیں کر سکتے۔ اور نہ کمرہ ملاقات سے خارج ان سے مل سکتے ہیں۔ کوئی بیرونی شخص طالب علم کے کنبہ اور ڈائریکٹر کی اجازت کے سوائے اس سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ شاگردوں کو زیادہ پیسے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں۔ طلبا جو بیمار ہو جاتے ہیں۔ اُن کے گھر والوں کو ان کی کیفیت سے وقتاً فوقتاً خبر دیجاتی ہے۔ تمام بیمار طلبا کے بستر ایک کمرہ میں رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ ڈاکٹر اُن کا علاج اچھی طرح کر سکے۔

مذہبی تعلیم اور تربیت کا اسقدر لحاظ ملحوظ ہے کہ مسلمان طلبا کو امام بالالتزام مسجد میں با جماعت نماز پڑھواتا ہے۔ اور غیر مسلم طلبا کو بھی ان کے مذاہب کے معبدوں میں بالالتزام احتیاط کے ساتھ پہنچایا جاتا ہے کیونکہ سلطنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب کی پابندی سے زیادہ نیک اور سلطنت کا وفادار ہو سکتا ہے۔

نصاب تعلیم مدت تعلیم اس کالج میں چھ سال ہے۔ البتہ تین سال سکول کے شامل کرنے سے نو سال ہو سکتی ہے تعلیم دو طرح کی دیجاتی ہے ایک تو ترکی زبان کے ذریعہ سے اور دوسری اسکے پہلو بہ پہلو فرانسیسی زبان کے ذریعہ سے اور ظاہر ہے کہ چھٹے سال کے طلبا کیا ترکی اور کیا فرانسیسی کے ذریعہ سے اور ملکیہ

دونوں زبانوں کے ذریعے سے تمام علوم متداولہ میں اعلےٰ درجہ کی مہارت پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی لئے دولت عثمانیہ یہاں کے سند یافتگان کو اپنے تمام دفاتر اور محکموں میں عہدے دینے کا اقرار کرتی ہے تاکہ اس بات کا اندازہ ہو سکے۔ کہ چھ سال میں یہاں کس درجہ تک تعلیم دیجاتی ہے میں دونوں ترکی اور فرانسیسی نصاب آخری سال کے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

چھٹے سال میں ترکی زبان کے ذریعے ان مضامین میں تعلیم دیجاتی ہے (۱) کتابت رسمیہ اور بلاغت میں تکمیل کی جاتی ہے (۲) عربی زبان کے ترجمہ کی تکمیل کرائی جاتی ہے۔ اور ترکی سے مطابقت (۳) فارسی علم ادب کے تدریس (۴) دول اسلامیہ کی تاریخ ختم کیجاتی ہے (۵) ترکی سے فرانسیسی اور فرانسیسی سے ترکی میں ترجمہ کرنے کے اصول ذہن نشین کئے جاتے ہیں (۶) حسن خط میں سنیں سابقہ کیطرح مستعد طلبار کو خط دفاتر میں بھی مہارت کرائی جاتی ہے (۷) فقہ میں مجموعہ زہدیہ نامی کتاب اور فرانسیسی زبان کے ذریعے اس سال میں یہ تعلیم ملتی ہے (۱) فرانسیسی زبان میں مضمون نگاری اور فرانسیسی لٹریچر۔ اور اسکی تاریخ۔ (۲) حکمت نظری میں معرفت نفس۔ علم منطق اور علم اخلاق۔ (۳) علوم ریاضی میں ہندسہ رسمیہ۔ مثلثات مستویہ۔ مبادی فن مکینکس۔ اور کاسموگریفی (۴) علم طبعی اور علم کیمیا میں سے طبعیات میں۔ علم برق۔ علم صدا اور روشنی کی تکمیل تک۔ اور کیمیا میں آرگینک کیمسٹری تمام (۵) علم موالید میں علم نباتات اور علم طبقات الارض۔ (۶) تاریخ عمومی یعنے یونیورسل ہسٹری کا بقیہ (۷) جغرافیہ عالم کی تکمیل و تکرار (۸) حفظ صحت (۹) تربیمات ریاضیہ۔ وغیرہ۔

مدرسہ کی عالیشان عمارت کے گرد جو شہر کے نہایت بارونق اور ایک بلند حصہ پر واقعہ ہے باغات اور ورزش کے لئے وسیع گراؤنڈ ہے۔ اور داخلہ کے قریب پولیس کا پہرہ ہے جو یہاں کی ہر سرکاری عمارت کا لازمی

جزو ہے ۔ (بعد میں میں نے ترکی اخبارات میں پڑھا کہ آتشزدگی سے اس مدرسہ کی عمارات کو سخت صدمہ پہنچا ۔

طالبعلموں کی وردی

یہاں سب مکاتب کے طالبعلم اپنے اپنے سکول کی وردی پہننے پر مجبور ہوتے ہیں ۔ اور وہ وردی صرف مدرسہ کیوقت ہی نہیں پہنی جاتی ۔ بلکہ شہر میں بھی صبح شام طالب علم اس وردی میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں ۔ فوجی اور دیگر سکولوں کے شاگرد گورے گورے ترک بچے اور عرب زادے ان سیاہ وردی کے کوٹوں اور سُرخ ٹوپیوں میں کیسے سجتے ہیں ۔ ان کے کوٹوں کے کالروں پر مدرسہ کا نام اور رجسٹر نمبر خوشخط نسخ میں کاڑھا ہوا ہوتا ہے ۔ خوبصورت خط نسخ کو جو عروج یہاں حاصل ہے اُسے دیکھکر طبیعت خوش ہوتی ہے ۔ جو چیز ہمارے یہاں کس مپرسی کی حالت میں ہے ۔ یہاں اسکے قدردان موجود ہیں ۔

مکتب صناعت و علوم عالیہ

یہاں کا مکتب صنائع نفیسہ ہندوستان کے مختلف آرٹ سکولوں کے درجہ کا ہے اور سلطانی عجائب گاہ کے سابق وزیر اعظم ادہیم پاشا کے بیٹے حمدی بے کی کوشش سے ۱۸۸۳ء میں کھولا گیا اور اب انہیں کے زیر نگرانی ایک خاص مجلس صنائع نفیسہ کی حمایت میں جاری ہے ۔ اسمیں دو سو یتیم بچے آہنگری اور نجاری کی ہر شاخ اور چھاپہ خانہ اور بعض دیگر شعبہائے فنون کا کام سیکھتے ہیں ۔ یہ لوگ رہتے اور کھاتے پیتے بھی یہیں ہیں ۔ علاوہ روٹی کپڑے کے ہر لڑکے کو کچھ نقد ماہوار ملتا ہے جو منتظم اس کے لئے جمع رکھتے ہیں ۔ جب یہ لڑکا تین چار سال کی میعاد تعلیم کے بعد کام سیکھ کر نکلیگا تو اُسے یہ نقدی ۔ جو جمع کی گئی ہے دیجائیگی تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے جو بیس سے تیس لیرا تک ہو سکتی ہیں ۔ اپنی دکان جاری کر سکے ۔ یہ بہت بڑا فیض عام کا کام ہے ۔ مدرسہ کے منیجر رفعتلو عبداللطیف آفندی (داخلیہ مدیر معاون) اور دوسرے استادوں مسٹر محمد حلمی بڑا د محمد سعید معلم

طرز معماری عرب ورسم نے مجھے کارخانہ اور مدرسہ کے سب صیغے دکھلائے۔ لکڑی میں صدف اور ہاتھی دانت مرصع کرنے اور لکڑی میں بیل بوٹے بنانے کا کام سیکھنے کے لئے دو معلم قسطنطنیہ سے مصر میں بھیجے گئے تھے۔ جو وہاں سے یہ قدیم عربی صنعت سیکھ کر آئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے لٹو خراد کر کے ان سے روشن اور جھروکے پردہ دار بناتے ہیں۔ جو بہت خوشنما کام ہے۔ لکڑی کے انواع و اقسام کے کام کے علاوہ لوہے کے جنگلے۔ زراعت کے آلات مثل ہلوں بیج بونے کی کلوں آٹا پیسنے کی چکیوں اور چھوٹی مشینوں اور کاریگروں کے اوزاروں کے بھی بنائے جاتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا انجن بھی مجھے دکھلایا گیا۔ جو یہاں کے طالبعلموں نے بنقل بنایا ہے۔ اور چلتا ہے۔ ایک بڑا انجن کی طاقت سے مشینیں چلتی ہیں۔ کئی ایک خراد کام کرتے ہیں۔ مدرسہ کی عمارت بڑی عالیشان ہے۔ اور ابھی عمارت میں اضافہ ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ بغداد میں بھی ایک صنعت و حرفت کا مدرسہ ہے۔ اور مملکت کے بعض دیگر مقامات میں چھوٹے چھوٹے مدرسے ہیں۔ جب میں یہ مدرسہ دیکھنے گیا۔ تو دربان نے اندر جانے سے روکا۔ ابھی حیص بیص میں ایک نوجوان مدرسہ سے باہر جا رہا تھا۔ اس نے شیخ ولی محمد صاحب افغانی شیخ تکیہ قادریہ بیگلربیگی سے جو میرے ہمراہ تھے۔ میرا پتہ

ترکی اخبارات کا اثر

معلوم کیا۔ تو وہ بڑے شوق سے اور خوشی سے اندر لے گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایک دو روز پہلے یہاں کے چند اخبارات میں میری نسبت کچھ تعریفی جملے چھپ چکے تھے۔ جو اس نے پڑھے تھے جب اخبارات میں کچھ میری کیفیت چھپی تو بعض مجھ سے پوچھنے لگے کہ تمہیں فلاں شخص ہو۔ منجملہ دوسرے اصحاب کے ایک شام کو بیروت کے ایک اخبار روضۃ المعارف کے ایڈیٹر صاحب جو یہاں کسی کام پر آئے ہوئے ہیں۔ مجھے ملنے آئے۔ اور دوسرے روز سید عبدالغفار صاحب کشمیری

بھی کہ جنکا ذکر کسی دوسری جگہ درج ہے - اور بعض دیگر صاحبان بھی تشریف لائے -

نصاب تعلیم صنائع نفیسہ یعنے مصوری کے اقسام - روغنی اور آب رنگوں کی نقاشی - معماری - ہیکل دہیت تراشی - حکاکی - لکڑی پر کام کھودنا - دھاتوں کا کام کرنا عملی طور پر ورکشاپ میں سکھلایا جاتا ہے - اور علمی طور پر آثار عتیقہ کی تاریخ - اور تشریح - اصول دفتری حساب اور ریاضی تاریخ صنائع - فن تزیینات وغیرہ اس مدرسہ میں سکھلایا جاتا ہے - پندرہ سے پچیس سال کی عمر کے لڑکے اس مدرسہ میں داخل ہو سکتے ہیں - اور ان کے امتحانات سہ ماہی وار لئے جاتے ہیں - اور سال میں دو مرتبہ یہاں کی مصنوعہ اشیا کی نمائش کیجاتی ہے -

تعلیم نسوان

تعلیم نسوان لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم کا بھی بہت اچھا انتظام کیا گیا ہے - ملی (پرائیویٹ) اور حکومتی دونوں قسم سے کئی مدارس پایہ تخت میں اور نیز مملکت کے اکثر بلاد میں جاری ہیں - ذیل میں میں ابتدائیہ یعنے پرائمری اور رشدیہ یعنے مڈل و ہائی سکولوں کا نصاب تعلیم درج کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ چھ سال کے عرصہ میں جو ان دونوں درجوں کے لئے مدت تعلیم مقرر ہے - کس کس مضمون کی کتنے گھنٹے روزانہ کس حساب سے پڑھائی جاتی ہیں - یہ جدول اگلے صفحہ پر درج کیا جاتا ہے -

اناث ابتدائیہ و رشدیہ مکاتب

مضمون تعلیم	ہر جماعت میں ہر ہفتہ میں ہر مضمون کے اتنے گھنٹے تعلیم ہوتی ہے					
	سال اول	سال دوم	سال سوم	سال چہارم	سال پنجم	سال ششم
الف با و شفاہی معلومات	۱۸	۰	۰	۰	۰	۰
قرآن کریم معہ تجوید	۴	۶	۵	۳	۲	۱
علوم دینیہ	۰	۲	۲	۲	۲	۲
قرأت	۴	۴	۴	۲	۱	۱
املا	۴	۴	۳	۲	۱	۱
کتابت	۰	۰	۰	۰	۱	۱
قواعد لسان عثمانی	۰	۰	۲	۲	۱	۲
عربی	۰	۰	۰	۰	۲	۲
فارسی	۰	۰	۰	۰	۱	۱
حسن خط	۰	۲	۲	۱	۱	۱
دروس اشیا و معلومات نافعہ	۲	۲	۲	۱	۱	۱
ادارہ بیتیہ (انتظام خانہ داری)	۰	۰	۰	۲	۲	۲
اخلاق	۰	۰	۰	۱	۱	۲
حفظ الصحت	۰	۰	۰	۰	۱	۱
حساب	۲	۲	۲	۲	۱	۲
جغرافیہ	۰	۰	۰	۲	۲	۲
تاریخ	۰	۰	۰	۲	۲	۱
دستکاری	۲	۲	۲	۲	۲	۲
میزان	۱۸	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴	۲۴

نصاب کی تفصیل یعنی سال اول میں تین گھنٹے روزانہ اور پھر پانچ سال تک چار گھنٹے روزانہ لڑکیوں کو تعلیم دینی کافی سمجھی جاتی ہے۔ شفاہی معلومات میں چھوٹی چھوٹی ابتدائی واقفیت کی باتیں درج ہیں۔ مثلاً آدمی کے بڑے بڑے اعضاء۔ ملک کے مشہور حیوان۔ باغ کے درختوں کے نام۔ حفظ صحت کی موٹی موٹی ہدایات۔ سامنے نظر آنے والی چیزوں کے نام اور محل استعمال۔ رنگ۔ اوقات۔ گرما سرما۔ حواس خمسہ اور استانیوں کی طرف سے حسن تربیت و آداب و نصیحت کی کہانیاں۔ وغیرہ۔ علوم دینیہ کی جو کتابیں چھ سال کے لئے مقرر ہیں ان میں علاوہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ وغیرہ کی ضروری واقفیت کے عقائد اور مسائل فقہ بکثرت بتلائے جاتے ہیں۔ اور چھٹے سال میں تو اسقدر مذہبی واقفیت بہم پہنچائی جاتی ہے کہ کبھی چھوٹے موٹے مولوی کہ جنکی واقفیت کنز اور قدوری سے باہر نہیں ہوتی دنگ رہ جائیں۔ مضمون قرأت میں کچھ موسیقی بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اسباق الاشیا میں اسقدر چیزیں دیہات اور گھر سے باہر کے شامل ہیں کہ ترک لڑکیاں باوجود پردہ کے سب باہر کی چیزوں کی ماہیت سے واقف ہو جاسکتی ہیں۔ مگر ادارہ بیتیہ یعنی انتظام خانہ داری کا مضمون جو لڑکیوں

انتظام خانہ داری کے لئے سیکھنا سب سے ضروری ہے۔ چوتھے سال ہفتہ میں دو سبق دیکر سکھلایا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے زنانہ مدارس میں بھی یہ مضمون داخل کیا جائے اسلئے اسکے موٹے موٹے عنوان درج کر دیتا ہوں۔

قسم اول مسکن۔ گھر کی عورتیں۔ مسکن کی حفاظت اور عورتیں۔ اصول حرارت و روشنی۔ (۱) مسکن کا انتخاب۔ (۲) گھر کی چیزوں کا موقع سے رکھنا۔ صحت کی ضروری شرائط۔ تقسیمات داخلی۔ ہوا کی تجدید و تصحیح رہنے کے مکانات کا درجہ حرارت۔ (۳) گھر کی چیزیں اور آلات ضروری

سامان مطبخ ۔ کوچ ۔ کرسی اور مینڈر ۔ پردے ۔ قالین ۔ لحاف (۳) کمروں کی عمدہ محافظت ۔ گھر کی عورتوں کی اچھی حفاظت ۔ فرنیچر اور مرمر کے سامان کی صفائی ۔ چاندی کی اشیا اور مطبخ کے سامان کی صفائی اور ستھراپن (۴) تانبے ۔ پیتل ۔ جواہرات ۔ چاندی کے گلٹ اور دیگر اشیا اور آلات اور تصویروں کے چوکھٹوں اور کتابوں کی صفائی ۔ کمروں کی مکھیوں مچھروں وغیرہ کا دور اور ضائع کرنا (۵) اصول حرارت : ایندھن ۔ پتھر کا کوئلہ ۔ کوک ۔ لکڑی کا کوئلہ ۔ جلنے والی چیزوں کے خواص گھر کے آتشدان کے شرائط ۔ انگیٹھیاں مختلف قسم کے چولھوں اور انگیٹھیوں کے لئے مقررہ احتیاطیں وغیرہ (۶) روشنی کے اصول مثل تیل ۔ موم بتی ۔ چراغ ۔ روغن زیتون ۔ گاس ۔ مٹی کا تیل ۔ لیمپ ۔ شمعدان ۔ روشنی خانہ ۔

قسم ثانی لباس کپڑوں کی حفاظت ۔ انہیں پاک صاف کرنا ۔ داغ دھبے پڑنا ۔ سلائی اور سلائی کا سامان ۔ (۷) لباس ۔ کپڑوں کی فہرست ۔ نیچے کے کپڑے بنیان کی قسم کے ۔ جورابیں وغیرہ ۔ بستر پوش دسترخوان ۔ میز کے دستمال ۔ سوتی کپڑے وغیرہ ۔ (۸) کپڑے پاک و صاف کرنا ۔ کپڑے کے صندوقوں میں کپڑوں وغیرہ سے حفاظت سجی اور سوڈے والا پانی ۔ صابون کا پانی ۔ کپڑوں کو دھونے کے بعد محفوظ رکھنا ۔ استری کرنا ۔ اور استعمال کرنا ۔ (۹) داغ دھبے پڑنا ۔ دھبے دور کرنے کا صابن اور پانی ۔ قہوہ ۔ سیاہی ۔ تیل اور سہ وغیرہ کے داغ دھبے دور کرنا (۱۰) سلائی کا کام ۔ سلائی اور کشیدہ کی سوئیاں ۔ نقاشی و کشیدہ جورابیں بننا ۔ سوئی و باریک سوئیاں ۔ اسکے بعد پانچویں سال چھ ہفتہ میں دو سبق دیئے جاتے ہیں :۔

قسم ثالث ذخائر اور لوازم ۔ سامان غذا کی حفاظت ۔ گوشت

مچھلی ۔ سبزی ۔ خمیر ۔ نشاستہ ۔ شکر ۔ قہوہ ۔ چائے ۔ اور مشروبات

(۱۱) روٹی ۔ پنیر یا دہی یا روٹی کے خمیر کرنے کی مایہ ۔ روٹی پکانا ۔ سامان خوراک کو کیڑوں سے محفوظ رکھنے کے طریقے ۔ نمکین مچھلی ۔ انڈے گندہ ہونے سے محفوظ رکھنا ۔ ماہن اور زیتون کے تیلوں کی حفاظت

(۱۲) تازہ اور خشک ترکاریاں ۔ ٹماٹو (بینگن) اور تازہ پھلیوں اور پتوں والی سبزیوں کی حفاظت ۔ ترشیوں کی اقسام ۔ خشک میوہ جات تازہ اور خشک انگور ۔ اخروٹ ۔ شکر ۔ قہوہ ۔ چائے (۱۳) انواع و اقسام کے آچار مربے اور شربت ۔

قسم رابع گھر کا دوائی خانہ (۱۴) ہاتھوں اور ہونٹوں کے ملنے کے غازے ۔ دانتوں کے منجن ۔ مسواک اور دانتوں کے خلال آئیک بنانے کے ضروری علاج ۔ جوشاندے ۔ خیساندے ۔ دودھ اور یخنی کے عمدہ اور مقوی استعمال ۔ (دو سال گذشتہ میں سیکھے ہوئے سبقوں کا تکرار ۔)

چھٹے سال پیر سفتہ میں دو سبق دیئے جاتے ہیں

قسم خامس ۔ خانگی طبابت اور حفظ صحت ۔ (۱۵) غذا کا انتخاب اور بہم رسانی ۔ اصول غذا ۔ کھانے کے وقتوں کا تعین اور انتظام بچوں اور بوڑھوں کے غذا کا اصول ۔ بچوں کی پرورش ۔ قواعد حفظ صحت ۔ نیند ۔ حمام کرنا ۔ تعفن دفع کرنے والی ادویات ۔ بخور اور غسل (۱۶) طبابت بنیہ ۔ زخم خراب قسم کے چیرا پھاڑا جانا ۔ کٹ جانا یا چمڑا اتر جانا ۔ جلنا وغیرہ (۱۷) پاؤں کو پانی میں رکھنا اور بیماری سے شفا بخشنے والے اصول ۔ کھانے کے لئے ایک طبیب کا انتخاب ۔

قسم سادس بیگم خانہ کے وظائف اخلاقی (۱۸) آداب اور مراسم معاشرت ۔ نوکرانیوں کا انتخاب ۔ نوکرانیوں کیلئے کام کاج کے قواعد

اور ان کی خوراک ۔ (۱۹) گھر کا حساب کتاب رکھنا ۔ (۲۰) صفائی غلیظ پانی ۔ انگیٹھیوں اور آتشدانوں کی صفائی ۔ کوڑا کرکٹ ۔ مالک مکان اور کرایہ دار کے مابین شرائط و تعلقات ۔ (تینوں سالوں کے سبق دوہرانا)

یقیناً جن خوش نصیب لڑکیوں کو مندرجہ بالا نصاب کے مطابق امور خانہ داری میں تعلیم ملے ۔ اُن کی اور اُن کے متعلقین کی زندگی نہ صرف آرام و آسایش سے گذرے گی ۔ بلکہ اُن کی اولاد جاہل ماؤں کی اولاد سے ضرور زیادہ لائق اور روشن ضمیر تیار ہوگی ۔

ان تفصیلی مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کی تعلیم بھی پورے طور پر دیجاتی ہے ۔ جغرافیہ اور تاریخ میں ضروری اور ملکی اور اسلامی ممالک اور معلومات کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے ۔ اور دستکاری میں ہر قسم کے کشیدے جالیاں اور لیسیں بنانا شامل ہے ۔

لڑکیوں کے صنائع مکاتب

"فرصنائع مکتبی" وہ مدرسے ہیں کہ جنہیں بجائے چھ سال کے سات سال میں اسیقدر تعلیم دیجاتی ہے جتنی کہ لڑکیوں کے رشدیہ مدارس کے نصاب میں درج ہے ۔ مگر اسمیں سینے پرونے کی دستکاریاں سکھلانے پر بہت وقت خرچ کیا جاتا ہے ۔ اور ہر قسم کے عمدہ سے عمدہ کپڑے کاٹنے اور سینے اور انپر ریشم اور طلا کے کشیدے سے کاڑھنے کپڑے کے پھول بنانے ۔ جورابین ۔ لیسیں بنانے ۔ گھر کے تمام انتظام کرنے ۔ اور طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں تیار کرنے کے طریقے بڑے اہتمام سے سکھلائے جاتے ہیں ۔ سلائی کی مشینوں کا سمجھانا بیل بوٹوں کے نقشے اور کپڑوں کے فرمے وغیرہ سب نصاب میں شامل ہیں ۔ اور یہاں عملی کام بہت ہوتا ہے اسکے علاوہ لڑکیوں کی رات کے مدرسے الگ ہیں ۔ تاکہ جو لڑکیاں کسی وجہ سے دن کے مدرسہ میں تعلیم

نہ پا سکیں وہ رات کے مدرسوں میں داخل ہو جائیں۔ واضح رہے کہ
دس سال تک کی لڑکیوں کو قانوناً پردہ کی پابندی نہیں ہے اسلئے
مدرسوں کو ایسی لڑکیاں کھلے منہ جاتی ہیں۔ اسکے بعد البتہ مروجہ پردہ
کے ساتھ جاتی ہیں۔

دار المعلمات ان کے علاوہ ایک دار المعلمات ہے کہ جہاں لڑکیوں
کے مدرسوں کے لئے استانیاں تیار کرنے کے واسطے تین سال کا نصاب
تعلیم مقرر کیا گیا ہے۔ یہاں باقی تو وہی سب مضامین سکھلائے جاتے
ہیں جو مدارس ابتدائی اور رشدی کے نصاب میں داخل ہیں۔ لیکن طریقہ
تعلیم اور موسیقی دو علیحدہ مضمون ہیں۔ موسیقی کے متعلق اسقدر بتلا دینا
مناسب ہے۔ کہ اسکے تینوں سال ہفتہ میں صرف ایک سبق ہوتا ہے
اور اسمیں بھی بالفعل صرف پیانو باجا بجانا سکھلایا جاتا ہے۔ اور اسکے
نوٹوں اور اصول کو یاد کرایا جاتا ہے۔ مگر یہ مضمون ابھی تک اختیاری ہے
سنہ ۱۸۹۹ء میں اس مدرسہ میں (۱۰۵) لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ اور ابتدائے
قیام سنہ ۱۲۸۹ھ سے لیکر سنہ ۱۳۱۵ھ تک (۳۴۸) استانیاں سند حاصل کر چکی
تھیں۔ مہتمم مدرسہ حاجی حافظ خلوصی آفندی ہیں جو بڑے فاضل اور نامور
مدرس ہیں۔ ان کے علاوہ حساب۔ ہندسہ۔ عربی۔ فارسی۔ قرآن۔ علوم
دینی اور تعلیم خط کے چھ اور مدرس مرد ہیں۔ اور باقی انیس تربیت یافتہ استانیاں
ہیں۔ علوم متنوعہ اور دستکاری کے اول معلمہ صدیقہ خانم ہیں جنہیں
دوم درجہ کا تمغہ شفقت سلطان المعظم کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ اور تین
اور استانیوں کو سوم درجہ کے تمغے ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سے صرف
تین عیسائی عورتیں ہیں۔ اور باقی مسلمان ہیں۔

شاعرہ و مصنفہ اخبار نویسہ ترک خاتونیں جبکہ ابھی ابھی تعلیم ترک خاتونوں کو ملی ہی ہے تو
کوئی وجہ نہیں ہے کہ بہت جلد ترک خاتونیں بھی

اپنی یورپین بہنوں کی طرح زیور تعلیم سے پورے طور پر محلّی نہ ہو جائیں ۔ نپولین نے ایک وقت کہا تھا کہ فرانس کی ماؤں کو لائق بناؤ تاکہ فرانسیسی قوم سب کی سب لائق ہو جائے ۔ سلطان عبدالحمید خان نے اسکی بہت عمدہ تعمیل کی ہے ۔ اور ترکوں میں اب لائق تعلیم یافتہ مصنفہ اور اخبار نویس عورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں ۔ چنانچہ احمد مدحت صاحب نے مجھے بتلایا تھا کہ اسوقت قسطنطنیہ میں کم از کم ۵۰ عورتیں شاعرہ مصنفہ اخبار نویس اور مضمون نگار اور فرانسیسی زبان میں ماہر ہیں ۔ جنہیں چوٹی پر فاطمہ علیہ خانم بنت جودت پاشا مرحوم عالمہ مصنفہ شاعرہ فاضل ہے ۔ ایک اور بی بی نگار خانم نام شاعرہ اور مصنفہ بہت مشہور ہے ۔ فاطمہ فخرالنساء جو ابھی بیس اکیس سال سے بڑی نہیں ہے ۔ مگر بڑی ہوشیار لکھنے والی ہے ۔ مقبول لمعان ایک مشہور دیندار صوفیہ اور شیخہ تھی ۔ جسکا انتقال ہوگیا ہے ۔ شادیہ خانم یہاں نسوان کے اخبار "خانہ لرہ مخصوص غزتہ" کی ڈائرکٹرس ہے ۔ یہ اخبار عورتوں اور بچوں کے لئے بڑی قابلیت سے نکالا جاتا ہے جو یورپ کے دیگر بلاد کے اسی مطلب کے اخبارات کے ہمپلہ ہے ۔ ان میں سے بعض کو حضرت سلطان کی طرف سے چاندی سونے کے تمغے ملے ہوئے ہیں ۔

ترک خاتونوں کے مخصوص نام

ترکی بی بیوں کے بہت سے نام تو عرب مصر ہندوستان اور افغانستان وغیرہ بلاد اسلامی کی عورتوں کے ناموں سے مشترک ہیں ۔ لیکن بعض نام صرف ترکی سے مخصوص بھی ہیں ۔ ترکی مدارس زنانہ کی طالبات العلم کے ایک دو سو ناموں کی فہرست سے ذیل کی فہرست زنانہ ناموں کی مرتب کی گئی ہے ۔ اس میں شروع کے ناموں کے ساتھ جو عدد لگائے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی نسبت سے یہ نام زیادہ ہر دلعزیز اور مستعمل ہیں اور باقی کمتر ۔ مثلاً فاطمہ

سب سے زیادہ مستعمل نام ہے۔ اسکے بعد امینہ اور خیبریہ وغیرہ۔ فہرست یہ ہے۔
فاطمہ (۱۰) امینہ (۷) خیبریہ (۷) خدیجہ (۶) عائشہ (۶) زہرا (۴) عزیزہ (۳)
لطیفہ (۳) منیرہ (۳) سنیّہ (۳) حسینہ (۲) نبیّہ (۲) سحر (۲) حوریہ (۲)
شریفہ (۲) عادلہ (۲) فطنت (۲) علیّہ (۲) نعیمہ (۲) ثروت (۲) ملک خانم
(۲) نتیجہ خانم۔ رویدہ۔ فاطمہ نگار۔ منیبہ۔ فردانہ۔ جمیلہ۔ الفت۔ نازک
اشال۔ زعفر۔ فاطمہ زہرا۔ نزہیہ۔ نائرہ۔ شاہندہ۔ اقاقت۔ عدویہ۔ فرح
نائلہ۔ سعدیہ۔ گل زین۔ نارشہ۔ بیایدیز۔ حنیفہ۔ حسیبہ۔ اشال نور۔ صبیحہ
حسن ملک۔ لبابہ۔ عفت۔ رفیقہ۔ عائشہ نظیرہ۔ سوہیہ۔ کاملہ۔ قدریہ
نائیلہ۔ محیہ۔ زینب۔ سلیمہ۔ سمیہ۔ فاکہہ۔ عطیہ۔ صائمہ۔ شوکت۔ نزہت
مقبول۔ فتحیہ۔ ماجدہ۔ سمیر۔ احسان۔ عنایت۔ ملک خانم۔ سامیہ۔ جمال
فخریہ۔ فکریہ۔ ہرفر۔ معادل۔ کلثوم۔ جمالیہ۔ زینہ۔ ناجیہ۔ خالدہ۔ صفیہ
عائشہ سعیدہ۔ بزیئہ۔ مقدس۔ صابرہ۔ مہپارہ۔ کبیرہ۔ نزہتا۔ شادیہ
نادرہ۔ عفیفہ۔ لنیمہ۔ فایزہ۔ فخریہ۔ کائینہ۔ سعادت۔ پاکیزہ۔ شاذیہ
صدقیہ۔ مردانہ۔ فہیمہ۔

اخبار۔ رسالے۔ مطبعے۔ کتابیں۔ زندہ مصنف اور کتب خانے

میں نے اقدام۔ صباح۔ معلومات۔ ثروت۔ ترجمان حقیقت وغیرہ یہاں کے
تمام بڑے بڑے روزانہ اخبارات کے دفاتر دیکھے۔ یہاں سب اخبارات کے
دفاتر میں ساتھ ساتھ اشاعت و فروخت کتب کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ اور
معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کا کام ہندوستان کی نسبت بڑے سرمایہ سے کیا جاتا
ہے۔ کاغذ کے گودام چھاپنے کی مشینیں ٹائپ۔ اور ملازموں کی تعداد سب
اس امر کی شاہد ہیں۔ اخبارات کی شکل و صورت بھی بہت عمدہ ہے۔ عموماً ان

اخبارات اور پبلشنگ

دفتروں میں ایڈیٹر اس طرح کام کرتے دیکھے گئے کہ پانچ چار ایڈیٹر سب ایک بڑے کمرہ میں ایک بڑی میز کے گرد کام کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اخبار ختم کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسوقت اقدام سب سے زیادہ چھپنے والا ترکی اخبار ہے۔ اس سے پہلے صباح کی اشاعت زیادہ تھی۔ لیکن چونکہ اسکا مالک ارمنی ہے اور آرمینیوں کے فساد کے بعد اسکی وہ بات نہیں رہی۔ ترکی کا مشہور قاموس الاعلام چھ جلدوں میں صباح ہی کے مطبع میں چھپا ہے۔ جو میں نے (۲۱) قرش کو خریدا۔ ترکی زبان میں غالباً یہی ایک سائیکلوپیڈیا یا جغرافیہ اور تذکرہ اور تاریخ کا ہے۔ دفتر اقدام سے دو بہت عمدہ کتابیں اصطلاحات العلوم عربی اور موضحات العلوم (دو جلد) ترکی خریدیں۔ جب میں اول کتاب کی قیمت دے چکا تو احمد جودت صاحب مالک اقدام سے ملا۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ میں نے قیمتاً کتاب خریدی تھی۔ تو انہوں نے افسوس کیا اور دوسری کتاب کی قیمت نہیں ادا کرنے دی۔ ترجمان حقیقت کے دفتر سے ایک بہت عمدہ کتاب بطور ہدیہ ملی جو اس اخبار نے ثروت فنون کے ساتھ ملکر بغرض امداد مصیبت زدگان کریٹ چھاپی تھی۔ اور جسمیں ترکی کے تمام نامور اہل قلم نے ایک ایک مضمون مختصر لکھا تھا۔ معلومات کے مالک طاہر بک صاحب کا مطبع سب سے بڑا تھا۔ اور

طاہر بک صاحب کا مطبع

یہاں سے علاوہ ترکی معلومات روزانہ۔ ترکی ثروت روزانہ ترکی معلومات ہفتہ وار۔ عربی معلومات ہفتہ میں دو بار اور ثروت فرانسیسی روزانہ (مسب منتقصا دیں) شائع ہوتے تھے۔ ثروت فرانسیسی کا ایڈیٹر جو ترک تھا۔ بالکل یورپین معلوم ہوتا تھا۔ اور جب میں اس سے ملا تو اسکی میز کے پاس کھڑکی میں ایک کتا پڑا سوتا تھا۔ مالک مطبع طاہر بک صاحب مجھ سے پہلی مرتبہ بے اعتنائی سے ملے۔ جسکا ذکر میں نے اپنے ایک ممبر کو

نے کیا۔ اس پر وہ مجھے پھر ایک روز طاہر بک صاحب کے مطبع میں لیگیا۔ اور معلوم نہیں طاہر بک کو کیا سمجھایا کہ اس روز تو وہ بہت خاطر مدارات سے پیش آیا۔ اور خواہش سے کہا کہ میرے ترکی۔ فرانسیسی اور عربی اخبارات کے محرر (ایڈیٹر) ساتھ کے کمرہ میں جمع ہیں۔ وہ تم سے معاملات ہندوستان کی بابت کچھ انٹرویو کریں گے۔ انہیں جو ہو سکے بتاؤ۔ چنانچہ ان لوگوں نے بعض سوالات بنسبت تعلیم مسلمانان ہندو تجارت و زراعت و حرفت و بواعث [illegible] و بنسبت مصنفان زمانہ حال دریافت کئے۔ میں فارسی میں جلال بک مترجم برائے روسی اور انگریزی میں خالد ایوب کو بتاتا جاتا تھا۔ رخصت ہونے کے وقت طاہر بک نے اپنے یہاں کے کئی مطبوعہ ترکی ناول مجھے ہدیۃً دیئے۔ میں نے سنا تھا کہ سلطان المعظم کی طاہر بک پر بڑی نظر لطف ہے۔ اور اسے کئی تمغے بھی ملے ہوئے ہیں۔ لیکن ہندوستان پہنچنے سے تھوڑا عرصہ بعد مصری اخبارات سے معلوم ہوا کہ کسی تصویر پر اسکا مطبع ضبط کر لیا گیا۔ تمام اخبارات بند ہو گئے۔ اور خود بیچارہ طاہر بھی نظر بند کر دیا گیا۔ طاہر بک کے مطبع کی باتصویر کتاب ہنر نکات بلی ایسی خوبصورت اور خوشنما چھپی ہوئی ہے کہ یورپ کی بہترین کتابوں کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتی ہے۔

ترکی اخبارات کے ماخذ

میں نے دیکھا کہ یہاں کے اخبارات زیادہ تر فرانسیسی اور جرمنی زبانوں کے اخبارات کے ترجمے چھاپا کرتے ہیں۔ اور روسی بلکہ چینی اور یونانی زبانوں کے اخبارات سے بھی اقتباس کرتے ہیں۔ اور اخبارات کے ایڈیٹر اور مترجم سب زبانیں جانتے ہیں۔ مگر ان کے درمیان میں نے کوئی انگریزی بولنے والا شخص نہ دیکھا۔ آخر تحقیقات حقیقت سے [illegible] ایک ترک ایڈیٹر ملا جو انگریزی بھی خوب بولتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ تم نے انگریزی کس طرح سیکھی۔ تو اس نے بتایا کہ میں

میں میری گورنس ایک انگریز عورت تھی۔ اور اسکے بعد بھی مینے اس زبان کو سیکھا ہے۔ مینے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے۔ مینے کسی ترکی اخبار کے دفتر میں کوئی انگریزی اخبار نہیں دیکھا۔ حالانکہ انگریزی اخبارات مثل لنڈن ٹائمز۔ ڈیلی میل اور ٹیلیگراف وغیرہ کے فرانسیسی اخبارات تان اور فگارو وغیرہ سے زیادہ صرف اور محنت سے تیار کئے جاتے ہیں اور ان سے اعلےٰ پایہ رکھتے ہیں۔ ترک ایڈیٹر نے جواب دیا کہ ہم انگریزی اخبارات کو پسند نہیں کرتے۔ ان میں بڑا "ٹھیک" (فضول) درج ہوتا ہے۔ مینے اُسے قائل کرنا چاہا۔ مگر اُسنے ایک نہ سنی۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو فرانسیسی زبان کا وہاں زیادہ دخل ہے اور دوسرا چونکہ انگریزی پالیسی کچھ مدت سے ٹرکی کے مخالف ہے اسلئے انگریزی اخبارات کو وہاں ناپسند کیا جاتا ہے۔

بعض پابندیاں جہاں ترک اخبار نویسوں کو یہ آزادی حاصل ہے کہ اخبارات کے ایڈیٹر سرکار کے ہر قسم کے ملازمتوں پر بھی ممتاز ہیں۔ اور بطور ادر ٹائم کے اخبارات کے دفاتر میں بھی کام کرتے ہیں۔ وہاں ان کے لئے یہ پابندی سخت ہے کہ کوئی اخبار نویس کسی غیر سلطنت میں نہیں جا سکتا ورنہ اس سے سخت بازپرس کیجاتی ہے۔ حالانکہ اخبار نویسوں کو ہی سب لوگوں سے زیادہ ممالک غیر کی سیاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسکے سوائے ترکی اخبارات کے سنسر کے فرائض کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ کسی دوسری سلطنت کے بادشاہ یا حکومت کی تعریف یہاں کے اخبارات میں درج کرنے کی اجازت نہیں۔ غیروں کی نکتہ چینی سے بھی یہاں تک احتراز کیا جاتا ہے کہ واقعات کا ذکر تک نہیں کیا جاتا۔ مثلاً جب قیصر جرمنی نے اپنی افواج چین کو بھیجتے ہوئے چینیوں کی جنگجوئی کے متعلق تقریر کی تھی تو تمام یورپ کے اخبارات نے اسپر لے دے کی

مگر ترکی اخبارات نے بالکل اس قضیہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ کہ قیصر کی یہ تقریر کیسی ناپسند کی گئی تھی۔ ہمبرٹ شاہ اٹلی جب قاتل کے ہاتھ سے مارا گیا تو ترکی اخبارات صرف اس قدر لکھ سکے کہ شاہ اٹلی نے انتقال کیا۔ وقس علیٰ ہذا۔

ہفتہ وار و ماہوار پرچے

علاوہ اخبارات روزانہ کے قسطنطنیہ میں کئی ایک ہفتہ وار اور ماہوار رسالے بھی طبع ہوتے ہیں۔ مسجد بایزید کے متصل بازار کتب فروشان سے ایک روز مینے ترقی۔ ارتقا۔ ثروت فنون۔ معلومات فنون وادب۔ خانہ مخصوص عزتہ اور جو جاکر مخصوص عزتہ کے پرچے خریدے ان رسالوں میں اچھے اچھے لکھنے والے مضامین نظم و نثر لکھا کرتے ہیں جو ترکی لٹریچر کے عمدہ نمونے سمجھے جاتے ہیں سنہ ۱۸۹۱ء میں شہر قسطنطنیہ میں کل (۳۶) اخبار اور رسالے شائع ہوتے تھے

سرکاری اخبارات

علاوہ پایۂ تخت کے اخبارات کے کہ جنہیں جنگی گزٹ کی طرح بعض رسمی یعنے سرکاری پرچے بھی ہیں مقبوضات کے ہر ضلع سے ایک رسمی اخبار شائع ہوتا ہے۔ مثلاً بیروت کے اخبار کا نام بیروت ہے اور دمشق کے اخبار کا نام شام ہے۔ اور ان کا ایڈیٹر سرکاری ملازم ہوتا ہے۔ ان میں علاوہ بعض سرکاری اعلانات اور نرخ اجناس وغیرہ سرکاری خبروں کے عام خبریں بھی چھپتی ہیں اور ان اضلاع کی رعایا انہیں بطور اخبارات خریدتی اور پڑھتی ہے

ترکی ٹائپ

۔ ترکی اخبارات کا ٹائپ بہت خوبصورت خط النسخ کا ہوتا ہے جو استانبولی ٹائپ کے نام سے مشہور ہے۔ معلوم ہوا کہ اس ٹائپ کے خرید کر ملک سے باہر لیجانے کی اجازت نہیں۔ صرف اس شک کی وجہ سے کہ ترکی رعایا ممالک غیر میں جاکر حکومت عثمانی کے خلاف اخبارات نہ شائع کرے۔ ترکی ٹائپ کے کیس میں حروف کے (۵۳) خانے یعنے ایک سطح

میں شمار کیئے۔ اس ٹائپ کا موجد ایک طباع ترکی پبلشر ضیا بک ہے۔ جو بدنصیبی سے سلطنت کے کسی ناراضگی کی وجہ سے مطبع ضبط ہو جانے کے بعد وظیفہ دیکر قونیہ میں بٹہلا دیا گیا تھا۔ مطبع ضیا بک کی جنتریاں یورپ کی بہترین جنتریوں کے مقابلہ کی ہیں۔

غیر ملکوں کے اخبارات کا مطالعہ

چونکہ یہاں کے اخبارات آزاد نہیں ہیں اسلیئے قدرتاً جو لوگ کوئی غیر زبان سوائے ترکی کے جانتے ہیں وہ غیر زبانوں کے اخبارات پڑہنے کے شایق رہتے ہیں۔ اسلیئے بہت سے فرانسیسی اٹالی۔ انگریزی۔ جرمنی اور یونانی وغیرہ زبانوں کے اخبارات غیر ممالک سے آکر شہر میں بکتے ہیں۔ اور شاید ترکی حکام ان اخبارات کی درآمد بند کر دیتے لیکن غیر ممالک کے ڈاکخانوں اور قنصلخانوں کے ذریعہ سے یہ اخبارات ہر وقت ملک کے اندر آتے رہتے ہیں۔ حدود مملکت کے اندر بھی سوائے ترکی کے فرانسیسی یونانی آرمنی بلغاری وغیرہ کئی زبانوں کے اخبارات چھپتے ہیں۔ مگر ان کے کافی نگرانی کیجاتی ہے۔

پریس پر چنگی ٹکس

سلطان المعظم کے جشن حکومت بیست و پنجسالہ کی تقریب پر ترکی زبان کے اخبارات تو دو پارہ کا ٹکٹ ہر پرچہ پر لگا کر چھاپنے سے معاف کئیے گئے ہیں۔ لیکن دوسری زبانوں کے اخبارات پر ابھی یہ ٹکٹ لگتا ہے۔ مگر یہ اخبارات تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ ہر اشتہار اور ہر کاغذ کے پرزہ پر جو شایع کیا جاوے یا کہیں آویزاں یا چسپاں کیا جاوے یہ ٹکٹ لگانا ضروری ہے۔ مثلاً کسی دوکان پر صرف اسقدر لکھہ کر کاغذ چسپاں کیا جائے کہ "دوکان خالی ہے" تو اسپر بھی یہ ٹکٹ ہوگا۔ یا ریل کا ٹائم ٹیبل ہو یا کسی حکیم کا یا مرالہم کا اشتہار ہو۔ غرض ہر پرچہ پر یہ ٹکٹ لگانا لازمی ہے۔ ایک زمانہ میں انگلستان کے اخبارات پر بھی ایسا ہی ٹکس قایم تھا۔ مگر جب وہ معاف کیا گیا تو اخبارات کو بڑی ترقی ہوئی۔ اور اگر آج اس

قسم کا ٹکس انگلستان کے اخبارات پر ہوتا تو حالت موجودہ سے نصف یا چہارم لٹریچر بھی وہاں سے شائع نہ ہوتا۔ مگر میں پھر لکھنے پر مجبور ہوں کہ ٹرکی بوجہ اپنی مختلف الاقسام رعایا کے ایسی پابندیوں کے لئے مجبور اور ایک حصہ تک حق بجانب ہے۔

شاہ ایران کی سیاحت استانبول جب میں پیرس میں تھا تو شاہ مظفر الدین قاچار مرحوم بھی پیرس میں تھے۔ لیکن جب میں انگلستان کو گیا تو شاہ کچکلاہ ایکس لاشاپل کے چشموں پر پانی کا علاج کرلے رہے۔ اور میرے قسطنطنیہ کے دوران قیام میں وہ بطور سلطان المعظم کے محترم مہمان کے یہاں تشریف لائے لیکن بخلاف پیرس کے یہاں ان کی خاطر ومدارات کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور قطع نظر سلطنت کی طرف سے پرتکلف میزبانی ہونے کے اہل شہر شاہ کجکلاہ کی زیارت کے بیحد مشتاق تھے۔ ۳۰ ستمبر کی صبح کو ہم لوگ سویرے ہی گاڑی لیکر سٹیشن پر پہنچے۔ تو معلوم ہوا کہ شاہ مقری کوئی کے سٹیشن پر اترینگے۔ جو حوالی شہر میں ایک موضع اور ریلوے سٹیشن ہے۔ ہزاروں تماشائی مقری کوئی سٹیشن کو جارہے تھے۔ ہم نے بھی ٹکٹ لیا اور گاڑی میں سوار ہو گئے۔ ہر چند کہ گاڑی میں جگہ کی تنگی تھی اور ہمارے کمپارٹمنٹ میں بھی کئی لوگ آئے۔ لیکن دس کی مقررہ تعداد سے ایک شخص بھی زیادہ گاڑی میں نہ بیٹھا۔ یہ اسوقت بھی مینے نوٹس کیا کہ جن لوگوں نے یورپین ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ جب وہ گھسنے کی کوشش کرتے تو اُن کے روبرو تو بدتہذیبی سے نہیں البتہ اُن کے چلے جانے کے بعد ان پر ایک قہقہہ لگا یا جاتا۔ جس سے مینے سمجھا تھا کہ ترکوں میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق اسقدر ابھی موجود ہے۔ غرض سٹیشن پر پہنچے تو وہاں بہت بڑا ہجوم تماشائیوں کا تھا۔ تھوڑی دیر میں حضرت شاہ کی گاڑی بھی آئی۔ فوج اور پولیس کا انتظام حفاظت مبالغہ سے کیا گیا تھا۔ ریل کی سڑک پر میلوں تک دونوں طرف کچھ کچھ فاصلہ پر سوار تعینات کئے گئے تھے یہاں

شاہ گاڑی میں بیٹھکر سٹیشن کو روانہ ہوئے کہ جسکے ذریعہ سے وہ قصر یلدز کو جانیوالے تھے۔ سٹیشنوں کی ایک قطار بیرقوں اور جھنڈوں سے آراستہ کھڑی تھی۔ اور ان میں فوجی باجہ بج رہا تھا۔ اسوقت سینکڑوں ایرانی جو استقبال کے لئے یہاں آئے تھے۔ بیحد خوش نظر آتے تھے۔ شہر میں بھی ایرانیوں نے اپنی دوکانوں اور مکانوں کو خوب سجا رکھا تھا۔ دوسرے روز شہر کے بازاروں میں سے جس جسطرف سے شاہ مظفر الدین گذرے ان کی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ جا بجا فوج متعین تھی۔ میں اسوقت معلومات کے دفتر میں تھا۔ کہ حضرت شاہ کی سواری سفارت ایران کو جاتی ہوئی ادہر سے گذری۔ شاہ کا رنگ صاف اور موچھیں بہت لمبی تھیں۔ تین ترک افسر آپ کے

شاہ اور ترکی اخبارات

ہمراہ گاڑی میں بیٹھے تھے۔ اور ساتھ بہت سی گاڑیوں میں ایرانی اور ترک افسر جلوس میں تھے۔ ترکی اخبارات اس روز اور اس سے پہلے روز تمام شاہ مظفر الدین کے حالات اور تصاویر اور ملک ایران کی تاریخ و جغرافیہ اور فارسی اشعار تبریک سے لبریز تھے۔ میں نے طاہر بیگ صاحب مالک معلومات کو کہا کہ میری طرف سے بھی یہ دعائیہ شعر چھاپ دیجئے۔

اقلیم پارس را غم از آسیب دہر نیست
تا بر سرش بود چو تو اشش سایۂ خدا

انہوں نے مجھے کہا کہ اسکے ساتھ چند سطور فارسی میں لکھدو۔ جیب میں سے قلم نکالنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اگر میں انگلستان یا ہندوستان کے کسی اخبار میں اسوقت شاہ کجکلاہ کے متعلق لکھتا تو انہیں صلاح دیتا کہ سیاحت یورپ سے کچھ علمی فائدہ اپنے ملک کو پہنچائیں۔ نہ کہ اپنے پدر بزرگوار کی طرح اپنی ذات تک ہی اسکے فوائد محدود رکھیں۔ لیکن جبکہ شاہ سلطان المعظم کے مہمان خاص ہیں تو ترکی اخبارات ان کی نسبت کوئی ایسی بات چھاپ نہیں سکتے بلکہ دنیا کے کسی بادشاہ کی نسبت کوئی ایسی تحریر چھاپنا سوء ادب سمجھتے ہیں۔ جو ان کے

قانون پریس کی نظر میں گستاخی پر محتمل ہوتی ہے۔

کتابوں کی اشاعت

گو دولت عثمانیہ میں پریس کو آزادی حاصل نہیں۔ لیکن پریس کو خاصی ترقی حاصل ہے۔ پایہ تخت میں علاوہ اخبارات کے (۸۹) مطابع جاری ہیں۔ جنہیں علاوہ ترکی زبان کی بہت سی یوروپین اور خصوصاً یونانی۔ عبرانی ارمنی اور بلگیرین زبانوں کی کتابیں ٹائپ اور پتھر پر چھپتی رہتی ہیں۔ مگر کتابوں کے چھپنے سے پہلے صیغہ تعلیم کے محکمہ تفتیش و معائنہ کتب سے ان کے چھاپنے کی اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس محکمہ میں کتاب کے تمام مضامین کے مطالعہ کے بعد جو مضامین یا الفاظ چھاپنے کے لائق نہیں سمجھے جاتے وہ کاٹ دیئے جاتے ہیں اور باقی کتاب چھاپنے کی اجازت دیجاتی ہے۔ اس محکمہ کے نظام نامہ میں درج ہے کہ ممالک محروسہ شاہانہ میں طبع ہونے والے تمام کتب دینی اور رسائل اوراق متنوعہ فنیہ ادبیہ اور سیاسیہ اور رسائل موقتہ معہ نقشہ و غیرہ الواح و میڈل۔ دارس اور ممالک محروسہ میں داخل ہونے والی مطبوعات اجنبیہ کے خوفناک اندراجات کی نگرانی کے لئے یہ محکمہ قائم ہے۔

علوم مفیدہ کی کتابیں

ترک علوم مفیدہ اور یورپین سائنس اور لٹریچر کے ترجمے یوروپ کی مختلف زبانوں سے بکثرت کرکے چھاپ رہے ہیں۔ فرانسیسی جرمنی روسی۔ یونانی اور انگریزی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے بہت ہو چکے ہیں۔ مگر ان میں سے پہلی دو زبانوں کے کتابیں زیادہ ترجمہ کی گئی ہیں۔ خصوصاً جنگی اور فوجی علوم کی کتابیں نسبتاً بہت زیادہ چھاپی گئی ہیں۔ احمد مدحت صاحب نے مجھے عزت آفندی مہتمم کتب خانہ کے نام ایک رقعہ اس مطلب کا دیا تھا۔ کہ دار الشفقہ عسکری اور دیگر ہر قسم کی کس قدر کتابیں عثمانی زبان میں چھپی ہیں افسوس ہے کہ میں ان سے دریافت نہ کر سکا۔ مگر عام خیال یہ تھا کہ پانچ ہزار سے زیادہ ایسی جدید کتابیں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسوقت کوئی علم اور فن ایسا نہیں کہ جسکی کتابیں یوروپ کے کسی زبان میں ہوں اور ترکوں نے

اُن کا ترجمہ یا خلاصہ نہ چھاپ لیا ہو۔ اسکے ساتھ ہی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے اور خلاصے بھی شائع ہوتے جاتے ہیں۔ اور دن بدن لوگوں کی توجہ تصنیف و تالیف کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ۱۳۱۸ ہجری کے سررشتہ تعلیم کی رپورٹ میں قریب دو ہزار کے ایک سال میں شائع ہونیوالی کتابوں کی فہرست اسلام درج ہے۔

واضح رہے کہ یہاں کی کتابیں ہندوستان کی کتابوں سے اچھے کاغذ چھپائی اور جلد بندی کی ہوتی ہیں۔

زمانہ حال کے ترک مصنف اور اہل قلم

عربی اور فارسی کی طرح ترکی نظم کا ذخیرہ بھی کم دلچسپ موجود نہیں۔ جیساکہ ایک ترک پاشا کی مرتب کردہ ضخیم کتاب "خرابات" سے ظاہر ہے۔ کہ جسمیں عربی اور فارسی شعرا کے پہلو بہ پہلو سینکڑوں ترکی شعرا کے کلام کا بھی انتخاب درج کیا گیا ہے۔ ایسے ہی ترکی نثر کا بھی بہت بڑا ذخیرہ زمانہ قدیم اور اوسط کا موجود ہے۔ لیکن یہاں میری توجہ صرف زمانہ حال کے زندہ ترک مصنفین اور اہل قلم کی طرف ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں میں نے ایک فہرست زندہ ترک مصنفین کی احمد مدحت آفندی صاحب اور بعض دیگر مصنفین کی مدد سے تیار کی کہ جنمیں سے نوجوان مصنف واخبار نویس ثنی شہرلی زادہ خالد ایوب نے سب سے زیادہ مدد دی تھی۔ چنانچہ اس فہرست میں مصنفین کے نام معہ ان کے مقدار تصانیف اور ان کی یورپین زبانوں کی واقفیت کی کیفیت لکھے درج ہیں۔ اس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسوقت بھی بہت سے مستعد ترک اہل علم تصنیف و تالیف کے میدان میں تک ودو میں مصروف ہیں۔

احمد مدحت آفندی - سرآمد ترک مصنفیں زمانہ حال نے تاریخ۔ فنا دینیات اور خصوصًا عیسائیوں کے رد میں ایک سو سے زیادہ کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ غیر زبانوں میں فارسی اور فرانسیسی بول سکتے ہیں۔ عربی بھی

بھی بات چیت کرسکتے ہیں۔ دیگر عربی کو غیر زبان نہ سمجھکر یہاں شمار نہیں کیا گیا) حیفظ حفظان صحت کے افسر اعلےٰ ہیں۔ عمر ۵۰ سال (چونکہ یہ فہرست ۱۹۰۰ء میں ترتیب کی گئی تھی۔ اسلئے تعداد تصانیف اور عمر سب اسی زمانہ تک اندازہ کیگئی ہے) انہوں نے اپنی تصنیفات سے مجھے یہ کتابیں ہدیہ دی ہیں۔ جولان۔ مدافعہ ۳ جلد۔ نزاع علم و دین۔ ۱ جلد۔ بشائر ۲ جلد۔ بشیر فواد۔ استیثار۔ ین تم۔ فاطمہ علیہ خانم۔ [1]

محمود اسعد آفندی:۔ تاریخ اسلام۔ قوانین ملکی۔ علوم طبعی۔ فقہ۔ علم کلام میں بیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی اور اٹالی زبانوں میں بات چیت کرسکتے ہیں۔ وزارت مال میں عہدہ حقوق مشاور (مشیر قانونی) اور دارالفنون اور ملکیہ اور حقوق مکتبوں میں پروفیسر ہیں۔ عمر ۴۵ سال۔ انہوں نے بھی اپنی متعدد تصنیفات مجھے دیں۔

صالح ذکی بک۔ ریاضی۔ علوم طبعیات پر کتابیں اور قاموس ریاضیات تعلیم کی ہیں۔ رصدخانہ میں مدیر۔ اور ملکیہ مکتب اور دارالفنون میں معلم۔ فرانسیسی بولتے ہیں۔ عمر تیس سال۔

شمس الدین سامی بک:۔ قاموس اور لغات کی قسم کی کئی ضخیم کتابیں مرتب کی ہیں۔ جنمیں قاموس الاعلام چھ جلد بہت عمدہ سائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کی وسعت معلومات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابراہیم کے نام کے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے لیکر زمانہ حال کے ابراہیم پاشا تک قریبًا پانچسو آدمیوں کے حالات درج کئے ہیں۔ ترکی سے فرانسیسی اور فرانسیسی سے ترکی میں علیحدہ لغات لکھی ہیں۔ اور عربی سے ترکی ہیں۔ اور سب سے آخر قاموس ترکی مکمل لکھی ہے تفتیش عسکری کمیشن میں باشی کاتب۔ فرانسیسی بولتے ہیں۔ عمر ۵۰ سال۔

---

[1] چنانچہ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی کارخانہ پیسہ اخبار میں شائع ہوگیا ہے جس میں زمانہ حال کی سب سے فاضلہ ترک خاتون کے حالات درج ہیں۔ اور فاطمہ علیہ احمد جودت آفندی کے شاگرد بھی ہیں۔

خالد ضیا بک (ادباسے ہیں) متعدد اخلاقی فسانے تصنیف اور ترجمہ کیے۔ ادارہ رڑی ہیں تحریرات ترکی کے مدیر ہیں۔ فرانسیسی انگریزی اور جرمنی کو لیتے ہیں۔ عمر چھپیں سال۔

موسلے کاظم آفندی:۔ علم کلام پر مضامین لکھے ہیں۔ مدرس ہیں۔ عمر ۴۵ سال۔ ان کے علاوہ اکرم بک (استاد) محمد جلال بک (شاعر) منخلی زادہ طاہر بک مصطفےٰ رشید بک اور خلیل ادیب بک مشہور ادبا میں شمار ہوتے ہیں۔

شعرا **توفیق فکرت بک**۔ مصور ثروت فنون کے ایڈیٹر۔ ہر ہفتہ اخبار میں ایک نظم لکھتے ہیں۔ ان کے رباب شکستہ نامی مارل اور نیچرل مضامین مشہور ہیں۔

عصمت بیلے:۔ بہت سی نیچرل اور غزل کے پیرایہ میں نظمیں کہیں۔ بالفعل ہفتہ وار رسالہ مصور ترقی کے ایڈیٹر ہیں۔ جنگ روم و یونان پر یادگار ظفر نامی کتاب تصنیف کی۔

فائق اسعد:۔ غزل اور ہر قسم کی نظم اچھی لکھتے ہیں۔

مختار بک:۔ سرعسکر کے صیغہ کے سکرٹری ہیں۔ مدائح خوب لکھتے ہیں۔

جناب شہاب الدین:۔ ثروت فنون کے لئے نظم لکھتے ہیں۔

شیخ وصفی آفندی:۔ تصوف کے رنگ میں شعر کہتے ہیں کئی تصانیف میں سے ایک جذبات کے نام سے مشہور ہے۔

نادر بے ابن کمال (اصل نام اکرم بے ہے) ان کا باپ ترکی لٹریچر کا ریفارمر اور مشہور ترکی مصنف تھا۔ خود بھی اہل کمال ہیں۔

ایڈیٹران اخبارات

توفیق بے سلانیک لی۔ ترجمان حقیقت کے چیف ایڈیٹر اور جنگی سرکاری گزٹ کے ایڈیٹر بڑے لائق شخص ہیں۔ اور پچیس سال سے اس خدمت پر مامور ہیں۔ عمر پیالیس سال۔ ساٹھ کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں۔ جنہیں سے ایک سرسری یہودی مشہور ہے۔ اور بارہ جلدیں

تاریخ پر ہیں۔
حسین جاہد بے :- ایڈیٹر ثروت فنون۔ خوب لکھتے ہیں۔ نوجوان عمر ہیں۔ لٹریچر پر بعض کتب کے مصنف ہیں۔
خالد ایوب بے :- نوجوان آدمی ہیں۔ دس ناولوں کے مصنف جنہیں ایک اسلام عنوان ہے۔ اور گوریلا اپچ ندہ (یعنے راہبوں کے بابیں) جیالوجی پر ایک کتاب "تجلی شما" کے نام سے لکھی ہے۔ اخبار ثروت کے ایڈیٹر۔ اور حقوق مشاورت کے دفتر میں اہلکار ہیں۔
عبداللہ زہدی بک :- صباح کے چیف ایڈیٹر۔ فسانے لکھتے ہیں۔
شناسی :- ایڈیٹر اقدام۔ مشہور شناسی کے صاحبزادہ ہیں جو کمال بے کی طرح ترکی لٹریچر کے ریفارمر گذرے ہیں۔
مصطفےٰ رفیق بے۔ ترجمان حقیقت کے ایڈیٹر مدحت آفندی کے بھتیجے ہیں۔ انگریزی فرانسیسی اور جرمنی خوب جانتے ہیں۔
محمد خالد بک :- ایڈیٹر صباح۔ فرانسیسی جانتے ہیں۔
احمد راسم بک۔ نہایت مشہور ایڈیٹر معلومات و ثروت۔
لطیف سروری بے۔ ایڈیٹر معلومات و ثروت۔ فارسی بھی جانتے ہیں قابل آدمی ہیں۔
علی کمال بے :- بہت اچھا لکھنے والے ہیں (اندنوں بغرض تعلیم قانون پیرس میں ہیں)
احمد جودت بک۔ مالک اخبار اقدام۔ فرنچ و جرمن جانتے ہیں۔ خوب لکھتے ہیں۔ محکمہ پولیس کے عہدہ دار بھی ہیں۔
محمد جودت بک :- مالک و ایڈیٹر ترجمان حقیقت۔ سوسائٹی کے ایک حصہ کے مدیر بھی ہیں۔

متفرق اہل علم	ولد چلپی۔ مولوی (منتقدین مولانا روم سے) ہیں۔ عمدہ ترکی

لکھے ہیں۔
نجیب عاصم مشہور مستشرق ہیں۔ ترکی زبان کی فلالوجی کے ماہر ہیں۔ فرانسیسی لکچرہیں
عبدالرحمن بے شرف ۔ مدیر مکتب سلطانی۔ تاریخ وجغرافیہ پر کتابیں لکھی ہیں۔
ابوضیا توفیق ۔ مصنف ہیں۔
علی نظیم بک ۔ پیداغوج دفن تعلیم کے ماہر ہیں کئی کتابیں لکھی ہیں اور ترجمہ کی ہیں
خواجہ اسمعیل آفندی ۔ مترجم وشارح رسالہ الحمیدیہ۔
ذہنی آفندی ۔ حکایات نفیس اور معلم۔

مصنف بیگمات فاطمہ علیہ خانم۔ زمانہ حال میں سب سے عالمہ ترک خاتون ہیں ان کے استاد مدحت افندی صاحب نے ان کے حالات تعلیم و زندگی پر ایک رسالہ قلمبند کیا تھا۔ جو کارخانہ پیسہ اخبار میں ترکی سے اردو میں ترجمہ ہو کر چھپ چکا ہے۔ یہ فرانسیسی زبان اور علوم جدیدہ میں بخوبی ماہر ہیں۔ اور ترکی بیگمات پر جو اعتراض یورپین اخبار نویسوں نے کئے ہیں۔ ان کی انہوں نے خوب تردید کی ہے۔ باقی مصنف اور اہل علم بیگمات کے نام کسی دوسری جگہ درج ہیں۔

مطبع عثمانیہ باب عالی کی طرف سے صرف ایک مطبع عثمانیہ کو اجازت ہے کہ وہ قرآن مجید صحت سے چھاپے اور شائع کرے۔ قلمرو ئے عثمانی کے اندر اور کسی مطبع کو قرآن چھاپنے کی اجازت نہیں۔ وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ روس نے ایک دفعہ ایک ایسا قرآن مجید چھاپا تھا۔ کہ جس میں سے جہاد کے متعلق تمام آیات خارج کر دی گئی تھیں۔ ماسوائے اسکے کئی عیسائی مشنوں کے مطابع سے قرآن مجید کے چھاپنے میں بہت خیانت کا اندیشہ ہے۔ اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ اگر سلطنت صرف ایک مطبع کو یہ اجارہ دیدے جہانتک مجھے یاد ہے۔ سلطنت برطانیہ کے اندر انجیلیں اور بائیبلیں چھاپنے کا حق صرف آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کو حاصل ہے۔ غرض اگر اندرون جدود

سلطنت کوئی قرآن ایسا مل جائے کہ جسپر مطبع عثمانیہ کی مُہر نہ ہو تو اُسے پولیس ضبط کر لیتی ہے ۔ اسمیں شک نہیں کہ اس مطبع سے قرآن مجید بہت صحت اور خوبصورتی سے شائع ہوتے ہیں ۔ میں نے بھی روانگی کے وقت یہاں سے تین کلام اللہ خرید کئے تھے ۔ ایک سجاوندی سطلا مُصحف ۱۰ غرش (۱۰ روپیہ) کو ۔ دوسرا آیت بر کنار مشہور خطاط عثمان کے قرآن کی نقل بذریعہ عمل عکس ۱۰ غرش ۔ اور تیسرا لشکر زادہ مشہور کاتب کا ۵ غرش کو ۔

شرکت صحافیہ ایک اور نامور مطبع شرکت صحافیہ ایرانیہ کے نام سے والدہ خان کے اندر واقعہ ہے ۔ اسمیں شرائع اسلامیہ پر اور خصوصاً عربی فارسی کی بڑی بڑی کتابیں طبع ہوتی ہیں ۔ یہ مطبع ایرانیوں کے مشترکہ سرمایہ سے معقول پیمانہ پر جاری ہے ۔

کتب فروش گو مشرقی زبانوں کی کتابیں شہر استنبول میں کئی جگہ بکتی ہیں مگر دو بازار ان کے لئے مخصوص ہیں ۔ چار شو کبیر سے قریب جو بازار صحافی ہے وہاں ایک تاجر کتب ابن ہاشم الکتبی بجوار جامع بایزید سے میں نے کچھ کتابیں لیں ۔ اُس نے حافظ عبد الرحمن صاحب سیاح امرتسری اور شیخ نور الدین صاحب مولف کتب مصریہ کا نپور کے خطوط مجھے دکھلائے کہ وہ بھی اس سے کتابیں خریدتے ہیں ۔ اور بتلایا کہ میرے ایک بھائی عمر ہاشم الکتبی کی دوکان کتب مصر میں جامع ازہر کے جوار میں ہے ۔ اور دوسرے محمد ہاشم الکتبی کی شام میں بجوار جامع اموی ہے ۔ اسی سے معلوم ہوا کہ جو کتابیں ممالک مصر و ہند سے استنبول میں آتی ہیں ان پر آٹھ فیصدی محصول چونگی لیا جاتا ہے ۔ اور جو یہاں سے مصر یا ہند کو جاتی ہیں ۔ ان پر بھی ایک فیصدی محصول لیا جاتا ہے ۔

غلاطہ و پیرا کی طرف جو یورپین حصہ شہر کا ہے ۔ اسمیں ہر قسم کی یورپین کتابیں بکتی ہیں ۔ چنانچہ ایک دوکان کا پتہ یہ ہے Lorentz & Kez Z

457, Grand Rue Pera, Constantinople,

اسی طرح فوٹوگراف ایک کارخانہ Abdullah Freres, 452 Grand Rue Pera. Constantinople. سے ملتے ہیں۔

قلمی کتب خانے دنیا کے اسلامی شہروں میں شاید قسطنطنیہ ہی ایک ایسا شہر ہے کہ جسمیں سنتالیس کتب خانے قلمی کتابوں کے اسوقت موجود ہیں۔ ان میں سے بعض ہرچند کہ بلحاظ تعداد کتب کے بہت ہی چھوٹے ہیں۔ جیسے کہ کتب خانہ امیر خواجہ کمانکش (۱۳ کتب) کتب خانہ حکیم اوغلی جامع شریفی (۱۹ کتب) الحاج مصطفے افندی (۱۷۶ کتب) البشیر آغا (۲۰۰ کتب) لیکن بعض میں بڑے بڑے ذخیرے بھی ہیں مثل کتب خانہ جامع آیا صوفیہ (۵۳۰۷ کتب) لالی (۳۸۶۴) عاطف افندی (۲۸۵۷) کتب خانہ عمومی بجوار جامع بایزید (۴۸۰۵) ولی الدین افندی (۳۲۴۸) عاشر افندی (۲۲۶۴) کوپریلی زادہ محمد پاشا (۱۳۱۸) اسعد افندی نقیب الاشراف (۳۳۴۹) کتب خانہ حمیدیہ (۲۲۵۲) نور عثمانیہ (۵۰۵۳ کتب) کتب خانہ فاتح (۳۰۴۶ کتب) وغیرہ ظاہرا آٹھ ہزار یا پانچہزار یا تین یا دو ہزار کتابیں جو ان میں بڑے سے بڑے کتب خانوں میں ہیں وہ بمقابلہ یورپ کے بڑے بڑے کتب خانوں کے بہت حقیر معلوم ہوتے ہیں کہ جنمیں لاکھوں جلدوں کی تعداد موجود ہے۔ لیکن یورپ کے کتب خانوں میں بھی ایسی قلمی خوشخط قدیم نایاب کتابیں اسقدر نہوں گی کہ جتنی قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں باوجود زمانہ حال کے بے ترتیبی اور بے سروسامانی کے موجود ہیں۔ کیونکہ ان کل کتب خانوں کی مجموعی تعداد اکہتر ہزار سے متجاوز ہے۔ لیکن ان کتابوں کی قدامت کمیابی خوشخطی اور صحت کے مقابلہ میں ان کے یہ تعداد بہت بڑی ہے۔ ان میں بہت سی بے نظیر فقید المثال نسخے قدیم عربی کتب تاریخ فلسفہ ادب ریاضی طب حکمت تصوف تفسیر وحدیث اور فقہ وعلوم وفنون کے لیے ہیں کہ جنکو دوسرے نسخے کہیں موجود نہیں اس سے قدیم ترکوں کے علم دوستی اور کتابوں کی محبت کا پتہ ملتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل لیسے بے بہا جواہر کی طرف لوگوں کو کچھ توجہ نہیں۔ تھوڑے بہت

لوگ جو ان کتب خانوں میں مطالعہ کے لئے آتے ہیں وہ معمولی متبذل درسی کتابیں پڑھکر چلے جاتے ہیں۔ گو ان کتب خانوں کے واقفوں نے انکے اخراجات کا انتظام کر دیا ہوا ہے۔ مگر بعض کے ساتھ ایسے مختصر وقف ہیں جیسے کہ تعداد ان کی کتابوں کی ہے۔ ان کے لئے الماریوں تک میسر نہیں ہو سکتیں۔ چبوتروں پر کتابیں پڑی ہیں۔ بہتر ہے کہ سلطان المعظم کہ جنہوں نے خود کتب خانہ حمیدی کے وقف سے کتب خانوں سے ہمدردی اور محبت کا ثبوت دیا ہے۔ مصر کے خدیوی کتب خانہ کی طرح ان سب کتب خانوں کو ایک جگہ جمع کر دیں۔ اس سے وقف کی غرض میں کوئی نقص نہیں آسکتا۔ بلکہ ایک شخص جو ایک کتب خانہ کی کتابیں پڑھنے کو جائیگا وہ سب کی کتابوں کے دیکھنے کے قابل ہو سکیگا اور سب کی فہرست یکجائی بھی مصر کے کتب خانہ خدیوی کی طرح بہت عمدہ ریفرینس کی کتاب بنجائے گی۔

ان کتب خانوں کی تاریخ تاسیس

گو ان میں سے بعض کتب خانوں کی تاریخ تاسیس معلوم نہیں ہو سکتی۔ تاہم جن کی تاریخیں معلوم ہیں ان میں سے کوئی سنہ ۹۰۰ ہجری سے پہلے قایم نہیں ہوا۔ جیسے کتب خانہ اسمی خان سلطان سنہ ۹۰۰ھ میں۔ امیر خواجہ کمانکش سنہ ۱۰۹۹ھ میں۔ حمیدیہ سنہ ۱۱۹۴ھ میں۔ ینی جامع سنہ ۱۱۳۲ھ میں۔ نور عثمانیہ سنہ ۱۱۶۹ھ میں۔ مہرشاہ سلطان سنہ ۱۱۹۸ھ میں۔ جورلیلی علی پاشا سنہ ۱۱۲۰ھ میں۔ سلطان فاتح سنہ ۱۱۵۵ھ۔ بلکہ زیادہ تعداد ان کتب خانوں کی ہے۔ جو تیرہویں صدی کے وسط میں قایم ہوئے ہیں۔ اس سے تعجب ہوتا ہے کہ یہ زمانہ تو ترکوں میں شان و شوکت یا علمی ترقی کا عہد نہیں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جن کے یہاں بیش قیمت مجموعے ہوں گے۔ انہوں نے ان کی سلامتی اسی میں سمجھی ہوگی کہ بجائے ذاتی حفاظت کے انہیں قومی حفاظت میں سونپ دیا جائے۔ کاش ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی یہ خیال سرایت کر جائے۔ اور وہ اپنی قلمی کتابوں کو ملک کے دو چار بڑے بڑے مرکزوں میں جمع کر کے قوم کے سپرد کر دیں تو ایک لاکھ قلمی کتابیں

کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں - کہ جو دوسری صورت میں یا کیڑے سے کھا جائیگی اور یا تا خلف انہیں ردی میں بیچڈالینگے یہاں بعض کتب خانوں کے دروازوں پر "فیھا کتب قیمۃ" لکھا ہوا نظر پڑتا ہے -

ترک مشاہیر سے ملاقاتیں اور ان کی رائیں

سید عبد الغفار صاحب سید عبد الغفار صاحب کہ جنکا ذکر پہلے بھی آچکا ہے - دراصل ہندوستانی نہیں بلکہ حضرات خطہ کشمیر سے ایک بے نظیر بشر ہیں - جب اخبار میں انہوں نے میرے یہاں پہنچنے کی خبر دیکھی تو ہوٹل میں آکر مجھ سے ملے - اور چند روز بعد تقاضا کرنے لگے کہ بجائے ہوٹل میں رہنے کے میں ان کے مکان پر چلکر رہوں - باوجود کئی دفعہ تک انکار کرنے کے ان کا اصرار غالب آیا چنانچہ میں ہوٹل سے اٹھکر ان کے مکان میں دو ہفتہ تک مہمان رہا - اور مجھے اس بات پر ناز ہے کہ میرے ہموطن کیسے با اخلاق اور مہمان نواز ہوتے ہیں - سید عبد الغفار صاحب جنہیں ان کے دوست غفار آفندی کہتے ہیں - اور جو کہ یہاں دوستوں کا ایک بڑا وسیع حلقہ اور اکثر معزز اور بار سوخ لوگوں تک رسائی اور دوستی رکھتے ہیں پچیس سال سے انہوں نے یہاں کا توطن اختیار کیا ہوا ہے - اور یہیں شادی بھی کی ہے - انہوں نے اپنا کام چھوڑ کر مجھے قابل دید مقامات کارخانے اور دفاتر سرکاری دکھلائے ہیں اور کئی ملاقات کے قابل آدمیوں سے ملایا ہے جن میں شیخ سید ابو الہدیٰ صاحب سفیر سلطانی احمد مدحت آفندی نامور ترک مصنف وغیرہ حضرات تھے -

شیخ سید ابو الہدیٰ صاحب شیخ سید ابو الہدیٰ صاحب حضرت سلطان المعظم کے بہت بڑے معتمد الیہ اور یہاں کے اول درجے کے حضرات میں سے ہیں بلکہ بعض دیگر بعید ذات سلطانی کے بلحاظ رسوخ اور منزلت کے یہ دوسرے شخص ہیں - میرے رفیق جب ان سے ملاقات کا وقت مقرر کہہ چکے

تو میں یکشنبہ کے روز ان سے ملنے گیا۔ قصر یلدز کے متصل بکلاسی کی حدود کے اندر شیخ ظافر شاذلی کے تکیہ کے پاس سے گذر کر ہم ان کے محلات پر پہنچے جو عین کنارہ دریا پر واقع ہیں۔ چنانچہ ان کے مکان کی ایک سقف ہے کہ جہاں انہوں نے مجھ سے ملاقات کی باسفورس کے نیلگوں پانی اور اس میں سٹیمروں کے چلنے کا دلفریب نظارہ کبھی بھولنے کے قابل نہیں۔ کہ جو قصر یلدز کی حفاظت کیلئے یہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ان کے مکان کے اندر مہمانوں اور مسافروں کے قیام اور آرام کے لئے کئی مکانات ہیں۔ حلقہ درویشاں کے لئے تکیہ اور مسجد اور صحن میں ایک خوشنما باغ ہے۔ شیخ ابوالہدیٰ صاحب کا وطن شام ہے بیس سال کے قریب عمر میں علوم دینی کی تعلیم سے فارغ ہو کر قسطنطنیہ میں پہنچے اور اسی زمانے میں انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی۔ جو سلطان عبدالعزیز مرحوم نے نہایت پسند کی اور انہیں حلب کا قاضی مقرر کر کے بھیجدیا۔ یہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ہر علم (جس سے ان کی مراد علوم اسلامیہ سے ہے) کی شاخ میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اور میری تصنیفات پورے دو سو کے قریب عربی زبان میں ہیں جن میں اکثر طبع اور نشر ہو چکی ہیں۔ لیکن سلطان عبدالحمید خاں ثانی نے تخت پر متمکن ہونے کے بعد انہیں اپنے پاس بلا کر مشیران خاص میں شامل کر لیا اور تب سے یہ نہایت معتمد الیہ ہیں شیخ صاحب بڑے قوی ہیکل۔ دراز قامت اور وجیہ آدمی ہیں۔ بال زیادہ سفید ہیں۔ اطلاع دینے کے بعد آدھ گھنٹہ انتظار کرنے پر ایک خادم خبر لایا کہ شیخ صاحب حرم سرا سے صرف ہماری ملاقات کے لئے برآمد ہوئے ہیں۔ اور ہم ان کے پاس لے گئے۔ شیخ صاحب کھڑے ہوئے تھے۔ میرے رفیق نے مصافحہ کر کے ان کے ہاتھ چومے پھر میں نے مصافحہ کیا۔ شیخ صاحب نے ہمیں ایک ایک سبز پتہ ایک پودے کا جو پاس ہی گملے میں سے توڑ کر رکھا ہوا تھا۔ دیا۔ جب میرے رفیق نے رسمی طور پر میری ان کی خدمت میں شناسائی کرا دی تو شیخ صاحب نے عربی زبان میں مجھ سے خطاب کرنا شروع کیا۔

ہر چند کہ شیخ سید ابوالہدٰے صاحب بڑے فاضل جید بڑے معتمدالیہ مشیر سلطانی اور بڑے شیخ طریقت ہیں۔ لیکن بدنصیبی سے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اسلام

دو اعلےٰ درجہ کے شیوخ اور مقربین سلطانی میں نقیض

کی بدنصیبی ہے ان کے اور ایک دوسرے پیر طریقت کے مابین کہ جنکا نام شیخ ظافر ہے اور وہ بھی حضرت سلطان کے مرشد ہیں۔ کچھ نقیض ہے۔ جسکی وجہ سوائے اسکے کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ مقدم الذکر شیخ صاحب کو ذات شاہانہ کے حضور میں بہت کچھ رسوخ حاصل ہے یہاں بطور جملہ معترضہ شیخ ظافر صاحب کی مختصر کیفیت بھی درج کرنے کے لائق ہے مشہور ہے کہ جبکہ ابھی سلطان المعظم عالم شہزادگی میں تھے۔ اور سلطان عبدالعزیز سلطان وقت تھے۔ تو شیخ ظافر نے جو مکہ مکرمہ میں اپنے مرشد کے پاس رہتے تھے قسطنطنیہ میں آکر شہزادہ عبدالحمید خان کے پاس پہنچکر انہیں کہا کہ مجھے رسول اللہ نے خواب میں یہ بشارت دی ہے کہ آپ کی سلطنت میں بڑے انقلابات ہونیوالے ہیں۔ اور آخر آپ سلطان بن جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں اسوقت اپنے وظیفہ میں سے ایکہزار قرش ماہوار تمہارا وظیفہ مقرر کرتا ہوں۔ اگر تمہاری بات درست نکلی تو دیکھا جائیگا۔ چنانچہ جب اس خواب کا ایک حصہ درست نکلا تو سلطان نے شیخ ظافر سے بیعت کر لی اور اب یلدز سرائے کے قریب انہیں ایک تکیہ دیا ہوا ہے اور وہ بیسہزار قرش وظیفہ پاتے ہیں۔ اور شاذلی گروہ کے شیخ ہیں۔ سال گذشتہ میں خیال کیا جاتا ہے کہ انہیں شیخ ظافر صاحب کی تحریک سے ایک شخص نے ایک رسالہ بنام المسامیر بطور ایک ڈراما کے لکھکر مصر کے اخبار المؤید کے مطبع میں چھپوایا تھا جسمیں شیخ ابوالہدٰے صاحب کی بہت توہین کیگئی تھی۔ اور سفیہانہ ذاتی حملے ایسے عالیجاہ اور فاضل شخص پر کئے گئے تھے۔ چنانچہ اخبارات عربی اور اردو میں بھی اسکا چرچا ہوا تھا۔ شیخ صاحب نے مجھے اخبار نویس سمجھکر پہلے اسی واقعہ کے متعلق گفتگو شروع کی۔ پہلے فرمایا کہ دنیا میں جہالت اور فتنہ زندقہ اور الحاد اور کفر کی تاریکی کا زور ہے۔ اور دینداری اور نیکی اور شکر و احسان کی کسادبازاری ہے

شیخ صاحب عربی کیسی فصاحت اور روانی سے بولتے تھے۔ اور بات بات پر قرآن و حدیث سے استناد کرتے جاتے تھے۔ اور گفتگو کے درمیانی وقفوں میں ہر وقت درود اور تسبیح و تہلیل پڑھتے جاتے تھے۔ آپنے اس رسالہ کی تصنیف کے متعلق کہا کہ شیخ ظافر کا دادا یہودی تھا۔ تاریخ مکہ میں جو حال میں طبع ہوئی ہے اسکا ذکر درج ہے۔ پھر کہا کہ وہ جاہل اور بے تمیز ہے جو مجھسے حسد کرتا ہے۔ سلطان المعظم نے جو تکیہ اُسنے ذکر حق کے لئے بنا دیا ہے اُسمیں اُسنے میرے خلاف ایک شخص کو چند روپے دیکر ایک رسالہ لکھوا دیا۔ اور یہ ایک معجزہ ہے کہ کاتب تو درد پہلو سے جلدی ہی مرگیا۔ اس رسالہ کی پانچہزار جلدیں تقسیم کرنے کے لئے ایک شخص دنٹ پر بار کرکے طرابلس میں لیجا رہا تھا۔ اُسے ایک شخص نے راستہ میں مار ڈالا اور تمام جلدوں کو آگ لگا دی۔ ایک اور شخص جمال الدین افغانی جو دہریہ اور بے دین تھا اور اس مشورہ میں شریک تھا۔ اسکی زبان پر سرطان ہوا۔ اُسکا جبڑا چیر اگیا۔ اور اسکا کا بھی نکال ڈالا گیا۔ اور وہ اس عذاب سے مرا۔ ایک اور شخص محمد فاضل پاشا ساکن مالابار ہندوستان کہ جسپر مینے بہت احسان کیئے۔ اور اسکی سفارش کی اور اُسے عزت دلوائی۔ مگر وہ بھی میرے خلاف مشوروں میں شریک ہوتا ہے۔ سب لوگ اسکی مخالفت پر ہنستے ہیں اور اسکا اثر صرف بازاری لوگوں پر ہوتا ہے۔ میرا تو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ مجھے یہ قصہ سنکر صدمہ ہوا کہ مسلمان کہیں بھی مسلمان نہیں رہے۔ ؎ بہر زمین کہ رسیدیم آسمان پیداست۔ پھر شیخ صاحب نے اپنی نسبت فرمایا کہ تئیس سال کی بات ہے کہ جبکہ میں نوجوان تھا۔ اور ابھی ریش درپروت کا آغاز تھا۔ تو مینے ایک کتاب عربی میں تصنیف کی۔ اور وہ جب سلطان عبد العزیز مرحوم کیخدمت میں پیش ہوئی تو انہوں نے میری عمر کے لحاظ سے میری کتاب کو نہایت پسند کیا۔ اور مجھے علما میں ایک بڑا امتیاز دیدیا۔ اب پچیس سال سے حضرت سلطان ایدالله سلطانہ نے مجھے اپنی خدمت میں بلوایا ہوا ہے۔ مینے ہر علم و فن

شیخ صاحب کی تصانیف

ہیں ایک سو ستر کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جنہیں سے آٹھ دس عربی کتابیں رخصت ہونے کے وقت مجھے بھی عطا کیں۔ جو زیادہ تر تصوف اور طریقہ شاذلیہ کے متعلق ہیں کہ جسکے شیخ صاحب فی زمانہ شیخ الکل ہیں۔ ان میں ایک دیوان نعت اور ایک شرح حزب البحر بھی تھی۔ ہندوستان کے ذکر پر پھر کہا کہ ہندوستان کے ایک اخبار نے مجھے بڑا کہا ہے لکھا ہے کہ میں استانبول میں ہوں اور وہ ہند میں ہے۔ نہ اُسنے مجھے دیکھا ہے اور نہ اسکے پاس کوئی شہادت ہے جیسی کہ شریعت یا قانون طلب کرتا ہے۔ اور وہ بہتان باندھنے سے نہیں ڈرا۔

مسلمانوں کی حالت پر تمثیل فرمایا کہ مسلمانوں کی حالت اسوقت بہت زار ہے کیونکہ وہ مسلمان نہیں رہے۔ ایک قصہ سنایا کہ ایک دولتمند شخص عنین تہا۔ اسکے یہاں ایک لونڈی تھی۔ لونڈی نے اس شخص کو کہا کہ تمکو خدا نے دولت اور حشمت دی ہے اور اولاد نہیں دی۔ تم مجھسے صحبت کرو کہ تمہیں اولاد ملجائے۔ اُسنے کل کا وعدہ کیا۔ اور پھر کل کو کل کا وعدہ کیا اسی طرح بار بار کرتا رہا۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ دنیا میں یہ بڑی کثرت سے ہیں کہ دیکھنے والے ان کی تعداد سے گھبرا تے ہیں۔ لیکن دراصل یہ عنین کے مانند ہیں کہ ان میں کوئی صلاحیت نہیں۔ اور اور کئی امور پر ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں۔ اتنے میں ان کے صاحبزادہ حسن بے بھی آگئے۔ جنہوں نے تین مرتبہ اپنے باپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور پھر اسی ہاتھ کو سر اور آنکھوں پر لگایا اور بیٹھ گئے۔ یہ صاحب سلطنت میں ایک اعلے عہدہ پر مامور ہیں۔ جو صرف درجہ وزارت سے نیچے ہے۔ فرنچ جانتے ہیں اور بڑے با اخلاق و مروت ہیں۔ رخصت کے وقت شیخ ابو الہدے صاحب نے فرمایا کہ بیوک آدہ (جزیرہ) بہت پر فضا جگہ ہے۔ وہاں ایک دو شب میرے مخدوم[۱] (بیٹے کو کہتے ہیں) کے گھر میں جاکر ٹھیرو۔ ہم نے منظور کیا۔ اور ایک روز مقرر کرکے رخصت ہوئے۔

[۱] ترک مخدوم بیٹے کو اور کریمہ بیٹی کو کہتے ہیں۔

شیخ ابوالہدےٰ صاحب سے ایک دوسری ملاقات

ایک روز پھر آپ کی خدمت میں ملاقات کیلئے گئے تو ہمارے ساتھ دو مصر کے اخبار نویس بھی چلے گئے۔ جو یورپین لباس اور ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ انہیں شیخ صاحب یوں گھنٹہ تک زمانہ موجودہ کے انصاف کے مقابلہ میں حضرت عمر کے انصاف اور عدالت کے قصّے بتلاتے رہے۔ جب یہ شخص جانے لگے تو انہوں نے تین تین مرتبہ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور آنے کے وقت بھی تین تین مرتبہ ان کے دامن عبا کو چوما تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ مسلمان تھے یا عیسائی تو شیخ صاحب نے جواب دیا کہ میرے سامنے تو انہوں نے کلمہ پڑھا اور مجھے بتلایا کہ مسلمان ہیں اور میں نے ان کی بات پر اعتبار کیا اور اسکی تردید کی ضرورت نہ سمجھی۔ ورنہ یہ مسلمان نہیں معلوم ہوتے اتنے میں ایک نوکر ان کی پوتی کو اٹھا کر لایا تو کہنے لگے کہ اس کے ماں اور باپ دونوں خالص یعنی نجیب الطرفین سیّد ہیں۔ میرے رفیق نے چاہا کہ والی بیروت کے نام مجھے ایک معرفت کا خط لکھدیں تو کہا کہ اگر ایسا کروں تو وہ کچھ اور مانگنے کو میرے سر پر سوار ہو جائیگا۔ البتہ کسی اور شخص کے نام چٹھی کل لکھ رکھونگا۔ چنانچہ ایک خط بیروت اور ایک دمشق کے لئے لکھکر مجھے بھیجدیئے۔

چونکہ شیخ صاحب موصوف سلطنت عثمانیہ کے ایک نہایت ممتاز شخص ہیں اور بعض اوقات یورپین اخبارات میں بھی ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت سلطان المعظم ان کے مشوروں پر کاربند ہوتے ہیں اسلئے میں نے ان سے جو گفتگو ہوئی ہے اُسے ملخصًا درج کر دینا مناسب سمجھا۔

عجیب داستان

شیخ سید ابوالہدےٰ صاحب کو حضور سلطانی میں کس طرح اسقدر رسوخ حاصل ہوا۔ انکی نسبت جو داستان قسطنطنیہ میں مشہور ہے وہ ان کے ایک مرید نے مجھے اس طرح بتلائی۔ کہ شروع میں جبکہ سلطان حال تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو شیخ ابوالہدےٰ کو حلب کا شیخ الاسلام بنا کر بھیجدیا۔ لیکن ایک روز خواب میں دیکھا کہ سلطان ایک کشتی میں سوار ہیں۔ اور کشتی طوفان میں پھنس گئی ہے۔ اور قریب ہے

کہ غرق ہو جائے۔ کہ غیب سے ایک ہاتھ نے آکر کشتی کو تھام کر کنارہ پر لگا دیا ہے اور دیکھا تو وہ شیخ ابوالہدیٰ کا ہاتھ تھا۔ چنانچہ سلطان المعظم نے اسی وقت سے انہیں بلا کر اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

بیوک آدہ کی سیر بیوک آدہ (یعنے جزیرہ کلان) ایک جزیرہ بحیرہ مارمورا میں قسطنطنیہ سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اسکا یورپین نام ٹرن کیپٹو ہے۔ اور پرنسیز آئلینڈس (جزائر شہزادگاں) میں یہ سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ ترکی زبان میں بڑے جزیرہ کو بیوک آدہ کہتے ہیں۔ پرنسیز آئلینڈس نو جزائر کا مجموعہ ہے کہ جنمیں سے بعض بالکل غیر آباد ہیں۔ اور بعض جو آباد ہیں اُن میں سے جزیرہ ہلکی پر دوسری آبادی کے علاوہ سلطانی بحری کالج واقع ہے۔ بیوک آدہ نہایت پر فضا نزہت گاہ ہے۔ قدیم زمانہ میں معزول بادشاہوں یا تکلیف دہ شاہزادوں کو ان جزائر میں جلا وطن کر دیتے تھے۔ اسلئے ان کا یہ نام ہوگیا۔ آجکل تمام یورپین سیاح۔ اور قسطنطنیہ کے آسودہ حال لوگ سیر و تفریح کے لئے یہاں آتے ہیں اور یہاں کے دلکش منظر اور صحت بخش آب و ہوا سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ترک خوبصورت منظروں اور تفریح گاہوں کے بڑے شایق ہیں اور قسطنطنیہ کے گرد و پیش بہت سے دلکش سبزہ زار مثل کاغذ خانہ (ترکی تلفظ کیاغت خانہ) وغیرہ کے اسی کام کے لئے مخصوص ہیں۔ سید ابوالہدیٰ صاحب کی دعوت کے مطابق ہم ایک سپر کو پل غلاطہ سے سٹیمر پر سوار ہو کر بیوک آدہ کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں باسفورس کا نظارہ نہایت دلفریب تھا۔ باسفورس کے کناروں کی آبادیاں دور تک نظر آتی رہتی ہیں۔ راستہ میں ہیبہ لی دہلکی اسکے عسکری کالج کی عمارات کنار بحر پر دیکھیں۔ عین ساتھ ایک مسجد بھی تھی۔ اور بہت سے طالب علم ورزش اور قواعد میں مصروف تھے۔ مگر افسوس کہ یہاں اتر کر اس کالج کو دیکھ نہ سکے۔ میزبان صاحب کے عالیشان مکان پر پہنچے جو بالکل یورپین طرز کا بنا ہوا تھا۔ شام کو کھانا میز پر آیا تو وہ بھی یورپین طریق پر تھا۔ جو چھری کانٹے سے کھایا گیا۔ اور اسکے متعدد کورس آئے۔ چپت

پر بعض تصاویر تھیں اور دیواروں پر صاحب خانہ اور ان کے بعض اعزا کی تصاویر تھیں۔ عموماً بجائے تصاویر کے یہاں مکانات خوشخط قطعات سے سجائے جاتے ہیں۔

زمین پر سونا مگر سونے کے وقت زمین پر بجائے چار پائوں کے ہر شخص کے لئے وہی موٹے ہوئے گدیلے بچھائے گئے۔ اور بستروں کے ساتھ مہمانوں کو ایک ایک انتری اور ایک ایک جوڑہ سلیپر بھی دیا گیا۔ مگر رات کو کھٹملوں نے بہت ستایا جو ایسی نفیس جگہوں پر بھی یورش کرتے ہیں۔ صبح گاڑی لیکر ہمنے جزیرہ کی گرد چکر لگایا۔ نہایت دلکش جگہ ہے۔ اور جی یہاں سے نکلنے کو نہیں چاہتا۔ پہلے یہاں سب عیسائی (یونانی) رہتے تھے۔ اب صرف آٹھ دس سال سے ترکوں کی آنکھیں کھلی ہیں۔ کہ یہاں کی زندگی پر لطف ہے۔ اور وہ مکان خرید کر یہاں آباد ہوتے جاتے ہیں۔ دن بھر شہر میں رہتے ہیں اور شام کو یہاں چلے آتے ہیں۔ ایک ریسٹوران میں قسطنطنیہ کی بہت سی یونانی عورتیں قہوہ پی رہی تھیں۔ صبح کا وقت۔ سمندر کا کنارہ۔ ایک عیسائی عورت اور مرد ناچ رہے تھے۔ ایک شخص باجا بجا رہا تھا جس سے نہایت دلکش سین پیدا ہوگیا تھا۔ ؎

آدمی نیست کہ عاشق نشود فصل بہار
ہر گیا ہے کہ بنو روز نروید حطب ست

میرے دونوں دوست سید عبدالغفار و احمد حسن بیلے صاحب حاکم غلطہ بھی تلخ قہوہ سے شاد کام ہوئے۔ مگر میں محروم رہا۔ قسطنطنیہ سے آتے ہوئے سٹیمر کا کرایہ پانچ غروش دیا تھا۔ مگر جاتے ہوئے۔ دس بارہ کم لگے۔ جسکی وجہ یہ معلوم ہوئی۔ کہ حکومت کیطرف سے شہر سے تفریح کے لئے باہر جانیوالوں پر دو پیسے اسلئے زیادہ لئے جاتے ہیں کہ ان سے ایک خستہ خانہ (ہسپتال) کے فنڈ میں مدد ملتی ہے۔ اسطرح رحمدل ترک اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی امداد کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں۔

سب سے بڑا زندہ ترک مصنف ان چند ترک اہل الرائے سے۔ جن سے میں یہاں ملا ہوں ہز ایکسلنسی احمد مدحت صاحب نہایت سربرآوردہ بزرگ ہیں۔ یہ بہت بڑے

مصنف فسانہ نگار۔ اخبار نویس اور مذہبی مباحثہ کی کتابیں لکھنے والے ہیں۔ اس ملک میں سرکاری ملازمت کے لئے اخبار نویسی مانع نہیں ہے۔ اسوقت بھی احمد جودت صاحب چیف ایڈیٹر و مالک اخبار اقدام پولیس میں افسر ہیں۔ اسی طرح احمد مدحت صاحب باوجود سرکاری ملازم ہونے کے اخبار نویس بھی تھے۔ چنانچہ یہاں کے سب سے پرانے اخبار ترجمان حقیقت کے یہ مالک و ایڈیٹر تھے۔ جو اب ان کے چھوٹے بھائی محمد جودت صاحب کی ایڈیٹری میں نکلتا ہے۔ احمد مدحت صاحب کو تیس سال پہلے عیسائی مذہب کی تردید میں کتابیں لکھنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ ان کے مذہبی خیالات بالکل ہندوستان کے سر سید احمد خان مرحوم کے خیالات کی طرح آزاد ہیں۔ خصوصاً معجزات اور خرق العادت باتوں کی تفسیر کے متعلق۔ اسلئے انہیں یہاں کا نیچری کہنا چاہیے۔ اور انکا خیال ہے کہ مثنوی مولانا روم قرآن مجید کی بہت اچھی تفسیر ہے لیکن جب میں نے سر سید مرحوم کا ان سے ذکر کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس بزرگ کا آجتک نام بھی نہیں سنا۔ اور ان کی تصنیفات دیکھنے کا شوق ظاہر کیا مگر بوجہ اردو زبان سے ناواقف ہونے کے افسوس کیا۔ یہ فارسی۔ عربی اور فرانسیسی بہت عمدہ جانتے ہیں۔ چنانچہ اپنی آخری تصنیف کا مسودہ مجھے دکھلایا۔ جو ترکی زبان میں نہایت فصیح ہے۔ لیکن یہ اس کو فرانسیسی میں بھی ترجمہ کر رہے ہیں۔ ان کے بہادری چہرہ پر ان کا لمبا بلکہ چوڑا داڑھا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ان سے ملاقات کے وقت میرے ایک رفیق نے مجھ سے کہا کہ جسقدر فرانسیسی لوگوں میں وکٹر ہیوگو مشہور ہو گذرا ہے۔ اتنا ہی ترکوں میں احمد مدحت مشہور مصنف ہے۔ اور یورپ میں بھی بہت شہرت رکھتا ہے۔ بہرحال تین چار ملاقاتوں کے دوران میں مجھے ان صاحب سے بہت سی ایسی باتیں دیار عثمانی کے متعلق معلوم ہوئیں۔ جنہیں ہر شخص بتلانے کی قابلیت نہیں رکھتا۔

ترکی میں اردو اور تعلیم — میں نے ایک روز انہیں کہا کہ جبکہ روس نے اپنی فوج سے سمرقند

میں اردو سیکھنے کا ایک مدرسہ قائم کیا ہوا ہے اور جرمنی اور دیگر ممالک یورپ میں سنسکرت و عربی کے مدارس قائم ہیں تو بوجہ مسلمانان ہند کے ہم مذہب ہونے کے ترکوں کو بھی اردو کا نصاب اپنے بعض مدارس میں داخل کرنا چاہیئے جو ترکی کی طرح عربی فارسی سے مرکب ہونے کی وجہ سے بہت سہل ہے۔ انہوں نے کہا تمہاری تجویز تو بہت عمدہ ہے۔ لیکن ابھی ہمیں کئی اس سے زیادہ ضروری کام درپیش ہیں۔ اور حقیقت میں انکا خیال بالکل صحیح تھا۔

عثمانی تاریخ کے تین دور

ایک روز انہوں نے تفصیل کے ساتھ ترکوں کی تاریخ کے دور ابتدائی زمانہ وسطی اور عہد جدید کا ذکر کرکے بتلایا کہ ہمارا دور ابتدائی بخلاف دیگر اقوام کی تاریخ کے نہایت روشن تھا۔ زمانہ وسطی نہایت تاریک اور عہد جدید میں پھر کسیقدر روشنی نظر آنے لگی ہے۔ جب چھ سو سال پہلے ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا تو ان کی شائستگی کی حالت ایسی اچھی تھی۔ کہ ان میں جلاد تک موجود نہ تھا۔ کیونکہ اسکی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ اور نہ ان میں خواجہ سرا (مخنث) کا دستور تھا۔ مگر یہ مخنث کی رسم یونانیوں میں جاری تھی

ترکوں میں جلاد اور خواجہ سرا تک نہ تھے

جو اول تو اپنی عورتوں کی حفاظت کے لئے اور دوم لونڈوں کو بے ریش و بیروت رکھنے کے واسطے انہیں اختہ کر دیتے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں میں اغلام کی بُری عادت جاری تھی۔ واضح رہے کہ مردوں کو مخنث بنا دینے سے انہیں ریش و بروت پیدا ہی نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ خواجہ سراؤں کی حالت ہوتی ہے۔ غرض ترکی سوسائیٹی کی حالت اس زمانہ میں بہت اچھی تھی۔ دو سو سال بعد زوال آنے لگا یہانتک کہ تاریکی کی شب بیلدا چھا گئی۔ آخر جب ترکوں نے روس سے کریمیا میں جنگ کی اور یورپین سلطنتوں نے اسمیں دخل دیا اور یورپین فوجیں قسطنطنیہ میں آئیں تو ترکوں نے پہلے پہل (کچھ چالیس پنتالیس سال گزرے ہوں گے) ان کی فوجیں جہاز اور سامان جنگ دیکھ تو دنگ رہ گئے۔ سلطان محمود ثانی نے

ینی چری فوج کو غارت کیا۔ اسکے بعد منتظم فوج کی اصلاح شروع ہوئی۔ لیکن ترکوں کی اصل بیداری کو تیس سال سے زیادہ نہیں گذرے۔ اور گذشتہ پچیس سال میں موجودہ سلطان کے عہد میں جو ترقی ہوئی ہے یہی دراصل نئی ٹرکی کی زندگی کی عمر ہے۔ بتلایا کہ سلطان المعظم نے کس قدر خیرات کی اور رفاہ عام کے کاموں پر اس پچیس سال میں کتنا خرچ کیا ہے۔ کتنے قومی مدارس اور ملی انسٹی ٹیوشن قایم کئے ہیں۔ اور کس طرح گذشتہ دس سال میں دارالعشیرت میں خانہ بدوش عربوں کے بچوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ اور کس طرح ان عربوں کی فوج بنائی گئی ہے۔ دولت کے دخل و خرچ کے صحیح شایع نہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔ دارالشفقہ (مدرسہ یتیماں) اور کئی دوسرے مدرسوں اور ہسپتالوں پر کس قدر خرچ ہوتا ہے۔

ملی مدارس اسوقت شہر میں بارہ ملی مدارس ہیں جنمیں سے اکثر حکومت نے لیکر ان بارہ مدارس کے اکثر مدرس مفت پڑھاتے ہیں۔ اور پرائیویٹ چندہ اور فیس سے یہ مدارس چلتے ہیں۔ قسطنطنیہ میں مدرسہ میں جانے کے عمر کے لڑکوں میں سے اسی فیصدی تعلیم پاتے ہیں۔ اور خانم لرہ مخصوص غزتہ (اخبار نسوان) کی ایک کاپی جو ان کی میز پر پڑی تھی۔ مجھے اٹھا کر دی اور کہا کہ عورتوں کی تعلیم میں بھی بڑی ترقی ہورہی ہے۔ بتلایا کہ کون کون لائق اور تعلیم یافتہ عورتیں اسوقت شہر میں موجود ہیں کہا جسقدر ہمنے کیا ہے ابھی اسکے مقابلہ میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ مگر ایک بیداری پیدا ہوگئی ہے اور عوام الناس بھی بیفکر نہیں مگر ہماری وزیر وامیر صرف خواب و خور اور مجامعت کی فکر رکھتے ہیں۔

علمائے ہند کی شہرت احمد مدحت صاحب نے اپنے آزاد مذہبی خیالات کی نسبت فرمایا کہ شفاعت کی نسبت مجھے قرآن مجید سے اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ اور یہ نصاریٰ پادریوں کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ اسوقت بہت سے ترکوں کو گمراہ کر رہے تھے۔ ہم علمائے ہند کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ اس تاریکی

کے وقت میں ہمیں اُن کی طرف سے مدد ملی اور خدا کے ایک نیک بندے مولوی رحمت اللہ صاحب ہندی مہاجر مکی مرحوم نے مذہب نصاریٰ کی جو تردید لکھی تھی اس سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔ چنانچہ میں نے ان کی کتاب کا ترکی میں ترجمہ کیا۔ اور اسکے بعد تردید نصاریٰ میں خود متعدد کتابیں لکھیں۔ اور ان سے ہم لوگوں پر نصاریٰ کے مذہب کا بودا پن ظاہر ہوا۔ اب تو میری رائے ہیں یہود و نصاریٰ کے مذاہب ایسے پوچ ہیں کہ مذہب کہلانے کے لائق نہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے موقعہ پر ایک دمشقی عالم نے مجھے کہا تھا کہ عرب شام اور ترکی میں تو سب علما سرکاری عہدوں کے لئے علم دین سیکھتے ہیں۔ آفریں ہے علمائے ہند کے جو محض دین کی خاطر دین کا علم حاصل کرتے ہیں۔

ایک ترک کی ایجاد

ترکوں کے ذہانت کے متعلق ذکر کیا کہ ہمارے عجائب گھر میں نومسمیٹکس (سکوں) کے مجموعہ کو دیکھو۔ وہ لنڈن کے برٹش میوزیم کے مجموعہ سے زیادہ مکمل ہے۔ اس میں ڈائریکٹر میوزیم کے چھوٹے بھائی غالب بے نے جو اب مر گیا ہے۔ ایک نئی کلاسی فی کیشن داخل کی ہے۔ آج تک صرف تاریخی لحاظ سے نومسمیٹکس کے کلاسیفیکیشن (جماعت بندی) کیجاتی تھی۔ اُسنے جغرافیہ کے لحاظ کو بھی اسمیں دخل دیا ہے اور یہی جماعت بندی تمام یورپ نے اب تسلیم کی ہے۔ یہ بھی کہا کہ نومسمیٹکس صرف اس حصہ دنیا کے قدیم سکوں کا نام ہے جو ترکی وسط ایشیا ہندوستان ایران افغانستان وغیرہ ممالک پر مشتمل ہے۔

بیکفوز تک سیر اور دلکش نظارے

قسطنطنیہ سے رخصت ہونے سے پہلے میں احمد مدحت افندی سے اُن کے مکان پر ملنے کا وعدہ کر چکا تھا جو شہر سے دس بارہ میل دور آبنائے باسفورس کے ایشیائی کنارہ پر ایک نہایت پرفضا اور دلکش موضع بیکفوز میں واقع ہے۔ سٹیمر دن بھر باسفورس میں چلتے رہتے ہیں اور دونوں کناروں کے بیسیوں موضعات میں لوگوں کو لاتے لیجاتے

رہتے ہیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور ہزاروں تماشائی تفریح کے لئے ان موضعات اور مختلف تفریح گاہوں کو جاتے آتے تھے۔ میرے رفیق نے سٹیمر پر سوئم (اول درجہ) کا ٹکٹ لیا جسکے لیے دو کس کے واسطے نو عزوش دیئے گئے۔ سٹیمر راستہ میں اس طرف کے ہر چھوٹے بڑے بندر پر ٹھیرتا جاتا تھا۔ آج جو خوبصورت سبزی اور دلکش منظر بغاز کا دیکھا۔ وہ مدت تک فراموش نہیں ہو سکتا۔ دونوں طرف خوبصورت نیلگوں پانی کے ڈھلوان کناروں پر چوبی مکانات تعمیر ہوئے تھے۔ جنکے دریچوں سے خوبصورت پردے لٹکتے تھے اور دریچوں میں پھولوں کے گملے پڑے رہتے۔ اکثر مکانات کی بنیادیں سطح آب سے اٹھتی ہیں۔ اور اسوجہ سے منظر وینس جیسا بنجاتا تھا۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں تک منزل بمنزل مکانات اور باغات کا پینوراما نہایت دلاویز تھا اور یہ پہلو منظر کا وینس سے بہت فائق تھا۔ سابق خدیو اسمٰعیل کے محلات بھی اسی طرف ایک پہاڑی کی چوٹی پر ہیں۔ موضع بادشاہ باغچہ سی کے پاس ایک یہودی کا چینی اور شیشہ کا بہت بڑا کارخانہ واقع ہے جہاں کثیر کام چلتا ہے۔ رومیلی (ایشیا) اور اناطول (یورپ) کے ساحلوں پر سلطان فاتح کے بنائے ہوئے قلعات، رومیلی حصار بھی دیکھے جو فتح قسطنطنیہ سے پہلے بنائے گئے تھے۔ قلعوں کے برج اور فصیلیں اس طرح پہاڑیوں کے فراز و نشیب پر بنی ہوئی ہیں کہ جہاز پر سے دیکھنے سے ان سے لفظ محمد بنا ہوا نظر آتا ہے۔

زمین کی سرسبزی اور زراعت کا فائدہ

احمد مدحت صاحب کا مکان بڑا عالیشان ساحل بحر پہ واقع ہے۔ پاس ایک دو چھوٹے سٹیمر کھڑے تھے جو ان کے چشموں سے اچھا پانی شہر میں فروخت کے لئے لیجاتے تھے آج بھی جسقدر باتیں ترکوں کی موجودہ حالت اور آئندہ امیدوں کے متعلق انسے ہوئیں انکا خلاصہ نقل کرنے کے قابل ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ زمین کی پیداوار کے لحاظ سے ترک جاپانیوں سے زیادہ خوش نصیب ہیں جاپانی ایک مربع میل میں ڈیڑھ سو یا اسکے قریب آباد ہیں۔ مگر ترک اتنے رقبہ میں

صرف سات کس پہنتے ہیں۔ ٹرکی میں ایک مربع میٹر زمین کی قیمت صرف آدھا غروش ہے۔ یا ایک ڈنم (۱۲۰۰ مربع میٹر اراضی) پانچ پونڈ کو بھی نہیں بکتی۔ زمین کی اسقدر ارزانی ترکوں کو کاشتکاری کی ترغیب دیتی ہے۔ کیونکہ ۲ کیلوگرام غلہ گندم (فی کیلوگرام = ۲½ پونڈ یا رطل) کی تیاری پر صرف تین فرانک (۳؍) خرچ ہوتے ہیں۔ مگر زمیندار کو اسکی قیمت ۶ فرانک (۳؍) ملتی ہے۔ زمین ایسی اچھی ہے کہ اسمیں بالکل کھاد ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ رواج ہے۔ (اور میں نے خود دیکھا ہے کہ کھاد کشتیوں میں بھر کر باسفورس میں ڈبوئی جاتی ہے۔ جس سے مجھے بڑا تعجب ہوا) عام جگہوں میں ایک دانہ سے پچاس دانے اور عاقرہ زمینوں میں ایک دانہ سے سو سوا سو دانہ پیدا ہوتا ہے۔ زمین کی برکت اور سستاپن کے فقدان یعنی باشندوں کے سادہ عادات کیوجہ سے ترک اسی میں آسودہ ہیں

آبادی۔ ٹیکس قومی قرضہ وغیرہ

کل ملک کی آبادی بائیس ملین (دو کروڑ بیس لاکھ) ہے۔ جسمیں نصف عورتیں ہوں گی۔ باقی گیارہ ملین میں سے عرب کرد اور کئی دوسری قومیں جو دو ملین نفوس سے زیادہ ہوں گی ترکی ٹوپی نہیں پہنتیں۔ اور سب پہنتے ہیں۔ سرکار کی کل سالانہ آمدنی سولہ ملین لیرہ (ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ) ہے۔ اور سلطان عبدالحمید خان ثانی نے اسی آمدنی میں سے گذشتہ پچیس سال میں بہت سا قومی قرضہ اتار دیا ہے۔ بلکہ ایک پیسہ قرضہ نہیں لیا۔ مگر سلطان عبدالعزیز خان مرحوم و مغفور نے اپنی سولہ سالہ حکومت میں ڈیڑھ سو ملین (پندرہ کروڑ) پونڈ قرضہ لیا تھا۔ یعنے سوا لاکھ پونڈ قرضہ جنگ کریمیا کے باقی تمام ترکی فوجی قرضہ سلطان عزیز کے وقت کا ہے۔ ہر ترک کو نصف پونڈ سے زیادہ ہر قسم کے سرکاری ٹیکس سالانہ نہیں دینے پڑتے۔ دو گھنٹہ تک ہر قسم کی گفتگو کے بعد شیخ احمد مدحت صاحب

انکا کتب خانہ

نے اپنا کتب خانہ دکھلایا جسمیں عربی فارسی ترکی کی حدیث فقہ

اور تصوف کی کتابوں کے علاوہ زیادہ تر فرانسیسی زبان کی کتابیں ہیں۔ جنہیں سے میں نے چند فرانسیسی زبان کی بڑی بڑی کتابوں کو نام نوٹ کر لئے جو حسب ذیل تھیں۔

یونانی مصنفین کے کلام کا مجموعہ (لائبریری ہاشٹے) پچاس جلدیں۔
لاطینی مصنفین کے کلام کا مجموعہ مرتبہ ایم بیسارڈ۔ چھبیس جلدیں۔
پیٹرس پیٹورسک۔ ساٹھ جلدیں۔
تاریخ عمومی فیلسوفی (از کونٹ ڈوے سیگور) سینتیس جلدیں۔
تاریخ کلیسیا (از لیبے فلودے) چونسٹھ جلدیں۔
لگران سائیکلوپیڈی (فرانسیسی) بتیس جلدیں۔
سائیکلوپیڈیا ڈالاروز۔ متعدد جلدیں۔

آخر میں انہوں نے مجھے فرانسیسی رسالہ لاروز سائیکلوپیڈک ریویو دکھلایا جس میں "ترک اور لٹریچر کی حالت" پر ایک مضمون میں احمد مدحت آفندی کو ترکی انشا نویسوں کا استاد بتلایا گیا تھا۔ غرضکہ ان کی شہرت نہ صرف ترکوں میں ہے بلکہ یورپ کے علمی حلقوں میں مسلم ہے۔ یورپ کے اورنٹیل کانفرنس میں یہ ترکی کیطرف سے کئی مرتبہ وکیل ہو کر گئے ہیں۔ اور سٹاک ہالم کے کانفرنس میں عربی فارسی کے صیغہ کے میر مجلس تھے۔

دستکاری کی سرد بازاری

سلطنت عثمانیہ کی تجارت اور صنعت و حرفت کی حالت بہت ردی ہے۔ میں نے یہاں کے کئی اہل الرائے حضرات سے گفتگو چھیڑی کہ آپ کے بازار یورپ کی اشیا سے پڑ ہیں۔ اور ترکی میں کوئی ایسی چیز یا شاذ و نادر سے عام طور پر نہیں بنتی۔ جو غیر ممالک کو بھیجی جائے۔ یا اسلامبول میں ہی عام طور پر صرف ہو۔ وہ مستثنیٰ چیز سمرنا کے قالین ہیں۔ جو دنیا بھر میں مشہور رہیں۔ اور جنکی نقل آج تک اہل یورپ امریکہ نہیں کر سکے۔ یہ دو لاکھ لیرہ (پونڈ) عثمانی کی تجارت ہے۔ کسی قدر ریشم اور دباغت کی صنعت باقی ہے۔ لیکن روئی اور

اور دوسری خام پیداوار کی اشیاء کی طرح بہت سا ریشم خام بھی یورپ کے کارخانوں میں جاتا ہے اور وہاں سے تیار ہو کر آتا ہے - یہاں تک کہ وہ بھورے بوٹ جنکو فوندرہ کہتے ہیں - اور جو خاص ٹرکی کی ایجاد ہے - اور یہاں کی ضرورت کی چیز ہے - وہ بھی اکثر روس سے بنکر آتے ہیں - جو یہاں کی ساخت سے سستے بکتے ہیں -

احمد جودت صاحب

احمد جودت صاحب مالک و ایڈیٹر اخبار اقدام نے مجھے بتلایا کہ یہاں کی صنعت و حرفت کا یورپ کے صنعت و حرفت کے کارخانوں نے ستیاناس کر دیا ہے - کوئی دو سو سال پہلے سلاطین عثمانیہ نے دول یورپ کو بطور رعایت اجازت دی تھی کہ وہ اپنی اشیائے تجارت یہاں لاکر فروخت کریں - اور اس مطلب کے عہدنامے لکھے گئے تھے - اسوقت ٹرکی نے مال کی قیمت پر صرف آٹھ فیصدی شرح محصول درآمد یعنی ڈیوٹی مقرر کی - اس وقت کے بعد دنیا کی صنعت و حرفت

یورپین مال درآمد پر صرف آٹھ فیصدی ڈیوٹی

کے کارخانوں میں بڑا انقلاب ہوا ہے - اہل یورپ اب بہت ارزاں اشیا تیار کر سکتے ہیں مجھے ایک قہوہ پینے کی چھوٹی سی پیچا اور پیالی دکھلا کر کہا کہ یہ دونوں اب قسطنطنیہ کے بازاروں میں نصف عروش یعنی ایک آنہ کو بکتی ہیں - جو یورپ سے بن کر آتی ہیں - بجائیکہ خود سلطنت ٹرکی میں چینی کے برتن بنانے کے کئی کارخانے تھے مگر وہ اتنا ارزاں مال نہیں تیار کر سکتے - کیونکہ ان کے یہاں زمانہ حال کی ترقی

کوتاہیہ میں چینی برتنوں کی صنعت کا خاتمہ

شدہ مشینیں استعمال نہیں ہوتیں - اسلئے وہ سب بند ہو گئے ہیں - اور اب یورپین کارخانے ایسے ایسے بڑھ چکے ہیں کہ جبتک غیر معمولی کوشش نہ کی جائے اور بہت سا سرمایہ نہ لگایا جائے ان کا مقابلہ نہیں ہو سکتا - صرف ایک قصبہ کوتاہیہ تمام و کمال چینی برتن بنانے میں مصروف رہتا تھا - مگر اب یہاں ایک بھی گھر اس صنعت کا نہیں رہا - گو یا کشمیری شال کی تجارت کو ہند میں بمقابلہ

اس کے کم نقصان پہنچا ہے - جتنا کہ چینی برتنوں کے کام کو ٹرکی میں پہنچا ہے - یہاں کے عجائب خانہ میں - جسکو تموزی خانہ کہتے ہیں کوتاہیہ کی چینی کی بنی ہوئی چیزوں کے نمونے دیکھے جو یورپ کی ساختہ اشیا سے عمدہ ہیں - مگر چونکہ آن سے ارزاں نہیں اسلئے ان کا بازار سرد ہوگیا ہے - میں نے اس اخبار نویس دوست سے دریافت کیا کہ اسکا تو یہی نتیجہ ہے کہ ٹرکی میں صنعت و حرفت کو کبھی ترقی نہ ہوگی - انہوں نے کہا جب تک ممالک غیر کی اشیا کی درآمد بھاری ڈیوٹی لگا کر بند نہ کیجائیگی - ٹرکی کی ساختہ اشیا کو ترقی نہیں ہوسکتی - مگر دول یورپ ڈیوٹی بڑھانے نہیں دیتیں - جیساکہ حال میں صرف ۳ فیصدی اضافہ کرنے کی صلاح دی گئی تھی - مگر بوجہ ان کی مخالفت کے تجویز رہ گئی - حالانکہ روس بعض اشیا پر چالیس پچاس فیصدی قیمت کے برابر بھی محصول درآمد لیتا ہے - اسلئے کہا کہ ٹرکی نے دستکاریوں میں فوقیت حاصل کرنے کے بالفعل امید منقطع کر لی ہے البتہ زراعت کی طرف توجہ زیادہ مبذول کی ہے - جسمیں بہت کچھ بہتری کی امید ہے - میں نے کہا کہ جس طرح گورنمنٹ جرمنی اپنی بیٹ شوگر تیار کرنے والی رعایا کو بونٹی دیتی ہے - تاکہ غیر ممالک کے مقابلہ میں وہ سستی شکر بنا سکیں ویسا گورنمنٹ عثمانیہ کیوں نہیں کرتی - انہوں نے کہا کہ اسمیں بھی کامیابی کی امید نہیں - ٹرکی کے مقابلہ میں دول یورپ کے مینوفیکچرز چیزوں کی آدھی قیمتیں لینے کو آمادہ ہوجائینگے -

محمود اسعد افندی

جبکہ میں سنہ لاہور سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار دی سن جاری کیا تھا اسوقت سمرنا کے ایک ترک افسر محمود آفندی بھی اس اخبار کے خریدار تھے - جو اسوقت اپنے آپ کو سمرنا کی عدالت عالیہ کے ہیڈ جج لکھا کرتے تھے - اور انگریزی میں خط و کتابت کرتے تھے - اب جو قسطنطنیہ میں پہنچا تو احمد مدحت صاحب اور بعض دیگر اصحاب نے مجھے ان سے ملنے کی صلاح دی - مگر مجھے خیال نہیں آیا کہ ان سے لو دوحانی ملاقات

پہلے سے حاصل ہے ۔ آخر خالد ایوب نوجوان مصنف سے کہ جنسے معلومات کے ایڈیٹوریل سٹاف میں ملاقات ہو چکی تھی ۔ میرا ذکر محمود اسعد افندی سے لیا وہ مجھے پہچان گئے اور ان کے ہاتھ جب مجھے ملاقات کا پیغام بھیجا ۔ چنانچہ میں ان کے دفتر صیغہ فینانس میں ان سے ملا ۔ یہاں آپ نائب وزیر مال ہیں ۔ مملکت عثمانیہ میں قانون حقوق وراثت میں اتھاریٹی سمجھے جاتے ہیں ۔ اور دارالخلافہ کے یونیورسٹی کالج میں قانون کے لکچرار ہیں ۔ اور کثیر تصانیف کے مصنف ہیں ۔ محمود اسعد صاحب مجھے ملکر بہت خوش ہوئے اور شکایت کی کہ مجھے قسطنطنیہ پہنچکر انہیں کے یہاں قیام کرنا چاہئے تھا ۔ چہ جائیکہ میں ملنے ملا تک نہیں ۔ اور اصرار کیا کہ اب انہیں کے مکان پر ٹھیروں ۔ آج پہلی دفعہ انہوں نے شربت منگوا کر پلایا ۔ حالانکہ یہاں سوائے قہوہ کے کسی اور نے مجھے کچھ نہیں پلایا تھا

پانچ سال کے خط ۔

دوسری شام کو حسب وعدہ سید عبدالغفار اور میں ان کے مکان پر کھانا کھانے کے لئے پہنچے ۔ لیکن چونکہ شہر کے ایک بہت دور کے حصہ سے آئے تھے ۔ اسلئے بجائے ۱۰ بجے آلا ترکا کے ۱۲ بجے شام کو پہنچ سکے ۔ اور اس توقف کے لئے معذرت کی ۔ انہوں نے میرے دو خطوط اکتوبر و نومبر ۱۸۹۵ء کے جو میں نے انہیں لکھے تھے ۔ مجھے نکال کر دکھائے جنہیں دیکھکر میں دنگ رہ گیا کہ انہوں نے اتنی مدت سے ان خطوط کو محفوظ رکھا ہوا تھا ان میں میں نے انہیں لکھا تھا کہ انشاء اللہ بعد سفر قسطنطنیہ کے دوران میں سمرنا میں آپ سے ضرور ملونگا ۔ اسعد آفندی صاحب نے کہا کہ گو مجھے سینکڑوں خطوط آتے ہیں اور گو میں نے بیسیوں اخبارات خرید ے لیکن تمہارے اخبار اور تمہارے خطوط سے نہ جانے مجھے شروع ہی میں کیوں ایسی الفت ہوگئی تھی کہ میں تمہیں فراموش نہیں کر سکا ۔

ترکی کھانا

اتنے میں میز پر کھانا لایا گیا ۔ اور ہم کھانے کے کمرہ میں گئے ۔ سوائے میزبان کے ان کے تین چار بھائی بھتیجے بھی معہ ان کے شاگرد خالد ایوب کے کھانے

میں شامل تھے ۔ پہلے چوربا آیا ۔ جیسے کہ انگریزی کھانوں میں پہلے سوپ آتا ہے ۔ ایک ہی برتن میز کے وسط میں رکھا گیا جس میں سے ہر شخص اپنا اپنا چمچہ بھر لیتا تھا ۔ اسکے بعد گوشت سادہ اور دو تین قسم کا ترکاریوں میں پکا ہوا گوشت آیا ۔ پھر ایک شیریں کھانا فرنی فالودہ کی قسم کا ٹکڑے کیا ہوا آیا ۔ پھر "بورک" نامی کھانا آیا جو ایک موٹے پراٹھے کی طرح تھا ۔ اور اسکی تہوں میں برشتہ انڈے تھے ۔ اخیر میں پلاؤ آیا ۔ لیکن اسے بہت کم ہاتھ لگایا گیا ۔ کیونکہ سب سیر ہو چکے تھے ۔ اور سب سے آخر تازہ فروٹ آیا ۔ جس میں انگور ۔ اور خربزہ اور تربوز کے چھیلے ہوئے قاشین تھیں ۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھوئے ۔ یہاں سیلابچی کے بیچ میں ایک جگہ صابن رکھنے کے ہوتی ہے ۔ اور اسی کے اوپر سب ہاتھ دھوتے ہیں ۔ جس سے صابن گیلا ہونے کی وجہ سے فورًا ہاتھوں میں لگ جاتا ہے ۔ کھانے کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں ۔ پھر انہوں نے اپنا فوٹوگرافوں کا البم دکھلایا ۔ اور کہا کہ حضرت سلطان کے جشن بست و پنج سالہ کی تقریب میں جو یہاں کی یونیورسٹی میں سائنس اور قانون کے صیغے بڑھائے گئے ہیں ۔ ان میں سے تین میں میں لکچرار مقرر ہوا ہوں ۔ ہر روز تین گھنٹہ دفتر حقوق مشاورت میں کام کرتا ہوں ۔ اور دو گھنٹہ یونیورسٹی میں پھر مجھے اپنا کتب خانہ دکھلایا جس میں زیادہ فرانسیسی عربی اور چند انگریزی کتابیں تھیں ۔ قانون فلسفہ اور فیزیکل سائنس کی کتابیں بہت تھیں ۔ مجھے اپنی تصنیفات سے ایک تاریخ طبعی (نیچرل ہسٹری) دو جلد اور ایک اصول فقہ دی ۔ اس سے پہلے انہوں نے لاہور میں بھی مجھے دو تین کتابیں اپنی تصنیفات سے بھیجی تھیں ۔ رخصت کے وقت انہوں نے مجھے اپنے دو فوٹوگراف دیئے ۔ اور میرا فوٹوگراف طلب کیا ۔

محمد تسلیم آلسنی اور تموز کا ذکر

بیروت کے اخبار روضۃ المعارف کے ایڈیٹر محمد سلیم الآلسنی جو چند بار مجھے ملنے آئے مجھے ایک روز کہنے لگے کہ تمہارے لئے

نشان یعنے تمغہ کی سفارش ہو چکی ہے۔ میں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ نہ میں نے کسی سے اسکی آرزو کی ہے نہ کسی ایسے افسر سے ملا ہوں کہ جسکے متعلق یہ کام ہو۔ اسلئے یہ گپ ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری نسبت اخبارات میں کیفیت دیکھکر خود بخود تمہاری سفارش کردی گئی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر نواب علی نے کہا کہ اخبار میں تمہاری کیفیت پڑھکر سید سیف الدین صاحب نے جو مشہور سید ابو الہدے صاحب کے داماد ہیں مجھے کہا تھا کہ اسے ضرور نشان ملنا چاہئیے آخری روز جب میں ہز اکسیلنسی محمود اسعد آلمندی صاحب سے ملنے گیا تو انہوں نے مجھے بتلایا کہ ہز اکسیلنسی محمد حسن صاحب نے تمہارا ذکر باش کاتب ہمایونی سے کیا تھا۔ اور وہ سنکر بہت خوش ہوئے تھے۔ بہتر ہے کہ مابین ہمایوں میں جاکر انہیں مل آؤ۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ میں قسطنطنیہ سے روانگی کی تیاری کر چکا تھا۔ اسلئے انہیں مل نہ سکا۔ باش کاتب ہمایونی سلطان المعظم کے سب سے بڑے سکرٹری ہوتے ہیں۔

ایک اردو دان شامی

ایک روز میں اخبار معلومات کے دفتر میں گیا تو ایک صاحب مجھے بڑے تپاک سے ملے۔ اور اردو بولنے لگے۔ معلوم ہوا کہ انکا نام محمد سعید طرابلسی ہے۔ جو دس سال تک ہندوستان کے مختلف اسلامی مدارس حیدرآباد وغیرہ میں مدرس عربی رہے ہیں۔ مالیرکوٹلہ میں ہندوستانی بی بی سے شادی کی اور اب اُسے قسطنطنیہ میں اپنے ہمراہ لائے ہوئے ہیں۔ اور آجکل عربی معلومات کے ایڈیٹر یا مترجم اڑہائی سو قرش ماہوار پر ہیں۔ چنانچہ انہوں نے پیسہ اخبار اور بعض دیگر اردو اخبارات دکھلائے کہ جنکے ترجمے انہوں نے اپنی عربی میں معلومات کے لئے کئے تھے۔ شامی صاحب نے بھی مجھے قسطنطنیہ کے بعض مقامات دیکھنے اور لوگوں سے ملانے میں مدد دی۔ اور جب میں ہندوستان میں واپس آیا تو کچھ عرصہ بعد یہ لاہور میں بھی مجھے ملے اور میرے پاس بیٹھے رہے۔ غالبا اپنی ہندوستانی بی بی کو یہاں چھوڑنے کے لئے آئے تھے

عظیم زادہ جمیل بک صاحب شامی صاحب نے عظیم زادہ جمیل بک صاحب سے ملاقات کرائی۔ جو معلومات عربی کے چیف ایڈیٹر اور عربی زبان کے ایک سربرآوردہ مضمون نگار اور اعلے پایہ کے خط ثلث کے خوشنویس ہیں۔ اصل ملازمت اِن کی محکمہ سنسر (محتسب اخبارات) کے دفتر کی رکنیت ہے یہ دراصل دمشق کے ایک نامور خاندان روسا کے ممبر ہیں۔ مجھ سے بڑی مہربانی سے ملتے تھے۔ اور قسطنطنیہ سے روانہ ہونے سے پیشتر مجھے بطور تذکار دیا وگاہ چند اوراق میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اقوال نہایت اعلٰے درجہ کی عربی خوشخطی کا نمونہ لکھکر دیئے۔ علاوہ اسکے دمشق میں اپنے چچیرے بھائی کے نام ایک معرفت کا خط بھی دیا جس سے مجھے دمشق میں بہت مدد ملی۔ اور میں نے ان کا عظیم الشان خاندانی مکان دیکھا کہ جسے قیصر جرمنی نے بھی دمشق میں پہنچکر دیکھا تھا۔

عربی خوش خطی قسطنطنیہ اور دیگر بلاد عثمانیہ میں ابتک خط نسخ کی خوش نویسی کی بہت قدر کیجاتی ہے۔ اور اچھے اچھے خطاط اس وقت تک موجود ہیں۔ جنکی تحریرات کے نمونے فوٹوگرافوں یا کتبوں اور کتابوں میں وہاں جابجا نظر آتے رہتے ہیں۔

آمدورفت کے ذریعے اور وسایل

سڑکیں قسطنطنیہ کی سڑکیں بیشک اچھی نہیں۔ جو سب ان گھڑے پتھروں سے بنی ہوئی ہیں۔ سوائے بعض کے جو گھڑے ہوئے پتھروں سے بنائی گئی ہیں یا جنپر کنکریٹ کوٹا گیا ہے۔ جو مسافر یوروپ کی طرف سے یوروپ کی عجیب و غریب سڑکیں دیکھتا ہوا آئیگا۔ وہ سب سے پہلے قسطنطنیہ کی سڑکیں دیکھکر ضرور حیران ہوگا۔ علاوہ اسکے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں اس قدر فراز و نشیب ہیں کہ بعض مقامات میں بازاروں میں دو دو چار چار منزل کے برابر سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں

جیسے کہ پہاڑی مقامات میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ شہر بھی سات پہاڑیوں پر واقع ہے۔ جب میں احمد مدحت آفندی صاحب سے پہلی مرتبہ ملا۔ اور انہیں معلوم ہوا کہ میں یورپ کی سیاحت سے واپس جا رہا ہوں۔ تو انہوں نے فوراً خود بخود شہر کی سڑکوں کے مضمون کو چھیڑ دیا۔ اور کہا کہ ہمارے شہر کے بازار یورپ کے شہروں سے بہت خراب ہیں۔ اور جو شخص یورپ کے شہروں کو دیکھ آئے اُسے یہ سب سے پہلے کھٹکتے ہیں۔ لیکن اسکی ایک وجہ اور وہ یہ ہے کہ جتنے یورپین تاجر اور دولتمند لوگ یہاں رہتے ہیں کہ جن کے

یورپین آبادی کچھ میونسپل ٹکس نہیں دیتی

یہ عالیشان اور سنگین مکان تم دیکھتے ہو۔ یہ سلطنت کو ایک پائی کسی قسم کا ٹکس نہیں ادا کرتے۔ سوائے آٹھ فیصدی مال درآمد پر چونگی دینے کے۔ پہلے ترک سلاطین یورپین سوداگروں کو اپنے ملک میں بلانے کے واسطے ترغیبیں دینے کے لئے ان سے بہت کچھ رعائتیں کر گئے ہیں۔ ہر ایک نیا سلطان تخت نشینی کے وقت ان وعدوں پر دستخط کر دیتا ہے۔ اسلئے گورمنٹ ترکی ان دولتمند یورپین سوداگروں سے ایک پائی میونسپل اخراجات کے لئے وصول نہیں کر سکتی۔ اسلئے غریب ترکوں سے جو کچھ وصول ہوتا ہے۔ اسی سے بُری بھلی یہاں کے بازاروں کی تعمیر و مرمت ہوتی ہے۔

کرایہ کے گھوڑے

قسطنطنیہ میں نہ تو وینس کی طرح بالکل کشتیوں پر ہی تمام آمدورفت موقوف ہے اور نہ صرف گھوڑا گاڑیوں یا ٹرامویز پر بلکہ یہاں کسے کسائے گھوڑے بھی زین سواری کے لئے کئی اڈوں پر ملتے ہیں کیونکہ بوجہ بازار اور گلیاں تنگ اور پیچیدار ہونے اور فراز و نشیب کے گھوڑے مفت کام آتے ہیں۔ اور گھوڑے بازاروں اور گلیوں میں صرف چال سے ہی نہیں چلائے جاتے بلکہ دُلکی اور پویہ چلا سکتے ہیں۔ اور گھوڑوں کے سائیس یا مالک جو عموماً پیادہ ساتھ ہوتے ہیں انہیں [illegible]

چابک مارکر دوڑاتے جاتے ہیں۔ اس شہر میں جلدی پہنچنے کے لئے یہ اچھی سواری ہے۔ پہلے مینے سمجھا تہا کہ سوار گھوڑا دوڑا کر اس نوکر پر ظلم کرتا ہے۔ لیکن پیچھے معلوم ہوا کہ یہ لڑکے خود گھوڑا بھگاتے ہیں۔ چونکہ شہر کے بعض حصوں میں بہت ترچھی چڑہائیاں ہیں ان پر گھوڑا اسطرح چڑہتا ہے۔ جس طرح آدمی سیڑہیوں پر چڑہتا چلا جاتا ہے۔ اور اُسکا ساتھی پیتھروں پر ننگے پاؤں ہانپتا ہوا ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یورپین طرز کی گاڑیوں کے رواج سے پہلے یہاں ایسے گھوڑے بہت زیادہ ہوتے تھے۔

بخشیش اور ٹپ میں فرق

ایک روز غیر ممالک کی ڈاک کا وقت قریب تھا۔ میں نے جلدی ڈاک خانہ پہنچنے کے لئے چار غروش کو گھوڑا کرایہ کیا۔ یہ کرایہ پیشگی دیا جاتا ہے۔ مینے ایک چرک (پانچ غروش کا سکہ) کرایہ والے کو دیا۔ اُسنے بڑی سماجت سے ایک چہوٹے بچے کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ تمہارے ساتھ دوڑیگا۔ یہ غرش بہی واپس نہ لو۔ واقعی بچہ بہت چہوٹا تھا سات آٹھ سال سے بڑا نہ ہوگا۔ اگر مجھے پہنچنے کی جلدی نہ ہوتی تو میں گھوڑے کو ہرگز نہ دوڑاتا۔ مگر پھر بہی بعض تنگ گلیوں میں گاڑیوں اور راہروؤں کے ہجوم کیوجہ سے آہستہ چلاتا گیا۔ یورپ اور یہاں کی خدمات میں فرق یہ ہے کہ یہاں ٹپ دینے کا بالکل ذکر نہیں کہ جیسے یورپ کے مزدور اور خدمتگار اپنا حق سمجھتے ہیں۔ مگر کبہی کبہی خدمت کرنے والے یہاں سنت سے زیادہ مانگ لیتے ہیں یا منت سماجت سے ملا ہوا تقاضا کرتے ہیں کہ جیسے یورپین بخشیش کے نام سے بدنام کرتے ہیں۔ یا ایک دفعہ ایک کشتی والے نے جہگڑا کرکے دو تین غرض زیادہ لئے۔ یہ کل ٹپ یا انعام یا بخشیش سمجھ لیجئے۔ جو اپنی مرضی کے خلاف مینے ایک ماہ کے قیام استنبول میں دیا۔ ورنہ کسی شخص نے مجھسے کوئی بخشیش نہیں مانگی جو ناجائز ہو۔ بخلاف یورپ کے ہر شہر میں ہر کھانے کے بعد۔ ہر ہوٹل چہوڑنے کے بعد۔ ہر ذرہ سی خدمت کے بعد "ٹپ" دینا

لازمی ہوتا ہے۔ پیرس میں تو یہاں تک ترقی ہوئی ہے۔ کہ گاڑیوں کی شرح کرایہ مقرر کرکے گاڑی بانوں کے ٹکٹوں میں لکھ دیا ہے۔ کہ علاوہ کرایہ کے اتنا انعام پانے کے گاڑیبان امیدوار ہیں۔ اور بعض دفعہ میں نے جو اسکے گاڑیبان کو دیا تو اسنے علاوہ کرایہ مقررہ اپنا ٹپ بھی خود ہی رکھ لیا۔ اور بقایا پیچھے لوٹا دیا۔ اگر ممالک مشرق میں کوئی مفلس مزدور خدمت کرنے کے بعد دانت نکال کر دو چار آنے مانگ لے۔ تو یورپ کے سفید کف اور کارروائے عنبشلیں مزدوروں کی ناجائز مصادرہ سے ہزار درجہ قابل معافی ہے۔ ہاں انگلستان کی اس بارہ میں تعریف کرنا ضروری ہے۔ کہ ٹپ کی رسم وہاں بھی ہے لیکن دنیا کی طرح ٹریموے کے کنڈکٹروں تک کو نہیں دینا پڑتا۔ یورپ میں تمام عجائب خانوں اور اس قسم کے قابل دید مکانوں بلکہ دفتروں اور کچہریوں کے دروازوں پر چھاتے اور لاٹھیاں رکھنے کے لئے کوئی عورت یا مرد مقرر ہوتا ہے۔ اور جو سرکاری عجائب خانے مفت بھی دیکھے جاتے ہیں۔ وہاں بھی ایک پینی (ایک آنہ) تو ضرور چھاتا رکھنے والے کو دینا پڑتا ہے۔

گاڑیاں پیرا اور اسٹنبول کے کئی مقامات میں گاڑیوں (اعرابوں) کے اڈے ہیں۔ گاڑیاں خوبصورت وکٹوریا قسم کی بہت اچھی ہوتی ہیں۔ اور سب دو گھوڑے والی ہوتی ہیں۔ کیونکہ بوجہ جابجا کے چڑھائیوں کے ایک گھوڑا کام نہیں دے سکتا۔ کرایہ گھنٹہ یا مقدار راہ یا ذاتی غرض کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ مگر یہ بابت گاڑی والے کو پہلے کہدینی چاہیئے۔ کہ کس طریقہ سے کرایہ دیا جائیگا۔ رات کو دن کی نسبت کچھ شرح زیادہ ہے۔ دن کے وقت پنتالیس منٹ کے سواری کیلئے پانچ قرش مقرر ہیں۔ اور شام سے آدھی رات تک ساڑھے سات اور آدھی رات سے صبح تک دس قرش۔ اور دن میں فی گھنٹہ پندرہ قرش لیتے ہیں جو بمقابلہ یورپ کے بہت ارزاں ہے۔ یہ گاڑیاں بلدیہ یعنے میونسپلٹی کے زیر نگرانی رہتی ہیں۔

اسپی ٹریموے پیرا اور استانبول دونوں طرف گھوڑے کی ٹریموے کی بہت لائنیں جاری ہیں۔ لیکن چونکہ کوچے تنگ ہیں اسلئے ٹریموے کی ہر گاڑی کے

آگے ایک وردی پوش آدمی ہاتھ میں چھوٹا سا ترم لئے بجاتا ہوا دوڑتا جاتا ہے - اور اسی لئے دوسری سڑکیں کراس کرنے کے لئے جو بہت کم ہیں دیر تک گاڑیوں کو سامنے کی گاڑی کا انتظار کرنا پڑتا ہے - ان گاڑیوں میں عورتوں کے بیٹھنے کے لیے علیحدہ پردہ دار جگہ ہے - اور اول اور دوم دو درجے بھی ہیں جنکے کرایہ میں تھوڑا سا فرق ہے - باقی دنیا میں کسی ملک میں ٹرموے یا تیا میں درجوں کا فرق نہیں - شرح کرایہ ڈیڑھ اور اڑھائی غرش مختلف لائنوں پر سفر ہے - بعض جگہ بلند سڑکوں پر چڑھنے کے لئے چار چار گھوڑے جتے جاتے ہیں -

زیر زمین ریلوے

غلاطہ کی نسبت پیرا بہت بلندی پر واقع ہے - اسلیئے پل غلاطہ اور بیک اوغلی کے مابین پہاڑی کے اندر دو زیر زمین راستے کھودے گئے ہیں جنمیں یہ ریل گاڑی صبح سے شام کے دو گھنٹے بعد تک ہر پانچ پانچ منٹ کے بعد آتی اور جاتی رہتی ہے - اور زیادہ تر اسمیں نشیب کی طرف سے فراز کو جانے والے مسافر چڑھتے ہیں - یہ گاڑی نہ انجن اور نہ برق اور گھوڑوں کی طاقت سے چلتی ہے - بلکہ ایک آہنی رسے کے ذریعہ سے (میرے خیال میں) ایک طرف کی گاڑیوں کا بوجھ دوسری طرف کی گاڑی کو کھینچ لاتا ہے - کیونکہ دونوں طرف کے راستے ڈھلوان ہیں - اسمیں بھی اول اور دوم درجہ کی گاڑیاں ہیں - کرایہ اول درجہ پونا غرش دوم درجہ نصف غرش -

ریلوے لائنیں

قسطنطنیہ میں باسفورس کے دونوں طرف ریلوے لائنیں جاری ہیں (۱) استنبول کے سرکیچی اسٹیشن سے دو ٹرینیں روزانہ ایڈریانوپل کو آتی جاتی ہیں - اور کئی لوکل ٹرینیں روزانہ تم قپو - ینی قپو - داؤد پاشا - یدی قلہ - سنتری کوئی - وغیرہ مقامات کو جاتی آتی ہیں - (۲) ایشیائی ساحل پر حیدر پاشا سے اسمد - اسکی شہر انگورا تا قونیہ کو ساحل

مارمورا پر روزانہ دو ٹرینیں جاتی ہیں - اور کئی لوکل ٹرینیں روزانہ قزل طوپراق، قنارکولی، مال تپہ، اور کرتال وغیرہ کے درمیان آتی جاتی ہیں۔ مضافات کے رہنے والے اور خصوصاً تعطیلات کے ایام میں اہل شہر ان لائنوں کو بہت استعمال کرتے ہیں - ترکی اخبارات میں ان کے ٹائم ٹیبل چھپتے رہتے ہیں۔ ریلوں پر زیادہ فرانسیسی ملازم ہی نظر آتے ہیں - گو فرانسیسی دان ترک بھی ہوتے ہوں گے -

کیک - کشتیاں اس خشکی کی آمد و رفت کے علاوہ بہت زیادہ اور زیادہ پرلطف آمد و رفت پانی میں ہوتی ہے - باسفورس اور گولڈن ہارن کی سانس سبزی مائل نیلگوں سطح پر ہر وقت سینکڑوں ہزاروں کشتیاں چلتی نظر آتی ہیں - بڑی اور بھدی کشتیوں کی نسبت چھوٹی اور تنگ کیک یا کائیک کشتیاں تیز رفتار ہوتی ہیں - لیکن اتنا ہی ان کے الٹنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے - اگر ایک سے زیادہ مسافر ایک طرف کو جھک پڑیں - یہاں بڑی کشتیوں سے قطع نظر تین ہزار کشتیوں کا اندازہ کیا گیا ہے - ملاح یا کیک جی ترک یونانی اور اطالی زیادہ ہوتے ہیں - ناواقفوں سے یہ زیادہ کرایہ لے لیتے ہیں - مگر ان کے کرایہ کے نرخ ان کے چپوؤں کی تعداد کے لحاظ سے عموماً مقرر ہیں - جہازوں سے مسافروں اور اسباب کو ادھر ادھر پہنچانے لانے یا شہر کے مختلف حصوں کے درمیان سیر و تفریح یا کام کاج کے لئے جانے کے یہ بہت کام آتے ہیں -

سٹیمر البتہ تجارتی یا سفورس کے دور کے مقامات تک سٹیمر ہی چلتے ہیں - قطع نظر دور دراز کا سفر کرنے والے سٹیمروں کے جو مسافر یا اسباب لیکر جاتے آتے رہتے ہیں - اور ان سے قسطنطنیہ کا بندر ہمیشہ پر نظر آتا ہے - (ان کا ذکر دوسری جگہ کیا جائیگا) آبنائے باسفورس کے لوکل آمد و رفت کا اجارہ شرکت خیریہ کمپنی کو ملا ہوا ہے جس کے پاس چھتیس سٹیمر ہیں۔[1]

[1] دو دوسری سٹیم شپ کمپنیاں بھی اسی کام میں مصروف ہیں جنہیں سوگوئرپی ڈرونی شہر لینی بابی بر صحو ہو۔

یہ ترکوں کی وطنی کمپنی ہے۔ گو اسمیں مسلمان عیسائی سب شریک ہیں۔ یہ سٹیمر پل غلاطہ سے لیکر ساحل باسفورس کے تمام مضافات تک دیہات تک دن میں بار بار جاتے آتے رہتے ہیں۔ جو ان میں سے ساحل یورپ کیطرف چلتے ہیں اُن کے مستول پر سبز جھنڈا اوڑتا ہے اور جو ساحل ایشیا پر چلتے ہیں اپر سُرخ جھنڈا۔ مگر جو باری باری دونوں طرف جاتے آتے رہتے ہیں۔ وہ دونوں رنگ کے ترکی جھنڈے اوڑلیتے ہیں۔ پل پر کہ جہاں ان سٹیمروں کا سٹیشن ہے ان

بغاز کے دونوں طرف کی آبادیاں

جہازوں کے دونوں طرف کے سٹیشنوں کے نام ترکی اور لاطینی حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ یورپین ساحل کے سٹیشن یہ ہیں۔ قباطاش۔ بشک طاش۔ اورتہ کوئی۔ کورو چشمہ۔ ارناؤطہ کوئی۔ بیبک۔ رومیلی حصار۔ بویاجی کوئی۔ امیرگیاں۔ سٹنیا یینی کوئی۔ تھرا پیا۔ کیرچ برونو۔ بیوک درہ۔ مزار برونو۔ یینی محلہ۔ اور رومیلی کواک۔ اور ایشیائی ساحل پر یہ ہیں۔ سکوتری۔ قزغنجگ سے لربے۔ خنگل کوئی۔ وانی کوئی۔ کندیلی۔ انادولی حصار۔ قانلیجہ۔ رفعت پاشا۔ پاشا باغچہ۔ بیکوس اور انادولی کواک۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد ہر طرف سٹیمر روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ ایک علیحدہ لائین سقوتری کی طرف ایک ایک گھنٹہ کے بعد سٹیمر روانہ کرتی ہے۔ اور گولڈن ہارن کمپنی پندرہ پندرہ منٹ کے بعد بیرونی پل سے سلطان ایوب تک سٹیمر بھیجتی ہے۔ ان کے علاوہ خصوصی کمپنی کے سٹیمر پرنسز آئیلنڈ کو بھی روانہ ہوتے رہتے ہیں۔ کرایہ فاصلہ کے لحاظ سے لیا جاتا ہے۔ مثلاً پل سے رومیلی کواک تک جو یورپین ساحل کا آخری سٹیشن ہے اور دو اڑہائی گھنٹہ کا سفر ہے۔ اول درجہ کا کرایہ کہ جسے ترک "متوقع" کہتے ہیں۔ سوا پانچ قرش ہے۔ اور دوم درجہ عام طور پر لیا جاتا ہے۔

ایوب اور قاسمکوئی تک خلیج استانبول میں کام کرتی ہے اور یہ شرکت مخصوصہ بحیرہ مارمورا کی کناروں کے دیہات اور جزیروں تک آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھتی ہے۔

پردہ دار عورتوں کے لئے سٹیمروں میں بھی علیحدہ جگہ بنی ہوئی ہے۔ سیاحان قسطنطنیہ باسفورس کے دونوں طرف یہ خوبصورت نظارے دیکھنے کے لئے ایک بار کبھی تو ان سٹیمروں کا ضرور سفر کرتے ہیں۔ خواہ انہیں ان بہت سے مواضعات میں سے کسی میں کام ہو یا نہ ہو۔ مگر مجھے تین چار مرتبہ دونوں ساحلوں پر بعض اصحاب کی ملاقات کے لئے جانا پڑا۔

سٹیمروں کی لائنیں

ہر چند کہ ممالک عثمانیہ میں بیروت بہت بڑا بندرگاہ ہے۔ تاہم کوئی ایسا انتظام موجود نہیں ہے کہ قسطنطنیہ اور بیروت کے مابین کوئی روزانہ سروس جہازوں کی جاری ہو۔ اور جو روسی۔ اطالی۔ یونانی۔ فرانسیسی آسٹرین اور انگریزی کمپنیاں ان بندروں کے درمیان جہاز چلاتی ہیں۔ ان میں کسی ترک کی ایک پیسہ تک کی شرکت نہیں۔ قسطنطنیہ کے مضافات کی آمد و رفت کے لئے ایک جہازوں کی کمپنی بنام "شرکت خیریہ" جاری ہے۔ جسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ البتہ مخصوصہ لائن جہازوں کی ترکی محکمہ امیر البحری کی ملکیت ہے۔ ان کے علاوہ شمالی سمندروں میں جو سٹیمروں کی لائنیں جاری ہیں۔ اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

آسٹرین لائن:۔ ٹریسٹ سے قسطنطنیہ۔ سمرنا اور تمام ساحل اسکندریہ تک۔ اسکی ایک شاخ ڈینوب میں چلتی ہے کسٹنجے۔ وارنا۔ اوڈسا اور دلی (؟) ناطولیہ سے بحیرہ خضر کے بندروں کو جاتی ہے۔

مصری لائن:۔ خدیوی ڈاک کے سٹیمروں کی کمپنی۔ جو پہلے گورنمنٹ مصر کی ملکیت تھی۔ مگر اب ایک انگریزی کمپنی کا مال ہے۔ جو اسکندریہ سے قسطنطنیہ کو جاتی ہے اور راستہ میں پیریس۔ سمرنا اور ساحل شام کے بندروں سے گذرتی ہے۔

انگریزی لائنیں۔ ایک لنڈن کی اور چار لورپول کی بحری کمپنیاں ان سمندروں میں جہاز رانی کرتی ہیں۔

فرانسیسی لائینیں :- ایک ڈاک کی لائن مارسیلز سے قسطنطنیہ اور سمرنا کو جاتی ہے اور بحیرہ خضر اور ساحل شام کے بندروں سے بھی تعلق رکھتی ہے - اور دو تجارتی جہازوں کی لائنیں ہیں -

یونانی :- ایک لائن ٹریسٹ سے پیریئس - قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے بندرگاہوں تک -

اطالی :- ایک لائن ٹریسٹ وینس اور برنڈزی سمرنا - قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے بندروں تک اور ایک لائن مارسیلز سے اطالی بندروں اور قسطنطنیہ تک

روسی :- ایک لائن اوڈیسہ سے قسطنطنیہ اور بحیرہ خضر کے بندروں تک اور ایک لائن اوڈیسہ سے قسطنطنیہ اور ساحل شام کے بندرگاہوں اور مصر تک -

ترکی :- مخصوصہ کمپنی کے جہاز قسطنطنیہ سے سمرنا - ٹکرونیہ - سلانیک - وارنا اور طرابزون تک چلتے ہیں - کورنی کمپنی کے جہاز کریٹ - روڈس - بنوب اور طرابزون کے مابین - مخصوصہ کمپنی ترکی محکمہ امیر البحری کی ملکیت ہے - اور کورنی کمپنی گورنر کی جھنڈا اڑاتی ہے - لیکن تمام یونانی سرمایہ سے بنی ہوئی ہے اسکے علاوہ سلطنت عثمانیہ کی رعایا کے بعض چھوٹے چھوٹے سٹیمروں کی لائنیں ہیں - جو بڑے سمندروں میں نہیں جا سکتیں -

عثمانی بحری تجارت

سنہ ۱۹۰۱ء میں سلطنت عثمانیہ کی بحری تجارت (۵۸۸۶۱) ٹنوں کی (۱۰۷) سٹیمروں کی تھی - اور (۹۱۶) بادبانی جہاز (۱۷۹۸۸۳) ٹن بار کے تھے - اسی سال میں ترکی کے تمام بندرگاہوں میں کل (۱۸۸۰۳۴) جہاز تمام دولتوں کے داخل ہوئے اور انہوں نے (۳۴۳۳۳۲۸۷۷) ٹن وزن باربرداری کا لین دین کیا - بندر قسطنطنیہ میں سنہ ۱۹۰۳ء میں کل (۱۰۷۹۶) سٹیمر آئے جو (۱۶۲۳۴۶۵۱۷) ٹن بار کے تھے - جنمیں (۴۲۱۴) انگریزی اور (۲۰۷۳۳) یونانی سٹیمر تھے -

عثمانی ریلوے لائینیں

سنہ ۱۸۸۸ء میں پہلے پہل سلطان عبد الحمید خان کی دور اندیشانہ توجہ سے قسطنطنیہ کا ریلوے تعلق باقی یورپ سے قائم ہوا ہے -

سنہ ۱۹۰۳ء میں یورپین اور ایشیائی ٹرکی میں ریلوے لائینوں کی طوالت حسب ذیل تھی۔

یورپین ٹرکی میں :-	میل	سمرنا ایدین ریلوے	۳۲۰
اورینٹیل ریلیں	۸۱۵	سمرنا قصابا	۳۲۱
سالونیکا مونا سٹر	۱۳۵	مرسینا اوانا	۴۲
سالونیکا وادی آغلاج	۳۱۷	یافا یروشلیم	۵۴
میزان یورپین ٹرکی	۱۲۶۹	حجاز ریلوے	۳۰۱
ایشیائی ٹرکی :-		بیروت دمشق	۹۶
بغداد ریلوے (قونیہ سے ارغلی		دمشق مزیریب	۶۲
تک)	۱۲۵	حیفا درعا	۱۰۵
اناطولی ریلوے	۶۴۰	میزان ایشیائی ٹرکی	۱۹۲۰
مدانیہ بروصہ	۲۵	کل میزان	۳۰۱۹

لیکن آخر سنہ ۱۹۰۷ء تک اس مقدار میں اور بھی ترقی ہوئی ہے - مثلاً حجاز ریلوے آخر سنہ ۱۹۰۷ء تک ساڑھے سات سو میل سے زیادہ تیار ہو چکی ہے اور سنہ ۱۹۰۸ء کی آخر تک مکہ تک قریباً ہزار میل تیار ہو جائیگی - بغداد ریلوے کا اجارہ جو جرمنوں کو دیا گیا تھا اسکے رو سے وہ اناطولیا لائین کو قونیہ سے ادانا - موصل بغداد اور بصرہ تک توسیع دینے کا قصد رکھتے ہیں - کہ جسکی کئی برانچ لائینیں ہونگی اور خلیج فارس کے ایک بندرگاہ تک اسے توسیع دی جائے گی - جو کانسیشن اناٹولین ریلوے کمپنی کو عطا کیا گیا تھا وہ بغداد ریلوے کمپنی کو منتقل کر دیا گیا ہے - کہ جسکا ہیڈ کوارٹر قسطنطنیہ میں ہے - اسکا پہلا سکشن (۱۲۵) میل کا قونیہ اور ارغلی کے مابین اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں کھولا گیا تھا - بیروت دمشق لائین کو حمص اور حما تک توسیع دیگئی ہے اور ابھی اسے حلب تک بڑھایا جائیگا - حیفا لائین کہ جسکا کانسشن گورنمنٹ ٹرکی نے واپس خرید لیا ہے ترقی کر رہی ہے - اور ایک سکشن ۲۸ میل کا حیفا سے

آگے ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء کو جاری کردیا گیا ہے۔ لیکن ایسے مقام درع پر مکہ ریلوے سے ملحق کر دیا جائیگا۔ اور اس لائن پر حیفا حاجیوں کی آمدورفت کے لیے بندرگاہ ہوگا۔ حمیدیہ حجاز ریلوے فوالنبی دمشق مزیریب ریلوے کے متوازی چلیگی کہ جسے شاید گورنمنٹ خرید کر مکہ لائن کا ایک جزو قرار دیدے۔ ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء تک اس لائن کے (۲۵۰) میل پر مسافروں کی آمدورفت جاری ہوگئی تھی۔ ۳۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۸ء کو سلطان المعظم نے مکہ سے جدہ تک حمیدیہ حجاز ریلوے کا سکشن تعمیر کرنا منظور فرمایا۔ اور امید ہے کہ سلطان المعظم کی سنہ ۱۹۰۸ء کی سالگرہ تک مدینہ سے مکہ تک افتتاح ہوجائیگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا کوچک اور عرب میں سلطان المعظم ریلوں کو سرعت سے توسیع دینا چاہتے ہیں جس سے ملک کی دولت کے ساتھ سلطنت کا استحکام بے اندازہ بڑھ رہا ہے۔ گو ہندوستان کے تیس ہزار میل ریلوے کے مقابلہ میں ٹرکی کے تین ہزار میل ریلوے کو کوئی نسبت نہیں مگر یہ سارا کام سلطان حال کی کوشش اور دوراندیشانہ پالیسی کا نتیجہ ہے جو نہ کوئی نیا قرضہ اٹھاتے ہیں۔ بلکہ پرانے قرضے اور تاوان جنگ کی عظیم رقوم بھی تندہی سے اصل معہ سود ادا کر رہے ہیں۔

اسلامی حکومت کی شان اور اسلامی بے تعصبی

شیخ الاسلام اور دینی حکومت

جسطرح یورپ کے تمام دیگر عیسائی سلطنتوں میں چرچ اور سٹیٹ دو حصے سلطنت کے ہوتے ہیں ویسے ہی ٹرکی کا حال ہے۔ سلطان المعظم کی شاہانہ نگرانی میں عاملانہ اختیار اور اختیار وضع قوانین کو دو اعلےٰ عہدہ دار یعنے صدر اعظم اور شیخ الاسلام عمل میں لاتے ہیں۔ صدر اعظم دنیاوی حکومت کا صدر ہوتا ہے۔ اور شیخ الاسلام مذہب کا افسر اعلےٰ۔ گو دونوں کو سلطان نامزد کرتا ہے مگر شیخ الاسلام کے تقرر میں علما اور مذہبی اماموں کے نام نہاد رضامندی بھی حاصل کیجاتی ہے۔ شیخ الاسلام نہ صرف

جماعت علماء کا صدر ہوتا ہے - بلکہ تمام علما اور مفتیان مذہبی جماعت کا عزل ونصب اور انتظام اسکے اختیار میں ہوتا ہے - اور سلطنت کیطرف سے درجہ بدرجہ علما کو مشاہرے ملتے ہیں - بڑے بڑے جج بقدر اصحاب قوانین اور علم ادب کے اساتذہ علماء کی جماعت میں ہی ہوتے ہیں - اسلئے ایک لایق شیخ الاسلام بہت کچھ رسوخ ملک کی بہتری کیلئے استعمال کر سکتا ہے -

شرعی عدالتیں گو سلطنت کے تمام بنیادی قوانین احکام قرآنی اور حدیث نبوی اور خلفائے راشدین کے فیصلہ جات پر مبنی ہیں - مگر اسکے علاوہ کچھ اور قوانین سیاسی اور ملکی بھی مدوّن کیے گئے ہیں جو بین الاقوام ضروریات کے لئے درکار تھے - اسطرح ملک میں دو قسم کی عدالتوں کی ضرورت پیش آئی یعنے شرعی اور قانونی - مگر زیادہ تر شرعی عدالتوں کا رواج ہے - چنانچہ میں غلاطہ کی عدالت قضاء کو دیکھنے کے بعد یہ سطور اپنی یادداشت میں قلمبند کی تھیں: - یہاں ایک مسند پر دو قاضی بیٹھے تھے جنہیں یہاں حاکم کہتے ہیں - ان میں سے ایک نائب تھا - جسکی صرف چار پونڈ تنخواہ تھی - اور دوسرا چیف کہ جسکی تنخواہ سترہ پونڈ تھی - اسکے علاوہ کچھ رسومات عدالت کے طور پر انہیں اور بھی قریب چالیس پچاس پونڈ کے اہل مقدمہ سے آمدنی ہوتی ہے - جو یہ لوگ آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں - بڑے قاضی صاحب کا نام حسن بن خیر اللہ تھا - ان عدالتوں میں نکاح مہر طلاق تقسیم جائداد فروخت اراضی وغیرہ قسم کے مقدمات آتے ہیں جنکا فیصلہ شرعی طور پر ہوتا ہے - اور ان دعاوی پر بہت کم مقدار کا اسٹامپ چسپان کیا جاتا ہے - اور عرضی دعوے اور تمسکات ایک خاص قسم کے سطور میں لکھے ہوتے ہیں - میرے رہنما ایک قاضی صاحب کے دوست تھے اسلئے دوران مقدمہ

۱؎ کتاب قوانین عثمانی مطبعہ کارخانہ پیسہ اخبار لاہور میں قوانین سیاسی اور ملکی کی مفصل کیفیت درج ہے

میں ہی ہمارے لئے قہوہ لایا گیا - اسوقت ایک مقدمہ عدالت کے پیش تھا جسمیں زبانی شہادتیں لیجا رہی تہیں - اور ایسی خانگی طور پر گفتگو ہو رہی تھی کہ جسمیں دروغگوئی کا اندیشہ نہ تھا - اور بالکل نڈر ہو کر فریقین بے تکلفی کی باتیں کر رہے تھے - قاضی صاحبان اہل مقدمہ کو اور وہ انہیں آفندم (میرے صاحب) کہکر پکارتے تھے - معلوم ہوا کہ ایسی اور تین عدالتیں غلطہ میں ہیں - اور استانبول میں پندرہ سے زیادہ ہوں گے - ہر ولایت میں کئی کئی ایسی عدالتیں ہیں -

دیہات کے امام — جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں دیہات یا قصبات کے اماموں کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے - تین چار سو عزوش سے لیکر ایک سو تک انہیں زمیندار فصل کے موقعوں پر اگر خوشی سے کچھہ دیں تو بہتر ورنہ وہ کچھہ لینے کو مجبور نہیں - نکاح کا روپیہ دینے کو بہی مجبور نہیں - یہ ملا ایک قسم کے سرکاری عہدہ دار سمجھے جاتے ہیں - جو لوگوں کی نقل و حرکت اور شادی بیاہ کے معاملات سے سرکار کو مطلع کرتے رہتے ہیں -

رمضان عید وغیرہ — میرے میزبان نے مجھے ایک روز بتلایا کہ قسطنطنیہ میں ماہ رمضان میں لوگ ساری ساری رات جاگتے رہتے ہیں اور دن کو سوتے ہیں - رات کو قہوہ خانوں میں بیٹھے گپیں ہانکتے تھیٹر میں کو جاتے اور مسجدوں میں آتے جاتے رہتے ہیں - اور سحری کھا کر دن کو سوتے ہیں - شام کو شہر میں آٹھ مقامات پر توپ چلتی ہے - سب لوگ روزہ کھولکر خوب کھانا کھاتے ہیں - بہت لوگ دوسروں کے روزے کھلوانے کیلئے افطاری کا انتظام کرتے ہیں - اکثر امرا لوگوں کی دعوتیں کرتے ہیں - اور علاوہ کھانا کھلانے کے کھانے والوں کو دو دو چار چار دس دس پونڈ تک ایک رقم بنام "دیش کرایہ" (دانتوں کا کرایہ) دیتے ہیں - جو رسم ہندوستان کے برہمنوں کے دچھنا سے بہت ملتی جلتی ہے - خود سلطان المعظم تمام

ماہ فوج مقیم دارالخلافہ کی دعوت کرتے رہتے ہیں۔ آج چار کل دس پرسوں آٹھ پلٹنوں کو روزہ کھلوا کر کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اور سب افسروں کے ان تمام سپاہیوں کو ایک ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دیجاتی ہے۔ سلطان امرا کی دعوت کرکے انہیں قیمتی تحائف دیتے ہیں۔ رمضان میں سرکاری دفاتر دن کو صرف دو دو گھنٹہ کھلتے ہیں۔ ورنہ یہ مہینہ قومی اور مذہبی تعطیل کا سمجھا جاتا ہے۔ دفتروں کے کام کا بقایا جو شعبان میں بہت بڑھ جاتا ہے۔ پورا کیا جاتا ہے۔ راتوں کو مساجد کے میناروں پر خوب روشنی کیجاتی ہے۔ عید کی نماز کے بعد لوگ مصافحہ کرتے ہیں۔ اور آپس میں دوست احباب اور رشتہ دار شکر تقسیم کرتے ہیں۔ ہمسائے اور عزیز دوسرے روز برتنوں میں شکر ڈالکر ایکدوسرے کے گھر بھیجتے ہیں۔ عید اور اس کے دوسرے روز دن میں پانچ پانچ دفعہ نماز کے وقت سب توپخانوں سے توپیں چلتی رہتی ہیں۔ اور مملکت کے تمام بڑے شہروں میں ان توپوں کا رواج ہے۔ عید کے روز سلطانی دربار بڑے تزک و احتشام سے ٹھیک دن چڑھے مقام دولمہ باغچہ میں ہوتا ہے۔ عید کو ترک بیرام کہتے ہیں۔ اور عید قربان کو قربان بیرامی۔ عید قربان کے روز ہزاروں بلکہ لاکھوں دنبے اور بکرے اتنے بڑے شہر میں ذبح ہو جاتے ہیں۔ صرہ امین کی روانگی کہ جسمیں ہر سال سلطانی تحائف شریف مکہ کیطرف روانہ کئے جاتے ہیں ماہ شعبان میں ہوتی ہے۔ سلطان بنفس نفیس اس مذہبی رسم کو سرانجام دیتے ہیں ان سب باتوں سے اسلامی سلطنت کی پوری جھلک پڑتی ہے۔

جمعہ کی تعطیل ہرچند کہ مسلمان اور خصوصاً ترک عیسائیوں کی نسبت اپنے دین میں زیادہ پابند ہیں تاہم جیسے التزام سے ممالک یورپ میں مذہبی لحاظ سے اتوار کو مقدس دن سمجھ کر تعطیل کیجاتی ہے یہ بات قسطنطنیہ میں نظر نہیں آتی۔ اسکی وجہ یہ نہیں کہ گورنمنٹ عثمانیہ جمعہ کو عام تعطیل نہیں

کرلی - یا ترک جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے - بلکہ وہی اسلامک میں مختلف مذاہب کی کثرت اسبارہ میں بھی یک آہنگی نہیں پیدا ہونے دیتی - لنڈن وغیرہ عیسائی شہروں میں تو قبل دوپہر اتوار کو ایک دوکان کھانے کی بھی کھلی ہو اور ٹوراک تک کا نقشیم ہونا بند رہے - اور قسطنطنیہ میں جمعہ کو نہ صرف سب دوکانیں ہی کھلی ہوں - بلکہ چونکہ تجارت قریب قریب سب عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے - اتوار کو دوکانیں زیادہ بند ہوتی ہیں - اور گمرک وغیرہ بعض سرکاری محکمے بھی اتوار کو بند رہتے ہیں - نہ کہ جمعہ کو کیونکہ ان میں عیسائی زیادہ ملازم ہیں - گو یہودی استانبول میں زیادہ نہیں - لیکن وہ اپنی سبت یعنے ہفتہ کے روز تعطیل کرتے ہیں - ترک عموماً جمعہ کے روز سیر و تفریح کیلئے اپنے کنبے لیکر شہر سے باہر جو بیسیوں تفریح گاہیں ہیں وہاں چلے جاتے ہیں مسجد ایاصوفیہ اور بعض دیگر مساجد ہیں جو بزور شمشیر گرجوں سے مسجدیں بنائی گئی تھیں - اتنک یہ دستور جاری تھا - کہ امام شمشیر برہنہ ہاتھ میں پکڑ کر جمعہ کا خطبہ پڑھتے تھے - جو عجب شاندار نظارہ معلوم ہوتا ہوگا - مگر اب معلوم ہوتا ہے - کچھ عرصہ سے یہ رسم متروک ہے - اور سلطان حال کوئی ایسی بات نہیں ہونے دیتے - جس سے عیسائی یوروپ کو مسلمانوں کی جوش یا تعصب کا پتہ لگ سکے -

محکموں اور دفتروں میں مساجد

پہلے پہل ہمنے دفتر معارف (سررشتہ تعلیم) میں دیکھا کہ دفتر کے ایک کمرہ کو بطور مسجد استعمال کیا جاتا ہے مگر پھر دیکھا کہ اسی طرح اور سررشتوں کے دفتروں میں بھی مساجد موجود ہیں مسجد سررشتہ معارف بلحاظ فرش فروش و صفائی کے بہت اچھی حالت میں تھی - دیگر مساجد کیطرح یہاں بھی اللہ - محمد - ابوبکر - عمر - عثمان - علی - حسن - حسین کے آٹھ قطعے جلی خط کے آویزاں تھے - مسجد میں ایک دیوار کے ساتھ ایک بہت عمدہ کاؤچ پڑا ہوا تھا - جسپر میں اور علی نصرت صاحب

بیٹھکر باتیں کرتے رہے - اسکے بعد سررشتہ حقوق متا وریت اور باب عسکری وصحیہ کی مساجد کو دیکھا جو سب اس سے بڑی نہیں -

آرمنیوں کی شورش اور قتل

بہت سے یورپین سیاح جب قسطنطنیہ میں آکر سلطان المعظم کی روشنضمیری تعلیمی ترقی کی کوشش اور عیسائی رعایا سے انکا بے تعصبانہ سلوک دیکھتے ہیں تو دنگ رہ جاتے ہیں - کیونکہ جو کچھہ انہوں نے یورپ میں سلطان المعظم کی نسبت سنا ہوا تھا - یہاں بالکل اسکے برعکس کیفیت دیکھتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ کسطرح ہوسکتا ہے کہ ایسا رحمدل اور مہذب سلطان بلاوجہ آرمنی عیسائیوں کے قتل کا حکم دے - میں نے بھی قسطنطنیہ میں کئی آدمیوں سے آرمنیوں کے واقعہ کی کیفیت دریافت کی - جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آرمنیوں کے مفسدہ پرداز کمیٹیاں مدت سے تیاری کررہی تھیں کہ بغاوت کرکے مسلمانوں کا قتل عام کردیں - ان کمیٹیوں نے اسلحہ وغیرہ کا بہت بڑا انتظام کیا ہوا تھا - یہانتک کہ تو پیں بھی کچھہ حاصل کرلی تھیں اور طپنچے تو ایک ایک شخص کے پاس دو دو تھے - انہیں اتنا حوصلہ ہوگیا تھا - کہ اپنی پورا لی سلطنت کو الٹ دینا چاہتے تھے - باوجودیکہ عثمانی محکمہ مخبری بڑا زبردست ہے - لیکن اُسکے کانوں تک ان خبر نہوئی - اور آرمنیوں نے اسقدر انتظام کرلیا کہ وزارت اور سرعسکری تک کے عہدے بھی آپس میں تقسیم کرلئے آخر جب مناسب موقعہ دیکھا انہوں نے مسلمانوں پر ہاتھہ اٹھایا اور کئی مسلمان مارے گئے - اسپر مسلمانوں کو جوش آگیا اور انہوں نے جلانے کی لکڑیوں میں سے ہی لاٹھیاں لیکر آرمنیوں کے طپنچوں کا مقابلہ شروع کردیا - اور ہزارہا آرمنیوں کو ڈھیر کردیا - مگر مسلمانوں میں ایک بھی سپاہی نہ تھا بلکہ عام لوگ جوش میں آئے ہوئے تھے - اور گورنمنٹی طور پر کہا گیا تھا کہ ۲۵ ہزار ارمنی مارے گئے - مگر معلوم ہوا کہ ایک لاکہہ تیرہ ہزار سے کم نہیں

مارے گئے تھے ۔ صرف قسطنطنیہ میں گیارہ ہزار اور دیار بکر میں بیس پچیس ہزار
اُن کی آن میں شہروں اور دیہات تک میں ہزاروں ارمنی مارے گئے ۔ امید
کی جاتی ہے کہ اب ارمنی بہت مدت تک شورش کرنے کے لائق نہیں رہے ۔

حکومت ٹرکی کس قدر ٹالریشن کرتی ہے

لیکن کیا یہ واقعہ یا دیگر عیسائی اقوام بلقان سے
جو ترک ہمیشہ دست و گریبان رہتے ہیں ۔ اس لئے
پیش آتے ہیں ۔ کہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے تعصب ہے ۔ مگر ایسا
ہوتا تو ٹرکی کی رعایا میں عیسائیوں کو وہ مراعات حاصل نہ ہوتیں
جو اب انہیں حاصل ہیں ۔ اور سلطان فاتح کے زمانہ سے عیسائی
بطریقوں کے متعلق چلی آتی ہیں ۔ کہ وہ نہ صرف اپنے
ہم مذہبوں کے مذہبی حاکم ہوتے تھے ۔ بلکہ ان کے دنیاوی حکومت بھی
فیاض سلاطین نے انہیں کے سپرد کی ہوئی تھی ۔ غرض یہ صرف پولیٹیکل
وجوہات ہیں کہ جنسے ترکوں اور عیسائیوں کے درمیان آئے دن معرکہ جدال
و قتال گرم رہتا ہے ۔ کوئی سلطنت روئے زمین پر ایسی ہے جو اپنے
دیگر مذہب کے رعایا کے معبدوں کی مالی مدد کرتی ہو جیسی کہ ترک عیسائی گرجوں
کی کرتے ہیں ۔ کوئی سلطنت ایسی ہے کہ جسنے اپنے سے غیر قوم و مذہب کے
لوگوں کو وزارت اور ایمبیسڈری (سفارت) کے ذمہ دار عہدے دیئے
ہوں جیسے کہ سلطنت عثمانیہ نے ارمنیوں وغیرہ عیسائیوں کو دیئے ہوئے
ہیں ۔ اور اس پر بھی ترک متعصب غیر مہذب اور عیسائیوں کے دشمن سمجھے
جاتے ہیں ۔ گو بخلاف یورپ کے دیگر سلطنتوں کے سلطنت عثمانیہ کا
سرکاری مذہب اسلام ہے مگر نہ صرف عیسائی بطریقوں کو سلطنت کے
خزانہ سے مدد ملتی ہے ۔ بلکہ سلطنت اُن کو سرکاری عہدہ دار شمار کرتی ہے
اور نہ صرف ایک عیسائی فرقہ کو بلکہ ہر ساخت کو جدا جدا مذاہب سلطنت نے
تسلیم کیا ہوا ہے ۔ شروع میں ہی ٹرکی سلاطین نے اپنی رعایا کو مسلم اور

غیر مسلم دو حصوں پر تقسیم کر کے غیر مسلم رعایا کی اقسام کو بلحاظ مذہب ملتیں قرار دیدیا تہا۔ ۱۸۲۹ء تک چار غیر مسلم ملتیں سلطنت تسلیم کرتی تھی۔ یعنی رومن کیتھالک۔ یونانی۔ ارمنی۔ یہودی۔ لیکن اس تاریخ کے بعد پروٹسٹنٹ بلگیرین۔ سیروناتیٹ اور نسطورین بھی الگ الگ ملتیں تسلیم کی گئیں سلطان محمد فاتح اور اس کے جانشینوں نے عیسائی پیٹریارکوں (بطریقوں) کو سلطنت کے بڑے بڑے افسر مقرر کر دیا تہا۔ جن کے ہاتھ میں اپنے مقتدیوں کے بہت سے مذہبی اور ملکی اختیارات ہوتے تھے۔ یہانتک کہ عیسائی بطریق کے مہر کئے ہوئے خط کے ذریعہ سے ہی کوئی اسکا ہم مذہب بلا تحقیقات قید کیا جا سکتا تھا۔ بطریق ہر وقت دیوان ہمایوں کے ممبروں تک رسائی رکھتے تھے۔ اور ان کی رائے ان کے ہم مذہبوں اور مقتدیوں کی نسبت معتبر سمجھی جاتی تھی۔ لیکن ۱۸۳۹ء میں سلطان عبدالمجید خان ثانی نے۔ جو گلخانہ میں خط شریف لکہا۔ اس نے عیسائی ملتوں کے طرز حکومت کو بالکل بدل دیا۔ اس نے ان ممالک کے عیسائیوں میں ایک نیا خیال پیدا کر دیا کہ قانون کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ اور کہ بطریق کی خفگی اس کے کسی ہم مذہب کو سزا نہیں دلا سکتی۔ اس سے حوصلہ پاکر بلا دعثمانیہ کے عیسائیوں نے اپنے بطریقوں کے ہاتھ سے اپنے حقوق چھینے میں زور لگانا شروع کیا۔ سب سے پہلے ارمنی میدان میں نکلے۔ اور مدت کی کشمکش کے بعد انہوں نے اپنے بطریق سے تمام ملکی اور مذہبی اختیار ۱۸۶۰ء کی ایک صدارت عظمی کے حکم کے مطابق لے لئے۔ اس حکم کے رو سے دو مجلسیں بصدارت بطریق قرار پائیں ایک میں پادری مذہبی معاملات کا بہ طریق خود ایک عام مجلس اس قوم کی منتخب کرلی ہے۔ اسطرح کل اختیار اپنی حکومت کا ان قوموں کے ہاتہہ میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس لحاظ سے یہ ترکی کی مسلمان رعایا سے اچھی حالت میں ہیں۔ آرمینوں کی کامیابی دیکھہ کر دوسری ملتوں نے بھی اسیطرح کی

کونسلیں اپنے قومی انتظام کے لئے قایم کرلیں۔ اور اب ہر ولایت میں پارلیمنٹ کی ایک ایک ایسی پراونشل کونسل موجود ہے۔ اگر تمام دنیا میں غیر مذہب قوموں کو غیر مذاہب فاتحوں کے ہاتھ سے یہی رعائتیں حاصل ہو جائیں۔ جو ٹرکی میں مسلمان فاتحان کے ہاتھ سے عیسائی اور یہودی رعایا کو حاصل ہیں۔ تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے بہتر اور کونسی صورت مفتوح ملتوں کے لئے ہو سکتی ہے۔

تبادلہ سکہ۔ تجارت اور دستکاریوں کی کساد بازاری

تبادلہ سکہ مسافر کو قلمرو ئے ٹرکی میں تبادلہ سکہ کی بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کچھ تو چھوٹے سکے ہی کم ہیں اور کچھ مصنوعی طور پر غلاطہ کے ارمنی یونانی اور یہودی صرافوں نے کہ جنکی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی دوکانیں قسطنطنیہ کے بازار میں ہیں مصنوعی طور پر یہ مشکل پیدا کر رکھی ہے۔ جیسا کہ میں ایڈریانہ کے بیان میں ذکر کر چکا ہوں ایک فرانسیسی پونڈ خوردہ کرانیکا صراف ڈیڑھ غرش یعنی ۳ ر لیتے ہیں اور پھر بجائے چھوٹے چھوٹے سکے یعنی پیسے دینے کے چرک دیتے ہیں۔ جو پانچ پانچ غروش کے ہوتے ہیں۔ یا مجیدی دیتے ہیں۔ جو بیس غرش کے ہوتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے خوردہ دینے میں مجیدی کی قیمت ہی اینس غروش کر رکھی ہے۔ حالانکہ چرک ۵ غرش کا سکہ ہے۔ مگر اس کے توڑنے میں بھی دس بارہ یعنی دو پیسے لے لیتے ہیں۔ اور ان صرافوں نے ایسا جتھا بنایا ہوا ہے کہ تمام چھوٹے سکے کچھ کمیشن دے کر ٹرامبے اور غلاطہ کے پل اور تمام دوسرے مقامات سے کہ جہاں ایسے سکے جمع ہوتے ہیں خرید لیتے ہیں۔ اور پھر بھاری کمیشن لیکر لوگوں کو خوردہ دیتے ہیں۔ اس میں یہ بڑے بڑے فریب کرتے ہیں۔ اگر تم پونڈ توڑاؤ گے تو تمہیں چار مجیدی اور چار چرک اور کچھ غرش دینگے۔ ممکن نہیں کہ بابا دوسری کمیشن لینے کے ان میں سے ایک اور مجیدی کا خوردہ کر دیں۔ اگر ٹرامبے پر سوار ہونے لگو۔ اور

مجیدی یا چرک پیش کرو تو کنڈکٹر پہلے اس سکہ کے خوردہ کرنے کی کمیشن لیکر
پھر ٹکٹ کی قیمت رکھ لیگا۔ کبھی دفعہ دوکاندار سے آدھی مجیدی کا سودا لو۔ تو
بلا کمیشن باقی مجیدی کا خوردہ دینے میں تامل کرتا ہے۔ پایہ تخت سے باہر
اس سے بھی زیادہ تکلیف ہے۔ گھسے ہوئے سکے بالکل نامنظور کرتے ہیں۔ علاوہ
اسکے سمرنا۔ روڈس۔ اسکندرونہ میں جہاں کوئی چاندی کا سکہ توڑا یا تو تانبے
کا نیا سکہ ملا۔ جو قسطنطنیہ میں نہیں چلتا اور پھر ہر شہر میں مجیدی۔ غرش اور متالک
کی قیمت الگ الگ ہے۔ یہ معاملہ اس ملک میں مسافر کو سخت تکلیف دیتا ہے۔
اور بوجہ مختلف سکوں سے ناواقفی کے نقصان بھی ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے
جنگ روس کے بعد سلطان عبدالحمید خان غازی نے کچھ اصلاح سکوں کے
بارہ میں کی ہے۔ اور کوئی سکہ ملک سے جمع کر کے ضائع بھی کیا ہے اور
اسکی بجائے نیا ضرب کیا ہے۔ بلکہ نئے پارے جو ابھی مضروب ہوئے ہیں۔
اور مروج نہیں ہوئے۔ وہ بھی میں نے دیکھے۔ ذات سلطانی نے وہ تمام نوٹ
جو جنگ روس کے زمانہ میں ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ قیمت دیکر خریدے
اور تلف کئے۔ جس سے میرا مطلب یہ ہے کہ سکہ کے معاملہ کی جانب باوجود
اسقدر مالی مشکلات کے بہت کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ آپ ان مختلف سکوں
کے صرافوں کی کمیشنوں کو بھی منسوخ فرما دیں گے کیونکہ سلطنت کے کاغذ زر یا سکہ
کے تبادلہ کو اسکی رعایا کا مشغلہ بنانا سلطنت کے حکم کی خلاف ورزی کرنا ہے۔
میں نے سنا ہے کہ ان صرافوں نے یہانتک رسوخ بڑھایا ہوا ہے کہ بعض محکموں
سے لوگوں کی تنخواہیں بڑے منافع کے ساتھ خرید لیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص
کا گذارہ تنخواہ کے پہنچنے پر منحصر ہے۔ اور کئی ماہ سے اسکے وصول نہ ہونے سے
وہ حاجتمند ہے۔ وہ صراف کے پاس جاکر اپنے تین یا چار ماہ کے مشاہرات ایک
چوتھائی یا ایک تہائی کم قیمت پر فروخت کر دیگا۔ صراف اسے نقد روپیہ اسکی قیمت
دیدیگا۔ اب صراف کا اس محکمہ کی تنخواہ دینے والے افسر سے ایسا تعلق

کہ وہ اُسے فوراً وصول کر لیگا۔ جس سے شک ہوتا ہے کہ لفظ اسپیلے ضرافت
سے گھر میں نہیں رہتا ہوگا۔ پُل غلاطہ سے گذرتے ہوئے آگے بہتا ہے کہ پاس
چرک ہے ٹول والے محصول کے ایک شالک کے ساتھ ایک شالک
چرک سے توڑ دالی بھی کاٹ لینگے۔ اور اسی طرح ٹرام والے اور ریلوے
دوکاندار بھی کرتے ہیں۔ ذیل کے دو واقعات سے معلوم ہوگا۔ کہ خوردہ کا
مسئلہ یہاں کتنا ضروری ہے۔

دو مثالیں قسطنطنیہ سے روانہ ہوئے کے دنوں میں میں انگریزی سفارت
میں اپنے پاسپورٹ پر تصدیق کرانے گیا۔ اور بارہ غرش ادا کرنے کیلئے
ایک مجیدی دیا۔ تو انہوں نے بیس بارہ یعنی ایک آنہ مجیدی توڑنے
کا عوض کاٹ کر باقی خوردہ واپس دیا۔ اسی طرح جب میں نے واپسی پر جہاز کا
ٹکٹ لیا تو اسکی قیمت ایک سو غرش تھی۔ لیکن پونڈ کا بقایا دینے میں
جہاز کے دفتر نے اتنا تامل کیا کہ ٹکٹ کا دام واپس کرنے کو آمادہ ہو گیا جب
تک کہ میں نے بقایا خوردہ اپنے پاس سے نہ دیا۔ میں نے سنا تھا کہ پہلے
جشن سلطانی کی تقریب پر بہت سے نئے سکے یہاں مضروب ہوئے
وہ سب صرافوں نے لے لیئے تاکہ بازار نہ بگڑ جائے۔ بہت لوگ چاندی اور
سونے کے سکوں کو گھسا کر کم وزن کر دیتے ہیں۔ مجھے ایک روز ایک
ایسا نصف پونڈ ایک یونانی صراف نے دیدیا مگر چونکہ مجھے یہ ایک کتب
فروش نے لیکر دیا تھا۔ اسی نے دوسرے روز بدلوا دیا۔

ترکی سکوں کے نام اور قیمتیں۔ ترکی سکے تینوں قسم کے سونے چاندی اور میٹل کے
ہوتے ہیں۔ میٹل کے بعض سکوں میں بھی سنا جاتا ہے
کہ چاندی ملائی گئی تھی۔ جو ظاہر نظر نہیں آتی۔ غرش کہ جسے عرب قروش
کہتے ہیں اور یورپین پیاسٹر ہندوستان کے دو آنہ اور انگلستان کے دو
پینی کے برابر ہوتا ہے۔ مگر یورپ کے مختلف ممالک یا ترکی کے سونے

سکہ سکہ مقابلہ میں یہی چاندی کے سکے قرش کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے

تفصیل سکہ	بحساب نام طلائی قرش	تخمیناً قیمت چاندی کے قرشوں میں	اندازہ قیمت بلحاظ انگریزی اشرفی	[illegible]
طلائی پانچ لیرہ کا سکہ	۵۰۰	۵۴۰	۴ پونڈ ۰ اشلنگ ۱۱ پنس	
" اڑھائی لیرہ کا	۲۵۰	۲۷۰	۲ — ۵ — ۵	
" ایک لیرہ	۱۰۰	۱۰۸	۰ — ۱۸ — ۳	
" نصف لیرہ	۵۰	۵۴	۰ — ۹ — ۱۰	
" چوتھائی لیرہ	۲۵	۲۷	۰ — ۴ — ۱۱½	
چاندی کا مجیدیہ		۲۰	۰ — ۳ — ۴ پنس	
" نصف مجیدیہ		۱۰	۰ — ۱ — ۸ "	
" چوتھائی مجیدیہ (یا چرکہ یا لشلک)		۵	۰ — ۰ — ۱۰ "	
" دو غروش		۲	۰ — ۰ — ۴ "	
" غروش		۱	۰ — ۰ — ۲ "	
دھات کا سکہ آلتی لک	(قرش چاندی کے قرشوں میں)	۵	۱۰ پنس	
" بیش لک		۲½	۵ "	
" یوز لک (۱۰۰ پارہ)		۱¼	۲½ "	
" یرمی لک (۴۰ پارہ)		½	۱	
" اون لک (۱۰ پارہ)		¼	½	
" ۵ پارہ		⅛	¼	

عموماً استعمال میں یہی سکے آتے ہیں۔ مثلاً لک یعنی دس پارہ جو وہاں پیسہ کا کام دیتا ہے۔ قرش مثلاً لک کلان اڑھائی قرش کا لشلک (چاندی) کا چرکہ ۵ قرش کا

مجیدی چاندی کا چار چرک یا بیس قرش کا۔ لیرہ یعنے ترکی پونڈ (اور افسعت پونڈ) سونے کا سو قرش کا۔ لیکن چونکہ لیرہ سونے کا ہے۔ اور اُسکی قیمت برائے نام سونے کے سو قرش ہیں جو اصل میں سونے کے قرش موجود نہیں اسلئے چاندی کے (۱۰۸) قرش ملینگے۔ گو مجیدیہ بیس قرش کا سکہ ہے۔ لیکن پل پر یا سرکاری مطالبات میں ۱۹ قرش کا محسوب ہوگا۔ اس قسم کی پیچیدگیوں سے صرافوں کی چاندی ہوتی رہتی ہے۔ انگریزی پونڈ کے ۱۱۸ قرش ملتے ہیں۔ اور فرانسیسی پونڈ کے ۹۵+ عجیب بات یہ ہے کہ تمام قلمرو ئے عثمانیہ میں سکے کی قیمت ایک نہیں۔ مثلاً جب مسافر قسطنطنیہ سے سمرنا میں پہنچتا ہے اور وہاں بیس قرش کا سودا خرید کر ایک مجیدی ادا کرتا ہے۔ تو دکاندار اسے بارہ قرش واپس لوٹاتا ہے۔ گویا یہاں مجیدی ۳۲ قرش کا ہوگیا۔ اور مختلف اشیا کے خریداری میں بھی قیمت مختلف ہوجاتی ہے۔ مثلاً قہوہ خریدنے میں مجیدی ۲۵ قرش کا ہے تو افیون خریدنے میں ۴۰ قرش کا۔

وزن مجھے تو صرف اوقہ اور قنطار سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ ٹرکی میں ۱۸۸۹ء سے فرانس کا عالمگیر عشری یعنے میٹرک سسٹم قانوناً جاری ہوگیا ہے۔ اور ترک گو وزن نئے اندازہ کے مطابق کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے اپنے قدیم اوزان کے نام نہیں بدلے۔ مثلاً

۱۔ کیلوگرام	۱۔ اوقہ
۱۰۔ کیلو	۱۔ بتمان
۱۰۰۔ کیلو	۱۔ قنطار
۱۰۰۰۔ کیلو	۱۔ چیکی۔

نہار وقت میں عجیب اختلافات جو شخص ہندوستان یا یورپ سے قلمرو ئے عثمانیہ میں پہنچے اُسے پہلے پہل یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ جب اُسکی گھڑی میں صبح کے چھ بجتے ہیں۔ ترک کہتے ہیں بارہ بج گئے۔ بات یہ ہے

کہ ترک وقت کو صحیح قاعدہ قدرت کے مطابق غروب آفتاب سے شمار کرتے ہیں اسطرح شام سے لیکر صبح تک اُن کے بارہ بجتے ہیں اور صبح سے شام تک پھر بارہ اور یہ چوبیس گھنٹے ایک دن کے ہوئے۔ یہ تقسیم زیادہ معقول معلوم ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اہل ہند انگریزی طریق اوقات سے مانوس ہیں انہیں یہ بات مصر کے اور استانبول میں کہ جہاں عثمانی طریق مروج ہے اچنبا معلوم ہوتی ہے۔ مگر چونکہ یورپین یہاں بھی بہت ہیں اور ہر روز آتے رہتے ہیں۔ اسلئے جب یورپین حساب سے وقت مثلاً نا ہو تو کہتے ہیں "الا فرنکا" یعنے بطریق افرنجی یہ فرانسیسی محاورہ ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں پھر ترکی طریقہ کو "الا ترکہ" کہتے ہیں

صنعت وحرفت کے کارخانے اور دستکاریاں

جیساکہ میں کسی دوسرے مقام پر لکھ چکا ہوں یہاں کا ترسانہ یعنے جہاز سازی کا کارخانہ معہ اپنی تمام شاخوں کے مکمل ہے۔ توپ خانہ کا بھی مکمل "فابریقہ" موجود ہے۔ زیتون برنو کے فنشنگ خانہ اور دمیر خانہ کا حال بھی مفصل بیان کر چکا ہوں۔ فسقیا کی کیفیت بھی لکھ چکا ہوں کہ جہاں ٹوپیاں اور بانات۔ فوجی وردیوں کے لئے بنتی ہے۔ بلکہ ہیرکہ کے کارخانہ میں بھی قالین بانات اور ٹوپیاں بنتی ہیں۔ اور ان سب کارخانوں میں ہزارہا دستکار اور مزدور کام کرتے ہیں۔ مگر سب سرکاری ہیں۔ رعایا کے کارخانوں اور مشترک کمپنیوں کا کچھ ذکر نہیں صرف ایک چینی برتنوں کا "جام فابریقہ"۔ اور بعض کارخانے مٹی کے پختہ نالکوں وغیرہ کے ہیں۔ اسکدار میں دستی کام کرنیوالے کئی ریشم کے کارگاہ ہیں۔ کہ جنہیں چامہ نامی ایک قسم کا نہایت نفیس لباس تیار ہوتا ہے اور ریشم کے چارشف (برقعے یا چادریں) بنتی ہیں۔ کپڑے اور چمڑے پر اعلےٰ درجہ کا زردوزی کا کام بے نظیر ہوتا ہے۔ تولئے اور مشہور قالین سلطنت کے دوسرے مقامات میں بنے جاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ان محدود دستکاریوں سے کبھی کوئی قوم آسودہ یا دولتمند نہیں ہو سکتی

تجارت و حرفت سے بے توجہی

غرض کہ قلمرو ئے عثمانی میں بھی مسلمان رعایا کو تجارت اور صنعت و حرفت کے کارخانوں کی طرف مطلق توجہ نہیں۔ جہاں اس قوم کے ہاتھ میں سلطنت ہے وہاں اسکی حالت اس سے بھی ابتر ہے کہ جہاں یہ سلطنت کھو چکی ہے۔ جہانتک میں معلوم کرسکا ہوں۔ بلحاظ تجارت اور حرفت اور نیز دولت کے دریافت شدہ بعض قسطنطنیہ کے مسلمان ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ اگر چند وزرا یا خاندانی امیر اور دس پانچ پرانے تاجر دولتمند ہوئے۔ تو اس سے قوم کی دولتمندی پر اثر نہیں پڑ سکتا۔ بحیثیت مجموعی یہاں مسلمان مفلس ہیں۔ شہر قسطنطنیہ کی تمام تجارت یونانیوں۔ ارمنیوں یا ممالک غیر کے یورپین تاجروں کے ہاتھ میں ہے۔ اور مسلمانوں کا انحصار صرف سرکاری ملازمت پر ہے۔ کہ جس کی تنخواہ کی اوسط اور ۲ پونڈ ماہوار سے زیادہ نہیں۔ جو اس ملک میں صرف زندگی گذارنے کے لئے بمشکل کافی ہیں۔ بہت کم دوکانیں ترکوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اگر چند ہیں بھی تو وہ بھی بنیئے۔ بقال۔ کنجڑے۔ قصاب کی ہیں۔ اور وہ بھی گذشتہ فسادات ارمنی کے بعد شروع کی ہیں۔ ابتک نانبائی کی زیادہ دوکانیں عیسائیوں کی ہیں۔ جنپر سب مسلمان کھا لیتے ہیں۔ یہ حال قسطنطنیہ ہی کا نہیں بلکہ تمام قلمرو ئے عثمانی کا یہی حال ہے۔ سمرنا میں تجارت تمام یونانیوں اور دیگر یورپین اقوام کے ہاتھ میں ہے۔ روڈس کا ایک شخص جو اسی جہاز میں مسافر تھا۔ جس میں کہ میں تھا بتلاتا تھا کہ تمام تجارت اور کاروبار یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جو نہایت دولتمند ہیں۔ مگر مسلمان تمام محتاج ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی پیشہ ہے اور نہ تجارت اور دوکانداری۔ دمشق اور بیروت میں بھی مسلمانوں کا افلاس ضرب المثل ہے۔ کیونکہ وہاں کی تمام تجارت بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔

ان حالات پر غور کر کے مجھے یقین ہوگیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا افلاس

زوال سلطنت کا باعث نہیں ۔ بلکہ ان کا رفتار زمانہ کے نشانہ چلنے کا موجب ہے کیونکہ ترکوں کے ہاتھ میں ابھی بہت بڑی سلطنت ہے ۔ مگر وہ بھی دنیا بھر میں ایک مفلس قوم ہیں ۔ اگر مسلمان اپنی کاہلی اور علوم و فنون کی طرف سے بے توجہی نہ چھوڑینگے ۔ تو ان کی نکبت بھی ۔ ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گی خواہ یہ دنیا کی کسی سرزمین میں چلے جائیں ؎

جہان گشتم و دردا ہیچ شہر و دیار نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

مینے دیکھا ہے کہ جن صفات حسنہ سے متصف ہونے کی مسلمانوں کو تاکید ہے ان سے غیر قومیں بوجہ احسن متصف ہیں ۔ اسلئے اس میں ذرہ بھی شک نہیں ۔ کہ جہانتک وہ قومیں ایفاے عہد ۔ نفست ۔ جفاکشی ۔ سلامت روی وغیرہ صفات پر کاربند ہیں ۔ اتنا حصہ مسلمانی کا ان میں ہم سے بہتر ہے اور جو اسکا ثمرہ ہونا چاہیئے ۔ وہ بھی ان لوگوں کو ہم سے بہتر مل رہا ہے ۔ خدائے بزرگ و توانا رب العالمین ہے ۔ اسے کسی خاص قوم سے الفت نہیں مگر اپنے اچھے بندوں سے ۔ جو سعی کرتے ہیں اُن کی وہ بھی مدد کرتا ہے ۔ یہ قدرت کا ایک موٹا سا اصول ہے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے ۔ ؎

بقدر الکد تکتسب المعالی ومن طلب العلی سہر اللیالی
یغوص البحر من طلب اللآلی ویحظی بالسیادۃ والنوال
ومن طلب العلی من غیر کد اضاع العمر فی طلب المحال

مگر افسوس کہ آج مسلمان دنیا بھر میں نفست نہ رکھنے یا کم ہمت ہونے میں مشہور اور جدوجہد نہ کرنے کی بدولت ذلیل و خوار ہو رہے ہیں ۔ گو المال والبنون زینۃ الحیوٰۃ الدنیا " سے دنیا کی دولت مراد ہے لیکن وہ دولت جو صرف محبت زر کے لئے جمع کیا جائے ۔ اور جس سے کہ اپنی ذات یا دوسروں کو کچھ منفعت نہ پہنچے ۔ لیکن جس دولت سے تم یتیم و بیوہ کی مدد کر سکو ۔ جس سے قحط زدہ کی جان بچا سکو ۔ جس سے کوئی مدرسہ یا مکتب قائم کرکے علم کا نور

پھیلا سکو۔ جس سے قوم کی عزت قائم رکھ سکو۔ کیا وہ دولت بھی مردار ہے۔ اور اس کے طالب کتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھو۔ ان میں بڑے بڑے دولتمند اور فیاض لوگ گذرے ہیں۔ جن کے "پل و مسجد و چاہ و مہمانسرا" ابتک موجود ہیں۔ اگر ان کے پاس دولت بھی نہ ہوتی تو یہ کام کس طرح بنا سکتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ضرور دولت پیدا کرو بلکہ میں کہتا ہوں کہ دنیا میں عزت کی زندگی گذارو خود بھی آسودہ رہو اور اپنے ساتھیوں کو بھی آسائش بہم پہنچا سکو۔

من نگویم کہ کنوں با کہ نشین و چہ بنوش   کہ تو دانی ہمہ گر زیرک و عاقل باشی

ترکوں کا افلاس

شہر میں کم از کم چھ ہزار مکانات ایسے لوگوں کے ہوں گے جو عسکری (فوجی) اور ضباط (پولیس) اور ملازمین سلطنت پانچ چھ لیرہ ماہوار پر ملازم ہیں۔ اور تین چار لیرہ ماہوار کی خوراک سرکار سے پاتے ہیں۔ اس پر کسی عیالدار کا کیا گذارہ ہو سکتا ہے۔ ایک روز ایک بڈھے ترک نے جو فوجی ملازم تھا مجھے بتلایا کہ قسطنطنیہ میں تمام تجارت اور دوکانداری عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جس سے مسلمان مفلس اور عیسائی دولتمند ہیں۔ مسلمان سوائے فوجی ملازمت کے کچھ جانتے نہیں۔ ایک مسلمان سلطنت میں یہی مسلمانوں کا یہ حال دیکھکر واقعی افسوس ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں نہ قابل ذکر تجارت اور نہ دستکاری ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جیسا شہروں کا حال ہے اس سے بدتر دیہات کا ہے۔

دیہاتی ترکوں میں دستکاری کا فقدان

ڈبلیو ایم رامزے صاحب ڈی سی ایل۔ ایل ایل ڈی کی کتاب "امپریشنز آف ٹرکی ڈیورنگ ٹویلو ییئرز وانڈرنگس" کے یہ جملے میرے خیال کی تائید کرتے ہیں۔

"متعدد سے چند دستکاریاں جو ترکی میں رائج ہیں سب عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر گاؤں میں کسی ترک کا گھر پتھر سے ستھرا اچھا بنا ہوا نظر آئے۔ تو وہ سمجھنا چاہیے کہ یونانی دیہاتی معمار نے بنایا ہے۔

اگر کسی ترکی موضع میں ایک چشمہ (فوارہ) کی ضرورت ہو تو یونانی معمار سے بنوایا جاتا ہے۔ سوا اس کے بہت عمدہ سلجوقی (اسلامی) مدرسہ پر اسکے تعمیر کرنیوالے یونانی معمار کالو یانس کا نام کندہ ہے۔ اور اسی طرح تمام تجارت دستکاری یہانتک کہ ذخیروں کے لیجانے اور لانے کا کام بھی عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ خچر والا عموماً اور شتربان ہمیشہ ترک یا ترکمان ہوتا ہے۔ لیکن اس مال اور جانور دونوں کا مالک یقیناً عیسائی ہوتا ہے۔ ترک اگر محنت مزدوری کرے بھی تو وہ سوائے محض مشقت کا کام کرنے کے سکلڈ لیبر (لیاقت کا کام) کرنا نہیں جانتا۔ اور شاذ ہی کوئی دستکاری کا کام سیکھتا ہے۔ صرف چند اضلاع ہیں جہاں قدیم الایام سے کچھ دستکاری کا دستور چلا آتا ہے۔ تم ترکوں کو ایسے کاموں میں مصروف دیکھوگے۔ لیکن جو شخص غور کی نظر سے دیکھے گا وہ شناخت کریگا کہ یہ لوگ محض قدیم باشندوں کی نسل سے ہیں کہ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہو۔ بتانہ میں مینے ایک لایق اور مستعد اور دولتمند ترک کو دیکھا مگر وہ شکل صورت اور قومیت سے صاف ترکی النسل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ایک عیسائی یا تھرکیشین موضع کے گرد کئی قسم کی فصل پائی جاتی ہے۔ کئی قسم کی ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں مکھن بنایا جاتا ہے۔ اور انواع اقسام کی غذا اور خوراک پیدا کرنے کے لئے کچھ کاریگری اور عقل خرچ کیجاتی ہے۔ لیکن ترک کی زندگی کی ایک ہی غرض یعنے سپاہی بننا چلی آئی ہے۔ اور جبکہ وہ جبراً فوج میں بھرتی کئے جانے سے یا افلاس اور قرض کے پنجہ سے مجبور ہو کر سمرنا یا استانبول میں جاکر مزدوری کرنے سے بچ رہے تو وہ بالکل بیکار رہ کر زندگی گذار دیتا ہے۔ عورتیں زیادہ تر ان کی پرورش کرتی ہیں۔ وہی کھیت کیار کاشت یا وہ کام کرتی ہیں جو نہایت مختصر ہوتا ہے اور یہ بچے کھلاتے ہیں یا کبھی کبھی چراہیں بن دیتے ہیں۔

خیر میں اس بات کا تو قائل نہیں کہ شہری ترک ایسے گئے گذرے اور کاہل ہیں کہ نکمی اور بیکار پڑے رہتے ہیں۔ شاید دیہاتی ترکوں کی حالت مبالغہ

کا ہناک مرچ لنگا کر اس عیسائی مصنف نے بیان کی ہو تاہم انہوں نے دستکاری اور تجارت کی طرف کچھ توجہ نہیں کی۔ اور اب اُن کے حالات بھی ایسے ہیں کہ انہیں ادہر متوجہ ہونے اور کامیاب ہونے میں دیر لگے گی۔

جنگی حالت جہاز سازی و توپ سازی کے کارخانے اور سلطنت کے دیگر اعلیٰ محکمہ جات

سابقہ جنگی حالت کی تاریخ یہ قوم چھ سو سال سے یورپ کے اس حصہ پر حکمران ہے بہت اچھے دن دیکھ چکی ہے۔ یہاں تک کہ پہلے چار سو سال میں اس کے اسلحہ سے یورپ میں بمشکل امان ملتی تھی۔ یورپ کے بڑے سے بڑے قیصر ترک شہنشاہوں کے صدر اعظم کی دوستی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ مگر ہر کمال کے لئے زوال ہے۔ آخر ترکوں کی حکومت میں بوجہ سلاطین کی عیش پسندی اور قوم کی جہالت کے زوال آنے لگا۔ اور اب دو سو سال سے یعنی ۱۶۸۰ء میں ویانا کی دیواروں کے باہر شکست کھانے کے بعد برابر ترکی سلطنت کے کرور حصے اس سے ٹوٹ ٹوٹ کر منتشر ہو گئے ہیں جس زمانے میں ترک زبردست تھے۔ یورپ کی قومیں بھیگی بلی بنی ہوئی تھیں۔ مگر حکم آیہ کریمہ "تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" اب ترکی کی زبردستی اور اقوام یورپ کی طاقت کا زمانہ آگیا ہے۔

دور مجنوں گذشت و نوبت ماست — ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست

ترکوں کی منتہائے ذلت کا زمانہ سلطان عبدالعزیز مرحوم کا قتل ہونا سلطان مراد کا بوجہ دیوانگی تخت سے علیحدہ ہو کر سلطان عبدالحمید خان غازی کا تخت پر متمکن ہونا اور ایک عظیم الشان جنگ میں روس سے شکست کھانا تھا۔ ہر چند کہ جنگ کریمیا کے قرضہ سے چھ سات ملین پونڈ کے قریب پہلا قرضہ بھی سلطنت کے ذمہ باقی تھا۔ لیکن ڈیڑہ سو ملین پونڈ قرضہ سلطان عبدالعزیز نے اپنے پندرہ سولہ

سال کے عہد حکومت میں بڑھا لیا تھا۔ اور اب جنگ روس میں شکست فاش کھانے
سے نہ ترکی فوج کا ہی شیرازہ بکھر گیا تھا۔ بلکہ ترکی خزانہ خالی تھا۔ اور نہ صرف خزانہ
خالی تھا بلکہ ملک کا اعتبار بھی یورپ کے سرمایہ داروں کی نظروں میں کچھ نہ رہا تھا کہ اور قرضہ اسکو دیویں۔ یورپین
کی دولتوں نے ترکی کی اس حالت زار کو دیکھکر اسکا نام مرد بیمار رکھ دیا تھا اور در اصل جس شخص کے اتنے عضو کاٹے

مرد بیمار جائیں جتنے کہ یونان۔ سرویا۔ رومانیا۔ مانٹی نیگرو۔ بلگیریا۔ مصر۔
کریٹ وغیرہ وغیرہ کی صورت میں سلطنت ترکی کے جسم سے کاٹے گئے ہیں۔
اس کے بیمار ہونے میں کیا شک ہے۔ مگر اس نازک وقت میں ترکوں نے
جس شخص کو اپنا سلطان بنایا تھا۔ اسکو خداوند کریم نے غیر معمولی انتظامی قابلیت
بخشی تھی۔ باوجودیکہ اس بےسروسامانی کی حالت میں روس کے جنگ کا عظیم
تاوان بھی ترکی کے زار و نزار جسم پر بار کر دیا گیا تھا۔ مگر نوجوان سلطان صرف امن
اور مہلت کا خواستگار رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ مریض کے اعضائے رئیسہ سلامت ہیں
یا دوسرے الفاظ میں مادہ کافی موجود ہے۔ لیکن کسی اعلیٰ درجے کے کاریگر ہاتھ کی
ضرورت ہے۔ اور اس نے اس تہائی صدی میں۔ جو اس ہولناک ہنگامہ سے
اب تک گذری ہے۔ دنیا پر ثابت کر دیا کہ وہ ضرور نہایت قابل کاریگر ہے۔

سلطان عبدالحمید خان غازی نے سب سے پہلے اپنی توجہ دو امور کی جانب منعطف

مالی اصلاح کی۔ ملک کی مالی حالت کی اصلاح اور فوجی حالت کی تقویت اور تنظیم
ہر چند کہ دولت عثمانیہ کے سالانہ محاصل (اٹھارہ ملین پونڈ) (عثمانی لیرہ) سے
زیادہ نہیں (عثمانی لیرہ یعنی پونڈ۔ انگریزی پونڈ سے قریباً ۱۰ فیصدی یعنی سوا روپیہ
کم ہوتا ہے) لیکن دور اندیشی کفایت شعاری اور انتھک کوشش کے ساتھ سلطان عبد
الحمید خان نے نہ صرف آئندہ قرضہ لینے سے اجتناب کیا۔ بلکہ پچھلے قرضے کے ادا کرنے
کا مستقل بندوبست کر دیا۔ اب ترکوں کا قومی قرضہ اتنا زیادہ نہیں رہا۔ جو بمقابلہ
دیگر دول یورپ کے قومی قرضوں کے بہت زیادہ معلوم ہو تاہم اسکی ادائیگی کے
اس قسم کے انتظام اور وعدے کئے گئے ہیں کہ بخلاف دیگر دول عظام کے قومی قرضہ

قومی قرضہ کی ادائیگی

ساتھ کا ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ صرف دولت عثمانیہ کے قرضہ کے انتظام کے لئے قسطنطنیہ میں ایک بڑا محکمہ بنام "دیون عمومیہ" ایک بڑی عالیشان عمارت میں استنبول کی ایرانی سفارت کے قریب قائم ہے اور اسکی شاخیں تمام سلطنت میں بعض مقررہ ٹکس جمع کرنے کے لئے مقرر ہیں جو انکے ایجنٹ جابجا وصول کرتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ اس عمارت کا خرچ اور محکمہ کی تنخواہ اس قرض کے ادا بھی بھاری کرنے میں معقول مدد دیتے ہونگے۔ دیون عمومیہ کی ادائیگی کے لئے سلطنت نے اسٹامپ، نمک۔ ریشم۔ سپرٹ۔ مچھلی اور کچھ حصہ تمباکو کے محصول کا علاوہ مشرقی رومیلیا۔ جزیرہ سائپرس اور بلگیریا کے خراج کے مخصوص کیا ہوا ہے۔ جس سے قرضہ ۱۸۸۱ء سے ابتک سلسلہ وار کم ہو رہا ہے۔ وسط سنہ ۱۹۰۰ء میں بقول سٹیٹسمین ایئر بک کل قرضہ کی مقدار نو کروڑ چھیاسٹھ لاکھ چون ہزار اکتیس پونڈ تھی۔ علاوہ اس کے تیس چالیس لاکھ پونڈ کا ایک اور قرضہ ہے اور ساڑھے تین لاکھ پونڈ سالانہ روس کو تاوان جنگ کے طور پر دیا جاتا ہے لیکن اس ترقی کے زمانہ میں جبکہ دیکھا جاتا ہے کہ دنیا کی کل باقی دول عظام کا قرضہ بھی کچھ کم نہیں۔ تو ٹرکی کو باوجود ان تمام مصیبتوں کے جو اس کے سر پر تھوپے جاتے ہیں۔ اور

دول یورپ کے قرضے

باوجود ان تمام جنگوں کے جو اسکے ہر روز کرنے پڑتے ہیں۔ بہت زیادہ مقروض نہیں پایا جاتا۔ مثلاً سنہ ۱۸۹۸ء میں روس کا قومی قرضہ (۰۰۰۰۰۷۳۳۴۱) پونڈ تھا۔ فرانس کا (۱۰۸۴۳۳۷۷۹۶) پونڈ۔ جرمن کا (۵۹۱۹۵۷۰۳۴۴) پونڈ۔ اٹلی کا (۵۱۴۲۹۷۳۹۲) اور آسٹریا کا (۵۴۳۳۱۷۷۸۴۳۳) پونڈ تھا۔

آجکل جبکہ یورپ کی تمام اول اور دوم درجہ کی دولتیں فوجی اسلحہ کے بڑھانے اور جنگی قوت کے مضبوط کرنے کے لئے برابر قومی قرضے لے رہی ہیں۔ سلطنت ٹرکی

جدید فن حرب میں کامیابی

نے اس ۲۵-۳۰ سال کی حکومت میں نہ صرف ایک جدید آئندہ استقراض نہیں کیا۔ بلکہ ۲ ملین قرضہ اپنے محاصل سالانہ سے

ادا کر دیا ہے۔ مگر باوجود اس کے بھی ترکی اپنی فوجی طاقت کی طرف سے ذرہ غافل نہیں رہی۔ بلکہ اسکا سب سے بڑا کام فوجی قوت کو مضبوط کرنا ہے۔ کہ جسکا کسی قدر ثبوت گذشتہ جنگ یونان کے موقع پر یورپ کے ملٹری نکتہ چینوں کو ملگیا ہے ایک ترک نے مجھ سے بیان کیا کہ لڑائیاں تو ہم ہر روز لڑتے رہے ہیں۔ اور جنگ ترکوں کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن یورپ کے جدید ترین طریقہ حرب کے اصول و قوانین کے مطابق ہم نے یہ پہلی لڑائی لڑی ہے۔ اور اسمیں ایک نقطہ بھی غلط نہیں کیا۔ اس نے کہا بیشک اب تک ہماری فوج میں جرمن استاد موجود ہیں لیکن اب وہ استاد بھی قائل ہیں کہ ہم ان سے فنون حرب میں کم ماہر نہیں رہے۔ تاہم اس شخص نے مجھے بتلایا کہ "فینود" میں یورپ میں صرف جرمن فوج ہم سے ایک پائنٹ آگے ہے۔ لیکن طبعی جسارت اور بہادری میں ترکی سپاہی جرمن سپاہی سے دو پائنٹ آگے ہے۔ یورپ کی دوسری قومیں۔ جن میں روس بھی شامل ہے کیا طریق جنگ میں اور کیا بہادری میں ہم سے پیچھے ہیں۔

اس وقت کل ترکی فوج دس یا بارہ لاکھ بیان کیجاتی ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سوائے ارکان سلطنت اور ذات سلطانی کے کسی شخص کو ترکی فوج کی صحیح مقدار معلوم نہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق کوئی اطلاع شائع نہیں کیجاتی۔ اور نہ کسی قسم کی آمد و خرچ کا حساب شائع ہوتا ہے۔ میں نے بہت سی اس مطلب کی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن مجھ کو لوگوں سے معلوم ہوا کہ ان امور کو راز سلطنت قرار دیا گیا ہے اور یہی مصلحت ہے۔

بری و بحری فوج تاہم جو حالات فوج کے متعلق زبانی معلوم ہوئے ان کے مطابق ترکی فوج اتنی نہیں جتنی کا غذات میں درج ہے۔ کیونکہ کاغذات کے رو سے اسوقت ترکی فوج بوقت امن ایک لاکھ ۹۰ ہزار سپاہی اور ۱۳ ہزار افسر بتلائی جاتی ہے۔ اور بوقت جنگ دس لاکھ کی جمعیت جمع ہو سکتی ہے۔ مگر میں نے سنا ہے کہ ستر لاکھ فوج جرار سلطنت عثمانیہ بوقت ضرورت ماسوا مصر اور سرحدی بالشتی بندوقوں سے مسلح جمع کر سکتی ہے۔ اور اس لئے فوج کا خرچ اتنا زیادہ ہے۔ کہ سلطنت عثمانیہ بحری

طاقت کی ترقی کی طرف توجہ نہیں کر سکتی۔ تاہم جسقدر روپیہ کسی نہ کسی طرح یہ سلطنت حاصل کر سکتی ہے۔ آجکل بحری طاقت کی اصلاح کے لئے بھی دیا جاتا ہے۔ بحری فوج میں کاغذات کے روسے کل اڑھائی ہزار افسر اور پندرہ ہزار آدمی ہیں۔ لیکن بوقت جنگ یہ دگنی سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ آجکل آٹھ اور دس لاکھ پونڈ کے درمیان بعض آہن پوش جہازوں کی مرمت کے لئے دیا گیا ہے۔ جو اٹلی اور جرمنی کے بعض جہاز بنانے کے کارخانوں میں مرمت ہو رہے ہیں۔ اور اخبار اقدام میں میں نے دیکھا تھا۔ کہ سات آٹھ لاکھ پونڈ کے مابین اٹلی کے ایک کارخانہ میں بعض جہازوں میں نئی توپیں رکھنے کے لئے ٹھیکہ دیا گیا ہے۔ جو ۳-۳ ماہ کے بعد ۱۸-۱۸ ہزار پونڈ کی اقساط میں دیا جاویگا۔ تاہم جسقدر بے پرواہی ترکوں نے اپنے جنگی جہازوں سے برتی ہے۔ اتنی تارپیڈو شکن کشتیوں اور زیر آب چلنے والی کارڈن فلٹ کشتیوں سے نہیں برتی۔ کیونکہ ان کی حالت اچھی بیان کیجاتی ہے۔

گورنمنٹ ٹرکی خراج کے علاوہ بطور عشر کے جو چھوٹی چھوٹی رسوم زمینداروں سے لیتی ہے۔ وہ کل ملاکر پیداوار کے ۱۲½ فی صدی کے برابر ہوتی ہیں۔ جو ہرگز
خراج
بھاری نہیں ہیں۔ اور آمدنی کا ٹکس جو بنام تمتع درعی کے مشہور ہے۔ ۳ فی صدی ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تعمیل ایسے طور پر ہوتی ہے کہ بہت لوگ اس کی ادائیگی سے بچ رہتے ہیں۔ علاوہ ان ٹکسوں اور خراجوں کے غیر مسلم لوگ جو فوجی ملازمت سے محفوظ رہتے ہیں ہر (۱۸۰) جوان مردوں کے پیچھے ۵ ہزار غروش یا سوا چھ سو روپیے بطور بدل عسکری کے دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھیڑوں کا ٹکس ۱½ سے ۴ غروش تک ہے۔ اور اسٹامپ۔ نمک۔ ریشم۔ تمباکو وغیرہ پر علیحدہ ٹکس ہے۔ چنگی صرف ۸ فیصدی درآمد پر اور ایک فی صدی مال کی برآمد پر ہے اور کچھ میونسپلٹی کے ٹکس علاوہ ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ تمام یورپین لوگ جو قسطنطنیہ میں رہتے ہیں اور جو ہزار ہا ہیں۔ ہر قسم کے ٹکسوں سے محفوظ ہیں۔ ۹۷-۱۸۹۶ء میں گورنمنٹ عثمانیہ کے محاصل (۱۸۵۱۱۰۰۰) پونڈ اور مخارج (۱۸۴۳۰۰۰۰)

پونڈ تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ باب عالی اپنی مالی کیفیت شائع کرنا بعض وجوہ سے نامناسب سمجھتا ہے۔

ہر مرد مسلمان سپاہی ہے

ترکی فوج خواہ کتنی ہو۔ آجکل سلطنت ٹرکی میں کونسکرپشن سے بھرتی کرنیکا طریقہ مروج ہے۔ کل آبادی اس سلطنت کی ۲۲ ملین نفوس ہے۔ اسمیں سے تخمیناً نصف عورتیں خارج کرنے سے باقی گیارہ ملین کا نصف تخمیناً مسلمان مرد سمجھ لیجئے اور کہا جاتا ہے کہ آیندہ آٹھ سال میں ایک بھی مسلمان جوان شخص قلمرو عثمانیہ میں ایسا نہ رہیگا۔ جو طریقہ جنگ سے واقف نہ ہو اور میدان میں بطور باقاعدہ فوج کے نہ لڑ سکے۔ بیس سال کی عمر کا ہر شخص مسلمان فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے۔ اور ۹ سال نظام میں خدمت کرکے ردیف یعنی ریزرو میں ۹ سال کے لئے چلا جاتا ہے۔ اور کل بیس سال تک فوجی خدمت کا ذمہ دار رہتا ہے۔ صرف خاص شہر قسطنطنیہ کے لوگ اس خدمت سے بری ہیں۔ یا تمام عیسائی رعایا جو ہر مرد کے پیچھے ۲ شلنگ سالانہ کے قریب بدل عسکری ادا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ تمام مذہبی مدرسوں و مسجدوں کے طالبعلم جو ایک خاص امتحان کتب مذہبی میں پاس کرسکیں۔ سفید پگڑی باندھنے پر فوجی خدمت سے معاف کئے جاتے ہیں۔ پھر وہ لوگ بھی فوجی خدمت سے معاف کئے جاتے ہیں۔ جو اپنی ماں یا بیوی یا بہن یا بوڑھے باپ کے اکیلے ہی متکفل ہوں"

ترک ہر جنگ کو مذہبی جنگ سمجھتے ہیں

ترکی فوج کی عزت صرف اسکی مقدار پر ہی منحصر نہیں۔ بلکہ زیادہ تر اس کی کیفیت پر اسکا مدار ہے۔ ترک صرف دنیاوی پیرایہ میں ہی سلطنت بانی نہیں کرتے۔ بلکہ اسکی دینی صورت بہت اچھی طرح تسلیم کرتے ہیں۔ سلطان وقت کو خلیفۃ المسلمین۔ جانشین تخت رسول رب العلمین اور محافظ حرمین شریفین ماننا جزو اعتقاد سمجھا جاتا ہے۔ اپنے شہر قسطنطنیہ میں بیسیوں مکانات میں یہ لوح جلی قلم سے خوشخط آویزاں

دیکھا ہے "دعائے سلطان سبب غفران" - اور اسپر اضافہ ہے کہ جب ترک عیسائیوں سے جنگ کرتے ہیں تو ہمیشہ اسے مذہبی جہاد باور کرکے میدان میں جاتے ہیں - میدان میں "اللہ اللہ" کا نعرہ زور شور سے ایک "ہجوم" یعنی دھاوے کے وقت بلند کیا جاتا ہے - گذشتہ جنگ یونان کے موقعہ پر جو اعلان حرب باب عالی سے شائع کیا گیا تھا - اسمیں یہ الفاظ بھی تھے - کہ خدا تعالے کے فضل اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کی مدد سے ہمیں فتح حاصل ہوگی"

ترکوں کی جنگی قابلیت

ایک روز مصطفی نوری صاحب ایک ترک افسر نے جنگ یونان اور گذشتہ جنگ روس میں اپنی شرکت کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں - جنکا ماحصل یہ تھا کہ مسلمان (ترک) بڑے بہادر ہیں - یورپین مدبر اور ماہران فنون جنگ کہتے تھے - کہ درہ پلونا سے ترکی فوجیں تین ماہ سے کم مدت میں اور ایک لاکھ سپاہی تلف کرانے کے سوائے نہیں گذر سکیں گے - لیکن صرف سوا ہزار فوج میدان جنگ میں پہنچ گئی - کہ جسکے کچھ حصہ نے ۲۴ گھنٹے میں درہ پلونا کو سر کرلیا - اور ان میں سے بہت تھوڑے آدمی شہید ہوئے - دستور ہے کہ حملہ کرنے کے وقت ترک سپاہی "اللہ اللہ" کے نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں - گذشتہ جنگ یونان کے موقعہ پر جب ان نعروں سے میدان جنگ گونج گیا تو یونانی لشکر ٹھہر کر بھاگ گیا - روس کے جنگ کے متعلق بتایا کہ ترکوں کے ایک رجمنٹ نے روسیوں کی دس میں رجمنٹوں کو کاٹ کر رکھدیا تھا - آدمی کاٹتے کاٹتے ترک سپاہیوں کے ہاتھ شل ہو گئے تھے - بیان کیا کہ ایکدفعہ میں ایک روسی کمانڈر کے پاس ایک پیغام لیکر گیا تھا - اسنے مجھے کہا کہ تمہارے سپاہی گدھے ہیں کہ اگر ایک ہزار بھی ہوتے ہیں - تو دس پندرہ ہزار روسی سپاہیوں پر حملہ کرنے سے نہیں ڈرتے - سچ ہے لیکن ان کی موت یقینی ہوتی ہے - مینے جواب دیا کہ ہمارا مذہبی تعلیم یہ ہے کہ موت وقت مقررہ سے ایک دم نہیں ٹل سکتی - اور نہ مقام مقررہ سے

آگے پیچھے ہوسکتی ہے - اسلئے ہم لوگ اس اطمینان سے دشمن پر حملہ کرتے ہیں کہ اگر موت لکھی ہے تو کسی طرح ٹل نہیں سکے گی - اور اگر نہیں لکھی تو ہمیں کوئی مار نہیں سکتا - روسی افسر نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہی عقیدہ تمہارے تمام عسکریوں کے دلوں میں بھی جاگزین ہے - اور جب میں نے ہاں میں جوابدیا تو اُسنے کہا کہ اگر میرے پاس ایسی فوج ہو تو میں شرطیہ تمام یورپ کو فتح کرلوں اس روسی افسر نے کہا کہ اگر روسی فوج کو ایک روز مقررہ مقدار راشن سے کوئی چیز کم ملے یا شراب کی مقدار مقررہ ہی نہ ملے تو اس بیقاعدگی کو ناپسند کرکے ہتھیار رکھدیتے ہیں - لیکن بمقابل اسکے ترکی سپاہیوں کو اگر روکھی روٹی بھی نہ ملے تو آخری دم تک لڑتے ہیں - کیونکہ وہ جنگ کو دنیاوی نہیں بلکہ ایک مذہبی کام سمجھتے ہیں -

موجودہ جنگی حالت ایک اور نوجوان ترک جنگی افسر نے کہ جسنے یورپ میں فنون حرب میں تعلیم پائی ہے مجھے یقین دلایا کہ اسوقت ترکی فوج سے صرف جرمن فوج فن جنگ میں فائق ہوگی - لیکن بہادری میں ترکی فوج یقیناً اُس سے فائق ہے بخلاف گذشتہ جنگ روم وروس کے زمانہ حال کے نوجوان فوجی افسروں کے سینوں میں ملک وقوم کی محبت کا جوش موجزن ہے - فنون جنگ کی باریکیوں سے ترک خوب ماہر ہیں - اور اب اُن کے اسلحہ بھی کسی یورپین قوم سے دوم درجہ کے نہیں - اُسنے کہا کہ ہم مٹی سے لوہا بنا سکتے ہیں - اب صرف ہمیں مہلت اور وقت کی خواہش ہے - انشاء اللہ وقت پر ہم اپنی بات کے سچے ثابت ہونگے -

ہر طرف شاندار فوجی وردیاں غرض ایسے ہی عقیدہ کی وجہ سے ترک یورپ کی عیسائی سلطنتوں میں بتیس دانتوں میں زبان کیطرح اب تک موجود ہیں - ورنہ ان کا یورپ سے مدت سے نشان اٹھہ گیا ہوتا - قسطنطینیہ میں نووارد شخص کو ہر طرف سوائے انواع واقسام کی فوجی وردیوں کے اور کچھہ نظر نہیں آتا - ان میں سے اکثروں پر طلائی ڈوری کا کام کثرت سے ہوتا ہے - اور یہ لوگ ہر وقت وردی

پہنے رہتے ہیں کہ جنہیں سے اکثروں کے سینوں پر ایک یا کئی کئی تمغے چمکتے نظر آتے ہیں۔ بازاروں میں۔ قہوہ خانوں میں۔ دفتروں میں۔ سٹیشنوں میں افسر فوجی وردی پہنے۔ شمشیر کمر میں لٹکائے ہر روز ہزاروں ترک نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہاں کی حکومت خالص ملٹری حکومت ہے۔

فوج کی اصلاح کے متعلق ایک بڑی بات جو ہز مجسٹی سلطان عبدالحمید خان کو سوجھی ہے۔ وہ حمیدیہ آلائی کی ترتیب ہے۔ یہ فوج ۷۵ ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان ہوگی۔ جو یمن۔ حجاز اور بغداد کے صحرانشین عربوں سے بھرتی کی گئی ہے یہ بادیہ نشین لوگ قدرتی سپاہی ہیں۔ اور ان کے بھرتی ہونے سے نہ صرف عرب کے عشیرتوں پر ہی ترکی کا قبضہ مضبوط ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ بوقت ضرورت بڑی کام کی فوج ثابت ہوگی۔ اور اپنے بانی کے لئے بڑی وسعت نظر پیش بینی کا ثبوت دیتی ہے۔ اسی خیال کے مطابق سلطان المعظم نے گذشتہ دس سال سے اپنی جیب خاص کے خرچ سے ۱۳۰۸ھ سے (۱۷۰۵۵۳۳) غرش کے مستقل لاگت سے استنبول میں ایک مدرسہ عشیرت قائم کر رکھا ہے۔

ترسانہ عامرہ (صنیعہ بحری) چونکہ پچھلے دنوں سلطنت ترکی نے اپنے ۸ جنگی جہازات مرمت کے لئے بعض یورپین ملکوں میں بھیجے ہیں۔ اس سے خیال پیدا ہوتا ہو کہ ترک ان جہازوں کی خود مرمت نہیں کر سکتے۔ مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ استانبول میں ایک بہت بڑا سرکاری کارخانہ جہازوں کی مرمت کرنے اور نئے جہاز تیار کرنے کے لئے موجود ہے۔ اسے ترسانہ کہا جاتا ہے اور ایک اس سے چھوٹا ترسانہ سمرنا میں ہے۔ میں نے قسطنطنیہ کا ترسانہ دیکھا۔ اس میں ایک حصہ جنگی جہاز تعمیر اور مرمت کرنے کا ہے اور دوسرا توپیں اور گولے ڈھالنے کا۔ میں سید عبدالغفار صاحب کی ہمراہ پہلے نظارت امور بحریہ میں گیا۔ یہ بڑی عالیشان سہ منزلہ عمارت ہے بیچ میں ایک مربع صحن شیشہ سے مسقف ہے۔ اس صحن کے گرد دوسری منزل بیش رفیع ستونوں پر استادہ ہے

جنہیں سے ہر ستون سنگ مرمر کے چار ستونوں کے جوڑنے سے بنا ہے۔ وسط صحن میں وضو کرنے کا سنگ سفید کا مسقف حوض ہے۔ یہاں سے ترسانہ قریب ہی ہے۔ یہاں نائب مدیر معادن صاحب نے مہربانی کر کے ہماری قہوہ سے تواضع کی اور ایک ماتحت افسر ہمیں ترسانہ کے مختلف صیغے دکھلانے کیلئے ساتھ کر دیا۔ ترسانہ کے افسر اعلےٰ حسنی پاشا ایک تجربہ کار آدمی ہیں جنہوں نے یہیں کے بحری کالج میں تعلیم پائی ہے۔ ان دونوں قسم کے کارخانوں پر جو ترک افسر مقرر تھے۔ وہ انگریزی بول سکتے تھے۔

ترکی افسروں کی زبان دانی

یورپین زبانوں کے متعلق ترکوں نے بھی وہی طریق اختیار کر لیا ہے جو جاپان کا ہے۔ بحری افسر انگریزی جانتے ہیں۔ بری فوج کے لئے فرانسیسی زبان سیکھنا لازمی ہے۔ لیکن جرمنی اور روسی اختیاری ہیں۔ مگر اب اکثر لوگ جرمنی سیکھتے ہیں۔ جسقدر لوگ ہندوستان میں انگریزی جانتے ہیں اتنے ہی یہاں فرانسیسی جانتے ہیں۔ ترک افسر جو سرکاری خط و کتابت غیر قوموں سے کرتے ہیں۔ وہ فرانسیسی زبان میں ہوتی ہے۔ یہاں کے مصنفوں نے مجھے اپنے کتب خانے دکھلائے۔ جو اسی طرح فرانسیسی سائیکلوپیڈیوں اور کتابوں سے لبریز تھے جیسے کہ ہندوستان میں ہم لوگوں کے انگریزی کتابوں سے ہیں۔ قسطنطنیہ کے ترسانہ کے توپخانہ کے افسر اعلےٰ احمد

ترسانہ کا توپخانہ

کمانڈر امپیریل آرڈنانس بیوی نے بتلایا کہ اس نے دو انگلستان کے توپ سازی کے کارخانوں میں۔ جن میں ایک آرمسٹرانگ نامی ہے اور دو مرتبہ جرمنی کے کرپکے توپ سازی کے کارخانہ میں جا کر کام سیکھا ہے اور اب جو کہنا بے سود ہے کہ اسکی نگرانی میں جو توپیں اس وقت قسطنطنیہ میں بن رہی ہیں۔ وہ آرمسٹرانگ اور کرپ سے کسی طرح خراب نہیں۔ جسپر وزیر نے دیکھا۔ ایک ۹۔ انچ منہ کی بہت بڑی توپ تیار ہوئی تھی۔ اور دو چھوٹی ماچکس توپیں ۵۷ سنٹی میٹر کی جرمنی کے آخری نمونہ کے مطابق تیار پڑی تھیں۔ جنکی جلا ہو رہی تھی۔ بہت سی فولاد کی نالیوں کو توپ بنانے کے لئے برمایا جا رہا تھا اور توپیں بنانے

کا ہر قسم کا عمل جاری تھا۔ ایک پانچ گولوں والی ہاچکس تیار کی گئی تھی کئی ایک چھوٹی توپیں بھی تیار پڑی تھیں۔ بڑی توپ آٹھ ٹکڑوں سے مرکب تھی قریب ہی ایک بہت بڑا ورکشاپ فولاد ڈھالنے کا ہے۔ جسمیں ۴۰ ٹن (۱۱۲۰) من فولاد کا بوتہ ایک وقت میں ڈھل سکتا ہے۔ کہ جسے کہ ڈھلتے ہوئے مینے بچشم خود دیکھا۔ گویا کہ پانی کے طرح پگھلتے ہوئے سُرخ لوہے کا ایک دریا بہا دیا جاتا ہے۔ جتنی بڑی نالی توپ کی بنانی منظور ہو اتنی بڑی کٹھالی میں فولاد کا بوتہ ڈھال لیتے ہیں۔ اور پھر اسے خراد پر چڑھاتے اور اندر سے برما سے سوراخ نکال لیتے ہیں ایک اچھی توپ کا مکمل کرنا کوئی سہل اور جلدی کا کام نہیں۔ کئی بڑی بڑی مشینیں اس کام کے لیے درکار ہوتی ہیں۔ مینے اس شخص سے کہا کہ تم جب یہ مشینیں خود بنانے لگوگے۔ تب سمجھا جائیگا کہ تمہارے کارخانے مکمل ہیں۔ اس نے کہا یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ہرچند کہ انگلستان میں آرم سٹرانگ کا توپ سازی کا کارخانہ بہت بڑا اور بہت مکمل ہے۔ تاہم وہ اپنی مشینیں آپ نہیں بناتے۔ ہرچند کہ اگر وہ بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں۔ مگر وہ اس اصول کو مانتے ہیں کہ ہر کارخانہ میں جو چیز تیار ہوتی ہے وہ اس کارخانہ کی مخصوص چیز ہوتی ہے جسکو وہ لاریب دوسرے کارخانہ سے جو دوسری چیز کے بنانے میں مصروف رہتا ہے۔ اچھی بنا سکتا ہے۔ مینے کہا کہ ضرورت کے وقت اس کارخانہ کو وہ مشین اپنے ہی ملک کے دوسرے کارخانہ سے مل سکتی ہے۔ لیکن ٹرکی اگر یورپ کے اسی ملک سے جنگ میں مصروف ہو۔ تو اسے وہاں کے کارخانے سے چیز نہیں مل سکیگی۔ اسی کارخانہ کے ایک ورکشاپ میں ان توپوں کے لئے گولے بن رہے تھے۔ کمانڈر احمد بے نے ہمیں بتایا کہ امسال توپ سازی کا کارخانہ بہت بڑھایا گیا ہے۔ جس سے امید ہے کہ سال تمام میں یہاں سے ہر قسم کی چھوٹی بڑی سو توپیں تیار ہو جایا کریگی یہ بھی معلوم ہوا کہ فولاد تیار کرنیکے لیے ابھی ٹرکی کو دھات یورپ سے خریدنی پڑتی ہے ہرچند کہ قلمرو عثمانی میں ہر قسم کی معدنیات افراط سے موجود ہیں۔ مگر غالباً کان

کے فن میں کافی ترقی نہ ہونے کے وجہ سے یہ محتاجی دامنگیر ہے ۔ جہاز سازی کے کارخانہ میں اسوقت ایک کروزر "خداوندگار" نامی اڑھائی سو فیٹ لمبا آہن پوش زیر تعمیر ہے ۔ اور ایک بہت بڑا (۳۸۰) فیٹ لمبا جہاز "عبدالقادر" نامی جواب بن رہا ہے ۔ اور جو ہمیں ناتکمیل حالت میں دکھلا یا گیا ۔ عبدالقادر جب تیار ہوگیا تو اول درجے کا جنگی زرہ لی (آہن پوش) جہاز ہوگا ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو اس جہاز کی تعمیر جلدی ختم کرنے کا ذرہ بھی فکر نہیں ۔ پہلے اسی کارخانہ سے حمیدیہ نامی ایک جنگی زرہ پوش جہاز ساڑھے تین سو فیٹ لمبا تیار ہوا ہے (جسکی زرہ نو انچہ موٹی فولاد کے ہیں) لیکن وہ جس نقشہ پر تیار ہوا ہے ۔ وہ پچیس سال کا کہنہ ہے ۔ اور جنگی جہازوں کی تعمیر میں ہر روز نئی باتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں ۔ اسلئے ہر چند کہ یہ جہاز ساخت میں نیا ہے ۔ تاہم فیشن کے لحاظ سے پرانا ہے ۔ بہرحال کارخانہ کے سپرنٹنڈنٹ عارف بے قائم مقام صیغہ تعمیر جہازات کو یقین ہے ۔ کہ وہ ہر قسم کے جنگی جہاز عمدہ سے عمدہ بنا سکتا ہے ۔ جیسا کہ کسی اور سلطنت کے کارخانہ میں بن سکتے ہیں ۔ کیونکہ اس کارخانہ میں جہاز سازی کا کل سامان موجود ہے ۔ لوہا اور کوئلہ ملک سے کافی نکل سکتا ہے گو کچھ لوہا ممالک غیر سے بھی منگوایا جاتا ہے ۔ اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے زرہ لی جہاز بنوا سکتے ہیں ۔ مگر معلوم نہیں سلطنت کی اسمیں کیا مصلحت ہے کہ وہ ہم کام نہیں لیتی ۔ بلکہ جنگ یونان کے زمانہ سے ہی کارخانہ میں کام کرنیوالوں کی تعداد کم ہے ۔ لیکن حال میں جو جہاز دیگر ممالک یورپ کو مرمت کیلئے بھیجے گئے ہیں ۔ انہیں اتنی جلدی تکمیل کرانا منظور تھا ۔ کہ ان کارخانوں میں اتنی جلدی نہ ہو سکتے ۔ معلوم ہوا کہ ۲۵ سال پہلے جہاز سازی کے کاریگروں میں ۵۰-۶۰ انگریز کاریگر ملازم تھے ۔ مگر اب صرف پانچ چھ ہیں ۔ کیونکہ یہ لوگ ۲۰ سے ۲۵ پونڈ ماہوار تنخواہ لیتے ہیں ۔ اور یہی کام ترک کاریگر ۷ - ۸ پونڈ ماہوار میں کرتے ہیں ۔ اس کارخانہ میں صرف ایک ترک کاریگر کو ۱۰ پونڈ ماہوار ملتے ہیں باقی

سب کو اس سے کم - ان کارخانوں میں بھی کچھ بچے کام سیکھتے ہیں - جو یہیں بطور ترجمہ بھی ہیں -

بحری عجائب خانہ

ایک بحری اشیا کا عجائب خانہ بھی ترسانہ سے متعلق ہے - لیکن افسوس ہے کہ اس عجائب خانہ میں بہت کم چیزیں ہیں - جو عجائب کہلا سکتی ہیں - خصوصاً اس شخص کی نظر میں کہ جس نے انگلستان سے گرینج کے بحری عجائب خانہ کو دیکھا ہوگا - تاہم جو کچھ ہے - سن لیجئے - باہر کے جنگلے کے ستونوں کے سروں پر سنگ مرمر کے بڑے بڑے گولے جڑے ہوئے تھے - جو سلطان فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے وقت استعمال کئے تھے - عجائب گاہ میں جہازوں کے چند ماڈل تھے - حمیدیہ - ہیبت نما اور سہام ایک تارپیڈو بوٹ وغیرہ کے ماڈل تھے جو اسی ترسانہ میں بنے ہیں - فن بحر کے معلومات کی ترکی اور انگریزی کتابیں کئی الماریوں میں بند تھیں - دو تین کمروں میں قدیم ترکی امیر البحروں کی چھپی ہوئی تصویریں تھیں - اور تین چار ترکی بحری جنگوں سے معمولی بنی ہوئی تصویریں آویزاں تھیں - ایک تصویر پر لکھا تھا کہ قپودان دریا پیالہ پاشا نے ۱۸ شعبان ۹۶۷ ہجری مطابق ۱۵۶۰ء کو جزیرہ جربہ کے قریب تمام یورپ کے متحدہ بحری فوجوں کو شکست دی - ایک تصویر حسین پاشا ترکی امیر البحر کے بیڑے کے وینس پر حملہ کرنے کی شاہد ہے - نیچے کے دو چھتوں میں پرانی بندوقیں کرچیں اور توپیں اور بہت سے تارپیڈو بھی رکھے ہوئے ہیں -

ترسانہ کے علاوہ قسطنطنیہ میں دو اور کارخانے توپ اور گولے گولیاں بنانے کے ہیں - ان میں سے میں ایک کو دیکھ سکا جو زیتون بردن کے نام سے مشہور ہے - اور دوسرے بڑے توپوں کے کارخانہ کو بوجہ شاہ ایران کے آنے کی تیاریوں کے میں نہ دیکھ سکا -

زیتون بردن کا کارخانہ گولے گولیاں بنانے کا

چند میل دور ہے - اس کارخانہ میں ہنری مارٹینی اور لی ماڈی بندوقوں کی گولیاں اور مختلف قسم کی توپوں کے گولے بنائے جاتے ہیں -

جب ہم اس کارخانہ میں پہنچے تو محمد شاکر صاحب (طوپ خانہ عامرہ یہ منسوب انجینئر صنائع آلائی مکتب مدیری) اور مصطفٰے نوری صاحب (اطفائیہ برنجی طابور بکباشی ورسومات امانتی طلوبیہ مکتب مدیری) دو فوجی سکول ماسٹروں نے جو میرے رفیق کے آشنا تھے۔ ہمیں تمام کارخانہ پھر کر دکھلایا۔ یہ بہت بڑا اور کشادہ ہے۔ جسمیں مختلف مکانات مختلف چیزوں کے بنانے کے لئے مخصوص ہیں۔ مثلاً ایک طرف ماسر بندوق کی گولیاں بنانے کے لئے لمبی بارکیں شروع ہوتی ہیں۔ پہلے گولی کی کیپسول بنتی ہے۔ جسے پیتل کے پترہ سے کاٹنے اور صاف کرنے کے لئے دس بارہ علیحدہ علیحدہ مشینیں ہیں۔ آگے کارتوس کا خول بنانے اور کیپسول لگانے کی کئی مشینیں ہیں۔ غرض اٹھارہ کاریگروں کے ہاتھ سے نکلکر ایک گولی تیار ہوتی ہے۔ آجکل کارخانہ کے مکانات کی توسیع ہو رہی ہے اور نئی کلیں لگ رہی ہیں۔ اس سے پہلے دن میں صرف چالیس ہزار گولیاں بن سکتی تھیں۔ اب دن میں ساڑھے تین لاکھ گولیاں اور اڑھائی سو گولے تیار ہو سکتے ہیں۔ گو بوجہ نئی مشینیں لگانے اور نیز تعطیلات کے کام بند ہے۔ تاہم بعض جگہہ ترک لڑکے اور آدمی کام کر رہے ہیں۔ جنہیں کوئی عیسائی یا یورپین نہیں۔ ایک مدرسہ اعدادیہ صنائع بھی کارخانہ کے اندر قائم ہے۔ جیساکہ بعض اور دستکاری کی کارخانوں

کارخانوں کے اندر مدارس صنائع

مثل عش خانہ اور ترسانہ وغیرہ میں بھی ہیں۔ ان صنعت وحرفت کے مدرسوں میں یتیم اور محتاج طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔ یہ لوگ دن کا کچھ حصّہ پڑھتے ہیں اور باقی حصّہ کارخانہ میں کام کرتے ہیں۔ ان سے بہتر کاریگر مشکل سے مل سکیگا۔ اس مدرسہ میں قریب ایک ہزار لڑکوں کے ہوں گے۔ ان لڑکوں کے فری ہینڈ ڈرائینگ اور مشین ٹولس کے ڈیزائنیں میںنے دیکھیں جو میری اجنبی نظر میں برلن کے ٹکنیکل ہائی سکول کے لڑکوں کے ایسے ہی کام کے برابر تھیں۔

یہاں بھی توپیں ڈھلتی ہیں

گولیوں کے سوائے مختلف دہانہ کی چھوٹی بڑی توپوں

سے گولے بھی یہاں مختلف حصص ورکشاپ میں ڈھلتے ہیں۔ لوہا بالکل پانی کی طرح پگھلا ایک بڑی کٹھالی سے بذریعہ مشین سانچے میں ڈال لیتے ہیں۔ جو زمین میں گڑا ہوا ہوتا ہے۔ اسطرح گولا ڈھال لینے کے بعد اسکے گرد تانبے کے پتر سے بذریعہ مشین باندھے جاتے ہیں۔ ایک جگہ گذشتہ جنگ یونان میں یونانیوں سے چھینے ہوئے ۱۲ سنٹی میٹر کے گولے بھی جمع تھے۔ توپوں کی گاڑیاں بھی یہیں بنتی ہیں۔ ایک جگہ ایک گاٹلنگ گن (سریع آتش) دیکھی جو قیصر جرمنی نے سلطان المعظم کو تحفتہً بھیجی تھی۔ چنانچہ اس کارخانہ میں اسکی نقلیں بن رہی تھیں۔ ایک جگہ تلواریں بن رہی تھیں۔ جو پہلے بیس عدد روزانہ سے زیادہ نہ بن سکتی تھیں اب نئی مشینری سے چار سو تلوار روزانہ بن سکے گی۔ ایک جگہ پیتل اور تانبے کا پترہ جوڑا کیا جاتا تھا۔ ایک جگہ فولاد ڈھال کر توپیں ڈھالنے کی مشین تھی یہاں ایک ہائیڈرالک ہتھوڑا دیکھا جسنے آہستہ سے ایک موٹی لکڑی کو دبا کر چورا کر دیا۔ یہاں سے توپوں کے بیلنے ڈھلکر جاتے ہیں جنہیں ایک دوسری جگہ سوراخ چھیدا جاتا ہے۔ ایک جگہ تین تین چار چار سو سال کی پرانی توپوں کا ڈھیر دیکھا جنہیں سے بعض لاہور کی بھنگیوں والی توپ سے بھی بڑی[1] تھیں۔ ایک زمانہ میں ترک یوروپ میں سب سے اچھے توپ ساز تھے۔ اور ان سے بڑی اور عمدہ توپیں کوئی نہیں بناتا تھا۔ مگر اب مشین گنوں کے مقابلہ میں وہ توپیں بیکار ہیں۔

اتبک بھی ترک بہترین توپیں بناتے ہیں

توپوں کے متعلق ایک روز احمد مدحت افندی نے مجھے بتلایا تھا کہ یوروپ میں صرف تین کارخانے ہیں جہاں

[1] سلطان محمد فاتح نے ایک توپ اتنی بڑی فتح قسطنطنیہ کے لئے بنوائی تھی کہ جسمیں بارہ من وزنی پتھر کا گولہ رکھکر ایک میل تک پھینکا جاتا تھا۔ سات سو آدمی اسکے چلانے اور صاف کرنے پر معین تھے ایڈریانوپل سے قسطنطنیہ تک اسے پانسو جوڑیاں بیلوں کی کھینچکر لائی تھیں۔ اور تین ہزار سپاہی اسکی حفاظت پر مامور تھے۔

بہترین فولاد تیار ہوتی ہے - اول کرپ جرمنی میں - دوم آرم سٹرانگ انگلستان میں - سوم کارندری قسطنطنیہ میں - کارندری کے فولاد کی توپیں جو جنگ یونان میں آزمائی گئی تھیں - ان میں سے اس جنگ میں ایک بھی نہیں ٹوٹی لیکن یورپ کی ساختہ توپوں میں سے جو اس جنگ میں زیر استعمال تھیں بعض ٹوٹ گئی تھیں -

ایک ترکی افسر محمد شاکر افندی مدیر مدرسہ طوپ خانہ نے اپنی تصنیف سے

جغرافیہ ایک مختصر جغرافیہ عالم مجھے ہدیتہً دیا - اسمیں ایک جگہ درج ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے ماتحت سب سے زیادہ مسلمان آباد ہیں - میں نے اس فقرہ پر اعتراض کیا تو مصنف صاحب نے کہا مصلحت ملکی اس بات کی مقتضی ہے کہ چھوٹے بچوں کے دلوں میں یہ بات ذہن نشین کر دیجائے -

نظارت توپ خانہ جب میں توپ خانہ دیکھنے کے لئے اجازت حاصل کرنے کو ذکی پاشا وزیر توپ خانہ کے دفتر میں گیا تو ایک مرتبہ تو وہ بوجہ آمد شاہ مظفر الدین مصروف تھے - اور دوسری مرتبہ کسی اور وجہ سے اپنے دفتر سے غیر حاضر تھے - ان کے نائب بہت اخلاق سے پیش آئے اور انہوں نے قہوہ بھی منگوایا لیکن پاشائے موصوف کے استصواب کے سوائے وہ توپخانہ دیکھنے کی اجازت نہ دیسکے - بڑے بڑے پایہ کے ترک افسر بھی اجنبیوں سے نہایت اخلاق اور شرافت سے پیش آتے ہیں - اور غرور و تحکم بالکل نہیں دکھلاتے -

باب سرعسکری یعنی وزارت جنگ - یہاں سلطنت کے تمام محکموں وزارت کے دفتروں اور سرکاری عمارات کی پیشانی پر طغرائے سلطانی ضرور ہوتا ہے اور یہ گویا کہ سلطنت کا کورٹ آف آرمس ہے - البتہ اسکے ساتھ ہلال اور ستارے بھی مخلوط ہوتے ہیں - اور کچھ توپیں اور دیگر اسلحہ جنگ بھی - لیکن وزارت جنگ کے محکمہ کی پیشانی پر برکت کے لئے کچھ آیات قرآنی بھی کندہ ہیں -

آیات اور اقوال چنانچہ یہاں جلی خط سے لکھا ہوا ہے :-

انا فتحنا لک فتحاً مبیناً" اور "ینصرک اللہ نصراً عزیزاً"۔ ترک موزوں آیات اور اقوال تلاش کرنے اور انہیں عمارات پر کندہ کرنے کے فن میں اُستاد ہیں۔ جیسا کہ میں کسی دوسری جگہ لکھ چکا ہوں۔ کتب خانوں کے دروازوں پر "فیہا کتب قیمۃ" اور چشموں اور سبیلوں پر "کل شیئ حیّ من الماء" کیسے موزوں اور پر معنے معلوم ہوتے ہیں۔ ۵ بجے ترکی سے پہلے احاطہ دفتر عسکری میں جانے کے عوام کو ممانعت ہے۔ اسکے بعد سب لوگ اس راستہ سے گذرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک شاہراہ ہے۔ عمارت سہ منزلہ بڑی عالیشان ہے۔ جسمیں بہت سے عسکری دوائر یعنے دفاتر ہیں۔ ایک محرر کے پاس تھوڑی دیر ایک افسر کی آمد کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ یہ لوگ بجائے بلاٹنگ کے زنگیں ریگ نمناک تحریر پر ڈال کر اُسے خشک کرتے ہیں۔ جو ان کے پاس چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں پڑی رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی سیاہی انگریزی سیاہی سے گاڑھی ہوتی ہے۔ یہاں سلطنت عثمانیہ کے سمندروں کے دو عظیم الشان نقشے ترکی میں چھپے ہوئے آویزاں تھے۔ پھر ہم لوگ محافظ کو

برج سرعسکری

بخن قرش (۶ ر) دیکر برج سرعسکری پر چڑھے۔ یہ برج قسطنطنیہ میں سب سے بلند مقام ہے کیونکہ ایک پہاڑی پر واقعہ ہے۔ دوسرا برج جو اس سے کسیقدر چھوٹا ہے غلاطہ کا برج ہے۔ برج سنگ مرمر کا ہے مگر اوپر جا کر اسکی سیڑھیاں لکڑی کی ہیں۔ آتشزدگی کے وقت ان دونوں برجوں پر دن میں سرخ گولے اور رات میں سرخ لالٹین بلند ستونوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ نیچے کی منزل کی سیڑھیاں (۱۶۲) اور اوپر کے (۸۰) ہیں چوٹی پر ایک قہوہ خانہ اور کچھ روشنی کا سامان ہے۔ یہاں سے قسطنطنیہ اور باسفورس کا نظارہ نہایت عجیب نظر آتا ہے۔ اور عالیشان مساجد کے گنبد اور مینار جا بجا پھیلے ہوئے کیسے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔

نظارت صحیہ باب عالی وغیرہ دفاتر

ان دفاتر سرکاری کے علاوہ ہم نے محکمہ حفظان صحت کی وزارت کا دفتر بھی دیکھا۔ ... افندی صاحب سے ملاقات

کرنے کے لئے دو تین مرتبہ دیکھا۔ محکمہ تعلیم کا دفتر بھی علی نصرت صاحب کی ملاقات کیلئے دیکھا۔ صیغہ فنانس کا دفتر محمود اسعد افندی صاحب سے ملنے کے لئے دیکھا۔ یہ دفتر تو مجھے باب سرعسکری سے بھی عالیشان اور وسیع معلوم ہوا۔ ڈاک خانہ کی عالیشان عمارت دیکھی جو حال ہی میں ۱۰ ہزار پونڈ کی لاگت سے تعمیر ہوئی ہے۔ بابعالی کی عمارت گو باہر سے بہت عالیشان نہیں ہے لیکن بڑی وسیع اور عظیم عمارت ہے۔ افسوس ہے کہ میں اندر سے اسے دیکھ نہ سکا۔ جس روز میں اسے دیکھنے گیا یہ ۷۔۸ بجے ترکی تک نہیں کھلی تھی۔ عموماً ماہ اکتوبر میں اسوقت یہاں کے دفاتر لگتے ہیں۔ غرض یہاں کے سرکاری محکموں کی عمارات نہایت رفیع اور اندر پر تکلف ہیں۔ کلرکوں اور اہلکاروں کی تمام کرسیاں گدیلہ دار بلکہ آرام چوکیاں ہوتی ہیں۔ افسروں کے کمروں میں ملاقاتیوں کے لئے علاوہ کئی پر تکلف کرسیوں کے ایک ایک سپرنگ دار گدیلے والی بنچ بھی ہوتی ہے۔ اور وہاں ایک تپایا دیاسلائی اور ایش ٹرے کے لئے ہوتی ہیں۔ دفتروں میں کلرک یا افسر اپنے ملاقاتیوں کو بے تکلفانہ قہوہ پلاتے ہیں۔ بلکہ اگر بیٹھے دیر ہو جائے۔ تو دوبارہ بھی پلاتے ہیں۔

دفاتر اور فضول خرچی پرائیویٹ مکانات تو جتنے آراستہ اور پر تکلف ہوں زیبا ہے۔ لیکن یہاں کے سرکاری محکمہ جات اور دفاتر کی آراستگی میری رائے میں فضول خرچی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ محصول چونگی کے ایک افسر کے کمرہ کی نسبت میری نوٹ بک میں یہ سطور درج ہیں۔ "کمرک کے جس کمرہ میں محمد احسان افندی بیٹھتے ہیں ایسا پر تکلف ہے کہ ہندوستان میں کمشنر صاحب کے بیٹھنے کا کمرہ ایسا آراستہ نہیں ہوتا۔ پانچ کرسیاں پڑی ہیں۔ پانچوں پر سپرنگ دار گدیلے ہیں۔ تمام فرش پر ترکی قالین ہے۔ پردے بہت بھاری اور متکلف اور سگار اور چائے کے لئے کئی چھوٹی میزیں پڑی ہیں۔

تکیے۔ خانقاہیں۔ چشمے۔ سبیلیں حمام اور خان

مسافروں کے تکیے ترکوں کی قومی فیاضی کا اس سے بہتر کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ قدیم الایام سے ان کے بڑے بڑے شہروں میں مختلف ملکوں کے مسافروں کے لئے مختلف مسافر خانے قایم ہیں کہ جہاں ان مسافروں کو جبتک کہ وہ یہاں مقیم رہیں۔ مفت مکان اور روٹی ملتی ہے۔ انہیں مسافر خانوں کو تکیے کہتے ہیں۔ ہندوستان۔ عرب۔ بخارا۔ افغانستان وغیرہ ملکوں کے مسافروں کے لئے الگ الگ تکیے قسطنطینیہ۔ دمشق۔ بیت المقدس اور حلب وغیرہ شہروں میں موجود ہیں۔ بلکہ قسطنطنیہ میں تو ان تکیوں کی تعداد تین سو سے بھی متجاوز ہے کہ جو اہل خیر ترکوں کی فیاضی سے ہمیشہ ابن السبیل کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ ان تکیوں کے اخراجات کے لئے ان کے بانیوں نے کافی جائدادیں وقف کر رکھی ہیں۔ جو گورنمنٹ کے سررشتہ اوقاف کی نگرانی میں رہتی ہیں۔ ان تکیوں کے مہتمم کو شیخ تکیہ کہتے ہیں۔ جنکا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مسافروں کی خدمت کریں اور انہیں کھانا پہنچائیں۔ جو عموماً ایک یا دو وقت کا کھانا اور چائے ہوتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ چونکہ مسلمانوں کی ہر چیز معرض زوال میں ہے۔ یہ اسباب خیر بھی ان کے لئے موجب شر ہیں۔ نہ تو ویسے مسافر ایسے ان تکیوں میں آتے ہیں کہ جو ابن بطوطہ اور ابن جبیر کیطرح سیاحت عالم بتحصیل علوم تحقیقا جغرافیائی یا توسیع معلومات کے لئے گھر سے نکلا کرتے تھے۔ اور نہ ایسے میزبان ہی ہیں۔ کہ جو مال اوقاف سے تہ دل سے مہمانوں کی خدمت کرتے تھے۔ مسافر وہ دریوزہ گر آتے ہیں جو سالوں ان تکیوں میں پڑے ہوئے روٹیاں چرتے رہتے ہیں۔ اور بعض شیخ تکایا ایسے دیانتدار ہیں کہ وہ تمام آمدنی اپنی ذات پر خرچ کر لیتے ہیں اور مسافر کو روتا پیٹتا چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ ہندی تکیہ میں کوئی ہندوستانی ملنے کے قابل نہیں جس اسلئے میں خود تو وہاں نہ گیا لیکن

لوگوں سے اسکی شکایت ہی سنی ہیں نے شیخ ولی محمد صاحب افغانی کا تکیہ بیکلر بیے اور ایک آدھ اور تکیہ بھی دیکھا ہے۔ بعض کی عمارات بہت عمدہ اور سامان سے فروکش ہونے کے کمرے اور ساتھ کی مسجدیں خوب سجی ہوئی ہیں۔ صرف قسطنطنیہ کے تکیوں پر سالانہ خرچ تین چار لاکھ روپیہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ مگر افسوس کہ اسکا اکثر حصہ رائیگاں جاتا ہے۔

مولویوں کا تکیہ

ان تکیوں کے علاوہ بعض تکیے اصحاب طریقت سے بھی مخصوص ہیں جیسے تکیہ مولویہ رفاعیہ۔ نقشبندیہ رفاعیہ وغیرہ۔ لیکن ان سب میں مولویوں کا تکیہ زیادہ مشہور اور بارسوخ بھی ہے۔ اہل یوروپ انہیں لوگوں کو ڈانسنگ درویشز "یعنی رقاص درویش کہتے ہیں۔ کیونکہ اپنی مجالس میں یہ لوگ وجد اور حالت میں حلقہ بنا کر رقص کرنے لگتے ہیں۔ اس فرقہ کے بانی مولانا جلال الدین رومی مصنف مثنوی معنوی گذرے ہیں۔ کہ جس کتاب کی نسبت شعر عوام میں مشہور ہے۔ ے

مثنوی مولوی معنوی　　ہست قرآن در زبان پہلوی

مولانا دراصل بلخ کے رہنے والے اور شاہی خاندان خوارزم وخراسان سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر ان کی عمر کا بڑا حصہ سلطنت عثمانی میں گذرا اور ۱۲۷۵ء میں یہیں انتقال کیا۔ آپ کی قبر شہر قونیہ میں ہے جو اس فرقہ کا صدر مقام ہے۔ یہیں اس فرقہ کا سردار رہتا ہے۔ جو مولانا کی اولاد سے ہوتا ہے۔ اور جسے چلپی افندی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ یہی شخص اس فرقہ کی کل خانقاہوں کے سجادہ نشین مقرر کرتا ہے اور یہی ہر نئے ترک سلطان کی تخت نشینی کے وقت سلطان عثمان کی تلوار نئے سلطان کی کمر میں باندھتا ہے۔ ہر شخص جو اس فرقہ میں داخل ہوتا ہے۔ ایکہزار ایک روز تک مقررہ ریاضت بڑی مشقت اور محنت سے کرتا ہے۔ اور اسکے بعد وہ مولویوں کی جماعت میں شامل کیا جاتا ہے۔ ان کی ظاہری علامت ایک بھورے رنگ کی کلاہ نمد ہوتی ہے جو ڈیڑھ دو بالشت سے کم بلند نہیں ہوتی

قسطنطنیہ میں کئی جگہ یا حضرت مولانا" کے قطعات نظر آتے ہیں۔ اس مسجد میں بھی ایک ایسا ہی قطعہ آویزاں تھا۔

مولویوں کے ساتھ ایک نماز جمعہ

میں ایک روز ڈاکٹر نواب علی صاحب طبیب چشمان کے ہمراہ بے ادعلی میں مولویوں کے تکیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے گیا۔ یہ مکان اندر سے بہت کھلا ہے۔ اسمیں باغ اور حجرے ہیں۔ ایک طرف مسجد ہے۔ جسکے مسقف حصہ کے عین وسط میں ایک ہشت پہلو محدود مقام میں تختوں کا فرش ہے۔ اسکے گرد سنگین ستون ایک گنبد کو اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس ہشت پہلو جگہ میں یہ لوگ مجلس حال وقال کرتے ہیں۔ اسکے گرد چاروں طرف مسجد ہے۔ جب ہم گئے تو مسجد کے دروازہ پر ایک بالاخانہ پر ایک شخص خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہا تھا۔ اور کبھی کبھی ایک دوسرا شخص اس کی جگہ پڑھنے لگتا۔ یہاں تک کہ پھر وہی پہلا شخص تازہ دم ہو کر پھر قرآت اختیار کرتا۔ اتنے میں نمازی جمع ہوتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد سب لوگوں نے چار چار رکعت سنتیں پڑھیں۔ پھر امام نے منبر پر کھڑے ہو کر نہایت خوش الحانی اور سوز وگداز سے زبانی خطبہ پڑھا۔ میں نے ایسی خوش گلو قرات بہت کم سنی ہوگی۔ دوران خطبہ میں جہاں پیغمبر صاحب یا صحابہ کبار یا آئمہ کا ذکر آتا سامنے کی طرف سے کہ جہاں قرآن پڑھا جاتا تھا۔ بلند آواز سے پکار کر حسب موقعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یا رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہا جاتا۔ دو تین مرتبہ آمین کا موقع آیا تو سامنے سے ایک شخص نے زور سے آمین آمین آمین کا نعرہ ایک ہی آواز میں لگا دیا۔ ایک دفعہ یہیں سے الحمدللہ دس بارہ دفعہ پکارا گیا۔ اور ایک مرتبہ اللہ اکبر خطبہ کے بعد امام نے دو رکعت نماز جمعہ پڑھائی۔ مگر بہت مختصر سورتیں جلدی جلدی پڑھ دیں۔ اور پھر لوگوں نے اپنی اپنی نماز پڑھی اور دعا مانگ کر چل دیئے۔

مجلس ذکر کی کیفیت

منگل یا جمعہ کے روز بعد نماز ظہر دو دفعہ اس تکیہ میں مجلس

ہوتی ہے۔ اس طرح کہ درویش اس ہشت پہلو مکان کے اندر کہ جس پر تختوں کا فرش ہے حلقہ باندھ کر آہستہ آہستہ پاؤں کے انگوٹھے کے بل گھومتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ نفیری بینے کی بجتی رہتی ہے۔ نے (نفیر) کا ذکر مولانا صاحب نے مثنوی کے سب سے پہلی سطر میں فرمایا ہے

بشنو از نے چون حکایت میکند — وز جدائیہا شکایت میکند
از نیستان تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

اس وقت ان کے سر پر توحید اور فنا کی کیفیت کا سے چھائے جاتے ہیں۔ گھومنے والوں کا دایاں ہاتھ سر پر پھیلا ہوا اور کھلا ہوا ہوتا ہے۔ اور بایاں ہاتھ نیچے گرا ہوا۔ ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور سر شانے پر جھکا ہوا۔ غرض یہ نظارہ لفظوں میں بیان ہو سکنا مشکل ہے۔

دیگر مجالس افسوس ہے کہ میں تکیہ رفاعیہ کی مجلس میں شامل نہ ہو سکا کہ جہاں ارباب طریقت رفاعیہ ذکر و شغل کے جوش میں برہنہ پا تلواروں کی دھار پر چلتے ہیں مگر ان کے پاؤں میں ذرا آنچ نہیں آتی۔ میں نے آستانہ مولانا شیخ طریقت شیخ ابوالہدیٰ رفاعی خالدی صیادی سے دو مرتبہ ان کے دولتکدہ پر ملاقات کی اور بہت سی گفتگو ہوئی جس کی تفصیل دوسری جگہ درج ہے۔ مگر ان [illegible] میں حاضر نہ ہو سکا تاہم شیخ [illegible] کی دس بارہ کتابیں جو آپکی اپنی تصنیفات سے ہیں مجھے عنایت کیں۔ طریقت رفاعیہ کے بانی شیخ سید احمد رفاعی المتوفی سنہ ۵۸۲ھ گذرے ہیں۔

چشمے قسطنطنیہ میں پانی پینے کے بہت سے چشمے اور سبیلیں جا بجا بازاروں اور کوچوں میں رفاہ عام کے خیال سے بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض کی تعمیر پر بڑی بڑی رقمیں خرچ ہوئی ہوں گی۔ جیسے کہ توپ خانہ کا چشمہ ہے کہ جس کی تمام عمارت سفید سنگ مرمر کی ہے۔ اور سلطان احمد ثالث نے ترکی فن تعمیر کا ایک قابل دید نمونہ تعمیر کرایا تھا۔ دونوں بازاروں کی طرف اسپر از سر تا پا آیات قرآنی اور بہترین تزئینات کندہ ہیں۔ بعض چھوٹے چشموں کے ترشے پتھر اور روزنوں طلائی کلامٹ کی

خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اور سنگ مرمر کے تو ہیں ہی۔ ان پر عموماً ایسی آیات قرآنی کندہ ہوتی ہیں۔ جیسے "کُلُّ شَیْءٍ حَیٍّ مِّنَ الْمَاءِ" اب تو واٹرورکس کا پانی ہر کوچہ و برزن میں مل سکتا ہے۔ لیکن جس زمانہ میں پانی کی یہ سہولیت نہ ہوگی اسوقت تو یہ مغتنمات میں شمار ہوتے ہوں گے۔

قیصر جرمنی کا فوارہ | یہاں اسقدر فواروں اور چشموں کو دیکھکر قیصر ولیم شہنشاہ جرمنی نے بھی اُس میدان کے ایک سرے پر مسجد سلطان احمد کے قریب ایک فوارہ اپنی سیاحت استنبول کی یادگار میں تعمیر کرایا ہے۔ قسطنطنیہ میں شاید اس جگہ سے بڑھکر کسی جگہ کو تاریخی اہمیت حاصل نہ ہوگی کہ جہاں قیصر جرمنی نے اپنی یادگار قائم کی ہے۔ اس خوبصورت فوارہ کے پتھر بنے بنائے جرمنی سے آکر لگے رہے ہیں۔ میرے اثنائے قیام میں یہ زیر تعمیر تھا۔

حمام | یہاں کسی دوسری جگہ ترکی حمام میں غسل کرنے کی مفصل کیفیت درج کرچکا ہوں۔ قسطنطنیہ میں حمام ایک بہت بڑا انسٹی ٹیوشن ہے۔ اور شہر بھر میں (۱۰۷) پبلک حمام موجود ہیں۔ ہندوستانی ناظرین سمجھ لیں کہ عموماً یہ حمام سنگ مرمر کی عالیشان اور وسیع عمارات ہوتی ہیں۔ ان میں محمود پاشا۔ جغال اوغلی۔ ایاصوفیہ۔ خاصکی۔ خواجہ پاشا اور غلطہ سرائے کے حماموں کی عمارات خصوصیت سے عالیشان اور قابل دید ہیں۔

خان | کاروانسراؤں یا سراؤں کو یہاں خان کہتے ہیں۔ شاید یہ لفظ خانہ سے مشتق ہو۔ باعتبار قاموس الاعلام ترکی اسوقت (۱۸۳) خانیں شہر کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض خانوں کی عمارت نہایت وسیع اور پختہ ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی سرائے والدہ خان ہے۔ جسکے صحن میں درخت اور دو خوشنما چشمے ہیں۔ اور علاوہ اصطبلوں اور گوداموں کے اس میں اوپر نیچے تین منزلیں بالاخانوں کے ہیں۔ زیادہ خان بڑے بازار اور چلک جی لرشرب پر واقع ہیں۔ دراصل یہ سرائیں شاذ سوداگروں اور ان کے اسباب کے لئے بنائی گئی ہیں

لیکن اب ترک اور یورپین لوگ یہاں کرایہ پر رہتے ہیں۔ اور انہیں بطور دکانوں اور مال کے گوداموں کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ والدہ خان میں صرف ایرانی سوداگر رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں مسافر بھی ٹھیر سکتے ہیں۔ یہ تمام عمارات سلاطین عثمانی اور متمول ترکوں کی بنوائی ہوئی ہیں۔ آتشزدگی کے وقت جب ان کے آہنی دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں تو سوداگروں کی جان و مال کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ والدہ خان کے سوائے وزیر خان جلاز خان بھی بہت بڑی ہیں۔

سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کے عہد کے کارنامے اور بعض اصلاحات

سلطان المعظم کی سلور جوبلی

اتفاق کی بات ہے کہ جس تاریخ کو میں قسطنطنیہ پہنچا اس سے تین چار روز پہلے قسطنطنیہ ایک عظیم الشان قومی جشن دیکھ چکا تھا۔ کیونکہ یکم ستمبر سنہ ۱۹۰۰ء کو اعلیٰ حضرت سلطان عبدالحمید خان ثانی غازی کی تخت نشینی کی پچیسویں سالگرہ یعنی سلور جوبلی یا جشن فضی کی تقریب میں تمام سلطنت عثمانیہ میں خوشی کے جلسے کئے گئے تھے۔ اور سلطان المعظم کی ترقی عمر و اقبال کی دعائیں مانگی گئی تھیں۔ جس روز میں قسطنطنیہ میں پہنچا ابھی تک جشن کے نعروں کی صدائے بازگشت کانوں میں گونج رہی تھی۔ اور ترکی اخبارات شہر آئینی۔ چراغان اور سلطانی الغابات کی کیفیت سے لبریز تھے اس لئے کسیقدر کیفیت عہد سلطانی کی بھی لکھنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

جوبلی کی مستقل یادگار

گو جشن کی شب کو جو تاریخی چراغان قسطنطنیہ میں کیا گیا تھا اسکی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف سلطان عبدالعزیز مرحوم کے صاحبزادہ نے اپنے مکان پر ادا ... قریب ... روشنی

کرنے میں ایک لاکھ روپیہ اس رات کو خرچ کر دیا تھا۔ تاہم یہ بالکل فراموش ہو جانے والی چیز ہے بمقابلہ اُن قومی اور ملکی بہبودی اور رفاہ عام کے لئے خیر جاری کے کاموں کے کہ جو خود ذات شاہانہ سے ظہور میں آئے۔ سلطان المعظم نے ترکی زبان کے اخبارات سے پریس کا ٹکٹ معاف کر دیا۔ اس سے پیشتر ہر پرچہ اخبار پر ایک کا قیمت ٹکٹ لگا کر اخبار چھاپا جاتا تھا۔ اس تاریخ سے معاف کر دیا گیا۔ سلطان المعظم نے پایہ تخت میں پہلی ترکی یونیورسٹی کی بنیاد رکھی۔ اور حجاز ریلوے کی بنیاد رکھی کہ جس سے آئندہ زمانہ میں سرزمین عرب، و شام کو بہت سے تجارتی اور سیاسی فوائد حاصل ہونے کی توقع ہے۔

پچیس سال کی کامیاب سلطنت

سلطان عبد الحمید خان ثانی نے اپنے دور حکومت میں جس قدر کامیابیاں حیثیت حالات عثمانیہ کے حال زار کی اصلاح میں حاصل کی ہیں وہی اُن کے دور حکومت کو ایک کامیاب اور شاندار زمانہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ اس سے زیادہ حکومت عثمانی میں ترقی اور اصلاح کی گنجائش نہ تھی۔ یا سلطان عبد الحمید خان کے عہد حکومت میں جو کچھ کرنا چاہئے تھا سب کچھ کر دیا گیا ہے۔ تاہم جو کچھ کیا گیا ہے وہ بھی ایک نہایت غیر معمولی سلطان کے دماغ سوزی کا نتیجہ کم [illegible] ہے۔ اور ترک جس قدر اس پر ناز کریں تھوڑا ہے [illegible] جس وقت سلطان المعظم نے زمام حکومت ہاتھ میں لی تھی۔ سلطنت کا خزانہ بالکل خالی تھا۔ سلطان عبد العزیز مرحوم نے اپنے پانزدہ سالہ عہد حکومت میں دس ملین پونڈ (پندرہ کروڑ ہندوستانی روپیہ) سالانہ کے حساب سے اخراجات سلطنت کے لئے قرضہ لیا تھا۔ جس کے اصل اور سود کے بوجھ سے سلطنت کی پشت دوتا ہو رہی تھی۔ سلطان عبد الحمید خان نے صرف ایک حبہ بطور قرضہ سابقہ قرضہ کی ادائیگی کے لئے نہیں لیا۔ بلکہ بہت سا قرضہ [illegible] ادا [illegible] اور ترقی کی [illegible] سلطان کے

لئے ٹرکی کی گری ہوئی مالی حالت کی اصلاح ہی مایۂ نازش اور موجب کامیابی ہوسکتی تھی۔ مگر سلطان عبدالحمید خان نے روس کی خوفناک جنگ کے بعد جو فوجی اصلاح کی اور ملک کی اندرونی اور بیرونی انتظام کو درست کیا ہے۔ کہ جسکا کسیقدر ثبوت جنگ یونان کے نتیجے سے مل گیا تھا۔ یا آئے دن کے میدان تدبیر کے یورپین حصہ بازوں کے منصوبوں کو ملیا میٹ کرنے سے مل رہا ہے وہ بھی ان کی دانشمندی اور تدبیر کی تعریف ہر دوست و دشمن سے حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مگر عہد سلطانی کی نمایاں ترقیاں نہ تنہا ان کی فوجی انتظامی اور مالی اصلاحوں سے ہویدا ہیں۔ بلکہ ترکوں کی تعلیمی اصلاح میں بھی جو ترقی اس مبارک عہد میں ہوئی ہے۔ اسکی نظیر ان کی سابقہ تاریخ میں موجود نہیں۔ جیسا کہ ناظرین ان اوراق میں اس سے پیشتر مطالعہ کر چکے ہیں۔

سلطان اعظم کی خیرات و مبرات [illegible]

سلطان المعظم کی ذاتی خیرات کا حصر کرسکنا مشکل ہے۔ سیکڑوں تبرعات ہیں جنکی تفصیل ان کارہائے خیر کی جلد میں جو صاحب مالک اخبار العادیات و ثروت وغیرہ درج کی تھی کہ جسکی نقل کی یہاں گنجائش نہیں۔ تاہم آپ کے ربع صدی کے سلطنت کے دوران میں آپ کی فیاضیوں کی نہایت مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

تعداد	نوع خیرات	مقدار خرچ
۱۳۴۲	مساجد تعمیر کیں	۱۲۹۱۸۸۳۶
۱۳۴	مدارس	۱۵۰۳۰۰۶۹
۱۳۶	تکیے اور زاویے	۲۱۰۳۷۲۱
۱۳۶	دیگر عمارات خیراتی	۴۹۹۹۳۶

لہ کسیقدر تفصیل ان کارہائے خیر کی ترکی زبان سے ترجمہ کرکے تذکرہ حمیدیہ میں درج کی گئی ہے جو سلطان المعظم کی ایک تاریخ اور سوانح عمری قریب طبع ہے۔

تعداد	نوع خیرات	مقدار غروش
۱۹۷	تربت و قبرستان	۹۸۴۶۹۶
۹۰	چشمے اور سبیلیں	۳۵۵۶۶۶
۲۹	کتب خانے	۱۶۷۹۰۹
۴۰۶	آبرسانی کے سامان	۸۱۲۲۶۹۸
۳۷	لنگر	۴۰۴۹۵
۱۴۷	مکاتب	۵۷۸۷۱۷
۱۰۸	جائداد اور وقف کیں	۷۳۵۷۵۸
۹۷	مکانات اراضیات مشروط وقف کیں	۴۶۹۴۵۴
۳۰	ہسپتال	۳۸۲۵۸۰
۹۹۵	مساجد اور خیرات کے دیگر شعبے - کل	۲۳۹۷۰۰۹

میزان کل ۳۳۰۴ قسم کے کار خیر پچیس سال میں آپ نے ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ ۴۴ ہزار ۵ سو ۳۴ غروش جیب خاص سے صرف کئے [واضح رہے کہ یہ صرف ۱۹۰۰ء تک کے اعداد ہیں۔ اور اس کے بعد ہر پہلو میں ان پر بہت کچھ اضافہ ہوا ہے] سلطنت ترکی میں آمدنی کے ہر باب میں ترقی ہوئی ہے۔ تعلیم بہت بڑھائی گئی ہے۔ زراعت کو خصوصیت سے ترقی ہو رہی ہے۔ بعض نئے کارخانے صنعت و حرفت کے خود سلطنت کی طرف سے جاری کئے گئے ہیں۔ صنعت و حرفت کے مدرسے بھی جاری کئے گئے ہیں۔ ترکی کا قرضہ بھی بمقابلہ اکثر دیگر دول یورپ زیادہ نہیں رہا۔ تین ہزار میل سے زیادہ ریلوے تعمیر ہوئی ہے۔

ترکی اخبارات کا ٹکس معاف ہونا

میرے نزدیک قسطنطنیہ کے ترکی اخبارات کا دو پارہ ٹکٹ موقوف کر دینا صرف چھ ہزار پونڈ سالانہ معاف کر دینا ہی نہیں جو اس مد سے سلطنت کو آمدنی ہوتی تھی بلکہ اخبارات کی ترقی میں بڑا معین ثابت ہوگی۔ آئندہ صرف غیر زبانوں کے اخبارات پر ٹکٹ ٹکس مطابق

کا چھپنے سے پہلے چسپان ہوا کریگا جو اس سرزمین میں شائع ہونگے لیکن ترکی و عربی زبان کے اخبارات کو اس ٹکس سے اس جشن کی یادگار میں بری کر دیا گیا ہے۔ قانون کے مطابق خواہ کوئی دو فقرہ کا اشتہار یا اعلان کسی مطلب کا بھی یہاں چھپوالیے۔ تو اُسکے ہر پرت پر ایک ایسا ٹکٹ چسپان کرنا پڑتا ہے۔ جواب سوائے ترکی کے باقی زبانوں کے مطبوعات پر کرنا پڑیگا۔ انگلستان میں بھی مدت تک اسی قسم کا ٹکس اخبارات اور نیز اشتہارات پر عاید رہا ہے۔ اور زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس وقت بلا تحریک احدے حضرت سلطان نے خود یہ اصلاح فرمائی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے اخبارات نے بارہا درخواست کی تھی مگر حکام نے اسپر توجہ نہیں کی تھی۔ اسکے ساتھ ہی پایہ تخت کے تمام اخبار نویسوں کو بھی محل شاہی میں سفرائے دول عظام کی دعوت میں شریک کیا تھا۔ اور اذن عام دے دیا تھا۔ کہ جو کچھ یہ دیکھنا چاہیں محل میں دیکھیں مجھ سے یہاں کے ایک ممتاز اخبار نویس نے ذکر کیا کہ آج تک ہمیں سلطنت کے بدخواہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب سلطان المعظم کو خود بنفس نفیس ہماری خیرسگالی کا یقین ہو گیا ہے۔ اب امید ہے کہ یہاں کی اخبار نویسی بہت ترقی کر جائیگی۔ یہاں کے اخبارات ہندوستان کے اخبارات سے صورت شکل اور اشاعت میں بہت آگے ہیں۔ جن میں "اقدام" بلحاظ اشاعت سب سے اول ہے۔ اور دس ہزار کاپی روزانہ کی اشاعت رکھتا ہے۔ ایام جشن سلطانی میں پندرہ پندرہ ہزار بھی چھپا ہے۔ اس کے مالک چیف ایڈیٹر احمد جودت صاحب بڑے قابل اور خلیق جوان ہیں۔ اس کے بعد صباح و ثروت ترجمان حقیقت سعادت معلومات ثروت فنون ہیں۔ بالاوسط سنہ ۹۵ء میں قسطنطنیہ کے پانچ بڑے اخبارات کی ملاکر روزانہ بیس بائیس ہزار کاپیاں شہر میں فروخت ہوجاتی تھیں۔ احمد جودت صاحب بہت دیر تک اسی بارہ میں گفتگو کرتے رہے کہ ہندوستان کے اردو اخبارات جب تک ٹائپ کے حروف استعمال نہ کرینگے تب تک وہ مستقل نہیں ہوسکتے اور نہ ترقی کرسکتے

ہیں - بات بالکل معقول ہے - اسکا کیا جواب ہو سکتا ہے - انہوں نے کہا کہ آپ ہزار ہندوستان کی ترقیوں پر ناز کریں لیکن اردو کا پتھر پر چھپنا اسکے کبھی کامیاب نہیں ہونے دیگا - عمدہ ٹائپ حسب منشا بنوانا کوئی مشکل بات نہیں - حروف نستعلیق تیار ہو کر ان کے سیٹ میں کھدوا ڈالو اور مشین پر اپنی مرضی کا ٹائپ ڈھال لو - ایک ہزار پونڈ سے زیادہ کیا خرچ ہوگا - سلطانی

اردو اخبارات کے لئے ٹائپ کی ضرورت

جوبلی کی تقریب پر انہوں نے ایک لغات ترکی کا ایک جزو چھاپ کر خدمت سلطانی میں پیش کیا تھا انہیں اس کے صلہ میں تمغہ ملا ہے - ظاہر بے صاحب مالک معلومات و ثروت وغیرہ نے ایک کتاب تبرکات ملی چھاپ کر پیش کی تھی - انہیں بھی ایک تمغہ دیا گیا ہے - اہل اخبارات کو بھی یہاں تمغے ملتے ہیں - اور سول اور ملٹری ملازموں کو بھی - یہ شہر فوجی ملازموں سے پٹ رہا ہے - یہاں ہزارہا شخص دن بھر میں تمہیں ملینگے جو خوبصورت زرق برق کی فوجی

تمغے اور فوجی وردیاں

وردی میں ملبس ہیں - اور کمر سے شمشیر لٹک رہی ہے جسکو ایک ہاتھ سے اس شان سے تھاما ہوا ہے - سینہ پر کم از کم ایک دو تمغے لٹکتے ہیں - اگر پولیس کا افسر یا سپاہی کسی عدالت یا محکمہ کے سامنے پہرہ پر بھی ہے - تو اس کے بھی دو ایک خوبصورت تمغے آویزاں ہیں - تمغے یہاں سال کے ہر زمانہ میں مستحقین کو تقسیم ہوتے رہتے ہیں یہ بخلاف دیگر ممالک کے کہ وہاں سال کے معین اوقات میں خطابات و تمغے تقسیم ہوتے ہیں -

حضور سلطانی میں بذریعہ تار عرضی

حضرت سلطان کی ذات ستودہ صفات کے متعلق بجز [illegible] کے کوئی کلام نہیں ہو سکتا - قسطنطنیہ میں قانون ہے کہ جو شخص کوئی امر خواہ وہ کیسا ہی ہو سلطان المعظم کی خدمت میں بھیجے وہ ضرور انکی خدمت میں پہنچنا چاہیئے - چنانچہ ایک دفتر تار اس شہر میں خاص

اس غرض سے قائم ہے - کہ وہاں سے حضور ممدوح کی خدمت میں اہل حاجات تاربرقی خبر بھیج سکیں - اور آپکا حکم ہے - کہ ہر ایسی تار برقی خبر ضرور ان کی خدمت میں پیش ہونی چاہیئے - لیکن بابِ ہمایوں کے عہدہ دار اکثر تارین پیش نہیں کرسکتے - کیونکہ کثرت مشاغل سلطنت میں وہ کہانتک ایسا کرسکتے ہیں - اسلیئے یہ عہدہ دار پہلے سائلوں کو طلب کرکے اُن کی حاجتیں دریافت کرلیتے ہیں - اور جسکا کام اہم سمجھتے ہیں اُسے پیش کرتے ہیں - مگر یہاں مشہور ہے کہ جس کی خبر اعلیٰحضرت کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے - وہ محروم نہیں رہتا - اعلیٰحضرت سلطان المعظم خود بنفس نفیس سوائے صلوۃ الجمعہ کے مسجد حمیدیہ میں ہر ہفتہ ادا کرنے اور سالانہ دربار عیدین قصر دولمہ باغچہ میں منعقد کرنے یا خرقہ شریف کی زیارت کے کبھی یلدز سرائے ہمایوں سے باہر نہیں نکلتے - اسوقت قریب آٹھ سے پندرہ سولہ ہزار کے فوج سوار اور پیدل اور بحری حفاظت کے لئے موجود رہتی ہے - صدر اعظم اور سرعسکر یعنی کمانڈر انچیف افواج عثمانیہ کو ہم نے کبھی [illegible] میں بگھی میں بیٹھکر گذرتے دیکھا ہے - ان کے پیچھے تین تین سوار مسلح چلتے ہیں - اس سے ان لوگوں کی سادگی اور بے تکلفی عیاں ہے -

خاص سلطانی کارخانہ کی مصنوعات

حضرت سلطان المعظم نے کئی ایک کارخانے سرکاری طور پر جیب خاص سے بعض اشیائے صنعت کی ساخت کے لیئے جاری کر رکھے ہیں - مگر ان میں جو چیزیں تیار ہوتی ہیں وہ یورپ کی ساختہ اشیا سے گراں پڑتی ہیں - مثلاً ایک ماسر صندوق - جو باہر سے تیار ہوکر آتا ہے ایک سو بیس قرش میں ملتی ہے - یہاں ایک سو ساٹھ قرش میں تیار ہوتی ہے - سلطانی کارخانوں میں ریشم اور پشم کے بہت عمدہ کپڑے - قالین و جانماز - بانات اور ترکی ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں - چینی اور شیشہ بھی ڈھالا جاتا ہے - اسکی فروخت کے لئے شہر میں کئی دوکانیں ہیں - جنپر لکھا ہوا ہوتا ہے "فابریقہ ہمایونی سلطانی معمولاتدری" یعنی اشیائے ساختہ کارخانہ خاص

حضرت سلطان) اور یہ نہایت نفیس قسم کی چیزیں ہیں - مثلاً جو جا نماز یا ترکی ٹوپیاں
اس کارخانہ میں بنتی ہیں - وہ یہاں بکتی ہیں - مگر ان کی قیمتیں بمقابلہ بازار کے زیادہ
ہیں - ان ترکی ٹوپیوں کے اندر ابھرے ہوئے حروف میں مختوم ہوتا ہے کہ
سلطانی کارخانہ کی ساختہ ہیں - اس کارخانہ کے علاوہ جنگی ضروریات وغیرہ کیلئے
جو سرکاری کارخانے سلطان المعظم کے عہد میں یہاں قائم ہوئے ہیں - ایک ترکی
اشاعت نے ان کی تفصیل حال میں حسب ذیل لکھی ہے -

جنگی ضرورت کے ترکی کارخانے

(۱) مکمل توپخانہ فابریقہ (کارخانہ) (۲) برقی توپخانہ فابریقہ
(۳) چاہیک (فولاد) فابریقہ سی (۴) دیگر چلیپک فابریقہ
(۵) قزغان (بایلر) خانہ فابریقہ (۶) تیمور خانہ ناکنہ (آہن خانہ کی مشینیں)
(تفنگ خانہ و باقروسخاس (خانہ فابریقہ لری (کارخانے) (۷) سخار قزغان لرینہ
مخصوص پودی فابریقہ (۸) تار پیٹہ و فابریقہ (۹) زفت (رال) فابریقہ (۱۰)
سفائن شاہانہ طوپلرینہ مخصوص عربہ و قونداق فابریقہ (جہازی دیری توپوں کی
گاڑیوں کا کارخانہ) (۱۱) زنجیر سپہ نیج رتیمور خانہ فابریقہ لری (کارخانے)
(۱۲) کبیر چکیج (گھن) فابریقہ (۱۳) صغیر چکیج فابریقہ (۱۴) دخانی مطبع اور فوٹوگراف
خانہ - (۱۵) لکڑی کے کام کا فابریقہ اور کئی دوسرے کاموں کے کارخانے -

مگر افسوس ہے کہ ملک کی عام تجارت پر ان کا اثر اس سے زیادہ ابھی نہیں
پڑ سکتا کہ کچھ لوگ ان سے کام سیکھ کر اپنے اپنے کارخانے جاری کریں - ان
لوگوں کو جو یہاں کام کرتے ہیں - کچھ کام سیکھ جانے کے بعد معقول تنخواہ دیجاتی ہے
اسکے علاوہ حضرت سلطان نے تعلیم عامہ کے بارہ میں کیا کچھ کیا ہے اسکا
احاطہ کرنا مشکل ہے - ابتدائی اوسط اور اعلے ہر قسم کی تعلیم کے مدرسے کثرت
سے اپنی قلمرو میں گذشتہ تیس سال میں قائم کرائے ہیں - تعلیم نسوان تعلیم
دستکاری اور نیز زراعت کی ترقی کی طرف بیحد کوشش کی ہے کہ جسکی کسیقدر
تفصیل ان اوراق میں جا بجا درج کی گئی ہے - اور ایک شمہ ذیل میں درج کی

جاتی ہے -

سلطان المعظم کی علمی فیاضیاں

سلطان المعظم کی تاریخ جلوس کے بعد جسقدر سکول کالج اور دیگر رفاہ عام کے انسٹی ٹیوشن آپ کی پچیس سالہ جوبلی تک پچیس سال کی مدت میں قسطنطینیہ میں جلالت مآب کے فیاضی سے خریدے گئے یا قایم ہوئے ہیں - اُن کی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے - گو سنہ ۱۹ھ کے بعد بھی اس فیاضیوں کی فہرست پر اضافہ ہوا ہوگا - لیکن افسوس ہے - اسپر راقم الحروف کی اسوقت دسترس نہیں -

نام مکتب وغیرہ	مقدار صرف قرشوں میں	کیفیت
مکتب ملکیہ شاہانہ	۱۳۲۲۶۳۱	قایم کیا سنہ ۱۲۹۰ھ میں
کتب خانہ عمومی	۳۹۳۵۴۶	سنہ ۱۳۰۰ھ میں
مکتب طبیہ ملکیہ شاہانہ	۵۸۶۰۰۰	خریدا گیا سنہ ۱۳۱۲ھ میں
خستہ خانہ (ہسپتال) و بیکٹیریالوجی خانہ واجزاخانہ (دوائی خانہ) وقرانتینہ خانہ	۵۳۰۴۳۳	خریدا اور قایم کیا سنہ ۱۳۱۲ھ میں
مکتب عشیرت	۱۲۳۲۵۳۳	خرید کیا سنہ ۱۳۰۸ھ میں
"	۴۷۳۰۰۰	قایم کیا
مکتب داؤد پاشا رشدیہ	۱۴۶۰۱۰	توسیع کی
	۱۰۰۰۰	شہر طرابزون کے مکتب ملکیہ اعدادیہ کیلئے استدار کے پاشا قیو والے مدرسہ رشدیہ عسکریہ کا مبادلہ کیا
مکتب رشدیہ فاتح	۶۰۳۹۰۱	از سرِ نو قایم سنہ ۱۳۱۱ھ میں کیا
سلطان احمد انا شار رشدیہ مکتب	۳۴۷۳۳۰	"

نام مکتبہ وغیرہ	مقدار صرف قرشوں میں	کیفیت
مکتبہ تجارت حمیدیہ	۳۴۲۴۳۰	خرید کیا سنہ ۱۳۱ھ میں
درسعادت اعدادی	۳۷۸۹۳۱	"
مکتبہ رشدیہ آیا صوفیہ	۲۰۹۰۰۰	"
دار المعلمات	۲۰۶۸۳۸	"
اسکندریہ میں طوبخانہ تعمیر رشدیہ	۷۷۳۰۶	توسیع کی سنہ ۱۳۱۱ھ میں

پبلک ورکس علاوہ ترقی تعلیم کے سلطان المعظم کے دور حکومت میں عمارات میں بھی ترقی ہوئی ہے - اور بہت سے مدرسے مسجدیں - دار العجزہ (محتاج خانے) اور شفاخانے (میرا مطلب ہسپتالوں سے ہے) ورنہ ترکی زبان میں شفاخانہ پاگلخانہ کو کہتے ہیں) سلطان المعظم نے جیب خاص سے تعمیر کیئے ہیں - حجاج کے آرام کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں مسافر خانے بہت عمدہ تعمیر کرائے - اور اب شام حجاز تک ریلوے لائین بھی زائران بیت اللہ کی آسایش اور سلطنت کی استحکام کی اغراض سے جاری ہوگئی ہے - افسوس ہے کہ اس مملکت میں بہت سی ریلوے لائینوں کی احتیاج ہے - مجھے یقین ہے کہ جب ترکی خزانہ کی مالی

کفایت شعاری حالت اجازت دیگی تو ضرور ایک وقت میں کئی لائینوں کی تعمیر جاری ہوجائیگی - مگر یہاں ہر کام نہایت کفایت شعاری سے چلتا ہے یہاں ایک زمانہ میں ترکی سلاطین کی فضول خرچی اور عیش پرستی ضرب المثل تھی - اب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کفایت شعاری اور جزورسی ضرب المثل ہونے کا زمانہ آیا ہے - ایک اخبر شخص نے مجھے قسطنطنیہ میں بتلایا تھا کہ کبھی کبھی سلطان المعظم کے شہزادوں اور شہزادیوں کی تنخواہیں کئی کئی مہینے چڑھ جاتی ہیں - اور وہ صرف اسی رسد پر گذارہ کرتے ہیں جو شاہی خاندان کے تمام ممبروں کے لئے مقرر ہے - تیں ارکان سلطنت اور عسکر کی تنخواہیں

سلہ ترکی زبان میں شفاخانہ پاگل خانہ کو کہتے ہیں اور حستہ خانہ ہسپتال کو -

باوقت ادا کیجاتی ہیں۔ اس سے حضرت سلطان کی کفائیت شعاری کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مگر اسپر بھی چند لوگ ٹرکی میں موجود ہیں۔ جو سلطان المعظم کے مخالف سمجھے جاتے ہیں۔ اور "ینگ ٹرکی" کے نام سے ان کی جماعت مشہور ہے جو کہتے ہیں۔ کہ پچاس ہزار سے زیادہ یورپ امریکا اور مصر وغیرہ میں بھی جلاوطنی کی حالت میں ہونگے۔ یہ لوگ قسطنطنیہ میں تو زبان سے ایک لفظ نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ وہاں آزادی تحریر و تقریر نہیں ہے۔ لیکن یہاں سے بھاگ کر جب ممالک یورپ کو چلے جاتے ہیں۔ تو وہاں کے اخبارات میں یہاں کی خرابیاں گناتے ہیں۔ یہ باتیں اب میں نے بچشم خود دیکھی ہیں۔ بیشک یہ بہت کچھہ اصلاح کی محتاج ہیں۔ لیکن نہ اس قدر کہ ایک ایسا محترم اور قوم اور بنی نوع انسان کا محسن سلطان اسقدر مورد عتاب ٹھیرایا جائے۔ کہ ہر وقت اور ہر ساعت اس کی جان معرض خطر میں رہے۔ اور وہ اپنی عمر میں ایک لمحہ بھی محلسرائے سے باہر نہ نکل سکے۔ میں معترضین کی شکایات بیان کرنے سے پہلے ذات شاہانہ کی اس کیفیت خطر کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

سلطان المعظم سوائے دو تین لازمی سالانہ تقریبوں کے ایک روز بھی سالہا سال سے قصر یلدز کی حدود سے باہر نہیں نکلتے۔ جب تک میں نے یہاں آکر مسجد حمیدیہ کو نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ حضرت سلطان ہفتہ میں ایک روز جمعہ کی نماز کے لئے محلسرائے نکلکر فوجی حفاظت کے اندر بعض شہر کے بازاروں میں سے گذر کر سلاملق کے لئے جاتے ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ جامع حمیدیہ حدود محلسرا کے اندر واقع ہے۔ یا زیادہ صحت کے لئے یوں کہنا چاہیئے کہ محلسرائے یلدز کے پھاٹک کے سامنے شاید ایک سو قدم کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور حضرت سلطان جس وقت نماز کے لئے آتے ہیں بے انداز فوج مسجد کے گرد و پیش متعین کیجاتی ہے۔ کیا مجال ہے کہ ایک پرندہ بھی ہل

پھٹک سکے۔ صرف محل سلطانی کے خدام و بعض وزرا جماعت میں شریک ہوتے ہیں، یا کوئی آزمودہ ایسا شخص کہ جسے امام وغیرہ اپنی ذمہ داری پر مسجد میں داخل کرلیں۔ امام سلطانی جماعت کرالیتے ہیں۔ ۹ بجے صبح سے شہر کے مختلف حصوں سے پیدل اور سوار فوجیں اپنے اپنے باجوں کے ساتھ قصر یلدز کی طرف جانی شروع ہو جاتی ہیں۔ جو شہر کے حصہ باشکطاش میں واقع ہے۔ اور پل غلطہ سے جو شہر کا نہایت بارونق حصہ ہے دو تین میل سے کم نہیں۔ ۱۱ بجے تک یہ سب فوجیں جمع ہو جاتی ہیں جنہیں ایسے طور پر مسجد کے گرد تعینات کیا جاتا ہے۔ کہ کسی بشر کا مسجد تک پہنچنا تو ناممکن بلکہ دور سے ہر محبتی کی شکل تک دیکھنا بھی محال ہو جاتا ہے میں نے ارادہ کیا کہ سلاملق میں سلطان المعظم کی زیارت کرسکوں۔ لیکن ناکام رہا چونکہ انہیں دنوں اٹلی کا شاہ ہمبرٹ ایک قاتل کے خنجر سے مارا گیا تھا۔ اور پیرس میں شاہ مظفر الدین کی جان پر حملہ ہوا تھا۔ اس وقت سے مبالغہ کے ساتھ ذات سلطان کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے فوج کے پیچھے بہت لوگ کھڑے ہو کر یہ منظر دیکھ سکتے تھے۔ مگر اب سوائے ان چند

سلاملق یوروپین لوگوں کے جو اپنی اپنی سلطنتوں کے سفیروں سے ایک نوع کا ٹکٹ حاصل کرتے ہیں۔ اور ایک مہمان خانہ میں بیٹھکر سلطان کی سواری دیکھ سکتے ہیں۔ اور کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا۔ یہ ٹکٹ بھی سلطان المعظم کی خاص منظوری کے سوا جاری نہیں ہوسکتے۔ میں نے بھی چاہا کہ انگریزی سفیر سے ایک ٹکٹ حاصل کرلوں۔ چنانچہ ایک روز میں انگریزی سفارت میں گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ موسم گرما میں سفارت کا مقام شہر سے چند میل باہر ایک

مایوسی کی وجوہات قصبہ تھراپیا میں رہتا ہے۔ اسلئے دوبارہ مجھے وہاں جانے کا موقعہ نہ ملا۔ اور میں نے قصر یلدز کے قریب [illegible] جو کوئی شخص کہ رسم دیکھ سکنے کی کیا فکر۔ اسمیں [illegible] تنگی وقت ناکامی رہی۔ [illegible] روز

کی تگ و دو اور کوشش کی کیفیت میری ڈائری میں اسطرح درج ہے ۔ گاڑی سے اُترکر ہم تھوڑی دور پیدل مسجد حمیدیہ کے پاس سے گذرے مسجد کے عین مقابل چند قدم پر سرائے سلطانی کا دروازہ ہے ۔ اسکے اندر داخل ہوئے تو میرا نام پتہ پوچھا گیا ۔ یہاں ہرچند کہ کوئی اندر نہیں جا سکتا جبتک کہ یہاں رسوخ نہ رکھتا ہو مگر سید عبدالغفار صاحب کی معلوم ہوتا ہے بہت دور تک رسائی ہے سا اندر پہنچکر ایک دفتر کے کمرہ میں بیٹھے جو قادری بیک صاحب افسر خفیہ پولیس کا کمرہ تھا ۔ انہوں نے قہوہ سے تواضع کی اس اثنا میں انکے پاس کئی افسر آئے ۔ جنکی زرق و برق کی وردیوں سے آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوتی تھی ۔ یہاں کئی پاشا اتنی دیر میں نظر سے گذرے ۔ جب ان سے سلاملق کی تکیہ کے لئے اجازت طلب کی گئی تو انہوں نے محمود جلال الدین پاشا کا پتہ دیا ۔ جب انؐ کے پاس گئے تو انہوں نے پہلے قہوہ پلایا اور پھر کہا کہ یہ میرا کام نہیں ہے ۔ پھر ایک صاحب شاکر پاشا کے پاس پہنچے یہ بڑے خلق سے اٹھکر ملے اور ہاتھ ملایا اور سید صاحب کے کہنے پر میرے لئے آیندہ ہفتہ نام پیش کرنے کی یادداشت لکھ لی ۔ یہاں بھی قہوہ پیا ۔ یہاں سے حاجی علی صاحب سلطانی چیمبرلین کی خدمت میں گئے جو دوسری منزل کے ایک عالیشان دفتر میں بڑے بڑے صوفوں پر چند اور افسروں کے ساتھ بیٹھے تھے ۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے افسر کے پاس ایک شخص کو بھیجا جسکا فرض شہنشہی سلاملک دیکھنے کے لئے اجازت لے دینے کا تھا ۔ لیکن اس نے کہلا بھیجا کہ میں اپنے اوپر ذمہ داری نہیں لے سکتا جبتک کہ آپ ذمہ داری نہ لیں ۔ کیونکہ پنشنگاہ ہولی سے اسوقت استیذان کا وقت نہیں رہا ۔ اسلئے دو گھنٹہ کی سعی کے بعد مایوس ہوکر ہم یاردش کے دوپہر کو قصر یلدز سے واپس پھرے ۔ اسقدر سعی کے بعد اور اتنے بڑے بڑے افسروں تک رسائی ہوچکنے کے باوجود نشست کی اجازت نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ سلطان المعظم نے اکثر کام اور خصوصًا یہ کام اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے ۔ اور ان کی ذاتی

اجازت کے سوائے کوئی مہمان وہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ جبتک کہ کسی سلطنت کے سفیر کیطرح سے وہ مہمان نہ ہو۔ اور با وجود اسکے بدطینت سفاک۔ ذات سلطانی پر یا جیا نسے حملے کرنے کے موقعے پالیتے ہیں۔ جیسے کہ میرے قسطنطنیہ سے واپس آنے کے بعد بم کے گولے کے واقعہ سے ظہور میں آیا تھا۔ غرض بعض وجوہات سے میں ٹھہرا یا قصر یلدز کے ذریعہ اس بارہ میں دوبارہ کوشش نہ کرسکا۔ سلاملق کے علاوہ سال میں ایک مرتبہ سلطان المعظم پانزدہم رمضان کو سنجاق شریف کی زیارت کو جاتے ہیں۔ جو قدیم حرم سرائے میں موجود ہے۔ یہ علم حضرت رسول خدا صلعم کا مع چند دیگر زیارات کے اس مکان میں رکھا ہوا ہے اور سال میں ایک مرتبہ صرف سلطان المعظم بدست خاص کھولکر اس کی زیارت کرتے ہیں۔ اور سوائے معدودے چند وزرائے مقربین کے اور کوئی اُسے دیکھ نہیں سکتا اس کے بعد (سلاطین سابقہ کا دستور تھا) جامع ایا صوفیہ میں نماز عشا کی شرکت کو جاتے تھے۔ اور عید رمضان کے بعد بھی سات شب تک جایا کرتے تھے مگر سلطان المعظم نے یہ رسم ایا صوفیہ میں جانے کی ترک کردی ہے۔

ادہر تو یہ حال ہے۔ اُدہر جسقدر ترکوں سے مجھے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا ہے سلطان عبدالحمید خان کے کارناموں کی وجہ سے کہتے ہیں کہ واللہ ایسا سلطان نہ پہلے گذرا ہے اور نہ کوئی آئیگا۔ اور بیشک سلطان حال نے اتنے کام رفاہ عام کے علاوہ ترکی قوم کی فوجی طاقت از سر نو قایم کرنے کے کئے ہیں کہ ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ شام و بیروت میں مجھے ایک دو آدمیوں سے بالتفصیل شکایات سُننے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ یہ قسطنطنیہ سے دور مقامات ہیں یہاں لوگ کچھ بول سکنے کی جرأت کرتے ہیں۔ مگر قسطنطنیہ میں خواہ دلوں میں کیا ہو کوئی بول نہیں سکتا۔

اب میں اُن شکایات کو بیان کرتا ہوں۔ جو مجھے اس طریق حکومت میں نظر آئی ہیں۔ مگر بقول ایک ترک اہل الرائے کے میرا دماغ انگریزی حکومت میں تعمیر ہوا ہے۔ اسلئے میں ان کے ملک کی حکمت عملی کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا اور نہ

اخبارات کو کچھہ آزادی ملنی چاہیئے

پورے طور پر اُسکی خوبیوں کی داد دے سکتا ہوں۔ میرے خیال میں اخبارات کی زبان اس حد تک بند کرنا ضروری نہیں کہ جس حد تک اس وقت قلمرو سلطان میں بند ہے۔ یہاں اخبارات آجکل سوائے سرکاری افسروں کے تغیر و تبدل۔ عطائے خطابات اور عام خبروں کے کچھہ نہیں لکھہ سکتے۔ غیر ممالک کی تار خبروں میں سے بھی بعض درج نہیں کیجاتیں اور بعض کاٹ چھانٹ کر درج کیجاتی ہیں۔ مثلاً پچھلے دنوں قیصر جرمنی نے اپنی ایک تقریر میں کچھہ اس قسم کا ذکر کیا تھا۔ کہ جرمن سپاہیوں کو چاہیئے۔ کہ چینیوں کو ایسا سبق سکھلائیں جو وہ مدت تک نہ بھولیں یہ خبر ترکی اخبارات میں شایع نہیں ہو سکی۔ صرف اسلیئے کہ جرمنی کے ساتھہ ٹرکی کا دوستانہ تعلق ہے۔ میرے خیال کی مخالفت میں زیادہ سے زیادہ آزادانہ تحریر کا نمونہ جو ایک ترک دوست مجھے بتلا سکا یہ تہا۔ کہ ترکی اخبارات لکھہ سکتے ہیں کہ فلاں توپ جو ہمارے یہاں ہے وہ اچھی نہیں ہے۔ اس سے اچھی وہ توپ ہے۔ جو فلاں سلطنت کے پاس ہے۔ اور ہمیں بھی ایسی ہی حاصل کرلی چاہیئے اور میں نے یہی کہا تہا کہ غنیمت ہے کہ اگر ایسی تحریرات چھپ سکتی ہیں۔ چونکہ ان اخبارات میں رائے زنی کا صیغہ ہی نہیں ہے اسکی کمی ایک دوسری چیز سے پوری کی گئی ہے۔ اور وہ حضرت سلطان المعظم کی ذات کے لئے تعریفی کلمات کا اظہار رہوتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے تعریفی کلمات وضع کئے گئے ہیں جن کو موقعہ بموقعہ ہر پرچہ میں دو چار جگہ کھینچ تان کر حضرت شہریار کا نام لکہکر اس کے جلو میں لے آتے ہیں مشہور ہے کہ جو خیال حد سے زیادہ بڑھا ہوا ہو جاتا ہے۔ بیشک ہر لحاظ سے ضروری ہے کہ حضرت سلطان المعظم کا ذکر ادب سے کیا جاوے۔ اور ان کے کارناموں کی تعریف اور احسانوں کا شکریہ ادا کیا جائے۔ لیکن اخبار کا ایک معتدبہ حصہ اسی ذکر سے پر کر دینا بناوٹی بات معلوم ہوتی ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ ابھی ٹرکی کے اخبارات اس قدر آزاد نہیں ہونے چاہیئے۔ جسقدر کہ انگلستان۔ فرانس۔ یا اضلاع متحدہ امریکہ کے ہیں لیکن اگر مقصد

ل

آزادی تحریر کی دیجاوے تو لوگوں کے دلوں کے بخارات جو اب فساد کی صورت بنکر بہ پیٹ نکلتے ہیں اس صورت میں کم و بیش شکایات کی شکل میں خارج ہوتے رہیں گے - البتہ اخبارات کی نگرانی ایک قابل اور ہوشمند سنسر (محتسب) کے سپرد کیجاوے - جو ان دو باتوں کے درمیان پورے طور پر تمیز کر سکے کہ کونسی تحریر خالی آواز ہے - اور کونسی فساد پیدا کر سکتی ہے - میری رائے میں اگر اخبارات میں کسیقدر آزادی سے لکھنے کی اجازت ہوتی - تو چند سال قبل جو عظیم الشان فساد کی سازش ارمنیوں نے کی تھی - اور یہ بھی میں نے سنا ہے کہ ہزارہا طپنچوں اور ٹینوں گولی و بارود کے علاوہ ایک دو توپیں بھی حاصل کر لی تھیں - اُسکا کچھ نہ کچھ سراغ نکل آتا - علاوہ اسکے موجودہ شکایت "ینگ ٹرکی پارٹی" کی بھی رفع ہو سکتی ہے - صرف نہایت ذمہ وار شخصوں کو ایڈیٹری کا امتیاز دیا جاوے - اور وہ ذاتی طور پر وفاداری کا خیال قایم رکھنے کے لئے پابند کئے جائیں - دوسری شکایت جو میں نے سنی ہے - یہ ہے کہ جن لوگوں کی نسبت ذات سُلطانی کے خلاف کوئی سازش کرنے کی مخبری کوئی شخص بھی کر دے - یا کوئی خفیف شبہ بھی پیدا ہو - انہیں گرفتار کر کے محلسرائے

سازش کرنے والوں کے جرم کی تحقیقات

سُلطانی میں لایا جاتا ہے - جہاں انپر الزام لگا کر ان کا بیان طلب کیا جاتا ہے - اور اگر وہ اپنی بیقصوری ثابت کرنے میں کامیاب ہوں تو انہیں اُس تکلیف کے بدلے جو اس کارروائی سے انہیں ہوئی ہے - کچھ معاوضہ بھی دیا جاتا ہے - بصورت قصور وار ثابت ہونے کے سزا دیجاتی ہے - فریق معترض چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کی تحقیقات کُھلی عدالت میں کیجائے اور انہیں اپنی بریت ثابت کرنے کے تمام موقعے دیئے جائیں - جہانتک میں غور کر سکتا ہوں - ہر ملک میں معمولی عدالتی تحقیقات سے بھی مطلب پورا ہو سکتا ہے - انگریزی اصول قانون فوجداری میں یہ دو باتیں کیسی اچھی ہیں - کہ اول جب

تک کسی شخص پر جرم ثابت نہ ہو جائے اُسے بیقصور سمجھا جائے۔ اور اسی لیئے شک کا فائدہ مجرم کو دیا جاتا ہے۔ دوم قانون کا میلان اس طرف ہو کہ دس گنہگار سزا سے بچ جانے کی نسبت ایک بیگناہ کا سزا پا جانا بُرا ہے۔ لیکن جب اس خیال کو مدنظر رکھا جائے کہ بلاد عثمانی میں کتنی مختلف الانواع اقوام جو آسانی سے مسلح ہو سکتی ہیں۔ بستی ہیں۔ جن میں سے بعض عیسائی قوموں کے دلوں میں اسلیئے فساد کرنے کی امنگ ہے کہ اُن کے ساتھ کی دوسری قومیں اسی طریقہ سے ترکوں کی حکومت سے نکلکر آزاد ہو گئی ہیں۔ اور ان قوموں نے بارہا طرح طرح کی مفسدانہ حرکات کی ہیں تو معلوم یہ قانون کسی قدر بیجا معلوم ہوتا ہے۔ تیسری شکایت یہ ہے کہ بڑے بڑے عہدے نالائق آدمیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اچھے آدمیوں کو گھسنے نہیں دیتے۔ اور سفارش اور رشوت بہت سے کام بگاڑ دیتی ہے۔ چوتھی یہ کہ مدارس کی تعلیم میں اعلےٰ درجہ کی تاریخ اور

لائق مشیروں اور مدبروں کی کمی۔

پولیٹیکل اکانومی مطلق موجود نہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان شکایات میں کسیقدر مبالغہ بھی ہے۔ کیونکہ آجکل بھے ترکش وزراء عہدہ دار عموماً یورپین یونیورسیٹوں کی تعلیم یافتہ صرف لیاقت کے لحاظ سے رکھے جاتے ہیں۔ تاہم بعض لوگ اصرار سے کہتے ہیں کہ ترکی مدبرین اور مشیران سلطنت میں کم ایسے آدمی ہیں جنکی دانشمندی اور روشنضمیری پر زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ بقول ایک شخص کے یہ سلطنت کی بدبختی ہے کہ حضرت سلطان المعظم کے مشیر صرف ہاں میں ہاں ملانے والے ہیں اور امیر خواب وخور اور شہوات نفس کے سوائے کسی دوسری بات کو نہیں جانتے ورنہ جیسا روشن ضمیر، بیدار مغز اور صاحب لیاقت وعقل سلطان ہے۔ اگر ایک نصف درجن لائق سٹیٹسمین بھی اسے ملے ہوئے ہوتے تو آج ترکوں کی حالت اس سے بہت اچھی ہوتی۔ بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ کئی چھوٹی چھوٹی باتیں جن کی نسبت لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی ہے۔ ان کی

بسنبت حضرت سلطان کو علم ہی نہیں ہے۔ مگر ایک گروہ کا خیال ہے کہ سلطان المعظم کو کسی مشیر کی آزاد بیانی منظور نہیں۔

سلطان المعظم کی دینداری

ترکوں سے جبقدر باتیں حضرت سلطان کے محامد ذاتی کی نسبت معلوم ہوئیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ عربی فارسی اور فرانسیسی زبانیں بھی جانتے ہیں۔ سوائے تین چار گھنٹے کے آرام کے آپ کام بذات خاص صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کرتے رہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی مختلف سکرٹری بھی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ تدین کی یہ حالت ہے کہ نماز کے پابند ہیں۔ تہجد پڑھتے ہیں۔ صبح کی نماز کبھی نہیں کھوئی۔ تسبیح پر ذکر کرتے ہیں۔ اور اپنی قلمرو میں دین اسلام کے ہر دم حفاظت اور تائید کرنے کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ موسیقی اور حیوانات کی پرورش کے بڑے شایق ہیں اور غیر زبانوں کے ناولوں کے ترجمے بھی اکثر سنتے ہیں۔

سلطان پرستی

ترک اپنے سلطان کا تہ دل سے ادب کرتے ہیں۔ اُسے خلیفۃ الرسول اور خلیفۃ اللہ فی الارض مانتے ہیں اسکے حکم پر جان دیدینا دونوں جہانوں کی سرخروئی کا موجب سمجھتے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ سلطان المعظم کی طرف سے جو کچھ اُن کے حق میں ہوگا۔ بہتر ہی ہوگا۔ اکثر جگہ قسطنطنیہ میں قطعہ آویزاں دیکھا جاتا ہے۔ "دعائے سلطان سبب غفران" یعنے سلطان المعظم کے حق میں دعا کرنا اپنی بخشش کا موجب ہے اور بادشاھم چوق یشا[1] سلطان کی درازی عمر اقبال کے لئے انکا مشہور قومی نعرہ ہے۔ اسی طرح ترکوں میں خیال راسخ ہے کہ سلطانی دسترخوان کا بچا ہوا کھانا جن مریضوں کو کھلایا جائے وہ تندرست ہو جاتے ہیں یا جن بچوں کو کھلایا جائے اُن کی زبان کھل جاتی ہے۔ اندریں حالات بھلا کیسے کوئی ترک بچہ اپنے سلطان سے عناد و بغاوت کا خیال دل میں لاسکتا ہے۔ لیکن عیسائی مفسدین کی ترغیب سے

[1] میرا بادشاہ دیر تک زندہ رہے۔

بعض ناتجربہ کار نوجوان ترک کہ جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ اور یورپین تعلیم نے ان کے قدیم خیالات بدلدیئے ناراض ہوکر قلمرو عثمانی سے یوروپ کے دوسرے ملکوں میں۔ بھاگ گئے۔ شکایتوں سے دنیا میں کوئی ملک خالی نہیں ہوگا۔ فرق ان شکایات کی کیفیت میں ہوتا ہے۔ سلطان عبدالحمید خان ثانی جس عزم سے تعلیم اپنے ملک میں پھیلا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام شکایات کی اصلاح کرنے پر آمادہ ہیں اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہتے تو رعایا کو زیادہ تر تاریکی میں رکھنا پسند کرتے۔ جبکہ وہ رعایا میں تعلیم کی روشنی پھیلانا چاہتے ہیں۔ اور قوم کی عام حالت کو یورپین اقوام کے پایہ پر لانا چاہتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ ان کی مخالفت اور نوجوان ترکی پارٹی کے ہوا خواہ غلطی پر ہیں۔ ترکی میں اسوقت ہر شخص کو بالاوسط ہندوستان کے چھ روپے سالانہ کے قریب ہر قسم کا ٹکس دینا پڑتا ہے۔ جسمیں بالواسطہ ٹکس یعنے چنگی وغیرہ کی طرح کے ٹکس بھی شامل ہیں۔ جو براہ راست ہر شخص کو نہیں دینے پڑتے۔"

رحم و رافت کا سلوک

ذاتی طور پر سلطان المعظم بڑے حلیم بردبار اور متحمل ہیں جبتک کہ انہیں ناراض نہ کیا جائے۔ وہ ادنے سے ادنے لوگوں کے استمالت قلوب میں بھی فرق نہیں کرتے۔ ایک شخص نے مجھے بتلایا کہ میں نے حضرت سلطان کی خدمت میں ایک تار بھیجا تھا کہ دولت کی بہبودی کے لئے میں کوئی ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور کسی دوسرے ذریعہ سے مسامع ہمایونی تک یہ بھی پہنچوادیا تھا کہ اگر اسے وہ اخبار نکالنے کی اجازت نہ دی گئی جو یہ نکالنا چاہتا ہے۔ تو یہ مصر میں جاکر مخالف اخبار جاری کردیگا۔ چنانچہ بخیال اسکے اسکی چال کارگر ہوگئی۔ اور اسے طلب کرکے اس کا مطلب دریافت کیا گیا۔ اور عرض حال (عرضی) پیش کرنے پر اس کے وظیفہ میں ترقی کرنے کا وعدہ کیا گیا تاکہ حق سلطانی میں

دعا کیا کرے۔ اخبار نکالنے کے جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ایک دوسرے صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حال میں ہندوستان سے ایک بزرگ آکر سلطنت کے ایک صیغہ میں ملازم ہوئے ہیں۔ جب پہلے پہل انہیں کوئی ماموریت نہ ملی تو انہوں نے جزیرہ قبرص میں جاکر دولت بہیّہ کے خلاف ایک اخبار نکالنے کی خبر مشہور کر دی۔ اسپر انہیں وہاں سے بلا کر نوکری دی گئی۔ ہر چند کہ یہ عامیانہ باتیں معلوم ہوتی ہیں تاہم اگر انہیں کچھ بھی وقعت دیجائے تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس کے مطابق سلطان المعظم کی شاہانہ بردباری کی تعریف کرنی مشکل ہے۔

تحائف استانبول وغیرہ

ہندوستانی طبیب چشمان قسطنطنیہ میں

منجملہ دیگر ہندوستانیوں کے جو مجھے یہاں ملے ایک ڈاکٹر نواب علی صاحب طبیب چشمان ساکن ضلع جالندھر تھے۔ جو معہ دوا و متعلقین کے چھ ماہ سے یہاں غلاطہ میں مقیم تھے۔ یہ پہلے بھی یہاں رہ گئے تھے جبکہ انہیں تمغہ مجیدیہ صنعت چہارم ملا تھا۔ ترکی بے تکلف بولتے تھے۔ اور جس مکان میں مقیم تھے۔ اسکا کرایہ سات پونڈ یعنے سو روپیہ سے زیادہ ماہوار دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا کام یہاں اچھا چلتا تھا۔ شروع میں انہوں نے بھی مجھے شہر کے بعض مقامات قابل دید دکھلائے۔ کپڑے بالکل یوروپین تہذیب کے مطابق پہنتے تھے۔ گو خواندہ آدمی نہیں تھے۔ مگر اپنا فن خوب جانتے تھے۔ کاش بہت سے ہندوستانی طرح طرح کے کاموں اور خدمتوں کے لئے یوروپ وغیرہ ممالک کو نکل جائیں۔ انہوں نے بتلایا کہ کس طرح ان کی برادری کے کئی لوگ یوروپ کے مختلف ممالک میں جا کر مریضوں کی آنکھیں بناتے ہیں۔ اور بعض بہت بہت روپیہ کما کر لاتے ہیں۔ ایک نے تو اٹلی میں اسقدر کمایا

حاصل کی کہ وہاں کی کسی ملکی مجلس کا ممبر بھی ہو گیا۔ اور وہیں شادی بھی کر لی

قسطنطنیہ کے تحائف نواب علی صاحب اسوقت وطن جانے کے لئے قسطنطنیہ کے کچھ تحائف خرید رہے تھے۔ چونکہ انہیں یہاں کا بہت تجربہ تھا میں نے انسے پوچھا کہ آپ کون کون سے تحائف یہاں سے ہندوستان لیجانے کے لائق سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ چیزیں بتلائیں (۱) قطعات خوشخط فوٹو گرافی و مطبوعہ (۲) رومال کشیدہ اور تحریر والے (۳) ترکی تولئے (۴) شیشہ کے حقّے (۵) تسبیحیاں (۶) انگوٹھیاں (۷) ایک زنانہ فراجہ (۸) قرآن مجید و دلائل الخیرات (۹) یہاں کے ناموروں کے فوٹوگراف (۱۰) خضاب ترکی (۱۱) ترکی بوٹ۔ (۱۲) زنانہ گرگابی (۱۳) سند کے جانماز بہت عمدہ کشیدہ کے کام کے (۱۴) قرآن مجید کے غلاف جنپر طلا سے اعلےٰ درجہ کا کام کیا ہُوا ہوتا ہے۔ (۱۵) ریشمی کپڑہ بروجہ کا (۱۶) ترکی ٹوپیاں۔ چنانچہ میں بھی ان کے ساتھ بازار میں خریدنے گیا۔ اور قسطنطنیہ سے لوٹتے ہوئے ان میں سے اکثر چیزیں تھوڑی تھوڑی خرید لایا۔

ترکی تولئے اس میں کوئی کلام نہیں کہ ترکی تولئے نہایت عجیب ہوتے ہیں۔ یوروپ کے اچھے تولیوں کا نام اٹیک ٹرکش ٹاول ہے۔ یہ تین تین تولیوں کا جوڑا ہوتا ہے جو اکٹھا بکتا ہے۔ تین اسلئے کہ ایک سب سے بڑا غسل کرکے کمر میں باندھا جاتا ہے۔ اس سے چھوٹا کندھوں پر اوڑھتے ہیں۔ اور اس سے چھوٹا سر پر لپیٹتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے حماموں میں اسقدر تولئے استعمال کرتے ہیں کہ جن دو ایک حماموں میں میں گیا ہوں وہاں تولیوں سے کئی کئی الماریاں بھری ہوئی تھیں۔ کیونکہ ایک ایک شخص کے غسل پر کئی کئی تولئے استعمال ہوتے ہیں۔ سوت کے علاوہ ریشمی تولئے بھی امرا کے استعمال کے لئے بنتے ہیں۔

جانماز ترکی قالین ایک عالم میں مشہور ہیں اور اتنے بنے نہیں جاتے جتنی

ان کی مانگ یورپ اور ایشیا میں ہے۔ اسلئے یہ ٹرکی کی بہت بڑی دستکاری سمجھی جاتی ہے۔ لیکن علاوہ قالین کے نمدہ کے جانماز بھی نماز کے لئے بہت استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بڑی نفیس اور خوشنما چیز ہے۔ ان پر جو خوبصورت ڈیزائینوں اور مختلف رنگوں کے بیل بوٹے رنگین تاگے اور زردوزی سے بنائے جاتے ہیں وہ نہایت دل لبھانے والے ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ کیوں ان جانمازوں کی ہندوستان میں تجارت نہیں ہوتی۔ کوئی شخص جو گاہ بگاہ نماز پڑھتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسا جانماز دیکھکر ضرور خریدنے کی خواہش کریگا۔ اور اسی طرح اور کئی چیزیں جو بطور تحائف میں ترکی میں ہندوستان میں بہت پسند کئے جانے کے لائق ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ نہ ترکوں میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ہندوستان میں اپنا مال بھیجنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ ان یہاں ہاتھ سے جو مال تیار ہوتا ہے۔ وہ اتنا زیادہ نہیں بنتا ہوگا۔ جو بک سکے اور نہ ہندوستان کے مسلمان ہی اتنے انٹر پرائیزنگ ہیں کہ ٹرکی اشیا کی تجارت شروع کریں۔

طلائی کام کے جزدان اور لحاف کے ابرے

اطلس اور کمخواب پر جو طلا سے کشیدہ کاری کا کام کیا جاتا ہے وہ بھی قابل ذکر ہے۔ سلطانی طغرا بہت عمدہ کاڑھے جاتے ہیں۔ اور چھوٹے بچوں کو جب ترک بسم اللہ شروع کراتے ہیں تو انہیں جس جزدان میں قاعدہ رکھکر دیا جاتا ہے اسپر بہت خوبصورت ڈیزائین مساجد کے ہوتے ہیں۔ اور تاکہ عوام بھی استعمال کر سکیں۔ جزدان چھوٹے کام کے ہوتے ہیں لیکن لحاف کے ابرے بڑے دلکش ہوتے ہیں۔ میرے میزبان نے جو لحاف مجھے استعمال کو دیا تھا اسکی نسبت میری ڈائری میں درج ہے۔

اوڑھنے کو جو لحاف دیا اسکا ابرہ ریشمی تھا اور اسپر بڑی صنعت کا طلائی کام کیا ہوا تھا۔ جو ٹرکی سے مخصوص ہے۔ اسکی قیمت ساڑھے تین پونڈ بتلائی گئی ہندوستانی ایسے گران کپڑے نہیں استعمال کر سکتے!! کشیدہ کی صنعت کا یہاں

بڑا رواج ہے۔ عام سفید رومالوں کے چاروں کناروں پر بھی ریشم اور طلا سے چھوٹے چھوٹے بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ اور ایسے رومال بازاروں میں بکتے ہیں۔

تسبیحاں یہاں تسبیح کے استعمال کا بڑا رواج ہے عورتیں۔ مرد۔ بوڑھے۔ جوان مسلمان عیسائی اور یہودی امیر و غریب سب ہی تسبیح خریدتے اور استعمال کرتے ہیں۔ بعض لوگ بازاروں میں بھی تسبیح ہاتھ میں لٹکائے پھرتے ہیں۔ بلکہ گھر میں اگر ہاتھ میں تسبیح نہ تھی۔ تو بازار میں چلنے سے پہلے ضرور ساتھ لے لیتے ہیں۔ جیسا کہ میں کسی دوسری جگہ لکھ چکا ہوں یہ نظارہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کے سر پر تو ہیٹ (انگریزی ٹوپی) رکھی ہو اور ہاتھ میں مسلمانوں کی طرح تسبیح کے چھوٹے دانوں کو وہ سرکاتا جاتا ہے کئی لوگ دفاتر میں کام کر رہے ہیں اور تسبیح سامنے موجود ہے ذرا کام چھوڑا اور تسبیح اٹھا لی۔ یہاں تسبیحوں کی قیمتیں تین چار قرش (۱۰ یا ۱۲) سے لیکر پچاس پونڈ (ساڑھے سات سو روپیہ) تک ہوتی ہیں۔ کیونکہ بڑے بڑے امرا اور پاشا لوگ بڑی قیمت کی تسبیحاں خریدتے ہیں۔ اسی لئے یہاں تسبیحوں کی بڑی تجارت ہے۔ اور کئی مساجد کے پاس خصوصاً جامع بایزید کے صحن میں بہت سی دوکانیں تسبیح فروشوں کی ہیں۔ میں نے بھی ایک مجیدی کی تین تسبیحاں اور ڈیڑھ مجیدی کی ایک تسبیح کہربا کی خریدی۔ دمشق میں میں نے دو ہندوستانی مسلمانوں کو دیکھا تھا جو تین چار گدھوں کا بوجھ ہندوستان سے سستی تسبیحاں لکڑی کے دانوں کی مکہ معظمہ کو لیجا رہے تھے۔ کہ جہاں سے حاجی لوگ بطور تبرک خرید کر انہیں پھر ہندوستان لے آتے ہیں۔

فوٹو گرافی قطعات یہ بھی استنبول کا ایک بہت نادر تحفہ ہے۔ بڑے بڑے خط نسخ کے استادوں کی خوشخط لکھے ہوئے قرآنی آیات اور سورتوں کے فوٹو گراف دیواروں پر آویزاں کئے جاتے ہیں۔ ترکوں میں ابتک خوشخطی کی بڑی قدر ہے۔ اور خطاط عزت سے دیکھے جاتے ہیں۔ لاہور میں ایک روز ایک معزز دوست میرے یہاں موجود تھے۔ جب میں نے انہیں چند نمونے ان فوٹو گرافی قطعات کے دکھلائے تو وہ کہنے لگے کہ سب سے عمدہ دعوت میری یہی ہے کہ ان میں سے

مجھے کوئی قطعہ دیدو۔ لاہور میں ایک صاحب نے انگلستان سے ان قطعوں کی نقلیں بھی چھپوا کر منگوائی ہیں۔ مگر نقل کو اصل سے کچھ نسبت نہیں۔ اسی طرح اگر ہندوستان میں یہ دوہرے ترکی بوٹ بھی کوئی صاحب ٹرکی سے منگوائیں یا یہیں ان کی عمدہ نقلیں بنوائیں تو یقین ہے کہ فائدہ اٹھائیں۔ کیونکہ مسلمان ایسے بوٹ شوق سے خرید لیں گے؟ موسم سرما میں ان سے وضو اور نماز کا بڑا آرام رہتا ہے

ایک ہندو زباندان

ایک روز شیخ ولی محمد صاحب ایک ہندوستانی مسٹر تلجا رام کو میرے مکان پر لے آئے۔ یہ صاحب سورت کیطرف کے رہنے والے برہمن ہیں۔ اور آٹھ دس سال سے قسطنطنیہ میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں سے ملکر کھانے پینے میں انہیں کچھ پرہیز نہیں کیونکہ ایسی پرہیز سے یہاں گذارہ نہیں ہوسکتا۔ یہ کئی زبانیں جانتے ہیں۔ جو لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔ اور بڑے زندہ دل آدمی ہیں۔ حال میں ایک انگریز عورت سے شادی بھی کی تھی۔

ایک ہندوستانی نوکر

ایک روز اخبار معلومات کے ایڈیٹر خالد ایوب صاحب کو ملا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے آج ہی ایک ہندوستانی لڑکا دربانی کی خدمت پر ملازم رکھا ہے لڑکے سے دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ بنارس کا رہنے والا ہے۔ اسنے کئی سال بغداد میں رہ کر کچھ عربی اور ترکی بولنا سیکھ لیا تھا۔ اور اب پانچ مجیدی (عہ) اور روٹی پر یہاں نوکر ہوا ہے۔ ہرچند کہ ٹرکی یورپ میں سب سے غریب ملک ہے تاہم یہاں کی معاشرت اور تنخواہوں کا معیار ہندوستان[1] سے بہت اعلیٰ ہے۔

ایک ہزار روپیہ کے نقصان سے خدا نے بچا لیا

مجھے قسطنطنیہ میں پہنچے چند روز ہوئے تھے کہ لاہور کے خط سے معلوم ہوا۔ جب میں لنڈن سے پیرس کو واپس آیا اور دو تین روز ٹھہر کر قسطنطنیہ کو روانہ ہوا۔ تو اس روز یعنی ۱۳۔ اگست کو پیرس کے کسی بدمعاش نے مجھے ہزار روپیہ کا نقصان پہنچانا چاہا۔ میں ۱۴۔ اگست

---

[1] ایک کیا سینکڑوں ہندوستانی خصوصاً مسلمان تجارت سے یہاں عزت کی روٹی کما سکتے ہیں

کو ایک بجے کی گاڑی میں پیرس سے قسطنطنیہ کو روانہ ہوا۔ اور اسی روز اس کمبخت نے جو نہ صرف میرے پتہ سے واقف تھا۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لاہور میں ہمارے مکان کے پتہ سے بھی واقف تھا۔ اس مطلب کا ایک تار میرے بھائی کے نام میری طرف سے روانہ کیا۔ کہ میرا کل روپیہ اتفاقی ضائع ہوگیا۔ مجھے ایک ہزار روپیہ بنک بنگال کی معرفت فلان فلان پتہ سے پیرس میں بھیجو۔ یہ فلان فلان پتہ بھی بہت لمبا ہے۔ اس کے علاوہ مکتوب الیہ کا پتہ بہت بہنگم اور اس پتہ کے خلاف ہے۔ جو مینے ایک پہلے تار میں لکھا تھا۔ "پیسہ۔ لاہور"۔ ہندوستان کے محکمہ تار میں پیسہ اخبار کا یہ پتہ رجسٹر ہوا ہوا ہے۔ اسلئے اس پتہ کا تار ہمارے دفتر میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ میں ایک پہلے خط میں لنڈن سے گھر کو اطلاع دے چکا تھا کہ مجھے پیرس سے کچھ روپیہ ملگیا ہے۔ اس لئے میں اور روپیہ ہندوستان سے نہیں منگاؤنگا۔ ان سب قرائن نے میرے بھائی کو کافی شک پیدا کردیا کہ یہ تار جعلی ہے۔ بھیجنے والے کے اسپر ۸۰ روپے کے قریب خرچ ہوئے ہونگے۔ اور اسکے لئے یہی سزا کافی ہے۔ شکر ہے کہ مولائے متعال نے ہمیں ایکہزار روپے سے نقصان سے بچالیا۔ جب یہ کیفیت مجھے قسطنطنیہ میں معلوم ہوئی۔ تو مجھے خیال آیا کہ مینے بہت بڑی غلطی کی۔ جو اتنے دور دراز سفر پر آنے سے پہلے کوئی مرموز الفاظ تار کے لئے مقرر نہ کردیئے۔ جو صرف مجھے اور میرے گھر میں معلوم ہوتے۔ اور صرف اسی لفظ کے لکھنے سے تار معتبر سمجھا جاتا۔ بلکہ ایک لفظ ایک فقرہ کے مطلب کے لئے مقرر کیا جاسکتا ہے۔ جن لوگوں کو اب لمبے سفر پیش آئیں وہ اس تجربہ سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ اسکے بعد معلوم ہوا کہ اس شخص نے قریباً چالیس روپے کا ایک دوسرا تار بھی روپیہ کے تقاضا میں بھیجا تھا۔ اور تیسری مرتبہ کوشش یہ کی کہ بمبئی سے میرے ہندوستان پہنچنے کے قریب زمانہ میں ولایتی ڈاک کا جہاز پہنچنے کے روز اس مطلب کا اور تار دیا تھا۔ کہ میں کسی سے کرایہ جہاز کا روپیہ قرض لیکر بمبئی پہنچ گیا ہوں۔ مجھے فوراً فلاں ہوٹل کے پتہ پر روپیہ بھیجدو۔ مگر چونکہ میرے

گھر والوں کو یقین تھا کہ پیرس اور بمبئی دونوں جگہ مجھے مانگنے سے روپیہ مل سکتا تھا انہوں نے اس موذی کو روپیہ نہ بھیجا اور اسطرح خدا کی مہربانی اور میرے بھائی کی دور اندیشی سے ہم اس نقصان سے بچ گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک دغا باز شامی کا کام تھا جو لاہور میں بھی مجھے ملا تھا اور اسوقت پیرس میں مقیم تھا۔ اور مجھے ریل پر سوار کرنے گیا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اسکی بمبئی میں بھی ایجنسی ہوگی۔ جو پتہ اس شخص نے مجھے اپنے دمشق کے گھر کا دیا تھا۔ وہ غلط تھا۔ تاہم وہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہی نہیں ہے بلکہ ایک یہودی ہے۔ میں نے قسطنطنیہ کے دو تین روزانہ اخبارات میں اس دغا باز کی چالاکی کا قصہ چھپوا دیا۔

قسطنطنیہ سے بیروت تک

از برکت سیر مرد فہمیدہ شود در عین کمال از ہر دیدہ شود
پاکیزہ تر از آب ندیدم چیزے یکجا کہ کشد مقام گندیدہ شود

روانگی کی تیاری جب میں نے قسطنطنیہ سے روانہ ہونیکا قصد کیا تو میں نے ان چند احباب سے رخصت ہو لینا مناسب سمجھا کہ جنہوں نے یہاں کے زمانہ قیام میں مجھپر بڑی مہربانی مرعی رکھی تھی۔ اور بہت اخلاق و محبت سے پیش آئے تھے۔ ان سے رخصت ہو لینے کے بعد پول تذکرہ حاصل کرنا۔ جہاز کا ٹکٹ خریدنا۔ چونگی میں کتابوں کا معائنہ کرانا۔ جہاز پر مال لدوانا۔ اور دوران سفر جہاز کیلئے کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں خریدنا تھا۔ کیونکہ سید عبد الغفار آفندی نے مجھے صلاح دی تھی۔ کہ میں بجائے جہاز کا اول یا دوم درجہ کا ٹکٹ خریدنے کے

تختۂ جہاز کا ٹکٹ سوم درجہ یعنے تختہ جہاز کا ٹکٹ خریدوں۔ کیونکہ گرمی کے

موسم میں جہاز کے کمرہ میں مجھے تکلیف ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گرمی ہو یا سردی یہاں کا عام رواج سفر جہاز کا یہی ہے۔ کہ لوگ صحن جہاز پر سفر کرتے ہیں۔ سوائے امرا یا یورپ یورپین فیشن کو ملحوظ رکھنے والے لوگوں کے صحن پر عورتیں مرد سب یکجا رہتے ہیں۔ مسلمان عورتیں البتہ پردہ کرلیتی ہیں یا برقعہ میں رہتی ہیں۔ بہرحال مینے بھی سوم درجہ کا ٹکٹ خریدنے کا ارادہ کرلیا۔ اور ایک سو دس غرش کو بیروت تک کا ٹکٹ لیا۔ میں نے یہ ٹکٹ آسٹرین لائیڈ کمپنی کے شہر کے دفتر سے خریدا تھا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ سو غروش کو ٹکٹ ملیگا لیکن میرے ساتھ خود بخود ایک عیسائی دلال جا کھڑا ہوا۔ اور مجھے ٹکٹ کی قیمت ایک سو دس غروش دینی پڑے۔ مجھے ٹکٹ دینے والے کلرک نے کہدیا تھا۔ کہ اگر میں جہاز پر سے ٹکٹ خریدونگا۔ تو مجھے سو غروش کو ملیگا۔ مگر مینے ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہیں ایک سو دس غرش دینے مناسب سمجھے۔ پیچھے جہاز پر پہنچکر معلوم ہوا کہ واقعی وہاں سو غروش کو ٹکٹ بکتا تھا۔ گویا مینے دس غرش دلال کے پاس جا کھڑے ہونیکے دیئے تھے۔ اب چونکہ تختۂ جہاز پر سفر

سامان سفر کرنے کی تیاری تھی۔ اسلئے مصر چار شو سے ایک گدیلہ اور ایک تکیہ بستر کے لئے خریدا۔ ایک بڑی شیشہ کی بوتل پانی بھرنے کی لی کہ جسمیں پندرہ بیس سیر پانی سما سکے۔ اور عمدہ پانی شہر سے بھر لیا۔ ایسی بڑی بوتلوں کے گرد ایک ٹوکری سی بنی ہوئی ہوتی ہے تاکہ ٹوٹ نہ جائیں۔ ایک انگور رکھنے کی ٹوکری اور کچھ ڈبل روٹیاں۔ ایک گلاس پانی پینے کو ایک چھری کانٹا اور کچھ خشک گوشت خریدکر ایک پٹ میں رکھ لیا۔ جیسا کہ یہاں کے لوگ سفر جہاز کے لئے کھانے پینے اور سونے کا انتظام کیا کرتے ہیں۔

واپسی پر معاینۂ کتب مینے ترکی سائیکلو پیڈیا اور کئی ایک ترکی کتابیں خود خریدی تھیں۔ اور بہت سی ترکی کتابیں یہاں کے مصنفین وغیرہ احباب نے مجھے تحفۃً دی تھیں اسکے علاوہ قسطنطنیہ کے تحائف کا بھی کچھ ذخیرہ خریدا ہوا تھا

سامان کا بکس بہت بھاری ہوگیا - اسلیئے مینے مناسب سمجہا کہ اسے سیدہا ہندوستان کو بک کرا دوں - آسٹرین للائیڈ - فرنچ رشئین وغیرہ کئی کمپنیوں کے دفاتر سے دریافت کیا - روسی کمپنی نے پورٹ سعید تک اسباب پہنچانیکا وعدہ کیا - مگر آسٹرین اور میسجیرز میری ٹیم سیدہا ہندوستان تک لیجا سکتی تہیں - لیکن بکس کو بک کرانے سے پہلے اسکا کمرک (چونگی) میں سے گذارنا مشکل تھا کیونکہ مجھے ایک شخص نے ڈرا دیا تہا - کہ اگر تمہاری بعض کتابیں معاینہ کرنے والے افسر نے روک لیں تو وہ ضائع ہوجائینگی - اسوجہ سے مجھے بڑی پریشانی تھی چنانچہ مینے اپنی ڈایری اور بعض دیگر کاغذات بذریعہ ڈاک رجسٹری کراکر ہندوستان کو بھیجدیئے ہتے - باوجودیکہ بعض کتب پر رخصت معارف درج ہوتا ہے یعنے سررشتہ تعلیم کی اجازت لیکر چہاپی جاتی ہیں - مگر یا تو وہ قدیم زمانہ کی چہپی ہوئی ہیں - کہ اسکے بعد محتسب کی پالیسی کچھہ اور بدل گئی ہوتی ہے - یا بعض کتابوں پر جعلی طور پر اجازت معارف چہاپدیا گیا ہے - بہرحال بعض کتابیں افسر معاین روک سکتا ہے - مینے اس کام کے لئے ایک افسر کی سفارش بہم پہنچائی - اور اس طرح سوائے ایک آسٹریا کی کتاب کے کہ جسمیں سلطان المعظم کی تصویر تھی باقی سب کتابیں بے عیب سمجھی گئیں - اور مجھے بک کرانے کی اجازت دیگئی -

پول تذکرہ پاسپورٹ کی - جسے یہاں پول تذکرہ یا مرور تذکرہ کہا جاتا ہے ہر مسافر کو ضرورت ہے - خواہ وہ ترکی رعایا ہو یا اجنبی مینے آنے کے لئے لنڈن کے فارن آفس سے ۲ شلنگ دیکر جو پاسپورٹ لیا تھا - اور پیرس میں عثمانی کونسل سے پانچ فرانک دیکر اسکی تصدیق کرائی تھی - عثمانی حدود میں داخل ہونے پر قسطنطنیہ آنے تک اسے دو تین مرتبہ پولیس کی کتابوں میں درج کیا گیا - یہاں جس ہوٹل میں میں ٹھہرا - ہوٹل والا رات کو مجھہ سے پاسپورٹ لیکر پولیس میں درج کرانے گیا تہا - اس انتظام سے قسطنطنیہ کی پولیس کو ہر شام

کو معلوم ہو جاتا ہے کہ شہر میں اجنبی کتنے ہیں اور کہاں کہاں مقیم ہیں۔ ہندوستان کی سراؤں میں بھی رات کو پولیس والے آکر اسی طرح اسم نویسی کرتے ہیں
قسطنطنیہ سے بیروت کو روانہ ہونے سے پہلے میں انگریزی کونسلیٹ میں گیا۔ جہاں ۱۲ اغروش یعنی عیر لیکر انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا۔ جو عثمانی پولیس کے ایک دفتر میں لیجانے پر اور ۱۲ اغروش دینے کے بعد مجھے ایک ترکی زبان کا پول تذکرہ ملا۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ ترکی پولیس پایہ تخت کے باہر کسی غیر زبان کے پاسپورٹ کو تسلیم نہیں کرتی۔ مگر ترکی زبان کو تو اور یہ ترکی زبان کا پاسپورٹ تین روپیہ اور ایک دو روز کی تگ و دو اور شاید دو ایک روپیہ گاڑی کا کرایہ خرچ کرنے کے بعد ملسکتا ہے۔ اگر میں قسطنطنیہ سے سیدھا ہندوستان کو آنا چاہتا تو انگریزی کانسلیٹ سے بلا کچھ فیس لینے کے مجھے دستخط کر دیا جاتا۔ لیکن چونکہ میں راستہ میں دمشق اور بیت المقدس وغیرہ مقامات ترکی قلمرو میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اسلئے مجھے یہ پول تذکرہ لینا ضروری تھا۔ اس پاسپورٹ سے مسلح ہو کر جب میں مع اسباب بندرگاہ میں آیا تو کشتی پر سوار ہو کر ایک دوسرے پولیس کے دفتر میں گیا۔ کہ میں فلاں جہاز پر روانہ ہوتا ہوں۔ وہاں پاسپورٹ درج کرنے کے بعد مجھے جانے کی اجازت ملی۔ مگر میرے ہمراہی نے جہاز تک مجھے الوداع کہنے کے لئے جانے کیواسطے بہتیری کوشش کی لیکن اسے اجازت نہ ملی۔ جہاز سے دو چار قدم ادھر ایک کشتی میں ایک ترکی پولیس افسر بیٹھا ہوا ملا۔ یہ ہر شخص کا تذکرہ مزید احتیاط کے لئے پھر دیکھتا ہے اور اسے جہاز میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے لیکن جسکے پاس تذکرہ نہو وہ جہاز میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جہاز قریبًا سب غیر ممالک کی رعایا کے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص جہاز میں بلا تذکرہ لئے پہنچ جائے تو جہاز والے اگر چاہیں تو اس کو ترکی افسر کے سپرد نہ کریں۔ اسی طرح قسطنطنیہ سے بیروت تک جتنے بندروں روڈس

سمرنا - مرسین - اسکندرونہ - طرابلس - بیروت وغیرہ میں میں جہاز سے اتر کر شہر میں گیا ہوں - ہر جگہ پولیس نے کشتی سے نکلتے ہی تذکرہ لے لیا - اور جہاز کو واپس جانے کے وقت دیا ہے - کشتی بانوں کی مجال نہیں کہ بلا سواری کا تذکرہ دکھلائے اُسے جہاز تک لیجائیں - اسلئے ٹرکی اور روس وغیرہ ممالک میں تذکروں کا ایک بہت بڑا محکمہ ہے - اور یہاں کے لوگ جو عادی ہو گئے ہیں وہ ان کو بار بار دکھلانے کی پرواہ نہیں کرتے -

جہاز کی سواری ۸ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ع

جب میں جہاز پر پہنچا - تو کچھ تو کشتی والوں اور جہاز کے قلیوں کی زیادہ ستانی سے میں دق ہو رہا تہا - اور کچھ تختہ جہاز پر کہ جسے ترک "گورتہ" کہتے ہیں سفر کرنے میں مجھے کچھ تکلیف نظر آنے لگی - مجھے بعض قلیوں نے صلاح دی کہ جہاز کی ایک کوٹھری چار پونڈ کرایہ پر لیلو - تجارتی جہازوں کے چہوٹے افسروں سے اتنی رعایت ملحوظ ہوتی ہے - کہ وہ اپنی کوٹھری (کیبن) کرایہ پر دے کر کچھ کما سکیں - چنانچہ ایک ایسے افسر سے بیٹے کوٹھری کا سودا کر لیا - دوم درجہ کا کرایہ اس جہاز میں علاوہ خوراک کے سوا چار پونڈ تھا - اسمین سے سوا پونڈ میں تختہ جہاز کا کرایہ دے چکا تہا - بینے دو پونڈ اور دیدئے جو اس افسر نے منظور کر لئے - اور میں نے اُسکی کوٹھری (کیبن) میں ڈیرہ لگا لیا - تھوڑی دیر میں سید عبد الغفار صاحب معہ ایک دوست کے جہاز پر آ پہنچے - اور میرے لئے دمشق کیواسطے جناب سید ابو الہدی صاحب سے دو خطوط انٹروڈکشن کے بھی لیتے آئے اور کہا کہ اچہا ہوا کہ مجھے اسوقت پولیس والوں نے نہیں آنے دیا تہا - ورنہ یہ خطوط نہ ملتے - مگر میرا کرہ جہاز پر دو پونڈ زائد خرچ کرنا ناپسند ہوا - تھوڑی دیر کے بعد یہ رخصت ہو گئے - اور شام تک بہت سے مسافر جہاز پر آ گئے - جنمیں بعض ترکی اور ارمنی اور یہودی لیڈیاں بہی تہیں - مگر عورتیں مرد سب گورتہ (تختہ جہاز) کے ہی مسافر تھے - غروب آفتاب کے وقت

جہاز روانہ ہوا - میں جہاز کے بلند ترین حصہ پر چڑھکر قسطنطنیہ کو اتنی دیر تک دیکھتا رہا جبتک کہ وہ نظر سے غائب نہ ہو گیا - اسوقت کا نظارہ نہایت دلکش تھا - قسطنطنیہ کسی قدر فاصلہ سے اور بھی دلکش معلوم ہوتا ہے - اسوقت تیرہویں کا چاند نکل آیا جسنے سمندر کو اپنے نور سے روشن کر دیا - مگر ہوا دم بدم تیز ہونے لگی - میں اپنے کمرہ میں آیا تو برقی روشنی اور آرام کا بستر پایا - اور دو پونڈ جو زیادہ خرچ کئے تھے بھر پائے - کیونکہ باہر لوگ سردی سے سکڑے جاتے تھے - حالانکہ سب کے پاس کپڑے مجھسے زیادہ تھے -

ڈارڈ انلز و مٹالین
۹ - اکتوبر

آدھی رات کو جہاز بندر روڈ وسٹو میں پہنچا - جو ایک خوبصورت خلیج میں واقعہ ہے - مگر یہاں کا مال زیادہ نہیں تھا - اسلئے چلکر چناق قلعہ میں پہنچا جسے یورپین ڈارڈانلز کہتے ہیں - یہاں دور تک سمندر ایک دریا کی طرح تنگ ہو گیا ہے - اور دونوں طرف مضبوط زمین دوز قلعے بنے ہوئے ہیں - کہ جنکی توپیں بھی میں جہاز میں بیٹھے بیٹھے شمار کر سکتا تھا - یہی وہ مضبوط قلعے ہیں - کہ جنہیں سے کسی سلطنت کا جنگی جہاز بلا اجازت سلطانی قسطنطنیہ کی طرف نہیں گذر سکتا - اور کہ جن قلعوں کو جدید یورپین فن جنگ کے اعلےٰ ترین وسایل سے اسقدر مضبوط کر دیا گیا ہے کہ کسی غنیم کا ان کو زیر کر سکنا محال سمجھا جاتا ہے - پہلے پہل سلطان فاتح نے یہ قلعہ تعمیر کیا تھا - پھر کوپریلی محمد پاشا نے سنہ ۱۰۷۰ء میں کلید بحر اور سد البحر قلعوں کو نہایت مضبوط کرتے وقت قلعہ سلطانی کو اور مضبوط کر دیا تھا - اور جو گیریزن یہاں رکھا گیا تھا - اب اسی سے بڑھتے بڑھتے ایک خاصا قصبہ گیارہ ہزار کی آبادی کا بن گیا ہے - جسمیں گیارہ مسجدیں اور چار کلیسا چھ حمام چار خان اور تین مسافر خانے ہیں - مسلمانوں کے علاوہ یہاں یونانی آرمنی اور یہودی بھی آباد ہیں - یہاں سے جہاز روانہ ہو کر شام کو جزیرہ مٹالین میں پہنچ گیا - یہ وہی مقام ہے

سرجیکے دُفا تو جونگی پر میرے آنے کے بعد فرانسیسی بیڑہ نے باب العالی سے کسی مطالبہ کی بنا پر قبضہ کر لیا تھا۔ قصبہ چھوٹا سا ہے۔ اسلئے اہل جہاز تو وہاں نہ گئے۔ مگر وہاں کے سودا فروش جہاز پر آگئے۔ اور ان سے انار سفر جل اور سیب سب ۲۰ پارہ (چھ پیسہ) فی نصف اوقہ کے حساب سے لوگوں نے خریدے یہاں سے بھی تھوڑا ہی مال تجارت اتارنا اور چڑھانا تھا۔ اسلئے جہاز شام سے پہلے روانہ ہو گیا۔ چونکہ ہوا تیز تھی اسلئے بوجہ طلاطم جی متلاتا رہا۔ صبح کو جہاز طلوع کے قریب بندر سمرنا میں پہنچ گیا۔

سمرنا ۱۰۔ اکتوبر

یہ تجارتی جہاز تھا۔ کہ جس میں سوار ہوا تھا۔ اسلئے راستہ میں قریباً ہر بندر پر ٹھہرتا اور مال چڑھاتا اور اتارتا جاتا تھا۔ عموماً دن بھر مال اتارتا اور چڑھاتا اور مسافر لیکر شام کو روانہ ہو جاتا۔ ایسے طور پر کہ اگلی صبح دوسرے بندر پر جا ٹھہرتا۔ اسطرح مسافروں کو دن بھر بندرگاہ کے شہر یا قصبہ کے سیر کرنے کا موقعہ مل جاتا۔ اور میرے لئے خصوصیت سے یہ بہت اچھی بات تھی۔ کیونکہ میں نے اس تمام ساحل کے قصبات اچھی طرح دیکھ لئے۔ اور گو یہاں کی معاشرت اور تمدن تو ایک آدھ روز میں کیا معلوم ہو سکتا تھا۔ لیکن ظاہری شکل وصورت سے جو کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔ سمرنا کہ جسے ترک ازمیر کہتے ہیں دنیا کے نہایت پرانے شہروں میں سے ہے۔ اور جن چند شہروں پر مشہور یونانی شاعر ہومر کے مولد ہونے کا خیال ہے انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ سب سے پہلے ۱۰۸۱ء میں یہ شہر اسلامی قبضہ میں داخل ہوا۔ جبکہ ایک سلجوقی امیر نے اسے فتح کر لیا تھا۔ لیکن جلد ہی یونانی قیصر نے چھوڑا لیا۔ پھر ۱۳۱۷ء میں امرائے سلجوقی میں سے آیدین اوغلی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۳۹۲ء میں آشتی کے ساتھ سلطان بایزید یلدرم کو سپرد کر دیا۔ اسکے بعد تیمور نے اس شہر کو غارت کیا۔ بہر حال قلمرو سے

عثمانی کے نہایت آباد شہروں اور تجارتی مرکزوں میں سے ایک ہے۔ اور ایشیا کوچک کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ ایک طرف تو سمندر کی جانب سے دخانی اور بادبانی جہازوں سے اور دوسری جانب خشکی میں ریل سے اسکا تعلق تمام دنیا کی تجارت سے ہے۔ اسلئے سالانہ اوسط تجارت برآمد ۴ ½ ملین پونڈ اور درآمد ۳ ملین پونڈ کے درمیان ہے سوائے قالینوں کے جو دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ یہاں سوتی اونی اور ریشمی کپڑے۔ اور چینی برتن بھی بنتے ہیں اور یہاں سے سوائے قالینوں کے انجیریں تمباکو اور رسقیم وغیرہ مال کو جاتا ہے۔ آبادی دو لاکھ کے قریب ہے جسمیں سے نصف مسلمان اور باقی عیسائی اور یہودی ہیں۔ ان میں قریب دو تین ہزار کے اہل یورپ بھی ہیں۔ کہ جن کے ہاتھ میں تجارت کا بڑا حصہ ہے۔

نیا اور پرانا سمرنا قدیم شہر کی گلیاں اور کوچے بہت تنگ ہیں۔ اور مکانوں کے برآمدے اتنے بڑھے ہوئے ہیں۔ کہ اگر نیچے روزنوں میں سے راستہ مل سکے تو دونوں طرف کے مکانات کے رہنے والے اسی راستہ سے ایکدوسرے کے گھر میں آجا سکیں۔ ان بازاروں کے فرش ان گھڑے پتھروں کے ہیں مگر جو بازار کنارہ بحر عیسائی آبادی کے مکانوں اور دکانوں میں سے گذرتے ہیں ان کے فرش صاف پتھر کے ہیں۔ جہاز پر سے شہر کا نظارہ نہایت دلفریب معلوم ہوتا ہے۔ جو ایک ہلال کی صورت میں پانی کے کنارے کنارے دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ایسے طور پر کہ کنارے سے پہاڑی کی چوٹی تک آبادی چلی گئی ہے۔ کہ جسکے اوپر ایک قدیم ویران قلعہ ہے۔ دریا کے کنارہ پر بہت دور تک عالیشان مکانات دکانات لوقنطوں اور قہوہ خانوں کا سلسلہ چلا جاتا ہے۔ کہ جنکے درمیان ایک باغیچہ عمومی (پبلک گارڈن) بھی ہے عیسائی آبادی کے مکانات نہایت عالیشان اور خوشنما ہیں یہی بازاروں کے مکانات ہم شکل ہیں۔ عموماً ان مکانات کے بڑے دروازہ کے اندر ایک

نظر آتا ہے کہ جنکی دیواریں اور فرش سنگ مرمر کے ہوتے ہیں۔ فرنگی بازار کی دوکانیں قسطنطنیہ کے یورپین کوارٹر کی دوکانوں سے بھی سربرآوردہ معلوم ہوتی ہیں۔ جس روز میں یہاں پہنچا تو بحیرہ روم کا انگریزی بیڑہ جہازات بھی یہیں لنگر انداز تھا۔ شاید کہ یہ اکثر یہاں آیا کرتا ہو کیونکہ کنارہ بحر کے کئی قہوہ خانوں اور بیئر کی دوکانوں کے نام "جان بل" "لارڈ رابرٹس" اور "برٹش آرمس" وغیرہ۔ انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔ اور انگریزی ملاح جابجا پھر رہے تھے۔ کئی جگہ انگریزی میں نوٹس بورڈ آویزاں تھے۔ انگریزی ڈاک خانہ کے قریب ایک ترک فوجی افسر نے مجھ سے انگریزی میں گفتگو کرنی شروع کی۔

اونٹوں کی مہار گدھے کی دُم سے

جہاں ایک طرف تو شہر کے تنگ اور بارونق بازاروں میں سے (کہ جنمیں بعض مسقف بھی ہیں) لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں بلا تکلف گذرتی رہتی ہیں۔ دوسری طرف گودی کے قریب سے لیکر ایک ٹرامیوے کی لائن بھی جاری ہے۔ اندرون ملک سے بہت سا مال تجارت اونٹوں کے ذریعہ آتا ہے کہ جو قد میں چھوٹے مضبوط اور لمبے بالوں والے ہوتے ہیں۔ پندرہ بیس ایسے اونٹوں کی ایک قطار کی مہار ایک گدھے کی دم سے بندھی ہوئی ہوتی ہے کہ جس پر ان کا رہنما سوار ہوتا ہے۔ زبان یہاں کی ترکی ہے۔ لیکن یونانی بھی بہت بولی جاتی ہے۔ کیونکہ چالیس ہزار یونانی بھی آباد ہیں۔ یہاں کئی ایک بڑی بڑی خانیں بھی ہیں کہ جنمیں سے خان وزیر سب سے بڑی سرائے ہے۔ چالیس جامع اور کئی چھوٹی مسجدیں اور قدیم طرز تعلیم کے مدرسے اور تکیے بھی بہت ہیں۔ علاوہ عیسائیوں کے مدرسوں کے مسلمانوں کے لئے کئی ابتدائی مدرسے ہیں جنمیں ایک زنانہ بھی ہے اور دو تین ہائی سکول ہیں۔ علاوہ اس ولایت کے سرکاری گزٹ کے گیارہ دیگر اخبارات شائع ہوتے ہیں اور ۱۶ مطابع ہیں۔ اسکے سوائے ہسپتال عدالتیں غریب خانے

ایک مدرسہ حرفت غرض سب ضروری سامان تمدن موجود ہیں۔

ہر چند کہ سمرنا قسطنطینیہ سے صرف (۴۰۳ کیلو میٹر (قریباً سوا دو سو میل) دور ہے۔ لیکن قسطنطنیہ کے گھسے ہوئے غروش اور چرک سکے رد کا نہ ار قبول نہیں کرتے تھے۔ صرف نئے سکے ہی لیتے تھے۔ حالانکہ قسطنطنیہ میں گھسے ہوئے سکہ کی ذرا پرواہ نہیں کیجاتی۔ اور سرے سے مجیدی کی بجائے ۲۰ کے ۸ اغروش دیتے ہیں۔ جہاز کے رفیقوں کے ساتھ دن بھر شہر میں گھوم کر اور کھانا کھا کر شام کو جہاز میں چلے آئے۔ یہاں کے میوجات بہت عمدہ۔ خصوصاً انار اور انجیر تھے۔

جہاز کے مسافر

قسطنطنیہ سے جسقدر مسافر سوار ہوئے تھے ان میں سے ایک حاجی سید عبدالغفار (ولایت موصل کے سنجاع کرکوک کے نقیب الاشراف اور قائم مقام بھی تھے۔ جو بحکم سلطانی پندرہ ماہ سے استنبول میں نظر بند تھے۔ کیونکہ ان سے نقص امن کا اندیشہ تہا۔ مگر اب انہیں وطن جانے کی اجازت ملی تہی۔ یہ اپنی سبز عمامہ نشان شرافت اور اپنی دینداری پر نہایت نازاں تھے۔ ایک ترک جوان بہی آفندی اطنہ کے ویلوں عمومی کے باش کاتب۔ تقضائے بیلان کے اوقاف مدیر اسمعٰیل حقی۔ دو یہودی لڑکے کہ جنمیں سے ایک کی مادری زبان ہسپانی تہی۔ اور دوسرے کی عبرانی لنغیے اپنا ٹین کہ جنکی عمر ۱۳- ۱۴ سال تہی۔ فرانسیسی فر فر بولتا تہا اور کہتا تہا کہ بیت المقدس کے یہودیوں کے حرفتی مدرسہ میں داخل ہونے کو جاتا ہوں۔ یہ مدرسہ دولتمند یہودیوں نے مفلس یہودیوں کے بچوں کو فنون اور دستکاریاں سکھلانے کے لئے بنایا ہے۔ اور اس مدرسہ کے بعد اس لڑکے کو امید تھی۔ کہ اسے برلن یا پیرس تکمیل تعلیم کے لئے قومی فنڈ سے بہیجا جائیگا۔ ان لوگوں سے تختہ جہاز پر عموماً گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ اور چونکہ تختہ جہاز پر میں ہی ان لڑکوں سے فرانسیسی میں بات چیت کر سکتا تھا۔ اسلئے انہیں مجھسے بہت دلچسپی تھی۔ ایک روز ایک یہودی لڑکا میرے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں نقیب الاشراف صاحب بھی تشریف لائے۔ اور کہا کہ یہ لڑکا کیوں تمہارے پاس

پاس بیٹھا ہے - بغداد میں اگر کوئی ایسا کرے تو اسے سخت سزا ملے - بیٹے ہنسکر کہا کہ شکر ہے یہ بغداد نہیں - اتنے میں دوسرا لڑکا بھی میرے پاس آ بیٹھا - اپر موصل کے حاجی صاحب اور بھی بہت چکرلئے - مجھے افسوس ہوا کہ باوجود اتنی لمبی نمازیں پڑھنے اور تسبیح پھرانے کے ان کے خیالات کیسے گندے ہیں -

جزیرہ روڈس
۱۱ - اکتوبر ۱۹۰۰ء

کل سمرنا سے بہت سے مسافر ہمارے ساتھ سوار ہوئے - تختہ جہاز اور جہاز کے سامنے چھت (Prow) پر تل رکھنے کو جگہ نہ رہی - یہ اکثر غریب لوگ ہیں - مگر کپڑوں کے لحاظ سے (شاید سرد ملک کی وجہ سے) کیا عورتیں اور کیا مرد ہندوستانیوں سے بہت بہتر حالت میں ہیں - بلغاری لوگ عجیب قسم کے پاجامے پہنتے ہیں - کہ جنکی میانی میں پانچ چھ گز کا جھول ہوتا ہے - اور جو اتنی نیچے لٹک آتی ہے کہ زمین سے صرف نصف بالشت بلند رہ جاتی ہے -

شام کو سٹیمر جزیرہ روڈس میں پہنچا - مجمع الجزائر یونان کا یہ نہایت قدیم جزیرہ ایشیائے کوچک کے ساحل سے قریب اپنے ہمنام بت روڈس کی وجہ سے بہت مشہور ہے جو زمانہ قدیم کی سات عجائبات میں سے شمار ہوتا تھا - جبکہ ڈمی میٹر اس پولیو کریٹس نے سنہ ۳۰۴ قبل مسیح میں اس جزیرہ کا محاصرہ کرکے چھوڑ دیا تو اہل شہر نے ان جنگی سامانوں کو ڈھال کر یہ عظیم الشان بت بنایا تھا - کہ جسکے دو ٹانگوں کے نیچے سے اس زمانے کے جہاز گذر سکتے تھے - مگر پھر معلوم نہیں وہ بت کہاں گیا - مختلف زمانوں میں اس جزیرہ کو بڑی شہرت حاصل رہی ہے - چنانچہ سیزر - ٹائبیریس اور سسرو جیسے مشاہیر یہاں آ چکے ہیں - ترکوں نے پہلے پہل سنہ ۱۴۸۰ء اور پھر سنہ ۱۵۲۲ء میں اسکا محاصرہ کرکے آخری دفعہ اسپر قبضہ کرلیا - چونکہ آدھی رات تک ہی جہاز یہاں ٹھیرا اسلئے ہم لوگ شہر کو اتر کر نہ دیکھ سکے - مگر شہر کے بہت لوگ کھانے پینے کی چیزیں لیکر جہاز پر فوراً پہنچ گئے تھے - تربوز - دہی - مولیاں - روٹی - ٹماٹر وغیرہ چیزیں مسافروں نے خریدیں - یہاں لکڑی

چیزیں شل نام کے ڈبیوں کٹوراؤں اور لاٹھیوں کی ایسی بنتی ہیں کہ جنپر صدف آموز کیا جاتا ہے - اِن چیزوں کے بیچنے والے بھی آئے اور لوگوں نے بطور تحائف انہیں خریدا -

یہودی تجارت اور یہودیوں کی ذلت۔

بیچنے والے سب یہودی تھے - اور جہاز کے مسافر جو زیادہ تر مسلمان تھے - بلاتکلف اِن لوگوں کو "یہودی" کہکر پکار لیتے تھے - اور یہ لوگ اس بات کو بُرا نہیں مانتے تھے - بلکہ ایک شخص نے یہودی کہتے سنکر بھی لکڑا - معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ اس خطاب کے عادی ہیں - روڈس کے ایک مسافر نے مجھے بتایا کہ یہاں کے تمام دولت اور تمام تجارت اور حرفت یہودیوں کے ہاتھ میں ہے - یہانتک کہ کشتیاں بھی یہودی ہیں - اور یہ سب بہت آسودہ ہیں مگر مسلمان ہیں کہ مفلس اور محتاج - اُسنے بطور شکایت بیان کیا کہ کمبخت یہودی پیسہ کمانے کے لئے ہر قسم کا بُرا یا بھلا کام اختیار کر لیتے ہیں - مگر مسلمانوں کی شرافت انہیں برا کام کرنے نہیں دیتی - اسوقت جہاز میں کم و بیش بیس مختلف قوموں کے آدمی سوار ہونگے - ۱۱- اکتوبر کی شب کو ۱۲ بجے سے جہاز چلکر ۱۳- کی صبح کو بندر مرسین میں ٹھہرا - اور میں سید عبد الغفار صاحب

بندر مرسین

موصلی کے ہمراہ کشتی میں شہر کو گیا - کیونکہ جہاز شہر سے بہت دور ٹھیرا تہا - ایک اور مسافر جو جہاز میں اترکا واقف ہوا تھا - لسنے سید صاحب سے خواہش کی کہ کسٹم میں سعی کرکے میرا اسباب معائنہ سے بچوا دینا - چنانچہ سید صاحب نے کسٹم کے افسر سے کہا کہ "او ظلم" اس اسباب کو جانے دو اسمیں کچھ چیز قابل تشخیص نہیں ہے - افسر نے سرسری ایک دو دفعہ اس کی بغل میں اور صندوق میں ہاتھ ڈالکر اسے لیجانے کی اجازت دیدی - وہ شخص ہمیں سیدھا ایک ہوٹل میں لیگیا جہاں اُسنے چاء کے پلائی - اور سید صاحب نے مجھسے بڑے فخر سے بیان کیا کہ اسکی ایک پونڈ سے زیادہ چونگی ہمنے بچادی ہے اور باوجود تمام زہد و ورع کے یہ نہ سمجھے کہ یہ اچھا کام نہیں کہ قوم سلطنت کا جائز حق ہمنے

شائع کرادیا۔ اس ہوٹل میں شکاگو کے ایرو موٹر کمپنی کا ایک انگریزی اشتہار آویزاں تھا جس پر دو پارہ کا ٹکٹ چسپاں تھا (کیونکہ کوئی غیر ملک کا اشتہار بھی بلا فیس پریس ادا کرنے کے قلمرو عثمانی میں شائع نہیں ہوسکتا) یہاں ایک نان بائی کی دوکان پر کھانا کھایا۔ دوکان صاف ستھری تھی۔ سب لوگ میزوں پر کھا رہے تھے۔ ایک قوندرہ جی (موچی) بھی سامنے بیٹھے اور کانٹے کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ یہاں گرانی بھی نہیں۔ دو کس کے کھانے کے ۳ قرش دیئے گئے۔ دوکانوں پر بہت یورپین سامان بکتا ہے۔ فیشن بھی زیادہ تر یورپین ہے گو بولی آدھی عربی آدھی ترکی ہے۔ اسلئے ہر شخص دو زبانیں جانتا ہے۔ میرے رفیق نے ایک حجام کی دوکان پر حجامت کرائی اس دوکان پر تین چار درجن ترکی تو لیئے کئی استرے۔ بال کاٹنے کی ولایتی قینچیاں اور دو بڑے بڑے شیشے دیواروں سے آویزاں تھے۔ گدیلہ دار کرسی حجامت کے لئے تھی۔ حجامت ایسی اچھی کی کہ لنڈن اور پیرس میں بھی پسند کیا جاتا ہے۔ اس دوکان پر سلطان عبدالحمید

ایک سلطانی تصویر

خان کی ایک بڑی تصویر بھی آویزاں تھی مجھے تعجب ہوا قسطنطنیہ میں کسی کی مجال نہیں کہ یہ تصویر رکھ سکے۔ اور سلطنت یہاں بھی ترکی ہے۔ مگر یہاں اسکی باز پرس نہیں۔ میں نے ایک انگلش پوسٹ کارڈ یہاں ڈاک میں ڈالنا چاہا تھا۔ مگر پوسٹماسٹر نے قبول نہ کیا۔ البتہ جب ترکی پوسٹکارڈ لیکر لکھا تو وہ پوسٹ کر دیا۔

یہاں ایک افغان کے قہوہ خانہ میں چائے پی جو بہت ستھرا۔ سنگ مرمر کی میزوں اور شیشہ کے پیچاں حقوں سے آراستہ تھا۔ یہاں سید صاحب کا ایک ملاقاتی عبداللہ علاء الدین الدہلوی بھی ملا۔ یہ شخص بچپن میں ہندوستان میں رہ آیا ہے بلکہ دہلی میں کچھ تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ اور اب ادب اور منطق و فلسفہ وغیرہ کی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جس طرح کہ سرزمین پاٹیل کی لقما وغیرہ میں مٹی کے بیسے لوٹے اور پانی کے گھڑے دیکھے جاتے ہیں ایسے

یہاں نظر آنے لگے ہیں۔

شہر ایک پہاڑیوں کے سلسلہ کے آگے کنارہ بحر پر واقع ہے۔ ایسا پہاڑیوں کا سلسلہ انتک برابر ایشیا کوچک کے ساحل پر نظر آتا رہا ہے۔ یہ شہر ساڑھے بارہ ہزار کی بستی ولایت آطنہ میں مرکز سنجاق ہے۔ یہاں ایک جامع ایک کنیسہ اور چار کلیسا ہیں۔ تین چار مدرسے اور مکتب ہیں۔ جب سے طرطوس سے آطنہ کو ریلوے لائن تعمیر ہوئی ہے۔ تب سے اس شہر نے بہت ترقی کی ہے اور خاصا بندرگاہ ہونے کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے۔ یہاں سنگترہ لیموں اور امرود کے عمدہ باغات ہیں۔

مختلف اقوام کے مسافر

قسطنطینیہ سے جس قدر ترک سوار ہوئے تھے۔ وہ تدریج اتر گئے پھر بلغار اور دیہاتی ترک وغیرہ اقوام جو سوار ہوئی تھیں وہ بھی اتر گئیں۔ اب شام اور عرب کی شہری اور خانہ بدوش اقوام ہماری ہم سفر ہیں چونکہ عموماً سب لوگوں کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان میں سے مسلمان اور عیسائی کا تمیز کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ دونوں یکساں عربی بولتے ہیں۔ اور ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ دونوں کے رنگ ترکوں سے میلے ہیں۔

ترک لیڈیاں تو اتنی گوری اور خوبصورت ہوتی ہیں کہ یورپ کی عورتوں میں اور ان میں نشان تمیزی یہ ہے کہ یہ زیادہ گوری ہوتی ہیں ان میں سے بعض بالکل آلا فرانقہ (فرنگیانہ فیشن میں) رہتی ہیں۔ اور زیادہ تر پردہ میں۔ مرسین اور اسکندرونہ کی عورتیں بھی گھر سے باہر پھرنے کا ویسا ہی سیاہ لباس پہنتی ہیں لیکن ان سے سادہ اور کم قیمت۔

اسکندرونہ ۱۴۔ اکتوبر

صبح آٹھ بجے سٹیمر یہاں پہنچا۔ اور رات کے دس بجے یہاں سے روانہ ہوا۔ یہاں سے سید عبدالغفار صاحب اور اور کئی پانچ چار دن کے رفیق بھی روانہ ہو گئے۔ کیونکہ انطاکیہ اور حلب کو یہیں سے راستہ جاتا ہے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ قصبہ میں گیا۔ یہ بندر اور شہر معمولی سے زیادہ بلند

پہاڑیوں کے زاویہ میں واقع ہے۔ اس سے سمندر کا نظارہ اور بھی دلچسپ ہو گیا ہے۔ سکندر اعظم نے اپنے نام پر جو شہر تعمیر کئے ہیں یہ بھی انہیں میں سے ہے مصر کے اسکندریہ سے تمیز کرنے کے لئے اسکا نام الگذینڈریہ مائینر (یعنے کوچک اسکندریہ) رکھا گیا تھا۔ مگر اہل یورپ نے اختصاراً لفظ کو ملحوظ رکھکر الگذینڈریٹہ اسکا نام رکھدیا۔ اور ترکوں نے اسکندرون یا اسکندرونہ۔ آبادی سات ہزار ہے۔ سید عبدالغفار صاحب کے چند واقف یہاں نکل آئے جب انکا اسباب چونگی میں گیا۔ تو ایک شخص نے بڑھکر چونگی کے افسر کے کان میں کچھ چپکے سے کہدیا اور اسنے اسباب کا معائنہ چھوڑ دیا۔ ہمیں لوگ ایک مکان میں لے گئے جسکی نچلی منزل میں ایک ابتدائی مدرسہ تھا۔ جب میں مدرسہ

ابتدائی مدرسہ

میں گیا تو استاد لڑکوں کو سبق پڑھا رہا تھا۔ مجھے دیکھکر ایک بڑے لڑکے نے بلند آواز سے کہا "حضرت" تو اسپر سب لڑکے جو بنچوں پر بیٹھے تھے۔ اور ان کے سامنے ڈسک تھے۔ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اور اسی اشارہ سے پھر واپس جانے پر کھڑے ہوکر تعظیم کی۔ لڑکوں کے پیچھے دو الماریاں تھیں جنمیں سلیقہ کے ساتھ ان کے جوتے رکھے ہوئے تھے۔ یہاں سے حلب تین روز کا گھوڑے کی سواری کا راستہ ہے۔ اور حلب سے دمشق سات روز کا عرابہ کا راستہ ہے۔ اسلئے ادہر سے دمشق جانے میں زیادہ دیر لگتی ہے یہاں بھی سب تجارت دیسی عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں کے مسلمان نصیری مذہب کے ہیں۔ جو شیعوں کی ایک زیادہ غلو کرنے والی شاخ بتلائی جاتی ہے۔ یہاں سے زیتون کا اچار اور انار لئے جو بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ اور سید صاحب کے ساتھ جو کھانا کھایا تھا۔ اسمیں بینگن کا دولمہ چور باجسمیں شعریہ یعنے سوئیاں پڑی تھیں۔ بھولیا اور با میاں بھنڈی کی ترکاری اور روٹیاں تھیں۔ یہ کھانا استنبول سے بہت ملتا جلتا ہے

لازقیہ۔ ۱۵۔ اکتوبر

رات بھر چلکر صبح جہاز نے بندر لازقیہ پر لنگر ڈالا

کہ جسے یورپین لٹا کیا کہتے ہیں۔ بحیرہ روم کے ساحل الشیا کوچک کے دوسرے کئی مقامات کی طرح یہ بندر بھی بہت قدیم ہے۔ اہل روما کے زمانہ میں بڑی رونق پر تھا۔ پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آنے کے بعد کئی مرتبہ صلیبی لڑائیاں کرنے والے عیسائیوں نے اسپر قبضہ کیا۔ اور مسلمانوں نے انہیں مار کر بھگایا اسوقت بارہ تیرہ ہزار کی آبادی ہے جسمیں عیسائی بھی بہت ہیں۔ شہر میں ۱۱ جامع و ۲۹ دیگر مساجد ہیں۔ ۷ کلیسیا ایک عیسوی خانقاہ ایک اعدادی اور ۱۵ ابتدائی مکتب ہیں۔ ۸ خان ۶ حمام اور ۳۲ ہوا اور حیوانوں سے چلنے والی (دگرمن) چکیاں ہیں۔ ساحل پر ایک پرانا قلعہ ہے۔ جواب اسفنج نکالنے والی کشتیوں کے کام کا ہے۔ گلیاں گو تنگ ہیں لیکن دونوں طرف سے بلند پتھر کا فرش ہے۔ مگر بیچ سے گہری ڈھلوان ہیں۔ گاڑیاں نہیں چلتیں صرف خچر اور اونٹ بوجھ لیجاتے ہیں۔ کئی ترک ضبطی (پولسمین) قہوہ خانوں میں کرسیوں پر بیٹھے تاش یا چوسر کے قسم کا ایک کھیل کھیل رہے ہیں۔ اور بالکل بیکار ریا بیفکرے معلوم ہوتے ہیں۔ شہر کے دوسرے سرے پر شیخ المغربی کا مزار ایک بہت بلند مقام پر واقع ہے جسکے ساتھ ایک عمدہ مسجد بھی ہے۔ یہاں میں نے وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھی۔ کیونکہ یہ جگہ اجابت دعا کے لئے مشہور ہے۔ مرقد کے اندر جو بہت سے توح آویزان ہیں ان میں ایک ترکی خاتون کے ایک نہایت خوشخط قطعہ ریشم سے کاڑھکر اور اسپر شیشہ لگوا کر آویزان کیا ہوا ہے جو کسی یوروپین نمایشگاہ میں انعام پانے کے قابل ہے۔ مزاروں اور مسجدوں کی حالت سے ان کی خوشحالی ظاہر ہے۔ مکان جو سب بھوسلے رنگ کے گھڑے ہوئے پتھر کے ہیں۔ ان کی چھتیں قالب دار ہیں۔ یہاں میوجات اور روئی سب چیزیں سستی ہیں۔ یہاں کے انجیر اور زیتون نہایت اعلیٰ ہیں مگر ایک مشالک کے انجیریں تین آدمیوں نے سیر ہو کر کھائیں۔ گیہوں اور دورہ (جوار) اور انجیر اور زیتوں کی لاکھوں بوریاں غیر مقامات کو جانے کے لئے گھاٹ پر

تیار پڑی ہیں ۔ یہاں تو قیمے کا دستور نہیں ۔ ایک کباب جی کے یہاں سے گوشت کٹوایا ۔ یہاں قیمہ کرنے کا دستور نہیں بلکہ چھری سے ہی بوٹیوں کو باریک باریک کاٹ دیتے ہیں ۔ کباب روٹی اور وہیں سے کھائے ۔ اور ایسے اعلےٰ درجہ کے کھانے کے پانچ آدمیوں کے چار عروش دینے پڑے ۔ یہاں کی بزازی اور بقالی وغیرہ کی دوکانیں ہندوستان کی ایسی ہی درجہ کی دوکانوں سے زیادہ اجلی ہیں ۔ لباس بھی یہاں بہتر قسم کے کپڑے کا ہے ۔ بولی عام عربی ہے ۔ مگر داڑھی والے ڈاڑھی منڈوں سے یہاں بھی کم ہیں ۔ بعض بازار مسقف بھی ہیں ۔ عورتیں سفید چادر از سرتاپا اوڑھتی ہیں اور منہ پر ذرا سا سفید کپڑا الٹکا لیتی ہیں ۔ ایک خراس میں خچر جتا ہوا دیکھا ۔ جسکے منہ میں ایک رسی باندھکر سامنے کے ایک لکڑی سے باندھدی گئی تھی ۔ جو خچر کے آگے لگے رہتی ہے ۔ اور ہر وقت خچر کو کھینچتی رہتی ہے ۔ جس سے وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی آگے کھینچ رہا ہے ۔ اور برابر چلتی رہتی ہے ۔

مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ترک فاتح اور حاکم کی حیثیت سے رہتے ہیں ۔ اور عرب بھی عیسائیوں کو اپنے سے کمتر درجہ کی رعایا سمجھتے ہیں ۔ آج سہ پہر کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا ۔ جبکہ جہاز پر غلہ لدرہا تھا ۔ تو ایک بوڑھے عیسائی نے کہ جسکے سر پر ترکی ٹوپی تھی مگر اسکے بھاری سیاہ شلوار کی میانی کا جھول اسکے ٹخنوں سے بھی نیچا لٹک رہا تھا ۔ ایک عرب عورت کو اس طرف سے گذرنے سے ہاتھ سے روکا کہ جدہر وہ غلہ کی بوریاں گن رہا تھا ۔ اسکے بوڑھے شوہر عرب بوزباشی (سپاہیوں کا افسر) نے غصہ میں آکر اس عیسائی کو پانچ سات مکے جڑ دیئے ۔ مگر عیسائی بیچارہ مار کھا کر ایک طرف کو ہٹ گیا ۔ اسپر بھی عرب کے غصہ کا پارہ نیچے نہیں اترا ۔ اور بلند آواز سے اسے گالیاں دیتا رہا ۔ اسپر عیسائی اسکی زد سے اور بھی پرے سرک گیا ۔ ظاہر اوہ عیسائی اس عورت کو روکنے میں حق بجانب

معلوم ہوتا تھا۔ لیکن مارکھا کر اتنا بھی تو اُسنے نہ کیا کہ غصہ ظاہر کرتا یا انتقام کی دھمکی دیتا۔

طرابلس شام ۱۶۔ اکتوبر۔

رات بھر جہاز چلکر صبح طرابلس کے بندر پر ٹھہر گیا۔ چونکہ شمالی افریقہ میں ایک ملک کا نام طرابلس ہے کہ جسے طرابلس غرب کہتے ہیں اسلئے یہ شہر طرابلس شام کے نام سے مشہور ہوا۔ طرابلس کا اصل لاطینی نام ٹری پلیس (تین شہر) ہے۔ قدیم زمانہ میں صدر و صیدا اور ارداڈ تین شہروں کے مہاجرین نے اسے آباد کیا تھا۔ اور ہر ایک جماعت علیحدہ

طرابلس کی وجہ تسمیہ

محلہ اور جُدا فصیل کے اندر رہتی تھی۔ اسلئے رومیوں نے اسکا یہ نام رکھا۔ جیسا رومیوں کے عہد میں یہ شہر بڑا تھا ویسا ہی مسلمانوں کے عہد میں بھی سربرآوردہ رہا۔ یہاں ایک بڑا کتب خانہ قائم ہوا تھا مگر عیسائیوں نے اُسے جلا دیا۔ اس زمانہ میں یورپ کا اس شہر سے بڑا تعلق تھا۔ جہاں یہاں سے ریشم اور برتن بہت جاتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان بیبرس نے اسکا محاصرہ کیا۔ آخر سلطان قلاؤن نے فتح کیا۔ قدیم شہر بندر سے قریب تھا۔ مگر اب قریب ایک میل کے دور ہے اور بندر سے بذریعہ ٹریم کے ملحق ہے۔ بندرگاہ پر بھی ایک بارونق آبادی ہے کہ جس میں کئی بازار ہیں جنہیں ایک کا لبدۃ مشتہر ہے۔ بیروت سے ۵۳ کیلومیٹر شمال مشرق کو نہر ابو علی دامن لبنان میں واقع ہے۔ آبادی ۵۲ ہزار سے زائد ہے۔ صلیبی زمانہ کا ایک عیسائی قلعہ۔ ۱۷ جامع مسجدیں۔ ۸ مدرسے وکتب خانے۔ ۵ اسکول ایک اعدادی اور ۳۲ دیگر مکاتب۔ بارہ کلیسیا اور عیسوی خانقاہیں اور بارونق بازار تجارت موجود ہیں۔ کئی ریشم کے کارخانے ہیں جنہیں کئی قسم کا ریشم بنتا ہے۔ صابون اور دباغت اور کشید عطر کے کارخانے ہیں۔ پرتقال سنگترے کے باغات بہت ہیں۔ اور سمندر سے اسفنج کا شکار کیا جاتا ہے۔ آبادی میں ۱۵ ہزار مسلمان ہیں۔ باقی عیسائی۔ انگریزی

پوسٹکارڈ پر لکھا ہوا خط یہاں سے ڈاک خانہ نے بھی منظور نہ کیا۔ یہاں فرانسیسی ڈاک خانہ ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام ساحل پر فرانسیسیوں کا بہت نفوذ ہے۔ مختلف بندرگاہوں کے مکانات پر فرانسیسی بیرکینڈیل کے بیچے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں بھی مکانات پتھر کے اور اکثر لداؤ کی چھتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ طرابلس میں ایک بہت بڑا عالم شیخ حسین جسری رہتا ہے۔ سر جسکے پایہ کا دوسرا عالم سلطنت عثمانیہ میں موجود نہیں ہے مگر افسوس کہ جہاز نے اتنی مہلت نہ دی کہ اس بزرگ کی زیارت کرتا۔ کیونکہ آج شام کو ہی جہاز کو بیروت پہنچنا تھا۔ یہاں سے ساحل بحر پر جبل لبنان کا سلسلہ برابر چلا گیا ہے۔ جو کہیں پست اور کہیں بلند ہو جاتا ہے۔ مگر بیروت کے قریب پہنچکر بہت بلند ہو گیا ہے۔ ۴ بجے شام کے قریب جہاز بندر بیروت میں پہنچ گیا۔

بیروت و دمشق

جہد کن تا لوز تو رخشاں شود تا سلوک و خدمتت آساں شود
ہمچو آہن آہن پدرنگ شو در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید ہر کہ جہدے کرد در جدے رسید

بیروت

شہر بیروت کی تاریخ اور حالت موجودہ

بیروت اہل فینکیا کے زمانہ کا ایک نہایت قدیم شہر ہے چنانچہ سکندر اعظم نے بھی اسپر قبضہ کیا تھا۔ اور پھر اہل روما کے زمانہ میں یہاں تعلیم قانون کا ایک بہت بڑا دار العلوم قائم ہوا۔ سنہ ۱۳ ہجری میں زمان خلافت حضرت عمرؓ میں یزید بن ابی سفیان نے اسے فتح کرلیا۔ مگر پھر رومیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اور بعدہ معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے عہد حکومت اسلام میں اسے شامل کیا۔ سنہ ھ میں اہل صلیب نے اسپر قبضہ کرلیا اور سنہ [illegible]ھ میں سلطان صلاح الدین نے انہیں نکال دیا۔ سنہ ۹۲۳ھ میں یاوز سلطان سلیم نے اسے سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا۔ پھر ابراہیم پاشا کے چند روزہ استیلا کے بعد انگریزی اور آسٹرین بیڑوں کی مدد سے عساکر عثمانی نے اسپر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ اب ولایت سوریا کا مرکز اور سوریہ میں سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ قدیم شہر کہ جسکی آبادی گنجان اور کوچے ناہموار ہیں۔ ایک مرتفع برجوں والی شکستہ فصیل سے محیط ہیں۔ لیکن فصیل سے باہر دامن کوہ میں عالیشان کوشک اور باغات ہیں۔ اور کنارہ دریا پر بھی خوشنما ہوٹل قہوہ خانے سرائیں دوکانات اور دفاتر ہیں۔ اور گودی نئی تعمیر ہوئی ہے آبادی (سنہ ۱۹[illegible]ء) ایک لاکھ چالیس ہزار ہے جسمیں چوتھائی کے قریب مسلم اور باقی رومن کیتھالک آرتھوڈاکس اور پراٹسٹنٹ مذاہب کے

عیسائی اور یہودی اور دُرزی آباد ہیں۔ زبان سب کی عربی ہے۔ اہل صلیب کے زمانہ کی ایک گرجے کی مسجد جامع بنی ہوئی ہے۔ اسکے علاوہ کئی جوامع اور مساجد اور مذاہب مختلفہ کے کلیسا ہیں۔ یونانی اور سیروتاشیط لشپوں کا صدر مقام اور اور کئی عیسائی مشنوں کا مرکز ہے۔ ہوا نہایت معتدل اور موسم خوشگوار رہتا ہے۔

مطبع آبائے یسوعیین لیکن جس وجہ سے بیروت کو غیر معمولی شہرت دنیا میں حاصل ہوئی ہے وہ یہاں کے مطابع کی ترقی ہے کہ جن کے ذریعہ سے عربی زبان میں جہاں جدید علوم و فنون ترجمہ ہو کر خوب نشر ہو رہے ہیں عربی زبان کے قدیم علم ادب کے سرمایہ کو بھی بڑی احتیاط کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ سب سے بڑا مطبع آبائے یسوعیین کا ہے۔ یہ رومن کیتھالک پادریوں کا مطبع یہاں ۱۸۵۳ء سے جاری ہے۔ اور اسنے بہت اچھی اچھی کتابیں عربی علم ادب اور لغات کی چھاپی ہیں جنمیں اقرب الموارد پانچ جلد کے بسیط لغات ہے۔ فرائد الدریہ عربی فرانسیسی اور عربی انگریزی میں عمدہ لغات ہے اسی طرح فقہ اللغت لابو منصور الثعالبی۔ الالفاظ الکتابیہ لعبدالرحمن الہمدانی تہذیب الالفاظ لابن السکیت۔ فرائد اللغت فی الفروق۔ الالفاظ الفرنسیہ المشتقہ من العربیہ ہیں۔ اس آخری لغات میں ۳۴۱ صفحہ میں سینکڑوں ایسے فرانسیسی الفاظ جمع کیے گئے ہیں جو اصل عربی زبان سے لیے گئے ہیں اسی طرح علم ادب میں تین سو مستند علم ادب و تاریخ وغیرہ کی عربی کتابوں سے خلاصہ کر کے چھ جلدیں مجانی الادب کی مرتب کی ہیں۔ اور تین جلدوں میں ان کی شرح ایسی اچھی لکھی ہے کہ علاوہ حل لغات کے تاریخ جغرافیہ و تذکرہ کے تمام نکات جو ان چھ جلدوں میں شامل ہیں حل کر دیئے ہیں اسکے علاوہ مقامات بدیع الزمان ہمدانی مع شرح مفتی محمد عبدہ مصری۔ روایات اغانی (خلاصہ دو جلدیں) انیس الجلسا شرح دیوان الخنسا۔ ریاض الادب فی مراثی شواعر العرب

دیوان اخطل۔ اور دیوان خرنق وغیرہ بہت سی نایاب کتابیں بہم پہنچا کر [illegible]
بڑی صحت اور صفائی سے چھپوائی ہیں۔ میں نے خود اس مطبع میں جا کر چھپائی کا
کام دیکھا۔ بڑی احتیاط سے کتابیں چھاپی اور مجلد کی جاتی ہیں۔ اور ساتھ ہی
عربی ٹائپ بھی مطبع کے اندر بنایا جاتا ہے۔ کہ جس سے یہ کتابیں چھپتی ہیں۔
میں نے یہاں سے متعدد کتابیں خریدیں کہ جن پر قیمت کتب پر ۲ فیصدی کمیشن دیا
گیا۔ یہاں سے المشرق نامی ایک علمی و ادبی بہت عمدہ ماہوار رسالہ
چھپتا ہے جو اعلیٰ پایہ کا ہے۔ ایک اور مذہب عیسوی کا ماہوار رسالہ البشیر
کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اور اسکی سالانہ جنتری بھی چھپتی ہے۔

مطبع امیرکانیہ دوسرا مطبع امریکن پادریوں کا بنام "المطبعۃ الامیرکانیہ" جو
۱۸۲۲ء میں مالٹا میں جاری ہوا تھا۔ ۱۸۳۴ء سے بیروت میں منتقل ہو کر
جاری ہے۔ اسمیں بھی پہلے مطبع کی طرح کتب مذہبی کے علاوہ عربی لغات
اور گرامریں چھپتے ہیں۔ اور سائنس طب تاریخ جغرافیہ ہیئت اور ریاضی
کی کتابوں کو انگریزی و فرانسیسی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کر کے شائع کرتے
ہیں۔ ان کی یہاں معلم بطرس البستانی کی محیط المحیط اور ڈاکٹر ان یوحنا ورتبات
اور ہارفی۔ پورٹر کا قاموس عربی انگلزی مشہور لغات ہیں۔ ڈاکٹر فان ڈیک
جو ایک امریکن پادری تھے۔ عربی زبان میں علمی اور طبی کتابیں ترجمہ کر کے [illegible]
قابل تعریف کام کیا ہے۔ اور منجملہ دیگر کتب مبسوطہ کے کئی رسالے النقش فی
الحجر کے نام سے مبادی۔ علوم کیمیا۔ طبعیات۔ جغرافیہ۔ جیالوجی۔ ہیئت
نباتات اور اصول منطق پر لکھے ہیں۔ اسیطرح ڈاکٹر یوحنا ورتبات نے بہت
سی سائنٹیفک کتابیں عربی میں ترجمہ کی ہیں۔ کہ جنکی تفصیل اس مطبع کی فہرست
کتب سے معلوم ہو سکتی ہے۔ عام کتابوں میں سمائیلز صاحب کی [illegible]
سلف ہیلپ کا ترجمہ سر النجاح کے نام سے اور روبنسن کروسو [illegible]
قابل ذکر ہیں۔ یہاں سے بھی میں نے کچھ کتابیں خریدیں جن پر ۱۵ فیصدی کمیشن ملا۔

اس مطبع میں بھی المطبعۃ الکاتولیکیہ کی طرح سیسہ کا ٹائپ بنایا جاتا ہے۔ میں نے دونوں مطبعوں سے ٹائپ کے نرخ بھی دریافت کئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ فروخت کے لئے ٹائپ صرف خلیل سرکس صاحب کے مطبع میں بنتے ہیں۔ یہ صاحب بھی

مطبعۃ الادبیہ

عیسائی ہیں۔ اور امریکہ میں کچھ مدت رہ آئے ہیں۔ علاوہ اخبار لسان الحال روزانہ اور ہفتہ وار کے بہت سی عربی کتابیں بھی چھاپتے ہیں۔ اور ٹائپ بنا کر فروخت کرتے ہیں۔ ان کے مطبع میں عام قسم کی کتابیں چھپتی ہیں۔ جب میں نے ان سے ٹائپ کے نرخ دریافت کئے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ہندوستان میں جو فارسی اخبار کلکتہ سے نکلتا ہے اسکے لئے بھی انہیں کے مطبع سے ٹائپ خرید اگیا تھا۔ اور حیدر آباد دکن میں بھی ایک شخص نے انسے ٹائپ خریدا تھا۔ جسنے ابتک ایک حصہ زرثمن کا ادا نہیں کیا۔ یہ ٹائپ نہایت خوبصورت ہیں مگر افسوس ہے کہ ان میں تین چار حروف مثل ڑ ڈ اور ٹ کے جو اردو سے مختص ہیں موجود نہیں۔ اسلئے اردو چھاپنے کے کام نہیں آسکتا۔ جبتک کہ یہ حروف نئے نہ بنوائے جائیں اور یہ بھی شک ہے کہ عام اردو خواں اس عربی خط کو پسند کریں۔ البتہ عربی فارسی کتابیں چھاپنے کے لئے یہ ٹائپ نہایت موزوں ہیں۔ خلیل سرکس صاحب نے مجھے ٹائپ کے حروف بنتے ہوئے اور ٹائپ کے مختلف نمونے بھی دکھلائے۔ اس مطبع میں میں نے دیکھا کہ دفتری کا کام مثل یورپ امریکہ کے کئی خوبصورت دوشیزہ عیسائی لڑکیاں کر رہی تھیں۔ ایسے ہی یہاں کے انگریزی پوسٹ آفس کی پوسٹ ماسٹر ایک عورت تھی۔ اسکے سوا لئے خلیل الخوری اور سلیم ابراہیم صادر دو اور مشہور عیسائی کتب فروش ہیں۔ کہ جنکی فہرستیں چھپتی ہیں۔ مثل عیسائیوں کے مطبع اور بھی ہیں۔ مگر مسلمانوں میں صرف ایک پبلشر اور کتب فروش کی دکان مکتبۃ الشیخ کے نام سے تھی۔ اس دکان کے مالک عبداللہ سعد الآستی برادر محمد حلیم الآستی مالک روضۃ المعارف [illegible] ہیں۔ جنسے قسطنطنیہ میں ملاقات ہوئی [illegible]

ان کی کتابوں میں سے شیخ ابراہیم احدب کی عربی ضرب الامثال کی مشہور
کتاب مجھے بہت پسند آئی - احدب صاحب نے جو زمانہ حال کے مسلمان
مصنفین سے ہیں تمام امثال عربی کو منظوم کر دیا ہے - ایسے طور پر کہ اصل
لفظ مثل کے کم و بیش نہ ہو جائیں - اور مطبع کاتھولیک نے ایسے سلیقہ سے اس
کتاب کو چھاپا ہے کہ آٹھ سو صفحے کی کتاب میں مثل کے لفظ سرخ حروف میں
چھپے ہیں اور اشعار کا باقی حصہ سیاہ حروف میں

اخبارات علاوہ مطبع کاتھولیک کے دو ماہوار رسالوں کے یہاں بہت سے اخبار
مثل لسان الحال - الصفا - الصفا - المصباح - حدیقۃ الاخبار - النشرہ
الاسبوعیہ - الہدیہ - ثمرات الفنون بیروت اور روضۃ المعارف وغیرہ کے
چھپتے ہیں - ان میں سے صرف پچھلے تین اخبار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں
کہ جنمیں سے پہلے دو جاری ہیں - اور باقی سب اخبار نصاریٰ کے ہاتھ
میں ہیں - لیکن چونکہ اخبارات کو کسی قسم کی آزادی تحریر حاصل نہیں اسلئے
سوائے خبریں اور علمی مضامین لکھنے کے یہ اور کچھ نہیں کر سکتے - میں تینوں
مسلمان اخبارات کے کارخانوں میں بھی گیا -

دفتر اخبارات بیروت اخبار بیروت کے ایڈیٹر محمد رشید آفندی الدانا کے نام
کا میرے پاس ایک معرفت کا خط تھا - وہ بڑے تپاک سے ملے اور ایک
اور دن کی ملاقات میں ان کے بڑے بھائی ہز اکسیلنسی عبد القادر آفندی الدانا
بھی ملے جو پہلے میونسپلٹی (بلدیہ) کے ہا پریسیڈنٹ تھے - یہ علاوہ فرانسیسی کے کچھ کچھ
انگریزی بھی بول سکتے تھے جو اس عالی ہمت شخص نے صرف دو سال سے سیکھنی
شروع کی تھی - حالانکہ اسوقت اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی اس سے اندازہ
ہو سکتا کہ انگریزی زبان کس طرح روز بروز دنیا میں رسوخ پیدا کر رہی ہے -
رشید آفندی صاحب نے مجھے قہوہ پیش کیا کہ جسکے قبول کرنے میں میں نے عذر
کیا - تو انہوں نے مجھے کسی بڑے بزرگ کا قول سنایا جس کا حاصل یہ تھا

کر چھوٹا بیٹا نواب کا کام ہے۔ عبدالقادر آفندی نے جودت پاشا سابق وزیر عثمانی کی مشہور تاریخ ترکی کی پہلی جلد کا ترجمہ عربی میں کیا ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ایک کتاب پر اپنے ہاتھ سے میرا نام لکھکر مجھے بطور یادگار دی۔ اور تقاضا کیا کہ جب میں دمشق سے لوٹوں تو ایک شام ان کے یہاں کھانا کھاؤں۔ اور بہت اصرار سے مجھے اقرار لیا۔ ثمرات الفنون کے ایڈیٹر شیخ احمد حسن طبارہ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی ثمرات الفنون بیروت اور روزانہ لسان الحال ان ہین اخبارات نے میرے یہاں آنے کی کیفیت تعریفی الفاظ میں شائع کی۔

مصنفین میں پادری فانڈیک اور ڈاکٹر یوحنا ورتبات کا ذکر اوپر کر چکا ہوں ان لوگوں نے امریکن اور یورپین ہوکر عربی زبان کی بے حد خدمت کی ہے ان کے سوائے لوئیس شیخو الیسوعی نے مطبعہ کاتولیک کے لئے کئی کتابیں تصنیف اور تالیف کی ہیں کہ جنمیں مجانی الادب بھی ایک ہے۔ مگر یہ صاحب یوروپ یا امریکہ کے رہنے والے نہیں۔ بلکہ آبا و اجداد سے شام کے ہی باشندے ہیں۔ اور عربی کو اپنی مادری زبان سمجھکر اس کی خدمت کرتے ہیں۔ اس وقت شام اور مصر میں بہت سے ایسے عیسائی اہل قلم ہیں کہ جو عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں لکھ رہے ہیں۔ لیکن ان میں نہایت ممتاز دو شخص گذرے ہیں۔ اول معلم بطرس البستانی مصنف محیط المحیط و دایرہ المعارف جو عربی زبان میں انگلش انسائیکلوپیڈیا ہے۔ افسوس ہے کہ معلم مرحوم نے اس کی چند ہی جلدیں شائع کی تھیں کہ انہیں پیام اجل پہنچ گیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے سلیم آفندی نے کام کو جاری رکھا۔ مگر وہ بھی بے وقت مرگیا اور اب معلم مذکور کا دوسرا بیٹا نجیب آفندی مصر میں دایرہ المعارف کی تکمیل میں مصروف ہے۔ دوسرا معلم ناصف یازجی علوم ادب کا بڑا عالم اور مصنف اور ادیب گذرا ہے۔ اسکا بیٹا یازجی بھی اب مصر میں رسالہ ضیا نکالتا ہے۔

کلیۃ الامیر کانیہ بیروت میں پچاس سے زیادہ مدرسے (مکاتب) ہیں لیکن ان میں زیادہ تر ابتدائی مکاتب شامل ہیں جو حکومت کی طرف سے قائم ہیں ان میں سب سے بڑا امریکن مشنریوں کا مدرسہ ہے۔ جسے الکلیہ الامیر کانیہ کہتے ہیں۔ یہ بی۔ اے کے درجہ تک تعلیم دیتا ہے۔ اسمیں علاوہ عربی اور فرانسیسی کے انگریزی زبان بھی سکھلائی جاتی ہے۔ اسکے ساتھ ایک نہایت عمدہ بورڈنگ ہوس بھی ہے۔ اسی کالج سے متعلق امریکن مشنریوں کا ایک میڈیکل کالج اور ایک رصدخانہ بھی ہے۔ اس میڈیکل کالج کی ڈگری یوروپ کے بعض ممالک میں بھی تسلیم کیجاتی ہے۔ اسی کلیہ یعنے یونیورسٹی کالج کی بدولت شام کے عیسائیوں میں بیحد علمی ترقی پیدا ہو گئی ہے۔ اور ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ چنانچہ انمیں سے لاکھوں آدمی امریکہ کے مختلف بلاد میں بغرض تجارت و تحصیل معاش چلے گئے ہیں۔ اور ہر روز جا رہے ہیں لیکن مسلمانوں نے اس سے بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔ مجھے عبدالرحمن سرشہبندر نے جو اس کالج کے بی اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ بتلایا کہ تیس سال سے یہ مدرسہ اس شہر میں قائم ہے اور میں پہلا مسلمان طالب علم ہوں جو آجتک اس کلیۃ کے بی اے کلاس تک پہنچا ہوں۔ اور یوں بھی پانچ چھ سو طلباء میں سے معدودے چند مسلمان ہیں جو یہاں تعلیم پاتے ہیں

دیگر مکاتب اس کے علاوہ جنیروایت لازارسیت پادریوں کا مکتب الکلیۃ الستوریہ کا مکتب۔ کیتھالک پادریوں کا بیٹرلیقیہ" نامی۔ میرونائیٹ فرقہ کا حکمت" نامی۔ یہودیوں کا "اسرائیلیہ" نامی علیحدہ علیحدہ کالج اور مدرسے ہیں۔ اور ان کے علاوہ لڑکیوں کے بھی کئی ایک مدرسے ہیں۔ سرکار کیطرف سے ایک ملکی اور ایک عسکری دو رشدی۔ اور ایک اعدادی درجہ کا مکتب ہے۔ اور دو لڑکوں اور دو لڑکیوں کے چار ابتدائی مکاتب ہیں۔ اسکے علاوہ پچیس کے قریب چھوٹے مسلمان بچوں کے مکتب ہیں۔

بیروت کا پہلا تجربہ

ان ممالک میں جہاز پر چڑھنے اور اترنے کے وقت مزدور اور کشتیبان
بلکہ مسافر کو اسقدر پریشان کر دیتے ہیں کہ اسکے حواس بجا رہنے
مشکل ہو جاتے ہیں۔ جب جہاز بندر بیروت میں ٹھیرا تو فوراً قایق جی جہاز
پر یورش کر آئے۔ اور لوگوں کا اسباب چھین جھپٹ کر اپنی کشتیوں میں رکھنا
شروع کیا۔ جب میرا اسباب بھی ایک کشتیبان نے رکھ لیا۔ تو میں نے عبدالرزاق
ایک عرب مسافر سے جو اثنائے سفر میں واقف ہو گیا تھا۔ پوچھا کہ مجھے کسقدر
کرایہ دینا چاہیئے۔ اسنے کہا تین شلنگ اور کشتیبان اسپر رضامند ہو گیا۔ ٹامس
کک کے ایجنٹ نے جو جہاز پر موجود تھا مجھے یونیورسل ہوٹل میں جانے کی
صلاح دی۔ میرے پاس ریزگاری نہ تھی اسلئے میں نے کشتیبان کو کہا کہ گاڑیبان
کے ہاتھ تمہارا حساب بھیجدونگا۔ وہ بھی گاڑی پر ساتھ ہو لیا۔ یہاں اُسنے
تین شلنگ لینے سے انکار کیا۔ میں نے ہوٹل کے مالک کو جو ایک عیسائی تھا
منصف بنانا چاہا۔ اور ایک مجیدی اُسے دیا کہ جو مناسب ہو دونوں کو دیدے
اُسنے مجھے انگریزی میں کہا کہ یہ کمینے لوگ ہیں بیفائدہ جھگڑینگے انہیں مجیدی
ہی دیدو۔ اور یہ کہکر انہیں مجیدی دے دی۔ مجھے اسکا بہت افسوس ہوا
کہ میں نے کیوں اُسے حکم بنایا تھا۔ اور خیال آیا کہ ہوٹل والے کشتیبانوں اور
گاڑیبانوں کو خوش رکھنا چاہتے ہیں کہ ہر روز انکی یہاں مسافر لایا کریں
دوسری صبح میں بازار میں گیا تو اتفاقاً وہی عرب مسافر عبدالرزاق مجھے ملگیا۔
(جو ایک پنشنر سپاہی تھا) اور میں نے اسے کشتیبان کی زیادہ ستانی کا واقعہ سنایا
اور بھی عجیب اتفاق یہ ہوا کہ وہ کشتیبان بھی وہیں پاس ہی مل گیا عبدالرزاق
نے اُسے ڈانٹا کہ تو نے اجنبی مسافر کو دھوکا دیا ہے۔ اسپر کشتیبان نے مجھے
چھ غرش لوٹا دیئے اور کہا کہ ڈیڑھ غرش بوجہ مجیدی کے صرف (بھنجے ہوئے
ہونیکے) بٹہ لگ گیا ہے۔ اور باقی میں نے اور گاڑیبان نے بانٹ لئے
ہیں کشتیبان سے دوسرے روز پیسے واپس ملنا ایک نہایت عجیب اتفاق ہے۔

یہ قصہ لکھنے سے غرض یہ ہے کہ اجنبی اور ناواقف مسافر کو یہ لوگ کس طرح لوٹتے ہیں - اور کہ حکومت ترکی اس لحاظ سے ایسی منتظم ہے کہ جب کشتیبان کو معلوم ہوا کہ مسافر مواخذہ کرنے پر آمادہ ہے تو اس نے ڈر کر زائد پیسے لوٹا دیئے -

پُرفضا ہوٹل لیکن جو پریشانی کشتیبان اور گاڑیبان سے ہوئی تھی وہ ہوٹل کے منظر نے فوراً رفع کر دی - ہوٹل عین برلب بحر واقع تھا - ایسے طور پر کیا اپنے کمرہ میں اور کیا ہوٹل کے برامدہ میں کہ جہاں سے میلوں تک نظر سمندر کی پہنائی پر پھیل جاتی تھی - کیا کتابوں اور اخباروں کے مطالعہ میں اور کیا خاموش بیٹھکر سمندر کا نظارہ کرنے میں ہر وقت بحیرہ روم کی موجوں کی پر ترنم آواز طبیعت پر ایک سکون اور اطمینان کی حالت پیدا کر دیتی تھی - جس وقت ذرا ہوا تیز ہو جاتی تو بڑی بڑی موجیں زور شور سے ہوٹل کی دیواروں سے ٹکراتیں (دراصل یہ چٹانیں تھے - کہ جن پر یہ دیواریں تعمیر کی گئی تھیں)۔ میں گھنٹوں تنہا سطح بحر کے اس خوبصورت نظارہ کے تماشا میں محو رہتا (کیونکہ اتفاقاً بوجہ سیفرن ڈل ہونے کے ہوٹل آجکل مسافروں سے خالی تھے) میں شاید اس ہوٹل کو چھوڑ کر شہر میں کسی مسلمان لوکنڈہ (جیسے قسطنطنیہ میں لوقنطہ لکھتے تھے - یہاں لوکنڈہ لکھتے اور بولتے ہیں) میں چلا جاتا - جہاں کھانے پینے کا زیادہ آرام ملتا - لیکن بحیرہ روم کے اس دلربا منظر اور صبح شام رات دن ہر وقت کی موجوں کی موسیقی سننے کیلئے یہیں پڑا رہا - جب بستر کو جاتا ہوں تو یہی موجوں کی موسیقی نیند کو لاتی ہے اور جب صبح بیدار ہوتا ہوں تو سب سے پہلے یہی سریلی آواز میرے کان میں پڑتی ہے - خواہ ہوا بالکل ہی بند ہوتا ہم سمندر کی وسیع سطح پر جو ذرا ذرا شکن بھی پڑتے ہیں وہ بھی کنارہ پر لوٹ کر صدا پیدا کرتے ہیں -

ملاقاتیں سید حسین بے افندی حسب ہدایت الصدق السید شیخ ابوالہدی صاحب کے صاحبزادہ سے جو دو خطوط سفارت کے لئے تلوحی الدین صاحب صندوق زمینی اور شمعہ یا پتا

سعادت لورشدی بک کے نام دیئے تھے۔ انہوں نے بیروت اور دمشق میں دو تین جگہ ملاقاتیں اور سیر کرنے میں بڑی مدد دی۔ تیجلے بے صاحب شمعہ کمانڈنٹ پولیس بیروت رشید افندی دانا اور بعض دیگر اصحاب سے ملاقات کی۔ محی الدین بے برادر تیجے بے شمعہ نے کہا کہ شیخ ابوالہدے صاحب جو ارشاد کریں تمام شام کے لوگ بسروچشم اسکی تعمیل کرنے کو حاضر ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بمبئی کے تاجر حاجی عبدالرحمن خطیب یہاں خان حمزہ میں رہتے تھے۔ قسطنطینہ سے انکا بھی پتہ ملا تھا۔ انہوں نے بھی شہر کے سیر میں بڑی مدد دی۔ اور دمشق کے گیلانی زادہ عطا آفندی صاحب کو خط لکھدیا کہ جن کی مہمان نوازی سے دمشق میں مینے بہت آرام پایا۔ ہرچند کہ وہاں کے لئے اور بھی انٹروڈکشن کے خطوط تھے۔

اشیائے عتیقہ وغیرہ

ایک صاحب عبدالقادر الرحلہ القصار سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جو چین جاپان سے ریشم اور شانگھی سے کھالوں کی تجارت کرتا ہے۔ جاپانی ریشم کا ایک تھان چھبیس گز لمبا ۲۷۔ انچہ عرض کا دکھلایا کہ جسکی قیمت ۲۸ شلنگ تھی۔ اور کہا کہ اس ریشم کا اب کوئی ملک مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چین کا ریشم اور نہ یوروپ کا ٹہرسکتا ہے۔ خواہش ظاہر کی کہ اگر ہندوستان سے پچاس پونڈ تک قیمت کی کشمیری شالیں مل سکیں تو یہاں بک جائیں۔ ایران سے بھی پشمینہ کی شالیں یہاں آتی ہیں جنسے عرب کمربند بناتے ہیں۔ مگر وہ بہت باریک اور ملائم مال پر اصرار کرتے ہیں۔ عمر لاوزی ایک دوسرے تاجر اشیائے عتیقہ نے پرانی شالوں کی خواہش ظاہر کی۔ یہاں سے اشیائے عتیقہ کی اہل یوروپ کیلئے بڑی مانگ ہے۔ خان حمزہ میں ایک تاجر نے بہت سے پرانے قالین ٹرکی اور ایران کے جمع کر رکھے ہیں۔ دو ہندوستانی دیکھے جن کے پاس تسبیحوں کا بڑا ڈھیر تھا اور وہ مکہ مکرمہ کو یہ تسبیحاں فروخت کرنیکو جارہے تھے۔

مردوں کے رخسار پر بوسہ دینا

رحلہ صاحب کے مکان پر ایک شام کو گئے تو انہوں نے سفرجل اور نارنج کے چھلکے کے مربے سے تواضع کی جسکو ساتھ دو پانی کے گلاس بھی رکھے گئے۔ اور رخصت کے وقت حاجی عبدالرحمن میرے رفیق نے صاحب خانہ کے رخسارہ پر بوسہ دیا۔ اور بھی کئی مرد یہاں راستے میں دیکھے جو ایک دوسرے سے ملکر باظہار محبت [illegible] رخسار پر بوسہ دیتے ہیں۔

سیر

یہاں کے مختلف بازاروں قہوہ خانوں اور دکانوں وغیرہ کی سیر کا ماحصل یہ ہے کہ گودی کے قریب ایک بڑا عالیشان دو منزلہ مکان ایک یہودی تاجر انطون نامی نے بنایا جسمیں تمام سٹیمروں کی کمپنیوں کے دفاتر ہیں اور ڈاک خانہ اور کئی کتب خانے بھی اسمیں موجود ہیں۔ اسی کے قریب کنارہ سمندر ایک عالیشان مکان میں قسطنطنیہ کے ایک لکھ پتی عیسائی سوداگر عرافندی نے ایک دکان پیرس کے بان مارشے کے نمونہ پر بنائی ہے۔ جسمیں تجارت کی ہر چیز مل سکتی ہے۔ اور بیروت میں قابل دید ہے۔ ایک روز یہاں کی ٹھنڈی سڑک پر گئے جو شہر سے دور ہے۔ ادھر یوں لوگ [illegible] پر سوار ہوکر پولو کھیلتے دیکھا۔ تمام شہر کا یورپین اور دیسی فیشن اس موقع پر موجود تھا۔ اور پھر گاڑی پر سوار ہوکر [illegible] سے ہوتے ہوئے جہاں ایک [illegible] صاحب ملتا تھا پاس بیروت کو گئے کہ جو یورپین آبادی ہے۔ اور جہاں کونسلوں اور دولتمند عیسائی سوداگروں کی کوٹھیاں ہیں۔

خاموش تھیٹر

ایک شام کو حاجی عبدالرحمن صاحب مجھے ایک تھیٹر میں لے گئے جسکا ٹکٹ [illegible] کا تھا۔ تماشا گاہ دوسری منزل پر تھا۔ اس تماشا کی [illegible] تمام ایکٹر [illegible] [illegible]

تماشائی مطلب سمجھ جاتے تھے مگر بعض اوقات ایسے ان نیچرل ہوتے تھے کہ شاید بعض لوگ سمجھتے ہوں جنہیں قصہ کا پلاٹ معلوم ہو۔

گندی زندگی ہمنے تماشا کے خاتمہ سے پہلے ہی قریب دس بجے کے ہوٹل کو واپس جانا چاہا۔ ہم گاڑی کرایہ کر رہے تھے کہ ایک معتبر شکل اور اچھے یورپین لباس والے جنٹلمین نے میرے رفیق کے کان میں کچھ کہا۔ میں نے سمجھا ان کا کوئی ملاقاتی ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ اُسنے کہا تھا کہ میں آپ کو ایک عورت کا مکان دکھلانا چاہتا ہوں۔ اسی ایک عشرہ میں جو میں یہاں رہا میں ایک اور شام کو ایک لوقنطہ سے کھانا کھاکر اپنے ہوٹل کو جا رہا تھا کہ ایک اور شخص نے مجھسے ایسی ہی خواہش ظاہر کی بلکہ کچھ دیر تک ہمراہ اصرار کرتا چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ سربازار یہاں رنڈیوں کے بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے اسلئے ایسے لوگ ایجنٹ مقرر کر رکھے ہوں گے۔

عنایکا قہوہ خانہ ایک شام کو حاجی صاحب مجھے ایک ایسے قہوہ خانہ میں لیگئے جو ایک عالیشان ہال میں تھا۔ اسکے مالک نے چھ سات یورپین عورتوں اور تین مردوں کا ایک ٹروپ سارنگی بجانیکے لئے رکھا ہوا تھا۔ یہ لوگ آدھ آدھ گھنٹے کے بعد سارنگی بجاتے۔ چونکہ لوگوں کو مفت یہ تماشا دیکھنے کی اجازت ہو۔ انہیں صرف قہوہ خرید کر پینا چاہیئے۔ ہر آدھ گھنٹہ سارنگی بجا چکنے کے بعد انمیں سے ایک عورت ایک رکابی لیکر حاضرین سے پیسے مانگتی تھی۔ اور جو کسی کا جی چاہتا رکابی میں ڈال دیتا۔ ہر شخص پیسے دینے پر مجبور نہ تھا۔ باقی عورتیں بھی ہال میں چکر لگاتیں۔ اور جو مخاطب کرتا اسکے پاس بیٹھکر اسکے ہمراہ میخواری شروع کرتیں۔ بلکہ کھلم کھلا بوس وکنار تک نوبت پہنچتی۔ اس شرمناک جماعت میں زیادہ تر عرب اور ترک تھے عیسائی بہت کم تھے۔ معلوم ہوا کہ پہلے عیسائی عورتیں اور مرد بھی آیا کرتے تھے۔ مگر بعض عربوں نے جو دو چار عیسائی عورتوں پر چھریوں سے وار کئے۔ اسپر عدالت نے عورتوں کی موجودگی سوائے فاحشہ عورتوں کے بند کر دی جو

سارنگی بجاتی نہیں ہے۔

تجارت و تحائف بیروت میں ریشمی کپڑا اور سنہری روپہری گوٹا بنتا ہے۔ مگر یہ مقام تمام ملک شام کے لئے تجارت کی منڈی ہے۔ یہاں سے ریشم۔ اون۔ صابن۔ لیموں اور رنگترے باہر کو جاتے ہیں اور لوہا کپڑے اور فینسی چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ کل درآمد ۱/۲ ۱۲ لاکھ پونڈ اور برآمد قریباً سات لاکھ پونڈ کی ہے۔ جب میں نے یہاں سے کچھ تحائف خریدنے کا ارادہ کیا تو علاوہ عربی کتابوں کے جو پہلے خرید چکا تھا اور حقہ کے نیچوا قوں اور ترکی وضع کے زنانہ جوتوں کے کچھ زیتون کا صابن بھی لیا۔

فرانسیسی اثر جس طرح ہندوستان میں انگریزی دانی ضروری ہے۔ یہاں فرانسیسی زبان ہر تعلیم یافتہ جانتا ہے۔ اسلئے السلام علیکم سے زیادہ مرتبہ "بون بور" (یعنی صبح کم اللہ بالخیر) سنا جاتا ہے۔ میں نے نوٹس کیا ہے۔ کہ کیا قسطنطنیہ کیا بیروت اور کیا دمشق میں "السلام علیکم" کا بالکل رواج نہیں۔ مسلمان قسطنطنیہ میں تو ملکر کہتے ہیں۔ "صباح شریف ترکی گز خیرا ولسون" یعنی صبح شریف آپ کی بخیر ہو۔ یا "آلی شکر انشاء اللہ تعالیٰ" یعنی خدا چاہے۔ آپ بخیریت ہیں۔ اور دمشق میں کہتے ہیں۔ "صبح کم اللہ بالخیر"۔ یا "مسّی کم اللہ بالخیر"۔ بعض صرف صبحکم بالخیر اور مسی کم بالخیر کہتے ہیں۔ لیکن عیسائی آپس میں ملکر کہتے ہیں۔ "نہارکم سعید" یا "لیلکم سعید" ان کے دیکھا دیکھی اکثر مسلمان بھی کہتے ہیں نہارکم سعید۔ اس لئے آجکل عام کلمہ قائمقام السلام علیکم کے یہاں "نہارکم سعید" مستعمل ہے۔ ہندوستان میں رخصت ہونے کے وقت بھی سلام علیکم کا دستور ہے۔ یہاں اس موقعہ پر کہتے ہیں۔ "اُسے والدہ"۔ یہ لفظ خداحافظ کے معنے رکھتا ہے۔ کیا استنبول میں اور کیا یہاں رخصت ہونے کے وقت عام لوگ جو فرانسیسی سے بالکل ناواقف بھی ہیں۔ وہ بھی "اڈیو" کہتے ہیں۔ یہ لاطینی الاصل ایک فرانسیسی لفظ ہے۔ جس کی شکل انگریزی زبان میں Adieu (اڈیئو) بن گئی ہے۔ یعنی بخدا یا بحوالہ خدا

یہ لکھنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ اس بدوؤں اور عربی اور شامی جانگلیوں کی سرزمین میں بھی فرنگی تہذیب کا یہاں تک اثر ہو گیا ہے کہ عام لوگ جس چیز کو یورپین کہنا چاہتے ہیں اسے "آلافرانقہ" (Alafranca) کہتے ہیں۔ یہ فرانسیسی طرز فرنگی کہنے کی ہے۔ مگر دوں کے اندر شامی

شامی و عربی عورتیں

اور عربی عورتیں بھی ترکی عورتوں کی طرح بالکل "آلافرانقہ" لباس اور طرز معاشرت رکھتی ہیں۔ انسی طرح ایک خاص قسم کی چادر یا برقع کہ جسکا ذکر میں کسی دوسرے موقع پر کر چکا ہوں۔ اوڑھکر اور ہاتھ میں چھاتا لیکر بیروت اور دمشق کی مسلمان عورتیں برابر بازاروں میں پھرتی ہیں۔ یہانتکہ کہ دوکانوں میں تنہا بیٹھکر سودا خریدتی ہیں۔ خصوصًا عورتوں نے پہرنے کے بارہ میں ایسا "آلافرانقہ" طریقہ اختیار کیا ہے کہ کوئی ترکی یا شامی عورت گوارا نہ کرے گی کہ اسکا شوہر اسے "گزنک" (ترکی زبان میں گشت کا مترادف لفظ ہے) سے روکے اور شام کو سطیح قادیہیں (خانات) گاڑیوں میں بیٹھکر گشت کرتی ہیں۔ تعلیم نسوان میں ان ملکوں میں خاصی ترقی ہو گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی عورتوں کی خاص تعلیم میں اونچے گھرانوں میں مزامیر بجانا۔ رقص کرنا اور گانا ضروری تعریف سمجھا جاتا ہے۔ شام شریف (دمشق) میں مجھے ایک مسلمان جنٹلمین نے ایک مجلس کے درمیان بتلایا تھا کہ جو لڑکیاں ان صفات سے موصوف نہ ہوں انہیں اچھا شوہر ملنا مشکل ہے۔ سینے پرونے۔ سلیقہ صفائی اور لباس کے ستھرائی میں ہرگز ترک اور شامی عورتیں یورپین عورتوں سے کم نہیں۔ اور اسی طرح یورپین عورتوں کی طرح گھر کے کام دھندے سے یہ جی چراتی ہیں۔ عام گھروں میں کھانا اکثر بازار سے پکا پکایا منگوا کر کھا لیتی ہیں۔ روٹی پنیر یا زیتون کے اچار کے ساتھ کھا لیں گی۔ جب تک میں نے دمشق اور لبنان اور طرابلس کو نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہاں کے اصلی باشندے سانولے یا گندمی رنگ کے ہونگے۔ مگر یہاں کے لوگ

تو بلگیریہ اور سرویہ کے لوگوں سے بہت گورے ہیں نہیں بلکہ اکثر عورتیں
تو فرانس اور انگلستان کی عورتوں سے ذرہ بھی کم سفید نہیں۔ مسلمان عورتیں
تو شاذونادر ننگے منہ پھرتی ہیں۔ جب تک کہ بہت سالخوردہ نہ ہوں لیکن
عیسائی اور یہودی عورتیں۔ جو قدیم سے اسی ملک کی متوطن ہیں۔ اہل یورپ
سے ذرہ بھی بلحاظ رنگ کے پہچانی نہیں جا سکتیں۔ البتہ بلحاظ صورت
کے پہچانی جا سکتی ہیں کیونکہ ان سے یہ زیادہ خوبصورت ہوتی ہیں۔

بیروت، دمشق اور لبنان میں عیسائیوں کا مسئلہ

بیروت اور کوہ لبنان کے عیسائیوں کا مسئلہ بھی
پالیٹکل کے پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے۔ جبل لبنان
ایک لمبا سلسلہ پہاڑوں کا ہے جو طرابلس سے ساحل بحر پر بیروت اور وہاں سے
یافہ تک چلا گیا ہے۔ اس پر تمام عیسائی بستے ہیں جو قدیم الایام سے اسی ملک
کے متوطن ہیں۔ اور ان میں کئی لاکھ آدمیوں میں صرف تین چار ہزار مسلمان
ہیں۔ لبنان سے قریب بڑا شہر اور بندر بیروت ہے کہ جسکا تعلق بحیرہ روم سے
مصر کے راہ سے یورپ سے بہت زیادہ ہے۔ اسلئے یہاں کی عیسائی مسلمانوں
کی نسبت بہت ہوشیار ہیں اور ٹرکی کے یورپین عیسائی رعایا کی طرح ان میں بھی
بیداری اور قومیت کا خیال پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اسلئے یہ لوگ تجارت اور تعلیم
میں بھی بمقابلہ مسلمانوں کے زیادہ مصروف ہیں۔ بیروت میں جو بندرگاہ ہے
سوا لاکھ عیسائی اور تیس ہزار سے کم مسلمان نہ ہوں گے۔ برعکس اسکے دمشق
میں جو سمندر سے دور ہے۔ ۳۰ ہزار عیسائی اور ڈیڑھ لاکھ مسلمان ہوں گے
اسلئے یہ کہنا ضروری نہیں کہ بیروت میں روپیہ دولت تجارت مسلمانوں
کے ہاتھ میں نہ ہوگی۔ اور دمشق میں جہاں۔ اکثر حصہ تجارت کا مسلمانوں
کے ہاتھ میں ہوگی۔ اور دمشق میں جہاں اکثر حصہ تجارت کا مسلمانوں کے ہاتھ
میں ہے وہاں تجارت کا نشہ بہت کم ہے۔ اسلئے وہاں عیسائیوں کی
آبادی بھی کم ہے۔

مسلمانوں اور عیسائیوں میں چشمک

دمشق میں آخری خوفناک فساد جولائی سنہ ۱۸۶۰ء میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین ہوا تھا جبکہ مسلمانوں نے عیسائیوں کا قتل عام کردیا تھا۔ اسکے بعد کوئی ایسا فساد تو نہیں ہوا لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں میں بیروت میں اکثر کشیدگی رہتی ہے۔ اسوقت اس کشیدگی میں عیسائیوں کی طرف سے زیادتی ہے۔ کہ جنہیں اپنی کثرت اور یورپ کی عیسائی سلطنتوں کی طرفداری پر بڑا گھمنڈ ہے۔ اسوقت بھی والی لبنان کو سلطان المعظم چھ دول یورپ کی رضامندی سے ہر دس سال کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ اسطرح گویا کہ یہ ایک نیم آزاد عیسائی ریاست قلمروئے عثمانی کے اندر موجود ہے۔ بیروت دمشق ریلوے سے بھی کہ جو جبل لبنان پر سے گذرتی ہے اور فرانسیسیوں نے سنہ ۱۸۹۵ء میں تعمیر ہوئی ہے۔ عیسائیوں کے رسوخ میں اضافہ ہوا ہے اور عیسائی زیادہ شوخ چشم ہوگئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے ہی اسباب سے بیروت میں اتنی زیادہ خون کی وارداتیں ہوتی ہیں کہ کسی دوسرے شہر میں نہیں ہوتیں۔ انہیں وجوہات سے سلطنت عثمانیہ نے اپنے فوج کا ایک بہت بڑا حصہ بیروت اور دمشق میں رکھا ہوا ہے۔ کل سات اردو عثمانی لشکر کے ہیں۔ جنہیں سے ایک بیروت اور ایک دمشق میں مقیم ہے۔ باقی چہار حصص روم۔ یمن۔ بغداد۔ اورنہ۔ استانبول۔ اور بلگیریہ میں مقیم ہیں۔

دمشق

إِنْ تَكُنْ جَنَّةُ اللهِ فِي الْأَرْضِ فَدِمَشْقُ وَمَا تَكُوْنُ سِوَاهَا

بلدہ شام ست مسمّٰی دمشق
کز لب نگش دہد آواز عشق

بیروت سے دمشق تک ریل بیروت و دمشق کے درمیان ۱۴۸ میل لمبی ریلوے لائن فرانسیسی سرمایہ سے بنی ہوئی ہے۔ جسکے مندرجہ ذیل سٹیشن ہیں:- بیروت۔ حدث۔ بعبدا۔ جمہور۔ عاریا۔ عالیہ۔ محمدون۔ عین صوفر۔ مریجاب۔ جدیتہ سعدنائل۔ معلقہ۔ ریاق۔ یحصوفہ۔ سرغایا۔ زبدانی۔ التکیہ۔ سوق وادی بردا۔ دیر قانون۔ عین الفیجہ جدیدہ۔ ہامہ۔ دمر۔ شام برآمکہ۔ شام میدان۔ صبح ۸ بجے چلکر شام کو چار بجے گاڑی۔ دمشق پہنچتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ راستہ میں جبل لبنان۔ کی چڑھائی بہت دشوار ہے۔ گو ۱۵ بجے تک بیس میل کا ایک بڑا "چکر" کاٹ کر ریل لبنان کی چوٹی پر سٹیشن عالیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر یہاں سے شہر بیروت اور سمندر کا ساحل قدموں کے نیچے ایسے نظر آتے ہیں کہ میل ڈیڑھ میل سے زیادہ دور نہیں ہونگے۔ بوجہ بہت سخت چڑھائی کے ریل کی سڑک میں یہاں یہ جدت دیکھی کہ دونوں ریلوں کے درمیان ایک تیسری لوہے کی ریل لگا لی گئی ہے جسمیں گراری کی طرح موٹے موٹے دندانے ہیں۔ اور چڑھائی کے وقت انجن کا ایک پیچ کا پہیہ ان دندانوں میں پڑتا جاتا ہے۔ تاکہ گاڑی اپنے بوجھ سے نیچے کو نہ سرک جائے۔ اسی طرح پہاڑ سے نیچے اترنے میں بھی ان دندانوں سے ضرور مدد ملتی ہوگی۔

راستہ کا منظر خدا کی شان ہے کہ ایسے خشک پتھروں میں ایسی خوشنما سبزی اور سرسبز میوہ دار درخت پیدا کر دیئے ہیں۔ ڈھلوانوں اور وادیوں میں سیڑھیوں

کی طرح نیچے اوپر جو کیاریاں بنی ہوئی ہیں وہ انگور کے بیلوں اور انجیر اور زیتون درختوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ انگور کی بیلیں یورپ کی طرح لاٹھیوں کے سہارے کھڑی نہیں ہیں۔ بلکہ زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ انجیر کے پودے قد آدم سے بڑے نہیں۔ مگر زیتون کے درخت بڑے بڑے ہیں۔ معلقہ سٹیشن تک لبنان کی چڑھائی اترائی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر چند میل کے میدان کے بعد پھر پست پہاڑیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ مگر ایک درہ کے درمیان سے ایک ندی کے کنارے کنارے ریل چلی جاتی ہے۔ پہاڑ میں جہاں چشمہ یا ندی ہے وہاں تو باغ بنا ہوا ہے ورنہ بیابان۔ گھوڑے اور گائے بیل تو بہت کم نظر آتے ہیں مگر گدھے اور سیاہ دنبے زیادہ دیکھے جاتے ہیں۔ معلقہ تک ابھی عیسائی آبادی زیادہ رہی ہے۔ آگے مسلمانوں کے دیہات ہیں۔ لبنان کی عیسائی عورتیں بھی مردوں کی طرح بالکل یورپین لباس پہنتی ہیں۔ مسلمان عورتیں برقعہ کے ساتھ کپڑے کا ایک رنگین ٹکڑہ ضرور منہ پر لٹکائے رہتی ہیں۔ دمشق کے قریب ایک سٹیشن پر بہت سی عورتیں اور لڑکیاں چھوٹی چھوٹی پٹاریوں میں سیب انگور انجیر وغیرہ تازہ فروٹ فروخت کرنے کو کھڑی تھیں۔ میں نے ایک متالیک کو پانچ عمدہ سیب خریدے۔ شہر کے نواح میں میوہ دار درختوں کے باغات کی کثرت ہے۔ بیروت سے میں نے دو ڈالر دیکر دمشق کے لئے پاسپورٹ پر ویزہ کرا لیا تھا پہلے سٹیشن پر ٹکٹ لیتے کے وقت پولیس نے پاسپورٹ دیکھا۔ پھر دمشق پہنچنے سے پہلے ہی ایک ضبطی نے ریل میں پاسپورٹ لیکر نوٹ کر لیا۔ دوم درجہ کا ریل کا ٹکٹ ۵۵ قرش کو ملا تھا۔

شہرِ دمشق ولایت سوریہ کا مرکز اور ایشیائے عثمانی میں تیسرا عمدہ شہر ہے۔ جو مشرق اور جنوب کی طرف سے بر الشام تک پھیلے ہوئے ایک نہایت خوبصورت اور سرسبز میدان غوطہ کے کنارہ پر واقع ہے۔ شہر کے شمال میں

جبل قاسیون اور جنوب مغرب میں جبل الشیخ واقع ہیں۔ اور چاروں طرف خوب صورت باغات سے محیط ہے۔ جبل قاسیون سے دریائے بردی کے شفاف اور خوشگوار پانی کی کئی نہریں جاری ہیں۔ جن سے کیا شہر اور کیا میدان کے تمام باغات سیراب ہوتے ہیں۔ شہر ایک شکستہ فصیل کے اندر واقع ہے مگر فصیل سے باہر بھی شہر کے کئی محلے آباد ہیں۔ خصوصًا میدان کے نام سے شہر کا ایک حصہ جانب جنوب دور تک چلا گیا ہے۔ شمالی جانب کے نہر بردی کے پرے کے محلہ کو عمارہ کہتے ہیں۔ عمارہ کے پیچھے شمال کیطرف جبل قاسیون کے دامن میں ایک اور ستره ہزار کا قصبہ آباد ہے کہ جسے صالحیہ کہتے ہیں۔ اور یہ بھی دمشق کا ایک حصہ ہے۔ آبادی باختلاف اقوال ڈیڑھ لاکھ اور سوا دو لاکھ کے درمیان ہے[۱] جسمیں پندرہ بیس ہزار مختلف معتقدات کے عیسائی پانچہزار یہودی اور باقی مسلمان ہیں۔ جن سب کی زبان عربی ہے۔ اہالی دمشق تناسب اعضائے حسن اندام اور ذہانت وذکاوت کے لئے مشہور ہیں۔

شہر کی جانب مغرب قدیم قلعہ والی دمشق کا عالیشان مکان دار عسکریہ اور فوجی بارکیں ہیں۔ شہر میں قریب دو سو کے جامع کئی مدرسے اور مکاتب ملکی وعسکری رشدی و اعدادی اور مکاتب صبیان ہیں۔ غیر مسلم لوگوں کے علیحدہ مکاتب بھی ہیں۔ ایک کتب خانہ دو مطابع ایک شفا خانہ اور ایک مکتب صناعت بھی ہے۔

[۱] مصنف دمشق الفیحا کے نزدیک آبادی (۱۴۲۰۰۰) سے زیادہ نہیں کہ جسمیں (۱۲۴۰۰۰) مسلمان اور ۱۷ ہزار نصاریٰ ہیں۔ مسلمانوں میں (۱۱۴۰۰۰) سنی۔ (۵۴۰۰) شیعہ (۲۵۰۰) دروزی ہیں۔ اور مختلف سات مذاہب یعنے آرتھوڈاکس۔ ارمنی۔ سُریانی۔ رومن کیتھالک۔ مارونی۔ لاطینی۔ اور پراٹسٹنٹ کے عیسائی آباد ہیں۔

تاریخ قدیم | دمشق نہایت قدیم شہر ہے جیسا کہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں بھی یہ شہر موجود تھا - بنی اسرائیل کے زمانہ میں مصر کے بعض ملوک خاندان ہکسلی بھی اسپر قابض رہے - حضرت داؤدؑ و حضرت سلیمان کے عہد میں اسپر کچھ عرصہ یہودیوں کی حکومت رہی اور پھر اشوریوں اور ایرانیوں کے قبضہ میں رہا - سکندر اعظم کے بعد اہل مقدونیہ کے قبضہ میں آیا - ۱۳ھ ہجری میں خالد بن ولید کی ہمراہ عبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان کے ہاتھ سے فتح ہوا - دوران خلافت حضرت عثمان میں اسکی حکومت امیر معاویہ کے ہاتھ میں رہی - ۴۱ھ ہجری سے دولت امویہ کا پایہ تخت اور تمام ممالک اسلامیہ کا مرکز بنگیا کہ جس حالت میں ۹۲ سال تک رہا - مگر خلافت عباسیہ کے قیام سے دمشق کی اہمیت کم ہوگئی - اور مصر میں خلافت عباسیہ منتقل ہوجانے کے بعد دمشق کبھی مصر اور کبھی بغداد کے تابع رہا - سلجوقیوں کی حکومت میں ان کی بعض چھوٹی شاخین بنی حمدان اور بنی طغتکین یہاں حاکم رہیں ۱۱۴۸ء میں فرانس کے لوئیس ہفتم اور جرمنی کے قیصر کونارڈ سوم نے اہل صلیب کی معیت سے دمشق کا محاصرہ کیا مگر ناکام رہے - ملوک الایوبیہ نے بھی یہاں حکومت کی کہ جن سے ہلاکو نے اسے چھین لیا - پھر چراکسہ مصر کے ہاتھ میں آیا - جبکہ ۱۴۰۱ء میں تیمور نے اسکو غارت کیا - اور یہاں کے مشہور صناعان قالین کو ماوراء النہر میں لیجا کر آباد کر دیا - کہ جس سے یہاں سے یہ صنعت معدوم ہوگئی - ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم اول نے دمشق کو تسخیر کر لیا - اور سوائے تھوڑی سی مدت کے جبکہ ابراہیم پاشا ابن محمد علی پاشا ئے مصر نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا دمشق پر مسلسل ترکی حکومت چلی آئی ہے -

دمشق کی تعریف | بوجہ عمدہ پانی کے افراط باغات کی کثرت اور زمین کی شادابی

کی جس نے دمشق کو دیکھا اُسے نہایت پسند کیا ہے۔ بڑے بڑے علما اور شاعر مصنفین اسکی تعریف میں رطب اللسان رہے ہیں۔ اسلئے میں اُن کے چند اقوال کو ذیل میں نقل کرنا بیموقع نہیں سمجھتا۔ امام ابوبکر ابن العربی نے دمشق کے شان میں فرمایا ہے ؎

إن تكن جنت الله بارض — فدمشق وماتكون سواها
او تكن في السماء فهي عليها — قد ابدت هواها وهواها

یعنے اگر خدا کا بہشت دنیا پر ہے تو وہ دمشق ہے۔ اور کوئی اسکے سوائے نہیں ہوسکتا۔ الخ

دمشق کے نامور شاعر عرقلہ الطلبی نے یوں اسکی تعریف کی ہے۔

الشام شامة وجنت الدنيا كما — انسان مقلتها الغضيضة جلق
من اسهالك جنة لا تنقضي — ومن الشقيق جهنم لا تحرق

(شام (دمشق) دنیا کے رخسار کا خال ہے۔ جیسا کہ اسکی آنکھ کا تارا جلق ہے۔ یہاں گلہائے آس کے تختے ایک بے پایاں جنت کا لطف دکھاتے ہیں۔ اور گلہائے لالہ احمر کا تختہ ایسا جہنم ہے۔ جو کسی کو نہیں جلاتا)

ابو الوحش سبیع بن خلف اسدی ابو العباس احمد مقری مصنف نفح الطیب۔ شرف الدین بن محسن وغیرہ وغیرہ شعرائے و مصنفین نے اسکی تعریف میں ایک ذخیرہ نظم ونثر کا مرتب کر دیا ہے کہ جسے مصنف دمشق الفیحا نے جمع کر دیا ہے۔

قدرتی واٹر ورکس ہوا کے بعد جو چیز انسانی زندگی کے لئے سب سے زیادہ درکار ہے وہ پانی ہے۔ اور دمشق میں جس کثرت سے عمدہ پانی موجود ہے

دیکھو کتاب دمشق مطبوعہ خادم التعلیم پریس لاہور جسمیں یہ ذخیرہ معہ دمشق کے مفصل حالات کے درج ہے۔

اور جس سہولیت سے وہ دستیاب ہوتا ہے یقین ہے کہ دنیا کے کسی شہر میں دستیاب نہ ہوتا ہوگا۔ آجکل واٹر ورکس کے طفیل سے بعض شہر اپنے پانی کی عمدگی اور اس کی دستیابی کی سہولیت پر ناز کر سکتے ہیں۔ لیکن اس واٹر ورکس کے طریقے کے ایجاد ہونے سے بہت مدت پہلے سے شہر دمشق میں ایک ایسا واٹر ورکس جاری ہے کہ جسکے پانی کی تقسیم کے لئے کسی انجن یا عملہ کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ایک پیسہ اسپر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ سات نہریں مختلف اطراف سے پہاڑوں سے اتر کر دمشق کی طرف آتی ہیں۔ ان کا پانی مٹی کی نالیوں کے ذریعے سے تمام شہر کے ہر ایک گھر میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر گھر میں وسط صحن میں ایک حوض ہے۔ اس میں مقدار متفاوت اتنا پانی ہر وقت آتا رہتا ہے کہ نصف انچ کی دس یا بیس یا تیس نالیوں سے آنا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ بڑے گھروں میں باورچیخانہ میں یا دو تین دوسری جگہوں میں بھی پانی آتا رہتا ہے۔ اور نیچے گر کر ایک بڑی نالی ہر وقت پاخانہ سے گذرتی رہتی ہے۔ اسلئے بھنگی کی اس شہر میں پاخانے صاف کرنے کیلئے ضرورت نہیں۔ شہر بھر کے پاخانوں کا پانی۔ یا یوں کہو کہ مستعمل پانی بڑے بڑے حوضوں میں جمع ہوتا ہے۔ کہ جن سے شہر کے گرد کے تمام باغات سیراب ہوتے رہتے ہیں۔

عطا افندی گیلانی

دمشق سٹیشن پر ہی مجھے گراں ہوٹل ڈا اورینٹ کا آدمی ملگیا اور میں اس ہوٹل میں جا ٹھیرا۔ دوسرے ہی صبح خطوط انٹروڈکشن سے مسلح ہو کر میں نے سب سے پہلے جناب عطا افندی گیلانی زادہ رئیس دمشق سے ملاقات کی۔ انہوں نے سخت اصرار کیا کہ میں ان کے مکان میں اٹھ آؤں۔ اور وہ دو گھنٹہ کے اندر خود میرے ہمراہ آکر ہوٹل سے میرا اسباب لے گئے۔ ہر چند کہ پیشتر ان سے کوئی شناسائی نہ تھی۔ یہ بڑے شریف اور خلیق بزرگ ہیں۔ اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ حمص میں ان کی خاندانی جائداد ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں سے بالخصوص محبت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ محبت

اور احسان مشرقی اقوام کا خاصہ ہے۔ یورپ کے بازار میں اس جنس کی کچھ قیمت نہیں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اگر باپ بیٹے کے شہر میں وارد ہو اور اسے ملنے آئے تو رات ہوٹل میں ٹھہرے۔ کیونکہ بیٹے کے گھر میں کوئی زائد کمرہ۔ اور کوئی زائد بستر نہیں ہے مگر ہم لوگوں میں اور اسی طرح عربوں میں دستور ہے کہ مہمان کا کھانا اور بستر ہر حالت میں ہمارے ذمہ فرض ہے۔ شام میں کئی بزرگوں اور عمائد سے ملاقات ہوئی۔ افسوس ہے کہ یہاں تھوڑے لوگوں کی آنکھیں ضروریات زمانہ کی طرف سے کھلی ہیں تاہم بعض لوگ ایسے موجود ہیں۔

سردار غلام محمد خان طرزی

اس شہر میں دو افغان سردار بھی پناہ گزین ہیں اور سلطنت سینہ ٹرکی کی طرف سے وظیفہ پاتے ہیں۔ ان میں سے سردار غلام محمد خان صاحب طرزی[1] تو پندرہ سال سے یہاں مقیم ہیں۔ انہیں باب عالی کی طرف سے چالیس ترکی پونڈ ماہوار۔ اور امیر صاحب کابل کی طرف سے بھی کچھ عرصے سے بیس ہزار کابلی روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا ہے۔ یہ بڑے لائق شاعر ہیں۔ فارسی کلام بہت پختہ ہے۔ ان کا دیوان کراچی میں چھپا ہے۔ یہ بڑے متدین آدمی ہیں۔ ان کے صاحبزادے محمود بیگ صاحب جو ان کے ساتھ دمشق میں رہتے ہیں ایک لائق اور خلیق نوجوان ہیں۔ ہینے دمشق میں بہت سے گھنٹے ان کی ترکی اور عربی

[1] افسوس ہے کہ سردار غلام محمد خان صاحب کا ان سطروں کے لکھنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ سردار صاحب بڑے نیک نفس اور خدا دوست آدمی تھے۔ آدھی رات سے ہی جامع اموی میں جا بیٹھتے اور درود وظائف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ رخصت ہونے سے پہلے اپنی نئی تصنیف واقعات سنہ جس میں جنگ یونان وغیرہ کے حالات ہیں مجھے عنایت کی ہے۔ آپ بڑے خوشنویس اور نقاش بھی تھے۔ آپنے ایک خوشخط لوحہ کا فوٹوگراف بھی بطور یادگار مجھے دیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ محمود بیگ صاحب کابل جاتے ہوئے چند روز لاہور میں میرے پاس ٹھہرے۔ چنانچہ اب معہ عیال و اطفال امیر صاحب کے بلانے پر اپنے وطن کابل میں سکونت پذیر ہیں۔

فارسی کتابوں کی صحبت میں کاٹے - اور ان کی رہبری سے بہت سے مقامات دمشق کے دیکھے - سردار زادہ محمود صاحب گو کسی یورپین زبان سے واقف نہیں لیکن ترکی کتابیں اور اخبار بکثرت پڑھنے سے وہ بڑے صاحب معلومات وسیع ہیں -

سردار عبدالمجید خان دوسرے افغان سردار صاحب صرف ۶ - ۷ ماہ سے دمشق میں مقیم ہیں - ان کا نام سردار عبدالمجید خان صاحب ہے - یہ اس نامور افغان سردار محمد عظیم خان کے پڑپوتے اور سردار سلطان احمد خان کے پوتے ہیں کہ جنہوں نے تاریخ افغانستان میں بڑا نام چھوڑا ہے - ان کے والد سردار عبداللہ خان مرحوم امیر عبدالرحمن خان کے مقابلے میں ہرات کی حفاظت میں جنگ میں مارے گئے یہ اس وقت سے ایران اور اس کے بعد روس کے علاقہ (سمرقند) میں پناہ گزین رہے لیکن ایک سال کے قریب زمانہ گزرتا ہے - کہ یہ استنبول میں پہنچے - سلطان المعظم کی طرف سے ان کی مہمانداری اور خاطر تواضع میں بیحد اہتمام کیا گیا - اور ان کی عزت افزائی کی بڑی کوشش کی گئی - مجھے یاد ہے کہ ہندوستان کے اخبارات میں بھی ایک تار چھپا تھا کہ ایک افغان سردار کی قسطنطنیہ میں بڑے اہتمام سے مہمانداری کی گئی ہے - اسکے بعد انہوں نے شام کی سکونت پسند کی جہاں امید پہنچائی ہے کہ انہیں ۲ سو ترکی پونڈ سے زیادہ وظیفہ ملیگا - ان کے ہمراہ ان کے معتمد امیر محمد خان ہیں جو سردار صاحب کے ساتھ شروع سے رفیق رنج و راحت رہے - علاقہ روس میں تو سردار صاحب کے ساتھ بہت سے سوار تھے - لیکن اب دس پندرہ آدمی باقی رہ گئے ہیں - سردار عبدالمجید خان صاحب نے بڑے خلق اور محبت سے ملاقات کی اور دو روز مجھے مہمان رکھا - اور پرتکلف افغانی پلاؤ اور قورمہ کھلائے - شام کی کئی زیارات انہوں نے اور جناب علی آفندی صاحب نے مجھے ہمراہ لیجا کر دکھلائیں - [1]

[1] اسکے بعد سردار عبدالمجید خان صاحب نے بھی دمشق کی اقامت چھوڑ دی اور افغانستان میں داخل ہو گئے - کہ جسکے بعد ان کے حالات مجھے معلوم نہیں ہو سکے -

زیارات شام میں صحابہ کرام اور انبیاء و اولیا کی بہت سی قبریں موجود ہیں سیوں تو لوگوں میں مشہور ہے کہ جبل اربعین یا جبل قاسیون کے دامن میں ستر ہزار نبی اور ولی مدفون ہیں لیکن ان کے نام کسی کو معلوم نہیں۔ جن کے نام معلوم ہیں اگر ان کی بھی پوری فہرست لکھی جائے۔ تو کئی اوراق درکار ہوں گے۔ تاہم میں بعض مقبروں کے نام اس غرض سے لکھتا ہوں کہ اندازہ ہو سکے کہ مسلمان کیوں دمشق کو شام شریف کے نام سے پکارتے ہیں۔ بلال الحبشی بن رباح مؤذن اوّل اسلام۔ عبداللہ ابن مکتوم مؤذن دوم اسلام۔ ابو درداء الخزرجی۔ عبداللہ ابن سیدنا جعفر طیار۔ اسمع بنت سیدنا ابوبکر صدیق عبداللہ بن جعفر صادق ام کلثوم بنت سیدنا امام علی۔ سیدہ فاطمہ الصغیرہ بنت امام حسین۔ اولاد امام حسین کے چھ سر جنمیں امام زین العابدین۔ امام قاسم وغیرہ کے سر ہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن زین العابدین۔ امیر معاویہ۔ عبداللہ ابن کعب الاحبار۔ عمر بن العبد العزیز عبدالملک ابن مروان۔ میمونہ جاریہ رسول اللہ۔ اوس بن اوس الثقفی۔ سہیل بن ربیع الانصاری۔ شمعون الصحابی۔ فضالہ بن عبید۔ آتکہ بن الاسقع بلال بن حمات۔ حضرت رسول کریم صلعم کے تین حرم۔ اُمّ حبیبہ۔ اُمّ سلامہ و حفصہ فضہ لونڈی حضرت فاطمہ رضؓ کی۔ سیدہ زینب بنت حضرت علی رضؓ اور سیدہ سکینہ بنت حضرت امام حسین رضؓ کی قبریں۔ اور کئی دوسرے ناموروں کی قبریں اس قبرستان میں ہیں۔ جو باب صغیر کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں سے ایک قبر کی بھی عمارت یا گنبد شاندار نہیں۔ بعض کے چھوٹے چھوٹے حجرے اور بعض کے حجرے بھی نہ تھے۔ اکثر قبریں مٹی سے لیپی پوتی ہوئی ہیں۔ بعض کے سر کی طرف پتھر ہیں جو آدھ یا پون گز سے بڑے نہیں۔ ایک ایک پتھر قبر پر لیٹا ہوا ہے جیسے مورتی ہوتی ہے۔ اس میں عورتیں آس نامی ایک سبز درخت کی ٹہنیاں لا کر کھڑی کر دیتی ہیں۔ کہ جو بہت دیر تک سبز رہتی ہیں۔ عوام کا خیال ہے۔ کہ یہ درخت عبادت کرتا ہے۔ اسلئے مشہور ہے کہ چالیس ہزار لیرہ (اشرفی) کی ٹہنیاں خرید کر سال

تمام میں یہاں کی عورتیں قبروں کے نذر کر دیتی ہیں۔ مقبرہ باب قاسیوں (دیاکسیان) میں واہیہ کلبی مشہور صحابی کی قبر کی بھی زیارت کی۔ حضرت زینب ام کلثوم کی قبر قریب کے ایک قریہ راویہ میں ہے۔ جہاں ہر سال بہت سے اہل التشیع جمع ہوتے ہیں۔ جامع دمشق میں اور بھی کئی ناموروں کی قبریں ہیں۔ جامع اموریہ میں ایک قبر ہے جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تربت مشہور ہے۔ جبل صالحیہ کے قریب سوق صالحیہ میں امام محی الدین عربی کی قبر موجود ہے اسی کے قریب زمانہ حال کے ایک مسلمان جنرل عبدالقادر الجزائری کی قبر ہے جس نے فرانس کے مقابلہ میں کئی معرکہ کی لڑائیاں لڑیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے آقا سلطان نورالدین شہید کی قبریں شہر کے اندر دو مختلف مقامات میں ہیں۔ اول جامع امویہ کے قریب ہے۔ اسی کے قریب کلاسہ نامی چھوٹا سا پانی کا حوض موجود ہے۔ جسکا شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے ذکر کیا ہے۔ کہ ایک بزرگ جو دریا سے بلا کشتی کے گذر جایا کرتا تھا۔ وضو کرتے ہوئے اس حوض میں گر پڑا اور کئی غوطے کھائے۔ اگر صرف سلطان صلاح الدین اور سلطان نورالدین کی قبریں ہی دمشق میں ہوتیں۔ تو جو ناموری صلیبی جنگوں میں عیسائی یورپ کے مقابلہ میں انہیں حاصل ہوئی تھی۔ وہی دمشق کی شہرت کیلئے کافی تھی۔ مگر یہاں تو علاوہ اہل بیت کے صحابہ اور اولیاء اللہ کی بھی بیشمار قبریں ہیں۔[1]

مرقد شیخ محی الدین عربی وغیرہ

شیخ الاکبر محی الدین عربی امام الصوفیہ جو سوق صالحیہ میں ہے اسکی عمارت بھی متوسط درجہ کی ہے جو معلوم ہوتا ہے بعد میں بنائی گئی ہے۔ قبر کا معدنی پنجرہ کوئی پچہتر سال کا بنا ہوا ہے۔ تربت کی عمارت میں تین پہلوؤں میں قدیم چینی کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔ جنپر بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ عطا افندی صاحب گیلانی زادہ نے جو میرے ہمراہ تھے۔ فرمایا کہ شیخ محی الدین کے والد کی اولاد نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے

[1] ان مقبروں اور زیارت گاہوں کی مفصل کیفیت کتاب دمشق میں موجود ہے۔

عرض کی۔ حضرت نے اسکی کمر ٹھونک کر کہا کہ تیرے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اسکا نام محی الدین رکھنا۔ چنانچہ شیخ نے بعض قصایئد میں لکھا ہے کہ گو میرا نام محی الدین عربی ہے۔ مگر دراصل گیلانی ہوں۔

مدفون مشہور علماء شیخ الاکبر محی الدین عربی علامہ ابن خلکان قاضی القضاۃ ابن تیمیہ مورخ ابن قیم فقیہہ مفسر کے علاوہ بہت نامی مفسر محدث عالم فقیہہ مصنف اور فضلا اس زمین میں مدفون ہیں۔ کہ جن کے آثار اب تک فخر اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ جامع امویہ کے ایک مازنہ کے نیچے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پڑھایا کرتے تھے۔ تو باوجودیکہ بوجہ مسجد کے جل جانے کے وہ منارہ نہیں رہا تھا۔ تاہم مجھے اس جگہ پر پہنچکر ایک عظمت نظر آئی کہ جہاں مصنف احیاء العلوم نے اشتہار علوم کیا ہے۔ سوائے اِن علامہ مسلمانوں کے دمشق کے انگریزی قبرستان میں مشہور انگریز مورخ مسٹر بکل بھی مدفون ہے۔

جامع اموی دمشق میں قریب دو صد کے جوامع اور مساجد ہیں لیکن جامع اموی بلحاظ عظمت اور قدامت کے سب پر فائق ہے سوا اس سے دوسرے درجہ پر جامع سنانیہ (بناکردہ سنان پاشا ہے) جامع اموی کے بجائے میں پہلے پہل ایک مندر ہوا کرتا تھا۔ مگر رومن قیصر آرکائیس نے اسکی بجائے ایک کلیسیا پانچویں صدی مسیحی کے آغاز میں تعمیر کیا۔ اور سنہ ۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء میں ملوک امویہ میں سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے اس کلیسیا کی جگہ پر یہ عالیشان مسجد تعمیر کی۔ اور تعمیر کے وقت علاوہ تمام ممالک اسلامیہ کے کاریگروں کے جو دستیاب ہو سکتے تھے۔ بارہ ہزار کاریگر اور معمار و سنگتراش بلاد روم سے طلب کئے گئے۔ یہانتک کہ مسجد کی تعمیر پر اڑہائی لاکھ اشرفی سے زیادہ خرچ ہوگیا۔ مسجد میں صناعوں نے اندر اور باہر تمام دیواروں پر رنگین شیشہ کے ٹکڑوں سے عجیب و غریب بیلیں بنائی تھیں۔ کہ جیسا کہ یوروپ کے بعض گرجاؤں میں بھی رنگین شیشہ کے ٹکڑوں کا کام موزائیک

کے نام سے موجود ہے۔ اسے عربی کتابوں میں "الفسیفساء البلوریۃ" لکھا گیا ہے۔ مگر بار بار کے آتشزدگیوں سے اس کام کا اب نام و نشان بھی نہیں رہا۔ پہلی مرتبہ ۱۰۶۹ء میں یہ عالیشان مسجد آگ سے برباد ہوگئی۔ اور پھر اسے تعمیر کیا گیا۔ تو تیمور لنگ نے فتح دمشق کے وقت اسے جلا دیا۔ مگر یہ پھر اسی عظمت و شان سے تعمیر کی گئی۔ آخری مرتبہ ۱۸۹۳ء میں اسے آتشزدگی سے سخت صدمہ پہنچا۔ اس مرتبہ اسمیں وہ قرآن مجید بھی جل گیا کہ جسپر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون گرا ہوا تھا۔ کہ جسے وہ اپنی شہادت کے وقت پڑھ رہے تھے۔ مگر غیرتمند اہل دمشق نے چندہ کرکے پھر اسکی تعمیر اور مرمت شروع کردی۔ اور جب میں نے اسے (سنہ ۱۹۰۰ء میں) دیکھا تھا۔ تو آدھی سے زیادہ تیار ہو چکی تھی معلوم ہوا۔ کہ اسوقت تک پچاس ساٹھ ہزار پونڈ خرچ ہو چکا تھا۔ مگر ایسی خوبصورتی اور تکلف سے تیار ہو رہی تھی۔ کہ جس سے شام کے کاریگروں اور صناعوں کی لیاقت کی داد دینی پڑتی ہے۔ اسکا ایک نو تعمیر محراب مجھے دکھلایا گیا۔ جسمیں سرخ سفید سیاہ اور سبز پتھر کا بے نظیر کام کیا گیا ہے۔ اور پتھر میں صدف ایسی خوبی سے آمود کیا گیا ہے۔ کہ اسکی تعریف نہیں ہو سکتی مجھسے کچھ عرصہ پہلے قیصر ولیم نے جب اس مسجد کی زیارت کی تھی۔ تو شام کے معماروں کی بہت تعریف کی تھی۔ اسوقت مسجد کی چھت کی بھی عمدہ نقاشی ہو رہی ہے۔

پندرہ بیس موذنوں کا یکجا اذان دینا

میں نے ظہر کے وقت اسکے شرقی مینار پر پندرہ بیس آدمی ایک وقت اذان دیتے ہوئے دیکھے۔ معلوم ہوا کہ یہ روزمرہ کی رسم ہے۔ پچاس ساٹھ سے زیادہ موذن مسجد میں مامور ہیں۔ اور ان میں سے پندرہ بیس ہر نماز کی اذان کے لئے ماذنہ پر چڑھ کر بلند آواز سے ہم آہنگ ہوکر اذان دینے لگتے ہیں جس سے آواز دور تک پہنچتی ہے اور بڑی ہیبت اور تمکنت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک روز نصف شب کو دیکھا کہ ایک شخص نے مینارہ شرقی پر چڑھکر نہایت خوش الحانی سے قرآن

شریف پڑھنا شروع کیا - چاروں طرف ہُو کا عالم تھا - اور اسکی صاف آواز
بہت دور تک جاتی ہوگی - معلوم ہوا کہ یہاں بارہ مہینے یہی دستور ہے کہ ہر شب
جامع امویہ اور بعض دیگر مساجد کے میناروں پر چڑھکر نصف اللیل کو قرآن پڑھا
جاتا ہے -

دو قطاریں عظیم الشان سنگین ستونوں کی جو تعداد میں چالیس ہیں مسجد کے طول
کی طرف جاتی ہیں - اور اُنپر چوبی چھت ہے - اسوقت آدھی مسجد پر چھت
پڑ چکی تھی کہ جسکے نیچے لوگ نماز پڑھتے تھے - ہر ایک ستون اتنا موٹا ہے
کہ بمشکل دو آدمیوں کے بازوؤں میں سما سکتا ہے - حضرت یحییٰ ابن ذکریا
علیہ السلام کی قبر سقف مسجد کے اندر جنگلے میں محدود ہے - جسپر عورتیں مرد بیٹھے
دعا مانگ رہے تھے - شرقی مینارہ کی نسبت روایت ہے - کہ حضرت عیسیٰ
قرب قیامت میں اسپر سے اُتریں گے - غربی مینار میں امام غزالی رحمۃ اللہ
نماز پڑھنے عبادت کرنے اور اُس کے قریب کے بقعہ میں تدریس کیا کرتے
تھے - مسجد امویہ کے احاطہ میں ایک گول سا مکان گنبد کی چھت والا موجود ہے
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اسمیں بہت سی پرانی کتابیں بند ہیں جنمیں سے
بعض چمڑے پر لکھی ہوئی پرانی بائبلیں ہیں - چنانچہ ایک جرمن عالم نے
سلطان المعظم سے ان کے دیکھنے کی اجازت حاصل کی ہے - اور بعض علمائے
شہر کے ساتھ ملکر وہ ان کتابوں کو دیکھ رہے ہیں -

مرقد سلطان صلاح الدین ایوبی

سلطان صلاح الدین ایوبی کہ جسنے صلیبی جنگوں کے زمانہ میں تمام
یورپ کے بادشاہوں اور فوجوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا - ""
یہی جامع امویہ کے سامنے مدفون ہے - مقبرہ کی بیرونی عمارت نئی تعمیر ہوئی
ہے - جو چھوٹا سا روضہ ہے - شہنشاہ جرمنی نے سلطان صلاح الدین کی قبر پر
اپنے ہاتھ سے صلاح الدین کا اور اپنا نام لکھکر رکھا تھا - ایشیا کی نسبت یورپ
بہت جانتا ہے - کہ صلاح الدین یا سیلےڈون (Saladen) جیسا کہ وہ اُسے

پکار رہے ہیں کیسا جوانمرد تھا۔

سوق حمیدیہ اور دوسرے بازار

اس جامع کے قریب ایک بہت بڑا مسقف بازار بنام سوق حمیدیہ مشہور ہے۔ اور اس سے کسیقدر دور ایک بازار بنام سوق مدحت پاشا مشہور وزیراعظم کے نام زد ہے۔ دو منزلہ دوکانوں کے اوپر نیم دائرہ کی بلند چوبی چھت ان دونوں بازاروں پر ڈالی گئی ہے۔ دوسری منزلوں میں اکثر گودام رہتے ہیں۔ بازار بہت کھلے ہیں۔ اسلئے چھت کا محراب بہت بلند ہوگیا ہے خیال ہے کہ بحیثیت مجموعی ایسے عالیشان مسقف بازار دنیا میں کسی جگہ موجود نہ ہونگے۔ یہاں اور بھی کئی بازار مسقف ہیں۔ لیکن طویلہ چھت۔ اور بہت نیچے قسطنطنیہ کا مکیک چارشو (بازار کبیر) ان کے مقابلہ میں چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ بازار حمیدیہ میں بڑی رونق ہے۔ غرض دمشق کے بعض پُررونق بازاروں میں عجیب سین نظر آتا ہے یہاں مشرق اور مغرب اپنی اصلی حالت میں مخلوط پایا جاتا ہے۔ اس ہجوم کے درمیان جو یورپین پوشاک والے تجار اور اس شہر کے لمبے لبادوں والے علماء اور دمشقیوں۔ سیاہ برقعوں والی مسلمان اور یہودی عورتوں کے دونوں طرف گذرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ بوجھ سے لدے ہوئے اونٹوں اور گدھوں اور ان کے ہانکنے والے جنگلی بدوؤں اور بادیہ نشین عربوں کے گذرنے سے ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں میں نے یورپ کے بعض شہروں میں کئی قسم کی ریلوں اور برقی ٹراموؤں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں سواری کے لئے گدھوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ شہر میں گاڑیاں اچھی موجود ہیں۔ جو بمبئی کی وکٹوریہ گاڑیوں سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن اکثر لوگ گدھوں پر سوار ہو کر شہر میں ادھر اُدھر گذرتے یا سفر طے کرتے ہیں۔ بعض خوانچہ والوں نے روٹیوں یا اچار وغیرہ کی دوکانیں گدھوں کی پیٹھ پر کھولی ہوئی ہیں۔ جس طرح دستی گاڑی پر

گدھوں کی پیٹھ پر دکانیں

ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی سودا والوں کی

دو دکانیں بھی دیکھی جاتی ہیں۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ گدھوں سے بھی بے انصافی نہ کرے۔ اسلیئے اتنا کہنا ضروری ہے۔ کہ بلحاظ تیز رفتاری یہاں اکثر گدھے بہت سے گھوڑوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ اسلیئے گدھوں کے مالک ان کا خوب بناؤ سنگار کرتے رہتے ہیں۔ یہاں بعض گھوڑوں کی حالت زار دیکھ کر بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان — طوق زرین ہمہ در گردن خری بینم

دمشقی خانیں — علاوہ بازاروں کے جن میں بعض کی محرابی چھت چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ اور جو بہت بلند بھی نہیں۔ یہاں چند سرائیں موجود ہیں جنہیں خان کہتے ہیں۔ یہ ۱۳۹ ہیں۔ ان میں سے دو قابل ذکر ہیں۔ سب سے بڑی خان اسعد پاشا ہے۔ اور دوم درجے کی خان سلیمان پاشا ہے۔ اسعد پاشا عظم خاندان کا ایک نامور شخص شام میں گذرا ہے۔ کہ جو ڈیڑھ سو سال پہلے اس شہر کا والی تھا۔ اس نے یہ عالیشان خان تیار کی۔ جو بالکل سفید اور سرخ پتھر کی ہے۔ اس طور پر کہ وسط میں ایک عالیشان گنبذ پیلپایوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ جس کے نیچے پانی کا حوض ہے۔ حوض کے گرد پہلی منزل ایک گیلری کی صورت میں بنی ہوئی ہے۔ یہ خان اور باقی سب خانیں یہاں کی مرجع تجارت ہیں۔ قدیم زمانہ سے اطراف و جوانب کے تمام سوداگران خانوں میں اپنا مال فروخت کرنے کو لاتے ہیں۔ یہ گویا یہاں کی منڈیاں اور یہاں کے صرافے بھی ہیں۔

بیت العظم — اسی ضمن میں بیت العظم کا ذکر بھی کر دینا چاہیئے۔ جو اسی اسعد پاشا نے ۱۱۶۳ھ ہجری میں تعمیر کیا تھا۔ کہ جس نے سب سے بڑی خان تعمیر کی ہے۔ عظم زادگان کا ایک مشہور خاندان اس شہر میں ہے۔ جناب جمیل بیگ صاحب عظم زادہ نے جو قسطنطنیہ میں عربی اخبارات کے احتساب اور نگرانی پر مامور ہیں۔ مجھے ایک چٹھی اپنے ایک بھائی کے نام دی تھی کہ وہ مجھے بیت عظم

دکھلائے - یہ ایک بڑا عالیشان مکان ہے - جو لاریب بادشاہوں کے رہنے کے قابل قیمتی پتھروں سے تعمیر کیا گیا تہا - اسمیں ڈیڑہ سو سال پیشتر ملک شام کے پتھر اور لکڑی کے کام کی صنعت کا کمال دکھلایا گیا ہے - اس کی مختصر تعریف یہ ہے کہ اپنے قیام کے زمانے میں قیصر ولیم نے دو دفعہ اس پرائیویٹ گھر کو آکر دیکھا اور اس کی خوبصورتی کی تعریف کی - اب یہ اس خاندان کے دو تین ممبروں نے آپس میں تقسیم کرلیا ہے - لیکن جب میں نے پوچھا کہ حمام کے چند کمرے کیوں خراب حالت میں ہیں تو معلوم ہوا کہ ایک ہزار پونڈ اس کے پانی کے راستہ کی درستی کے لئے درکار ہے جو خرچ کرنے کی حال کے ساکنین کو استطاعت نہیں - تاہم ایک صاحب نے اپنے حصہ میں ایک چہوٹا سا چڑیاخانہ جانوروں کا اور ایک بہت بیش قیمت مجموعہ چینی کے برتنوں اور بڑے بڑے قالبوں کا جمع کیا ہے -

بہم ولایت جنگا دمشق میں رہنے کے دنوں میں ایک رات مجھے احباب ایک مکان میں لے گئے - جو مکلف فرش و فروش سے آراستہ تھا - پہلے ایک فونوگراف آیا - جس سے کئی ایک عربی اور ترکی راگ سنائے گئے - اتنے میں اس مکان میں دس پندرہ اشخاص جمع ہوگئے - جنسے مجھے معلوم ہوا کہ مدعو تھے - ان میں سے آدھے شیوخ اور علما کے جبوں اور عماموں سے آراستہ تھے - ایک عیسائی مغنی حبیب الشیخ نامی پہلے سے موجود تہا - جو اس شہر میں عود بجانے میں استاد مشہور ہے - اور اخیر میں ایک نوجوان مسلمان جو گانے میں اس شہر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا آگیا اور اس نے عود کی سر کے ساتھ گانا شروع کیا - اسکے گانے نے ایک ایسی برقی رو مجلس میں پیدا کردی کہ ہر شخص وجد میں آنے لگا - مگر اعرابی کے اونٹ کی طرح ایک میں تھا جو اس مجلس میں بے اثر تہا - اوّل تو اسلئے کہ عربی گیتوں کو میں اس لحن میں سمجھ نہیں سکتا تہا - جس میں کہ گائے جاتے تھے - جب تک کہ ایک رفیق مجھ

تحت لفظ پڑھ کر نہ سُناتا۔ مثلاً ایک مصرع تھا ع

"عید البشائر والفرح"

لیکن وہ کچھ ایسی طرح گایا جاتا تھا کہ مجھے "اِیدل" کے سوائے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ دوم موسیقی سے میرے کانوں کو بہت مناسبت نہیں تاہم مجھے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس شخص کا لحن بہت عمدہ ہے۔ مگر نہ ایسا کہ مجھے بیخود کر دیتا۔ بلکہ لحظہ بلحظہ میری نفرت بڑھنے لگی۔ کیونکہ اس ملک کے دستور کے موافق ایک ایک لفظ کے حصہ کو مغنی دس دس اور بیس بیس دفعہ دوہراتا ہے۔ یہاں تک بھی خیریت ہے۔ لیکن اسکے ہر جزو لفظ پر حاضرین کے لئے داد دینی لازم ہے۔ اور وہ ایک ایسی صدا سے دیجاتی ہے۔ جو ہندستان میں افسوس اور درد کے موقع پر "آہ" کی طرح منہ سے نکلتی ہے۔ سجانیکہ وہ فرط اضطراب استعجاب سے کہنے والے کی تعریف کرتے ہیں۔ بلکہ ایک پیشہ ور مطلب وہاں موجود تھا۔ جو اس کے علاوہ یا "سلام" کہتا۔ اور کچھ کلمات تعریفی ہی کہتا ہے۔ گویا مغنی کا دل بڑھانے کے لئے اسکے جا دبیجا تعریف کرنے کے لئے یہ خاص عہدہ دار مقرر کیا گیا ہے۔ بعض کہتے "ملیح کثیر" "طیب کثیر" کوئی کہتا خمس۔ کوئی کہتا عشر۔ یعنی اس فقرہ کو پانچ یا دس دفعہ اسی طرح دوہراؤ۔ اس دوہرانے اور غیر ضروری مبالغہ کی تعریف نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ میں نے رخصت چاہی۔ لیکن معلوم ہوا کہ صاحب خانہ خاتمہ کے وقت حاضرین کو کچھ کھانا اور شیرینی کھلائیں گے کیونکہ یہ "سُہرہ" ہے کہ جسے ہندوستانی زبان میں "رتت جگا" کہہ سکتے ہیں۔ اور بارہ ایک بجے شب کے وہ کھانا ملیگا۔ پھر اخیر میں تو وہی حالت ہوگئی۔ جو شیخ کی ہوئی تھی۔ جب اُسنے یہ شعر کہا تھا۔ ؎

پنبہ ام در گوش کن تا نشنوم یا درے بکشا کہ تا بیروں روم

آخر ۱۲ بجے ایکدوسرے کمرہ میں لیجا کر ہمنے ایک زمین سے بالشت بھر بلند

میز کے گرد بیٹھ کر کچھ کھانا کھایا - عرب کی مٹھائیاں ساری دنیا سے نرالی ہیں - ایک کا نام "کُلشکر" (کھا اور شکر کر) ایک کا نام بقلاوہ اور ایک کا نام کنافہ ہے - ہندوستان کی مٹھائیوں کی طرح ان میں بھی شیرینی بہت زیادہ ہوتی ہے - عربی کھانوں میں علاوہ حمّص مطحن اور فول مدمس کے مجھے اور کچھ پسند نہیں آیا - یہ دونوں دال کی قسمیں ہیں جو ایک نرالی ترکیب سے تیار کی جاتی ہیں - حمّص کابلی چنوں کی قسم کی ایک اُبلی ہوئی دال ہے جسے پیس کر اسمیں ترشی ملائی جاتی ہے اور فول باقلہ کی قسم ہے - ملاں سہرہ کے متعلق اسقدر ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس شہر میں اس کی رسم عام ہے - جاڑے میں بعض دوستوں کی جماعتیں ہفتوں ہر شب وقت گذاری کے لئے یہی شغل رکھتی ہیں - آج ایک کے گھر میں سہرہ ہے تو کل دوسرے کے گھر میں - اور باری باری سب میزبان بنتے ہیں - ان لوگوں کے گیت میں بار بار دُھر لینے اور بیجد تعریف کرنے کا طریقہ مجھے پسند نہ ہوا - لطف یہ ہے کہ یہ سہرہ جامع اموییہ کے ایک حجرہ میں کیا گیا تھا جسکا دروازہ کھولنے سے چاند کا ... سامنے نظر آتا تھا - اور شرکا میں بعض خدّام مسجد بھی تھے -

حدیث کا دعظ دمشق قدیم سے علما کا مرکز چلا آتا ہے - اور اب تک بھی ہے یہاں حدیث کے سیکھنے اور سکھلانے کا بڑا رواج ہے - سال میں مختلف موقعوں پر مختلف علما حدیث کا ایسے طور پر درس دیتے ہیں کہ شام کے وقت شہر بھر کے عمائد اور شائقین وہاں جمع ہوتے ہیں - جس روز میں دمشق سے لوٹا ہوں - اس روز ایک اول درجے کے عالم نے ایک مقبرہ میں جو ریلوے سٹیشن کے قریب ہے درس حدیث کے اسباق کے سلسلہ کو شروع کرنا تھا - اور حدیث کے اعزاز کے لحاظ سے پہلے درس میں والی (گورنر) دمشق کو بھی حاضر ہونا تھا - بہت سے لوگ اسی طرح حافظ حدیث موجود ہیں

جیسے کہ لوگ حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ اس وقت دمشق میں مندرجہ ذیل نامور علماء موجود ہیں (افغانوں سے) شیخ عبدالحکیم صاحب۔ شیخ بہاء الدین صاحب (شامیوں سے) شیخ بکری عطّار زادہ۔ (مغربیوں سے) شیخ بدرالدین صاحب۔ دو اور خاندان علماء کے مینشی اور قزیری کے نام سے مشہور ہیں

اہل درد | لیکن ان علمائے دین کے علاوہ الحمدللہ کہ معدودے چند اصحاب ایسے بھی دمشق میں موجود تھے کہ جن کی آنکھیں ضروریات زمانہ کی نسبت کھل چکی تھیں۔ ہرچند کہ یہاں کے حالات کے مطابق وہ ملک اور قوم کیلئے کچھ مفید نہیں ہو سکتے تھے۔ ان میں محمد کرد علی صاحب ایڈیٹر الشام۔ محمد علی سلیم بخاری مفتی آلائی۔ عبدالحمید زہراوی سابق ایڈیٹر (عربی) معلومات قسطنطنیہ قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ بھی بڑے پایہ کے اہل علم ہیں۔ لیکن اسکے علاوہ ملت کی غمخواری سے بھی کافی بہرہ رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان میں زہراوی صاحب تین چار ماہ سے قسطنطنیہ سے خارج ہو چکے

جلاوطنی | ہیں۔ اور دمشق سے باہر جانے کی انہیں اجازت نہیں۔ ایسے اور بھی بہت لوگ یہاں ہیں۔ کہ جنہیں کسی نہ کسی وجہ سے جو کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ خارج کرکے دمشق یا سلطنت کے کسی اور دور دراز مقام میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور وہیں ان کی قیمتی زندگیاں کس مپرسی اور بیکاری کی حالت میں گذر جاتی ہیں۔ راستہ چلتے ایک روز ایک صاحب سے ملاقات ہو گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ مابین ہمایوں (قرب سلطانی) میں بڑے عہدہ دار تھے۔ پندرہ سال گذرے ہیں کسی وجہ سے انہیں یہاں بھیج دیا گیا۔ مگر پھر کسی نے نہ پوچھا کہ کیا کرتے ہو۔ البتہ وظیفہ پاتے ہیں۔

مخبری | ایک روز مدرسہ عبداللہ پاشا میں بعض صاحبان کچھ علمی گفتگو کر رہے تھے۔ جنہیں مجھ سے ہندوستان کے علما اور اہل اسلام کے حالات بھی دریافت کرلیتے تھے۔ اتنے میں ایک فقیر نے آکر ہم سے سوال کیا۔ جب ہم جانے

لگے تو تیرے ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ فقیر مخبر تھا جو یہیں یہاں دیکھا گیا ہے۔

کتب خانہ انہیں اہل در حضرات کی کوشش سے کچھ عرصہ سے ایک کتب خانہ دمشق میں قائم ہوا ہے۔ جو ایک قدیم عالیشان عمارت المکتب الملک الظاہر میں رکھا گیا ہے۔ دراصل یہ مقبرہ ملک الظاہر کا ہے۔ مگر اب قبر کے اوپر کتابوں کی الماریاں رکھی ہوئی ہیں۔ جنمیں زیادہ تر قلمی ہیں۔ اور مطبوعہ بہت کم ہیں۔ تفسیر حدیث حساب تاریخ فقہ تصوف تجوید وغیرہ سب علوم کی کتابیں ہیں۔ اور زیادہ تر لوگوں نے وقف کی ہیں۔ حکومت صرف دو آدمیوں کی تنخواہ کا خرچ پانچ سو قرش ماہوار دیتی ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں بہت پرانی لکھی ہوئی ہیں۔ ایک فقہ کی کتاب "مسائل عن احمد ابن حنبل" ہے۔ جو ۲۲۶ھ ہجری کی لکھی ہوئی ہیں۔ اور خط پڑھا جاتا ہے۔ مگر بعض کتابیں ایسے قدیم عربی خطوں میں میں نے دیکھیں کہ مجھ سے وہ خط نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔ ایک عالیشان کلام مجید ۳۲۶ھ ہجری کا دیکھا جسکے ہر لفظ اور جملہ کی مختصر تفسیر بین السطور میں تھی۔

ابن خلکان کا مدرسہ یہ شہر اور خصوصاً یہ نواح جامع امویہ کا اسقدر تاریخی آثار سے پر ہے۔ کہ ہر طرف کوئی مانوس نام سنا جاتا ہے۔ اس مکتب کے مقابل میں مدرسہ عادلیہ کا مکان ہے کہ جسمیں ابن خلکان مشہور مورخ درس دیا کرتے تھے۔ یہیں ایک شخص کے پاس حضرت پیغمبر صاحب کا ایک نامہ مبارک ہے جو آپنے قیصر یا کسریٰ کو لکھا تھا۔ اور شیخ عبد القادر جزائری ایسے دولت فرانس سے پیرس سے مانگ لائے تھے۔ مگر افسوس کہ جب میں اس شخص کے مکان پر اسے دیکھنے گیا تو وہ نہ ملا۔

اخبارات یہاں صرف دو اخبار اور ایک ماہوار رسالہ بنام دمشق نکلتا

ہے - یہ رسالہ ایک عیسائی نکالتا ہے - اخبار الشام کے ایڈیٹر محمد کرد علی صاحب ہی سرکاری گزٹ اخبار سوریہ کے بھی ایڈیٹر ہیں - اور سرکاری ملازم بھی ہیں - سوریہ کا ایک ورق عربی (ملکی زبان) اور ایک ترکی (سرکاری زبان) میں نکلتا ہے - غرض اخبار کا یہاں کچھہ مذاق نہیں

صنعت وغیرہ دمشق میں لکڑی میں صدف اور ہاتھی دانت جڑنے کا کام بہت عمدہ ہوتا ہے - چوکھٹوں - رحلوں - چوبی جزتوں میزوں اور تپائیوں وغیرہ فرنیچر پر صدف کے بیل بوٹے اور فقرے لکھے جاتے ہیں - ایک میز پر راس الکتب فی ورقتہ لکھا تہا - اسکے سوائے کندہ کاری - زین سازی - ابریشیم اور روئی کے کپڑے عطر گلاب تالینوں اور مٹھائی کے لئے دمشق مشہور رہے - شام میں بہت ارزانی ہے لیکن بیروت میں ہندوستان سے گرانی ہے - حجام کو بشلک دو بشلک دیدیتے ہیں - بشلک ہندوستان کے چھہ آنہ کے برابر ہے - گو شام اور بیروت کے سکوں میں اختلاف نہیں - لیکن نرخ میں اختلاف ہے - بیروت میں مجیدی میں بیس قرش شمار ہوتے ہیں - شام میں چوبیس قرش محسوب کئے جاتے ہیں -

مکانات گو یہاں کے مکانات باہر سے بہت سادہ اور بے حیثیت معلوم ہوتے ہیں - اور داخلہ کے دروازے بہت چھوٹے جیسے کہ کسی جھونپڑے کے ہوتے ہیں - ہوتے ہیں - لیکن اندر سے بڑے پر تکلف اور شاندار ہوتے ہیں - عموماً صحن میں چھوٹا یا بڑا حوض ہوتا ہے کہ جسمیں ہر وقت پانی جاری رہتا ہے - صحن میں سنگ مرمر یا کسی دوسرے پتھر کا عمدہ پیٹرن کا فرش ہوتا ہے - میرے میزبان کے گھر میں سیاہ سُرخ اور سفید پتھر کا فرش تھا وسط صحن میں ایک ہشت پہلو حوض تھا - جسمیں فوارہ شب و روز

جاری رہتا تھا۔ اُن کے کھانے کے کمرہ میں (کھانا میز پر کھایا جاتا تھا) الماری میں ایک اور فوارہ جاری تہا۔ کہ جہاں سے میز پر سے پانی کا گلاس بھر سکتے تھے۔ کمرے کھلے ہوادار تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی استانبول کی طرح سوتے زمین پر ہیں۔ اور مجھے بھی زمین کا بستر دیا گیا تھا۔

مسلمانانِ ہند ایک قاضی صاحب سے دوران گفتگو میں نے کہا کہ مندر (نشست) کا دستور ہندوستان میں نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں مندر نہیں تہا۔ یہ بعد کی ایجاد ہے۔ ایک اور مولوی صاحب نے ہندوستان کے مسلمانوں اور خصوصًا طلبائے مدارس کی دینی حالت کی نسبت سوال کیا۔ اور جب میں نے انہیں بتلایا کہ سرکار کسی نہج سے امور مذہبی میں مداخلت نہیں کرتی تو کہنے لگے کہ حدیث شریف میں آیا ہے صحت اور امن دو خفیہ مگر بڑی نعمتیں ہیں۔ ان کیلئے شکر کرنا چاہیئے۔

دعوت جب بعض اصحاب نے میری دعوت کی تو میرے فیاض میزبان سید عطا افندی گیلانی زادہ نے بھی مناسب سمجھا کہ بعض صاحبان کی دعوت کیجائے میز پر کھانا کھایا گیا۔ مگر میزبان صاحب خود بہ عذر کر کے کھانے میں شامل نہ ہوئے کہ عرب کا دستور ہے کہ میزبان مہمانوں کی خدمت میں کھڑا رہتا ہے۔ کھانوں میں بعض خاص عربی اور بعض ترکی تھے۔ اور ایک کا نام "شیخ محشی" تھا۔ انگور کیسے اعلےٰ درجہ کے تھے۔ ایک ایک دانہ انچ سوا انچ کے برابر ہوگا۔ جو نواح دمشق کے ایک خاص قصبہ کے بڑے مشہور انگور ہیں۔

افغان قسطنطنیہ میں بھی ایک افغان خوشنویس اور ایک دو اور افغان ملے تھے۔ یہاں بھی دو افغان ملے ہیں جنمیں سے ایک زرگر داد محمد ۹ سال سے یہاں رہتا ہے۔ یعنے جبکہ پہلی مرتبہ انگریزوں نے قندہار پر قبضہ

کیا تھا۔ تو وہ چلا آیا تھا۔ اب صاحب اولاد و اعتبار ہے۔ ایک اور ملا حیدر مہوسی مُہرکن ہے۔ اسکی تین بیویاں ہیں۔ اور عمر ۶۵ سال کی ہو۔ کہتا تھا اگر روپیہ ہوتا تو ایک پندرہ سال کی اور لڑکی سے نکاح کر لیتا۔

عسکریوں کی روٹیاں بازاروں میں روٹیوں کے ٹوکرے لئے ہوئے بہت لوگ روٹیاں تول تول کر بیچتے ہیں۔ اور لوگ گھروں کے لیئے خرید لیجاتے ہیں اسی طرح شوربہ بھی دیگچوں میں پکتا ہوا دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ روٹیاں اور شوربہ عسکریوں (فوجی سپاہیوں) کا ہوتا ہے۔ کہ جنہیں سرکار سے روزمرہ کی پکی ہوئی راشن (رولی) ملتی ہے۔ اور ہفتہ میں دو مرتبہ پلاؤ بھی ملتا ہے۔ کہ جسکا کچھ حصّہ وہ بیچ ڈالتے ہیں۔ کیونکہ کھانا ہمیشہ انکی ضرورت سے زیادہ دیا جاتا ہے۔

میونسپلٹی یعنے بلدیہ بلدیہ کی آمدنی کا زیادہ حصّہ چونگی سے ملتا ہے لیکن اسکا کچھ حصّہ خزانہ سرکاری میں بھی چلا جاتا ہے۔ اور باقی انتظام شہر میں خرچ ہوتا ہے۔ انتظام بلدیہ اہل شہر کے ہاتھ میں ہی ہوتا ہے کہ جنہیں والی (گورنر) کی رضامندی کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے۔ اسکے سوالئے مکانات کی قیمت پر بھی گورنمنٹ ایک فیصدی سالانہ ٹکس وصول کرتی ہے۔ اور مکانات کے کرایہ یا آمدنی میں سے بھی کچھ حصّہ سرکار کا ہوتا ہے۔ چوکیداروں کے لئے ایک علیحدہ محصول وصول کیا جاتا ہے۔ بخلاف استانبول کے یہاں کے بعض بازار بارہ ایک بجے شب تک بھی کھلے دیکھے۔ جبکہ روشنی بھی تھی۔ اور کہیں کہیں چوکیدار بھی کھڑے تھے جو ہمیں دیکھکر سیٹی بجاتے تھے جسکا مطلب یہ معلوم ہوا کہ ہم تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

دروزی جبل لبنان جبل حوران اور دمشق میں مسلمانوں کا ایک فرقہ اس نام سے مشہور ہے۔ جو اکثر اعتقادات مثل توحید و نبوت میں مسلمانوں سے

بہت مختلف ہے۔ عام مشہور یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہبی اعتقادات کو بہت مخفی رکھتے ہیں۔ یہانتک کہ جب ان کے اپنے بیٹے بھی بیس پچیس سال کی عمر کو پہنچتے ہیں تب انہیں اپنے اسرار مذہبی بتلاتے ہیں۔ اور انہیں مخفی رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ انکا عقیدہ یہ بھی مشہور ہے کہ جو دُرزی کوہ لبنان پر مرتا ہے۔ وہ ہندوستان یا چین میں جاکر دوسرا جنم لیتا ہے کیونکہ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ قاموس الاعلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پنجشنبہ کی شام کو اپنے معبد میں کہ جسے "خلوت" کہتے ہیں ان کے وہ لوگ جمع ہوتے ہیں کہ جنہیں "عقال" کہتے ہیں۔ اور "جُہال" کو اس کے اندر داخل نہیں ہونے دیتے۔

دمشق سے رخصت ۲۵۔ اکتوبر کو دمشق سے واپسی کا ارادہ تھا۔ عبدالرحمان صاحب زہراوی اخبار نویس سویرے ہی تشریف لائے۔ سردار عبدالحمید خانصاحب سے کل رخصت ہو چکا تھا۔ انہوں نے صبح آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ آج چونکہ والی دمشق بھی جانے والے ہیں۔ اسلئے سویرے سٹیشن پر جانا چاہیئے۔ کیونکہ ریل بھی سویرے روانہ ہوگی۔ گویا کہ معمولی ریل کے وقت کو بھی گورنر صاحب کا لحاظ تھا۔ غرض عطا افندی صاحب کی گاڑی پر ہم تینوں سوار ہو کر سٹیشن کو گئے جو شہر سے خاصی دور ہے۔ ہم سے پہلے سردار زادہ محمود بیک ان کے برادر زادہ حبیب اللہ خاں۔ محمد اسلم صاحب مُفتی۔ ملا حیدر صاحب افغانی بھی مجھے وداع کرنے کے لئے سٹیشن پر موجود تھے۔ یہ سب بغلگیر ہوئے اور محبت اور گرمجوشی کے ساتھ مجھے خدا حافظ کہا۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ جیسے چھ سات روز پہلے تم بطور اجنبی کے اس سٹیشن پر وارد ہوئے تھے۔ آج تم یہاں غریب الدیار نہیں ہو۔ کیونکہ ہم اتنے آدمی تمہیں باچشم پُرنم وداع کرنے ہیں۔

جہاز کی روانگی گو میرا ارادہ بعلبک کے مشہور کھنڈرات دیکھنے کا تھا۔ جو راستہ میں ایک سٹیشن سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں۔ لیکن چونکہ بیروت سے دوسرا جہاز دیر میں ملتا اسلئے میں سیدھا بیروت پہنچا۔ اور ۳۰۔ اکتوبر کی شام کو وہاں سے اسکندریہ جانے والے جہاز پر سوار ہوگیا۔ جو دوسری صبح بندر یافہ پر پہنچا۔

بیت المقدس گو میں بھی اور مسافروں کے ساتھ جہاز سے اتر کر یافہ میں گیا۔ اور دن بھر شہر کی سیر کی اور وہیں کھانا بھی کھایا مگر شام کو جہاز پر واپس آگیا۔ گو مجھے بیت المقدس کی زیارت کا بڑا شوق تھا۔ جو بذریعہ ریل یافہ سے صرف چار گھنٹہ کا راستہ ہے۔ لیکن اس اندیشہ سے کہ پھر شاید کم وبیش ایک ہفتہ بھر یافہ میں جہاز کے انتظار میں پڑا رہنا پڑے میں نے بیت المقدس کا قصد ملتوی کر دیا۔ گو اسکے بعد ہمیشہ مجھے افسوس ہوا کہ اتنا قریب پہنچکر بیت المقدس نہ دیکھ سکا۔

بندر یافہ بوجہ چٹانوں کے یہاں کا بندر بہت خراب ہے۔ اور بیروت سے سن لیا تھا کہ یہاں کے کشتی بان بڑے شریر ہیں۔ اور اپنی محنت سے بہت زیادہ کرایہ مانگتے ہیں۔ اور طرح طرح سے دق کرتے ہیں۔ مثلاً تمہیں جہاز سے شہر تک ایک فرانک کو لیجائیں گے۔ اور واپسی کے وقت اگر ذرا بھی سمندر خراب ہوگا۔ جو یہاں تھوڑی سی ہوا سے بھی چٹانوں کے باعث برہم ہو جاتا ہے۔ تو ایک گنی پر بھی جہاز تک نہ لائینگے۔

یافہ بیت المقدس سے ۴۵ میل بذریعہ ریل شمالی مغرب کی طرف ساحل شام پر واقع ہے۔ یہ نہایت قدیم شہر ہے۔ یونانی جغرافیوں میں اسے "یوپہ" اور توراۃ میں "یافو" لکھا ہے۔ شہر یافہ ۲۳ ہزار کی آبادی ہے لیکن بوجہ بیت المقدس کا بندرگاہ ہونے کے یہ نہایت ضروری مقام ہے تمام دنیا سے عیسائی اور یہودی زائرین بیت المقدس کی زیارت کے لئے

یہاں آتے ہیں۔یہودی بہت زیادہ ہیں۔ جنکے لمبے تاجوں اور زلفوں سے انکا پہچاننا مشکل نہیں۔ شہر میں کوئی مقام قابل دید نہیں۔ بازار تنگ اور دوکانیں تاریک ہیں۔ بیت المقدس کی صدف کی بنی ہوئی چند قلمیں اور تسبیحاں وغیرہ خریدیں جو یہاں سے بطور تبرک تمام دنیا میں جاتی ہیں۔ یہاں بھی روسی فرنچ جرمن اور ترکی ڈاک خانے پہلو بہ پہلو واقعہ ہیں۔ میوہ جات یہاں بہت ارزاں ہیں۔ انگور بالٹا سنگترے (کہ جنہیں یہاں پرتقال کہتے ہیں) انار اور ہندوانے اور زیتون بکثرت موجود تھے۔ ایک عام نانبائی کی یہاں بین مثالک کو روٹی اور حمص لیکر کھایا۔ مگر اسکے یہاں بھی میز پر سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ یہاں کی گنوار عورتوں کے منہ پر عجیب قسم کا پردہ یا برقعہ دیکھا۔ آنکھوں کے نیچے اور ناک کے اوپر ایک کپڑے کا ٹکڑا لٹکایا جاتا ہے جسکے نیچے دونی کے برابر گول سکے بطور جھالر کے لٹکائے جاتے ہیں جس ان کی شکل خاصی ڈراؤنی ہو جاتی ہے۔ شام کو یہاں سے جہاز روانہ ہوکر دوسری صبح بندر پورٹ سعید پر پہنچ گیا۔

شامی عیسائی عازمان امریکہ یہ جہاز فرانسیسی کمپنی میسجز مریٹیم کا تھا جسمیں بجائے تین کے چار درجے مسافروں کے لئے ہوتے ہیں۔ اسطرح اسکے تیسرے درجہ کے مسافروں کو بھی کمرے اور بستر ملتے ہیں۔ اور ڈیک کے مسافر چوتھے درجہ کے مسافر کہلاتے ہیں۔ جہاز میں پانچ چھ سو سے کم مسافر نہوں گے جنکا زیادہ حصہ ڈیک پر سفر کرنے والوں کا تھا۔ تمام مسافر شام اور عرب کے سواحل کے ہیں۔ جو اکثر بلکہ تمام عیسائی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ انکے ہمراہ بے پردہ عورتیں ہیں۔ اور یہ سب سوائے بعض حبشنوں اور بعض گنوار عورتوں کے ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں جیسے کہ یوروپ میں عام عورتیں پہنتی ہیں چونکہ حبشنیں مسلمان ہیں اسلئے انکا لباس بالکل پردہ دار ہے۔ بعض جاہل لوگ رات دن جہاز پر گانے بجاتے رہتے ہیں۔ جتنے عربی گیت

یہاں رات دن سنتا رہتا ہوں یہ عمر بھر کے لئے کافی ہونگے۔ اوّل دوم اور سوم درجہ کے مسافروں کے ڈک پر زیادہ مہذب شامی اور ارمنی عیسائی موجود ہیں۔ جو تعلیم یافتہ ہیں۔ ان میں سے اکثر عربی ناولیں پڑھتے رہتے ہیں۔ کیونکہ فرنچ انگلش اور جرمن وغیرہ یورپین زبانوں سے انہیں عیسائیوں کی بدولت بہت سے ناول عربی میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ایک شام کو یہ مہذب شامی اپنے ڈک پر دیر تک ملکر عربی گیت گاتے رہے۔ اور کچھ دیر تک ترکی حکام کے تحکم اور تشدد کی نقل بھی تضحیک کے پیرایہ میں اتارتے رہے۔ میرے کمرہ میں بعلبک کے رہنے والے دو عیسائی بھائی تھے۔ جو برٹش کولمبیا (امریکہ) کو جارہے تھے۔ ساتھ کے کمرہ میں ایک عورت معہ تین لڑکوں اور ایک لڑکی کے برشیتا غو (شکاگو۔ امریکہ) کو جارہی تھی۔ جہاں اسکا شوہر کئی سال سے مخزن (دوکان) کررہا تھا۔ ان سے معلوم ہوا کہ اسوقت ایک لاکھ سے بہت زیادہ شامی عیسائی امریکہ میں آباد ہیں اور مختلف قسم کی تجارت اور صنعت وحرفت میں مصروف ہیں۔ وطن میں انہیں کچھ کام نہیں ملتا۔ اسلئے امریکہ کو چلے جاتے ہیں۔ جہاں انہوں نے بہت سی دولت کمائی ہے۔ ناموری پیدا کی ہے۔ وہاں ان کے کارخانے، دوکانیں علیحدہ بازار گرجے اور اخبارات عربی میں جاری ہیں۔

مصر

نسیمے کز دیار مصر خیزد ۔ کہ در چشم غبار مصر بیزد
بازار مصر میں چل یوسف کا تماشا کر ۔ کھوٹے کھرے کا سودا کھل جائیگا چلن پر

پورٹ سعید یافہ سے جہاز شام کو روانہ ہوکر دوسری صبح پورٹ سعید جا پہنچا۔ یہ پورٹ یعنے بندر نہر سویز کے کھود دے جانے کے بعد سعید پاشا خدیو مصر کے نام سے مشہور ہوا ہے کہ جسنے اس نہر کے کھودنے کی ۱۸۵۴ء میں اجازت دی تھی اور اب خاصا بارونق شہر ہے ۱۸۹۶ء آبادی ۴۲۰۹۵) یورپین طرز کا سمندر کے کنارے اور نہر کے دہانہ پر واقع ہے چونکہ یوروپ سے ایشیا و آسٹریلیا کو جانے والے تمام جہاز نہر سویز میں سے ہوکر گذرتے ہیں اسلئے یہ بندر دنیا میں سب سے بڑا کولنگ سٹیشن ہے۔ یورپین حصہ کے مکانات اور دوکانیں عالیشان اور فیشنیبل بمبئی کے طرز کی۔ یورپین اسباب سے پُر ہیں۔ بازار کشادہ ہیں کہ جنہیں سے بعض میں گھوڑے کے ٹرمیوے چلتی ہے۔ اسکے پیچھے عربی حصہ شہر کا ہے جسکے بازار تنگ اور گلیاں پیچیدہ ہیں۔ شہر سے الگ ایک طرف تھوڑی سی آبادی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ کسبیوں کی آبادی ہے۔ جسے شہر سے الگ کر دیا گیا ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ جاپان کے پایہ تخت ٹوکیو میں بھی اسی طرح رنڈیوں کی آبادی شہر سے خارج ایک علیحدہ مقام میں رکھی گئی ہے۔ ممالک عثمانیہ میں جہاں حکومت شریعت کے مطابق کیجاتی ہے۔ رنڈیوں کو ایسی آزادی نہیں ہے کہ ان کا وجود بر ملا تسلیم کیا جائے۔

مصری سکے یہاں میں نے مدت کے بعد انگریزی اخبارات اور کتابیں بکتی دیکھیں اور ہسپٹ و ڈین لنڈن کے اخبارات اور ایک مصر کا گائیڈ خریدا۔ تو قیمت دینے کے وقت مصری سکوں سے واقفیت پیدا کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ گو یہ بھی معلوم ہوا کہ انگریزی فرانسیسی ترکی سکے بھی بندرگاہوں پر چل جاتے ہیں

اور سونے کے سکے ہر ملک کے چلتے ہیں۔ مگر مصری سکہ کے خوردہ کی تفصیل معلوم کرنے ہر مسافر کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

تین سونے کے سکے۔ ۱۰۰۔ ۵۰ و ۲۵ غرش صاغ قیمت کے۔

پانچ چاندی کے سکے۔ ۲۰۔ ۱۰۔ ۵۔ ۲ و ۱ غرش " " " ۔

تین نکل کے سکے ۔ ۵ ۔ ۲ و ۱ ملیم کے۔

(ہر مصری پونڈ یا لیرہ یا جنی (گنی کا معرب) قیمت میں ایک سو غرش صاغ کا ہوتا ہے۔ اور ہر غرش صاغ ۱۰ ملیم کا۔ گویا ایک مصری لیرہ ایک ہزار ملیم مصری یا بیس شلنگ ۶ پنس انگریزی یا قریبًا ۲۶ فرانک فرانسیسی یا پندرہ روپے چھ آنے ہندوستان کا ہوتا ہے)

گو غرش یا قرش کا چلن دیگر بلاد عثمانیہ میں بھی ہے۔ لیکن قسطنطنیہ کا قرش کہ جسے یہاں قرش تاریفہ کہتے ہیں ہندوستانی دو آنہ کے برابر ہوتا ہے اور یہاں کا ہندوستان کے اڑھائی آنہ کے برابر۔ ۲۰ غرش کا چاندی کا سکہ یہاں ریال کہلاتا ہے۔ جو سیلہ ہندوستانی کا معادل ہے

مصری گرانی اسی طرح مصری گرانی کا بھی مجھے سرزمین افریقہ پہ پہلے روز تمام سمجھنے ہی حال معلوم ہو گیا۔ میری ترکی ٹوپی کی حالت اچھی نہ تھی۔ میں نے راہ چلتے بازار میں ایک ٹوپیاں قالب کرنے والی دوکان دیکھکر اپنی ٹوپی اتار کر قالب کرائی اور جب قسطنطنیہ کی طرح ایک متالک قالب کرنے والے کو دیا تو اسنے لوٹا دیا اور کہا کہ یہ استانبول اور بیروت نہیں بلکہ پورٹ سعید ہے۔ اور پھر معلوم ہوا کہ مصر میں ہر چیز گران ہے۔ بلکہ قاہرہ میں تو بعض چیزیں اور مکانات یوروپ سے بھی گران ہیں۔

ادنےٰ مصریوں کی کمینہ حرکات مصر میں جتنے قلیوں۔ مزدوروں۔ یکہ بانوں اور گاڑیبانوں وغیرہ سے مجھے سابقہ پڑا ہے میں نے سب کو نہایت کمینہ اور دغاباز۔ بلکہ بدمعاش پایا ہے۔ مصر کے اصلی باشندے فطرتًا بہت ادنےٰ اخلاق کے

معلوم ہوتے ہیں۔ اور پھر ان میں سے جو اجنبی سیاحوں اور مسافروں سے ملنے والے
ہیں وہ نہ ہوگا دینے منت خوشامد بلکہ ضد کرنے میں بھی بڑے مشاق ہو جاتے
ہیں۔ ان کی غرض صرف کسی نہ کسی حیلہ سے اپنی جیبیں پُر کرنے کی ہوتی ہے۔
ایک وجہ یہی ہے کہ چونکہ یورپ اور امریکہ کے دولتمند لوگ یہاں آتے رہتے
ہیں۔ اسلئے جو مزدوری اُن سے ان لوگوں کو مل جاتی ہے۔ وہ دوسرے لوگ
نہیں دے سکتے اسلئے یہ زیادہ تقاضا کرتے ہیں۔ پورٹ سعید میں راہ چلتے ایک
دس بارہ سال کا لونڈا میرے ساتھ ہولیا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی اور اردو میں
کہنے لگا۔ میں تمہیں بازار دکھلاؤنگا۔ اور ایک گھنٹہ کے تین پنس لینے منظور
کئے۔ تھوڑی دیر ادھر اُدھر پھرنے کے بعد میں نے ایک لوکنده میں کھانا کھانا چاہا
اور اُسے اُسکے پیسے دیکر کہا تم چلے جاؤ۔ مگر اُسنے کہا مجھے جانے کی کوئی
جلدی نہیں اور وہیں ٹھیرا رہا۔ پھر لوکنده کے مالک کے کان میں کچھ کہا (جسکا
مطلب غالباً یہ ہوگا کہ یہ اجنبی ہے اس سے زیادہ پیسے مانگو) چنانچہ میرے
خیال میں اُس نے پیشتر بہت زیادہ دام لیا۔ اور وہیں میرے سامنے کچھ پیسے
اس لڑکے کو دیدئے۔ ایسے ہی آج کشتی بان نے جو مجھکو جہاز سے لایا تھا۔
اور جس نے میرا پاسپورٹ ایک جگہ دکھلایا تھا۔ مجھ سے جہاز پر پہنچکر لڑ جھگڑ
کر ... سے دوگنے پیسے لیکر میرا پیچھا چھوڑا۔ میں پہلے اسباب لیکر
خشکی پر گیا تھا۔ کیونکہ میرا خیال پورٹ سعید سے بذریعہ ریل قاہرہ کو جانیکا
تھا۔ لیکن پھر کسی وجہ سے بذریعہ جہاز سکندریہ دیکھکر قاہرہ پہنچنا پسند کیا
چنانچہ یہاں سے تمام کو چلکر دوسری صبح کو جہاز بندر اسکندریہ پہنچ گیا۔

مصری عورتوں کا برقعہ

اجنبی کو پورٹ سعید میں جو بات سب سے پہلے نرالی معلوم ہوتی ہے
وہ عورتوں کا ایک برقعہ یا پردہ کا سامان ہے اور یہی سکندریہ
قاہرہ اور مصر کی سب عورتوں کے چہرہ پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک لکڑی یا
پیتل ... کی نال کی صورت کی بنی ہوتی ہے۔ جس میں تاگا پروکر اس کو

سر سے ایسے طور سے باندھا جاتا ہے کہ یہ سیدھا ناک کے طول پر قایم رہتا ہے اور ناک کے نیچے سے ایک سیاہ رومال ناف تک لٹکتا ہے۔ پیشانی پر سیاہ یا سفید پٹی باندھی جاتی ہے۔ جس سے صرف عورتوں کی آنکھیں ننگی رہ جاتی ہیں اور باقی جسم سیاہ چادر سے خوب ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ ہرچند کہ یہ پردے کا بہت اچھا طریقہ ہے۔ مگر ناک پر کی پیل ایسی مکروہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے گھن آتی ہے۔ علاوہ اس کے مصر کی عورتیں بھی استانبول و شام وغیرہ کی عورتوں کی طرح بازاروں میں پھرنے کی بڑی شوقین ہیں۔ چنانچہ جس روز میں سکندریہ میں پہنچا۔ وہاں کے ایک روزانہ اخبار "النصیر" میں دیکھا کہ حکومت کی طرف سے صرف دو تین روز پہلے ایک حکم نافذ ہوا ہے۔ جسکا منشا یہ ہے کہ عورتوں کو بعد از شام بازاروں میں پھرنے سے روکا جاوے۔ سر جارج نیونس جو لنڈن کے رسالہ "ٹٹ بٹس" اور سٹرینڈ میگزین کے مشہور بانی اور مالک ہیں اپنی سیاحت مصر کے حالات میں مصری عورتوں کے پردے کی نسبت حسب ذیل فقرہ چست کرتے ہیں:-

مصری اور یورپین عورتوں کے حسن کا مقابلہ

عورتوں کا لباس بھی مردوں کی طرح بہت ڈھیلا (پاؤں تک لٹکتا ہوا) اور زیادہ تر سیاہ ہے۔ ان کا مذہب انہیں مجبور کرتا ہے کہ سوائے اپنی سیاہ آنکھوں کے باقی چہرہ کو برقع میں چھپائے رکھیں جو کہ اُن کے سر کے لباس سے ایک پیتل یا لکڑی یا چاندی کے "ناک کے پل" سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ جو شطرنج کے بادشاہ یا رُخ کی شکل کا ہوتا ہے۔ چند عورتوں کے چہرے جو ننگے دیکھے گئے۔ اُن سے ہر شخص کو اس مذہب کا شکرگذار ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس میں عورتوں کے چہروں کا چھپانا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ بوجہ حبشی اور سوڈانی خونوں کی شرکت کے مصر میں بہت عورتیں سیاہ یا سانولے رنگ کی ہیں۔ اور اسلئے سر جارج نیونس کو یہ فقرہ ایجاد کرنا پڑا ہے

کاش یہ بیچارے شام کا بھی سفر کرتے تو میرے ساتھ اس خیال میں متفق ہوتے
کہ ایسے ہی جہان آشوب حسن کے فتنہ کو دبانے کے لئے پردے کی ضرورت
اسلام نے تسلیم کی - کہ جس ضرورت کو اہل یورپ اپنے یہاں کے بے ملاحت
حسن کی وجہ سے محسوس نہیں کرسکتے - اور پردے کے سوا کام چلا رہے ہیں

سکندریہ کے دلالوں سے بچو

سکندریہ کا بندر بہت عمدہ ہے - کہ جسمیں جہاز سیدھا گودی سے
آلگتا ہے - کشتی کی ضرورت نہیں پڑتی - جہاز کی گودی سے
لگنے کی دیر تھی کہ جھٹ بیسیوں قلی اور ہوٹلوں کے دلال جہاز میں گھس آئے
اور چونکہ اکثر مسافر یہیں اترنے والے تھے - اسلئے رستخیز کا سمان پیدا کر دیا
ایک شخص نے مجھے کہا کہ میں فلان ہوٹل والا ہوں ایک فرانک کو بہت اچھا
کمرہ دونگا - مینے اسکے ہمراہ چلنا منظور کیا - اسنے میرا اسباب نکلوا کر گاڑی
میں رکھوایا - اور ایک شخص میری ہمراہ گاڑی پر بیٹھ گیا - اتنے میں چونگی
میں اسباب دیکھا گیا - اور میرا پاسپورٹ پولیس نے یہ کہکر رکھ لیا کہ
انگریزی کانسلیٹ سے تمہیں واپس ملیگا - راستہ میں اس شخص نے میرے ہمراہ
گاڑی پر بیٹھ گیا تھا - مجھے کہا کہ یہاں ایک فرانک کو کمرہ ملنا مشکل ہے
تمہیں دو فرانک کو کمرہ لیدونگا - آخر بڑی بحث کے بعد اسنے ایک ہوٹل
میں ڈیڑھ فرانک کا کمرہ لیدیا - جسپر لکھا ہوا تھا - کہ اس کمرہ کا کرایہ ایک
فرانک ہے - مزدوروں کو زیادہ کرایہ دلوایا - ہوٹل کو ڈیوڑھا دلوایا - گاڑیبان
کو دگنا دلوایا - اور آدھ گھنٹہ کے تقاضا کے بعد دس غرش خود لیکر گیا -
بحالیکہ اسنے میری کچھہ خدمت نہ کی تھی - گویا ۵۲ غرش یا قریب چار روپیہ
میں جہاز سے ہوٹل کے کمرہ تک پہنچا - یہ دلال کمبخت ایسے ڈھیٹھ اور تجربہ کار
ہوتے ہیں کہ جھڑکی یا انکار کی کچھہ پرواہ نہیں کرتے - انمیں سے بعض کی
ڈھیٹھائی تو بدمعاشی تک پہنچ جاتی ہے - یہاں بازار میں مصر کے فوٹوگراف
بیچنے کا بھی رواج ہے - مینے ایک نوجوان سے کچھ فوٹوگراف دیکھکر منتخب کیئے

لیکن وہ بہت زیادہ قیمت مانگتا تھا۔ آخر میں نے اُسے لوٹا دیئے۔ تو وہ بدمعاش خفا ہو کر مجھ پر حملہ کرنے کو تیار ہو گیا اور سخت وسُست کہنے لگا۔

تاریخی اسکندریہ سکندر اعظم نے ۳۳۲ قبل مسیح میں اپنے نام پر اس شہر کو آباد کیا۔ جو بعد میں یونانی اور رومی حکام کے عہد میں نہایت آباد اور ہر طرف سے مرجع تجارت ہو گیا۔ کیا سکندر اعظم کا یہاں کے بندرگاہ کو وسیع اور استوار کرنا۔ کیا بطلیموس ثانی کا فاروس نامی مشہور روشنی کا مینار بنانا (جو عالم کے سات عجائبات قدیم میں شمار ہوتا تھا) کیا مصر کی مشہور خوبصورت ملکہ کلیوپیٹرا کا اپنے نام سے سنگین ستون نصب کرنا۔ (جن میں سے ایک خدیو اسمٰعیل پاشا نے ۱۸۷۸ء سے لنڈن میں بھیجا اور دوسرا ۱۸۸۰ء سے نیویارک میں جو دونوں اُن شہروں کی زینت بنے ہوئے ہیں) کیا حکیم اقلیدس۔ مہندس۔ ایراٹوستھنز و بطلیموس جغرافیہ دانوں اور ہپارکس استاد ہیئت کا یہاں فیضان۔ یہ سب پُرانے واقعات ہو گئے ہیں۔ ایسے ہی بعض متعصب عیسائیوں کا وہ الزام بھی بے بنیاد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ گو سکندریہ کا بڑا کتب خانہ کہ جسمیں سات لاکھ کتابیں علاوہ اسکے متعلقہ رصد گاہوں عجائب خانوں اور حیوانات و نباتات کے باغات کے جمع تھیں۔ قیصر کے جنگوں ۴۸ و ۴۷ قبل مسیح میں آتشزدگی سے تلف ہو گیا تھا۔ لیکن چھوٹا کتب خانہ عمرو بن عاص نے خلیفہ عمرؓ کے حکم سے جلا دیا تھا۔ تاہم بعض دیگر منصف مزاج عیسائی مصنف ہی اسکی تردید بھی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسے تھیوڈوسیس کے حکم سے ۳۸۹ء میں جلایا گیا تھا۔ بہر حال وہ اسکندریہ جو قدیم سائنس فلسفہ اور علم و ہنر کا معدن تھا۔ اور جسمیں کہ سلاطین بطلیموس کے عہد میں ساڑھے سات لاکھ کے یونانیوں مصریوں رومیوں اور یہودیوں وغیرہ کی آبادی تھی اٹھارہویں صدی کے آخر میں یعنے خدیو محمد علی کے زمانہ تک یہ صرف چھ ہزار آدمیوں کی بستی رہ گیا تھا ۱۲۱۳ ہجری میں جبکہ مسلمانوں نے اس شہر پر قبضہ

گیا تو حضرت عمرؓ نے ایک خط میں اس شہر کی تعریف میں تحریر فرمایا تھا کہ اسمیں چار سو حمام اور چالیس ہزار یہودی آباد ہیں۔ اسکے بعد پھر ایک مرتبہ رومیوں نے اسے تباہ کیا۔ اور پھر قاہرہ پایۂ تخت اسلامی ہو جانے کی وجہ سے بھی اسکی رونق کم ہو گئی۔ مگر خلیفہ مروان بن عبدالعزیز کے عہد میں پھر یہاں کی آبادی چھ لاکھ ہونے کا پتہ ملتا ہے۔ لیکن صلیبی جنگوں کے زمانہ میں عیسائیوں کی تاخت و تاراج سے پھر شہر بے چراغ ہو گیا اور اسکی تجارت باقی نہ رہی۔

سکندریہ کی عمارات و پر رونق بازار۔

سکندریہ میں پہنچنے سے پہلے مجھے شان و گمان بھی نہ تھا کہ سرزمین افریقیہ پر بھی ایسا شہر موجود ہو سکتا ہے کہ جنکی عالیشان عمارتیں پیرس اور ویانا کو یاد دلادیں۔ مگر واضح رہے کہ میں یورپین حصہ کی عمارات کا ذکر کر رہا ہوں۔ جہاں کے وسیع بازار اور دو رویہ چار چار پانچ پانچ منزل کی عمارتیں دکانیں اور قہوہ خانے یورپ کے کسی اچھے سے اچھے پایۂ تخت کے لئے باعث زیب و زینت ہو سکتی ہیں۔ خصوصاً بڑا چوق جسے منشیہ کہتے ہیں جس میں عدالت العالیہ اور مکمل یورپین صرافہ بھی واقع ہیں۔ اور بیچ میں خدیو اول محمد علی پاشا کا رویں اسپ سوار بت نصب ہے۔ یہ پہلا عمامہ والا بت ہے۔ جو میں نے آج تک دیکھا ہے گھوڑے کے زین رکابیں اور سوار کے کپڑے سب اسی زمانہ کے ہیں۔ قاہرہ کے یورپین کوارٹر کی نافت شارع ازبکیہ میں جو ابراہیم پاشا کا اسپ سوار بت نصب ہے۔ وہ ترکی ٹوپی پہنے ہوئے ہے۔ ان دونوں نامور خدیووں کو دیکھ کر انکے دلاورانہ کارنامے یاد آ جاتے ہیں۔ اگر ان کے جانشین بھی ایسے کام کرتے جیسے کہ انہوں نے کئے تھے۔ تو خدا جانے آج مصر دنیا بھر کی قسمتوں کا مالک ہوتا۔ یورپین حصہ کے بازار نہایت کشادہ اور سیدھے ہیں دکانیں یورپین اسباب سے آراستہ۔ پتھر کی سڑکیں۔ اطراف میں پیدلوں کے چلنے کے فٹ پاتھ ہیں۔ منشیہ میں رونق کی یہ حالت ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے اس وسیع چوق کے درمیان میں ایک بلند چبوترہ دور تک چلا گیا ہے۔ جسکو

بہت سے درخت ہیں۔ ان کے سایہ میں قہوہ خانوں کی ہزاروں کرسیاں اور میزیں پڑی ہوئی ہیں۔ اور دن بھر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ جو قہوہ پیتے گپیں ہانکتے اور اخبارات پڑھتے ہیں۔ بوٹ برش کرنے والے لڑکے سینکڑوں ہیں جو بار بار دق کرتے ہیں۔ ایسے ہی اخباروں بیچنے والے لڑکے۔ ان کے پاس **البصیر** اور **الاہرام** روزانہ اخبار اور **انیس الجلیس** ماہوار رسالہ علاوہ ایک فرانسیسی اخبار الگزینڈری اور یونانی ایمونیا کے ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ یورپین اخبار بہت نکلتے ہیں۔ مگر ان کی قیمتیں دوگنی تگنی لیتے ہیں۔ ہر چند کہ قاہرہ بہت بڑا شہر ہے اور اس میں یورپین آبادی اور یورپین دکانیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ تاہم سکندریہ کے مکانات کی عظمت ان سے چھپ نہیں سکتی۔ سکندریہ میں برقی ٹریم کے ساتھ جو کہ ایک بازاروں میں پھرتی ہے اور نواح شہر کے تفریح گاہوں رملہ وغیرہ کو جاتی ہے۔ برقی روشنی بھی ہے۔ سفید وردی والے پولیس بہت ممتاز معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں میوجات کثرت سے ہیں جتنے دکانیں لبریز نظر آتی ہیں۔ ان میں اکثر یورپ کے آئے ہوئے میوے بھی ہیں۔ جیسے شکر قند روسی، گلستان، نارنگیاں فرانس سے۔ انگور یونان سے۔ خربوزے سمرنا اور سیلان (اٹلی) سے۔ اور تربوز انجیر یا اور سپین سے جہازوں میں آتے ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں کل مال درآمد ۱۵ ملین پونڈ کا اور برآمد خصوصاً روئی وشکر $18\frac{1}{4}$ ملین پونڈ کا تھا۔ گرما میں چار ماہ کیلئے خدیو بھی معہ اپنے دربار کے یہاں اپنے قصر راس التین میں آجاتے ہیں۔

سکندریہ سے قاہرہ تک راستہ

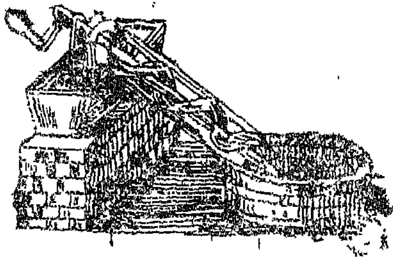
رات دن میں تین مرتبہ ریل گاڑی سکندریہ اور قاہرہ کے مابین آتی جاتی ہے۔ فاصلہ ۱۳۱ میل ہے۔ میں ۷ بجے صبح کو سوار ہو کر ۱۱ بجے قاہرہ پہنچ گیا۔ سیکنڈ کلاس میں بڑے بڑے گدیلے یورپ کے بعض گاڑیوں سے بھی اچھے تھے۔ اور یورپ کی بعض ریلوں کی طرح تمام ٹرین کی گاڑیوں کے درمیان سے راستہ گذرتا تھا۔ یہاں تک کہ معمولی سودا بیچنے والے لوگ

بھی ریل میں چلتے پھرتے اور جرابیں گھڑیوں کی زنجیریں وغیرہ چیزیں بیچا کرتے ہیں۔ اور گارڈ کسی سٹیشن پر گاڑی پہنچنے سے پہلے ہی اس سٹیشن پر اترنے والوں سے ٹکٹ لے لیتے ہیں۔ یہ حال تو ریل کے اندر کی حالت تھی۔ باہر کی کیفیت اور ہی تھی۔ سرسبز کھیتوں اور پانی کی نہروں اور نالیوں نے ایک وسیع باغ کا نمونہ بنا رکھا تھا۔ مصر کے مشہور کپاس اور تمباکو کے کھیت ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اور مصر کا تاریخی فلاح نیلا لمبا چوغہ یا کرتہ پہنکر جو اس کے ٹخنوں تک چلا گیا ہے۔ ان کے کناروں پر ہر طرف پھرتا نظر آتا ہے۔ اور دریائے نیل کا اس سرزمین پر کس قدر فیض ہے۔ اگر نیل نہ ہوتا تو مصر بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ تب تو اس ریگستان سے گزر سکنا بھی مشکل تھا۔ دیکھئے نہر محمودیہ جو محمد علی پاشا نے سلطان محمود اپنے آقا کے نام پر نیل سے سکندریہ تک کھدوائی تھی چلی جاتی ہے تاہم باوجود پانی کی اس بہتات کے ریل میں بیٹھے ہوئے مسافروں کے کپڑوں پر ریت کے ڈھیر جمع ہو جاتے ہیں۔

زیارت وقبر پرستی راستہ میں آٹھ دس سٹیشن پڑتے ہیں جن میں طنطا سب سے بڑا ہے۔ اور یہاں سید احمد بدوی علیہ الرحمۃ کا مدفن ہے۔ جو کہ مصریوں کی نظر میں ویسی ہی احترام کے قابل مقام ہے جیسے کہ ممالک مشرق کے مسلمانوں میں شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کا مزار ہے۔ مصری لوگ بھی بڑے قبر پرست معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ قاہرہ میں بہت سے مزار بزرگوں کے ہیں ان پر زائرین خصوصاً مستورات و مردوں اور زنانہ فقیروں کا بڑا ہجوم رہتا ہے۔

آبپاشی کے طریقے اس امر کے ثبوت کے لئے کہ مصر آبپاشی کا ملک ہے۔ دور اسباب جمع کرنے کی ضرورت نہیں۔ ریل ہی میں بیٹھے ہوئے بیٹھے دیکھا کہ ساتھ ہی کی نہروں سے۔ جو قریب قریب تمام راستہ سڑک کے متوازی چلتی ہیں۔ کئی مختلف آبپاشی کے ذریعوں سے کسان اپنے کھیت سینچ رہے ہیں۔ اکثر کھیتوں میں تو پانی صرف نالہ کاٹ دینے سے آگے جاتا ہے۔ لیکن جن میں

نہیں لگتا - ان میں مندرجہ ذیل وسایل اختیار کیئے جاتے ہیں - اول توچھا لاجو
مشہور طریق ہے - دوم جھٹا - یہ بھی پنجاب میں پایا جاتا ہے - اور یہ نام بھی پنجابی
ہی ہے - ایک لکڑی کی ٹوکری کو چار طرف رسے باندھکر دو شخص اس کے
ذریعے سے بالمقابل کھڑے ہو کر نشیب سے پانی بلندی پر پھینکتے رہتے ہیں - سوم
ایک لکڑی کا دو اڑھائی گز کا لمبا اور بالشت سوا بالشت چوڑا اور تین انچ
اونچا نا بدان - کشتی کی شکل کی طرح - ایک شخص نیچے پانی میں کھڑا ہو کر اُسے
اپنی طرف جھکاتا ہے - اور جو پانی اس میں بھر جائے - جلدی سے یہ سرا اٹھا
کے کھیت میں جا پڑتا ہے - چہارم ڈھینکلی کا طریق ہندوستان میں بھی موجود
ہے - لیکن پانچواں طریقہ ہند میں موجود نہیں - اور تھوڑی گہرائی سے فقط تھوڑی
سے پانی اٹھانے کا یہ سب سے عمدہ طریقہ ہے - اسے حکیم ارشمیدس کا پیچ کہتے
ہیں - یہ ایک لوہے کے پترے کا دو اڑھائی گز لمبا اور ڈیڑھ بالشت قطر کا نول
ہوتا ہے - اس کے بیچوں بیچ ایک پیچدار دیوار چلتی ہے - ایک سرا اس کا پانی
میں رکھ کر گھمانے سے جتنا پانی اس کے منہ میں گیا تھا - وہ اوپر چڑھ جاتا ہے
اور یہ سلسلہ اسوقت تک جاری رہتا ہے - جبتک اسے ہلاتے جائیں :



اسکو بخوبی سمجھنے کے لئے اس
تصویر کو غور سے دیکھ سکتے ہیں
یہ طریق زمانہ قدیم سے حکیم ارشمیدس
نے جاری کیا تھا - اور اُسی زمانے
سے بلا ترقی یا تنزل کے مصر میں
جاری ہے - لیکن چھٹا طریقہ ونڈمل
یعنی پون چکی کا جدید طریق آبکشی کا ہے - کہ جسکی نسبت میں پہلے کہیں لکھ چکا
ہوں کہ اسے ہندوستان میں ضرور رواج دینا چاہیئے - ساتواں طریق پمپ سے پانی
اٹھانے کا ہے - یہ پمپ ایک آدمی چلا سکتا ہے - مگر اس کے ذریعے سے

جو پانی کی مقدار اس کی نالی سے گرتی ہے - وہ کھیت کی ضرورت کے لئے کافی نہیں ہوسکتی - یہ طریقے آبپاشی کے تمام مصر میں جاری ہیں - اور سب نہایت سیدھے سادے اور ان میں سے اکثر ابتدائی حالت میں ہیں -

قاہرہ کی تاریخ قدیم اہل مصر اپنے پایہ تخت کو قاہرہ نہیں بلکہ مصر کہتے ہیں قاہرہ کی موجودہ جگہ پر جو نیل کے ڈلٹا کی چوٹی سے نو میل نیچے دریائے نیل کے شرقی طرف آباد ہے اور جو بذریعہ ریل سکندریہ سے ۱۲۴ - اور پورٹ سعید سے ۱۴۷ میل کے فاصلہ پر واقع ہے - قدیم زمانہ سے بابلیون یعنی اہل بابل کا ایک شہر آباد تھا - جو اس سے بھی ایک قدیم شہر لاتوپلس کی جگہ تعمیر کیا گیا تھا جو سکندر اعظم کے زمانہ میں موجود تھا - اسی طرح میں ایک مصری قصبہ لولی تکیشرومی اور بعدہ عربی قصبات المکس اور الاکیشہ آباد تھے - سنہ ۱۹ ہجری (سنہ ۶۴۰ء) میں جب حضرت عمر فاروق الخطاب نے عمرو بن عاص کو جو زمانہ جہالت میں چمڑہ اور عطر کی تجارت کے ذریعہ سے مصر سے آمدورفت کا تعلق رکھتے تھے - لشکر اسلام دیکر مصر کو بھیجا تو آپ نے پہلے سکندریہ کو فتح کیا - اور لوٹتے ہوئے اپنا خیمہ مقام موجودہ شہر مصر قدیم کے قریب نصب کیا - اور ان کے خیمہ (فسطاط) کے قریب مسلمان آباد ہوگئے - اسلئے شہر کا نام بھی فسطاط مشہور ہوگیا -

قاہرہ کی اسلامی تاریخ سنہ ۳۵۹ ہجری میں فاطمیین نے جو ٹیونس کے مقام قیروان میں حکومت کرتے تھے بسرکردگی اپنے سپہ سالار جوہر کے مصر پر حملہ کیا - اور انہوں نے فسطاط کے قریب القاہرہ کے نام سے نہایت مبارک ساعت میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی - اور اسے اس سلسلہ سلاطین کا دارالخلافہ بنایا اسی نام کو بگاڑ کر اہل یورپ کیرو کہتے ہیں -

سلطان صلاح الدین ایوبی نے شہر کی خشتی فصیل کو گرا کر شہر کو بہت وسیع کرکے اسکے گرد پتھر کی شہر پناہ تعمیر کی - اور عیسائیوں کو بھی شہر کے اندر آباد ہونے کی اجازت دی - اس سے فرنگیوں کے محلہ موسکی کی بنیاد

پڑ گئی ۔ ساتھ ہی اسی زمانہ سے عیسائی اقوام کی رعایا کو وہ مراعات دینی شروع ہوگئیں کہ جنکی بدولت اسوقت مصر میں بین الاقوام یا مخلوط عدالتیں قایم ہیں ۔ سنہ ۱۵۱۷ء میں مملوک سلاطین کے زوال اور انقلاب خلافت کے بعد قاہرہ ایک ترکی صوبہ کا صدر مقام رہ گیا ۔ اسکے بعد نپولین جنگ کر کے جولائی سنہ ۱۷۹۸ء کو قاہرہ میں داخل ہوگیا ۔ لیکن جب چندماہ بعد اہل مصر نے ایک روز تین سو فرانسیسی مارڈالے تو نپولین نے شدت سے انتقام لیا اور چار ہزار مصری تہ تیغ کردیئے ۔ مگر فرانسیسی قبضہ کی عمر بہت قلیل تھی ۔ سنہ ۱۸۰۵ء میں بابعالی نے محمد علی کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا جسنے سنہ ۱۸۱۱ء میں قلعہ میں ایک دعوت پر مدعو کر کے تمام مملوک رؤسا کو بیدریغ تہ تیغ کردیا ۔

سیدنا حسین سکندریہ سے ایک ایرانی قالینوں کے سوداگر نے مجھے قاہرہ کے ایک اچھے ایرانی (دلوکندہ) کا پتہ دے دیا تھا ۔ دلوکندہ (اصل اطالی زبان سے ہے) جو سیدنا امام حسین علیہ السلام کی تربت کے مقابل واقع ہے ۔ یہ ایک بڑی عالیشان مسجد بہت سے سنگین ستونوں پر تعمیر ہوئی ہے ۔ اور اس کے پیچھے مزار ہے ۔ جسمیں مشہور ہے کہ امام حسین کا سر مبارک کوفہ سے لاکر دفن کیا گیا تھا ۔ اسی وجہ سے اس مسجد میں بڑی رونق رہتی ہے ۔ نمازیوں کے لئے عمدہ قالین بچھے ہوئے ہیں ۔ بکثرت لوگ زیارت کو آتے رہتے ہیں ۔ استانبول کیطرح یہاں بھی اکثر نامور دن کے مزاروں کے ساتھ عالیشان مسجدیں موجود ہیں ۔

سیدہ زینب اسی طرح سیدہ زینبؓ کے عالیشان مقبرہ کے ساتھ جو سنہ ۱۲۱۲ھ کی تعمیر معلوم ہوتی ہے ۔ دریچوں میں رنگین شیشے اور بڑی شاندار نقاشی ہوئی ہوئی تھی ۔ پاس ہی خدیو محمد توفیق مرحوم نے ایک نہایت خوب صورت اور پرتکلف نئی مسجد تعمیر کی ہے ۔ جسمیں چوبیس مرمر کے ستون ہیں اور جسکی چھت پر تکلف منقش ہے ۔ یہاں بھی زایرین کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے ۔ جن میں

عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ جو کہ بکثرت ہسپتال کے جنگلے میں ہاتھ ڈالے کھڑی رہتی ہیں۔ چونکہ میں قاہرہ میں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ میں زمانہ قیام کا اکثر وقت گدھے پر یا گاڑیوں پر ہی سوار رہا۔ کیونکہ قاہرہ میں بہت سے قدیم زمانہ کے آثار۔ مساجد اور مقابر دیکھنے کے قابل ہیں۔

ٹریموے ہر چند کہ یہاں برقی ٹریموے بہت دور تک چلتی ہے۔ یہاں تک کہ اہرام مصری (مصر کے مشہور مخروطی مینار) خاص شہر سے آٹھ دس میل دور ہونگے لیکن وہاں تک بھی برقی ٹریموے جاتی ہے۔ جسکا کرایہ ہر مسافت کے لئے یکساں ہے۔ اور یہاں کے تنگ بازاروں میں چھوٹی چھوٹی آہنی بس گاڑیاں اور وکٹوریا گاڑیاں گھوڑوں سے چلتی ہیں۔ لیکن سب سے بڑی سواری یہاں کے گدھے ہیں۔ جو گو بہت چھوٹے قد کے ہوتے ہیں مگر

گدھے کی سواری بڑے تیز گام سبک رفتار اور مضبوط ہوتے ہیں۔ اور اکثر زن و مرد مصری اور یورپین انپر یکساں سوار ہوتے ہیں۔ ان کا کرایہ بھی سستا ہے۔ اور تنگ اور پیچدار کوچوں میں یا پگڈنڈیوں پر جہاں گاڑیاں نہیں چل سکتیں یہ بڑی تیزی سے مسافروں کو لیجاتے ہیں۔ اسلئے بہت لوگ اس سواری کو پسند کرتے ہیں۔ اس واسطے جابجا بازاروں میں کسے کسائے گدھے مع خربانوں کے نظر آتے ہیں۔ یہ گدھے والے اکثر لڑکے ہوتے ہیں۔ جو تیز رفتاری میں اپنے گدھوں سے کسی طرح بھی کم نہیں ہوتے بلکہ برابر پیچھے سے گدھے کو ار بار کر دوڑاتے چلے جاتے ہیں۔ جب تنگ بازاروں سے گذرتے ہیں۔ تو چلا چلا کر یہ الفاظ بولتے جاتے ہیں "جگلک بینیک۔ یسارک۔ عمی۔ اخوی"۔ جگلک سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے یعنی آگے چلنے والے شخص کو کہتے ہیں کہ ایک طرف ہٹ جا۔ تیرے ٹخنے پر گدھے کا سم پڑنے والا ہے۔

خاص مصری تلفظ اہل مصر ج کو گ کی طرح تلفظ کرتے ہیں۔ رجل یعنی آدمی کو

رگل - موجود کو موگود - اور جل (اونٹ) کو گمل کہتے ہیں - علاوہ اس کے ث کو ت کی طرح ملفوظ کرتے ہیں - جیسے کثیر کو کتیر - اور د کو جبکہ آخر کلمہ میں ہو ڈ کہتے ہیں - مثلاً علیٰ طریق الرشاد کو رشاڈ کر کے پڑھیں گے - اسی طرح ق کو الف جیسے قدیم کو ادیم -

بگڑی ہوئی عربی زبان مصر اور شام وغیرہ ممالک میں جو عربی آجکل بولی جاتی ہے وہ نہ تو صرف و نحو کے لحاظ سے درست ہوتی ہے اور نہ اُسکے الفاظ ہی صحیح ہوتے ہیں - اور لطف یہ ہے - کہ نہ جاہل لوگ ہی یہ غلط بولی بولتے ہیں - بلکہ بڑے بڑے علمار بھی ایسی ہی زبان میں بات چیت کرتے ہیں - البتہ جب کتاب یا اخبار لکھتے ہیں تو صحیح اور باقاعدہ بولتے ہیں - المار دیانی) کو مصری المویہ کہتے ہیں - لآیا ہا کو مافش - ما اسمک کو شو اسمک - آئی شیئ کو ایش وغیرہ - برلین کے عالم علوم مشرقی ڈاکٹر مارٹین ہرمن نے ایک مرتبہ ایک جدول لغات عربی کے مختلف لہجوں کا مرتب کیا تھا جسمیں بیروت - قاہرہ اور ٹیونس کے اختلاف لہجات کا مقابلہ کر کے دکھلایا تھا - یہ جدول رسالہ الہلال جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ سے حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے - جس سے ناظرین کو معلوم ہو جائیگا - کہ آجکل مختلف عربی بولنے والے ممالک کی زبان اور صحیح عربی میں کس قدر اختلاف ہے - جدول یہ ہے -

لغت عربی کے مختلف لہجوں کا جدول

صحیح لہجہ	لہجہ بیروت	لہجہ قاہرہ	لہجہ تونس (شہر)
ھذا الوقت	ھلّق	داوقت	توّا
ھنا	ھونّ	ھنہ	ھون
متاخرا	لقیّش	وخری	مئوخر
باکرا	بکیّر	بدری	بکری

صحیح لہجہ	لہجہ بیروت	لہجہ قاہرہ	لہجہ تونس (شہر)
کیفك حالكَ	کیف حالك	زیك	کیف حالك
ما هذا	شو هید	دایه	اشنوهاذا
ما اسمك	شو اسمك	اسمك ایه	سسمك
لِمَ ضربته	لیش ضربتو	ضربتوالیه	علاش ضربتو
مثل	متل	زی	کیفت
اکتب	بکتب	بکتب	نکتب
نکتب	منکتب	بنکتب	نکتبو
او	یا	وِلا	وَلّا
رجل	اجر	رجل	رِزل
هكذا	هیك	کِدَ	هکا
لاجل	من شان	علی شان	علی خاطر
متی	ایمتی	امت	وقتاش
بغی - دام - ظل	دم - تم	صنل - دن	یقا
نحن	نحن - نحنا	احن	احنا
لا اقدر	ما فیتی	ما فی	ما نتزم شی
هم	هِنّ	هم وهُما	هُوما
رجیل	رجال	راجل	رادل
ای جنس	اینا جنس	انه جنس	آن زنس
اية جهة	اینا جهة	انه جهة	آن زیهة
لا یصحو	ما بیسایل	ما علیش	ما یسالتش

مصری مردانہ لباس | بخلاف ترکی کے مصر میں ابھی ہر مصری یورپین لباس نہیں پہنتا۔ گو بہت سے نوجوان یورپین تعلیم پاکر یورپین لباس پہنے لگے ہیں۔

لیکن ابھی تک زیادہ مصری اپنا قدیم لباس پہنتے ہیں۔ مصریوں کا قدیم لباس سر پر سرخ ترپوش کے گرد سفید لقہ نیچے اوپر دو لمبے۔ ڈھیلے عبا جو ٹخنوں تک پہنچے ہوتے ہیں جن میں سے نچلے کی آستینیں کہنیوں سے ایک بالشت لمبی ہوتی ہیں۔ اور چونکہ ہاتھ کے قریب ان کی سلائی نہیں کیجاتی۔ اس لئے ہاتھ سے نیچے لٹک جاتی ہیں۔ یہ عبا عموماً دھاریدار ریشمی کپڑے کی ہوتی ہے۔ مگر دونوں کے کاٹ کسی طرح کے نہیں ہوتے۔ اور چونکہ مصری لوگ ذرہ بھی خوش وضع۔ قوی الجثہ اور تناور ہونے کا دعوےٰ نہیں کر سکتے ان کا یہ لباس انہیں اور بھی کریہ منظر بنا دیتا ہے۔ کیونکہ بطور قاعدہ کلیہ کے یہ لوگ ڈاڑھی رکھ کر آلہ مقراض کی نذر کرتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ ان کے بوڑھے اور سفید ریش لوگ بلکہ علما بھی خشخاشی داڑھیوں پر نازاں ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ جو ڈاڑھی کو استرہ کے حوالے نہیں کرتے۔ قینچی سے استرہ کے برابر خدمت لے لیتے ہیں۔ سر کی پگڑی ٹوپی کے اوپر ایک پٹی سی لپیٹی ہوئی ہوتی ہے۔ جس سے ان کے سر چھوٹے اور گردنیں لمبی معلوم ہوتی ہیں۔ اور رنگ گندمگوں سانولے ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں صورت کی نسبت سیرت کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ اور مجھے اس بارہ میں بھی ناظرین کو مایوس کرنا پڑتا ہے کہ میں بحیثیت مجموعی اہل مصر کی لیاقت کی نسبت کوئی اعلےٰ خیال نہیں پیدا کر سکا۔

اصلی مصریوں کی ہستی اور ہیئت ہستی

مصری دراصل کیا قوم ہے؟ یہ سوال ہر پایۂ تخت مصر میں جانے والے شخص کے دل میں ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اگر اسے ذرہ بھی مختلف اقوام کی قومی خصوصیات معلوم کرنے کا شوق ہے۔ نہایت مختصر پیرایہ میں اس سوال کا جواب میں یہ دے سکتا ہوں کہ اس وقت جتنے لوگ اہل مصر کہلاتے ہیں۔ وہ یا تو مسلمان ہیں۔ یا قبطی عیسائی۔ مگر چونکہ عیسائی مصر کی آبادی کا بہت قلیل جزو ہیں۔ اور مسلمانوں میں بھی قبطی نسل کے بہت لوگ موجود ہیں۔ اس لئے میں مسلمانان کی تقسیم بیان کرتا ہوں۔ مصر کے قدیم باشندے یہی قبطی لوگ ہیں۔ مگر اسلامی فتوحات کے ابتدائی زمانہ سے بہت سے عرب اس ملک میں آکر آباد ہوگئے۔ ان کے ایک اللہ

بعد ترکوں نے اسکندریہ کو فتح کیا۔ اور بہت سے ترک بحیثیت قوم فاتح اسکندریہ میں آکر ٹھہر گئے۔ اب یہ سب لوگ سوائے ترکوں کے جو شکل صورت اور فیشن میں بھی الگ معلوم ہوتے ہیں اور جو آفندی کہلاتے ہیں۔ سب مصری کہلاتے ہیں۔ لیکن لوگوں کے قیافوں سے مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک مصر کی زیادہ آبادی اور قریبًا تمام فلاح اصلی باشندوں کی نسل سے ہیں۔ اور ان کے ارادے اور خیالات اسی نسبت سے پست ہیں کہ جتنی ان کی نسل قدیم ہے۔ بہرحال مصر کی تمام آبادی مع ترکی اور عربی جزو کے ترکوں اور شامیوں سے شائستگی اور قابلیت میں بہت پیچھے ہے۔

مصر کے پالٹیکس

کیپی چولیشن یا معاہدات پندرہویں صدی مسیحی میں اور اس کے بعد عثمانی سلاطین نے مختلف عیسائی ممالک کی رعایا کو اپنی قلمرو میں کئی کئی مراعات دیکر آباد کیا تھا۔ کہ جنہیں مدبرین یوروپ کیپی چولیشن کہتے ہیں۔ اور جنکا ذکر ٹرکی اور مصر کے متعلق بارہا آتا رہتا ہے۔ اصل غرض اس زمانہ کے سلاطین کی یہ تھی۔ کہ عیسائی سوداگروں اور نوآبادکاروں کی حفاظت کیجائے۔ اور انہیں نقصان سے محفوظ رکھا جائے۔ مسلمان سلاطین کے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا ہوگا۔ کہ کسی وقت عیسائی دولتین اتنی زبردست ہو جائینگی کہ ان مراعات سے ناجائز فائدہ اٹھا سکیں گی۔ بہرحال عیسائیوں سے یہ تین خاص مراعات ملحوظ رکھی جاتی تھیں۔ (۱) ہر قسم کے ٹکس سے محفوظ رکھنا۔ (۲) مجرم کے ملک کے حکام کے سامنے اسکا مقدمہ پیش کرنا (۳) مقامی عدالتوں کو اسپر مقدمہ کرنے کا اختیار نہ ہونا۔ چونکہ مصر بھی ایک ترکی صوبہ تھا۔ اسلئے جو وعدے سلاطین ترک کے مختلف عیسائی ممالک کی رعایائے قلمرو ترکی میں ملحوظ کئے جاتے تھے وہی مصر میں بھی مسلم سمجھے گئے۔

چار قسم کی عدالتیں ۱۔ جبکہ مصر میں دوعملی اور سہ عملی کا دور آیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے تو لازم ہوا کہ مختلف یورپین ممالک کی رعایا کے مقدمات وہیں کے حکام کے

روبرو پیش ہوں۔ لیکن اگر دو یورپین اقوام کے باشندوں کے مابین تنازعہ ہو تو وہ ایک مخلوط یا بین الاقوام عدالت میں پیش ہو۔ ان وجوہات سے مصر میں مندرجہ ذیل چار اقسام کی عدالتیں قائم ہونی ضروری ٹھیریں۔ (۱) محاکم اہلیہ یعنے ملکی عدالتیں۔ ان میں اہل ملک کے ہر قسم کے مقدمات مذہب و ملت کے فیصل کیئے جاتے ہیں۔ (۲) محاکم شرعیہ۔ یعنے دینی عدالتیں۔ ان میں صرف مسلمانان مصر کے مقدمات نکاح طلاق نان نفقہ وصیت میراث وغیرہ دینی امور کے طے پاتے ہیں۔ (۳) محاکم قناصلیہ یعنے غیر ممالک کی قنصلوں کی عدالتیں۔ ان میں غیر ممالک کے باشندوں کے ایسے مقدمات فیصل ہوتے ہیں جو اسی قنصل کے ملک کی رعایا ہوں۔ (۴) محاکم مختلطہ یعنے مخلوط عدالتیں۔ ان میں تمام ایسے ملکی تجارتی دیوانی اور فوجداری مقدمات فیصل ہوتے ہیں۔ جو مصری اور غیر ممالک کے باشندوں یا دو اجنبی اقوام کے باشندوں کے مابین دائر ہوں۔

ایک مثال ان مختلف قسم کی عدالتوں سے بجائے آرام کے بہت سی زحمت پیدا ہوگئی ہے۔ مگر مصر کے دوعملی کی وجہ سے مجبوراً ایسا کیا گیا ہے۔ مثلاً اس وقت مصر میں یورپ کی ہر سلطنت کی رعایا موجود ہے کہ جن کے نام اپنے اپنے ملکوں کے سفارتخانوں میں رجسٹر ہوتے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک مصری کا بازار میں کسی اٹلی کے باشندہ سے جھگڑا ہوگیا۔ اور اٹلی کے باشندہ نے اس مصری کو خوب پیٹا۔ مصری کانسٹیبل سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے۔ جب مصری پٹ چکا۔ تو مصری کانسٹیبل نے اس کے مارنے والے کو پکڑنا چاہا۔ مگر وہ اس کے بھی ٹھو نکنے کو تیار ہوگیا۔ اور چونکہ وہ غیر ملک کی رعایا ہے۔ مصری کانسٹبل اور مصری قانون کا اسپر اختیار نہیں۔ اسپر سپاہی نے اسی پر اکتفا کیا کہ پٹے ہوئے شخص کو پکڑ کر پولیس کی چوکی میں لیجائے۔ اگر وہاں سے اسے چند اور پولیسمین مل گئے۔ اور ان کی مدد سے اس نے پیٹنے والے غیر ملک کے باشندے کو پکڑ لیا۔ تو وہ اسے تھانہ میں لے آیا۔ اب تھانہ اسکی نسبت اور کوئی کارروائی سوائے بیان لینے یا اسے

حراست میں رکھنے سے نہیں کر سکتا۔ جبکہ وہ کہتا ہے۔ کہ میں فلاں غیر ممالک کی رعایا ہوں۔ اگر اس غیر ملک کی رعایا کے دفتر میں اسکا نام مل گیا۔ تو غیر ملک کے سفیر نے اسے لے لیا۔ اب اُسے اختیار ہے۔ کہ جو سزا اُسے مناسب سمجھے دے یا نہ دے۔ مصری پولیس یا مصری کورٹ کا اسپر کوئی اثر نہیں رہا۔ جو دیوانی مقدمات مصریوں اور غیر ممالک کی رعایا کے درمیان ہوتے ہیں۔ ان کے فیصلے مخلوط عدالت کرتی ہے۔ جسمیں مصری اور غیر ممالک کے جج ملکر فیصلہ کرتے ہیں۔

خاندان خدیوی جبتک مملوک امرا کی طرف سے محمد علی کو کوئی خدشہ رہا تو اُسنے یورپین طریق پر فوج جرار تیار کی۔ اور مصر کا انتظام ٹھیک کر کے خود مختاری کا دم بھرنے لگا۔ سلطنت عثمانیہ کی طرف سے اسکی گوشمالی کی جو تدابیر اختیار کی گئیں۔ ان میں کامیابی نہ ہونے پر اسکا حوصلہ اور بھی بڑھ گیا۔ اور سلطان محمود ثانی کے عہد میں ۱۸۳۱ء میں اُسنے کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا۔ بلکہ دمشق و حلب کو فتح کر کے قسطنطنیہ کیطرف بڑھنا شروع کیا۔ اور اگر انگریزی اور فرانسیسی جنگی بیڑے اُسے بیروت پر ۱۸۴۰ء میں شکست نہ دیتے تو اندیشہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ کو بھی فتح کر لیتا۔ ۱۸۴۱ء میں ایک معاہدہ کے مطابق سلطان عبدالمجید نے مصر کی گورنری کا عہدہ محمد علی پاشا کے خاندان میں موروثی کر دیا۔ گو مصر بدستور ٹرکی کا باجگذار رہا۔ محمد علی کے انتقال کے بعد ابراہیم پاشا۔ عباس پاشا۔ اور سعید پاشا خدیو ہوئے۔ مگر محمد علی کی سی لیاقت کسی میں نہ تھی۔

خدیو اسمٰعیل اور مصری قرضہ آخر اسمٰعیل پاشا جسنے فرانس میں تعلیم پائی تھی۔ خدیو ہوا۔ تو اسکی طبیعت میں سلطنت مصر کو یورپین طریقہ پر چلانے کے بڑے بڑے ولولے تھے۔ اُسنے بہت کچھ کوشش کی ملک میں ریلیں اور کچھ کارخانے جاری کئے۔ شہر قاہرہ کی کایا پلٹ کر اُسے چھوٹا پیرس بنا دیا۔ مگر ان سب تکلفات کیلئے بہت کچھ روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسمٰعیل پاشا نے فرانس اور انگلستان کے ساہوکاروں سے بہت سا قرضہ اٹھا لیا۔ اسی اثنا میں سلطان عبدالعزیز کے عہد میں اپنے

ارمنی وزیر نوبار پاشا کی تحریک سے اُسنے باب عالی میں بہت کچھ بیش قیمت تحائف پیش کرکے ۱۸۶۹ء میں "خدیو مصر" کا خطاب پیشگاہ سلطانی سے حاصل کیا۔ اور ساتھ ہی ملکی نظم و نسق اور غیر سلطنتوں سے خود مختارانہ معاہدے کرنے کا حق بھی حاصل کرلیا۔ جو اسوقت تک گورنران مصر کو حاصل نہ تہا۔ اسکے عوض میں باجگالی کو (۳۷۶) ہزار پونڈ کی بجائے ساٹھ لاکھ بیس ہزار پونڈ سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ ساتھ ہی قرار پایا کہ سکہ کی دوسری طرف سلطان المعظم کا نام مضروب ہو اور مصری فوج کے تمام نشانات و علامات سلطانی ہوں۔ نومبر ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کا افتتاح ہوا جو ایم ڈی لیسپ ایک فرانسیسی انجینیر کی کوشش سے کہودی گئی تہی۔ ۱۸۷۵ء میں مسٹر گرین وڈ ایک انگریزی اخبار نویس کی تحریک سے انگلستان نے نہر سویز کے بہت سے حصے خرید لئے۔ ادہر سے خدیو اسمٰعیل کی بد تدبیری سے اسکے قرضہ کا سود بھی ادا نہ ہوسکا۔ جس پر انگلستان اور فرانس کے قرضخواہوں نے شور مچایا۔ اور ان دونوں سلطنتوں نے سلطان عبد الحمید خان ثانی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ بحیثیت شہنشاہ مصر ہونے کے خدیو اسمٰعیل کو معزول کریں۔ اور مصر کے مالیہ سے ان کے قرضہ کی ادائگی کا انتظام کریں۔ چنانچہ ۱۸۷۹ء میں باب عالی کے حکم سے خدیو اسمٰعیل کو معزول کرکے اسکے بیٹے توفیق پاشا کو خدیو مصر بنایا گیا۔ چونکہ فرانس اور انگلستان کے ہاتھوں مصر کا مالی انتظام کرتے تھے۔

بغاوت عربی و انگریزی قبضہ مصر

اسپر مصر کی قومی پارٹی ناراض تہی کہ جسنے عربی پاشا کی سرپرستی سے ۱۸۸۲ء میں بغاوت کی۔ انگریزوں نے باب عالی اور نیز فرانسیسی فوج سے امداد کی خواہش کی۔ مگر انہوں نے توجہ نہ کی۔ اسپر انگریزی فوج نے تھوڑی سی جنگ کے بعد عربی کی بغاوت کو فرو کردیا۔ اور اسطرح انگریزی فوج کو ملک میں امن قائم رکھنے کیلئے رہنے کا حیلہ ملگیا۔ اسی اثنا میں سوڈان میں بغاوت ہوئی اور وہ مصر کے قبضہ سے نکل گیا۔ مگر پہر جنرل کچنر نے مصری و انگریزی افواج کے ذریعہ

سے لے لیے خلیفہ عبداللہ تعائیشی سے چھین لیا۔

خدیو عباس پاشا

۱۸۹۲ء میں خدیو توفیق نے انتقال کیا جبکہ موجودہ خدیو عباس حلمی معہ اپنے چھوٹے بھائی کے ویانا میں تعلیم پاتے تھے۔ سلطان المعظم نے ان کے جانشینی کا فرمان جاری کیا۔ اور یہ مصر میں آکر تخت نشین ہوئے۔ خدیو عباس بڑے روشنضمیر اور لایق حکمران ہیں۔ اور بالکل اعلےٰ درجہ کے تعلیمیافتہ یورپین حکمرانوں کی طرح حکومت کرتے ہیں۔ سوائے عربی اور ترکی کے فرانسیسی جرمنی اور انگریزی جو یورپ کے تین اول درجہ کی زبانیں ہیں۔ بخوبی جانتے ہیں۔ مگر چونکہ ایک طرف مصر پر ٹرکی کی ماتحتی اور دوسری طرف انگریزی ایجنٹ کی نگرانی کا بار ہے۔ اسلئے ان کی حکومت عجیب بے اختیاری کی حکومت ہے ؎

غم صیاد و فکر باغبان ہے۔
دو عملی میں ہمارا آشیان ہے

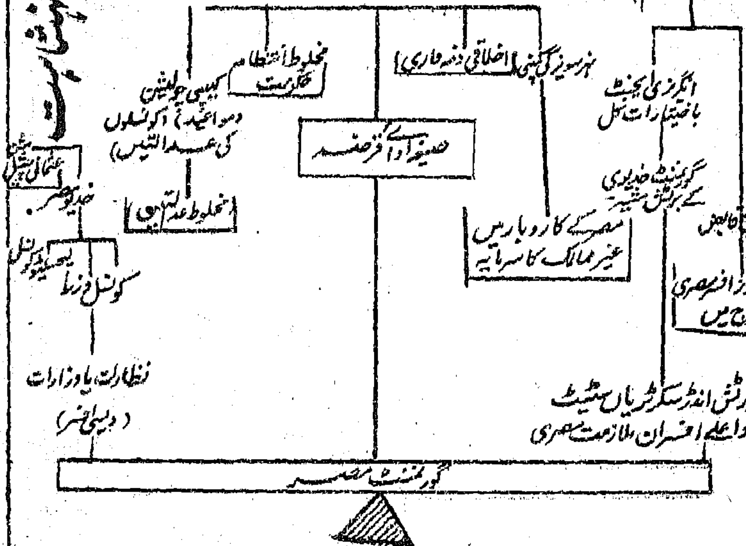
اب انخلائے مصر کی امید نہیں رہی۔

گو گذشتہ چھبیس سال سے مصر پر انگریزی فوج کا قبضہ ہے لیکن چونکہ فرانس نے اس قبضہ کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اسلئے انگریز مصر پر اپنی حسبدلخواہ مالی حکومت نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن ۱۹۰۴ء سے انگلستان نے فرانس سے مصر کے متعلق یہ معاہدہ کرلیا ہے۔ کہ فرانس انگلستان کے قبضہ مصر کے راہ میں مخل نہ ہو اور اسکے عوض میں انگلستان نے فرانس کو مراکش کی مداخلت کا پورا اختیار دیدیا ہے۔ اسطرح سے جو کبھی انگلستان کے مصر خالی کردینے کی امید تھی وہ بھی جاتی رہی ہے۔ گو پہلے پہل انگلستان و فرانس نے قرضہ مصر کے انتظام کے لئے مصر میں مداخلت کی تھی۔ مگر اب نہر سویز جو ہندوستان کا شاہراہ ہے۔ انگلستان کو ہرگز قبضہ مصر چھوڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ جبتک کہ ملک ہندوستان انگریزوں کے ہاتھ میں ہے وہ ضرور مصر کو اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ اسلئے مصر میں جو "سلف گورنمنٹ" اور "مصر مصریوں کے لئے" کی خواہش سے قومی فریق قایم ہوا ہے۔ سردست کوئی امید نہیں کہ انگریز اسکی پکار کی طرف توجہ کریں

فرانس اب ۱۸۸۶ء کی طرح تخلیہ مصر کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ ٹرکی اپنی حالت میں خود حیران ہے۔ وہ مصر کے تخلیہ کے لئے سلطنت انگریزی پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا ہرچند کہ وہ مصر کا جائز وارث خراج گیر اور باج خور شہنشاہ ہے۔ ان حالات میں سوائے اسکے کہ مصر بدت مدید تک انگریزی نگرانی میں رہے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ گو بظاہر انگریزی ایجنٹ صرف نگرانی کرتا ہے لیکن درحقیقت حکومت کی زمام اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اسلئے مصر کی پیچیدہ پولٹیکل حالت کا جدول

موجودہ پولٹیکل حالت جو اسے۔ سلوا وائیٹ صاحب نے اپنی کتاب "ایکسپنشن آف ایجپٹ" میں درج کیا ہے۔ اسے بعینہٖ ذیل میں نقل کرتا ہوں:۔

انگریزی قبضہ



فنانس (سرمایہ)

لیکن مندرجہ بالا جدول سے اگر انگریزی اور غیر ممالک کے قرضہ اور سرمایہ کا

سوال اٹھ بھی جائے تاہم انگریزی قبضہ غیر معین زمانہ تک رہتا نظر آتا ہے۔

مصر میں تعلیم کی ترقی

انگریزی قبضہ کی برکتیں لیکن یہ صریح بے انصافی ہوگی اگر ہم انگریزی قبضہ مصر کی برکتوں کو صرف اس وجہ سے نظر انداز کریں کہ انگریزوں نے بے انصافی سے اور اپنے ابتدائی وعدوں کے خلاف مصر پر اپنے قبضہ کو طول دے رکھا ہے۔ اگر صرف ایک بات آزادی پریس کو ہی لے لیا جائے تو اسکی بدولت اہل مصر کو اسقدر فوائد حاصل ہوئے ہیں کہ جنکا حصر میں آسکنا مشکل ہے۔ اسوقت مصر بلحاظ اشاعت اخبارات۔ پولیٹیکل مضامین پر آزادی سے بحث کرنے اور ہر قسم کی علمی کتابیں چھاپنے میں یورپ کے اچھے اچھے ملکوں کے برابر ہے۔ افسوس ہے کہ میرے پاس اسوقت صرف ۱۸۹۷ء تک کے اعداد ہیں۔ انگریزی قبضہ بغاوت عربی پاشا فرو کرنے کے بعد ۱۸۸۲ء سے شروع ہوا۔ اور اس پندرہ سال کے عرصہ میں مصر میں حسب ذیل مادی ترقی ہوئی۔

۱۸۸۲ء میں مصر کی کل آبادی ۶۸ لاکھ ۱۳ ہزار تھی جو ۱۸۹۷ء میں ۹۷ لاکھ ۳۴ ہزار ہوگئی یعنے ۲۹ لاکھ کی ترقی ہوئی۔

" شہروں قصبوں اور موضعوں کی تعداد ۱۳۳۴۷ تھی جو ۱۸۹۷ء میں ۱۴۱۸۲ ہوگئی

" محاصل ۹۰ لاکھ پونڈ تھے جو ۹۷ء میں ایک کروڑ ۱۱ لاکھ پونڈ تک پہنچ گئے

(دیکھنا کہ بعض محصول اور ٹیکس کاشتکاروں کے معاف کئے گئے)

" تجارت درآمد ۱۰ لاکھ ۷ ہزار ٹن تھی جو " ۲۲ لاکھ ۴۲ ہزار ٹن ہوگئی۔

" محصول چونگی اڑہائی لاکھ پونڈ وصول ہوا جو " ۲۰ لاکھ ۳۹ ہزار پونڈ تک پہنچ گیا۔

" کل ملک میں ۱۴۴ ڈاکخانے تھے جو " ۷۸۸ ہوگئے۔

" تخمیناً پانچہزار لڑکے مدارس میں تھے جو " دس ہزار ہوگئے اور معلموں کی تعداد چند ہوگئی

۱۸۸۰ء میں خرچ فوج ۲۳ ہزار پونڈ تھا جو " ۸ لاکھ ۲۴ ہزار پونڈ سے اوپر ہے۔

۱۸۸۰ء میں مصری قرضہ کی تعداد ۹۸ کروڑ ۸۷ لاکھ پونڈ تھی - اور سود و ادائیگی ۴۰ لاکھ ۶۰ ہزار پونڈ تھا } جو ۱۸۹۷ء میں ۹ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ اور سود وغیرہ ۳۸ لاکھ ۹۳ ہزار پونڈ رہ گیا -

اسیطرح آجتک بہت کچھہ ترقی ہوچکی ہے - چنانچہ ۱۹۰۵ء میں کل محاصل ایک کروڑ ۸۴ لاکھ پونڈ سے متجاوز تھے - اور تعداد طلبا مدارس سرکاری میں ۱۹۰۵ء میں انیس ہزار تک بڑھ گئی ہے -

مصر میں تعلیم کی حالت پر لارڈ ڈفرن کی رپورٹ

۱۸۸۳ء میں لارڈ ڈفرن نے حالات مصر کی جو رپورٹ لکھی تھی - اسمیں اسملک کی تعلیم کا یوں تذکرہ کیا تہا -

اُسوقت مصر میں جتنے مدرسے موجود ہیں وہ تین قسم کے ہیں -

اوّل جامع الازہر - اسمین آٹھ ہزار طالب علم ہیں جنکو تین سو استاد تعلیم دیتے ہیں - اور اسمین علوم ذیل پڑھائے جاتے ہیں - علم کلام - فقہ - نحو منطق - اور عربی زباندانی

دوّم :- وہ مدرسے جنکو مصر میں غیر ممالک کے لوگوں اور اُنکی مشنری جماعتوں نے قائم کیا ہے - ایسے مدارس کی تعداد (۱۵۲) ہے اور انہیں (۱۲۲۴۷) طالبعلم پڑھتے ہیں - طلبہ کی اس تعداد میں (۶۴۱۹) خاص مصری لڑکے ہیں یعنی (۵۲) فی صدی - اور ان مدارس میں سے بعض مدرسونکو حکومت مصر کیطرف سے مالی مدد بہی ملتی ہے -

سوّم - خاص حکومت کے مدارس اور انکے چار درجے ہیں -

(۱) ابتدائی مدرسے - ان کی تعداد (۵۰۳۷) ہے - اور انہیں (۱۴۷۵۵۴۳) یعنے باشندگان ملک کی مجموعی تعداد میں سے ۱/۴ طالبعلم داخل ہیں - یہ مدرسے ملک کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں بنے ہیں - اور انہیں قرآن کی تعلیم دیجاتی ہے - یا کسی کسی مدرسہ میں کچھہ حساب کے قواعد اور لکھنے کی مشق بھی سکھلائی جاتی ہے -

(۲) مدارس ثانویہ (سکنڈری اسکول) انکی تعداد (۳۷) ہے۔ ان میں (۴۶۶۴) طالبعلم پڑھتے ہیں۔ ان مدارس میں سے ایک مدرسہ قاہرہ میں ہے، جسکے مصارف سر رشتہ تعلیم کی بجٹ سے دیئے جاتے ہیں۔ اسمیں (۸۴۶) طالبعلم داخل ہیں۔ اور یہ مدرسہ ان تمام مدرسوں کا نمونہ ہے۔ جو اب تک ملک کے ہر ایک شہر اور بندرگاہ میں قائم ہو چکے یا قایم کیئے جانے والے ہیں۔ اس مدرسہ کی مدت تعلیم چار سال ہے۔ پہلے تین سال گذرنے پر طالبعلم کو قراءت قرآن۔ عربی خط لکھنے اور حساب میں حسب ضرورت پوری لیاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور آخری سال میں وہ تاریخ۔ جغرافیہ اور کسی غیر زبان کا لکھنا اور پڑھنا سیکھتا ہے۔ جسکی بابت اسکو اختیار ہے کہ فرانسیسی انگریزی اور جرمنی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان لیلے۔ تجہیزی مدرسہ میں اسی مدرسہ کی کامیاب طلبہ داخل کیئے جاتے ہیں۔ پھر اسکے بعد تجہیزی مدرسہ کے طلبہ صنائع اور فنون کے مدرسوں میں بھرتی ہوتے ہیں رہے باقی ثانوی مدارس انکے اخراجات وادی کی چند جاگیروں کی آمدنی محکمہ اوقاف کے عطیات اور بعض خاص امدادی عطیوں سے پورے ہوتے ہیں۔

(۳) قاہرہ کا مدرسہ تجہیزیہ۔ اسمیں (۳۹۲) طالبعلم پڑھتے ہیں۔ اور مدارس صنائع اور فنون کے طلبہ اسی مدرسہ کے طالبعلموں میں سے لیے جاتے ہیں۔ مدرسہ تجہیزیہ میں مدت تعلیم چار سال ہے۔ اس دوران میں تلامذہ کو کوئی غیر زبان۔ عربی زبان۔ ریاضیات۔ طبیعیات۔ کیمیا۔ تاریخ طبعی۔ تاریخ عام۔ جغرافیہ۔ عربی خط۔ یورپین خط۔ اور تصویر کشی سکھلائی جاتی ہے۔ اور چھ ابتدائی مدارس میں بھی دو سال کیلیئے ایک سکیشن ایسا کھولا گیا ہے۔ کہ اسمیں تجہیزیہ مدرسہ کے علوم پڑھائے جاتے ہیں۔

(۴) عملی فنون اور پیشوں کے مدارس اور کالج اور وہ حسب ذیل ہیں:-

۱- میڈیکل سکول۔ اسمیں ۶۷۶ طالبعلم ہیں اور اسی کے ساتھ دواسازی سکھلانے کا بھی مدرسہ ہے جسمیں (۱۶) طالبعلم ہیں اور ایک مدرسہ لیڈی

ڈاکٹروں کا بھی جسمیں (۲۰) دائیاں یا نرسیں تعلیم پاتی ہیں۔ اس اسکول کا پرنسپل ایک فرانسیسی ہے۔

ب :۔ انجنیرنگ اسکول۔ اسمیں پچاس طالب علم ہیں۔

ج :۔ مساحت کا مدرسہ۔ اسکے طالب علموں کی تعداد ۹۳ ہے۔

د :۔ مدرسۂ عملیات۔ اس کے طلبہ کی تعداد ۱۵ ہے اور اسکا پرنسپل فرانسیسی ہے۔

ھ :۔ مدرسۃ الادارہ۔ کل طالب علم ۳۷ ۔

و :۔ مدرسۃ المعلمین (نارمل اسکول)۔ طلبہ ۷۰ ۔

ز :۔ مدرسۃ الصناعت۔ یہ مدرسۃ العملیات کے ماتحت ہے۔ اسمیں (۷۹) طالبعلم ہیں جو ابتدائی مدارس کے ان طلبہ میں سے لئے جاتے ہیں جنہیں اعلٰے تعلیم حاصل کرنے کی استعداد نہیں عیاں ہوتی۔

ح :۔ اندھوں اور گونگوں کا مدرسہ۔ اسمیں مرد و عورت دونوں کو ملاکر ۷۵ طالب علم ہیں۔

ط :۔ گرل اسکول (لڑکیوں کا مدرسہ) اگلے زمانہ میں لڑکیوں کے دو مدرسے تھے ایک اعلٰے طبقہ والوں کی لڑکیوں کے لئے اور دوسرا تمام دیگر کنبوں کی لڑکیوں کے واسطے اور اب یہ دونوں مدرسے باہم ملکر ایک مدرسہ کردیا گیا ہے جسمیں ۳۰۰ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔

ی :۔ مدرسۂ جنگی قاہرہ میں (اسکا پرنسپل فرانسیسی شخص ہے)

ک :۔ بحری مدرسہ اسکندریہ میں۔

سنہ ۱۸۷۴ء تک ان سب مدرسوں میں مفت تعلیم دیجاتی رہی مگر سال مذکورہ بالا میں مصری حکومت نے تمام دیگر اقوام عالم کی پیروی کرنا چاہی اور تعلیم کی فیس مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ جس سبب سے محمد علی پاشا نے مفت تعلیم دینی شروع کی تھی وہ سبب غلامی کا زمانہ گزرنے کے ساتھ ہی مٹ چکا تھا اور اب وہ سب لوگ جو پہلے غلام تھے آزاد بن گئے تھے جنمیں بڑے بڑے ذی حیثیت اور صاحب

دولت اشخاص بھی تھے۔ اسلئے حکومت مصر نے تعلیم کی خفیف سی فیس مقرر کردی تھی۔

تعلیم کی موجودہ حالت لیکن آجتک مصر کے تعلیم میں بہت ترقی ہوگئی ہے۔ گو مدارس کے اقسام اور درجے وہی ہیں کہ جنکا لارڈ فرن نے ۱۸۸۳ء میں ذکر کیا ہے۔ یعنے ابتدائی مدارس کہ جنمیں ابتدا سے ہی ایک یورپین زبان سکھلائی جاتی ہے۔ دوم۔ تجہیزی مدارس کہ جنکی تعلیم کا اکثر حصہ کسی یورپین زبان میں سکھلایا جاتا ہے اور سوئم پیشہ کے سکول اور کالج جیسے کہ مدرسۃ الحقوق (قانون) مدرسۃ الطب (میڈیکل کالج) مہندس خانہ (انجینرنگ کالج) دارالعلوم (ٹرینینگ کالج) جو بالکل یورپین کالجوں کے نمونہ پر ہیں۔ اور چند خاص سکول مثل مدرسہ زراعت۔ علاج المواشی۔ مدرسۃ الصنائع (ٹکنیکل سکول) مدرسہ تعلیم پولیس و مدرسہ تعلیم فوج بھی ہیں کہ جنکے کورس کم و بیش کسی ایک یورپین زبان میں ہیں۔ لیکن مندرجہ بالا کالجوں کی نسبت کمتر لیاقت کے لوگ ان میں داخل ہوسکتے ہیں۔

انگریزی اور فرانسیسی کا مقابلہ۔ پہلے پہل خدیو محمد علی پاشا نے ۱۸۳۶ء میں مصر میں تعلیم کی بنیاد رکھی۔ اور کئی طالب علموں کو فرانس میں تعلیم پانے کو بھیجا۔ اور فرانسیسی مدرسوں کی زیر نگرانی ہی مصر میں تعلیم کا سلسلہ جاری کیا۔ اسلئے اہل مصر نے جو کچھ تعلیم یورپین علوم و فنون میں حاصل کی وہ فرانسیسی زبان میں ہی تھی جس وقت محمد علی پاشا نوجوان مصریوں کو تعلیم پانے کے لئے فرانس میں بھیجا کرتا تھا۔ اسوقت جاپانیوں کو اس بات کا خواب و خیال بھی نہ تھا کہ انہیں بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے لئے یوروپ میں بھیجنا چاہیئے۔ جو آج یوروپ اور امریکہ میں تعلیم پانے میں ساری دنیا میں سرآوردہ ہیں۔ محمد علی اور اسکے ایک آدھ جانشین کی نظر میں تو یوروپ کی عمدہ تعلیم کا اسقدر اثر تھا کہ انہوں نے پیرس میں ایک خاص مدرسہ مصری طلبا کی تعلیم کے لیئے جاری کیا تھا جسمیں دینیات اور اخلاق اسلامی کی تعلیم دینے کے لئے علمائے مصر بھیجے جاتے تھے۔ یہ جا

جسطرح ٹرکی اور ایران میں مغربی علوم و فنون کا ذریعہ فرانسیسی زبان تھی ویسے ہی مصر میں تھی - چنانچہ جب انگریزوں نے مصر پر قبضہ کیا تو دو تین فیصدی طلبا نے ان کی زبان بھی سیکھنی شروع کر دی - لیکن اب جبکہ بذریعہ معاہدہ فرانسیسیوں کا پولیٹیکل رسوخ مصر سے کم ہو گیا ہے - سنہ ۱۹۰۰ء میں ۹۷ فیصدی طلبا وزارت تعلیم کے مدرسوں اور کالجوں میں انگریزی زبان میں تعلیم پانے لگے - اور ۳ فیصدی فرانسیسی پڑھنے والے رہ گئے -

تعلیم کی ترقی | سنہ ۱۸۷۴ء تک تعلیم مفت تھی اور اکثر طلبا سرکاری خرچ سے کھاتے پہنتے اور گذارہ کرتے تھے - لیکن اس سال سے یورپین تعلیم پر کچھ نہ کچھ فیس لگانے کی کوشش کی گئی ہے - چنانچہ سنہ ۱۹۰۰ء میں ۹۲ فیصدی طلبا نے مدارس سرکاری بمقابلہ سنہ ۱۸۸۱ء کے ۳۰ فیصدی کے فیس ادا کرتے تھے - اور سکول فیس کی آمدنی سنہ ۱۸۸۱ء کے ۲۳۴۳ پونڈ سے سنہ ۱۹۰۰ء میں ۱۰۷۰۰۰ پونڈ تک بڑھ گئی -

کتاب | مصر میں قدیم زمانہ سے ایسے دیسی مکتب بہت ہیں چلے آتے ہیں جیسے کہ اتبک ہندوستان میں بھی جاری ہیں کہ جنمیں میاں جی مسجد میں بیٹھکر قرآن یا کسی کتاب کا سبق دیدیتے ہیں - اور یہی کتاب کہلاتے ہیں - سنہ ۱۸۹۸ء میں ایسے دس ہزار مدرسے تھے جنمیں دو لاکھ طلبا پڑھتے تھے - مگر ان پر محکمہ تعلیم کی کوئی نگرانی نہ تھی - اب محکمہ تعلیم نے گرانٹ ان ایڈ کے وعدہ سے ان کا معائنہ کرنا شروع کیا ہے - چنانچہ ۲۳۴۴ سے زیادہ ایسے مدرسے حکام تعلیم کی نگرانی میں آگئے ہیں - اور علم دوست محبان وطن کی فیاضی سے گذشتہ چند سالوں میں ایک ہزار کتاب نئے قایم ہوتے ہیں - علاوہ اسکے سررشتہ تعلیم نے ایسے مدارس کے مدرسین کی تعلیم کے لئے تیس مرکزوں میں ہفتہ وار جماعتیں قایم کی ہیں اور تین نارمل سکول مردانہ مدرسوں اور ایک زنانہ مدرسوں کے لئے جاری کئے ہیں لیکن ابھی تک مصری مبصرین مطمئن نہیں ہیں - جو ان کے مزید علمی اشتہا کا ثبوت ہے -

مقدار تعلیم ۳۱ دسمبر ۱۹۰۵ء کو سرکاری نگرانی میں آٹھ مختلف پیشوں کی تعلیم کے کالج چار خاص ٹکنیکل سکول - ۳ سکنڈری اور ۳۴ پرائمری سکول تھے - جنہیں تمام یا ایک حد تک فرانسیسی یا انگریزی میں تعلیم دیجاتی تھی - ان میں ۴۸۴ مدرسین اور ۱۰۱۳۱۲ شاگرد تھے - جنہیں ۳۷۸ لڑکیاں تھیں - ان کے علاوہ سات خاص اور ٹکنیکل اور ۱۰۹ پرائمری تھے جنہیں صرف عربی زبان میں تعلیم ہوتی تھی - ان میں ۲۵۲ - استاد اور ۸۳۵۰ شاگرد تھے (جنہیں ۱۹۰۲ لڑکیاں تھیں) اور ۱۳۱ پرائیویٹ پرائمری سکول ۴۴۳۲ کتاب جنہیں سرکاری افسران تعلیم معائنہ کرتے ہیں - ان کے علاوہ ہیں - پھر کچھ اور پرائیویٹ سکول مخیر اسلامی اور عیسائی انجمنوں اور جماعتوں کے ہیں کہ جو مندرجہ بالا اعداد میں شامل نہیں - اور ان میں بھی سرکاری مدارس کے نصاب کے مطابق تعلیم ہوتی ہے -

جامع الازہر میں ۹۵۷۸ طلبا جو علوم دین کی تعلیم ۱۳۱۷ - استادوں سے حاصل کرتے ہیں - اور جامع الاحمدی طنطا میں ۵۱۶۱ طلبا ستر استادوں سے علم دین پڑھتے ہیں - وہ علیحدہ ہیں -

نصاب تعلیم واضح رہے کہ مصر کے ان سرکاری ابتدائی (مڈل) اور تجہیزی یا ثانوی (ہائی) سکولوں میں نصاب تعلیم حسب ذیل مضامین پر مشتمل ہے :-

مدارس ابتدائی امیری (سرکاری)	مدارس ثانوی امیری (سرکاری)
القرآن والاسلام	الترجمہ
اللغۃ العربیہ	اللغۃ العربیہ
الترجمہ	الانگلیزیہ (او الفرانسیہ)
الخط	الریاضیات -
الحساب	الجغرافیہ
الہندسہ (مبادی قلیلہ)	التاریخ -
الانگلیزیہ (او الفرانسیہ)	الطبیعیات -

دروس الاشیاء	الکیمیا
الجغرافیہ والرسم (مصوری)	الرسم (مصوری)
التاریخ (مبادی فلسفہ)	التمرین العضلی (ورزش)

مسلمانوں میں دینی تعلیم کی ابتدا

مسلمانوں کے مدارس صدر اسلام اور اسکے بعد وسط حصے کہ پہلے زمانوں تک بھی مسجدوں کے ضمن میں شامل رہے - اور جس طرح عیسائیوں کے مدرسوں کا تعلق اُن کے کنیسوں اور خانقاہوں سے ہوتا تھا- اسی انداز پر اہل اسلام کے مدارس بھی ان کی عبادتگاہوں کے ساتھ وابستہ رہتے چلے آئے- اور ابتدا میں استاد کے گرد بیٹھکر علوم کے درس سننے والے طالبعلموں کی نشست کا نام "حلقہ" تھا- زمانہ کے ساتھ اسلامی علوم کی شاخیں بھی بڑھتی گئیں اور ان کے دائرے وسیع ہوتے گئے- یہانتک کہ ایک ہی علم کے کئی کئی حلقے ہونے لگے اور ہر حلقہ میں اُسکی کوئی نہ کوئی شاخ سکھائی جاتی تھی- بالاکثر حلقہ ہائے درس کی نسبت استادوں کے نام سے ہوا کرتی تھی- مثلاً کہا جاتا ہے "کہ ابی اسحٰق شیرازی کا حلقہ جامع المنصور میں ہے یا اسیطرح اور حلقوں کا نام لیا جاتا پھر اسیکے ساتھ ہر ایک مسجد میں شائقین علم کے مطالعہ اور کتابیں نقل کرنے کے لئے کتب خانہ بھی فراہم کیا جاتا تھا- علاوہ بریں کچھ اسکی خصوصیت نہ تھی کہ علمی مشاغل کے لئے مسجدیں ہی استعمال کی جائیں بلکہ اکثر حالتوں میں شفاخانوں اور لوگوں کے مکانوں وغیرہ میں بھی حلقہ ہائے درس قائم ہوتے تھے- مصر کا ملک پہلی صدی ہجری میں اسلامی وسیع مملکت کا ایک صوبہ تھا جو مدینہ دمشق اور بغداد کی دار الخلافتوں کا یکے بعد دیگرے براہ راست ماتحت رہا- اسلئے اسمیں تعلیم کا درجہ سیکنڈری (اوسط) سے نہیں بڑھ سکا- یہانتک کہ چوتھی صدی ہجری کے آغاز تک مصر کے پائے تخت یا صدر میں صرف دو بڑی مسجدیں جامع عمرو اور جامع ابن طولون ہی ایسی درسگاہیں تھیں جہاں مذہب اہل سنت کے مطابق اسلامی علوم پڑھائے جاتے تھے- کیونکہ اسوقت مصر کا ملک سلطنت

عباسیہ کا پایۂ تخت صوبہ تھا۔ مگر جس وقت اسی صدی کے وسط میں مصر پر بنی فاطمہ کا قبضہ ہوا اور انہوں نے اپنی سلطنت کا مرکز یہاں منتقل کر کے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈالی تو وہاں ایک مسجد بھی اپنے مذہب "شیعہ" کی تعلیم کے لئے بنوائی جس کا نام "الازہر" ہوا۔

جامع ازہر اور اسکا مدرسہ — جامع ازہر کی تعمیر ۳۶۱ھ جوہر فاتح مصر کے ہاتھوں ۳۵۹ھ ہجری میں سرانجام پائی۔ یہ شخص خلفائے بنی فاطمہ کا نامور سپہ سالار تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اور اسی نے چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ملک مصر کو فتح کر کے یہاں خلافت فاطمیین کے قدم جما دیئے۔ الازہر کی تعمیر سے غرض دینی شعائر کا قائم کرنا اور شیعہ علویہ کے مذہب کو قوت پہنچانا تھی۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ اسلامی سلطنت میں ملکی حکمرانی کے ساتھ مذہب کو چلانا چلانا آغاز ہو چلا تھا۔ علوی شیعوں نے عباسی حکمرانوں کے ہاتھوں قتل اور جلاوطنی کی سخت آفتیں جھیلی تھیں۔ اسی لئے جس وقت خوش قسمتی سے وہ ملک مصر پر قابض بن بیٹھے تو انہوں نے اپنی عظیم الشان حکومت کا مرکز اسی ملک کو بنا لیا اور اپنی فوج کے واسطے شہر قاہرہ کی اور اپنے مذہب کو قوت دینے کے لئے جامع الازہر کی بنیاد ڈالی۔ اُن دنوں مصر والوں کا مذہب زیادہ تر امام شافعی کی پیروی کرنا تھا۔ اسلیئے کہ امام موصوف نے اپنی زندگی کا آخری حصہ اسی ملک میں بسر فرما کر یہیں دنیا سے رحلت کی۔ چنانچہ شہر قاہرہ کے اطراف میں اُنکا مقبرہ ایک مشہور چیز ہے۔ فاطمی خلفا بھی امام شافعی کے مذہب کو اچھا مانتے تھے بخلاف بنی عباس کے کہ وہ امام ابی حنیفہ کے اجتہاد کی پیروی کرتے تھے۔ خلفائے بنی فاطمہ اور اہل مصر میں مذہبی موافقت کا ہو جانا فاتح لوگوں کو اپنا سکہ حکومت جما سکنے کا بہت بڑا موقع دیگیا۔

ازہر میں تعلیم کی ترقی — علماء اور فقہاء کو دربار میں اعزاز کے ساتھ شریک کیا جانا اس امر کا موجب ہوا۔ کہ اسلامی دنیا کے دور دراز گوشوں سے اہل علم مصر میں

کھینچکر آ گئے جنکو خلفائے مصر کی طرف سے بیش قرار تنخواہیں اور روزینے دیئے گئے - ان علمار کی مجلسیں زیادہ تر دستور زمانہ کے موافق الازہر ہی میں ہوا کرتی تھیں اور وہیں ان کے درس کے حلقے طالبان علم کی فیض رسانی کے لئے قائم ہوتے تھے - خلقت ان کے سرچشمہ ہائے علوم سے سیراب ہونے کے لئے اس کثرت سے آتی تھی کہ جگہ میں قلت ہو جاتی - اسلئے روز بروز ہر سمت میں نئی عمارت بڑہا بڑہا کر مسجد کو وسیع کیا جانے لگا - اور اسکے حجرے اور مکانات کی تعداد یوماً فیوماً بڑہتی ہی گئی یہانتک کہ اسوقت الازہر کی وسعت تقریباً (۱۲۰۰۰) میٹر مربع ہے جو پہلے اسکے نصف سے بھی بدرجہا کم تھی - کئی مرتبہ اسکے ستونوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا ورنہ پہلی تعمیر میں اسکے صرف ۷۶ ستون تھے - جو آج ۳۷۵ ہیں جو اس کے مختلف حصوں میں متفرق طور پر واقع ہیں اور اسکے دروازے نو ہیں - ابتدا ئے علمار اور فقہار کو خلفار کی طرف سے بے اندازہ اور غیر مقرر وظائف ملا کرتے تھے - مگر جب عزیز باللہ دوم فاطمی خلیفہ مسند نشین خلافت ہوا تو اسنے سنہ ۳۷۸ھ میں اپنے وزیر یعقوب بن کلس کو فقہار کی تنخواہیں مقرر کرنے کا حکم دیا - اور یہ بھی ہدایت کی کہ مسجد کے قریب ہی ان کی سکونت کے لئے مکانات بنوا دیئے جائیں - یہ علما پہلے پہل مسجد میں صرف نماز جمعہ ادا کرنے اور شیعہ مذہب کا علم فقہ پڑہانے اور وعظ و مباحثہ کرنے کے لئے آیا کرتے تھے - مگر بتدریج انہوں نے وہاں مستقل تعلیم دینی شروع کی جس کی وجہ سے جامع ازہر ایک اعلےٰ درجہ کا مدرسہ بن گئی اور اسکی آمدنی کے سرچشمے خلفار اور امرار کے اوقاف تھے - جنکی اصلی آج بیس ہزار گنی سالانہ کے قریب اندازہ کیجاتی ہے -

ازہر کے علوم دو سو سال تک جو بنی فاطمہ کی خلافت کا زمانہ تھا - جامع ازہر شیعہ مذہب ہی کا مدرسہ رہی - یہانتک کہ سنہ ۵۶۷ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر پر تسلط کیا - یہ سلطان سنی المذہب تھا اور اسکے بغیر اسکے مفر نہ تھا کہ کسی خلیفہ کی بیعت کرکے اس سے فرمان حکومت حاصل کرے - اسلئے اسنے بغداد

اسکے عباسی خلیفہ سے بیعت کرلی اور اُسکے نام کا خطبہ جامع الازہر میں پڑھا۔ صلاح الدین
امام شافعی کا پیرو تھا۔ اسکو مصر کے مروجہ طریقہ تعلیم میں کچھہ زیادہ تغیر و تبدیل کی
زحمت اٹھانی نہیں پڑی اور لوگوں نے بڑی آسانی کے ساتھہ اسکی حکومت کو
قبول کرلیا۔ مگر باوجود اسکے صلاح الدین کو خلفائے عباسیہ کے مذہب کا لحاظ کرنا
بھی ضروری تھا۔ اور وہ ابی حنیفہ کا مذہب تھا۔ جسکے لیے اس دانا اور مدبر حکمران نے
یہ موزون ترکیب سوچی کہ تمام مسلمانان عالم کو اپنا دوست بنا لے اور انکو اپنی طرف
سے حسن ظن دلائے لہذا اُسنے جامع الازہر میں چاروں مذہب اہل سنت کی تعلیم
جاری کردی اور ہر ایک کے استادوں کو وہاں اپنے حلقہ قائم کرنے کی
اجازت دے دی۔ اب تو جامع الازہر کی شہرت پر لگا کے اڑ نکلی۔ اور چار دانگ
عالم سے طلبہ کی آمد شروع ہوگئی ایسے وقت میں ضرورت ہوئی کہ اس مدرسہ کو اسلامی
دارالعلوم کی حد تک ترقی دیجائے اور مزید برآں علوم ریاضی نجوم اور کچھہ علوم
طبعیات کو بھی اسمیں داخل کیا جائے۔ سلاطین ایوبی اور اُنکے ممالیک
کے عہد میں جامع الازہر کی حالت اسی طرح رہی یہانتک کہ سلطان سلیمان فاتح
عثمانی نے مصر پر تسلط کرلیا۔ اور دسوین صدی ہجری کے آغاز میں اُسنے سلطنت
عثمانیہ کا ایک جزو بنا لیا۔ اس عہد سے ممالیک امیروں نے ایسی مطلق العنان حکومت
کا دھنگ ڈالا کہ مصری لوگ مجبوراً علمی مشغلہ سے دستکش ہو بیٹھے۔ ان دنوں تمام
اسلامی قلمرو میں عربی عنصر کا حال ابتر ہوگیا تھا مگر مصر میں ازہر کا دارالعلم عربی باغ
کی کشت میں آبیاری کرتا اور اُسکے دینی اور زباندانی کے علوم کی تعلیم جاری رکھکر
زندہ رکھنے پر کمر بستہ تھا۔ مگر ساتھہ ہی اسمیں اتنی کمی اور خرابی بھی آگئی تھی۔ کہ اسکی
تعلیم کا انحصار انہی علوم میں رہگیا۔ اور دیگر علوم مثلی ریاضی اور طبعی علوم یہاں سے
قطعاً اٹھ گئے۔ الازہر نے عربی زبان کے زندہ رکھنے کا احسان صرف ملک مصر اور
اُسکے قرب وجوار کے عربی ممالک تک ہی محدود نہیں رکھا تھا۔ بلکہ اسکا فیض
تمام اسلامی ممالک کے لئے عام و تام تھا۔ اور اس یونیورسٹی میں ترکستان مغرب

ترقی از ہیں۔ ترکستان۔ ہند۔ اور افغانستان وغیرہ ملکوں سے بھی طالب علموں کی جماعتیں حصول علم کے لئے آیا کرتی تھیں۔ لوگوں کے اس تعلیمگاہ پر مائل ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں تعلیم بالکل مفت دیجاتی تھی اور طلبہ کو خوراک۔ لباس اور مکان کے علاوہ جیب خرچ تک سے مدد ملتی تھی۔ اور طرہ برین یہاں کے استادوں کی قابلیت کی شہرت نے درحقیقت اسے ایک بڑا ٹکسالی مدرسہ بنا دیا تھا اور اسلام کی وسطی صدیوں میں جتنے بڑے بڑے مسلمان عالم نکلے وہ سب اسی مدرسے کے تعلیمیافتہ تھے۔ اس مدرسہ کے سند یافتہ طلبہ کو دنیائے اسلام کے تمام دیگر مدارس کے سند یافتہ لوگوں پر خاص فضیلت ہوتی تھی۔

علوم عقلیہ کی تعلیم کیطرف توجہ

بغاوت عرابی پاشا کے بعد ملک مصر میں دوسرا علمی دور ترقی آغاز ہونے تک ازہر میں صرف دینی اور زباندانی ہی کے علوم پڑھائے جاتے رہے۔ مگر بعد میں حکام کا خیال اسطرف رجوع ہوا کہ اس عالیشان دارالعلم میں جدید علوم بھی جو نئے زمانہ کی تحقیقات کے نتائج اور موجودہ یورپین تمدن کی جان ہیں داخل کئے جائیں۔ لیکن انہیں یہ خوف بھی تھا کہ اگر یکبار ایسی اصلاح کر دی گئی تو لوگ قدامت پرستی کے خیال سے بگڑ بیٹھیں گے۔ اور کج فہمی کے باعث ان علوم کا پڑھنا پڑھانا کفر قرار دیں گے۔ لہذا حکومت نے پہلے یہاں کے بڑے بڑے علماء سے فتوے لینا مناسب تصور کیا اور شیخ محمد انبابی شیخ جامع ازہر اور شیخ محمد بنا مرحوم مفتی ملک مصر سے استفتا کیا کہ آیا مسلمانوں کو علوم ریاضیہ مثل ہندسہ حساب ہیئت طبیعیات اور کیمیا وغیرہ فنون کا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟" ذیحجہ ۱۳۰۵ھ میں شیخ محمد انبابی مرحوم نے ان علوم کے پڑھانے کے جواز کا فتوے مع ان کے فوائد کی وضاحت کے دیدیا اور مفتی شیخ بنا مرحوم نے بھی اسکی تائید کر دی۔

مضامین درس

اسکے بعد مرحوم شیخ محمد عبدہ اصلاح ازہر کے لئے کمر بستہ ہوئے اور انہوں نے حکومت کو ادھر توجہ دلائی۔ مگر یہ سب کوششیں ناکام رہیں۔ کیونکہ

ابتک ان علوم میں سے چند کے سوا اور وہ بھی تھوڑے عرصہ سے اس دار العلم میں داخل نہ ہو سکے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل علوم اسوقت الازہر میں پڑھائے جاتے ہیں اور بلحاظ وسائل اور مقاصد کی دو قسم کے قرار پائے ہیں۔ وسائل یہ ہیں:۔ نحو صرف۔ معانی۔ بیان۔ بدیع۔ منطق۔ مصطلح الحدیث۔ حساب۔ جبر و مقابلہ عروض اور قافیہ۔

اور مقاصد سے وہ علوم مراد ہیں۔ جنکو وسائل کے بعد اصل غرض تحصیل قرار دیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ علم کلام۔ اصول فقہ۔ علم اخلاق دینیہ۔ تفسیر قرآن فقہ ہر چہار مذاہب۔ اور حدیث یہ سب علوم دوسرے علمی دور ترقی سے قبل الازہر میں پڑھائے جاتے تھے۔ اور اب ان پر اتنا اور اضافہ ہوا ہے۔ انشا پردازی۔ جغرافیہ۔ لٹریچر اور زبان علوم عقلیہ۔ مبادی ہندسہ۔ خط اور اگر ان کتابوں کے ناموں پر نظر ڈالی جائے جنکے ذریعہ سے ان علوم کی تعلیم ہوتی ہے تو معلوم ہوگا کہ نصاب تعلیم میں اکثر قدیم کتابیں ہی داخل ہیں جنکو بدلنے اور ترمیم کرنے کی بیحد ضرورت ہے۔ تاکہ نصاب موجودہ زمانہ کی ضرورت کا ساتھ دے سکے۔ اگرچہ مرحوم شیخ محمد عبدہ کی جد و جہد ترقی الازہر میں ناکام رہی تاہم انہوں نے طلبہ کے دلوں میں تاریخ اور طبیعیات وغیرہ علوم جدیدہ کے مطالعہ کا شوق ضرور پیدا کر دیا۔ جسکی وجہ سے اب بعض طلبا کسیقدر ان علوم کی کتابیں دیکھنے اور آزادی بحث اور خواہش وسعت معلومات اور مفید علوم میں تمیز کرنے کی صفات سے بہرہ ور ہو گئے ہیں۔

ازہر کے طلبہ اور اس کے بورڈنگ

اسوقت ازہر میں دس ہزار سے زائد طالب العلم باعتبار سکونت مختلف گروہوں پر منقسم ہیں اور ہر ایک فرقہ مسجد کی چھت یا پڑوس کے ایک مکان میں رہتا ہے جسکے اندر بہت سے حجرے ہیں اور یہ مکان رواق کہلاتے ہیں۔ الازہر میں ایسے ۲۷ رواقین ہیں منجملہ انکے ۱۱ خاص سرزمین مصر کے باشندوں کے لئے ہیں جنکی تقسیم شہروں یا مذاہب کے لحاظ سے حسب ذیل ہے۔

(۱) رواق الصعائدہ ۔ اسمیں صعید (بالائی) مصر کے باشندے رہتے ہیں۔
(۲) " البحیرہ ۔
(۳) " الفیتومیہ
(۴) " الطیبرسیہ ۔ اسمین مغربی کشنری کے بعض باشندے رہا کرتے تھے
(۵) " الاقبغاویۃ ۔ غربیہ اور منوفیہ والوں کے لئے ۔
(۶) " الحنفیہ ۔ مصر کے حنفی مذہب لوگوں کے لئے ۔
(۷) " الفشنیۃ ۔ فشن کے لوگوں کے لئے ۔
(۸) " ابن معمّر ۔ اسمیں وہ لوگ رہتے ہیں جو کسی خاص علاقہ کے باشندے نہیں
(۹) " اشراقوہ ۔ شرقیہ والوں کے واسطے ۔
(۱۰) " الحنابلہ ۔ مصر کے حنبلی باشندوں کے واسطے ۔
(۱۱) " العباسی ۔ یہ کئی ایک رواقوں سے مرکب ہے ۔
اور باقی رواقوں میں باہر سے آنے والے طلبہ رہتے ہیں۔
(۱) رواق الحرمین ۔ اہل حجاز کے لیئے
(۲) " دکارنۃ دارفور ۔ " دارفور " (سوڈان)
(۳) " الشوام ۔ اہل شام کے لئے ۔
(۴) " جاوی ۔ اہل جاوہ "
(۵) " سلیمانیہ ۔ " افغانستان "
(۶) " مغاربہ ۔ " مغرب "
(۷) " السناریہ ۔ " سنار " (سوڈان)
(۸) " الاتراک ۔ " ترکون "
(۹) " الدکارنۃ البرواتیہ ۔ اہل بورلو (سوڈان) کے لئے ۔
(۱۰) " الجبرت ۔ مسلمان اہل حبش کے لیئے ۔
(۱۱) " الیمن ۔ یمن اور حضرموت والوں کے واسطے ۔

(۱۲) رواق الاکراد - کردوں کے لئے -
(۱۳) " الہنود - اہل ہندوستان کے واسطے
(۱۴) " البغدادیہ - اہل عراق کے لئے -
(۱۵) " دکارنہ صلیح - ساکنان صلیح (سوڈان) کے لئے -
(۱۶) " البرابرہ - اہل نوبیا کے واسطے

ان رواقوں کی وسعت ان کے رہنے والوں کے لحاظ سے کم و بیش درجہ رکھتی ہے رواقوں کے متعلق اسقدر اور معلوم کرنا ضروری ہے کہ کوئی طالب علم اپنے ملک یا مذہب کے رواق کے سوائے کسی دوسرے رواق میں پناہ نہیں پا سکتا خواہ کسی دوسرے رواق میں کتنی گنجایش ہو اور اُسکے اپنے رواق میں گنجایش نہ ہو جبتک اسکے رواق میں گنجایش نہ ہو وہ کسی دوسرے طالب علم کے مرنے یا چلے جانے تک امیدوار رہیگا - اور شہر میں کسی دوسری جگہ اپنی اقامت کا انتظام کریگا چنانچہ بہت سے طلبائے الازہر اسی طرح گذر کرتے ہیں - لیکن جو لوگ ان رواقوں میں رہتے ہیں انہیں ان رواقوں کی آمدنی کے مطابق کم و بیش نقد جیب خرچ اور ایک روز چھوڑ کر ہر دوسرے روز پانچ پانچ روٹیاں بلا سالن ملتی ہیں بعض رواقوں کی قلت آمدنی (سرمایہ) کی وجہ سے ان کے طلبا کو صرف روٹیاں ملتی ہیں اور نقد کچھ نہیں ملتا - سب سے بڑی رواقیں ترکوں شامیوں مغربیوں اور صعید والوں کی ہیں - کہ جنمیں بہت بہت طلبا کی گنجایش ہے - اور ان رواقوں کے وقف سے طلبا کو نصف گنی یا دو دو تین تین مجیدی ماہوار نقد بھی ملتی ہیں

سادہ روٹیاں تقسیم کرنا

روٹیوں کی تقسیم اسطرح کیجاتی ہے کہ ایک مقررہ وقت پر طلبا کی ایک جماعت صف باندھکر مسجد کے سامنے کے بازار میں کھڑی ہوجاتی ہے اور روٹیاں تقسیم ہونی شروع ہوتی ہیں - کہ جنہیں طلبا اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتے ہیں - اسطرح کئی گھنٹوں میں تمام طلبا کو روٹیاں تقسیم ہوجاتی ہیں - اور وہ بیچارے اپنے لئے سالن کا خود انتظام کرتے ہیں - یعنی تو اکثر

طلبا کو مولیوں یا سلاتا (سلاد) یا گاجروں کی کانجی یا چٹنی سے روٹی کہاتے دیکھا ہے۔ روٹی کھانے والے طلبا کو اسوقت دو ماشکی مسجد کے اندر پانی پلاتے پھرتے تھے۔ اور ہر طالب علم ماشکی کو ایک ٹکڑا روٹی کا توڑکر دیدیتا تہا۔ جو انگل بھر سے بڑا نہ ہوتا تھا۔ افسوس ہے کہ جو طلبا اسطرح روٹیاں پاتے ہیں اور ایسی بے سرو سامانی میں کھاتے ہیں ان میں کیا غیرت علو حوصلگی اور دیگر اعلے اسلامی شعار پیدا ہوسکتے ہیں۔

طلبا کی ناگفتہ بہ حالت میں شیخ عبد الحلیم آفندی مقیم رواق الشام (جامع ازہر) کے نام بیروت سے ایک معرفت کا خط لایا تہا۔ مگر پھر معلوم ہوا کہ کسی معرفت کی ضرورت نہ تھی۔ پہلے روز جب میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ تخمیناً پانچ چھ ہزار ہر عمر اور ہر رنگ اور قوم کے طالب علم موجود تھے۔ جو اکثر کھانے اور بعض پڑھنے میں مصروف تھے۔ سات سال کے بچوں سے لیکر ستر سال کے بوڑہوں تک یہاں بیٹھے نظر آتے تہے۔ کیسی بیقاعدگی سے یہ لوگ پڑھتے تھے۔ مسجد کے وسیع صحن میں کہیں ایک کہیں دو کہیں چار یا نو سر اور تمام جسم ہلا ہلا کر چلاتے تھے۔ یا روٹیاں نگلتے اور کہیں تاکتے تھے۔ اتنے میں مسجد کے دو میں سے ایک بلند مینار سے شام کی اذان سنی گئی ہر طرف دس دس پندرہ پندرہ بیس بیس آدمیوں کی جماعتیں نماز کے لئے کھڑی ہوگئیں۔ لیکن آدھے سے بہت زیادہ طلبا نے نماز کی پرواہ نہ کی اور کھانے اور باتیں کرنے میں مصروف رہے۔ اور بعض مسجد کے باہر بھی جاتے آتے رہے معلوم ہوتا ہے ان میں سے اکثر اسی صحن میں رات کو پڑکر سو رہتے ہیں۔ اور اپنا مختصر سا سامان ان سینکڑوں چھوٹی چھوٹی الماریوں میں رکھا کرتے ہیں جو دیواروں میں لگی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہ طلبا میں کوئی مستقل جماعت بندی ہے نہ وقت کی پابندی نہ رجسٹر حاضری۔ نہ سالانہ امتحان کی قید۔ اسلیئے بعض لوگ ساری ساری عمریں ازہر میں خرچ کر دیتے ہیں اور کسی منزل تک نہیں پہنچتے۔

طلبا کے مذاہب طلبا کی زیادہ تعداد شافعی مذہب کی پابند ہے۔ ۱۹۰۲ء میں

ہمبرگ کی کانفرنس السنہ مشرقیہ میں مصطفےٰ بک بیرم نے جو تقریر کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال الازہر کے طلبہ کی تعداد ۱۰۴۰۳ تک پہنچی ہوئی تھی جو باعتبار مذاہب بتفصیل ذیل منقسم ہوتے تھے۔ شافعی المذہب ۵۶۹۴ حنفی المذہب ۲۹۵۱ مالکی المذہب ۲۶۵۴ حنبلی المذہب ۲۹۔ اور ان طلبہ میں زیادہ تعداد کی خاص مصری باشندے تھے۔ کیونکہ غیر ملکی طلبہ کی تعداد ۱/۴ سے زائد نہیں ہوئی اور اسکی تفصیل یہ ہے:۔

مصری طلبہ	۹۷۵۸	شامی طلبہ	۲۴۴
مغربی "	۱۲۰	ترک "	۱۰۴
سوڈانی "	۵۷	بربری "	۴۵
تکروری "	۹	حجازی "	۷
جاوی "	۷	حبشی "	۶
افغانی "	۵	ہندی "	۳
بغدادی "	۳	میزان کل	۱۰۴۰۳

امتحانات سندات اور مدرسین

الازہر کی تعلیم تین درجوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ (۱) ابتدائی (۲) ثانوی (۳) انتہائی۔ تینوں درجوں میں بارہ سال صرف ہوتے ہیں۔ یہ امتحانات چھ علما جمع ہوکر لیتے ہیں۔ اور کامیابی پر جو سندیں دیتے ہیں۔ وہ تین قسم کی ہوتی ہیں:۔ اول۔ "شہادۃ المعافاۃ" یہ اس طالب علم کو ملتی ہے جو تین سال الازہر میں رہا ہو۔ اور اُسنے اس مدت کی تعلیم کا لازمی امتحان دیا ہو۔ دوم شہادۃ الاہلیۃ یہ طالبعلم کو اسوقت دیجاتی ہے جبکہ وہ آٹھ سال کم ازکم الازہر میں رہکر اس مدت کی خواندگی کا امتحان دیچکا ہوں اور یہی وہ اصلی سند ہے جو جدید نظام تعلیم کے داخل کئے جانے سے قبل عطا ہوتی تھی۔ اور اسکا مدعا یہ ہوتا تھا کہ سند یافتہ لوگ مسجدوں کی امامت خطبہ خوانی اور وعظ و نصیحت ارشاد و ہدایت کر سکیں کیونکہ ایسے ذمہ دار عہدے بغیر علماء اور پھر

لایق علماء نہوں تو عوام کے عقائد میں سخت تزلزل آجاتا ہے۔ نیز یہ امام مساجد میں عام لوگ انکو درس دینے کی اجازت رکھتے تھے۔ مگر الازہر کی مدرسی کے لائق نہیں سمجھے جاتے تھے۔ اور تیسری شہادۃ العالمیۃ طالبعلم کو اسوقت ملتی تھی جبکہ اسنے کامل ۱۲ سال الازہر کی تعلیم و تربیت سے فیض حاصل کر لیا ہوا اور ایسا سند یافتہ خاص الازہر میں بھی تعلیم دینے کے قابل تصور کیا جاتا تھا۔ ازہری مدرسوں کی تنخواہ کے تین درجے ہیں۔ ڈیڑھ سو۔ ایک سو اور پچہتر قرش۔

الازہر کا انتظام | اگرچہ الازہر میں طالبعلموں کی اسقدر کثرت ہے تاہم سالانہ امتحانوں میں ہر سال معدودے چند ہی لوگ سند لیکر نکلتے ہیں ورنہ اکثر طلبہ امتحانات کا وقت آنے سے پہلے ہی مدرسہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور صرف وہ لوگ جن کو سرکاری ملازمتوں شرعی محکمہ قضا یا مدرسی میں داخل ہونے کا شوق ہوتا ہے وہی امتحانات میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن اب ہر سال امتحان دینے والوں کی تعداد ترقی کرتی جاتی ہے۔ مدرسین کی مجموعی تعداد ۲۵۵ ہے اور کل مدرسوں کے تینوں درجوں کے لئے جُدا جُدا ہی۔ کچھہ علوم مقرر ہیں جنکو وہ پڑھاتے ہیں باعتبار مذاہب مدرسین کی تقسیم حسب ذیل ہے:۔

شافعی المذہب مدرسین ۱۰۰۔ مالکی المذہب مدرسین ۷۷۔ حنفی المذہب مدرسین ۷۶۔ حنبلی مذہب مدرسین ۲۔ پہلے الازہر کے مشائخ آج سے کچھہ ہی دلوں قبل تک وہاں کے معاملات میں خود مختار تھے اور جو چاہتے وہ انتظام کر لیتے لیکن ۱۳۱۲ھ میں حکومت نے ایک مجلس متعین کی جسکا نام مجلس ادارۃ الازہر ہے۔ اسکے پانچ ممبر ہیں جو بڑے بڑے علماء میں سے منتخب ہوتے ہیں۔ اور انعقاد جلسہ کے وقت شیخ الازہر انکا صدر انجمن ہوتا ہے۔ اب یہی مجلس تعلیمی۔ اخلاقی اور مالی حیثیتوں سے الازہر کے انتظامی معاملات میں نگرانی کیا کرتی ہے۔ جب میں گیا تہا تو شیخ الازہر شیخ سلیم بشری المالکی تھے۔ شیخ الازہر کی تنخواہ ستر پونڈ بلحاظ شیخ الازہر اور پچاس پونڈ بلحاظ مفتی ملا دہ

یعنے کل ایک سو بیس پونڈ یا اٹھارہ سو روپیہ ماہوار کے قریب ہوتی ہے اور مصر میں ان کے نام کی بڑی عزت ہے۔ جامع ازہر میں مختلف علوم و فنون کے بیس ہزار کتابوں کا ایک کتب خانہ بھی ہے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ وہ جامع ازہر کہ جسے تمام دنیا میں سب سے بڑی یونیورسٹی اور مسلمانوں کے لئے قابل فخر و مباہات بیت العلوم کہا جاتا ہے۔ اسمیں ہزاروں زندگیاں اور لاکھوں روپے سالانہ ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ آجکل اسکے اوقاف کی آمدنی بیس ہزار اشرفی سالانہ اندازہ کی جاتی ہے۔

کتب خانہ خدیوی تیرہ سو سال کی اسلامی حکومتوں نے بغداد و مصر اور دیگر بلاد اسلام میں جسقدر بہتر سے بہتر ذخیرہ قرآن مجید کا جمع کیا ہوگا۔ اسمیں سے یقیناً بڑا حصہ کتب خانہ خدیوی میں موجود ہوگا۔ اس ذخیرہ میں نہایت مطلا خوش خط اور عجیب و غریب صنعت تحریر کے کلام اللہ موجود ہیں۔ جو آئینہ دار گلاس کیسوں میں کھول کر رکھے گئے ہیں۔ انہیں میں ایک قرآن امام جعفر صادق کے ہاتھ کا ہرن کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ مصر کی مختلف مساجد کے کتب خانوں میں قدیم زمانہ سے جو قلمی کتابیں چلی آتی تھیں وہ سب اس کتب خانہ خدیوی میں جمع کر دی گئی ہیں۔ اور ان کی فہرست بڑے اہتمام سے گیارہ جلدوں میں چھاپی گئی ہیں۔ جنمیں سے سوائے دو آخری ترکی و فارسی کتابوں کے باقی عربی کتابوں کی فہرست کی جلدیں ہیں۔ میں نے یہ سب فہرست کی جلدیں ۲۵ غرش کو خریدی تھیں۔ ان میں کل ساٹھ ہزار کتابوں کے نام درج ہیں جنمیں سے چھتیس ہزار عربی۔ چار ہزار فارسی ترکی اور جاوی وغیرہ زبانوں کی اور بائیس ہزار یورپین زبانوں کی ہیں۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں اڑھائی ہزار عثمانی پونڈ سالانہ خرچ عملہ وغیرہ کتب خانہ کا تھا۔ جسمیں ۴۶۶۱ پونڈ خرچ مستخدمین - ۴۱۴۱ - ادائے ملازمین ۸۳۴ خرید کتب اور ۸۰۰ متفرق تھا۔ خدیو اسمٰعیل مرحوم نے اس کتب خانہ کے قیام کے لئے تین ہزار فدان (ایک فدان = ۱۰۳۸۰۸ - ۱ ایکڑ) اراضی

اپنی ذاتی جائداد سے وقف کر دی تھی۔ کتب خانہ کا مہتمم ایک جرمن ہے۔ اور اسکے ماتحت مصری عالم ہیں۔

مصر میں آثار قدیم

آثار قدیم دیکھنے کے لئے ٹکٹ

سلطان قائدبے اور خلفا کے مقابر اور مساجد دیکھنے کے لئے جو شہر کی مختلف حوالی میں ہیں پہلے ڈاک خانہ سے دو دو غرش کے دو ٹکٹ خریدنے پڑے۔ جنکے پاس یہ ٹکٹ ہوں انہیں مقابر و مساجد کے معائینہ سے کوئی محافظ روک نہیں سکتا۔ یہ ٹکٹ محکمہ محافظ آثار قدیمہ نے جاری کئے ہیں۔ اور یورپین سیاح ہی انہیں زیادہ خریدتے ہیں۔ ایک روز صبح سے دوپہر تک بڑی مستعدی سے میں گدہے پر سوار ہو کر پہرتا رہا۔ گدہے والا لڑکا گدہے کو اکثر تیز ہنکاتا اور دوڑاتا تہا۔ ایک جگہ جب میں کہانا کہانے کے لئے ایک لوکنده میں ٹھیرا تو گدہے والا لڑکا بہی بے تکلفانہ بن بلائے میرے ساتھ میز پر آبیٹھا۔ اور کھانا کھا کر برابر صابن سے ہاتھ دہوئے اور تولئے سے صاف کئے۔ اسکی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ مگر کمبخت ساڑھے سات بجے صبح سے ایک بجے دوپہر تک لگاتار میرے ساتھ دوڑتا پہرا۔

ازبکیہ

اسے قاہرہ کا چاندنی چوک سمجھنا چاہیئے۔ یہاں اہل یورپ کے بڑی بڑی عالیشان ہوٹل مکانات دوکانیں اور قہوہ خانہ ہیں جہازوں کی کمپنیاں اور بڑے بڑے تاجروں اور بنکوں کے دفاتر اور کونسل خانے سب یہیں ہیں۔ ٹامس کک اینڈ سنز کا ایجنٹ کا دفتر اور شیفرڈ ہوٹل بہی یہیں ہیں۔ یہ چوک دیکھکر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی قاہرہ چھوٹا پیرس ہے اور خدیو اسمٰعیل نے اسے ایسا آراستہ کرنے میں ضرور بہت سا روپیہ صرف کیا ہوگا۔ کہ جسنے مصر کو غیر قوموں کا غلام بنادیا جسطرح یورپین آبادی کے لئے ازبکیہ ہے اسطرح دیسی آبادی میں خان خلیل ہے۔ جو جامع سیدنا حسین اور جامع ازہر سے قریب ہی ایک نہایت پررونق مسقف بازار ہے

خان خلیل

کہ جسمیں پیتل کا سادہ کام کرتے ہیں اور جسمیں بہت بیش قیمت کپڑے شال لوئی اور زیور کے

بیچنے والے سوداگروں کی دوکانیں ہیں۔ بعض سندھی ہندوؤں کی بھی ہندوستان کے بہترین مال تجارت کی دوکانیں یہاں ہیں۔

عجائب گاہ الجیزہ

الجیزہ کہ جسے مصری الگیزہ کہتے ہیں دریا پار ایک قصبہ نزدیک مصر میں ہے کہ جہاں اجپٹالوجی کا بہترین عجائب گاہ ہے۔ اسمیں بہت سی ممیاں یعنے حنوط کی ہوئی لاشیں جمع ہیں۔ قدیم زمانہ میں اہل مصر کو کچھ ایسی کیمیائی ترکیبیں یاد تھیں کہ وہ اپنی لاشوں کو کچھ مسالہ مل دیتے تھے کہ جن کی وجہ سے ہزارہا سال کی پرانی لاشیں سڑنے گلنے سے محفوظ رہتی تھیں۔ چنانچہ ہزارہا سال کی مدفون شدہ جو لاشیں اب برآمد ہوتی ہیں۔ وہ جوں کی توں نظر آتی ہیں۔ البتہ مردوں کا گوشت تو خشک ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان کے ناخن اور بال بدستور اصلی صورت کے نظر آتے ہیں۔ جن علماء نے مصر کے قدیم آثار تلاش کیے سنگیں بتوں ممیوں ان کے زیورات پتھر کی تصویروں ہیروگلیفک حروف وغیرہ کی مدد سے ہزارہا سال کی نامعلوم تاریخ مرتب کی ہے انہوں نے علم تاریخ اور انسانی شائستگی پر بڑا احسان کیا ہے۔ ان کے علم آثار عتیقہ مصریہ کو اجپٹالوجی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس جیزہ کے عجائب گاہ میں جسقدر ذخیرہ اجپٹالوجی کا ہے دنیا کے کسی عجائب گاہ میں نہیں ہے۔ پتھر اور لکڑی کے بت اور باس رلیف بت بہت سے موجود ہیں۔ سکندر کے حکم سے یونانیوں نے جو سنگ مرمر کے افلاطون کی شبیہ نہایت کاریگری سے بنائی تھی۔ کہ جس کے پتھر کے بشرہ سے حکیم افلاطون کی اشراقیت نظر آ رہی ہے یہاں موجود ہے۔ ایک اور بت سکندر اعظم کا اسوقت کا موجود ہے جبکہ اسنے مصر پر چڑھائی کی تھی۔ بعض بتوں کے کمرے مقفل تھے جنکی نسبت معلوم ہوا کہ ان کی صورتوں سے آثار رنجش نمایاں ہیں۔ اشیا کی قدامت کے لحاظ سے بھی دنیا کا کوئی میوزیم اس سے فائق نہ ہوگا۔

جامع محمد علی

ہرچند کہ مصر کی جامع الازہر سب سے مشہور مسجد ہے۔ کیونکہ اسمیں تعلیم و تعلم کا سلسلہ

بڑے زور شور سے قدیم الایام سے جاری ہے۔ ورنہ بلحاظ عظمت اور خوبصورتی اور شان شوکت کے قاہرہ کی بہت سی دیگر مساجد اس سے اعلےٰ ہیں۔ اسوقت سب سے نئی اور خوبصورت مسجد خدیو محمد علی کی ہے جو بہت بلندی پر قلعہ کے اندر پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔ اور جسکو تعمیر ہوئے ساٹھہ ستر سال سے زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ یہ بڑی شاندار مسجد ہے۔ جس کے دو بلند مینار بہت دور سے نظر آتے ہیں۔ یقیناً اس کے بعد دنیا میں کہیں ایسی عالیشان اور لمتنے صرف زر سے کوئی دوسری مسجد تعمیر نہیں ہوئی۔ اس مسجد کے اندر خدیو کی قبر ہے۔ مسجد کے گرد کے برآمدہ کے ہر دروازہ کے محراب پر مسجد کی تعریف میں ایک خوشخط عربی مصرعہ فارسی خط میں کندہ ہے۔ قسطنطنیہ کی مساجد کی طرح مسجد کے اندر چار بڑے پیل پایوں پر ایک بڑا گنبد اور اسکے گرد چار نصف گنبد ہیں۔ خوشخط کتبے اور نقش و نگار دل کھول کر کندہ کئے گئے ہیں۔ اور اسی کے قریب اسی پہاڑی پر قلعہ کے اندر ایک سنگ خارا میں کھودا ہوا بہت گہرا کنواں ہے۔ جسکو مصری بیر یوسف یعنی یوسف کے کنوئیں کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ یہ ۲۰۰ فیٹ سے زیادہ گہرا ہے۔ اور دریائے نیل کی سطح کے برابر اسکی گہرائی کی سطح ہے۔ اور کنوئیں کے گردا گرد ڈھلوان سیڑہیاں ہیں۔ جن سے لوگ اس کے اندر اُترتے ہیں۔ جب میں آدہی راستہ تک پہنچا۔ تو وہاں ایک طرف دیوار میں ایک قبر نظر آئی۔ جو میرے ہمراہی عرب مجاور نے بتلایا کہ حضرت یوسفؑ کے ایک خادم کی ہے۔ اسکے بیر یوسف ہونے کی ایک یہ وجہ بتلائی جاتی ہے کہ ابو یوسف سلطان صلاح الدین نے اسے کھدوایا تھا۔ اسلئے چاہ یوسف مشہور ہو گیا۔ ایک عرب خادم اور ایک موم بتی والا لڑکا میرے ہمراہ تھا۔ میں تو گائیڈ کے کندہے پر ہاتھہ رکھکر اترتا تھا مگر موم بتی والا لڑکا اُلٹے پائوں اترتا جاتا تہا۔ نصف سے زمین گہرائی پر چوبی چرخ لگا ہوا ہے۔ جو کبھی نیچے سے پانی کھینچتا ہوگا۔ سیڑہیاں اسلئے مٹی پہیلا کر ڈہلوان کردی گئی ہیں کہ گدہے چرخ چلانے کو کنوئیں کے بیچ میں اُترکر

بیر یوسف

مزار امام شافعی

یہاں سے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرف گیا۔ کہ جنہوں نے یہیں سنہ ۲۰۴ ہجری میں انتقال فرمایا تھا۔ امام صاحب کے مقبرہ کا گنبد عالیشان ہے۔ قبر کے گرد چوبی جنگلہ ہے جس میں صدف کا عمدہ کام جڑا ہوا ہے۔ جیسا کہ دستور ہے ایسے مزاروں پر صدہا مجاور پرورش پاتے ہیں اور مسافروں سے مانگ مانگ کر [illegible] یہاں سے قریب ہی امام ابو اللیث اور کئی صحابہ کے مقبرے بتائے جاتے تھے۔ مگر میں دیکھ نہ سکا۔ سیدہ عائشہ بنوی کا مقبرہ بھی قریب ہی ہے۔

جامع طولون وغیرہ

مصر میں سب سے قدیم مسجد سلطان احمد ابن طولون کی ہے۔ جس پر اس زمانے میں آجکل کے پندرہ لاکھ روپیہ کے قریب صرف ہوا تھا۔ جبکہ موجودہ شہر القاہرہ اس کے بانی گوہر نے تعمیر کیا تھا۔ اس سے بھی ایک سو سال پہلے یہ مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ جو کہ مسجد کعبہ کے نمونے پر بنائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مسجد حسن جو ۷۵۷ ہجری میں سلطان حسن نے تعمیر کرائی تھی قاہرہ کی بہترین عمارات سے ہے۔ جامع الحکم۔ برقوق۔ سلطان قلاؤن۔ الغوری وغیرہ مسجدیں قابل دید ہیں۔ سلطان حسن کی مسجد پر مشہور ہے کہ تین سال تک ہر روز نو ہزار روپیہ خرچ ہوا کرتا تھا۔ قاہرہ میں کل پانچ سو کے قریب مساجد ہیں جنہیں سے قریب بیس پچیس کے نہایت قدیم اور قابل زیارت ہیں۔ میں نے ازبکیہ کے ایک فوٹوگرافر سے ان سب مشہور اور شاندار مساجد کے فوٹوگراف خرید لئے تھے افسوس ہے کہ اب ان میں سے جامع عمرو جامع طولون وغیرہ بعض مساجد بالکل شکستہ اور بے مرمت پڑی ہیں۔

اہرام مصر اور ان کی قدامت

مصر میں کوئی چیز بھی اتنی عجیب نہیں جتنے کہ یہاں کے اہرام ہیں۔ اہرام جمع ہرم کی ہے جس کے معنے بوڑھے کے ہیں۔ چونکہ مصر کے قدیم مخروطی مینار اتنے قدیم ہیں کہ بدستی کوئی جان نہیں سکتا کہ یہ کس زمانے میں تعمیر ہوئے تھے۔ اسلئے عربوں نے ان کا نام اہرام یعنی بہت پرانے مینار رکھا

آجکل کی جدید تحقیقات کے مطابق جو محققین یوروپ و امریکہ نے آثار قدیم مصر کے متعلق کی ہے یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ مینار تخمیناً چھ ہزار سال آج سے پہلے تعمیر کیئے گئے ہونگے۔ ابوالتاریخ ہیروڈوٹس نے ۴۵۰ قبل مسیح ان میناروں کی قدامت پر اظہار حیرت کیا تہا۔ ایک عیسائی مصنف نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے بھی اسے ایک سو سال قبل کی تعمیر بتلایا ہے۔ بہرحال ان کی تعمیر کی غرض یہ تہی کہ ان میں ان زمانوں کے بڑے بڑے بادشاہ دفن کیئے گئے ہیں۔ اور ایسے طور پر ان کے اندر ان کی لاشوں کو رکھا گیا تہا۔ کہ باوجود کوشش سے کہودنے کے بھی لاشیں بڑی مشکل سے مختلف حجروں میں چھپی ہوئی ملیں۔ تاہم ایچ جی ای ڈاسینٹ ڈالماس صاحب نے اپنی "ہرم اعظم اندر اور باہر سے" نامی کتاب میں اس سب سے بڑے مینار کی نسبت عجیب حالات لکھے ہیں۔ اور اس بات پر بحث کرکے ثابت کیا ہے کہ دوسرے اہرام کی طرح یہ بھی بطور ایک قبر کے استعمال کرنے کے لیئے چیوپس نامی ایک نہایت قدیم بادشاہ مصر نے اسے تعمیر کیا تھا۔ لیکن اسکی لاش اسمیں دفن نہیں کی گئی۔ کہ یہ مینار بعض ستاروں کے نہایت نادر اقتران کے وقت تعمیر کیا گیا تھا۔ جیساکہ اسکے اضلاع اور اسکے اندرونی حجروں کی پیمائش کی مقدار سے ثابت ہوتا ہے۔ جو یوروپ کے مختلف منجموں نے سالہا سال کی تحقیقات سے کی ہیں۔ اور کہ یہ ایک نادر رصدگاہ کی نیت سے بھی تعمیر ہوا تھا۔

خلیفہ مامون الرشید اور بڑے مینار کی اندرونی کیفیت

ہزارہا سال گذر چکے تھے مگر کوئی نہیں جانتا تہا۔ کہ ان عجیب ترین عمارات کے اندر کیا بھید ہے یا ان کی تعمیر کی کیا غائیت ہے۔ کہ آخر خلیفہ المامون عباسی نے ۸۲۰ھ میں اس راز سربستہ کے معلوم کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اسے بعض لوگوں نے بتلایا کہ قدیم سے خیال چلا آتا ہے کہ ہرم کے شمالی ضلع سے راستہ نکل سکیگا۔ خلیفہ نے ضلع کے وسط سے کام شروع کرایا۔ بجالیکہ سطح زمین سے اوپر ۴۲ فیٹ کچھ اینچ مشرق کی طرف

بیٹھکر داخلہ کا پتھر نصب تھا۔ غرض خلیفہ کے حکم سے صدہا مزدور اور کاریگر مینار کو چمٹے ہوئے تھے۔ مگر اس پتھر کے پہاڑ کے مقابلہ سے جلد ہی عاجز آ گئے۔ لیکن خلیفہ نے اصرار کیا کہ میں ضرور اسکے اندر کا راز منکشف کرنا چاہتا ہوں۔ آخر ہفتوں سے گذر کر مہینے ہو گئے۔ اور مزدوروں اور سنگتراشوں کی پریشانی بہت بڑھ گئی۔ لاکھوں روپئے شاہی خزانہ سے نکل گئے۔ کہ ناگاہ ایک روز مزدوروں نے ایک جگہ سے ایک پتھر کے گرنے کی آواز سُنی۔ یہ ایک پتھر راستہ کے سامنے جوڑا ہوا تھا۔ جو گر گیا۔ اور اندر کا راستہ نظر آگیا۔ خلیفہ بڑے شوق سے اندر گیا۔ مگر بادشاہی کمرہ میں سوائے ایک سنگی خالی تابوت کے اور کچھ نہ تھا خلیفہ نے چپکے سے رات کو اتنی اشرفیاں خزانہ شاہی سے لیکر کہ جتنی مینار کی کھدائی پر صرف ہوئی تھیں ایک جگہ مینار کے اندر ایک راستہ میں دفن کر دیں اور ادھر سے گذرتے ہوئے انہیں نکالکر کہا کہ الحمدللہ ہمیں خزانہ ملگیا۔ اور شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ جتنا خرچ ہوا تھا۔ اُتنا نکل آیا ہے۔ چنانچہ اب سب سیاح ان کمروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ہم نے بھی بعض راستے اس دنیا کے سب سے بڑی تعمیر کے اندر دیکھے تھے۔ کہ جو زمانہ قدیم کے سات عجائبات میں سے ایک ہے۔ اور اُن میں سے اکیلی ہی ابتک باقی ہے۔ ورنہ باقی چھ عجائبات معدوم ہو چکے ہیں۔ مصر میں تین مختلف مقامات میں یہ مخروطی مینار موجود ہیں۔ جو تعداد میں کل بتیس ہیں۔ لیکن ان میں سب سے بڑا مینار مع کئی چھوٹے میناروں اور سفنکس

بڑے مینار کی عظمت

کے۔ کہ جسکو عرب ابوالہول کہتے ہیں۔ قاہرہ سے آٹھ دس میل کی مسافت پر واقع ہے۔ وہ عظمت اور ہول جو اس دنیا کی سب سے بڑی تعمیر کے دامن میں کھڑے ہونے سے دیکھنے والوں کی آنکھوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ کوئی قلم انکا صحیح نقشہ پیش نہیں کر سکتا۔ شہر مصر سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر دریائے نیل کی دائیں جانب ایک بلندی پر یہ مخروطی مینار واقع ہیں۔ بڑے مینار کی بلندی (۴۸۱) فیٹ یعنے دہلی کی قطب صاحب کی

لاٹ سے دو چند اور ایک ضلع کا طول ۷۰۰ فیٹ ہے۔ کل رقبہ زیرِ گمد (۴۴۲۸۵۳۵) مربع فیٹ کل پتھر کی مقدار پانچ ملین ٹن اور کل چنائی کی مقدار ۸۹ ملین مکعب فیٹ ہے۔ مینار کے لفظ سے اس تعمیر کی شکل کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ بڑا مینار ایک مربع قطعہ اراضی پر تعمیر ہے جسکا ہر ضلع (۷۵۵) فیٹ ہے۔ جو بہت بڑے بڑے پتھر کی چٹانوں سے تعمیر کیا گیا ہے یہ چٹان تخمیناً ڈیڑھ گز لمبے اور گز سے زیادہ چوڑے اور اونچے ہیں۔ جو ان کی درزوں میں اینٹوں کا کام دیتے ہیں۔ ہر تہ سے اوپر کی تہ ایسا ایک ایک چٹان خالی چھوڑ کر رکھی گئی ہے۔ ایسے طور پر کہ ہر بیرونی تہ چٹانوں کی ایک کھانے کی میز کے برابر اونچی سیڑھی اوپر چڑھنے کے لئے بن گئی ہے۔ اور اس طریق تعمیر سے مینار نوکدار بنتا ہوا چوٹی پر ایک پتھر پر جا ختم ہوا ہے۔ اور اسکے چاروں طرف سیڑھیاں سی بن گئی ہیں۔ میں نے اسلئے ان میناروں کی صورت اور تعمیر کے طریق کو اس وضاحت سے بیان کرنا مناسب سمجھا ہے کہ ناظرین بدرستی سمجھ سکیں کہ ان کی شکل کیسی ہے۔ کیونکہ باوجود مخروطی شکل کے خیال سے واقف ہونے کے میں ان کی صحیح شکل نہیں جانتا تھا۔ جب تک کہ میں نے انہیں دیکھا نہیں تھا۔ پتھر جن سے یہ مینار تعمیر ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے ہیں کہ دیکھنے والے کو تعجب ہوتا ہے کہ یا تو اس زمانے میں کہ جس میں یہ تعمیر ہوئے تھے۔ فن جر ثقیل آجکل سے بہت ہی زیادہ ترقی پر ہوگا۔ کیونکہ سینکڑوں میل کی مسافت سے یہ پتھر یہاں لائے گئے ہیں۔ اور پھر اتنی بلندی تک انکو چڑھایا گیا ہے۔ یا یہ انسان کا کام نہیں ہے۔ بلکہ جنات کا کام ہے۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسی قسم کا خیال امام محی الدین عربی رح نے بھی ظاہر کیا ہے۔ آپ نے بعض تحریرات سے جو ان میناروں پر کسی زمانے میں موجود تھیں۔ یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ یہ ستاروں کے ایسے اقتران کے وقت تعمیر ہوئے تھے۔ جسکو کئی ہزار سال گذرے تھیں۔ اور جنات نے ان کو تعمیر کیا ہوگا۔ یہ خیالات ان میناروں کے اہرام بنانے کی وجہ

کافی ہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں ہرم بہت بوڑہے کو کہتے ہیں کہ جسکی جمع اہرام ہے۔

ایک مینار گرانے کا خرچ

ان میناروں میں سے جو سب سے چھوٹا ہے اور اوپر سے اسکا پلستر خراب ہوا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسکی یہ کیفیت مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ ۵۹۳ھ ہجری میں ملک العزیز پسر سلطان صلاح الدین نے بعض احمق مشیروں کی تحریک سے اسے گرانا چاہا تہا۔ چنانچہ بہت سے سنگتراش اور مزدور اسکام پر لگا دیئے اور آٹھ مہینہ تک سرگرمی سے اسے گرانیکی کوشش جاری رہی جسپر ہزاروں روپے خرچ ہو گئے۔ مگر سوائے کچھ پلستر خراب کرنے کے کچھہ نتیجہ نہ نکلا۔ ایک قدیم مصری بادشاہ کا قصہ مذکور ہے کہ اُسنے اندازہ لگایا تھا کہ اگر میں اپنا تمام خزانہ بھی ان میں سے ایک مینار کے گرانے پر صرف کردوں تو مینار کا بہت چھوٹا سا حصہ گرایا جاسکیگا۔ یہ مصری مینار ایسے عجائبات عالم ہیں۔ کہ جنکی تہوڑی سی کیفیت درج کی گئی ہے۔

میناروں کی سیر۔

قاہرہ کے جدید یورپین حصہ کے قریب دریائے نیل پر ایک پل بنایا گیا ہے۔ جسے قصر النیل کہتے ہیں۔ اور پل کے دوسری طرف موضع الجیزہ واقع ہے کہ جہاں مصر کا آثار قدیم کا نادر عجائب خانہ ہے۔ کہ جسکی کیفیت اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یہاں سے ایک غرش دے کر برقی ٹریموے کے ذریعہ سے آدھ گھنٹہ میں ان میناروں کے دامن میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں جو لوگ میناروں کے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔ وہ دو شلنگ دیکر ایک ٹکٹ خریدتے ہیں۔ اور جو صرف اُن کے گرد چکر لگانا چاہتے ہیں وہ ایک شلنگ کا ٹکٹ لیتے ہیں۔ ٹکٹ کا دفتر یہیں موجود ہے ہر وقت بیسیوں یورپین دنیا کے ہر حصہ سے اہرام کے دیکھنے کے لئے یہاں موجود رہتے ہیں ہر ٹکٹ لینے والے شخص کے ہمراہ ایک عرب شیخ ایک ایک عرب کو متعین کردیتا ہے۔ اگر وہ شخص مینار کے اوپر چڑھنا چاہتا ہے۔ تو یہ شخص آگے سے ان بڑی سیڑھیوں پر کھینچتا ہوا چوٹی تک لے پہنچتا ہے۔ ہر سیڑھی کی بلندی تمہاری کمر یا ناف تک پہنچتی ہے۔ اسلئے ناواقف شخص کا تنہا مینار پر چڑھ جانا

سخت مشکل ہے۔ کمزور شخص۔ بزدلوں اور یورپین عورتوں کو دو دو عرب کھینچکر چڑھاتے ہیں۔ اگر اوپر چڑھتے ہوئے تم نے ذرہ بھی زمین کی طرف دھیان کیا۔ تو تمہارا سر چکرا جاتا ہے اور تمہیں خوف دامنگیر ہوجاتا ہے کہ اگر یہاں سے پاؤں پھسل جائے تو کسی طرح بھی زندگی بلکہ جسم کا سلامت رہنا ممکن نہیں۔ تاہم ہر روز سینکڑوں یورپین مرد اور عورتیں ان عربوں کی مدد سے بڑے مینار پر چڑھتے ہیں۔ بعض لوگ اس کے اندر بھی گھستے ہیں۔ اندر جانے کا راستہ بھی مشکل ہے کہ جسے عرب مشعلیں لیکر دکھلاتے ہیں۔ اسلئے میں بہت دور نہیں گیا۔

ابوالہول اسی بڑے مینار سے ہم سو گز کے قریب سفنکس یعنی ابوالہول کا عظیم الشان بت ہے جو ایک ہی پتھر کے چٹان سے تراشا ہوا ہے۔ نیچے کا دھڑ شیر کا اور سر عورت کا ہے۔ جو قدیم اہل مصر کے نزدیک طاقت اور عقل کی علامت تھی۔ اگلی ٹانگیں پچاس فیٹ لمبی ہیں۔ سر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ ابرو سے ٹھوڑی تک تیس فیٹ اور سر کی چوڑائی ۱۴ فیٹ ہے۔ اس عجیب و غریب بُت میں یہ نہایت حیرتناک بات ہے کہ اسکی آنکھوں سے حسرت برستی ہے اور اسکے اعضا میں اسقدر شدت کا تناسب قایم رکھا گیا ہے کہ اسمیں کوئی نقص نکالنا ممکن نہیں۔ مگر اب سفنکس کا ناک اور منہ کچھ خراب ہوگیا ہے جو معلوم ہوا کہ ایک دیندار مسلمان سلطان نے بت کی شان خراب کرنے کے واسطے توڑ دا دیا تھا یہ عظیم بُت مرور زمانہ کی وجہ سے ریگ میں دب گیا تھا۔ کیونکہ جہاں یہ واقع ہے وہاں چاروں طرف ریگستان ہے لیکن اب ریگ کو چاروں طرف سے تھوڑا تھوڑا ہٹا کر اسکو نکالا گیا ہے۔ اسی کے قریب زمین کے اندر ایک مندر دکھلایا گیا جس میں سنگ اور سیاہ پتھر کی اتنی لمبی چٹانیں استعمال کی گئی تھیں کہ ایک چٹان کا طول ہمنے سات گز لمبا اندازہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اسی قسم کے مندر ہر مینار کے ساتھ بنے ہوئے تھے۔ جن میں اس زمانے میں ان بادشاہوں کی لاشوں کی پرستش ہوتی تھی۔ کہ جو ان میناروں کی تہوں میں دفن تھے۔ کیونکہ وہ لوگ بادشاہوں کی لاشوں میں صفات الوہیت کے قایل تھے۔ دریائے

نیل کے اِس کنارے پر لق و دق ریگستان میں ان عظیم الشان اہرام اور ابوالہول کے دور سے دیکھنے سے عجیب و دلچسپ نظارہ پیدا ہوتا ہے اور آنکھوں کے سامنے وہ تمام بوقلموں نظارے پھر جاتے ہیں جو مرور زمان میں ان قدیم میناروں پر گذر چکے ہیں۔ ایک عرب شاعر اس مضمون کو ان خوبصورت سطور میں قلمبند کرتا ہے

ـه تامل ہیئت الہرمین وانظر　　(اہرام کی صورت دیکھو اور اس پر نظر کرو۔ اور ان دونوں

وبینہما ابوالہول عجیبٌ　　کے مابین ابوالہول ایک عجیب چیز ہے۔)

وما ء النیل بینہما دموعٌ　　(اور دریائے نیل ان دونوں کے درمیان آنسو کی طرح ہے

وصوت الریح عندہم نحیبٌ　　اور ہوا کی صدا ان کی نزدیک ماتم کی آواز ہے)

ودونہما المقطم وہو یحکی　　(ان دونوں سے اُستر مقطم کی پہاڑی ہے جو گویا ہے

رکاب الرکب ابرکہا اللغوبٌ　　کہ سواروں کے اونٹوں کو تکان نے تھکا کر بٹھا دیا)

مصر کے مزدور جیسا کہ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں مصر کے مزدور بڑے خراب ہیں یہ مسافروں کو لوٹتے ہیں۔ اور ایسے بے اُصول اور لٹیرے ہیں کہ کام کی ہیئت اور اُجرت کی مقدار میں کوئی بھی نسبت نہیں قایم کرتے۔ ایک دو آنہ کے کام کے بدلے دو روپے مانگ لیتے ہیں۔ پھر خواہ تم جھگڑ کر انہیں چار آنہ تک لے آؤ۔ مگر ناواقف اکثر دھوکہ کھا جاتا ہے۔ اور مصر میں ہر مرتبہ قلیوں اور گاڑیبانوں نے مجھ سے زیادہ مزدوری لی ہے۔ جب تم کسی مزدور کو اس کے مطالبہ کے موافق نہ دو۔ تو قسمیں کھانے لگتا ہے اور اکثر کہتا ہے۔ "نجیات ربنا ہذا ما فش کافی" یعنی خدا کی قسم یہ تھوڑا ہے۔ "براس الحسین" یعنے امام حسین کے سر کی قسم۔ شاید مصر کے مزدور اس وجہ سے بھی اس زیادہ ستانی اور بے اصولی کے عادی ہو گئے ہیں۔ کہ یورپین سیاح اور خصوصاً انگریز اور امریکن سیاح اپنی دولتمندی اور ملک کی ناواقفی کی وجہ سے مزدوروں کو منہ مانگی اُجرتیں دے دیتے ہیں۔ اِس سے وہ دوسرے مسافروں کو بھی دق کرتے ہیں۔ مصر کے بندر گاہوں پر کئی قلی یا ترجمان اردو کے بعض فقرے بھی جانتے ہیں۔ اور انگریزی تو اکثر ٹوٹی پھوٹی بول سکتے ہیں۔

مصر کے مطابع۔ اخبارات اور بعض مشاہیر سے ملاقات

مصر کے مطابع

مصر کے مطابع کے متعلق یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہاں دو قسم کی کتابیں چھپتی ہیں۔ ایک تو قدیم مصنفین کی عربی تصانیف من قبیل۔ فقہ حدیث۔ تفسیر۔ تاریخ۔ صرف نحو وغیرہ اور دوسری زمانہ حال کی کتابیں جو کتب حدیثہ کہلاتی ہیں۔ مثلاً یورپین زبانوں کے ترجمے۔ یا مدرسوں کی کتابیں اور پمفلیٹ وغیرہ۔ قدیم کتابیں علاوہ تاجروں کے مطابع کے مصر کے سرکاری مطبع یعنے "میری" بولاق میں چھپتی ہیں کہ جسے پہلے پہل خدیو محمد علی نے جاری کیا تھا۔ اور یہاں سے آجتک بہت سی بیش قیمت کتابیں چھپ چکی ہیں۔ اس سرکاری مطبع کی کتابیں بھی دوسری کتابوں کی طرح بازار میں بکتی ہیں۔ یہ کتابیں نسبتاً اچھے کاغذ پر چھپتی ہیں اور کسی قدر گران بھی ہوتی ہیں۔ مگر بازاری مطابع کی کتابیں عموماً خاکی کاغذ پر معمولی ٹائپ کے خط میں چھپتی ہیں اور مقابلتہً ارزان ہوتی ہیں ان میں عام دستور یہ ہے کہ ایک کتاب متن میں ہوتی ہے۔ تو اسی فن یا اسی مصنف کی کوئی دوسری کتاب حاشیہ پر چڑھا کر ختم کیجاتی ہے۔ مصر میں میں نے دیکھا ہے کہ ہندوستان کی نسبت کتابوں کے مجلد کرکے فروخت کرنے کا زیادہ رواج ہے۔ بعض کتابیں اجزا کی صورت میں بھی فروخت ہوتی ہیں لیکن زیادہ مجلد بکتی ہیں۔ پتھر پر چھاپنے کا بہت کم رواج ہے۔ اور سوائے قرآن مجید کے شاذ ونادر کوئی دوسری کتاب پتھر پر چھاپی جاتی ہے۔ ایسی مصری کتابیں مصر میں بہت ارزان بکتی ہیں۔ چنانچہ میں نے مصطفےٰ بابی الحلبی تاجر کتب خان خلیل بمصر سے ڈیڑھ سو روپے کی کتابیں خریدیں اور بعض دوسری کتابوں کے تھا بند کرکے سویز تک ریل میں اور پھر جہاز میں اپنے ہمراہ لایا تھا۔ لیکن اپنے ہمراہ

لانے میں میرا خرچ نسبتاً زیادہ ہو گیا۔

کتب جدیدہ

کتب جدیدہ کے چھاپنے والے مطابع علیحدہ ہیں۔ ان میں سے سب سے اچھا مطبع محمد علی صاحب کامل کا ہے۔ یہ کتابیں خوشنما ٹرکی ٹائپ سے چکنے ولایتی کاغذ پر زیادہ اہتمام سے چھپتی اور یورپ کی اچھی چھپی ہوئی کتابوں سے مقابلہ کر سکتی ہیں۔ محمد علی صاحب کامل ایک نوجوان مصری ہیں۔ انہوں نے فرانسیسی زبان اعلےٰ درجے کی تحصیل کی اور قانون کا امتحان پاس کر لیا۔ تاہم مطبع کے پیشہ کو ترجیح دی۔ اور خوبصورت عربی کتابیں چھاپنے کا انہیں بڑا شوق ہے۔

عربی اخبارات و رسالے

قاہرہ میں بہت سے روزانہ اور ہفتہ وار اخبار اور ماہوار رسالے عربی زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ جن میں بعض مسلمانوں اور بعض عیسائیوں کے ہیں۔ روزانہ اخبارات میں المؤید سب سے بڑا اخبار ہے۔ اور اب اللواء بھی ترقی کر رہا ہے اور برقی طاقت سے شائع ہوتا ہے۔ مگر المؤید کے ہوشیار مالک شیخ

المؤید

علی یوسف صاحب کی لیاقت اور رسوخ سے ان کا سکہ ایسا بیٹھ چکا ہے۔ کہ مصر کے اچھے اچھے لوگ المؤید سے ڈرتے ہیں۔ المؤید دولت عثمانیہ کا طرفدار ہے مگر انگریزی قبضہ مصر سے بھی اظہار مخالفت نہیں کرتا۔ اور شاید دنیا میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اخبار ہے۔ مجھ سے شیخ علی یوسف مالک و ایڈیٹر المؤید بڑی مہربانی اور محبت سے پیش آئے۔ اور ان سے دو تین ملاقاتیں ہوئیں آخری روز جب میں ان سے رخصت ہوا تو افسوس کرتے تھے۔ کہ میں نے اتنی جلدی رخصت ہونے کا ارادہ کر دیا۔ اس پر انہوں نے میری کچھ کیفیت حسن ظن کی اسی روز کے المؤید میں شائع کی اور مجھے اپنا فوٹوگراف بھی دیا۔ یہ دُبلے پتلے چھوٹے سے قد کے آدمی ہیں۔ اور وطنی لباس پہنتے ہیں۔ سوائے عربی زبان کے کوئی مغربی زبان نہیں جانتے۔ مگر عربی لکھنے اور معاملات کے سمجھنے میں بڑے لائق ہیں۔ ان کے نائب ایڈیٹر انگریزی اور فرانسیسی زبانیں جانتے ہیں۔ دوران گفتگو میں میں نے ان سے ذکر کیا۔ کہ ہندوستان میں انگریزی زبان کے اخبارات دیسی

زبان کے اخبارات سے زیادہ معزز اور بڑے ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مصر میں صورت اس کے برعکس ہے۔ وہاں عربی زبان کے اخبارات سب سے بڑے ہیں چونکہ کہا کہ انہیں حاکم قوم کی زبان ہونے کا فخر ہے۔ پھر شیخ علی یوسف صاحب نے مہربانی کر کے مجھے اپنا چھاپہ خانہ دکھلایا۔ کہ جس میں ایک بہت بڑی مشین پر ان کا اخبار چھپ رہا تھا۔ تو میں نے پوچھا کہ المؤید کی اشاعت کس قدر ہے۔ آپ نے کہا آٹھ ہزار روزانہ ہے۔ یہ اشاعت ہندوستان کے شاید ہی کسی روزانہ انگریزی اخبار کی بمشکل ہو۔ مصر میں بازاروں میں اخبارات بکنے کا رواج بہت ہے۔ اور عام لوگوں میں اخبار خرید کر پڑھنے کا مذاق بھی خوب پیدا ہو گیا ہے۔

اللواء میں مصطفیٰ کامل صاحب ایڈیٹر و مالک اللواء سے بھی ملا جنہوں نے ابھی سال گذشتہ میں روزانہ اخبار جاری کیا تھا۔ لیکن ان کی ذات کی شہرت ان کے اخبار سے بھی زیادہ ہے۔ یہ ایک چھریرے بدن کے خوبصورت نوجوان ہیں۔ یورپین لباس پہنتے ہیں۔ پہلے انہوں نے قانونی پیشہ کیلئے تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن حب الوطنی نے جوش مارا۔ انہوں نے اسبات کی تائید میں لکچر دینے شروع کئے کہ انگلستان نے مصر میں عربی پاشا کی بغاوت کے وقت فوج بھیجتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ جب امن ہو جائیگا۔ تو مصر خالی کر دیا جائیگا۔ لیکن اب اس بات کو مدت طویل گذر چکی ہے۔ اور مصر میں ہر طرح سے امن بھی ہے اب انگلینڈ اپنے وعدے کو ایفا کرے۔ یہ عربی زبان کے علاوہ فرانسیسی میں بھی اچھی تقریر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بار بار فرانس اور ایک بار جرمنی میں جا کر انہوں نے کئی تقریریں اس بارے میں کیں۔ اور وہاں کے ایڈیٹروں نے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ انہوں نے خیر و عافیت کے بعد مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان میں تم لوگوں کا کیا حال ہے۔ تو میں نے کہا۔ اچھا ہے۔ ہم لوگ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہمیں ہر طرح کی اصلاح اور ترقی کی آزادی حاصل ہے۔ جب میں نے انہیں اپنا مطلب بخوبی سمجھا دیا۔

تو انہوں نے کہا۔ کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ میں انگریزوں کا دشمن ہوں وہ غلطی کرتے ہیں۔ میں تو ان کے مصر پر قبضہ رکھنے کی ایک پالیسی کا مخالف ہوں۔ ورنہ انگریزوں میں میرے دوست موجود ہیں۔ یہاں تک کہ لارڈ ڈفرن کا بیٹا جو جنگ ٹرنسوال میں مارا گیا ہے۔ وہ میرا بڑا دوست تھا۔ میں نے جوانان مصر کی تعلیم قومی خیالات اور خلوص اور کیریکٹر کی نسبت ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ بیشک وہ بہت ہوشیار اور معقول اور اہل خلوص ہیں۔ کیونکہ ہماری ابتدائی تعلیم کی کتابوں میں یہ سب باتیں مدنظر رکھی گئی ہیں۔ ہم ملک اور قوم کے حقوق انہیں پہلے سکھلاتے ہیں۔ خاتمہ پر کہا کہ مصر میں کئی شیر غاروں میں سوتے ہیں جو بوقت ضرورت نکل آئیں گے۔ لیکن میرے ہمراہیوں محمد شکری اور عابدین آفندی نے مجھے راستہ میں یقین دلایا کہ مصر کے نوجوان اکثر نالائق ہیں۔ تھوڑی سی فرنچ یا انگلش سیکھکر نوکری حاصل کر لینے کے بعد سوائے کھانے شراب پینے اور عیش و عیاشی کے انکا اور کوئی کام نہیں۔ بہر حال مصطفےٰ کامل صاحب ہونہار اور پر جوش آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کا اخبار ترقی کر رہا ہے۔ میرے واپس آنے کے بعد مصطفےٰ کامل پاشا کو بہت کامیابی ہوئی ہے۔ ان کے ہم خیال لوگ بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور سنہ ۱۹۰۰ء سے انہوں نے مصریوں کے قومی گروہ کے اغراض کی اشاعت کیلئے علاوہ روزانہ اللوا کے ایک فرانسیسی اور ایک انگریزی روزانہ اخبار "لے تاندرد ایجپیان" اور "دی ایجپشن سٹینڈرڈ" جاری کئے ہیں۔ مصر کی آزادی کے لئے کوشش کرنا اور باب عالی کی حمایت مصطفےٰ کامل پاشا کی پالیسی کا خلاصہ ہے۔

المقطم　یہ مسیحی روزانہ اخبار انگریزی قبضہ مصر کا اکیلا آرگن ہے۔ فارس نمر ایک مشہور عیسائی اسکا ایڈیٹر ہے۔ یہ اخبار خبروں میں متانت کا لحاظ رکھکر اندرونی معاملات ملک پر خوب لکھتا ہے۔ مگر عثمانی حکومت کی پالیسی پر ضرور نشتہ آتا ہے وہ ترکوں پر بعض اوقات معقول اعتراض کرتا ہے۔ سب سے مقدم پالیسی اس اخبار کی انگریزوں کی رضا جوئی ہے کیونکہ وہ صاحب طاقت ہیں۔

سلہ سخت افسوس ہے کہ سنہ ۱۹۰۸ء میں عین عالم شباب میں انکا انتقال ہو گیا ہے۔

الاہرام یہ بھی عیسائی روزانہ اخبار ہے جو عام مصری پبلک اور عثمانی پالیسی کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ بعض اوقات یہ فریخ حقوق کا بھی پاس کرتا ہے۔ اور عموماً بے رو و رعایت لکھتا ہے۔

ان کے علاوہ المئیر والظاہر وغیرہ اور کئی ایک روزانہ اور ہفتہ وار پولیٹیکل اخبار بھی قاہرہ سے شائع ہوتے ہیں۔ ماہوار رسالے الہلال۔ المنار۔ الحیات۔ المقتطف انوار الاسلام وغیرہ کئی نکلتے ہیں۔ کہ جنکی فہرست بہت لمبی ہے۔ ان میں سے میں رشید آفندی صاحب ایڈیٹر المنار سے ملا۔ یہ بڑے لائق اور عاقل نوجوان ہیں۔ ہندوستان کے اخبارات میں بارہا ان کے بیش بہا رسالہ سے مضامین ترجمہ ہوکر چھپتے ہیں **المنار**

جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اسلامی مسائل پر کس لیاقت سے لکھ سکتے ہیں۔ اور موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو صحابہ کبار کے زمانے کے مسلمانوں کی طرح بنانا چاہتے ہیں۔ ایسا محمد عبدہ صاحب مفتی دیار مصر آپکے اعزہ سے ہیں۔ آپنے ان سے میری ملاقات کرائی۔ مفتی صاحب علوم دینیات میں فاضل اجل ہیں

مفتی محمد عبدہ صاحب

اور زمانہ حال کے حالات سے بھی بے خبر نہیں۔ آپ اپنے اعلیٰ عہدے کی بہت سی ذمہ واریوں کے علاوہ اکثر سرکاری اور غیر سرکاری مجلسوں کے رکن رکین ہیں۔ اور رفاہ عام کے کاموں میں مدد کرنے کے دل سے ساعی رہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے ایک روز مجھسے مسلمانان ہندوستان کی تعلیمی کیفیت دریافت کرکے کہا کہ کیا ایسی دنیاوی تعلیم سے طلبا مذہب کو تو نہیں بھول جاتے۔ میرے اس سوال کے جواب میں کہ کیا سوائے اسلام کے دیگر ادیان کے نیک لوگ بھی مستحق مغفرت ہیں یا نہیں فرمایا کہ جو نیک بندے خدا کو ایک مانتے ہیں وہ بخشے جائیں گے۔ جنت کے لئے نیک ہونیکی شرط ہے بد مسلمان بھی نہیں بخشے جائیں گے۔ جو خدا کو واحد نہیں مان سکتے ان کے دماغ صحیح نہیں۔ اور چونکہ نجات کے لئے مرد کامل ہونے کی ضرورت ہے وہ اسکو نہیں پا سکتے اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں۔ آپنے اپنی تصنیفات سے رسالہ التوحید اور تقریر مفتی دیار مصر کے کئی نسخے دیئے۔ ایک روز میں ازہر میں ان کے درس تفسیر

میں بھی شامل ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ سنہ ۱۹۰۵ء میں ایسے علامہ کا انتقال ہو گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مفتی صاحب فرانسیسی بول سکتے تھے اور کہتے تھے کہ قصد ہے کہ چھ ماہ انگلستان میں رہ آؤں تاکہ انگریزی بولنا سیکھ لوں۔ اللہ کیسے اولوالعزم بزرگ تھے۔

خدیو المکرم کی ملاقات کا ارادہ

قاہرہ سے رخصت ہونے سے دو روز پہلے رشید آفندی صاحب ایڈیٹر المنار نے مجھے کہا کہ اگر مجھے حضرت خدیو المکرم کی ملاقات کا شوق ہو تو اسکا انتظام کریں۔ چنانچہ اس گفتگو سے تھوڑی دیر بعد ہم دونوں ایک گاڑی پر سوار ہو کر قصر عابدین میں جا پہنچے۔ آگے ایک پہرہ تھا۔ ہم اس سے آگے بڑھے تو ایک شخص نے ہمیں ایک ویٹنگ روم میں بٹھلا دیا جو آرام کرسیوں اور عمدہ فرش سے آراستہ تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک اور شخص نے آکر ہمیں ایک اس سے بھی زیادہ پرتکلف کمرہ میں لیجا کر بٹھلا دیا۔ اتنے میں ایک افسر نے آکر اطلاع دی کہ حضور خدیو چار روز کے لئے شہر سے چند میل باہر تشریف رکھتے ہیں۔ اگر ضروری کام ہو۔ تو بذریعہ ٹیلیفون اجازت حاصل کر دوں۔ لیکن چونکہ میں جہاز کا ٹکٹ خرید چکا تھا۔ اور زیادہ ٹھیر نہیں سکتا تھا اسلئے ارادہ زیارت فسخ کر دیا۔

لطیف پاشا سلیم حجازی

شکری آفندی صاحب نے اعیان قاہرہ میں سے ایک علم دوست بزرگ لطیف پاشا سلیم حجازی سے ملاقات کرائی۔ پاشائے موصوف کے دل میں قومی درد کا بہت احساس تھا۔ مگر ساتھ ہی ان پر قومی بدنصیبی کیوجہ سے دفوریاس کا غلبہ تھا۔ اُن کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمان خواہ ہندمیں ہوں۔ ٹرکی یا مصر یا چین میں سب جگہ نالائق اور ذلیل ہیں۔ اب یہ امت مر چکی ہے۔ خدائے تعالےٰ جبتک کسی اور رسول کو ان کے احیا کے لئے نہ بھیجے ممکن نہیں کہ یہ پھر پنپیں اب انگریزی یا فرانسیسی پڑھنے۔ مدرسے جاری کرنے مجلسیں قائم کرنے اور فابریقے (فیکٹریان) بنا لینے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے کہا اسقدر مایوسی تو ایمان کے خلاف ہے۔ اسپر پاشا صاحب نے کہا کہ کیوں نہیں کوئی ہندوستان کا مسلمان قرآن کے صحیح مطالب کا انگریزی ترجمہ کر دیتا تاکہ اہل یوروپ کو اتنا معلوم ہو کہ مسلمانوں کے

مذہب میں عیسائیوں سے محبت اور ان سے برادرانہ برتاؤ ضروری قرار دیا گیا ہے

میرزا ابوالفضل صاحب بہائی میرزا صاحب بھی لطیف پاشا صاحب کو ملنے آئے تھے اور یہیں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ یہ بڑے علامہ اور باخبر آدمی معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ گو میں برق ایجاد نہیں کر سکا لیکن برق ایجاد کرنے والوں کو مسلمان کر لیتا ہوں۔ اسوقت تو مجھے ان کا یہ تبختر ناپسند آیا۔ لیکن تاہم مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مرزا صاحب مذہب بہائی کے بڑے نامور خادم ہیں اور انہیں کی کوشش سے اضلاع متحدہ امریکہ کے ہزارہا عیسائی بابی و بہائی بن گئے ہیں۔

رخصت ہونے کے وقت پاشا صاحب نے اپنی تصنیفات سے الفاصل بین الحق والباطل ترکی عربی کی دو جلدیں اور خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام کی چار جلدیں مجھے ہدیتہ دیں۔ لطیف پاشا سلیم صاحب قاہرہ کی مخلوط عدالت کے آنریری پریسیڈنٹ اور سابق مدیر صوبہ فیوم و انسپکٹر تعلیم فوجی رہ چکے ہیں۔ اسمٰعیل پاشا اور توفیق پاشا کے زمانہ میں ملک کے پالیٹکس میں آپنے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ اسلئے کیا سرکار اور کیا عوام کی نظر میں یہ بڑی عزت رکھتے ہیں۔

شکری آفندی محمد شکری آفندی صاحب کا بھی میں بہت مشکور ہوں۔ آپنے بھی مجھے مصر میں کئی قابل دید مقامات دکھلائے اور بعض مشاہیر سے ملاقات کرائی پہلے پہل جب میں دفتر المؤید میں گیا تھا تو ان سے ملاقات ہو گئی تھی۔ یہ صاحب دراصل ہندوستانی ہیں۔ مگر اب مدت سے مصر کی سکونت اختیار کر چکے ہیں گھر میں ترکی بیوی ہے۔ انگریزی جانتے ہیں۔ اور یورپین سیاح جو مصر میں جاتے ہیں یہ ان کی رہنمائی اور ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک روز انہوں نے مجھے اپنے گھر میں دعوت بھی دی۔

اہل مصر کے اطوار و رسم و رواج

کچھ عجیب مصری خصوصیتیں

(۱) مصر میں بیماری چشم کا عارضہ بہت ہے۔ معلوم نہیں ملک کی آب و ہوا
میں کچھ خصوصیت ہے یا کیا بات ہے۔ (۲) مصر میں شادی کے متعلق
یہ ایک عجیب رسم ہے کہ جب نکاح کے بعد زفاف ہوتا ہے تو دلہن کے میکے
اور سسرال کی عورتوں کے مجمع میں دولہا کے ہاتھ کی انگلی سے دلہن کی بکارت کا امتحان
کرایا جاتا ہے۔ اگر دولہا اس بیحیائی کے کام سے شرم کرے تو دائی کے ہاتھ سے
اسکی تصدیق کرائی جاتی ہے۔ کیپ کالونی اور ٹرینسوال میں جو ملائی مسلمان آباد
ہیں ان میں بھی ڈاکٹر نور حسین صاحب صابر نے لکھا تھا کہ ایک اسی قسم کی رسم موجود ہے
یعنی شب زفاف کے بعد نئے جوڑے کے بستر کی چادر سے بکارت کی تصدیق کیجاتی
ہے۔ اور اگر بیوی اس امتحان میں کامیاب نہ نکلے تو دوسری صبح اسکے خاندان کی عورتوں
کے روبرو اسے ذلیل کیا جاتا ہے (۳) مصری اکثر شافعی اور مالکی مذہب کے پیرو ہیں
حنفی بہت کم ہیں۔ اسلئے تمام پانی کے جانور مثل کچھوے اور کیکڑے وغیرہ کے
کھا جاتے ہیں۔ (۴) عام مصری حماموں میں اکثر برہنہ ہو کر غسل کرتے ہیں
اور آپس میں ایک دوسرے سے حجاب نہیں کرتے (۵) مصری شراب بھی عموماً
پیتے ہیں۔ اور بہت کم ہونگے جو نہ پیتے ہوں (۶) مصری فلاح کو کہتے ہیں مزدور
اور فقیر تک جو ہیں صاف ستھرے رہتے ہیں۔ ہندوستان کی نسبت معاشرت
وہاں بہت اعلےٰ ہے اور آسودگی زیادہ ہے (۷) مشہور ہے کہ قدیم زمانہ میں
مصری فلاح فوجی نوکری سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کاٹ
ڈالتے تھے لیکن ابتک بہت لوگ ہیں۔ جو اپنے ہاتھوں کو زخمی کر لیتے ہیں یا
ادویات کے ذریعہ سے کمزور و ناتوان بنجاتے ہیں تاکہ بھرتی کرنیوالا سرجنٹ انکا
نام فوج میں نہ درج کرے۔ اور اگر ان لوگوں کی یہ شرارت معلوم ہو جاتی ہے تو
انہیں سزا دیجاتی ہے۔ اگر مصری نوجوان کے جنگی بھرتی کا زمانہ قریب ہو سفر

کو جائیں تو ضمانت دیکر جاتے ہیں۔ کہ بھرتی کے وقت واپس آ جائینگی۔ وہ فلاح خسر اپنی حکومت جتانے کے لئے اپنی بہو بیچاری کی ہڈیاں اکثر نرم کرتا رہتا ہے اور بوجہ مشترک کنبہ کے طریقہ اور مشرقی حیا شعاری کے شوہر کو اپنی بیوی پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

قہوہ خانے لوکندے

یہاں قہوہ خانوں میں تھوڑے بہت اخبارات بھی پڑھے جاتے ہیں اور خوش گپی بھی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن عموماً لوگ نردوں یا لکڑی کے چپٹے پیٹوں سے گنجفہ یا تختہ نرد ہی کھیلتے رہتے ہیں۔ ایک پیر سفید داڑھی والا ایک دس بارہ سال کے لڑکے کے ساتھ بھی بازی کھیل رہا ہے۔ اور دونوں بڑے خوش ہیں۔ لوکندوں میں ہر قسم کا کھانا ملتا ہے۔ ایک روز رشید آفندی صاحب ایڈیٹر المنار نے ایک لوکندہ میں ہی میری دعوت کی۔ اور بہت پر تکلف کھانا کھلایا۔

بخشیش

افسوس ہے کہ بخشیش مانگنے کی بہت بری رسم یہاں زور سے پھیلی ہوئی ہے۔ جو لوگ کچھ کام کرتے ہیں۔ یا جو مجاور یا ملازم وغیرہ ہیں وہ تو شاید اپنا کچھ حق سمجھتے ہوں۔ لیکن راہ چلتے ایک لڑکا بھی بخشیش مانگ بیٹھتا ہے۔

سلام کا طریقہ

مصر میں سلام کا طریقہ مجھے بڑا عجیب معلوم ہوا۔ دو شخص ایک دوسرے سے ملکر آپس میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ چلیے سلام ہو چکا۔ شام کی طرح یہاں بھی لوگ رخصت کے سلام کے وقت مع السلامہ کہتے ہیں۔ شام میں ایسے موقعے پر بعض دفعہ "خاطرکم" بھی کہتے ہیں۔ عیسائی جب ملتے ہیں تو السلام علیکم کے بجائے "سیدی" کہتے ہیں۔ "سیدی" و "مولائی" کہنے کا تکلف کی گفتگو میں رواج ہے۔ سر آنکھوں پر کہنے کیلئے "بالراس والعیون" یا "عیونی" بھی کہتے ہیں۔

بوجھ

میں نے مصر سے ایک صندوق عربی کتابوں کا خریدا۔ جس نے مجھے راستہ میں بہت تکلیف دی۔ اور اسپر خرچ بھی اس سے زیادہ ہوا کہ جسقدر مال کے آنیکا آنے میں ہوتا۔ جہاز میں لوگوں کے پاس اس سے بھی زیادہ اسباب بلا کرایہ موجود تھے۔ لیکن میں نے ناواقفی

کی وجہ سے ایک پونڈ سے زیادہ اسپر کرایہ خرچ کر دیا۔ قاہرہ میں میں نے سب جہازوں کی کمپنیوں کے کارخانوں میں جاکر معلوم کیا۔ کہ کون جہاز ہندوستان کو جلدی جانے والا ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ آسٹرین لائیڈ کمپنی کا جہاز امپیریٹر تیار ہے میں نے قاہرہ ہی ٹکٹ خرید لیا۔ سات بجے شام کو قاہرہ سے چلکر ۱۲ بجے شب کو اسمٰعیلیہ پہنچے جہاں ریل گاڑی بدلنی پڑی۔ صبح سویز پہنچکر ۹ نومبر کی شام کو جہاز پر سوار ہو گیا۔ سویز

سویز | بوجہ نہر سویز کے ایک خاصا قصبہ بن گیا ہے۔ یورپین کانسلوں اور تجارتی کمپنیوں کے مکانات بڑے عالیشان ہیں۔ یہاں بھی قہوہ خانے بڑے پُرتکلف کے ہیں۔ دیسی شہر نئی آبادی سے الگ ہے۔ یہاں کا بندر خراب ہے۔ اور کشتی میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھنے کے بعد جہاز کے کھڑے ہونے کی جگہ تک پہنچتے ہیں۔ بوجہ کوئلہ گراں ہو جانے کے ۱۵ اکتوبر سے ہندوستان کو جہاز لانے والی سب کمپنیوں نے ایکاایکی کرایہ جہازوں کا دس فیصدی بڑھا دیا تھا۔ اس جہاز کا دوم درجہ کا کرایہ بیس پونڈ سے ۱۹ پونڈ۔ اشلنگ اور سوم درجے کا ۵ پونڈ بمبئی تک تھا۔ اتفاق سے مجھے بعض یورپین مسافر اس جہاز پر ایسے ملے۔ کہ جو میرے ساتھ ہی ہندوستان سے یورپ کو چھ ماہ کی رخصت پر گئے تھے۔ مجھے جہاز پر سوار ہوتے ہی بوجہ قبض بخار ہو گیا۔ جسکے لئے مسہل کرنا پڑا۔ دو روز کے بخار اور مسہل سے طبیعت بہت ضعیف ہو گئی سمندر بہت ٹھنڈا تھا۔ ۱۲ نومبر کی رات کے ۱۲ بجے جہاز نے عدن میں پہنچکر لنگر ڈالا

عدن | اور سہ پہر کو لنگر اٹھایا۔ عدن میں اتر کر میں نے بندر کو دیکھا۔ بوجہ نقاہت کے شہر عدن تک جانے کی جرأت نہ پڑی۔ جو بندر سے دو تین میل ہے۔ دھوپ اس جگہ ایسی سخت تھی۔ کہ دوپہر کو چلنا مشکل تھا۔ یہاں کا مدرسہ میں نے دیکھا۔ جس میں

سمالی البادر | سمالی لڑکے پڑھ رہے تھے۔ مدرس بھی سمالی قوم کا تھا۔ منجملہ دیگر باتوں کے اس نے بتلایا کہ ان لوگوں میں "انساب" یاد رکھنے کا کیسا رواج ہے۔ دو تین آٹھ آٹھ سال کے بچوں نے مجھے آٹھ آٹھ سات سات اجداد کے نام سنا دیئے خود معلم نے اپنی بیس پشتوں کے نام سلیٹ پر لکھ کر مجھے دیئے۔ اور پھر زبانی سنا دیئے۔

اس نے کہا ایسا میں نے اس لئے کیا ہے۔ کہ تمہیں شک نہ ہو۔ کہ میں فرضی نام سنا رہا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ شمالی بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ اور بعض لڑکے جہازوں کے قریب جا کر جرمنی۔ فرانسیسی۔ انگریزی جیسی زبان کے الفاظ اور فقرات سنتے ہیں۔ یاد کر لیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض ان زبانوں میں ٹوٹی پھوٹی باتیں کر سکتے ہیں۔

معاودت وطن

گر ازین منزل غربت بسوئے خانہ روم — قصد کردم کہ ہم از راہ بمیخانہ روم
تا بگویم کہ چہ کشفم شد ازین سیر سلوک — بر در میکدہ با بربط و پیمانہ روم
آشنایان رہ عشق گرم خون بخورند — ناکسم گر بشکایت بر بیگانہ روم

حافظ

بمبئی پہنچنا فضل الٰہی سے موسم بہت اچھا تھا۔ اور ۱۲۔ نومبر کو عدن سے چلکر ۱۹ کی شب کو ۱۲ بجے جہاز بندر بمبئی میں پہنچ گیا۔ شہر بمبئی کی برقی اور گیس کی روشنی دور سے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ عدن سے بہت سے ہندوستانی مسافر تھرڈ کلاس میں سوار ہوئے تھے۔ اور میں نے سنا کہ عدن اور بمبئی کے درمیان ہندوستانیوں کی بہت آمد و رفت رہتی ہے۔ بعض لوگ سواحل افریقیہ سے بھی عدن میں آ جاتے ہیں اور پھر بمبئی کو آتے ہیں۔ بعض مسافر جن کے بمبئی میں مکانات تھے۔ وہ رات کے ۱۲ بجے ہی جہاز سے اتر گئے۔ مگر دوسری صبح ۹ بجے پائلٹ کی مدد سے جہاز آہستہ آہستہ چل کر گودی میں پہنچا۔

کسٹم کی تکلیف یہاں اترنے کے بعد کسٹم (چنگی) کے افسروں نے لوگوں کا مال دیکھنا شروع کیا۔ بہت سے انگریز تو بہت بہت مال کے صندوق لیکر چلے جاتے۔ مگر ان سے کوئی نہ پوچھتا۔ اور ہندوستانیوں کے چھوٹے چھوٹے بکس اور ٹرنک بھی کھلوائے جاتے۔ میرے پاس سات آٹھ روپے قیمت کی قابل محصول اشیا تھیں مجھے ایک شخص نے میرے قلی کی معرفت کہا کہ اگر پانچ روپے دے دو تو گذر جانے دونگا

ورنہ بڑی تکلیف ہوگی۔ آخر وہ شخص تین روپے لینے پر راضی ہو گیا۔ مگر میں نے نہ مانا
میرے اسباب سے اشیاء قابل محصول امانت رکھ کر مجھے رسید دے دی گئی۔ اور جس
تکلیف سے بعد کے دو روز میں میں نے محکمہ کسٹم سے اس کلرک سے اور اس
کلرک سے اس کلرک کے پاس پھر کر اپنی اشیاء کو حاصل کیا اور ان پر دس گیارہ آنے
محصول دیا ہے۔ اگر وہ مجھے پہلے معلوم ہوتی۔ تو میں یقیناً پانچ روپے بھی دیکر
خلاصی کرا لیتا۔ محکمہ کسٹم کے ماتحت ملازم لوگوں کو بڑی تکلیف دیتے ہیں
اور کام کرنے کی روٹین اتنی لمبی اور پیچیدہ ہے کہ ناواقفوں کو اس سے سخت
تکلیف اٹھانی پڑتی ہے کہ جس کے سامنے شرح محصول کسٹم ہیچ ہے۔

بزرگان بمبئی کی قدردانی

بمبئی میں خان صاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب جنکا افسوس ہے کہ اسکے بعد انتقال ہو چکا ہے (خدا غریق رحمت کرے بہت اچھے
آدمی تھے) اور مولوی عبد الواحد صاحب مترجم عربی و فارسی ہائیکورٹ اور ان کے
احباب نے محمڈن کلب کی طرف سے مجھے ایک پارٹی دینے کا اہتمام کر رکھا تھا
لیکن میں نے منت اور اصرار سے ان سے معافی حاصل کی۔ تاہم خان صاحب شیخ
ابراہیم حافظ کی توجہ سے ۲۱ نومبر کو اخبار مسلم ہیرالڈ کے دفتر میں ان کے احباب خاص
کے ایک مجمع میں ایک پر تکلف ٹی پارٹی دی گئی۔ اور مجھے بمبئی کی رسم کے مطابق پھولوں
کے ہار پہنائے گئے۔ اسی روز مسٹر بدر الدین طیب جی صاحب سے (افسوس ہے
کہ طیب جی صاحب کا بھی اس زمانہ میں انتقال ہو چکا ہے۔ ع
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھے)
اسلام کلب میں شام کے ۶ بجے میری ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ جب وہاں سے فارغ ہوا
تو پھر خان صاحب شیخ ابراہیم حافظ صاحب اور ان کے دوست ڈاکٹر غلام سرور خان صاحب
سے ملاقات ہوئی۔ ہر چند کہ میرا کل تک ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہ تھا۔ مگر ڈاکٹر صاحب
کے اصرار سے مجھے کل شام کو ان کی دعوت قبول کرنی پڑی۔ ۷ بجے شام دعوت کا
وقت تھا۔ اور ۸½ بجے ریل ہندوستان کو روانہ ہوتی تھی۔ اس لئے میرا اسباب

گاڑی پر ساتھ ہی لیکر کھانا کھانے کو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑی فیاضی سے ایک پر تکلف دعوت تیار کی تھی جسکا مجھے پہلے خیال بھی نہ تھا۔ اسمیں بمبئی کے کئی نامی گرامی رئیس اور نامور مسلمان مدعو تھے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:- بدرالدین صاحب۔ عبداللہ قور ممبر میونسپل کارپوریشن۔ قاضی محمد علی صاحب لنڈے قاضی بمبئی۔ سردار عبدالعلی خانصاحب خان بہادر افسر پولیس بمبئی۔ حاجی محمد آیا سیٹھ صاحب رئیس بمبئی۔ مولوی عبداللہ احمد صاحب مترجم ہائی کورٹ۔ شجاع الدین صاحب بلگرامی۔ منشی محمد امیر صاحب ایڈیٹر مسلم ہیرالڈ۔ خانصاحب شیخ ابراہیم حافظ کنٹراکٹر۔ خانصاحب ڈاکٹر حافظ فضل احمد صاحب۔ مولوی عبدالودود صاحب ایڈیٹر نیر اعظم۔ میرزا حسین خانصاحب سالسٹر میزبان ڈاکٹر غلام سرور خانصاحب۔

ریل کیوقت کی تنگی کیوجہ سے میں صاحب میزبان کا کافی شکریہ بھی ادا نکر سکا۔ سٹیشن کو مولوی عبداللہ احمد اور ڈاکٹر فضل احمد صاحبان کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔ ۹ بجے شام کو گاڑی روانہ ہوئی۔ ۱۰ بجے صبح کے احمد آباد پہنچی۔ دوسرے روز ۹ بجے صبح باندیکوئی اور ۳ بجے شام کو دہلی پہنچی۔ میرے کرمفرما دوست حافظ عبدالمجید صاحب مالک برکت کمپنی دہلی اور مولوی سید احمد صاحب مصنف فرہنگ آصفیہ سٹیشن پر منتظر تھے حافظ صاحب کے یہاں شام کو کھانا کھایا۔ اور ۱۱ بجے رات سہارنپور کو جانیوالی گاڑی پر سوار ہوگیا۔ صبح گاڑی انبالہ پہنچی۔ میرے بعض دوست کل ہی انبالہ تک میرے ملنے کے لئے لاہور سے آکر لوٹ گئے تھے۔ کیونکہ بمبئی سے جو پہلے اطلاع روانگی کی بھیجی دی تھی۔ اس کے مطابق میں نہیں روانہ ہوا تھا۔ مجھے یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ لودیانہ کے احباب بھی اسی طرح سٹیشن سے ملاقات کرسکنے کے سوا لوٹ گئے۔ امرتسر کے احباب کا مجمع اسی روز ۱۱ بجے کی ریل پر جمع ہوا تھا لیکن مجھے اسمیں نہ پاکر بڑی مایوسی سے لوٹ گیا۔ اور پھر بعض مہربان مثل شیخ فیروزالدین صاحب آنریری مجسٹریٹ و شیخ غلام محمد صاحب مالک و ایڈیٹر وکیل و شیخ محمد صاحب بیرسٹر و شیخ امام الدین صاحب وغیرہ وغیرہ کہ جن کے نام یہاں درج نہیں ہو سکتے شکر گزار

تو جہاں میں بدل مشکور ہوں آج پھر سٹیشن پر پہنچے ملنے کو تشریف لائے
گاڑی لاہور پہنچی سٹیشن پر میرے عزیزوں، دوستوں، مہربانوں اور ہندو مسلما
شہر کا بہت بڑا مجمع تھا۔ پلیٹ فارم پر اسقدر ہجوم تھا۔ کہ تل رکھنے کو جگہ نہ تھی
تعجب کرتا تھا۔ کہ میں نے کونسا ایسا کام کیا ہے کہ میرے اہل وطن اور دوست ا
مجھ پر مہربان ہیں۔ مجھے پھولوں سے لاد دیا ہے یہ صرف ان لوگوں کی محبت
مہربانی کا نتیجہ تھا۔ سٹیشن سے میری گاڑی کے ہمراہ ایک لمبی قطار دوستوں
گاڑیوں کی کارخانہ پیسہ اخبار تک آئی۔ مکان کا وسیع صحن فرش اور فرنیچر
آراستہ تھا۔ یہاں سب بزرگوں کی دلفریب شربت سے تواضع کی گئی۔ ح
میں سے اسی وقت بعض نے خیال ظاہر کیا۔ کہ میں اپنے سفر کے کچھ حالات
سامنے بیان کر دوں۔ چونکہ تین ہفتے روز سے بلا وقفہ لمبی سے سفر کرتا ہوا آ
تو میں ماندگی کے باعث عذر کیا۔ شیخ عبدالقادر صاحب بی اے ایڈیٹر آبزرور
سکرٹری انجمن اسلامیہ نے اپنی طرف سے اور نیز منشی شمس الدین صاحب سکرٹری
اسلامیہ حمایت اسلام لاہور کی طرف سے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ ان
انجمنوں کی طرف سے میرا پہنچنے کے لاہور پہنچنے کے وقت احباب کو سٹیشن تک
فرمانے کی اطلاع شائع ہوئی تھی۔ اور نیز شیخ صاحب نے میری طرف سے عذر کیا
ابھی لکچر دینے کے قابل نہیں ہوں کسی دوسرے موقعے پر اپنے چند ح
سفر بیان کروں گا۔ چنانچہ یہ لکچر ۲۳ دسمبر کو روز یکشنبہ ۳ بجے سہ پہر کے اسلا
لاہور میں دوسری مرتبہ ... میں زیر صدارت پروفیسر آرنولڈ
دیا گیا۔ خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ میری سفر کی آرزو میں مجھے
ہوئی۔ اور میں اس قدر دور دراز ممالک سے بخیریت وطن میں واپس پہنچا۔

وللہ الحمد

تمام شد

Date	No.	Date	No.